(جملہ حقوق بحق ناشرین ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ

دریا بہ حباب اندر — دنیا بہ کتاب اندر

مخزنِ اخلاق

چھبیسواں[۲۶] اڈیشن یعنی طبع بست و ششم

باضافاتِ جدیدہ و افاداتِ عجیبہ

(منظور کردہ سر رشتہ تعلیم حکومت متحدہ پنجاب)

اخلاقیات کے ماتحت ہر قسم کے مضامین متفرقہ کا نہایت دلچسپ و مفید عام، دانش آموز و خرد افروز مجموعہ اور بہترین و دلنشین انتخابات کا لاثانی تحفہ جس کی نظیر دنیا بھر کی کوئی کتاب بحیثیتِ مجموعی پیش نہیں کر سکتی۔ جسے ہر مذہب و ملت کے اکابر نے متفقہ طور پر زمانہ حاضرہ و ضرورتِ وقت کی لاجواب کتاب دُنیا و آخرت کی فلاح و صلاح کے لیے ازبس مفید و کار آمد اور ہمیشہ زیرِ مطالعہ رکھنے کو لازمی قرار دیا ہے

مرتبہ و مؤلفہ

مولانا رحمت اللہ سُبحانی لودیانوی رحمتہ اللہ علیہ

ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور

دریں کتاب نظر کن بہ چشم عبرت بیں | کہ رہبرِ رہِ دنیا و مظہرِ دین است

اس کتاب میں نظر کر عبرت بیں نگاہ سے | کہ رہبرِ دنیا ہے اور مظہرِ دیں ہے

سفینہ ہا ہمہ در بحر دیدہ اند، ولے | سفینہ اے کہ در و بحر ہا بُوَد این است

کشتیوں کو سمندر میں دیکھا ہے ، لیکن | وہ کشتی کہ جس میں سمندر رہوں یہ ہے

جمشید کا تو جام فقط تھا جہاں نما | "مخزن" مگر ہمارا ہے کون و مکاں نما

وہ گل کہ جو نہ دیکھے گا روئے خزاں کبھی | ہے میرے باغ میں تری قسمت جو رسا ہو

علم و دانش کا یہ "مخزن" نہ ملے گا یکجا | لاکھ پڑھ جاؤ کتب خانے زمانے بھر کے

اس کی یکتائی سے منکر کو لیے ہے دعوت | کوئی دکھلائے کتاب ایسی جو پیدا کر کے

وقتے کہ نہادیم دریں دَیر قدم را | گفتیم صلائے ست عرب را و عجم را

جس وقت کہ رکھا ہم نے اس جہان میں قدم | کہا ہم نے کہ دعوت ہے عرب اور عجم کو

پیشِ خدمت ہے کتابِ لاجواب | آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

مخزنِ اخلاق کی ہردلعزیزی کا بے نظیر ریکارڈ

پہلا ایڈیشن	سنہ ۱۹۳۲ء	۱۰۰۰ جلد	ایجوکیشنل الیکٹرک پریس ریلوے روڈ جالندھر
دوسرا ایڈیشن	سنہ ۱۹۳۳ء	۱۲۵۰ "	" " " " " "
تیسرا ایڈیشن	سنہ ۱۹۳۵ء	۱۲۵۰ "	ثنائی برقی پریس امرتسر
چوتھا ایڈیشن	سنہ ۱۹۳۷ء	۱۰۰۰ "	حجازی پرنٹنگ پریس لاہور
پانچواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۳۹ء	۱۲۵۰ "	مفید عام پریس لاہور
چھٹا ایڈیشن	سنہ ۱۹۴۱ء	۱۷۵۰ "	فیروز پرنٹنگ پریس لاہور

سپیشل سکول ایڈیشن حسب الحکم سررشتہ تعلیم پنجاب

ساتواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۴۸ء	۱۰۰۰ جلد	اتحاد پریس، بل روڈ لاہور
آٹھواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۵۰ء	۱۰۰۰ "	" " " " "
نواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۵۲ء	۱۰۰۰ "	انشا پریس اردو بازار لاہور
دسواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۵۳ء	۱۰۰۰ "	" " " " "
گیارھواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۵۴ء	۱۰۰۰ "	کتابستان پرنٹنگ پریس میکلوڈ روڈ لاہور
بارھواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۵۵ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
تیرھواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۵۶ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
چودھواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۵۷ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
پندرھواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۵۸ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
سولھواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۵۹ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
سترھواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۶۰ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
اٹھارھواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۶۱ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
انیسواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۶۱ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
بیسواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۶۲ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
اکیسواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۶۳ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
بائیسواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۶۴ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
تیئسواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۶۶ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
چوبیسواں ایڈیشن	سنہ ۱۹۶۷ء	۱۰۰۰ "	" " " " " "
پچیسواں "	سنہ ۱۹۶۸ء	۱۰۰۰ "	نقوش پریس اردو بازار لاہور

مقبولیتِ عامہ کا شاندار و درخشاں کارنامہ

سینکڑوں میں سے چند ایک مقتدر اصحاب، اعلیٰ حکام و مشاہیر اُدبائے کرام کے اسمائے گرامی جنہوں نے بذریعہ تحریر کتاب ہٰذا کے متعلق اپنی آراء کا بہترین الفاظ میں اظہار کر کے اس کی فضیلت و برتری اور اس کے لافانی ولاثانی اور زندہ جاوید کتاب ہونے کے متعلق مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

آنریبل چودھری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان۔
آنریبل شیخ عبدالقادر مرحوم جج ہائیکورٹ پنجاب۔
آنریبل عبدالحی مرحوم وزیر تعلیم پنجاب۔
آنریبل جسٹس شیخ محمد شریف سابق جج سپریم کورٹ پاکستان۔
آنریبل ایم آر کیانی مرحوم چیف جسٹس مغربی پاکستان لاہور۔
آنریبل جسٹس خورشید زماں خاں سابق جج ہائی کورٹ پنجاب۔
چودھری محمد حسین سابق اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل پولیس کرائمز مغربی پاکستان لاہور۔
مسٹر نذیر علی شاہ سپرنٹنڈنٹ انجینئر لاہور۔
علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی مرحوم لاہور۔
علامہ شمس العلما تاجور مرحوم پروفیسر دیال سنگھ کالج لاہور۔
مولانا علم الدین سالک سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور
مولانا عبدالمجید سالک مرحوم ایڈیٹر ''انقلاب'' لاہور۔
مولانا محمد شفیع مرحوم ایم اے ڈی او ایل صدر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور
خواجہ دل محمد مرحوم پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور۔
چودھری غلام عباس مرحوم پرنسپل دیال سنگھ لاہور۔
مولانا محمد بخش مسلم بی اے خطیب جامع مسجد لوہاری گیٹ لاہور۔
مولانا عبدالحق عباس مرحوم مہتمم و بانی مدرسۃ البنات لاہور۔
مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش مرحوم۔

مسٹر محمد باقر نسیم رضوانی ایم اے، او- ایل۔
مولانا فضل الدین نور ایم اے علیگ ہیڈ ماسٹر۔
ڈاکٹر سید محمد صادق ایم اے، پی ایچ ڈی، لندن۔
آغا شیر احمد خاں ایم اے، بی ٹی، ایم او ایل ایل بی
سید شبیر محمد ترمذی سابق ڈپٹی ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب۔
پروفیسر سید فیض الحسن ہمدانی ایم اے، ایم او ایل، ایچ پی۔
مولانا سید حبیب صاحب مرحوم ایڈیٹر ''سیاست'' لاہور۔
مولانا حاجی سید محمد اسلم چشتی مرحوم ایڈیٹر ''جریدہ'' لاہور۔
مولانا لعل دین عاصی ایڈیٹر ''صادق'' ملتان۔
سیٹھ عبدالمالک مالک کرنال شاپ لاہور۔
خان بہادر میاں امام دین ایگزیکٹو انجینئر مردان۔ سرحد۔
مولانا مفتی خیر محمد صاحب فاضل دیوبند، بانی و مہتمم خیر المدارس ملتان

غیر مسلم قارئین میں سے کتاب حسب ذیل نے پسند کی

آنجہانی راجہ نریندر ناتھ پریذیڈنٹ ہندو مہا سبھا پنجاب۔
سردار بہادر سردار کپور سنگھ ایم اے آکسن بیرسٹر جالندھر۔
سردار رام سنگھ ایم اے۔ بی ٹی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ سکول لگ۔
بابو دل باغ رائے بی اے سب ڈویژنل افیسر لودیانہ۔
پنڈت ہربنس لال فارسی ٹیچر آریہ ہائی سکول لودیانہ۔
سوڈھی شمشیر سنگھ رئیس ہنگت پورہ پٹیالہ۔

فہرستِ مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
احکامِ خدا	۱	اقوال بطلیموس	۱۵۲	نصائح حکیم بقراط	۲۶۹
ارشاداتِ نبویؐ	۱۰	اقوال حکیم اقلیدس	۱۵۳	نصائح دیو جانس کلبی	۲۷۰
خصائل و شمائل نبویؐ	۲۹	اقوال مامون رشید	۱۵۴	نصائح رفاعیہ	۲۷۲
چہل احادیث	۵۹	اقوال کیخسرو	۱۵۵	نصائح دلپذیر	۲۷۴
امثال حضرت سلیمانؑ	۶۱	اقوال بزرجمہر	۱۵۶	اخلاقی جواہر پارے	۲۸۱
مواعظ حضرت عیسیٰؑ	۶۳	اقوال حکمائے عرب	۱۵۸	نکاتِ دانش	۲۸۶
اقوال حضرتِ ابوبکرؓ	۶۸	اقوال بو علی سینا	۱۵۹	خطرناک غلطیاں	۲۹۱
اقوال حضرت عمرؓ	۷۶	سلطانِ عادل	۱۶۱	سلک مروارید	۲۹۲
اقوال حضرت عثمانؓ	۸۷	اقوال بزرگان	۱۶۲	اعمال الصالحین	۲۹۴
اقوال حضرت علیؓ	۹۳	اقوال بیکن	۱۶۷	ذرائع کامیابی	۳۱۵
اقوال حضرت امام جعفر صادقؒ	۱۰۵	اقوال ہربرٹ سپنسر	۱۷۹	کشکولِ اخلاق	۳۲۵
اقوال حضرت غوث الاعظمؒ	۱۰۶	اقوال فرینکلن	۱۸۱	وفائے عہد	۳۳۸
جودِ باری تعالیٰ	۱۱۲	اقوال دانایان فرنگ	۱۸۵	جذبۂ انتقام	۳۳۹
اقوال حضرت فضیلؒ	۱۲۷	دنیائے مزدور	۲۰۸	الدنیا زورٌ	۳۴۵
اقوال حضرت بایزیدؒ	۱۳۱	اقوال یحییٰ برمکی	۲۱۴	خاکساری	۳۴۷
اقوال حضرت مجددؒ	۱۳۳	حقیقی مسلمان	۲۱۵	حقیقی نیکی	۲۴۹
اقوال حضرت ابو الحسن خرقانیؒ	۱۳۸	مساواتِ اسلام	۲۱۸	مسبب الاسباب	۳۵۰
اقوال حضرت امام غزالیؒ	۱۴۰	سیرۃ الاولیا	۲۳۵	حاضر جوابی	۳۵۱
اقوال حضرت معروف کرخیؒ	۱۴۵	نصائح لقمانؑ	۲۵۷	"ال" نامہ	۳۶۰
اقوال حضرت شقیق بلخیؒ	۱۴۷	نصائح سقراط	۲۵۹	الم آباد دنیا	۳۶۶
اقوال حضرت جالینوسؒ	۱۴۹	نصائح افلاطون	۲۶۳	صحت کی قیمت	۳۶۹
اقوال فیثاغورث	۱۵۰	نصائح ارسطاطالیس	۲۶۶	دلجوئی	۳۷۰

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
قضائے آسمانی	۳۷۱	حصولِ دولت	۴۶۱	تبرکات حضرت سعدیؒ رحمہ (نظم)	۶۲۵
ضرب الامثال	۳۷۲	علم و اخلاق	۴۷۵	اشعار الاخلاق	۶۲۹
حقیقتِ دنیا	۳۹۵	محنت و استقلال	۵۱۹	درس اخوت	۶۴۹
خیالاتِ دانایان	۴۳۳	مذمتِ سوال	۵۲۹	روحِ تصوف	۶۵۰
صلۂ رحمی	۴۲۶	ظرافت لطیف	۵۳۸	تحفۂ ہستی	۶۷۰
احوال ماضی	۴۲۷	ادب ہندی	۵۵۸	ہمارے شاعر	۶۷۱
حکایاتِ مفید	۴۳۰	وقت اجل	۵۸۳	بیدادِ زمانہ	۶۷۲
فضیلت اسلام	۴۵۴	خلق و رفق	۶۰۰	طریقِ عمل	۶۷۴
قرآن حکیم	۴۵۶	قدر و قیمت وقت	۶۰۶	دورِ مستقبل	۶۷۵
بے نظیر قربانی	۴۵۹	مذمتِ شراب	۶۱۴	مختار و مجبور	۶۷۷

گزارشِ مؤلف متعلقہ طبع آخر در حیاتش

خدایا مطلعِ انوارِ رحمت کن کتابم را — شمارد "مخزنِ اخلاق" دنیا انتخابم را
طفیلِ رحمۃ اللعالمین و صدقۂ خلقش — بگرداں کعبۂ مقصود فکرِ بے حسابم را

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! الحمد للہ کہ مشہور آفاق کتاب "مخزنِ اخلاق" کے سابقہ ایڈیشن بغیر کسی اخبار، اشتہار، ایجنٹ یا دیگر ذرائع اشاعت کے محض بافضالِ ایزدِ متعال و بالطافِ خدائے ذو الجلال، بذریعہ ڈاک یا فرداً فرداً دست بدست براہِ راست اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ اخلاقی تنزّل اور لادینی و آزاد روی کے اس دورِ پُرآشوب میں جب کہ ہر کس و ناکس نئی روشنی کے مخربِ اخلاق اور برعکس نام نہاد "ترقی پسند" ادب کے بے پناہ سیلاب میں بے اختیار خس و خاشاک کی طرح بہا جا رہا ہو "مخزنِ اخلاق" جیسی کتاب کا جو حُسن و عشق کی ظاہری رنگینیوں سے معرّا اور جذبات و ہیجان خیز عریانیت سے لبریز فحش مضامین کی دل فریبیوں سے بالکل مبرّا ہے عرصہ قلیل میں بہ تعداد کثیر اس قدر سرعت کے ساتھ مقبولِ عام و محبوبِ انام ہو جانا خداوند کریم کے بے انتہا فضل و کرم عوام الناس سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ و علمائے کرام تک کی غیر متوقع اور دور از امید قدر دانی کتاب ہذا کے لاثانی اور لافانی اور زندہ جاوید رہنے پر دال اور بہاؤ کے مخالف سمت تیرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ جس کے لیے بغیر کسی تفاخر و تکبّر کے جس قدر بھی اظہارِ تشکّر کیا جائے، کم ہے۔

ملک کے ہزارہا علم دوست و اخلاق پسند اصحاب اور ہر مذہب ملّت کے اکابر و ادبائے عظام و علمائے کرام نے اس کتاب کے متعلق جو گراں قدر الفاظ تحریر فرمائے ہیں، ان میں بغیر کسی اختلاف رائے کے یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے کہ اخلاقیاتِ اسلام کے ماتحت ہر مذاق کے مضامینِ متفرقہ کا ایسا معمورِ حکمت و دانش مؤثر و مفید، دلچسپ و دل نشین مجموعہ جو مخزنِ اخلاق نے پیش کیا ہے، آج تک اُن کی نظروں سے نہیں گزرا، جو ہر مبتدی و منتہی کے لیے حسبِ استعداد و بقدرِ فہم فائدہ رساں اور بلا تفریق مذہب و ملّت ہر زن و مرد اور پیر و جوان کے لیے یکساں دلچسپ و مفید، دانش افروز اور مدّت العمر زیرِ مطالعہ رکھنے کے قابل ہو۔ جس کی نظیر دنیا بھر کے کسی ملک، کسی مذہب، کسی مشہور مصنّف، کسی مضمون کی کوئی کتاب بحیثیت مجموعی یکجائی طور پر پیش نہیں کر سکتی۔ عیاں را چہ بیاں۔ یہ الفاظ خود ستائی کے طور پر میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھے۔ بلکہ بے شمار نقادانِ ادب و اخلاق اور ہزارہا قدر دانانِ کتاب کی زبان و قلم سے نکل چکے ہیں۔ جو اظہارِ حقیقت کے لیے دعوت بہ دوستاں و دعویٰ بامنکراں کے طور پر لکھے گئے بالفاظ قدر دانے ؎

علم و حکمت کا یہ مخزن نہ ملے گا یکجا — لاکھ پڑھ جاؤ کتب خانے زمانے بھر کے
اس کی یکتائی سے منکر کے لئے ہے دعوت — جو دکھلائے کتاب ایسی جو پیدا کر کے

بفضل اللہ العالمین اب "مخزن اخلاق" مزید ایک سو پچاس صفحات کے نہایت بیش قیمت اضافاتِ جدیدہ وافاداتِ عجیبہ کے ساتھ پیشِ خدمت ناظرین با تمکین ہے۔ میں نے اپنی کامل کثیر التجارب اور کثیر المطالعہ زندگی کے فراہم کردہ سرمایۂ ادب و اخلاق کا صرف وہ حصہ جو عوام الناس کے لئے عام فہم اور دینی و دنیوی اور اخلاقی طور پر دلچسپ، مفید اور کارآمد ہو سکے، اپنی مناسبتِ طبع اور افتادِ سرشت کے ماتحت مع اپنے ذاتی خیالات، تجربات ومشاہدات کے درج کتاب ہذا کر دیا ہے۔ جو آپ کو عمر بھر بہترین کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی بحیثیت مجموعی یک جائی طور پر کسی صورت سے کسی قیمت پر بھی میسر نہ آ سکتا تھا۔ جس کو "دریا بہ حباب اندر دنیا بہ کتاب اندر" کہنا بے جا نہ ہوگا۔ بشرطیکہ چشم بینا، دلِ دانا، مذاقِ سلیم اور فہم رسا سے کوئی ذرا بھی بہرہ ور ہو۔ ؎

وہ گل جو نہ دیکھے گا روئے خزاں کبھی
ہے میرے باغ میں تری قسمت جو رسا ہو

واضح رہے کہ علم و دولت ہر دو بے فائدہ ہیں۔ جب تک کہ ان کو مناسب طریق پر نہ پھیلایا جائے۔ علم و دولت وہ نہیں جسے تم اپنے سینے یا دفینے میں ڈال چکے ہو۔ بلکہ علم و دولت وہ ہے جو تم خلق خدا کے فائدے کے لیے اپنے سینے یا دفینے سے نکال چکے ہو۔ لہٰذا اس فرض کو بقدر اپنے علم و فہم ناقص میں نے پورا کر دیا ہے۔ جس سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا آپ کے اختیار میں ہے۔ ؎

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں
گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

۱۳ ستمبر ۱۹۶۳
بروز جمعۃ المبارک

خادم خلق، بندۂ اخلاق

رحمت اللہ سبحانی، لودیانوی

بہ عمر چوراسی (۸۴) سال

سبحانی سٹریٹ، سانده خورد (لاہور)

بسمِ اللہِ الرحمٰنِ الرحیم

اَحکامِ خدا

"احکامِ خدا" کو ہنسی کھیل نہ سمجھو، اور خدا نے تم پر جو احسان کیے ہیں ان کو یاد کرو۔ اس کا یہ احسان بھی نہ بھولو کہ اس نے تم پر کتاب اور عقل کی باتیں اتاری ہیں، اور منظور یہ ہے کہ تمہیں ان حکموں کے یا کتاب کے ذریعے سے نصیحت کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے ؂

مَیں وہ خدا ہُوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جس نے میری قضا کو تسلیم کیا، اور میری بلا پر صبر کیا، اور میری نعمتوں پر شکر ادا کیا، میں اس کو اپنے پاس صدیق لکھتا ہوں۔ اور جس نے میری قضا کو تسلیم نہ کیا، اور میری بلا پر صبر نہ کیا، اور میری نعمتوں پر شکر نہ کیا، پس چاہیئے کہ میرے سوا اور ربّ کی تلاش کرلے۔

دوزخ کے عذاب سے ڈرتے رہو، جو نافرمانوں اور منکروں کے لیے تیار ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانو۔ عجب نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے۔

مسلمانو! تم ہماری یاد میں لگے رہو، تاکہ ہمارے ہاں بھی تمہارا ذکرِ خیر ہوتا رہے۔ اور ہمارا شکر ادا کرتے رہو، اور ناشکری نہ کرو۔

جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی، ہم ان کو اپنا راستہ بتائیں گے۔

جس شخص کو میرا ذکر سوال کرنے سے روک لے، میں اس کو سوال کرنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔

اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانی چاہے، تو اس کے سوا کوئی اس تکلیف کو دُور کرنے والا نہیں۔ اور اگر تجھ کو کسی قسم کا فائدہ پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

شاید کہ تم بُرا مانو کسی شے کو، حالانکہ وہ تمہارے لیے اچھی ہو۔ اور شاید کہ تم محبّت کرو کسی چیز سے، حالانکہ وہ تمہارے لیے مُضر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تحقیق وہ آنکھیں اندھی نہیں، بلکہ وہ دل جو سینے میں ہیں اندھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔

لوگوں سے بے رُخی نہ کر اور زمین پر اِترا کر نہ چل، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی خور کو پسند نہیں کرتا۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو۔ خدا کی عنایت سے تم لوگوں سے نرمی سے پیش آتے ہو۔ اگر تم کہیں کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے آس پاس سے ہٹ جاتے۔

کیا تمہارا خیال ہے کہ تم بے فائدہ پیدا کئے گئے ہو اور تم ہماری طرف نہ پھرو گے؟

جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ خدا اس کے لیے وجہِ خروج بنا دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے۔ جو اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

بہت بڑا گناہ یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم خود نہیں کرتے۔

خدا تعالیٰ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے آثارِ قدرت کا علم رکھتے ہیں۔

جب گواہ ادائے شہادت کے لیے بلائے جائیں تو حاضر ہونے سے انکار نہ کریں۔

تو اپنے رب کی راہ کی طرف بُلا ساتھ حکمت اور موعظت کے۔ اور ان سے ایسی تدابیر کے ساتھ مباحثہ کر جو خوبی سے بھری ہوئی ہوں۔

لوگو! جب تک خدا تعالیٰ کی راہ میں وہ چیزیں خرچ نہیں کرو گے جو تم کو عزیز اور پیاری ہیں، نیکی کے درجے کو ہرگز نہیں پہنچو گے۔ اور کوئی سی چیز بھی خرچ کرو، اللہ اس کو جانتا ہے۔

خدا کی راہ میں خرچ کرو، اور اپنے تئیں اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

ظالموں پر خدا تعالیٰ کی لعنت جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں، اور لوگوں کے دلوں میں شبہے ڈال کر ان میں کجی پیدا کرنی چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ توبہ تو قبول کرتا ہی ہے، مگر انہی لوگوں کی جو نادانی سے کوئی بُری حرکت کر بیٹھتے ہیں اور جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ بھی ایسوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کا حال جانتا ہے۔ اور دین و دنیا کی مصلحتوں سے واقف ہے۔

اور اُن لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو عمر بھر تو بُرے کام کرتے رہے، یہاں تک کہ ان میں سے جب کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی کہنے لگے، کہ اب میری توبہ۔ اور اسی طرح ان کی بھی توبہ قبول نہیں ہوتی جو کافر ہی مر گئے۔ یہی وہ لوگ ہیں، جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تمہارے پاس ایسی آیتیں بھیجی ہیں جن کا مطلب صاف اور واضح ہے اور ان سے انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو نافرمان ہیں۔

اے ایمان والو! کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا کہ جن پر تم سے پہلے کتاب اُتری تھی لیکن زمانہ دراز گزر جانے پر ان کے دل سخت ہو گئے اور وہ اس کو فراموش کر بیٹھے۔

کوئی اُمت ایسی نہیں گزری کہ اس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

خبردار نیک کام میں خرچ کیے ہوئے روپے کو احسان جتا جتا کر دکھ دینے والے کلمات کہہ کر ضائع نہ کرو۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں، اپنی لڑکیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہو کہ اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور ان سے خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ کی جائے۔

جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا، خدا تعالیٰ اس کے سب کام آسان کر دے گا۔ اور جو خدا پر بھروسہ رکھے، خدا تعالیٰ اس

کے لیے کافی ہے۔

تمہارے لیے خدا کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) عمدہ نمونہ ہیں۔

گمراہوں کے سوا ایسا کون ہے جو اپنے پروردگار کی رحمت سے ناامید ہو۔

اے نوحؑ! تمہارا بیٹا تمہارے اہل و عیال میں داخل نہیں ہے، کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں جس چیز کی حقیقتِ حال تم کو معلوم نہیں ہے ہم سے اس کی درخواست نہ کرو۔ ہم تم کو سمجھائے دیتے ہیں، کہ نادانوں کی سی باتیں مت کرو۔

اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں قرآن پڑھ کر سنا دوں۔ پس جو ہدایت پاگیا، اس کا فائدہ اس کے نفس ہی کو پہنچے گا اور جو گمراہ ہو گیا، اس کا نقصان بھی وہی اٹھائے گا۔ پس کہہ کہ میں تو ڈرانے والا ہوں۔

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم)، کہہ دے کہ میں خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں۔ پس تم عبادت کرو جس کی تم چاہو اس کے سوا۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تم کو دوست بنالے گا۔

یہ بات تحقیق ہے کہ ظالموں کو کبھی فلاح نہیں ہوتی ہے۔

جو شخص سیدھے راستہ پر چلا وہ اپنے ہی ذاتی فائدے کے لیے چلا۔ اور جو بھٹکا تو اس کے بھٹکنے کا خمیازہ بھی اسی کو بھگتنا پڑے گا۔ اور کوئی متنفس کسی دوسرے متنفس کے بارِ گناہ کو اپنے اوپر نہیں لے گا۔ اور جب تک ہم رسول بھیج کر اتمامِ حجت نہ کرلیں کسی کو اس کے گناہ کی سزا نہیں دیا کرتے۔

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)، ایسا نہ سمجھنا کہ خدا ان ظالموں کے اعمال سے غافل ہے۔ اور یہ جو فوراً ان پر عتاب نازل نہیں ہوتا، اس کی وجہ بس یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو اسی حد تک مہلت دے رہا ہے جس دن کہ مارے خوف کے لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ الٹا ہم سے منہ پھیرتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے۔ اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو آس توڑ بیٹھتا ہے۔

ہم کسی شخص کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہیں ڈالتے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو شرط فرمانبرداری یہ ہے کہ اسی پر بھروسہ رکھو۔

جو ہماری ناراضگی لوگوں کی رضامندی کے مقابلے میں خریدتا ہے، ہم اس کو انہیں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

مال اور اولاد دنیا کی چند روزہ زندگی کے بناؤ سنگار ہیں۔ اور اعمالِ نیک جن کا اثر دیر تک باقی رہنے والا ہے تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور توقعات آئندہ کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں۔

تم ہر اونچی جگہ پر بے ضرورت یادگاریں بناتے ہو اور بڑی بڑی صنعت کے محل تعمیر کرتے ہو۔ کیا تم ہمیشہ دنیا ہی میں

رہو گے ؟

لوگوں نے خدا تعالیٰ کی جیسی قدر جاننی چاہیے تھی جانی ہی نہیں۔ بیشک اللہ تو بڑا زبردست، سب پر غالب ہے
اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں سے کہہ دو کہ میرا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے، اور جس کی چاہتا ہے تنگ۔ مگر اکثر لوگ تقسیم رزق کی مصلحتوں سے واقف نہیں۔

جو شخص خدا کے لیے محنت اٹھاتا ہے وہ اپنے ہی بھلے کے لیے اُٹھاتا ہے۔ ورنہ خدا تو دنیا جہان کے سب لوگوں سے بے نیاز ہے۔

ہر شخص اپنے عمل کے بدلے میں گروی ہے۔

مسلمانو! ہم نے جو مال تم کو دے رکھا ہے، اس میں سے راہِ خدا تعالیٰ میں بھی کچھ خرچ کرتے رہا کرو۔ مگر اس دن سے پہلے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آموجود ہو۔ اور اس وقت کہنے لگے کہ کاش میرا پروردگار مجھ کو تھوڑی سی مہلت اور دیتا، اور میں خیرات کرتا، اور دوسرے نیک بندوں میں سے ایک نیک بندہ میں بھی ہوتا۔

جب تمہیں سلام کے ذریعے سے دُعا دی جائے تو تم اس کے جواب میں بہتر دعا دو، یا وہی کلمہ جواب میں کہہ دو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔

جو شخص راہ ہدایت پر چلے گا اُس کے لیے نہ دنیا میں کوئی ڈر ہے اور نہ وہ آخرت میں ہی غمگین ہو گا۔

لوگو اپنی بہت پاکیزگی نہ جتایا کرو۔ پرہیزگاروں کو وہی خوب جانتا ہے۔

ایمان لانے کے بعد بدتہذیبی بُری ہے اور جو ان حرکات سے باز نہ آئیں تو وہی خدا تعالیٰ کے نزدیک ظالم ہیں۔

دنیا کی زندگی تو نرا کھیل اور تماشا ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ پر ایمان رکھو گے اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو وہ تم کو تمہارا اجر عنایت کرے گا، اور اپنے لیے تمہارے مال سے کچھ نہ طلب کرے گا۔

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی پناہ مانگے تو ان کو پناہ دے دے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، اور پھر اس کو امن کی جگہ پہنچا دے۔ یہ اس لیے کہ وہ بے علم قوم ہے۔

تحقیق وہ لوگ جنہوں نے تفرقہ کیا اور فرقے فرقے ہو گئے تجھے ان کے بارے میں کوئی اختیار نہیں۔ ان کا معاملہ خدا کے حضور پیش ہے۔ اور ان کو ان کے افعال سے خبر دے گا۔

کہیں انسان کو من مانی مُراد بھی ملی ہے ؟ سو آخرت اور دنیا سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

کیا اس وجہ سے تم لوگ حدِ عبودیت سے باہر ہو گئے ہو کہ ہم تمہاری اصلاح سے بے تعلق ہو کر نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے۔

کیا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے ؟

جہان کا مال و متاع مثل آب باراں کے ہے یعنی بارش اگر ضرورت کے موافق برسے تو نافع ہے۔ اور اگر زیادہ برسے تو باعثِ بربادی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مال بقدر ضرورت نافع اور فائدہ مند ہے اور زائد از

ضرورت باعثِ گرفتاریِ معصیت ہے۔

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)، ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ اور میں اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں پھر آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر کیسی آفت آتی ہے جو اس کو دنیا میں بھی رسوا کر دے گی اور آخرت میں بھی اس پر دائمی عذاب نازل ہو گا۔

جو شخص نیک عمل کرے گا، مرد ہو یا عورت، اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ہم اس دنیا میں بھی اس کی زندگی اچھی طرح بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی ان بہترین اعمال کا صلہ ضرور عطا فرمائیں گے۔

کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ زبان سے اتنا کہنے پر ہی چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔؟

البتہ ہم تم کو ایک شے سے آزمائیں گے۔ ڈر سے، بھوک سے، اور مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے۔ ان لوگوں کو کہ جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے، کہتے ہیں تحقیق ہم اللہ کے واسطے ہیں اور تحقیق ہم اس کی طرف پھر جانے والے ہیں۔

مصیبت کی برداشت کے لیے صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔

البتہ نماز شاق ہے مگر ان پر نہیں جو خاکسار ہیں اور یہ خیال پیشِ نظر رکھتے ہیں کہ وہ آخرِ کار اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

لوگو! تم کہیں بھی ہو، موت تو تم کو آکر رہے گی، اگرچہ مضبوط قلعوں ہی میں کیوں نہ ہو۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)، تم اُن سے کہہ دو کہ نفع ہو یا نقصان، سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اور اگر وہ تیری تکذیب کریں تو کہہ دے میرے لیے میرے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل۔ تم بَری ہو اس سے جو میں کرتا ہوں، اور میں بَری ہوں اُس سے جو تم کرتے ہو۔ بعض ان میں ایسے ہیں جو تیری بات بظاہر سنتے ہیں۔ کیا تو بہروں کو سُنا سکتا ہے اگرچہ ان میں کچھ بھی عقل نہ ہو۔ بعض اُن میں ایسے ہیں جو تیری طرف دیکھتے ہیں۔ کیا تو اندھوں کو راہ دکھا سکتا ہے اگرچہ وہ بصیرت نہ رکھتے ہوں؟ تحقیق اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کے نفس اور مال جنّت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔

مسلمانو! اسلام میں پورے پورے آ جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

کتمانِ شہادت سے اجتناب کرو اور سچّی شہادت بے روک ٹوک دو، خواہ تمہیں اپنے باپ اور بھائی کے خلاف کیوں نہ دینی پڑے۔

جو شخص نیک بات کی سفارش کرے قیامت کے دن اس نیک کام کے اجر میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا۔ اور جو بُری بات کی سفارش کرے اس کے وبال میں وہ بھی شریک ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر ضابطہ ہے۔

اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہ ہوگا۔
نہیں طاقت بدی کو چھوڑنے کی اور نہ قوت نیکی کرنے کی، مگر اللہ تعالیٰ بلند و بزرگ کی مدد سے۔
سائل کو نرمی سے جواب دے دینا۔ اور سائل کے اصرار سے درگزر کرنا اس خیرات سے بہت بہتر ہے جس کے دیئے پیچھے سائل کو کسی طرح کی ایذا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بُردبار ہے۔
اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر دلاؤ اور تعلق پیدا کرو اور خدا سے ڈرو تاکہ تم نجات پاؤ۔
مسلمانو! خدا کی راہ میں عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو، وہ چیزیں جو تم نے تجارت وغیرہ سے آپ کمائی ہوں۔ یا ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہوں۔ اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ تک بھی نہ کرنا کہ اس میں خرچ کرنے لگو۔ حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تم کو دینا چاہے تو تم اس کو کبھی خوش دلی سے نہ لو۔ مگر ہاں دیدہ دانستہ چشم پوشی کر جاؤ تو دوسری بات ہے۔ اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔
مومنین ایسے نیک دل ہوتے ہیں کہ بہ تقاضائے بشریت جب ان سے کوئی بُرا کام، یا کوئی اور بے جا بات کر کے اپنا دینی نقصان ہو جاتا ہے تو فوراً خدا تعالیٰ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں۔ اور خدا کے سوا بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے بھی کون؟ اور جو بے جا بات کر بیٹھتے ہیں تو دیدہ دانستہ اس پر اصرار نہیں کرتے۔
مسلمانو! جب تم ایک میعاد مقررہ تک کے لیے اُدھار کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اور تم کو لکھنا نہ آتا ہو تو تمہارے درمیان میں تمہاری باہمی قرارداد کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے اور لکھنے والے کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جس طرح خدا نے اسے لکھنا پڑھنا سکھایا ہے، اسی طرح اس کو بھی چاہیے کہ وہ بے عذر لکھ دے۔
اس قرآن کا مقصود لوگوں کو سمجھانا ہے۔ لیکن ہدایت اور نصیحت تو اس سے وہی لوگ پکڑتے ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف ہے۔
لوگوں کو دنیا کی مرغوب چیزوں مثلاً بیبیوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں کے ساتھ دل بستگی بھی معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ تو دنیا کی زندگی کے چند روزہ فائدے ہیں اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانا تو اسی اللہ کے ہاں ہے۔
نماز پڑھا کر اور لوگوں کو اچھے کاموں کے کرنے کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جیسی پڑے اس کو جھیل۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔
اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ مخلوط نہ کرو، اور جان بوجھ کر حق بات کو نہ چھپاؤ حالانکہ تم اس بات کو جانتے ہو۔
نعمت کا ملنا آزمائش ہے کہ تم شکر کرتے ہو یا ناشکری۔
آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق ناروا خورد بُرد نہ کرو۔ اور نہ مال کو حاکموں کے پاس رسائی پیدا کرنے

کا ذریعہ گردانو کہ لوگوں کے مال سے جو کچھ ہاتھ لگے، اس کو جان بوجھ کر ناحق ہضم کر جاؤ۔
غصہ کے وقت اپنے قصوروار سے بدلہ لینے سے اوّل بہ ضرور خیال کر لیا کر کہ تو اپنے ربّ کا اس کی نسبت زیادہ قصوروار ہے یا کم۔ پھر جو معاملہ اپنے ربّ کی طرف سے اپنے لیے تجھ کو پسند آئے (یعنی سزا یا معافی)، وہی فیصلہ اس کے لیے تجویز کر۔ کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں ہی کو دوست رکھتا ہے۔
لوگو! اب بھی ہم نے تم کو پیدا کیا ہے۔ تو تم قیامت میں ہمارے دوبارہ پیدا کرنے کو سچ کیوں نہیں سمجھتے؟ ہم نے قرآن کو لوگوں کی نصیحت پکڑنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ تو کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے۔
لوگوں میں بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تو ہیں مگر اُکھڑی اُکھڑی کہ اگر ان کو کوئی نفع پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے مطمئن ہو گئے، اور اگر ان پر کوئی مصیبت آ پڑی تو جدھر سے آئے تھے اُلٹا اُدھر ہی کو لوٹ جاتے ہیں۔ انہوں نے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی۔ پس صریح گھاٹا یہی کہلاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا ان چیزوں کو اپنی حاجت روائی کے لیے بلاتا ہے جو نہ اُن کو نقصان ہی پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع۔ پرلے درجے کی گمراہی یہی ہے۔ جو شخص خدا کے سوا اور چیزوں کو حاجت روائی کے لیے بلاتا ہے اُن کے فائدے سے نقصان زیادہ قریب ہے۔ کچھ شک نہیں کہ ایسا کارساز بھی بُرا ہے اور ایسا رفیق بھی بُرا۔
ہم نے لوگوں کو مبتلائے عذاب بھی کیا، تاہم یہ لوگ اپنے پروردگار کے آگے نہ جھکے۔ اور عاجزی کرنا تو اُن کا شیوہ ہی نہیں۔
جب سمندر میں تم کو کسی طرح کی تکلیف پہنچتی ہے تو اس وقت جن معبودوں کو تم پکارا کرتے ہو سب بھولے بسرے ہو جاتے ہیں۔ مگر وہی ایک خدا تعالیٰ یاد رہتا ہے۔ پھر جب خدا تعالیٰ تم کو سمندر سے باہر خشکی پر نکال لاتا ہے، تو اس سے تم پھر بیٹھتے ہو۔ تو انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ کیا تم اس بات سے خاطر جمع ہو گئے ہو کہ وہ تم کو خشکی کی طرف لے جا کر زمین میں دھنسا دے، یا تم پر آندھی کا پتھراؤ چلا دے۔ اور اس وقت تم کسی کو اپنا مددگار نہ پاؤ۔
زمین پر اکڑ کر نہ چلا کر، کیونکہ اکڑ کر چلنے سے تو زمین کو پھاڑ نہیں دے گا۔ اور نہ تن کر چلنے سے پہاڑوں کی بلندی ہی کو پہنچ سکے گا۔
موت کی بے ہوشی تو ضرور آ ہی کر رہے گی۔ اور ہم اس وقت آدمی کو جتا دیں گے کہ یہی وہ حالت ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔
اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)، کہہ دو کہ میں اور پیغمبروں سے کوئی انوکھا پیغمبر تو ہوں نہیں۔ اور میں نہیں جانتا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میری طرف جو وحی نازل ہوتی ہے میں اسی پر چلتا ہوں۔ اور میں تو صاف طور پر ڈرانے والا ہوں اور بس۔
قرآن سے پہلے اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)، نہ تو آپ کسی کتاب میں سے پڑھ کر کچھ سنا سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ ہی سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو البتہ باطل پرست شک کرتے۔ بلکہ یہ تو کھلی ہوئی آیات ہیں جو ان

لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم دیا گیا ہے۔ اور ہماری آیتوں سے صرف گنہگار ہی انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیوں اس کے خدا کی طرف سے خاص نشانیاں نہیں اُترتی ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے قبضے میں ہیں۔ میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر معجزانہ کتاب اُتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ اس میں ایمان والوں کے لیے رحمت اور نصیحت ہے۔

کہہ دو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ تم جن کو پکارتے ہو، وہ تمہاری مصیبت کو ہٹانے یا بدلنے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ کیا تم ان ناموں کے لیے میرے ساتھ جھگڑتے ہو جو تم اور تمہارے بڑوں نے گھڑ لیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں کوئی سند نازل نہیں کی۔

کہہ دو اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے حکم ہُوا کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اس کے لیے خالص رکھوں، اور مجھے یہ بھی حکم ہُوا ہے کہ میں سب سے پہلا فرمانبردار بنوں۔ کہہ دو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں۔ کہہ دو میں خالص اللہ ہی کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی عبادت کرتا ہوں۔

اگر خدا بندوں کو ان کی نافرمانیوں کی سزا میں پکڑتا تو روئے زمین پر کسی ایک آدمی کو بھی باقی نہ چھوڑتا۔ مگر وہ ایک وقتِ مقررہ یعنی موت تک ان کو مہلت دیے ہوئے ہے۔ پھر جب ان کا وقت آ پہنچتا ہے تو اس سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو بیہودہ باتیں بنانے اور کھیل تماشے کرنے دو یہاں تک کہ آخر کار وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، ان کے سامنے آ موجود ہو۔

جس شخص نے اللہ کی باندھی ہوئی حدّوں سے باہر قدم رکھا، اس نے آپ ہی اپنے اُوپر ظلم کیا ہے۔

آدمی بہتری کی دعا مانگنے سے تو کبھی نہیں اُکتاتا۔ اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو دل شکستہ اور بالکل نا اُمید ہو جاتا ہے۔ ناشکری عذاب کی خوشخبری ہے۔

جب ہم آدمی پر اپنا فضل و کرم کرتے ہیں، تو وہ ہماری طرف سے منہ پھیر لیتا ہے اور ہم سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔

لوگو! تم پر جو مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے اپنے ہی کرتوتوں سے پڑتی ہے اور خدا تعالیٰ تو تمہارے بہت سے قصوروں سے درگزر فرماتا ہے۔

لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوّا) سے پیدا کیا ہے۔ اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرا دیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ ورنہ اللہ کے نزدیک تم میں شریف وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا باخبر ہے۔

جو صاحبِ دل ہے یا کان لگا کر بات کو حضورِ قلب سے سنتا ہے، اس کے لیے تو ان باتوں یعنی تعلیمِ قرآن میں کافی نصیحت ہے۔

قیامت کا دِن وہ دِن ہو گا، جس دن کہ ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جیسے خطوں کا مکتوب لپیٹ لیا جاتا ہے اور جس طرح ہم نے اوّل بار مخلوقات کو پیدا کیا تھا، اسی طرح ان کو دوبارہ بھی پیدا کریں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے جس کا پورا کرنا ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

عورت مرد زنا کریں تو ان میں سے ہر ایک کو سَو سَو دُرّے مارو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت کا یقین رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تم کو اُن کے حال پر کسی طرح کا ترس دامنگیر نہ ہونا چاہیے۔ اور نیز ان کو سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت اُن کی فضیحت کے لیے موجود رہے۔

مسلمانو! ہم نے جو تم کو رزق طیب دے رکھا ہے، اس کو بے تامّل کھاؤ۔ اور اگر تم اللہ ہی کی بندگی کا دم بھرتے ہو تو اس کا شکر بھی ادا کرو۔

اور اگر کوئی تنگدست تمہارا مقروض ہو تو اس کو فراخی تک مہلت دو۔ اور اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کو اصل قرضہ ہی بخش دو۔

کوئی ہے جو خدا تعالیٰ کو خوش دلی کے ساتھ قرض دے کہ خدا اس کے قرض کو اس کے لیے کئی گنا بڑھائے۔

لوگو! تم خدا تعالیٰ سے کیونکر انکار کر سکتے ہو۔ تم بے جان تھے، تو اس نے تم میں جان ڈالی۔ پھر وہی تم کو مارتا ہے پھر وہی تم کو دوبارہ قیامت کے دن زندہ کرے گا۔ پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے دریافت کرتے ہیں، خدا تعالیٰ کی راہ میں کس قدر خرچ کریں؟ تم ان کو سمجھا دو کہ جتنا تمہاری حاجت سے زائد ہو خرچ کر دو۔

مسلمانو! ہمارے دیے ہوئے مال میں سے کچھ ہماری راہ میں بھی خرچ کرو، اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہو گی اور نہ ہی یاری آشنائی اور نہ سفارش۔ اور جو راہِ خدا میں نہ خرچ کر کے نعمت کی ناشکری کرتے ہیں، وہ ظالم ہیں۔ یعنی اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

اور جنہوں نے لوگوں پر ظلم کئے ہیں ان کو مرنے پر عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے؟

رات دن کے ردّ و بدل میں سمجھ والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔

اے نبیؐ! جب ہمارے بندے تم سے ہمارے بارے میں دریافت کریں، تو ان کو سمجھا دو کہ ہم ان کے پاس ہیں۔ جب کوئی ہم سے دعا کرے، تو ہم دعا کرنے والے کی دعا کو سنتے ہیں اور مناسب ہوتا ہے تو قبول بھی کر لیتے ہیں۔ تو ان کو چاہیے کہ ہمارے حکم بھی مانیں اور ہم پر ایمان لائیں تاکہ وہ سیدھے راستہ پر لگ جائیں۔

اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ، یا اس کی راہ میں اپنی موت سے مر جاؤ، تو خدا کی بخشش اور مہربانی جو تم پر ہو گی، اس مال و دولت سے جو لوگ چند روز جی کر جمع کر لیتے ہیں کہیں بہتر ہے اور تم اپنی موت سے مرو یا مارے جاؤ، آخر کار اللہ تعالیٰ کی ہی طرف بلائے جاؤ گے۔

وہی قادرِ مطلق ہے جو ماں کے پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورت بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو قتل ہو، اُسے مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم ان کی زندگی کو نہیں سمجھ سکتے۔

جو شخص عزّت کا خواہاں ہو، اس کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے کیونکہ عزّت ساری خدا کی دین ہے

لوگوں سے ڈرنے کی بہ نسبت خدا تعالیٰ کا زیادہ حق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

متقی وہ لوگ ہیں، جو خوشحالی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے اور غصّے کو روکتے ہیں اور لوگوں کے قصوروں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انبیاء و صلحا جو تم سے پہلے گزرے ہیں، اُن کے طریقے کھول کھول کر تم سے بیان کرے۔ اور تم کو انہی طریقوں پر چلائے اور تم پر بخشش کی نظر رکھے۔ اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

جو کوئی زور و ظلم سے کسی کا مال خورد برد کرے گا، تو ہم اس کو قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایک آسان سی بات ہے کہ جن کاموں کے کرنے سے تم کو منع کیا جاتا ہے، اگر تم اُن میں سے بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے، تو تمہارے چھوٹے چھوٹے قصور تمہارے نامۂ اعمال سے محو کر دیں گے۔ اور تم کو مقامِ عزت میں لے جا کر جگہ دیں گے۔

خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے پیغمبرؐ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ تمام اَدیانِ سابق پر اس کو غالب کریں۔

ارشادات نبوی علی صاحبہا التحیۃ والسلام

امی و دقیقہ دانِ عالم　　بے سایہ و سائبانِ عالم

کسی بھائی کی حاجت براری کرنے والا ایسا ہے کہ گویا تمام عمر خدا کی خدمت میں گزار دی۔

تم اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ مظلوم کی مدد ظالم سے اس کو چھڑانا، اور ظالم کی مدد اس کو ظلم سے باز رکھنا ہے۔

جس کو مسلمان کا غم نہ ہو، وہ میری اُمت میں سے نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی عبادت نہیں کہ تو کسی مسلمان بھائی کا دل خوش کر دے۔

شرک کے بعد بدترین گناہ ایذا رسانی خلق ہے۔

ایمان کے بعد افضل ترین نیکی خلق کو آرام دینا ہے۔

جو شخص سلام سے پہلے بات کرے۔ اس کا جواب مت دو، جب تک پہلے سلام نہ کرلے۔

سلام میں سبقت کرنے والے کو تیس۳۰ اور جواب دینے والے کو دس نیکیاں ملتی ہیں۔

جب دو بھائی مصافحہ کرتے ہیں تو ان میں ستر رحمتیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اُنہتر رحمتیں اس کو ملتی ہیں جو ان دونوں میں زیادہ خندہ رُو، کشادہ پیشانی ہوتا ہے۔ اور ایک رحمت دوسرے کو۔

حقِ ہمسائگی درجہ وار چالیس گھروں تک ہے۔ یعنی چاروں طرف چالیس چالیس گھر۔

ہمسایوں کا حق صرف یہی نہیں کہ اُن کو ستائے نہیں، بلکہ ان کے ساتھ احسان کرنا بھی ضروری ہے۔

قیامت کے دن غریب ہمسایہ امیر ہمسایہ کا دامن گیر ہوگا۔

احوال پُرسی کرنا اور پھر اظہارِ غمخواری نہ کرنا دلیلِ نفاق ہے۔

کافر ہمسایہ کا ایک حصّہ حق ہے مسلمان ہمسایہ کا دوچند اور رشتہ دار ہمسایہ کا سہ چند۔

جو خدا تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اُسے کہہ دو کہ پڑوسی کی تکریم کرے۔

جس نے پڑوسی کے کُتّے کو مارا، اس نے پڑوسی کو ایذا دی۔

پڑوسی کو ستانے والا دوزخی ہے، اگرچہ تمام رات عبادت کرے اور تمام دن روزہ دار رہے۔

جس کے شر سے پڑوسی بے خوف نہ ہو وہ مسلمان نہیں، خواہ وہ پڑوسی کافر ہو یا مومن۔

قسم ہے خدا کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ حقِ ہمسایہ اسی سے ادا ہوتا ہے جس پر خدا رحمت کرتا ہے۔

یگانوں سے نیکی کرنا عمر دراز اور رزق فراخ کرتا ہے۔

جب جنازہ کے ہمراہ جائے تو مُردے کے غم سے زیادہ اپنا غم کر اور خیال کر کہ وہ ملک الموت کا منہ دیکھ چکا اور مجھے ابھی دیکھنا ہے، وہ موت کی تلخی کا مزا چکھ چکا ہے اور مجھے ابھی چکھنا ہے، وہ خاتمہ کے ڈر سے نکل گیا ہے، مجھ پر ابھی باقی ہے۔

غمّاز کی بات کسی مسلمان کے حق میں مت سُن۔

مسلمان کی رنجش کا خاتمہ سلام علیک ہے۔

تو بوڑھوں کی تعظیم کر، خدا تعالیٰ نوجوانوں کو توفیق دے گا کہ وہ تیری تعظیم کریں جبکہ تو بوڑھا ہوگا۔

جو شخص بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے گا، وہ میری امت میں نہیں۔

رنجش کی حالت بہتر وہ ہے، جو صلح میں سبقت اور سلام علیک کرے۔

ہر نیک و بد کے ساتھ نیکی کر۔ اگر وہ نیکی کرنے کے قابل نہیں، تو تو اس لائق ہے۔

بدوں سے نیکی کرنا نیکوں کا کام ہے، اور نیکوں سے بدی کرنا بدوں کا کام ہے۔

جو کام سب سے زیادہ سببِ مغفرت ہوگا، وہ کشادہ روئی اور شیریں زبانی ہے۔

جو چیز تو اپنے لیے پسند نہیں کرتا، کسی مسلمان کے لیے بھی پسند نہ کر۔

کوئی مسلمان تیرے ہاتھ اور زبان سے ایذا نہ پائے۔

تین دن سے زیادہ کسی آشنا سے ترکِ کلام نہ کر۔

ہر قوم کے معزز آدمی کی تعظیم کر۔
حتی المقدور ہر ایک سے نیکی کر، خواہ وہ نیک ہو یا بد۔
تہمت کی جگہ سے دُور رہ۔ کسی کو اپنی نسبت بدگمانی میں نہ ڈال۔
اگر تو صاحب منزلت ہے تو کسی کے لیے سعی کرنے میں دریغ نہ کر۔
غریبوں کے ساتھ دوستی رکھ اور امیروں کی مجلس سے حذر۔
ایسا اشارہ بھی حرام ہے جس سے کسی کو رنج ہو، چہ جائیکہ کلام۔ ایسا کوئی کلام حلال نہیں جس سے کوئی گھبرائے یا ڈر جائے
کوئی صدقہ زبانی صدقہ سے بہتر نہیں۔ زبانی صدقہ یہ ہے کہ تو کسی کی سفارش کر دے یا اذیت ہٹا دے یا جان بچائے۔
جو نرمی سے محروم ہو، وہ نیکی سے بالکل محروم رہا۔
زیارتِ قبور کے لیے جا۔ خود عبرت حاصل کر اور مغفرتِ مسلمین کی دعا کر۔
سادگی ایمان کی علامت ہے۔
سخی اللہ سے قریب ہے۔ جنت سے قریب ہے۔ لوگوں سے قریب ہے اور آگ سے دُور ہے۔
بخیل اللہ سے دور ہے، جنّت سے دُور ہے، لوگوں سے دُور ہے اور دوزخ سے نزدیک ہے۔
جب تین شخص سفر کو جائیں تو ایک کو اپنا سردار بنالیں۔
تین باتوں میں توقف مت کرو۔ نماز میں جب اس کا وقت ہو جائے، جنازہ میں جب تیار ہو اور بیوہ کے نکاح میں جب اس کا جوڑ مل جائے۔
دو نعمتیں ہیں کہ ان میں اکثر لوگ نقصان اُٹھاتے ہیں۔ ایک تندرستی، دوسرے کاروبار میں فراغت۔
جس نے جنگل میں سکونت اختیار کی، وہ علم و عقل سے خالی رہا۔ جو شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہُوا۔
جو اُمرا کے دروازے پر آیا، وہ فتنے میں پڑا جس قدر اس کے نزدیک ہُوا، اتنا ہی خدا تعالیٰ سے دُور ہُوا۔
سب اعضا زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارا خیال کر کے خدا تعالیٰ سے ڈرنا۔ اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے۔ اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔
کھاؤ، خیرات کرو اور پہنو، اس حد تک، کہ فضول خرچی اور تکبّر نہ کرو۔
تیرا کسی چیز کو چاہنا تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔
جس شخص نے اپنی زبان اور شرمگاہ کو قابو میں رکھا، میں اس کے واسطے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔
ایماندار آدمی کو شایاں نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے یعنی اس بلا میں ہاتھ ڈالے جس کے مقابلے کی اُسے طاقت نہ ہو۔
مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔
بغیر سختی اٹھانے کے حلیم اور بغیر تجربے کے حکیم نہیں ہو سکتا۔

نجات کیا ہے؟ اپنی زبان کو بند رکھنا، اپنے گھر میں قیام رکھنا، اور گناہوں پر نادم ہونا۔
تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جس سے نیکی کی توقع ہو اور بدی کی نسبت اطمینان ہو کہ وہ نہیں کرے گا۔ اور بدتر وہ شخص ہے جس سے نہ نیکی کی توقع ہو، نہ ہی بدی نہ کرنے کی نسبت اطمینان ہو۔
کوئی مرد دوسرے کے مقامِ ستر کی طرف نہ دیکھے، نہ کوئی عورت دوسری عورت کے مقامِ ستر کی طرف دیکھے نہ کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ بغل گیر ہو کر ایک ہی کپڑے میں سوئے۔ اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ بغل گیر ہو کر ایک ہی کپڑے میں سوئے۔ (واضح رہے کہ آپؐ نے ران سے کمر تک مقامِ ستر قرار دیا ہے)۔
زمانے کو بُرا نہ کہو کہ اس کا فاعل حقیقی خدائے برتر ہے۔
ایمان دو نصف ہیں، نصف صبر اور نصف شکر۔
صبر ایمان سے ایسا ملا ہُوا ہے جیسے سر جسم سے۔
جو کوئی قصور کرے گا، اسی سے اس کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔ باپ سے بیٹے کا مواخذہ نہ ہو گا اور نہ بیٹے سے باپ کا۔
جس کسی نے ظالم کی مدد کی، اس نے گویا غضبِ الٰہی خود اپنے سر لے لیا۔
جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔ جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔
خدا کے نزدیک سب سے زیادہ کینہ اس شخص کے دل میں ہے جو بہت جھگڑے بکھیڑے اور مباحثے کرتا رہتا ہے۔
چار شخص مرفوع القلم ہیں۔ لڑکا جب تک بالغ نہ ہو، سویا ہُوا جب تک بیدار نہ ہو، دیوانہ جب تک تندرست نہ ہو، وہ بڈھا جس کی عقل زیادتی عمر کی وجہ سے زائل ہو گئی ہو۔
جو شخص اجازت کے بغیر اپنے بھائی کے خط کو دیکھے گا وہ آگ کو دیکھے گا۔
کسی انسان کے دل میں ایمان اور حسد اکٹھے نہیں رہ سکتے۔
انسان جب بڈھا ہو جاتا ہے تو اس میں دو چیزیں جوان ہو جاتی ہیں، ایک مال کی حرص دوسری عمر کی۔
آپس میں سلام کا عام رواج کرو، محبت بڑھے گی۔
ہر ایک دین کے واسطے خلق ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے۔
جو چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور خوش خلقی ہے۔
دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں، وہ اس قدر فساد برپا نہیں کرتے، جس قدر انسان کی دولت اور مرتبہ کی حرص اس کے دین میں فساد ڈالتے ہیں۔
جس چیز میں فحش ہو گا اس کا انجام سوائے اس کے کچھ نہیں کہ تباہی ہو۔ اور جس میں حیا ہے۔ اس کا انجام اس کی زینت ہے۔

قیامت کے دن مومن کے اعمال کے ترازو میں کوئی چیز خوش خلقی سے زیادہ وزنی نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ بدگو بدزبان کو بہت بُرا سمجھتا ہے۔

اگر مرتے دم تک تم حاکم یا منشی یا کاردار نہ ہوئے تو سمجھو کہ مزے میں رہے۔ اور مواخذے سے بچ گئے۔

حکومت طلب مت کر۔ کیونکہ وہ اگر تجھے مانگنے سے ملی تو اس کا سب بوجھ تجھ پر پڑ جائے گا۔ اور اگر بن مانگے ملی تو تیری ہر طرح سے امداد ہوگی۔

مظلوم کی دعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

اپنی جانوں، اپنی اولاد، اپنے خدام اور اپنے مال کے حق میں بددعا نہ کیا کرو۔ ایسا اتفاق نہ ہو جائے کہ وہ گھڑی اجابت کی ہو، اور تمہاری بددعا قبول ہو جائے۔

اونچی آواز سے تکبیر نہ پڑھو، کیونکہ تم کسی بہرے یا غیر حاضر شخص کو نہیں پکار رہے۔ تم اس کو پکار رہے ہو جو سنتا ہے اور دیکھتا ہے، اور وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ مانگا جائے اور غم کے دُور ہونے اور آسائش کے حاصل ہونے کا انتظار کرنا بہت اچھی عبادت ہے۔

تم میں سے ہر ایک کو اپنی ساری حاجتیں اپنے رب سے مانگنی چاہئیں، یہاں تک کہ جُوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو بھی اسی سے مانگو۔

تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔ میں تم کو منع کرتا ہوں۔

اللہ کی پناہ مانگو ایسے دل سے جس میں عاجزی نہ ہو، ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو ایسے علم سے جس سے نفع نہ ہو۔

دنیا کی محبت سب گناہوں کی جڑ ہے۔ اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

ملعون ہے وہ جس کا اعتماد اپنے جیسی مخلوق پر ہے۔

جس شخص کے دل میں ذرّہ بھر بھی ایمان ہوگا، وہ دوزخ سے نکالا جائے گا۔

ایماندار آدمی کا ہر ایک کام اس کے لیے اچھا ہے۔ اسے جب خوشی حاصل ہوتی ہے، وہ شکر کرتا ہے۔ اگر اسے دکھ پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ دونوں باتیں اچھی ہیں۔

ایماندار وہ شخص ہے جس سے لوگ اپنے مال اور جان کو محفوظ سمجھیں۔

کوئی شخص تم میں سے ایمان والا نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے، اور تمہارے اپنے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ پس

روزہ بھی رکھو، مگر کھانا بھی کھاؤ۔ نماز پڑھو مگر سوؤ بھی۔

لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اسے ظلم کرنے سے باز نہ رکھ سکیں، تو جلدی خدا اُن سب پر عذاب نازل کرے گا۔

بہت بڑا جہاد یہ ہے کہ انصاف کی بات ظالم حاکم کے رُو برُو کہہ دی جائے۔

لوگو! نیک کاموں کے کرنے کا حکم دیا کرو۔ اور بُرے کاموں سے منع کرتے رہو۔ ورنہ جلدی خدا تم پر عذاب نازل کرے گا۔ پھر اگر دہائی دوگے تو شنوائی نہ ہوگی۔

اگر کوئی شخص کسی ممنوع کام کا عمل میں آنا دیکھے تو اسے چاہیئے کہ ہاتھ سے روک دے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو، زبان سے اُس کی بُرائی ظاہر کر کے اسے روک دے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے اُسے بُرا سمجھے۔ مگر یہ آخری صورت بہت ضعیف ایمان کی نشانی ہے۔

جہاں شبہ کی گنجائش ہو، وہاں قبل اس کے کہ کوئی منہ کھولے، خود اپنی بریّت کا اظہار کر دینا چاہیئے۔

باپ کا کوئی عطیہ بیٹے کے لیے اس سے بڑھ کر نہیں کہ اس کی تعلیم و تربیت اچھی کرے۔

دو شخصوں کے درمیان صلح کرا دینا صدقہ ہے۔ کسی کو سہارا دے کر اس کی سواری پر سوار کر دینا یا اس کا مال لدوا دینا بھی صدقہ ہے۔ اچھا قول بھی صدقہ ہے۔ ہر قدم جو نماز یا کارہائے نیک کے واسطے اٹھایا جائے صدقہ ہے۔ راستہ سے اذیت دینے والی چیز ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔

قسم سے خرید و فروخت میں زیادتی ہو سکتی ہے، مگر کمائی گھٹ جاتی ہے۔

خدا اُس شخص پر مہربانی کرتا ہے جو خرید و فروخت اور قیمت وصول کرنے کے تقاضے میں سہولت اور نرمی اختیار کرتا ہے۔

میری کمر دو آدمیوں نے توڑی۔ ایک جاہل عابد و زاہد نے، دوسرے دین کی ہتک کرنے والے عالم نے۔

وہ لوگ جو فنا فی المال ہیں وہ راندۂ درگاہِ ایزد متعال ہیں۔

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسی چیز بیچے، جس میں کسی نقص کے ہونے کا اس کو علم ہو۔ البتہ اگر خریدار کو اس نقص سے مُطلع کر دے تو مضائقہ نہیں۔

درختوں کے پھل مت بیچا کرو، جب تک کہ ان میں صلاحیّت ظاہر نہ ہو جائے۔

دو خصلتیں کسی ایماندار آدمی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایک بُخل اور دوسری بَدخُلقی۔

اے بنی آدم! تیرا کوئی مال نہیں، سوائے اس کے جو تو نے کھا کر فنا کر دیا، یا پہن کر گھسا دیا، یا کارِ خیر پر صرف کر کے اُسے جاری رکھا۔

غیر کے لیے کوئی صدقہ نہیں جب قریبی رشتہ دار محتاج ہیں۔

کسی کے غضب پر صبر کرنے اور ایذا رسانی سے درگزر کرنے کے رویّے کو جو لوگ اختیار کریں گے خدا تعالیٰ انہیں محفوظ رکھے گا، اور اُن کے مخالف اُن سے عاجزی کریں گے۔

گنہگار کا دل بُرے عمل کی کثرت سے اُس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اُسے اس کا احساس بہت کم ہوتا ہے، اس

لیے بلا روک ٹوک بدعمل کیے جاتا ہے۔

جب تم میں سے کوئی نماز کی جماعت کا امام ہو تو اسے تھوڑا پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ جماعت میں ضعیف، بیمار اور کام کاج والے ہوں گے۔ اور جب اکیلے پڑھو تو بیشک جتنا جی چاہے پڑھو۔

وہ مسلمان جو لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان سے اذیت پہنچنے پر صبر کرتا ہے، اس سے اچھا ہے جو نہ لوگوں سے ملتا ہے اور نہ ان سے اذیت پہنچنے پر صبر کرتا ہے۔

بہتر صدقہ وہ ہے۔ جو صاحب توفیق دے اور اپنے عیال سے شروع کرے۔

ایک روز آپ نے صدقے کا حکم فرمایا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا، اس کو اپنی جان پر صدقہ کر (یعنی اپنی جان پر خرچ کر)۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اُسے اپنی اولاد پر خرچ کر۔ اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا، اُسے اپنی بیوی پر صدقہ کر۔ کہا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک اور بھی ہے فرمایا اپنے خادم پر صدقہ کر۔ پھر کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اسے جہاں تو مناسب سمجھے، صرف کر۔

علم بغیر عمل وبال ہے اور عمل بغیر علم گمراہی ہے۔

ناقص دانائی کی بہ نسبت بیوقوفی نجات سے زیادہ نزدیک ہے۔

بہتر صدقہ وہ ہے جو مقدور کے موافق ہو۔

خداوند عالم غیور ہے، اس لیے اس نے غیرت کی بنا پر بُری باتوں کو حرام قرار دے دیا۔

نیکی کا بتانے والا مثل اُس کے کرنے والے کے ہے۔

مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے اور قرابتی کو صدقہ دینا دو صدقے ہیں، ایک تو اصل صدقہ دوسرے رشتہ داروں کی نگہداشت کا۔

اگر میں حکم دیتا کہ کوئی کسی کو سجدہ کرے تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

اگر کوئی عورت مرجائے اس حال میں کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو، وہ جنّت میں داخل ہوگی۔

ایماندار آدمی اپنی بیوی سے ناراض نہ رہا کرے، کیونکہ اس کی کوئی عادت اُسے ناپسند ہو تو کوئی قابل پسند بھی ہوگی۔

پیٹ سے بڑھ کر کوئی بدترین برتن نہیں۔

جو شخص کسی بُرائی میں حاضر ہُوا اور اس سے راضی ہُوا تو گویا اس نے خود وہ بُرائی کی۔

لوگوں کو اپنی منزل پر اُتارو، یعنی حفظ مراتب کا خیال رکھو۔

بدظنی سے پرہیز کرو۔ کیونکہ ظن سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ عیب جوئی مت کرو۔ چھپ کر باتیں نہ سُنو۔ فخر نہ کرو۔ حسد اور کینہ نہ رکھو۔ منہ نہ موڑو۔ اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بنے رہو۔

اگر کوئی بندہ مشرق میں مارا جائے اور دوسرا شخص مغرب میں اس کے قتل سے راضی ہو تو وہ دوسرا بھی اس کے قتل میں شریک ہو گا۔

اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا تو اس کی تصدیق کرو۔ لیکن جب یہ سنو کہ فلاں شخص اپنی عادات کو چھوڑ بیٹھا تو اس کی تصدیق نہ کرو۔ کیونکہ وہ عنقریب اپنی جگہ لوٹ آئے گا۔

مومن کا چہرہ بشاش رہتا ہے اور دل غمگین۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا۔ بیمار پرسی کرنا۔ جنازے کے ساتھ جانا۔ بلاوے کو قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔

حسن خلق کو حقیر مت سمجھو، خواہ وہ اسی قدر ہو کہ تم اپنے بھائی سے بکشادہ پیشانی ملو۔

جب سالن پکاؤ تو اس میں پانی ذرا زیادہ ڈال لیا کرو، اور اپنے ہمسائے کو اس میں سے ایک دو چھچے دے ڈالو۔

رستوں میں بیٹھنے سے پرہیز کیا کرو۔ اگر بیٹھنا ہی ہے تو راستے کا حق ادا کرو یعنی نظر نیچے رکھنا، کسی کو ایذا پہنچانے سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا، نیک کام کا حکم دینا، بُرے کام سے منع کرنا، مصیبت زدہ کی فریاد رسی کرنا اور بھولے ہوئے کو رستہ بتانا۔

جب تین شخص بیٹھے ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کریں کہ اس سے وہ آزردہ ہو جائے گا۔

جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ لوگ اس کے لیے تعظیماً کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں سمجھ رکھے۔

کھانا کھلانا، واقف و ناواقف ہر دو کو سلام کہنا بہترین اسلام ہے۔

ایک گروہ جب چل رہا ہو تو کافی ہے کہ ان میں سے صرف ایک ہی سلام کہے۔ اسی طرح ایک جگہ بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے بھی ایک ہی کا جواب سلام کافی ہے۔

دوست کے ساتھ محبت اعتدال کے ساتھ رکھو، کیونکہ ممکن ہے کبھی تمہارا بگاڑ ہو جائے۔ اسی طرح دشمن کے ساتھ دشمنی حد سے زیادہ نہ کرو، کیونکہ ممکن ہے کبھی تمہاری محبت ہو جائے۔

سوار پیدل کو، چلنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑے بہتوں کو سلام کریں۔

جس شخص کے دونوں دن یعنی آج اور کل گزشتہ برابر ہو جائیں، وہ نقصان زدہ ہے اور جس شخص کا گزشتہ کل آج سے اچھا تھا وہ محروم ہے۔

گوشہ نشینی کو لازم پکڑو، وہ عبادت ہے اور تم سے پہلے نیکوکاروں کا طریقہ ہے۔

خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تو اس کو دیکھتا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو وہ تجھے دیکھتا ہے۔

مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا کیونکہ اس میں صراطِ مستقیم پر چلنے کا حکم ہے۔ جو کہ بال سے باریک تر اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

اپنے آپ کو تمنا سے بچا کہ وہ بیوقوفوں کی وادی ہے۔

مومن کو ایذا پہنچانا خدا کے نزدیک کعبہ اور بیت المعمور گرانے سے پندرہ گنا بُرا ہے۔

لوگ خدا کے عیال ہیں اور خدا کے نزدیک زیادہ پیارا اس کے عیال کو زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہے۔

علم عمل کو آواز دیتا ہے۔ پس اگر وہ جواب دے تو ٹھہرتا ہے ورنہ کوچ کر جاتا ہے۔

جب تو صبح کرے تو اپنے نفس سے شام کا ذکر نہ کر۔ اور جب تو شام کرے تو اپنے نفس سے صبح کا ذکر نہ کر کیونکہ تو نہیں جانتا کہ کل تیرا کیا انجام ہوگا۔

جس نے جہالت سے اللہ کی عبادت کی اُس کا فساد اصلاح سے زیادہ ہوتا ہے۔

جاہل ایک دفعہ عذاب دیا جائے گا اور عالم سات دفعہ۔

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ بدلہ نہیں لیتا۔

بندے کے لیے دنیا میں اللہ کا سخت ترین عذاب غیر مقسوم کا طلب کرنا ہے۔

مومن کی فراست سے بچتے رہو۔ یقیناً وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

مجھے اپنی اُمت پر زیادہ خوف منافق اور زبان دراز کا ہے۔

عبادت کے دس جزو ہیں۔ نو ان میں سے طلب حلال ہیں۔

جو شخص اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ وہ کہاں سے مال کماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی پروا نہیں کرے گا کہ اس کو کہاں سے دوزخ میں داخل کرے۔

جو شخص ایک کپڑا دس درم کو مول لے اور اس کی قیمت میں ایک درم حرام ہو تو وہ کپڑا جب تک اس کے بدن پر رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔

ایماندار کا غصہ بھی جلد ہوا کرتا ہے اور راضی بھی جلد ہوا کرتا ہے۔

آدمی کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

تمہارا ہمسایہ اگر تم سے مدد چاہے تو اس کی مدد کرو اور اگر قرض مانگے تو قرض دو۔ اگر تم سے کوئی کام پڑے تو پورا کرو۔ بیمار ہو تو عیادت کرو۔ اور مر جائے تو جنازے کے ہمراہ جاؤ۔ اس کو بہتری حاصل ہو تو مبارک باد کہو۔ مصیبت پڑے تو تعزیت کرو۔ بغیر اس کی اجازت کے اپنی عمارت اُونچی مت کرو کہ اس کی ہوا رُکے۔ اگر کوئی میوہ خریدو تو اس کو ہدیہ دو۔ ورنہ چھپا کر اپنے گھر میں لاؤ۔ اور اپنے بچے کو میوہ لے کر باہر نہ جانے دو کہ کسی ہمسائے کے بچے کو رنج نہ ہو۔ اپنی ہنڈیا کے خوشبودار بگھار سے اس کو ایذا مت دو۔ مگر اس صورت میں کہ ایک چمچہ اس کے ہاں بھی بھیجو۔ اور یہ حقوق اُسی سے ادا ہوں گے جس پر خدا تعالیٰ رحم کرے۔

رحم رحمٰن سے مشتق ہے جو کوئی اس کو ملائے گا رحمٰن سے ملے گا۔ جو کوئی اس سے قطع کرے گا وہ رحمٰن سے قطع کرے گا۔

نیک خُو اور خوش خلق صائم الدہر اور قائم اللیل کا درجہ پاتا ہے۔

جس کو سلامت رہنا اچھا لگے وہ سکوت لازم پکڑے اور چاہیئے کہ تیرا گھر تجھ کو گنجائش کرے۔

مومن کی زبان دل سے پیچھے رہتی ہے (یعنی جب بولنا چاہتا ہے تو دل میں سوچ لیتا ہے، تب زبان سے نکالتا ہے)
جب کوئی تم کو دعا دے تو تم بھی دعا دو۔ اس سے بہتر یا وہی۔
زیادہ گوئی سے بڑھ کر انسان کے لیے کوئی چیز بُری نہیں۔
دنیا کی محبت ہر ایک خطا کی جڑ ہے۔
مَیں اور میری اُمّت کے پرہیزگار لوگ تکلّف سے بَری ہیں۔
آگ خشک لکڑی میں اتنی جلدی نہیں لگتی، جتنی غیبت بندہ کے حسنات کو خشک کرتی ہے۔
لوگوں میں سب سے بُرا وہ ہے جس کی تعظیم اس کے شر کے خوف سے کی جائے۔
بہتر وہ ہے کہ دیر میں خفا ہو اور جلد مَن جائے۔ بدتر وہ ہے کہ جلد غصّہ ہو اور دیر میں راضی ہو۔
دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو۔ اس کا مال ہے جس کے پاس مال نہ ہو۔ اس کو وہ جمع کرتا جس کو عقل نہ ہو۔ اس پر وہ عداوت کرتا ہے جس کو علم نہ ہو۔ اس پر وہ حسد کرتا ہے جس کو سمجھ نہ ہو اور اس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے جس کو یقین نہ ہو۔
دنیا کی کوئی چیز تیرے پاس نہ ہو لیکن یہ چار چیزیں ہوں تو تجھے ضرر نہیں (۱) راست گفتاری (۲) حفظِ امانت (۳) خوش خلقی اور (۴) غذائے حلال۔
دنیا حلال بھی عذاب ہے مگر یہ حرام کی نسبت خفیف ہے۔
آدمی کے دوست تین ہیں۔ ایک تو قبضِ روح تک ساتھ رہتا ہے۔ دوسرا قبر تک تیسرا قیامت تک۔ قبضِ روح تک کا ساتھی تو مال ہے، قبر تک کے ساتھی اس کے گھر والے، اور قیامت تک کے ساتھی اس کے اعمال۔
عمل بقدرِ طاقت کرو، خدا کی قسم خدا تعالیٰ ملول نہیں ہوتا، تم ہی ملول ہو جاؤ گے۔
کارہائے زندگی کو پائدار سمجھ کر کر۔ اور کارہائے آخرت کے وقت یہ خیال کر کہ کل ہی موت کا سامنا ہے۔
سخی گنہگار خدا تعالیٰ کے نزدیک بخیل عابد سے اچھا ہے۔
کوئی فقیر اور غنی ایسا نہیں جس کو قیامت میں یہ تمنّا نہ ہو کہ دنیا میں اُس کو بقدرِ قُوت یعنی گزارہ کے لائق دیا جاتا۔
جب خدا کو کسی کی ہلاکت منظور ہوتی ہے تو سب سے پہلے خود رائے کی خود رائی اس کو برباد کرتی ہے۔
جو دنیاوی حیثیت میں تجھ سے زیادہ ہے، اس کو مت دیکھ کہ ناشکری پیدا ہوگی۔
جو میانہ روی اختیار کرتا ہے، وہ مفلس نہیں ہوتا۔
سخی کا کھانا دوا ہے اور بخیل کا مرض۔
دستِ بالا یعنی سخی کا ہاتھ دستِ زیریں یعنی سائل کے ہاتھ سے بہتر ہے۔
نہ نقصان اُٹھانا چاہیے نہ نقصان پہنچانا۔
جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی لوگوں کی رضامندی میں چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں ہی کے حوالے کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ پسند نہیں۔ ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو۔ دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کے راستے میں گرا ہو۔

بخل اور ایمان ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرتا ہے وہ اسی میں سے ہے۔

آخر زمانہ میں تم یہود و نصاریٰ کے قدم بہ قدم چلو گے۔ یہاں تک کہ اُن میں سے کوئی پہاڑ کے سوراخ میں جا بیٹھا ہوگا تو تم بھی اس کی تقلید میں پہاڑ کے سوراخ میں جا بیٹھو گے۔ (بخاری و مسلم)

جب تم کسی کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اُس کی مراد دیے جاتا ہے اور وہ اپنی خطا پر مصر ہے تو جان لو کہ یہ امر اُس کو مہلت دیے جانے کے لیے ہے۔

جب کسی بندے پر خدا تعالیٰ کی نعمت زیادہ ہوتی ہے تو اس کی طرف لوگوں کی حاجتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اگر وہ ان سے سستی برتتا ہے تو اس نعمت کے کھوتے کے درپے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں۔

جو شخص جھگڑا چھوڑ دے گو حق ہی پر ہو اس کے واسطے مضافات جنّت ہیں۔ جو جھوٹ کہنا چھوڑ دے، خواہ بطورِ ظرافت ہی ہو، اس کے لیے جنّت کے وسط میں۔ اور جو خوش خلق ہو، اس کے واسطے جنّت کے اعلیٰ درجے میں ایک گھر کا میں ضامن ہوں۔

جو چیز اولاد کے لیے بازار سے لائے پہلے لڑکی کو دے پھر لڑکے کو۔

کیا میں تمہیں ایسے خزانے سے مطلع نہ کروں جو سب سے اچھا ہے؟ سن لو کہ وہ نیک عورت ہے۔

آپس میں تحفہ بھیجا کرو کہ تحفہ دل کی کدورت دُور کر دیتا ہے۔

اپنے بھائی کی تکلیف پر خوشی ظاہر نہ کرو کہ خدا تعالیٰ اسے آرام دے گا اور تجھے دکھ میں مبتلا کرے گا۔

حاکم عادل کی تعظیم کرنا خدا کی تعظیم میں داخل ہے۔

جس نے لڑنے کی غرض سے تلوار اٹھائی اور پھر اپنے ارادہ سے باز آ کر میان میں رکھ لی، اس پر مؤاخذہ نہیں ہے۔

ایک بیٹی والا رنجور ہے۔ دو بیٹیوں والا گرانبار اور تین والے کی مدد کرو اے مسلمانو کہ وہ جنّت میں میرا ہمسایہ ہوگا۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ گناہ کیا ہے؟ فرمایا جو دل کو کھٹکے (سبحان اللہ کتنا مختصر اور جامع جواب ہے)۔

ایسی نعمت کسی کو بھی نہیں ملی، جو صبر سے بہتر اور بڑی ہے۔

لوگ ہرگز ہلاک نہیں ہوں گے، جب تک کہ ان کے اعمالِ بد کی وجہ سے ان کی جانوں پر حُجّت قائم نہ ہو۔

دعویٰ کی شہادت پیش کرنا مدّعی کے ذمّہ ہے اور اس سے انکار کی صورت میں قسم کھانا مدّعا علیہ کے ذمّے ہے۔

حلال چیزوں میں کوئی چیز خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسی بُری نہیں جتنی طلاق۔

جس شخص پر فاقہ اُترے اور وہ اُسے لوگوں پر اُتارے (یعنی بھیک مانگے) اس کا فاقہ دُور نہیں ہوتا اور جو

اپنا فاقہ خدا تعالیٰ پر اُتارے (یعنی اس سے مانگے) تو اُسے خدا تعالیٰ جلدی یا قدرے توقف سے رزق دے گا۔

جب کوئی حاکم تجسس و تحقیقات کرے اور حق بات پا جائے تو اسے دو اجر ملیں گے۔ اور اگر تجسس کرے اور غلطی کھا جائے تو اس کے لیے تجسس کا ایک ہی اجر ملے گا۔

تمہارے جسم میں ایک گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے، اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ معلوم رہے کہ وہ دل ہے۔

وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو دو شخصوں میں صلح کرا دے۔ نیک بات کہے یا اپنی طرف سے نیک بات ملا دے۔

سیدنا ابراہیم (فرزند مبارک) کو جب سانس چھوڑ رہے تھے، حضورؐ نے اپنی گود میں اٹھایا اور زبانِ مبارک سے فرمایا: "اے ابراہیم! حکم الٰہی کے سامنے ہم تیرے کس کام آسکتے ہیں؟"

جو شخص کسی لباس کو شہرت حاصل کرنے یا امارت ظاہر کرنے کی غرض سے پہنے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ذلّت کا لباس پہنائے گا۔

تم میرے پاس حسب نسب لے کر نہ آؤ بلکہ اعمال لے کر آؤ۔

جو شخص اپنے ظالم پر بددعا کرتا ہے، وہ اپنا بدلہ لے لیتا ہے۔

جو شخص تلاشِ علم میں نکلا وہ اپنی واپسی تک گویا اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلتا رہا۔

جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے محبت رکھے تو چاہیے کہ اُسے بتا دے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔

تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ اگر کوئی کسی میں بُرائی دیکھے تو چاہیے کہ اسے ہٹا دے یا بتا دے۔

جو شخص مرنے کے وقت غلام کو آزاد کرے، وہ گویا پیٹ بھر کر کسی کے ہاں کھانا بطور تحفہ بھیجنے کی مانند ہے جس میں کوئی مروّت نہیں۔

آدمی کے اسلام کی خوبی اُمورِ بے فائدہ کو چھوڑ دینا ہے۔

جس کسی نے کسی امیر کے سامنے اس کی امارت کی وجہ سے فروتنی کی اگرچہ وہ ظالم نہ ہو تب بھی اس کے دین کا ایک حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔

جب دو شخص ایک ہی وقت میں دعوت دیں تو ان میں سے نزدیک تر دروازے والے کی دعوت قبول کرو۔ اگر ان میں سے کوئی پہل کرے تو پہل والے کی قبول کرو۔

اگر کسی شخص کی دعوت کی جائے اور وہ قبول نہ کرے، تو اس نے اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کی۔ اور جو شخص بن بلائے چلا جائے تو گویا چور اندر چلا گیا، اور چوری کر کے باہر آگیا۔

کوئی آقا اپنے غلام سے یہ نہ کہے کہ میرا غلام یا میری لونڈی یا میرا خادم اور نہ خادم آقا کو یہ کہے کہ میرا رب یعنی پالنے والا یا پالنے والی۔ بلکہ آقا کہے میرا جوان یا میری جوان یا میری جوان عورت۔ اور خادم کہے، میرا سردار یا میری سردارنی۔ کیونکہ تم سب مملوک ہو اور سب کا رب وہی عزّت و جلال والا ہے۔

آپؐ جب کسی کے گھر آتے تو دروازہ کے سامنے سے نہ آتے۔ بلکہ دائیں یا بائیں سے السلام علیکم کہتے۔ (کیونکہ اُن ایام میں دروازوں کے آگے پردے نہ تھے)۔

ابومسعود بدری اپنے غلام کو کوڑے مار رہا تھا کہ اتنے میں آنحضرتؐ تشریف لے آئے تو اس نے کوڑا پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا "سنو ابومسعود! خدا تجھ پر زیادہ قادر ہے بہ نسبت اس کے کہ تو غلام پر ہے"۔ یہ سُن کر ابومسعود آئندہ کے لیے تائب ہو گئے۔

آپؐ نے اس چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس پر پردے نہ ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے باہر سے آواز دے کر رسول اللہؐ سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ آپؐ بولے یہ شخص قوم کا بُرا آدمی ہے۔ جب وہ اندر آیا۔ تو اس سے کشادہ پیشانی اور نرمی کلام سے پیش آئے۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے کہا، یا رسول اللہ جس وقت آپ نے اس آدمی کا آنا سُنا، اس وقت اس کی نسبت ایسا ایسا کہا، جب آپ اس کے سامنے ہوئے تو کشادہ پیشانی رکھی۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اے عائشہ! تو نے مجھے کب کسی سے بداخلاقی کرتے یا بدخلقی سے پیش آتے دیکھا؟ میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کروں"۔ بہت سے لوگ آپ کے حسنِ اخلاق ہی سے متاثر ہو کر آپ کی رسالت پر ایمان لائے۔

حضرت صفیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ مسجد میں معتکف تھے۔ ایک رات میں انہیں دیکھنے گئی۔ چند باتیں کر کے میں اُٹھی کہ گھر جاؤں، تو آپ بھی کھڑے ہو گئے اور میرے ساتھ مسجد کے دروازے تک تشریف لائے۔ اس وقت دو شخص انصاری اُدھر سے گزرے۔ جب اُنہوں نے رسول اللہؐ کو دیکھا تو قدم تیز کر دیئے۔ آپ نے فرمایا وہیں ٹھہر جاؤ، دیکھو یہ صفیہ میری بیوی ہے۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ، یا رسول اللہ! یہاں کیا کسی شبہ کی گنجائش ہے؟ آپ نے فرمایا، شیطان کا گزر بنی آدم کے خون کی گزرگاہوں تک ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تمہارے دلوں میں میرے متعلق کوئی بُرا خیال نہ ڈال دے

عثمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میرا باپ مجھے اپنے ہمراہ لے کر رسول کریمؐ کی خدمت میں آیا اور کہا یا رسول اللہؐ میں نے اس بیٹے کو یہ غلام عطا کیا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے ہر ایک بیٹے کو ایسا عطیہ دیا ہے؟ اس نے کہا، نہیں۔ تو آپ نے فرمایا، تُو اپنا عطیہ واپس لے لے۔

فرمان مبارک ہے کہ مرد بغیر عورت کے مسکین ہے اور عورت بغیر مرد کے مسکینہ ہے۔ خواہ وہ مالدار ہی ہوں۔

جب دو مسلمانوں نے تلواروں سے ایک دوسرے کا مقابلہ کیا تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ! قاتل تو دوزخی ہوا، مقتول کیوں؟ فرمایا اس نے بھی تو اپنے ساتھی کے قتل کا ارادہ کر رکھا تھا۔

اگر کوئی شخص نیک کام کر رہا ہو اور بیماری یا سفر کی وجہ سے وہ نیک کام سے رُک جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا عمل ایسا ہی شمار کرے گا جیسا وہ اس حالت میں تھا، جبکہ وہ معذور نہیں تھا۔

جو شخص کسی نیک کام کے واسطے ترغیب دیتا ہے تو اُسے اسی قدر ثواب ملتا ہے جس قدر اس شخص کو جو اس کی پیروی

کرتا ہے اور جو شخص کسی بُرے کام کی ترغیب دیتا ہے تو اُسے اسی قدر گناہ ہوتا ہے جس قدر اس شخص کو جو اس کی پیروی کرتا ہے۔ ان ہر دو کے ثواب و گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

حضور نے نوحہ کرنے والی اور اسے کان لگا کر سننے والی دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ مگر اتنی زیادہ نہ ہو کہ میں بھول جاؤں۔ آپ نے فرمایا، غصہ نہ کیا کرو۔ پھر فرمایا بنی آدم تین طبقات پر منقسم ہیں۔ (۱) بعض جلد غصہ قبول کر لیتے ہیں اور جلد ہی ٹھنڈے ہو جاتے ہیں (۲) بعض کو دیر میں غصہ آتا ہے اور جلد اصلی حالت پر واپس آجاتے ہیں۔ (۳) بعض دیر میں غصہ قبول کرتے ہیں اور دیر میں اپنی حالت پر لوٹتے ہیں۔ ان میں بہترین دوسری قسم کے لوگ ہیں، اور بدترین تیسری قسم کے۔

آنحضرت ایک جنگ سے واپس ہوئے تو فرمایا "ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں"۔ لوگوں نے پوچھا کہ بڑا جہاد کونسا ہے۔ فرمایا کہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد۔ کیونکہ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔

حقیقی صبر مصیبت کو اوّلاً ہی برداشت کر لینا ہے۔

مسلمان کے اسلام کی خوبیوں میں سے بڑی خوبی لایعنی باتوں کا ترک کرنا ہے۔

فرمایا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ نے پہلے نبیوں اور رسولوں پر چھ چیزوں میں فضیلت عطا فرمائی ہے۔ (۱) مجھ کو جوامع الکلم عطا فرمائے (۲) میری فتح و کامیابی کے لیے مجھ کو دشمنوں کے مقابلہ میں خاص رعب بخشا (۳) میری اُمت کے لیے مالِ غنیمت کو حلال کیا (۴) تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاک قرار دی (۵) مجھ کو تمام مخلوق کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا (۶) انبیاء و رسل کی نبوت مجھ پر ختم کر دی۔ ہم سے پہلے کسی نبی کے زمانے میں مالِ غنیمت حلال نہیں ہوا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہمارے ضعف و عجز پر نظر کر کے ہمارے لیے اس کو پاک کر دیا۔

جب کوئی عورت اسلام لانے کے لیے آنحضرت کے پاس آتی تو حضور اس بات پر حلف لیتے کہ "بخدا میں شوہر سے ناراض ہو کر نہیں آئی۔ بخدا مجھے دنیا حاصل کرنا مقصود نہیں۔ بخدا میں ایک خطہ چھوڑ کر دوسری زمین پر بسنے کے شوق میں نہیں آئی۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت میرے آنے کا باعث ہوئی۔

لوگوں نے پوچھا کہ ایک عورت مالدار تو ہے لیکن اس کا شوہر اس کو حج کی اجازت نہیں دیتا۔ فرمایا کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے لیے حج پر جانا درست نہیں۔

دنیا سامانِ زیست ہے اور اس کی بہترین متاع صالح عورت ہے۔

آپ سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھا شخص کون ہے؟ فرمایا جس کی عمر لمبی اور اعمال نیک ہوں۔ لوگوں نے پوچھا سب سے بُرا شخص کون ہے؟ فرمایا جس کی عمر لمبی اور اعمال بد ہوں۔

ایک اونٹنی کسی کے باغ میں گھس گئی اور اُسے خراب کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا، دن کے وقت مال کی حفاظت (یعنی

باغ کی، مال والے کے ذمّے ہے اور رات کے وقت مویشی کی نگہبانی مویشی والے کے ذمّے ہے۔

لوگوں نے خبر دی کہ ایک شخص نے خودکشی کی ہے۔ آپ نے فرمایا میں اس کے لیے جنازہ کی دعا نہ پڑھوں گا۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے عرض کیا کہ میرا خاوند بخیل ہے۔ میری اور میری اولاد کی ضروریات کے لیے کافی خرچ نہیں دیتا۔ کیا میں اس کی لاعلمی میں اس کا مال خرچ کر سکتی ہوں؟ فرمایا اپنی اور اپنی اولاد کی معمولی ضروریات کے واسطے جس قدر درکار ہو خرچ کر لیا کرو۔

اے خدا میں تیرے سامنے اقرار کرتا ہوں کہ اگر غصّہ میں آ کر میں نے اپنی اُمت کے کسی آدمی کو بُرا کہا ہو یا لعنت کی ہو تو میں بھی انسان ہوں، مجھے بھی ایسا ہی غصّہ آتا ہے جیسا اور لوگوں کو آتا ہے۔ تو نے مجھے مخلوق کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تو قیامت کے دن میری لعنت کو اس پر رحمت کیجیو۔

کسی نے سوال کیا کہ کیا آپؐ کافروں کے لیے بھی رحمۃ للعالمین ہیں۔ فرمایا یہ خوانِ رحمت تمام عالم کے لیے یکساں کھلا ہُوا ہے۔ اگر کوئی اس رحمت عام سے فائدہ نہ اُٹھائے تو اس کا اپنا قصور ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا، یا رسولؐ اللہ اگر میرے پاس کوئی آئے اور میرا مال مجھ سے چھینے؟ آپ نے فرمایا، اس کو خدا سے ڈرا۔ اس نے کہا، اگر وہ نہ ڈرے؟ فرمایا، اپنے پڑوسیوں سے مدد مانگ۔ اس نے کہا، اگر پڑوس میں کوئی مسلمان نہ ہو جو میری مدد کرے (کیونکہ کافر تو مدد کرتے ہی نہیں) فرمایا پھر حاکم سے مدد مانگ۔ اس نے عرض کیا، اگر حاکم دُور ہو؟ فرمایا اپنے مال کی خاطر لڑ۔ یہاں تک کہ آخرت میں تو شہیدوں میں شامل ہو جائے یا جیت کر اپنا مال بچالے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ خادم کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ خاموش رہے۔ اس نے اپنا سوال دہرایا۔ آپ پھر بھی خاموش رہے۔ اس نے تیسری بار اپنا سوال دہرایا۔ آپ نے فرمایا ہر ایک دن میں اسے ستّر بار معافی دو۔

مطرف بن عبداللہ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے سردار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سردار اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے کہا آپ بزرگی میں سب سے افضل ہیں اور آپ کی طبیعت میں بخشش بھی ہماری طبیعت سے زیادہ ہے۔ فرمایا، خیر ایسا کہو یا اس سے بھی کم، مگر شیطان کے وکیل نہ بنو۔

اُمِّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں اور حارث کی بیٹی میمونہؓ رسولؐ اللہ کے پاس بیٹھی تھیں کہ ابنِ مکتوم کا بیٹا آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ پردہ کر لو۔ ہم نے کہا وہ تو اندھے ہیں ہمیں دیکھ نہیں سکتے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم بھی اندھی ہو، اور اسے دیکھ نہیں سکتیں؟

ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ میں جب ماں کے پاس جاؤں تب بھی اجازت لے کر جاؤں؟ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا، میں اور ماں ایک ہی مکان میں رہتے ہیں۔ فرمایا، پھر بھی اجازت لیا کرو۔ اُس نے کہا، میں تو اس کی خدمت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لیا کرو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اسے برہنہ دیکھو؟ کہا نہیں۔ فرمایا، بس اسی واسطے اجازت لیا کرو۔ ممکن ہے کہ کبھی تم بے اطلاع چلے جاؤ اور وہ برہنہ ہو۔

عوفؓ بن مالک نے پوچھا کہ ایک آدمی کے ہاں میرا جانا ہُوا۔ اس نے میری ضیافت نہ کی۔ اگر وہ میرے ہاں

آجائے تو کیا میں اس کی مہمانداری کروں؟ آپ نے فرمایا ضرور کرو۔ آپ نے دیکھا کہ میرے کپڑے ناقص ہیں۔ فرمایا تیرے پاس کوئی مال نہیں؟ میں نے عرض کیا، ہر قسم کا مال خدا نے مجھے عطا کر رکھا ہے۔ فرمایا تمہاری وضع قطع پر بحدِ مناسب اس کا ظہور ہونا چاہیئے۔

حضرت ابو قتادہؓ اور محلم بن جثامہؓ کہیں چلے جا رہے تھے۔ قوم اشجع کا ایک شخص عامر بن اضبط بھی اپنے مال و متاع کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ اس نے اسلامی لشکر کو دیکھ کر السلام علیکم کہا۔ مگر مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ یہ دشمن قبیلے کا شخص ہے، اپنی جان بچانے کے لیے السلام علیکم سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔ اس لیے سب نے اس کا جواب وعلیکم السلام دینے سے تامل کیا اور محلم بن جثامہؓ نے حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔ جب اس واقعہ کا علم آنحضرتؐ کو ہوا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور محلمؓ سے کہا کہ تو نے ایک شخص کو خدا پر ایمان رکھنے کی حالت میں کیوں قتل کیا؟ اور عامر کے وُرثا کو پچاس اُونٹ خون بہا دلا کر رضامند کیا۔ اور اس طرح محلمؓ کو قصاص سے نجات ملی۔

دشمن پر رحم کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ خاص کر اُس وقت جب بدلہ لینے کا موقع حاصل ہو۔ آنحضرتؐ نے اگرچہ اہلِ مکہ کے ہاتھوں طرح طرح کی بیشمار تکالیف اور اذیتیں اٹھائیں۔ لیکن پھر بھی آپ نے ان کی بھلائی اور بہتری کے لیے دعا فرمائی۔ ایک بار صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! دشمنوں کے حق میں آپ بد دعا کیوں نہیں فرماتے؟ فرمایا میں دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی اولاد دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ پانچ چیزوں کے ساتھ پانچ چیزیں عنایت کرتا ہے شکر کے ساتھ مال کی زیادتی۔ دُعا کے ساتھ اجابت استغفار کے ساتھ آمرزش۔ صدقہ کے ساتھ قبولیت۔ رحم کے ساتھ رحمت۔

اگر تمہارا کھانا حسبِ خواہش نہ ہو تو اس کو بُرا نہ کہو۔

اپنے پیٹوں کا کچھ حصہ تہی رکھو، صحت مند رہو گے۔ کیونکہ پیٹ تمام بیماریوں کا سر ہے۔

مجھے حکم کیا گیا ہے کہ تقریر و گفتگو میں اختصار کیا کروں، اس لئے کہ مختصر بات چیت بہتر ہوتی ہے۔

مومن کامل وہی شخص ہے جس کا اخلاق اچھا ہے۔

بلاشک دُنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی اور تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے۔

اگر کوئی شیر خوار بچہ آپ کی گود میں پیشاب کر دیتا تو آپ کپڑوں کو اس کے والدین کی رنجیدگی کے خیال سے اس وقت نہ دھوتے تھے، بلکہ جب وہ باہر چلے جاتے تب دھوتے۔

اسماء بنت یزید انصاری صحابیہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں اور میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں مسلمان عورتوں کی طرف سے بطور قاصد کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ بیشک اللہ جل شانہٗ نے آپ کو مرد اور عورت دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ اس لیے ہم عورتوں کی جماعت آپ پر ایمان لائی اور اللہ پر ایمان لائی۔ لیکن ہم عورتوں کی جماعت مکانوں میں گھری رہتی ہے۔ پردوں میں بند رہتی ہے۔ مردوں کے گھروں میں گڑی رہتی ہے۔ اور مردوں کی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے کھڑی رہتی ہے

ہم اُن کی اولاد کو پیٹ میں اٹھائے رہتی ہیں - ان سب باتوں کے باوجود مرد بہت سے ثواب کے کاموں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں - جمعہ میں شریک ہوتے ہیں - جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں - بیماروں کی عیادت کرتے ہیں - جنازوں میں شرکت کرتے ہیں - حج پر حج کرتے رہتے ہیں - اور ان سب سے بڑھ کر جہاد کرتے رہتے ہیں - اور جب وہ حج کے لیے یا عمرہ کے لیے یا جہاد کے لیے جاتے ہیں، تو ہم عورتیں ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں - اُن کے لیے کپڑا بنتی ہیں - ان کی اولاد کو پالتی ہیں - کیا ہم ثواب میں اُن کے شریک نہیں ؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر صحابہ رضؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا تم نے دین کے بارے میں اس عورت سے بہتر سوال کرنے والی سُنی ؟ صحابہ رضؓ نے عرض کیا - یا رسولؐ اللہ ! ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال کر سکتی ہے ؟ اس کے بعد آنحضرتؐ اسمارؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ غور سے سُن اور سمجھ اور جن عورتوں نے تجھ کو بھیجا ہے اُن کو بتا دے کہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی خوشنودی کو ڈھونڈنا اور اس پر عمل کرنا ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے جن کو تو نے مردوں کے لیے مخصوص سمجھ رکھا ہے ۔

بوڑھوں میں بدتر وہ بوڑھا ہے جو سیاہ خضاب سے جوانوں کی مشابہت کرتا ہے - کیونکہ سیاہ خضاب فریب ہے اور فریب دینے والا ہم میں سے نہیں ہے ۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ حضرت عباسؓ سے پینے کے لیے آب زمزم طلب فرمایا - انہوں نے عرض کیا یا حضرت اس پانی میں بہت لوگوں نے اپنے ہاتھ ڈالے ہیں اور گھنگھولا ہے - ٹھہریے میں خالص پانی کا ڈول آپ کے لیے نکالتا ہوں - آپ نے فرمایا، نہیں، میں مسلمانوں کے ہاتھ کی برکت کو دوست رکھتا ہوں ۔

ہادیٔ اعظم حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا - اور دُنیا و آخرت کی چند نہایت اہم باتوں کی نسبت سوالات عرض کیے - اس نے عرض کیا ۔

یا رسولؐ اللہ میں چاہتا ہوں کہ سب سے بڑا عالِم بن جاؤں ۔

آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرتے رہو، سب سے بڑے عالم بن جاؤ گے - خدا کا خوف اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے انسان پر علم و حکمت کے دروازے کھل جاتے ہیں ۔

عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ سب سے بڑا انسان بن جاؤں ۔

فرمایا سب سے بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے - تمہیں چاہیے کہ سب کے لیے نفع بخش بن جاؤ ۔

عرض کیا میری تمنا ہے کہ عادل و منصف بنوں ۔

ارشاد فرمایا دوسروں کے لیے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو ۔

عرض کیا میں خدا کے دربار میں سب سے زیادہ مقرب بننا چاہتا ہوں ۔

فرمایا سب سے زیادہ خدا کا ذکر کرو - خدا کے مقرب بن جاؤ گے ۔

عرض کیا میری خواہش ہے کہ میں نیک اور احسان کرنے والا بنوں ۔

ارشاد ہوا، نماز اس طرح پڑھا کرو کہ گویا تم نماز میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم اس طرح تو پڑھو کہ حق تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے ؛

عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ میرا ایمان مکمل ہو جائے ؛

فرمایا اپنے اخلاق و عادات سنوار لو، ایمان مکمل ہو جائے گا ؛

عرض کیا میں خدا کا اطاعت گذار بھی بننا چاہتا ہوں ؛

ارشاد ہوا اپنے فرائض ادا کرتے رہو گے تو تمہارا شمار اطاعت گزاروں میں کیا جائے گا ؛

عرض کیا میں خدا تعالیٰ سے اس حالت میں ملنا چاہتا ہوں کہ تمام گناہوں سے پاک وصاف ہوں ؛

فرمایا غسلِ جنابت کی برکت سے گناہوں سے پاک اٹھو گے ؛

عرض کیا میری آرزو ہے کہ میدان حشر میں نور کے ساتھ اٹھایا جاؤں ؛

فرمایا کہ اگر ظلم نہیں کرو گے تو قیامت میں نور کے ساتھ اٹھو گے ؛

عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھ پر رحم کرے ؛

فرمایا اپنے نفس پر رحم کرو اور خلقِ خدا پر بھی رحم کھاؤ، خدا تعالیٰ تم پر رحم کھائے گا ؛

عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ میرے گناہ کم ہوں ؛

فرمایا استغفار کثرت سے پڑھا کرو، گناہ کم ہو جائیں گے۔

عرض کیا میں سب لوگوں سے بزرگ تر بننا چاہتا ہوں ؛

فرمایا مصیبت کے اوقات میں خدا کی شکایت نہ کرو۔ سب سے بزرگ تر ہو جاؤ گے ؛

عرض کیا میں چاہتا ہوں میرے رزق میں زیادتی ہو ؛

فرمایا ہمیشہ پاک وطاہر رہا کرو، رزق میں برکت ہوگی ؛

عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا دوست بن جاؤں ؛

ارشاد فرمایا جو چیزیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، ان کو اپنے لئے بھی پسند کر لو۔ اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو ناپسند ہیں ان سے نفرت اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے دوست بن جاؤ گے ؛

عرض کیا میں خدا کے غضب سے بچنا چاہتا ہوں ؛

فرمایا اگر کسی پر بے جا غصّہ نہ کرو گے تو خدا تعالیٰ کے غضب و ناراضگی سے بچے رہو گے ؛

عرض کیا میں خدا کے دربار میں مستجاب الدعوت بننا چاہتا ہوں ؛

فرمایا حرام چیزوں اور حرام باتوں سے بچتے رہو گے تو مستجاب الدعوات بن جاؤ گے ؛

عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے قیامت میں سب کے سامنے رسوا نہ کرے ؛

فرمایا اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو گے تو خدا تمہیں قیامت میں رسوائی سے بچائے گا ؛

بادشاہ کا ایک گھڑی کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ ہے، اس لیے کہ عبادت کا فائدہ صرف عابد ہی کو پہنچتا ہے اور عدل کا فائدہ خاص و عام سب کو ملتا ہے ﴿

اولادِ آدم کے سارے قلوب قلبِ واحد کی مانند اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت کی دو انگلیوں میں ہیں اور وہ انہیں جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ پھر فرمایا، اے ہمارے آقا دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری میں لگادے ﴿

ایک مجمع میں حضورؐ نے فضیلتِ علم کے متعلق بہت سی باتیں بیان فرمائیں۔ آخر میں آپ نے دو مرتبہ فرمایا اے لوگو! مجھ سے علم سیکھو۔ اے لوگو مجھ سے علم سیکھو ﴿

ایک دفعہ جنگ بدر کے دن حضرتؐ سایہ میں بیٹھے تھے اور صحابہؓ دھوپ میں تھے۔ حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور کہا، یا رسولؐ اللہ! آپ سایہ میں ہیں اور صحابہؓ دھوپ میں ہیں۔ (خیال کرو حضورؐ سے اتنی بات کا بھی گلہ ہوا ہے، اور یہ کہ حقوق العباد کا کیا درجہ ہے؟

ایک دفعہ آپ سردارانِ قریش کو تبلیغ فرما رہے تھے کہ عبداللہ بن مکتوم آئے اور انہوں نے کچھ دریافت کیا۔ آپ نے انہیں دخل انداز ہوتے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ اسی وقت یہ آیات بطور تنبیہ نازل ہوئیں "(محمدؐ) ترش رُو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے کہ اُن کے پاس ایک نابینا آیا۔ تمہیں کیا معلوم شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ جو پروا نہیں کرتا، اس کی طرف تم توجہ کرتے ہو۔ اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور خدا سے ڈرتا ہے، اس سے تم بے رُخی کرتے ہو" اس پر آپ کا چہرہ زرد ہوگیا۔ اگرچہ بظاہر کوئی غلطی نہ تھی۔ مگر خدا تعالیٰ کو آنحضرتؐ کی ذات مبارک سے ایسا طرزِ عمل بھی بھلا نہ لگا ﴿

بنی حنیفہ یمن کے قبائل میں ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اس زمانہ میں جبکہ اس قبیلہ کا وفد خدمتِ نبی کریمؐ میں حاضر ہوا ہے۔ سردارِ قبیلہ مسیلمہ کذّاب (مدّعی نبوت) بھی وفد کے ہمراہ تھا۔ وفد جب مسجدِ نبوی میں داخل ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آمد کا حال سُن کر تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن قیس بن شماس تھے۔ حضرت رسولِ کریمؐ نے قبول اسلام پر ان سے گفتگو فرمائی۔ مسیلمہ کہنے لگا میں اس شرط پر ایمان لا سکتا ہوں کہ آپ وعدہ کریں کہ آپ کے بعد آپ کی نیابت و خلافت مجھ کو ملے گی اور مجھے بھی آپ اس معاملہ میں شریک کرلیں گے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک شاخ تھی، مسیلمہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر قبولِ اسلام بھی اس قسم کی حرص آمیز شرط پر موقوف ہے تو واضح رہے کہ میرے ہاتھ میں جو شاخ ہے، اگر تو ایک ٹکڑا بھی اس کا مانگے تو نہ ملے گا۔ مجھ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دکھایا گیا ہے کہ تیری نیت کیا ہے۔ اور اس کی بدولت تیرا حشر کیا ہوگا۔ یہ فرما کر آپ مجلس سے اٹھ گئے اور فرمایا کہ بقیہ گفتگو قیسؓ بن شماس کریں گے ﴿

ایک دفعہ قبیلہ طے کا وفد حاضرِ خدمت ہوا۔ اس وفد کے سردار زید ابن الخیل نامی ایک شخص تھے۔ نبی کریمؐ نے ان کے مسلمان ہونے کے بعد اُن کا نام زید ابن الخیر رکھا۔ (نکتہ) خیل عربی میں گھوڑے کو کہتے ہیں اور خیر

کے معنی بہتر کے ہیں۔ اس تبدیلیٔ لفظ سے اشارہ تھا کہ نام کی طرح نسبتیں بھی عمدہ ہونی چاہئیں نہ کہ ذلیل و توہین آمیز۔
آپ کے چچا ابوطالب کا جب وقتِ مرگ قریب ہُوا تو آپ نے ان سے کہ اے چچا میری خواہش یہ ہے کہ آپ ایک دفعہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ لیجئے، فرمایا، پھر میں خدا تعالیٰ سے خود جھگڑ لیتا آپ یہ فرما رہے تھے اور ابوطالب کے بھائی ابولہب اور ابوجہل بھی موجود تھے۔ انہوں نے ابوطالب سے کہا کہ کیا اِن کے کہنے سے اپنے آبا و اجداد کے دین کو چھوڑ دو گے؟ تو اس موقع پر ابوطالب نے شعر پڑھے اور کہا کہ "میں عار کو نار پر ترجیح دیتا ہوں"۔ یہ کہہ کر انکار کر دیا اور انتقال ہو گیا۔ حضرت نبی کریمؐ پر اس واقعہ سے صدمہ گزرا اور آپ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ کفر پر گزر گئے، مگر جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے ممانعت نہ ہوگی۔ میں ان کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ چنانچہ آپ ان کے لیے استغفار فرماتے رہے، حتّٰی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ "نبی کے لیے اور ایمان والوں کے لیے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت مانگیں۔ خواہ وہ مشرکین ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں"۔ بعد اس بات کے ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔
صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے سوال کیا، آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی اس قدر خدمت کی، اور کفار کے مقابلے میں آپ کی جو مدد کی، کیا اس کی وجہ سے اُن کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا، ہاں میری برکت سے ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور سب سے ہلکا ہوگا۔

خصائل و شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حلیہ شریف: حضور سرورِ دو عالمؐ کا حُلیہ مبارک متفقہ روایتوں سے اس طرح بیان ہُوا ہے۔ قد مبارک آپ کا نہ بہت لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا۔ اوسط درجہ سے ذرا اُونچا۔ رنگ مبارک نہ بہت سفید نہ بہت گندم گوں۔ بدن دُبلا مگر خوبصورت اور دلکش، سینہ کشادہ اور کھلا ہُوا، بدن کے استخوان اور پنجر فراخ، اعضا متناسب، سر بڑا، وسیع اور شریفانہ پیشانی۔ بال سیاہ گھنے اور قدرے گھونگریالے کانوں تک پڑے ہوئے، بھویں محرابی اور آپس میں ملی ہوئیں، رُخِ انور تُنک لیکن مائل بہ درازی نہایت درخشاں اور بارونق، دل میں کھُب جانے والی سیاہ اور بڑی آنکھیں۔ نیز سیاہ پتلیاں جو پلکوں کے لمبے اور سیاہ باریک بالوں سے اور بھی روشن معلوم ہوتی تھیں، خوبصورت اُبھری ہوئی اور سُتواں ناک، دانت کشادہ اور موتیوں کی طرح۔ جلد صاف اور نرم جسم میں لطافت اور نزہت۔ رُخِ انور پر غور و محویت کے آثار نمایاں، چہرہ ذکاوت سے روشن تھا۔

آپ مکّہ بھر میں سب سے زیادہ حسین سمجھے جاتے تھے۔

حالاتِ عمومی: شانہ مبارک دہنی طرف سے شروع کرتے کفش مبارک دہنی طرف پہلے پہنتے خضاب آپ کا مہندی تھا۔ سرمہ رات کے وقت تین تین سلائی دونوں آنکھوں میں لگاتے۔ لباس میں قمیص آپ کو زیادہ پسند تھی۔ اور موٹا کپڑا۔ بچھونا چمڑے کا تھا جس میں بجائے روئی کے کھجور کے پتے بھرے تھے۔ اور کبھی ٹاٹ بستر ہوتا۔ جوتا مبارک دو دو تسمے والا ہوتا تھا۔ آپ نے پیٹ بھر روٹی اور گوشت نہیں کھایا سوائے کسی صحابیؓ کی ضیافت کے۔ اور آپ نے اور آپ کے اہل بیت نے دو روز متواتر جَو کی روٹی شکم سیر ہوکر نہیں کھائی۔ کئی کئی روز تک آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی، اور کئی کئی شب چراغ نہ جلتا تھا۔ انگشتری چاندی کی دائیں دستِ مبارک میں پہنتے۔ جس کے نگینہ میں اسمِ مبارک اس طرح کندہ تھا (محمد رسول اللہ)۔ زرہ آپ کے پاس دو تھیں جو فتح مکّہ کے دن آپ پہنے ہوئے تھے۔ عمامہ مبارک اس روز سیاہ رنگ کا تھا۔ تلوار مبارک کا قبضہ چاندی کا تھا۔ آپ کے پاس ایک چادر اور ایک تہبند بہت سے پیوند لگا ہوا تھا۔ اسی میں آپ کی وفات شریف ہوئی۔ اور وہی دونوں کپڑے کفن ہوئے۔ آپ کے وقت میں چھلنی نہ تھی۔ پھونک لگاکر آٹا صاف کرلیتے۔ پتلی چپاتی کبھی نہیں کھائی۔ دسترخوان آپ کا چمڑے کا تھا۔ ایک پیالہ لکڑی کا زنجیر آہنی سے جکڑا ہوا آپ کا برتن تھا۔ اس میں ہر چیز پینے کی پیتے۔ پھلوں میں ککڑی اور کھجور ملاکر کھاتے۔ عطر آپ کو بہت پسند تھا۔ کبھی رَدّ نہ کرتے اور فرماتے کہ خوشبو جنّت سے ہے۔

رفتار میں قدم تیز مگر ایک انداز سے پڑتے تھے۔ آپ بدن کو اکٹھا کرکے چلتے، گویا بلندی سے اُتر رہے ہیں۔ چلنے میں فروتنی اور انکسار ظاہر ہوتا تھا اور کمر ذرا آگے کو جھکی رہتی تھی۔

گفتار: حضورؐ کی گفتگو نہایت فصیح اور مختصر ہوتی تھی، لیکن پُر مضمون۔ نہ مطلب سے زیادہ نہ کم کبھی کسی کی مذمّت نہ فرماتے۔ نہ کسی کھانے کو بُرا کہتے اور نہ تعریف میں لگے رہتے۔ زیادہ گفتگو سے احتراز فرماتے تھے۔ جلدی جلدی کلام نہ فرماتے تھے بلکہ آہستہ آہستہ اور جدا جدا الفاظ کہ سننے والا حفظ کرسکے۔ مجمع میں گفتگو کے وقت یا وعظ کے موقع پر ہر ایک کلمہ عموماً دو تین مرتبہ بولتے، تاکہ عام لوگ اچھی طرح سمجھ لیں۔ ہمیشہ مغموم و متفکر رہتے۔ آپ کے لیے آرام نہ تھا۔ عموماً خاموش رہتے اور بغیر حاجت کلام نہ فرماتے۔ بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے، چہرہ کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہؓ متنبہ ہو جاتے۔

غصّہ: حضورؐ کو جب کسی پر غصّہ آتا تو اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے۔ جب کسی سے خوش ہوتے تو صرف مسکرا دیتے۔ آپ کبھی قصوروار پر ناراض ہوتے نہیں دیکھے گئے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ فرماتے "اسے کیا ہوگیا ہے"؟ یا "اس کی پیشانی خاک آلود ہو"۔ اپنے لیے نہ کبھی غصہ کرتے اور نہ بدلہ لیتے۔ البتہ اگر ہتکِ اسلام ہوتی تو آپ کے غضب کو کوئی شے نہ روک سکتی تھی۔ جب تک اس کا بدلہ نہ لے لیتے مطمئن نہ ہوتے۔ بلانے کے لیے اگر اشارہ کرتے تو پورے پنجہ سے کرتے کیونکہ انگلی کا اشارہ تکبر ہے۔ تعجب کے وقت اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے ہاتھ میں ڈالتے۔ کبھی کبھی سچی اور درست خوش طبعی بھی فرماتے۔

نمازِ تہجد: قدر دراز فرماتے کہ پائے مبارک وَرم کر جاتے۔ تلاوتِ قرآن مجید بہت فرماتے۔ ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ پڑھتے۔

لباس مبارک: لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا۔ عام لباس چادر قمیص اور تہبند تھا۔ پاجامہ بہت کم استعمال فرمایا۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق استعمال نہیں فرمایا۔ عمامہ مبارک اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا جس کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا۔ عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی۔ اُونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی۔ لباس میں یمن کی دھاریدار چادروں کو پسند فرماتے تھے۔ کفش مبارک ایک تلے کی چپل جس میں تسمے لگے ہوتے تھے۔ سرخ رنگ سے آپ متنفر تھے اور مَردوں کو بھی اس کے استعمال سے منع فرمایا۔ سفید رنگ زیادہ پسند خاطر تھا۔

بیمار پُرسی اور جنازہ کے ساتھ جانے کا بہت خیال رکھتے۔

فرمانِ مبارک ہے کہ ایک عورت دوسری عورت سے اس قدر گھل مل کر نہ رہے کہ وہ اس کی تعریفیں اپنے شوہر سے یوں بیان کرنے لگے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

دعوتِ غلام کو بھی قبول فرماتے۔

خانہ داری کے کاموں میں آپ کپڑا سی لیتے۔ بکریاں چرالاتے اور ان کا دودھ دُوہ لیتے۔ اپنے نفس کی خدمت بھی کیا کرتے۔ فحش کلام نہ کرتے۔ بازار میں چلاّ کر نہ بولتے۔ برائی کا بدلہ برائی نہ کرتے بلکہ معاف فرماتے۔ سخی ایسے کہ کبھی "نہ" کا لفظ زبان پر نہیں آیا۔ بالخصوص رمضان مبارک میں بہت سخاوت فرماتے۔

کسی کی کوئی بات بُری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اس کا ذکر نہ کرتے تھے۔ بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں، لوگ ایسا کہتے ہیں، یا بعض لوگوں کی یہ عادت ہے۔ یہ طریقۂ ابہام اس لیے اختیار فرماتے تھے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساسِ عزت میں کمی نہ آ جائے۔

فرخندہ مزاجی: اتنا کھل کھلا کر نہ ہنستے تھے کہ آپ کا منہ کھل جائے۔ مسکرانے پر بس فرماتے۔ مگر سب لوگوں سے زیادہ مسکرانے والے تھے۔ جس کسی نے آپ کو دیکھا، فرخندہ مزاج اور خندہ پیشانی پایا۔ حضور کی لطف آمیز حیا اور تحمل و درگزر ایسی چیزیں تھیں کہ ہر ایک آپ کو دیکھ کر اور آپ سے باتیں کرکے آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور یہ خیال کرتا تھا کہ حضورؐ کو میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہے۔

معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرضہ تو نہیں ہے۔ اگر معلوم ہوتا کہ مقروض تھا تو صحابہؓ سے فرماتے، تم جنازہ پڑھا دو خود شریک نہ ہوتے۔

مساوات: ایک لاکھ چوالیس ہزار کے مجمع میں حجۃ الوداع کے خطبے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی ترجیح نہیں مگر پرہیزگاری کے ساتھ" جو سب کو اولادِ آدمؑ بتاتا ہے، اس کے اُسوۂ حسنہ میں ان اقوال کی تائید دیکھو۔ سفر ہو یا حضر، آپ اپنے اصحابؓ کے ساتھ

کام میں برابر کا حصہ لیتے تھے۔ اگر سفر ہے تو آپ لکڑیاں اکٹھی کر رہے ہیں۔ مسجد تعمیر ہو رہی ہے تو آپ پتھر ڈھو رہے ہیں، اور ایک معمولی مزدور کی حیثیت سے شریک کار ہیں۔

آپ ایک جگہ سے واپس ہوئے تو مالکِ مکان نے ایک خچر سواری کے واسطے اور ایک غلام ہمراہی کے لیے ساتھ کر دیا۔ آپ نے غلام سے فرمایا "تم میرے آگے سوار ہو جاؤ۔ کیونکہ جس کی سواری ہے وہ آگے بیٹھنے کا مستحق ہے"۔ اس نے بپاسِ ادب ساتھ بیٹھنے سے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا "یا تو سوار ہو جاؤ ورنہ واپس چلے جاؤ"۔

ایک دفعہ آپ نے ایک شخص "مغیث" کے بارے میں اُس کی آزاد شدہ زوجہ بریرہؓ سے سفارش فرمائی کہ مصالحت کر لیں۔ اس نے دریافت کیا "یا رسول اللہ! کیا آپ حکم دیتے ہیں"؟ آپ نے فرمایا "میں سفارش کرتا ہوں"۔ بریرہؓ نے جواب میں نہایت آزادی سے کہا "مجھے مغیث کی ضرورت نہیں ہے"۔

ایک دفعہ آپ بازار سے سودا سُلف خرید کر خود اٹھا کر لا رہے تھے۔ کسی شخص نے کہا، یہ چیزیں میں اُٹھا لے چلتا ہوں۔ آپ نے فرمایا "جس کسی کی چیز ہو اس کا اُٹھانا اسی پر واجب ہے"۔

آپ کے گھوڑے کا نام لحیف، گدھے کا نام عفیر، خچر کا نام دُلدل اور اُونٹنیوں کے نام قصواء اور عضباء تھے۔

حضورؐ نے بدر کی جنگ میں ایک کافر شاعر کو قیدی بنایا۔ اس نے درخواست کی، ہلِلّٰہ میری جان بخشی فرمائیں۔ حضورؐ نے فرمایا، وعدہ کرو کہ تم آئندہ کبھی مسلمانوں کی ہجو نہ کرو گے۔ اور کافروں کو شعر پڑھ کر نہ بھڑکاؤ گے۔ اس نے آئندہ ایسا نہ کرنے کا وعدہ کر لیا۔ جب حضورؐ نے اُسے چھوڑ دیا تو وہ اپنے اقرار سے پھر گیا اور بدستور مسلمانوں کے خلاف کافروں کو بھڑکاتا رہا۔ دوسری لڑائی اُحد میں وہ پھر پکڑا گیا۔ اس دفعہ اس نے پھر حضورؐ سے رہائی کی درخواست کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا "میں اب تم کو نہیں چھوڑوں گا۔ مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا"۔ چنانچہ اُسے قتل کر دیا گیا۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا "مجھے غریب مسلمانوں میں ڈھونڈو۔ اس لیے کہ تمہیں خدا کا رزق اور اس کی مدد غریب مسلمانوں ہی کی وجہ سے ملتی ہے"۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نظر نہ تھا۔ مگر اس فرطِ محبت کے باوجود مسلمان جب حضورؐ کو دیکھتے تو تعظیم کے لیے مطلق کھڑے نہ ہوتے۔ ان کو معلوم تھا کہ حضورؐ کو اس قیامِ تعظیمی سے نفرت و کراہت ہے کیونکہ اہل عجم اس طرح ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں خدا کی قسم حضورؐ نے عمر بھر کسی عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیعت نہیں فرمائی بلکہ اقرارِ اسلام کے کلمات کے بعد یہ ارشاد فرماتے "مجھ کو تمہاری بیعت منظور ہے"۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجذوم (کوڑھی) کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ مل کر ایک رکابی سے کھانا تناول فرمایا اور یہ فرمایا "کھاؤ میرا خدا پر بھروسہ ہے"۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں، حضورؐ اپنی چاندی کی انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے۔ جس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں، آنحضرتؐ چند خواتین کے سامنے سے گزرے اور ان کو السلام علیکم کہا۔

حضرت ابوسعیدؓ خدری فرماتے ہیں، چند انصار نے آنحضرتؐ سے مالِ غنیمت مانگا۔ حضورؐ نے مال دیا۔ انہوں نے دوبارہ سوال کیا، حضورؐ نے دوبارہ مال عطا فرمایا۔ حتّٰی کہ آپ کے پاس جتنا مال تھا سب ختم ہو گیا۔ حضورؐ نے فرمایا میں اپنے پاس کوئی مال جمع کر کے نہیں رکھتا۔ اسی وقت تم میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ فرمایا جو شخص سوال کرنے سے بچنا چاہے، خدا اُسے سوال سے بچنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اور جو شخص دنیا سے بے نیاز ہونا چاہے، خدا اسے سوال سے بچنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور جو شخص دُنیا سے بے نیاز ہونا چاہے، خدا اُسے بے نیاز کر دیتا ہے اور اس کا دل دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے۔ جو شخص صبر کرنا چاہے، خدا اُسے صبر کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ صبر سے زیادہ کوئی اچھی چیز کسی کو نہیں ملی۔

حضرت عمرو بن شعیبؓ سے مروی ہے۔ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اُونٹ کے قریب آئے۔ اس کے کوہان کے بال پکڑ کر فرمایا "مسلمانو! اس مالِ غنیمت میں میرا اتنا بھی حصّہ نہیں ہے۔ صرف خمس ہے۔ مگر وہ بھی تمہارے کاموں میں خرچ ہوتا ہے۔ ایک دھاگا اور ایک سوئی تک بھی غنیمت کے مرکز پر جمع کرا دیا کرو۔" یہ ارشادِ زرّیں سنتے ہی ایک شخص کھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں بالوں سے بٹی ہوئی ایک رسّی تھی۔ اس نے عرض کیا میں نے اس کو اپنے گھوڑے کی زین کا کمبل درست کرنے کے لیے اٹھایا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "اگر تم نے یہ میرے یا میرے رشتہ داروں کے حصّے سے اُٹھایا ہے تو کوئی حرج نہیں۔" اس نے عرض کیا، جب حضورؐ کا یہ ارشاد ہے تو میں اس کو لیتا ہی نہیں۔ یہ کہہ کر اس کو مالِ غنیمت میں پھینک دیا۔

اگر آنحضرتؐ کی زندگی سے یادِ خدا تعالیٰ کو منہا کر دیا جائے تو باقی جو کچھ بچتا ہے، وہ خدمتِ خلق ہے۔ آپ کے مذہب میں خدا تعالیٰ سے تعلّق پیدا کرنے کا دنیوی وسیلہ صرف یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی مخلوق کا خادم بن جائے آپ کا ارشاد ہے "سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ" یعنی قوم کا سردار وہ ہے جو قوم کا خادم ہو۔ آپ کا یہ بھی فرمان ہے "تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ ہیں جو اس کی مخلوق کے ساتھ بہترین سلوک کریں۔" حضورؐ کا ذاتی نمونہ یہی تھا۔ آپ بچوں کے ساتھ بے حد محبت کرتے تھے۔ ان کو پہلے سلام کرتے بعد میں پیار کرتے۔ بوڑھوں کی پوری عزّت فرماتے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اپنے بوڑھے اور نابینا باپ کو بیعت کے لیے لائے تو فرمایا "تم نے انہیں کیوں تکلیف دی۔ میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔"

مساوات: ایک روز آپ ایک کنوئیں پر غسل کے لیے تشریف لے گئے۔ ایک صحابیؓ آپ کی طرف پشت کر کے چادر تان کر کھڑے رہے۔ جب حضورؐ فارغ ہوئے اور صحابیؓ کے نہانے کی باری آئی تو آپ بھی اسی طرح چادر تان کر کھڑے ہو گئے اور پردہ کئے رہے۔ صحابیؓ کو اپنے رسولؐ کی یہ تکلیف کیونکر گوارا ہو سکتی تھی، التجا کی، یا رسول اللہ! میری جان آپ پر قربان! آپ یہ تکلیف نہ فرمائیں۔ ارشاد ہوا "جیسا میں انسان ہوں ویسے

ہی تم انسان ہو۔ مجھ کو ایسی کیا فوقیت حاصل ہے "؟

ضعیف روایات ہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ تھا۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحت سے خالی اور ناقابل اعتبار ہیں ؛

اثنائے سفر میں آپ نے ایک منزل پر قیام فرمایا۔ کھانے پکانے کا انتظام ہونے لگا۔ بکری کے ذبح کرنے کی تیاری ہوئی۔ صحابہ کرام میں سے ہر شخص نے ایک ایک کام اپنے اپنے ذمہ لیا۔ ایک بکری کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ دوسرے نے اس کے بنانے اور صاف کرنے کی خواہش کی۔ تیسرے نے گذارش کی کہ میں پکالوں گا۔ چوتھے صحابیؓ بولنے ہی لگے تھے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا " میں ایندھن کے لیے جنگل سے لکڑیاں لاؤں گا " صحابہ کرامؓ نے نہایت ادب سے عرض کیا، ہماری جانیں آپ پر قربان، ہمارے ہوتے ہوئے حضورؐ کو کسی کام کے کرنے کی حاجت نہیں۔ فرمایا " میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم لوگوں کی میرے حال پر بڑی عنایت ہے۔ لیکن مجھے منظور نہیں کہ تم میں مشیخت مآب بن کر بیٹھ جاؤں۔ رفیق وہ ہے جو رفیقوں کا شریک کار ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم کام کرو اور میں بیٹھا منہ دیکھا کروں۔ مجھے حق رفاقت ادا کرنے دو " چنانچہ آپ جنگل سے لکڑیاں جمع کر کے لائے اور ہمیشہ ایسے مواقع پر اپنے رفقا کے ساتھ برابر کے شریک کار رہتے ؛

مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تو آپ بھی مزدوروں کی صف میں شامل تھے مٹی کھودتے تھے اور ڈھوتے تھے۔ اس قدر بھاری پتھر اٹھاتے کہ جسم مبارک لچک جاتا۔ عقیدت مند عرض کرتے، ہمارے ماں باپ فدا ہوں، آپ چھوڑ دیں ہم خود اٹھائے جائیں گے۔ فرماتے بہت اچھا۔ لیکن پھر ذرا سی دیر میں اسی وزن کا پتھر اٹھاتے اور کام کرنے والوں کی صف میں شامل ہو جاتے۔ جب مزدور تکان مٹانے کو رجز پڑھتے تو آپ بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے ؛

ایک دن حضورؐ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ درست فرمانے لگے تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا، حضورؐ میں درست کرتا ہوں۔ فرمایا، یہ شخصیت پرستی مجھے پسند نہیں ؛

غزوۂ بدر کے موقع پر سواریاں کم تھیں، تین تین آدمیوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ آیا حضورؐ نے بھی اپنے ساتھ دو آدمی شامل کر لیے۔ ان دونوں نے عرض کیا۔ آپ سوار رہیں، ہم پیادہ چلیں گے۔ فرمایا، " نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے ہو اور نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں " ؛

معمول تھا کہ رفع حاجت کے لیے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے۔ مکہ معظمہ میں جب تک قیام تھا، حدود حرم سے باہر چلے جاتے جس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا ؛

ایک دن حضورؐ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں پتلی سی لکڑی تھی۔ آپ نے ایک شخص کو ہٹایا۔ اتفاق سے لکڑی کا سرا اس شخص کے منہ پر لگ گیا اور خراش سی آگئی۔ اسی وقت فرمایا، " مجھ سے انتقام لے لو "۔ اس نے عرض کیا، حضورؐ میں نے معاف کیا " ؛

مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظمہ میں تھے، پیغمبر تھے، مدینہ منورہ

پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیرنگیں ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ وفات کے وقت آپ کی زِرہ ایک یہودی کے ہاں تین صاع جَو پر گرو تھی۔ جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی، ان میں اُوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدودِ شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینہ کی سرزمین میں سیم و زر کا سیلاب آچکا ہے، لیکن اپنے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا۔ اور رات کو تو اکثر آپ اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا۔ حضرت عائشہ؄ فرماتی ہیں، کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا، یعنی صرف ایک جوڑا کپڑے ہوتے جو پہنتے رہتے ٭

ابوسفیان اسلام سے پہلے جس قدر آپ کے مخالف تھے، غزواتِ نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے غزوۂ بدر سے لے کر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں، ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور حضرت عباس؄ اُن کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔ حضرت عمر؄ نے گزشتہ جرائم کی پاداش میں ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ لیکن آپ نے منع فرمایا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن و امان کا حرم بنا دیا اور فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کا قصور معاف ہوگا۔ کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمنوں کے ساتھ عفو و درگذر کی ایسی مثالیں پیش کی ہیں ؟

ایک دفعہ دو شخص مجلسِ اقدس میں حاضر تھے، ایک معزز اور دوسرا کم رُتبہ تھا معزز صاحب کو چھینک آئی لیکن انہوں نے اسلامی شعار کے موافق اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نہیں کہا۔ دوسرے صاحب کو بھی چھینک آئی۔ انہوں نے الحمدللہ کہا۔ آنحضرت ﷺ نے حسبِ معمول یَرْحَمُكَ اللّٰہُ کہا۔ معزز صاحب نے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو یاد کیا تو میں نے بھی کیا۔ تم نے خدا تعالیٰ کو بھلا دیا تو میں نے بھی تم کو بھلا دیا ٭

ایک روز آپ مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہ؄ کے دو حلقے قائم تھے۔ ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقے میں علمی باتیں ہو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا دونوں عمل خیر کر رہے ہیں، لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلّم بنا کر مبعوث کیا ہے۔ یہ فرما کر علمی حلقہ میں بیٹھ گئے ٭

ایک دفعہ ایک صاحب خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں تباہ ہو گیا۔ ارشاد ہوا کیوں؟ اس نے کہا، میں نے رمضان میں بیوی سے ہم بستری کی۔ آپ نے فرمایا، ایک غلام آزاد کرو۔ وہ بولا، غریب ہوں، غلام کہاں سے لاؤں؟ ارشاد ہوا دو مہینے کے روزے رکھو۔ وہ بولا، یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا۔ فرمایا، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ اُس نے کہا، اتنا مقدور نہیں۔ اتفاق سے زنبیل بھر کھجوریں کہیں سے آگئیں۔ آپ نے فرمایا، لو غریبوں کو خیرات کر آؤ۔ اُس نے عرض کی، اس خدا کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنایا، سارے مدینہ میں مجھ سے بڑھ کر کوئی غریب نہیں آپ بے ساختہ ہنس پڑے اور فرمایا اچھا تم خود ہی کھا لو ٭

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ؄ نے عرض کی کہ ہم جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے لیکن جب گھر جا کر بال بچوں میں بیٹھتے ہیں تو حالت بدل جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے ٭

ایک دفعہ آپ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا "میں فصیح ترین عرب ہوں اور میں کلماتِ جامعہ لے کر مبعوث ہُوا ہوں"
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اثنائے تقریر میں آپ نے فرمایا "اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم وہ جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ"۔ اس فقرہ کا ادا ہونا تھا کہ لوگوں کی یہ حالت ہو گئی کہ مُنہ پر کپڑے ڈال کر بے اختیار رونے لگے"
کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب زرد کپڑے پہن کر حاضرِ خدمتِ مبارک ہوئے۔ آپ نے کچھ نہ فرمایا جب وہ اُٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں ؂
کسی غزوہ میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا ایک غار پر گزر ہُوا جس میں پانی تھا اور آس پاس کچھ سرسبز بوٹیاں اور پودے تھے۔ اس صحابی نے عرض کی، یارسول اللہ مجھ کو ایک غار مل گیا ہے جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ گزین ہو کر ترکِ دنیا کروں۔ آپ نے فرمایا "میں یہودیت یا نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا ہوں میں سہل اور آسان ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں" ؂
ایک دفعہ اُسود بن سریع جو شاعر تھے خدمتِ عالی میں آئے اور عرض کی کہ میں نے خدا کی حمد اور حضورؐ کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں۔ فرمایا کہ ہاں خدا کو حمد پسند ہے۔ اُسود نے اشعار پڑھنے شروع کیے۔ اسی اثنا میں کوئی صاحب باہر سے آ گئے۔ آپ نے اسود کو روک دیا۔ وہ کچھ دیر باتیں کر کے چلے گئے۔ اسود نے پھر پڑھنے شروع کیے۔ وہ صاحب پھر آ گئے۔ آپ نے اسود کو پھر روک دیا۔ تین دفعہ یہی اتفاق ہُوا۔ اُسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہیں جن کے لیے آپ مجھ کو بار بار روک دیتے ہیں۔ فرمایا کہ "یہ وہ شخص ہے جو فضول باتیں پسند نہیں کرتا" ؂
تواضع اور انکساری کی راہ سے آپ اُکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔ اور فرمایا کرتے "میں بندہ ہوں، بندوں کی طرح کھاتا اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں"۔ ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی اور لوگ زیادہ آ گئے۔ آپ اکڑوں بیٹھ گئے کہ جگہ نکل آئے۔ ایک بدّو بھی مجلس میں شریک تھا۔ اس نے کہا، محمدؐ! یہ کیا طرزِ نشست ہے۔ آپ نے فرمایا خدا نے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے۔ جبّار اور سرکش نہیں بنایا ہے ؂
ایک صاحب بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے کہا "جو خدا چاہے اور جو آپ چاہیں"۔ ارشاد ہُوا "تم نے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھیرایا۔ کہو کہ جو خُدا تنہا چاہے" ؂
ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپ نے ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو۔ جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ مختصر یہ کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی ؂
قریش (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے تھے، برا بھلا کہتے تھے۔ ضد سے آپ کو محمدؐ (تعریف کیا گیا) نہیں کہتے بلکہ مذمّم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے۔ لیکن آپ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ تمہیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیونکر پھیر تا ہے۔ وہ مذمّم کو گالیاں دیتے

اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں، اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں چونکہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل کے دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ مستورات نے آکر درخواست کی کہ مردوں سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں، اس لیے ہمارے واسطے ایک خاص دن مقرر کر دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کے لیے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد بابرکت میں متعدد ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں کہ ایک شخص سے جرم سرزد ہوتا ہے اور وہ نبی کریمؐ کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر اپنے گناہ کا از خود اعتراف کرتا ہے اور استدعا کرتا ہے کہ اسے جرم کی سزا دے کر پاک کر دیا جائے۔

ماعزؓ بن مالک اسلمی حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں، کہ اے اللہ کے رسولؐ، مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے، مجھے پاک فرما دیجیے۔ آپ اپنا رُخِ انور دوسری طرف پھیر لیتے ہیں۔ یہ پھر آگے بڑھ کر اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہیں اور حدّ جاری کرنے کی استدعا کرتے ہیں۔ رسول اکرمؐ پھر بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں۔ مگر یہ اپنے اقرارِ جرم اور نفاذِ تعزیر پر مصر رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب چار مرتبہ اقرار کر لیتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنگسار کرنے کا حکم دے دیتے ہیں۔

اسی طرح غامد قبیلے کی ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہوتی ہے۔ وہ حرام کاری کے جرم کا از خود اقرار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس پر حد جاری کی جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ اس حرام کاری سے حاملہ ہو چکی ہے۔ آنحضورؐ اسے واپس بھیج دیتے ہیں کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو پھر آنا۔ بچّہ پیدا ہو جاتا ہے تو اُسے گود میں اُٹھائے پھر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتی ہے اور نفاذِ حدّ کا مطالبہ کرتی ہے۔ آنحضورؐ اُسے فرماتے ہیں، ابھی جاؤ اس بچّے کو دودھ پلاؤ۔ جب دودھ چھڑا لو اور یہ روٹی کھانے لگے تو آنا۔ غامدیہ چلی جاتی ہے اور دو سال گزرنے کے بعد پھر حاضر ہوتی ہے۔ بچّہ اس کی گود میں ہے اور روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں، جسے وہ کھا رہا ہے۔ کہتی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اب تو یہ روٹی کھانے لگا ہے۔ میں حاضر ہوں، مجھے اس گناہ سے پاک فرما دیجیے۔ حضرت رسول کریمؐ نے اُسے سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت خالدؓ کی زبان سے اس عورت کے متعلق کوئی اہانت آمیز بات نکل گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت نے اس طرح توبہ کی ہے کہ اگر اسے تقسیم کر دیا جائے تو روئے زمین کا ہر آدمی اس سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔ یہ ہے ضمیر کی بیداری، خدا ترسی اور آخرت کا ثمرہ۔ سبحان اللہ۔

حضورؐ نے حضرت خالدؓ کو قبیلہ بنی حذیمہ میں اشاعت اسلام کے لیے بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے یہاں تلوار چلا دی۔ حضورؐ کو یہ خبر پہنچی تو بے قراری سے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھ گئے اور فرمایا "خداوندا! میں خالدؓ کے فعل سے بری ہوں"۔ پھر حضرت علیؓ کو بھیجا۔ آپ نے حسب فرمانِ نبویؐ ایک ایک مقتول کا خوں بہا ادا کیا، حتیٰ کہ اگر

کسی کا کتا مر گیا تو اس کا بھی خوں بہا ادا کیا گیا۔ یہ کیوں؟ انسان کا کوئی حق نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو بغیر حق کے قتل کرے ٭

مساوات: آنحضرت ؐ کی خدمتِ مبارک میں جب نجاشی شاہِ حبش کا مرسلہ وفد آیا۔ تو آپ نے کسی کو موقع نہ دیا کہ آپ کے سوا کوئی اور ان کی خدمت کرے۔ آپ فرماتے یہ میرے مرسلہ وفدِ اصحابؓ کے میزبان ہیں۔ میں ان کو ان کی مہمان نوازی کا عوض دینا چاہتا ہوں ٭

ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کچھ سوال کیا۔ آپ نے اسے چالیس بکریاں دینے کا ارشاد فرمایا۔ پھر وہ آدمی اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا، اے میری قوم! اسلام قبول کرو۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنے کھلے دل سے عطا کرتے ہیں جس سے کسی کو محتاجی اور مفلسی کا کبھی ڈر نہ ہو۔ اور آپ کے اصولِ دین اس قدر مساوات پر مبنی ہیں کہ امیر و غریب میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ چنانچہ بہت سے لوگ آپ کی سخاوت، خوش اخلاقی اور مساواتِ اسلام سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے ٭

اگر کوئی امرِ ناگوارِ خاطرِ مبارک ہوتا، تو صحابہ کرامؓ روئے انور کی کیفیت سے معلوم کر لیتے تھے۔ زبانِ خیر ترجمان سے آپ خفگی کا کچھ اظہار نہ فرماتے ٭

اکثر مرتبہ آپ خادمہ کے ساتھ مل کر کھانا پکاتے اور جب وہ تھک جاتی اس کے ساتھ چکی پیستے۔ بازار سے بوجھ اٹھا کر گھر لانے میں عار نہ ہوتا۔ غنی و مفلس ہر دو سے برابر کا مصافحہ کرتے اور خود ہاتھ نہ چھوڑتے، جب تک دوسرا ہی ہاتھ نہ چھوڑ دے۔ ہجومِ حج میں کوئی شخص لوگوں کو ہٹانے والا آپ کے آگے نہ ہوتا۔ اور اسی بھیڑ میں سے آپ بھی گزرتے ٭

انس بن مالکؓ نے آنحضرت ؐ کی چھت پہ جانے کی سیڑھی کو گرا ہوا دیکھا تو مٹی کے ساتھ اس کی مرمت کا ارادہ کیا۔ آپ نے اُن کو روکا اور فرمایا، میرا اور دنیا کا کیا تعلق۔ میں دنیاوی جاہ و نمائش اور فضولیات کی بربادی کے لیے بھیجا گیا ہوں نہ کہ اُن کی آبادی کے لیے۔

اشعث بن قیس حاکم کندہ اسّی مسلمان سواروں کے ساتھ اس شان سے خدمتِ نبویؐ میں آئے کہ حریر کی چادریں جن کے ریشم کے سنجاف تھے، ان کے کندھوں پر لٹک رہی تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا" کیا تم مسلمان ہو؟" عرض کیا" ہاں"۔ فرمایا" پھر یہ ریشم کیسا؟" اس جملے پر ہر ایک سوار نے اپنی چادر پھاڑ کر زمین پر ڈال دی۔ فرمایا" اسلام کا منشا یہ ہے کہ تمام لوگ ایک معتدل اور مساوی زندگی بسر کریں۔ امیروں کی صورت ایسی نہ ہو کہ غریبوں کو توہین اور حقارت سے دیکھنا اُن کے لیے لازمی ہو جائے، اور غریبوں کی دل آزاری کا موجب ہو۔

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی۔ آپ نے پہن لی۔ پھر خیال آیا اور اُتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی۔ حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے کہ جو چیز ناپسند ہوئی وہ مجھ کو عنایت ہوئی۔ ارشاد ہوا، میں نے استعمال کے لیے نہیں بلکہ فروخت کرنے کے لیے بھیجی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو فروخت کیا، تو دو ہزار درہم دام اُٹھے ٭

ایک مرتبہ کسی شخص نے کھانا پکوا کر حضرت علیؓ کے گھر بھیجا۔ حضرت فاطمہؓ کی خواہش تھی کہ آنحضرتؐ بھی یہیں تشریف لے آتے اور ہمارے ساتھ کھانا کھاتے۔ حضرت علی گئے اور جا کر آپ سے عرض کی، آپ تشریف لائے لیکن دروازے پر جا کر دیکھا کہ گھر میں دیواروں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ آپ اسی وقت واپس پلٹ گئے۔ حضرت علیؓ نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا "پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی زیب و زینت کے مکان میں داخل ہو"

فتح مکہ کے بعد شہر میں داخلہ کے وقت نبی کریمؐ اونٹ پر سوار تھے۔ کیفیت انکسار نے سر مبارک کو اس قدر جھکا رکھا تھا کہ پیشانی مبارک کجاوے سے لگتی جا رہی تھی تا کہ کسی شخص کو انسانی فتح کا دھوکا نہ ہو۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ فتح مند ہو کر بھی انسان کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ انسان بہرحال خدا کا بندہ ہے۔

جن لوگوں نے آپ کو اس قدر سخت اذیتیں پہنچائی تھیں، اُن سب کو معافی اور امن کا پیغام سنایا۔ سراقہ بن جعشم نے آپ پر تین دفعہ تلوار کے وار کئے تھے۔ آپ نے اس سے کچھ بھی پرسش نہ فرمائی۔ ہبار نے آپ کی بیٹی زینبؓ کو نیزہ سے زخمی کیا تھا اور وہ اسی زخم سے فوت ہو گئی تھیں۔ جب ہبار سامنے ہوا تو آپ نے معاف فرما دیا۔ وحشی نے آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔ وہ معافی کے لیے حاضر دربار ہوا، تو حضورؐ نے شرم سے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور صرف یہ کہہ کر معاف فرمایا کہ میرے سامنے نہ آیا کرنا، تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔

جنگ اُحد میں آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے، خود اغار میں گر گئے۔ بعض صحابہؓ نے بد دعا کی درخواست کی تو فرمایا "اے خدا! میری قوم کو ہدایت فرما وہ جانتے نہیں ہیں۔"

ایک دفعہ آپ کا ایک آزاد شدہ غلام مر گیا۔ قاعدے کے مطابق لوگ اس کا متروکہ اٹھا کر آپ کے پاس لے آئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کا کوئی رشتہ دار یا ہم وطن یہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ سب چیزیں اس کے حوالے کر دو۔

ایام طفولیت میں جب آپ کی عمر بارہ سال کی تھی، چند لڑکے آپ کے ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ یہ لڑکے رات کو باری باری شہر جاتے اور کہانیاں سنا کرتے۔ ان لڑکوں نے دو مرتبہ آپ کو بھی سننے کی ترغیب دی اور بڑے اصرار سے شہر میں بھیجا۔ لیکن نبی معصومؐ دونوں مرتبہ منزل تک نہیں پہنچے۔ راستے ہی میں جہاں نیند غلبہ کرتی، سو جاتے۔ اور جب بیدار ہوتے سیدھے ریوڑ میں چلے آتے۔ ان دو واقعات کے سوا آپ نے ساری زندگی میں کبھی کھیل تماشے کا قصد بھی نہیں کیا۔ اور یہی بے لوث زندگی مخالفینِ نبوت کے لیے ایک ناقابل تردید اور دائمی ثبوت قرار پا گئی۔ جب کبھی قریش نے آپ کی تکذیب کی، آپ نے یہی فرمایا "اے قریش! میں نے نبوت سے قبل ایک طویل زندگی تمہارے سامنے گزاری ہے۔ کیا تم غور نہیں کرتے"؟ یہ پُرحقیقت عظیم الشان آواز برابر ۲۳ سال تک ملک عرب کی فضاؤں میں گونج پیدا کرتی رہی، مگر کوئی انسان اس کے جواب میں لب کشا نہ ہو سکا۔

ابوطالب (آپ کے چچا)، سے زیادہ آپ کے بچپن کے حالات سے کون باخبر ہو گا؟ وہ فرمایا کرتے تھے۔ "میں نے نہیں دیکھا کہ محمدؐ نے بچپن میں بھی کبھی جھوٹ بولا ہو، ہنسی مذاق کیا ہو، کوئی جہالت کی ہو یا لڑکوں کے

ساتھ بھرے ہوں"۔ آپ کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ ابوطالب کی کنیز کہتی ہیں، آپ گھر میں کھانے کے لیے آتے تھے مگر خود کبھی نہیں مانگتے تھے۔ حیاداری کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دفعہ نوعمری کے زمانہ میں آپ کا تہ بند اُتر گیا۔ اسی وقت آپ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی، آنکھیں پتھرا گئیں، زمین پر گر پڑے اور اسی حالت میں آپ نے پھر سے جسم پر تہبند لپیٹ لیا۔ انہی ایام میں قریش نے چڑھاوے کا کھانا آپ کے سامنے لا کر رکھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ باوجود ایسے خاندان میں پیدا ہونے کے، جو تمام بُت پرست قبائل کا پروہت تھا، چالیس سال تک محنت اور خدمت کی زندگی بسر کرتے رہے مگر کبھی بتوں کے آگے سر نہ جھکایا۔

ایام طفولیت کی یاد کے سلسلے میں حضورؐ نے فرمایا کہ آپ نے آٹھ سال کی عمر مبارک میں مدینہ کے تالاب میں تیرنا سیکھا تھا۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے آپ کو السلام علیکم کی بجائے "السّام علیکم" (تم پر موت ہو) کہا۔ آپ نے اس کے جواب میں فقط "وعلیکم" کہا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ یا حضرتؐ! آپ نے بھی "السّام" کا لفظ کیوں نہ کہا اور فقط "وعلیکم" ہی پر اکتفا کیا۔ فرمایا، "بُرے کلمہ سے زبان آلودہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، جبکہ "وعلیکم" سے بھی وہی مطلب نکل سکتا ہے (یعنی تم پر بھی)، علاوہ ازیں خدائے تعالیٰ کا ایک نام رفیق بھی ہے، اس واسطے وہ رفق یعنی نرمی کو پسند کرتا ہے۔

مساوات حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ استر پر بلا پالان سوار تھے۔ میں راستے میں مل گیا۔ فرمایا سوار ہو جاؤ۔ میں آنحضرتؐ کو پکڑ کر سوار ہونے لگا۔ خود تو چڑھ نہ سکا۔ لیکن آنحضرتؐ کو گرا دیا۔ آنحضرتؐ نے دوبارہ سوار ہو کر فرمایا، سوار ہو جاؤ۔ میں نے عرض کیا، مجھ سے چڑھا نہیں جاتا، حضور کو کہاں تک گراؤں گا؟ آخر کار آپ بھی پیدل چلنے لگے۔

اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں، میرے گھر میں آنحضرتؐ کا بستر صرف بوریا تھا۔ اُسے دو تہہ کر کے بچھا دیا جاتا۔ ایک رات چار تہہ کر کے بچھایا۔ فرمایا، بستر نرم ہو گیا ہے، آئندہ ایسا نہ کرنا۔ مجھے شب بیداری سے باز رکھتا ہے۔

نجران کے عیسائی آپ کی خدمت میں آئے۔ ان کی عبادت کا وقت آ گیا۔ آپ نے مسجد نبویؐ میں ان کو عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔

ایک یہود آپ کے پاس بکری لائی جو زہر کھلا کھلا کر پالی گئی تھی۔ آنحضرتؐ اس امر سے مطلع ہو گئے۔ فرمایا تیرا اس سے کیا مدّعا تھا؟ وہ کہنے لگی، آپ کا قتل۔ فرمایا تو ایسا نہیں کر سکتی کیونکہ خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہیں۔ صحابہؓ نے اُسے قتل کرنا چاہا، لیکن آپ نے معاف فرما دیا۔

ایک سائل نے آ کر سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، میرے پاس تو کچھ نہیں، تم بازار سے میرے نام پر قرض لے لو۔ حضرت عمرؓ نے کہا، خدا نے آپ کو ایسی حالت میں تکلیف اُٹھانے کا حکم نہیں دیا۔ آنحضرتؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا، راہ خدا میں دینا ہی اچھا ہے۔ اس پر آپ خوش ہو گئے اور فرمایا "خداوند کریم ردِّ سوال

کو مجھ سے پسند نہیں فرماتا"۔

ایک موقعہ پر آپ سے صحابہؓ نے سوال کیا کہ کبائر (یعنی سب سے بڑے گناہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا، شرک قتل والدین کی نافرمانی۔ پھر فرمایا کہ میں تم کو سب سے بڑے گناہ کی خبر دوں، وہ ہے جھوٹی شہادت۔

ایک بار آپ سے سوال کیا گیا کہ سب زیادہ کونسی چیز لوگوں کو جنّت میں داخل کرائے گی۔ ارشاد ہُوا کہ خدا تعالیٰ کا تقویٰ اور خوش خلقی۔ پھر سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز لوگوں کو دوزخ میں لے جائے گی؟ فرمایا منہ اور شرمگاہ یعنی بدزبانی اور بدکاری۔

ایک بار ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور بالکل دروازہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ سامنے سے ہٹ جاؤ کیونکہ اس طریقے کے قائم کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ کسی کے گھر آنے والے کی نگاہ ایسی چیز پر نہ پڑ جائے جس کا اظہار اس کو پسند نہ ہو۔

ایک بار ایک بوڑھا آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا، لیکن اہل مجلس نے اس کے لیے جگہ خالی کرنے میں دیر کی تو آپ نے فرمایا کہ جو کوئی ہمارے چھوٹوں کے ساتھ بہ تلطف پیش نہ آئے اور بڑوں کی عزت نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حضرت رسول کریمؐ کی زندگی کے واقعات میں اس صفت کی نمایاں جھلک پائی جاتی ہے کہ جو لوگ آپ کے مقرب تھے وہی سب سے بڑھ کر آپ کے گرویدہ اور مطیع و منقاد نظر آتے ہیں۔ جب حضورؐ نے بحکم خدائے عزّ وجل سماوی پیغام دُنیا کو سنایا، تو سب سے پہلے وہی لوگ اس سے متاثر ہوئے۔ جن کے ساتھ آپ کا گہرا تعلق رہا اور جو ہمیشہ آپ کے ہمدم و ہمراز و ہم نشین رہے یعنی آپ کی انیس و رفیق بیوی حضرت خدیجہؓ، آپ کے غلام زیدؓ، آپ کے دوست صادق صدیق اکبرؓ، آپ کے عم زاد برادر حضرت علیؓ۔ کیا آپ کی صداقتِ نبوّت اور خلقِ عظیم اور انسانیتِ کامل کی اس سے بڑھ کر اور کوئی دلیل ہو سکتی ہے؟

آپ ایک دن کسی شخص کے ساتھ جنگل میں گئے اور زمین کھود کر آپ نے دو مسواکیں نکالیں۔ ایک سیدھی تھی دوسری ٹیڑھی۔ حضورؐ نے ٹیڑھی مسواک خود لی اور سیدھی اس شخص کو دی۔ اس نے عرض کیا، اچھی مسواک آپ رکھیں۔ فرمایا "نہیں اگر کوئی شخص ایک گھڑی بھی کسی کے ساتھ رہے، قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ حق صحبت بجا لایا کہ نہیں"؟

ایک غریب شخص مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتا تھا، وہ بیمار ہُوا تو آپ ہمیشہ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ وہ آدھی رات کے وقت فوت ہو گیا اور اسی وقت دفن کر دیا گیا۔ صبح کے وقت آپ کو اطلاع ملی تو اظہار افسوس کیا، اور اس کی قبر پر جا کر نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔

عفو و تحمّل: آپ لوگوں میں کچھ چیزیں تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک اعرابی آیا اور اس نے آپ کی چادر کو اس زور کا جھٹکا دیا کہ حضورؐ کی گردن مبارک میں نشان پڑ گئے۔ اعرابی نے کہا "اے محمدؐ! میرے لیے ان اونٹوں

کو خدا کے مال سے لاد دے، تو کچھ اپنے اور اپنے باپ کے مال سے نہیں لادتا۔" اس پر آپ خاموش ہو گئے اور نہایت تحمّل و وقار سے فرمانے لگے "تجھ سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔" اس نے کہا، "اس کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔" آپ نے فرمایا "کیوں؟" کہنے لگا "آپ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں لیتے۔" آپ ہنس پڑے اور درگزر فرمایا۔

جنگِ اُحد میں عبداللہ بن قمیہ نے حضور کے رُوئے انور پر تلوار سے وار کیا۔ مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ گئیں۔ چاروں طرف سے پتھر اور تلواریں برس رہی تھیں۔ جاں نثاروں نے آپ کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ابودجانہ رضؓ جھک کر سپر بن گئے۔ حضرت طلحہ رضؓ نے دشمن کی تلواریں اپنے ہاتھ پر روکیں اور ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ اس وقت حضورؐ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے "خداوندا میری قوم کو معاف کردے، کیونکہ یہ جانتے نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ کے تمام بندوں کی آزادی ہمارا مقصدِ اولین ہے۔"

ایک اعرابی نے کہا، آپ مال کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا اگر میں نے انصاف نہ کیا تو اور کون کرے گا؟ میں نے نقصان و خسارہ پایا اگر انصاف نہ کیا۔

ایک دفعہ ایک یہودی زید بن سعنہ اپنا قرض آنحضرتؐ سے وصول کرنے آیا۔ آتے ہی آپ کی چادر پکڑ کر زور سے کھینچی اور کہنے لگا، اے بنی عبدالمطلب! تم بڑے نادہند ہو۔ اس کی اس ناشائستہ حرکت پر حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا اور اُسے سخت سست کہنے لگے۔ آپ مُسکراتے جاتے تھے اور فرماتے تھے۔ "اے عمرؓ! میں اور وہ دونوں اس کے سوا ایک اور ہی بات کے محتاج تھے۔ تم مجھے حسنِ ادا کا امر کرتے اور اُسے حسنِ تقاضا کا۔" اس کے بعد آپ نے یہودی سے فرمایا کہ تیرے اقرار میں تو ابھی تین دن باقی ہیں۔" مگر اس پر بھی آپ نے اسی وقت قرضہ ادا کر دیا اور اسے بیس صاع غلّہ اور زیادہ اس وجہ سے دلا دیا کہ حضرت عمرؓ نے اسے سخت سست کہا تھا۔

ایک دفعہ دو یہودیوں کی کسی بات پر آپ ناراض ہو گئے۔ رُخسارِ مبارک غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ دونوں یہودی اُٹھ کر چلے گئے۔ بعد میں آپ نے ان کے پاس کچھ کھانے کی چیزیں بھیجیں، تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ آپ ناراض نہیں ہیں۔

خیبر کی جنگ میں ایک یہودن زینب نامی آپ کو کھانے میں زہر دیتی ہے۔ مگر آپ اُسے معاف کر دیتے ہیں۔

غورث بن حارث آپ کو ہلاک کرنے کے لیے بڑھتا ہے۔ آپ بیدار ہو جاتے ہیں۔ وہ پوچھتا ہے کہ تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ فرماتے ہیں "اللہ۔" اس کے سنتے ہی اس کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے۔ اسی تلوار کو آپ نے پکڑ کر پوچھا۔ اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اس پر وہ گھبرایا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ وہ خدا جس نے مجھے تجھ سے بچایا تھا، وہ تیری حفاظت پر بھی قادر ہے۔

آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دنیا اپنے اخلاق کا خراب نمونہ پیش کرے، تو بھی انسان کو اپنے اخلاقِ حسنہ نہ چھوڑنے چاہئیں۔

آپ لوگوں کو جلد بازی سے ہمیشہ محترز رہنے کی تاکید کرتے۔ یہاں تک کہ فرمایا اگر نماز کی اقامت بھی ہو جائے تو اس کے لئے بھاگ کر نہ جاؤ۔ بلکہ آہستگی اور وقار کے ساتھ جاؤ۔ کیونکہ بھاگنا کوئی عبادت نہیں ہے۔

آپ شرم کی وجہ سے کسی کے چہرے پر نظر جما کر نہ دیکھتے تھے۔ اگر کسی کا کوئی فعل ناپسندیدہ ہوتا تو اسے براہ راست نہ فرماتے بلکہ عام الفاظ میں اس کی کراہت بیان فرماتے تاکہ وہ شرمندہ نہ ہو۔

ادب: اصحاب کی مجلس ہو یا غرباء و مساکین کی محفل، حضورؐ ان میں جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ اپنے زانو بھی اپنے ساتھیوں سے بڑھا کر نہ بیٹھتے۔ نہ کسی کی طرف پشت کرتے نہ پاؤں پھیلاتے۔ چلنے یا بیٹھنے میں اپنے لئے کوئی امتیازی جگہ خاص نہ فرماتے بلکہ اس طرح غیر ممتاز ہو کر ملے جلے رہتے کہ اجنبی لوگ پہچان بھی نہ سکتے کہ اس جماعت میں نبی اعظمؐ اور مسلمانوں کا روحانی اور دنیاوی پیشوا بیٹھا ہے، جس کی آنکھ کے ایک اشارے پر لاکھوں گردنیں خم ہونے اور بے شمار دل اپنا سرمایۂ حیات نثار کر دینے کو تیار ہیں۔

آپ کسی کی بات کو قطع نہ فرماتے تھے۔ جب کسی کی طرف دیکھتے تو پوری نظر بھر کر دیکھتے۔ کن انکھیوں سے کبھی نہ دیکھتے۔ ہر ایک پاس بیٹھنے والے کو گفتگو میں پورا حصہ دیتے۔ جب آپ کے صحابہؓ اہل مجلس کی کسی بات پر ہنستے، تو آپ بھی مسکرا کر اس میں شرکت فرماتے۔

سلام علیکم کہنے اور مصافحہ کرنے میں آپ ہمیشہ پیش قدمی فرمایا کرتے تھے، مگر مصافحہ کے بعد ہاتھ علیحدہ کرنے میں پیش قدمی نہ فرماتے، جب تک دوسرا خود حضورؐ کا ہاتھ نہ چھوڑ دے۔

آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کہ بہترین عورت کونسی ہے۔ فرمایا، وہ جس کا شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے اور جب وہ حکم دے تو بجا لائے اور خود اس کی اپنی ذات اور اپنے مال کے بارے میں بھی شوہر جس بات کو ناپسند کرے اس کی مخالفت نہ کرے۔

اگر کوئی شخص کسی بات کہنے کے لیے آپ کے کان کو اپنے منہ سے لگا لیتا، تو اس سے آپ اپنا سر علیحدہ نہ کرتے، حتّٰی کہ وہ خود فارغ ہو کر حضورؐ کے سر مبارک کو ہاتھ سے نہ ہٹا دیتا۔

اگر کوئی شخص آپ کے پاس بات کرنے کو بیٹھتا، تو اس کے پاس بیٹھے رہتے، جب تک کہ وہ خود ہی علیحدہ نہ ہو جاتا۔

لوگوں نے ایک عورت کے متعلق بیان کیا کہ وہ نہایت عابد و صائم الدہر قائم اللیل اور دائم الذکر ہے لیکن پڑوسی اس کی زبان سے ایذا اٹھاتے ہیں، فرمایا وہ جہنمی ہے۔

جو کوئی آپ سے ملنے آتا، آپ اس کی عزت کرتے اور بعض اوقات اپنی چادر اس کے بیٹھنے کے لیے بچھا دیتے۔ اور بعض اوقات ملنے والوں کی خاطر اس چادر کو چھوڑ دیتے۔ جس پر آپ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔

آپ کے اہل بیت یا اصحابؓ اور خدامؐ میں سے جو کوئی آپ کو پکارتا، آپ فوراً جواب میں "لبیک" فرماتے یعنی حاضر ہوا۔

ملنے والوں کی خاطر آپ نماز کو مختصر فرما دیا کرتے۔

سخت گو، بد مزاج۔ عیب جو اور مبالغہ کرنے والوں کو پسند نہ فرماتے۔

جو شخص پہلی مرتبہ آپ کو دیکھتا، وہ مرعوب ہو جاتا۔لیکن آپ کی رحم دلی اور حسن اخلاق سے بہت جلد مانوس ہو جاتا اور آپ سے محبت کرنے لگتا۔چہرہ مبارک ہمیشہ بشاش رہتا۔مزاج شستہ اور پیشانی شگفتہ تھی۔
گفتگو میں گو متانت کا رنگ غالب تھا۔لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ رہتی تھی۔راستہ میں مرد، عورت یا بچہ جو سامنے آ جاتا اُن سب کو سلام کرتے۔خواہ وہ کسی مذہب وملت کا ہو۔
حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں تو ارادہ کرتا ہوں کہ دیر میں ختم کروں لیکن کسی بچہ کے رونے کی آواز کان میں آجاتی ہے تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اُسے تکلیف ہوتی ہوگی یہ محبت کچھ مسلمانوں کے بچوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ دوسرے مذہب کے بچوں کے ساتھ بھی تھی۔
ایک بار آپ ایک صحابیہ رضؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔انہوں نے اپنے بچے کو بلایا کہ آ میں تجھے چیز دیتی ہوں۔آپ نے فرمایا، اس کو کیا دینا چاہتی ہو؟ انہوں نے کہا، کھجور۔فرمایا، اگر تم اس کو کچھ نہ دیتیں تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ لیا جاتا۔لوگ بچوں کو بہلانے کے لیے جھوٹ بول دیا کرتے ہیں۔لیکن اسلامی اخلاق کے رُو سے یہ بھی قابل اعتراض ہے۔
ایک دفعہ کسی جنگ میں چند بچے مارے گئے۔آپ کو خبر ہوئی تو بہت رنج پہنچا۔ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ وہ بچے مسلمان تو نہ تھے۔فرمایا، تم سے اچھے تھے۔خبردار آئندہ کبھی بچوں کو قتل نہ کرو۔
ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ میں بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلے مار کر کھجوریں گرا لیتا۔ایک دفعہ لوگ مجھے پکڑ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لے گئے۔آپ نے فرمایا، ڈھیلے کیوں مارتے ہو؟ میں نے کہا، کھجوروں کے لیے۔ارشاد فرمایا کہ زمین پر پڑی ہوئی کھجوریں کھا لیا کرو، ڈھیلے مار کر نہ گرایا کرو۔درخت کو نقصان پہنچتا ہے۔پھر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔
عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے۔آپ بھی تشریف لے آئے اور انہی کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے۔یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا، اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔آپ نے فرمایا، یہ فقیر مہاجر دولتمندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے، اور تمام دنیا کے امیروں سے ایک غریب بہتر ہے۔یہ سُن کر ان کے چہرے خوشی سے چمک اُٹھے۔میرے دل میں یہ حسرت تھی کہ کاش میں بھی انہی میں سے ہوتا۔اکثر دعا میں فرمایا کرتے، کہ اے خدا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر۔
زید بن ارقم رضؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا "میں نے کوئی بھلائی کی بات نہیں چھوڑی جس کا میں نے تم کو امر نہ کر دیا ہو، اور کوئی بُری بات ایسی نہیں چھوڑی کہ میں نے تم کو اس سے روک نہ دیا ہو۔"
حضرت سعد رضؓ کے مزاج میں کسی قدر تفاخر تھا اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر خیال کرتے تھے آنحضرتؐ کو یہ بات ناگوار تھی۔آپ نے ایک دن انہیں مخاطب کر کے فرمایا تم کو جو کامیابی اور روزی حاصل ہے وہ

سب انہی غریبوں کی بدولت ہے۔

زکوٰۃ کی نسبت آپ کا ارشاد تھا کہ شہر کے امیروں سے لے کر وہیں کے غریبوں میں تقسیم کر دی جائے۔

گھر میں ہمیشہ تاکید تھی کہ کسی مسکین کو دروازے سے نامراد نہ پھیرو، گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔

جنگِ موتہ میں جب لشکر کو روانہ فرمایا، تو یہ وصیت فرمائی (۱) جو لوگ اپنی عبادت گاہوں میں مصروفِ عبادت ہوں، ان سے تعرض نہ کرنا (۲) کسی عورت پر ہرگز ہاتھ نہ اُٹھانا (۳) کسی بچے اور نابالغ لڑکے کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی بوڑھے شخص کو مارنا (۴) سرسبز و شاداب درختوں کو نہ کاٹنا۔

اہلِ عرب زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیتے اور اسے پکا کر کھاتے۔ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے اور تیر اندازی کی مشق کرتے۔ آپ نے ایسی بے رحمی سے لوگوں کو روک دیا۔ بلکہ جانوروں کی دُم اور ایال کاٹنے سے بھی منع فرمایا کہ دُم اُن کا مورچھل اور ایال اُن کا لحاف ہے۔

دشمن بھی آپ کو امین اور صادق سمجھتے تھے۔ ابوجہل کہا کرتا تھا "محمدؐ! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا۔ البتہ تم جو کچھ کہتے ہو اس کو میں صحیح نہیں سمجھتا۔"

نضر بن حارث جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ، تجربہ کار اور ممتاز شخص تھا، اپنے ساتھیوں سے ایک دن کہا کہ "محمدؐ تمہارے سامنے ایک بچہ سے پل کر جوان ہوا۔ وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، بات میں سب سے سچا، امانت میں سب سے پکا، اور سب سے زیادہ رحم دل تھا۔ اب جبکہ اس کے بالوں میں سفیدی آ چلی، اور تمہیں دعوتِ حق دی تو تم اسے جادوگر اور دیوانہ کہتے ہو۔

یہودی اور دیگر مخالفین بھی اپنے مقدمات اور تنازعات میں آپ ہی کا فیصلہ تسلیم کرتے تھے۔

قبیلہ بنو ثقیفہ کے کچھ لوگ مدینے میں آئے۔ ایک انصاری نے کہا، یارسولؐ اللہ! ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے بدلے میں اب ایک آدمی ان کا بھی قتل کرا دیجیے۔ آپ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جا سکتا۔

آپ کے حلم اور فیاضی کی وجہ سے تمام لوگ بہت دلیر ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے کہ ایک بدّو آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر کہنے لگا کہ میری ایک معمولی سی ضرورت رہ گئی ہے، وہ ابھی پوری کر دو۔ آپ اس کے ہمراہ گئے، اور اس کے کام سے فارغ ہو کر آئے تو نماز پڑھی۔

ایک دفعہ ریشم کا کپڑا بازار میں بک رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے موقع پا کر عرض کیا کہ حضورؐ یہ کپڑا اپنے لیے پسند فرما لیں اور جمعہ، عید یا کسی وفد کے آنے کے وقت شاندار لباس زیبِ تن فرمایا کریں۔ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

آپ موٹے جھوٹے اور بھیڑ کی اُون کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ جن کپڑوں میں وفات ہوئی، ان میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ تھوڑے سے جَو کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا۔ چراغ کے لیے تیل ایک ہمسائے سے مانگ کر لیا تھا۔

۹ھ میں جب یمن سے شام تک صرف اسلام کی حکومت تھی، خدا کے اس محبوبؐ کے گھر میں اس وقت بھی ایک کھرّی چارپائی اور چمڑے کا ایک سوکھا ہوا مشکیزہ تھا۔

ایک صحابیؓ جنگ میں گئے ہوئے تھے۔ ان کے گھر کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دُوہنا نہیں آتا تھا۔ آپ ہر روز ان کے گھر دودھ دوہ آیا کرتے تھے۔ غریب عورتیں آپ کے پاس آتیں اور کہتیں کہ ہمارا یہ کام ہے آپ اُٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے۔

اگر کسی سے کوئی گستاخی ہو جاتی اور صحابہؓ اس کی سرزنش کو تیار ہوتے تو آپ انہیں روک دیتے۔ اور فرماتے "یہ میری بدکی ہوئی اُونٹنیاں ہیں۔ غیر لوگ جتنا ان کے پیچھے دوڑتے ہیں، اُتنا ہی یہ بھاگتی ہیں۔ مگر میری آواز پر آجاتی ہیں۔ تم درمیان سے ہٹ جاؤ۔ میں انہیں خود درست کر لوں گا۔

میں نے تم میں دو واعظ چھوڑے ہیں۔ ایک خاموش دوسرا بولنے والا۔ سو خاموش موت ہے، اور بولنے والا قرآن مجید ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے اُونٹ کی سرکشی پر اُسے دوڑا کر نرم کرنا چاہا۔ تو آپ نے فرمایا "ذرا نرمی اختیار کرو" بے زبانوں پر حضورؐ کی شفقت دیکھ کر لوگ سفر میں جب مقام کرتے تو پہلے اُونٹوں وغیرہ کو چارہ ڈال لیتے اور پھر نمازیں پڑھتے۔

حضورؐ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا ہُوا تھا اس شخص کی حاجت مجھ تک پہنچاؤ، جو اپنی حاجت خود مجھ تک نہ پہنچا سکے۔

جن غربا کا کوئی گھر بار نہ ہوتا تھا، وہ حضورؐ کے ہمسائے میں آ رہتے۔ آپ اپنے قلیل ما حضر میں جو کچھ بھی ہوتا انہیں شریک فرمایا کرتے اور فرمایا کرتے تھے "جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

لوگوں کو حکم عام تھا کہ جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمّہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، میں اسے ادا کروں گا۔ اور جو ترکہ چھوڑ جائے، وہ وارثوں کا حق ہے۔ مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔

راستہ میں چلتے ہوئے بچے کھیلتے نظر پڑتے تو انہیں سلام علیکم کہنے میں پیشقدمی فرماتے۔ اُن سے ہنستے اور گود میں اُٹھا کر پیار کرتے، اور بڑی بے تکلفی سے اُن کے ساتھ پیار اور محبت کی باتیں کرتے۔ سفر سے واپس آتے تو راہ میں جو بچے ملتے، اُن میں سے کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ سوار کر لیتے۔

چند بدّو مدینہ میں حضورؐ کے مہمان ہوئے۔ ان میں سے ایک کو زیادہ کھانے کی وجہ سے دست آنے لگے۔ صبح کو وہ شرم کے مارے چلا گیا۔ حضورؐ بستر کی غلاظت صاف کرنے لگے۔ لوگوں نے عرض کیا، ہماری موجودگی میں حضورؐ تکلیف نہ فرمائیں۔ مگر آپ نے فرمایا "میرے مہمانوں کی تمام خدمات کی بجا آوری میرے ذمّہ ہے۔"

جس نے ذمّی کو تکلیف دی۔ اس نے گویا مجھ کو تکلیف دی۔

آپ کی خدمت میں اس وقت کے بادشاہوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ مال آتا تھا، مگر حضورؐ نے اس میں سے کبھی ایک درہم اپنے لیے نہیں رکھا۔ اکثر مہینوں آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی۔ محض کھجوروں اور پانی پر

گزارہ ہوتا تھا۔

ایک دفعہ آپ کوہِ اُحد سے گزر رہے تھے۔ تو اسے دیکھ کر فرمانے لگے "کہ اگر میرے پاس کوہ اُحد جتنا سونا ہو، مجھے بھلا نہیں معلوم ہوتا کہ تین دن سے زیادہ میرے پاس رہے"۔

حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا۔ میں نے کہہ دیا، میں نہ جاؤں گا۔ آپ خاموش ہو گئے۔ میں یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔ دفعتہً آنحضرت نے پیچھے آ کر میری گردن پکڑی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ہنس رہے ہیں۔ پھر پیار سے فرمایا "انس رضؓ جس کام کے لیے کہا تھا، اب تو چلے جاؤ"۔ میں نے کہا، اچھا جاتا ہوں۔

حضرت انس رضؓ جو خادمِ خاص تھے، فرماتے ہیں کہ میں دس برس تک آپ کی خدمت میں رہا۔ مگر مجھے آپ نے اُف تک کبھی نہیں کہا۔ جو کام میں نہ کر سکا اس پر یہ نہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ اگر مجھ سے کوئی نقصان ہو جاتا اور گھر کے آدمی مجھے ملامت کرتے تو آپ فرماتے "اسے چھوڑ دو، ملامت نہ کرو۔ ہونے والی چیز ہو کر رہتی ہے۔

ایک دفعہ رئیس فدک نے چار اُونٹوں پر غلّہ لاد کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ جسے حضرت بلال رضؓ نے بازار میں فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض ادا کیا۔ پھر آنحضرت کی خدمت میں آ کر اطلاع کی۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ بچ تو نہیں رہا؟ وہ بولے ہاں ابھی کچھ بچا ہوا ہے۔ فرمایا جب تک کچھ باقی رہے گا، میں گھر نہیں جا سکتا۔ حضرت بلال رضؓ نے کہا کہ اس وقت تو کوئی سائل بھی نظر نہیں آتا۔ آنحضرت نے مسجد میں رات بسر کی۔ دوسرے دن جب آپ کو اطلاع ملی کہ سب غلّہ تقسیم ہو گیا ہے تو آپ نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور گھر تشریف لے گئے۔

ذاتی ضروریات کے متعلق آپ اتنی ہی چیز رکھتے تھے، جس کے لیے ضروریاتِ حیات داعی ہوتیں۔ جو کھانا سامنے آتا، وہی کھا لیتے، اس میں نقص نہ نکالتے۔ عموماً ایک ہی کھانا کھاتے۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے استعمال کرنے میں عار نہ سمجھتے۔ مکان نہایت سادہ اور صاف ہوتا تھا۔ جب گھر میں تشریف لاتے تو گھر والوں سے کھانا نہ مانگتے۔ کسی نے لا کر رکھ دیا تو کھا لیا، ورنہ خیر۔ جو کھلا دیا، کھا لیا، جو پہنا دیا، پہن لیا۔

وحشی، جس نے حضرت حمزہ رضؓ کو شہید کیا تھا۔ انتقام کے ڈر سے شہر بہ شہر مارا مارا پھرتا رہا۔ اہل طائف نے جو وفد مدینہ کے لیے مرتب کیا۔ اس میں وحشی کا نام بھی تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں مجھ سے انتقام نہ لیا جائے لیکن دشمنوں نے اس کو یقین دلایا کہ تم بے خوف و خطر جاؤ۔ محمدؐ سفیروں کو قتل نہیں کیا کرتے۔ چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربارِ نبوت میں حاضر ہوا۔ اور قبولِ اسلام کا ارادہ ظاہر کر کے امیدِ جواب میں خاموش کھڑا ہا چچا کا قاتل، اور چچا بھی وہ جنہوں نے بچپن میں ایک ہی دایہ کا دودھ پیا، ایک ہی ساتھ رہے اور محبت کے ساتھ زندگی بسر کی، آپ نے دعویٰ نبوت کیا تو آپ کے حامی و ناصر رہے اور قبولِ اسلام کے بعد اعلاءِ کلمۃ اللہ میں پیش پیش رہے ایسے پیارے چچا کو شہید کر کے اور نہ صرف شہید بلکہ عضو عضو جُدا جُدا کر کے اور نعش کی پوری توہین کر کے وحشی آج اس گناہ عظیم پر نادم و شرمسار آغوشِ اسلام کا طلبگار بن کر کھڑا ہے۔ تقاضائے بشریت کب اجازت دیتا کہ اس پر رحم کرنا تو کجا، سامنے آنے کی بھی اجازت دی جاتی۔ مگر صفتِ رحمۃ للعالمین سامنے آئی اور خلقِ عظیم نے

اس کے اسلام کو قبول فرمالیا اور اس کی تمام خطاکاریاں معاف ہوئیں۔ کیا دنیا ایسے عفو و درگزر کی مثال پیش کرسکتی ہے؟

۵ھ میں غزوۂ بنی المُصطَلِق میں ایک اہم واقعہ پیش آگیا تھا جو اپنے حالات کے اعتبار سے بہت زیادہ عبرت زا ہے۔ اکثر غزوات میں جہاں کامیابی کی امید قوی ہوتی اور مالِ غنیمت کی زیادہ توقع ہوتی تو منافقین بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد کرنے میں شریک ہوجاتے۔ اس غزوہ میں بھی اس قسم کے فتنہ پرداز موجود تھے، بلکہ منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبیّ بھی موجود تھا۔ اتفاق سے چشمہ سے پانی لینے میں ایک مہاجر اور ایک انصار کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ انصاری نے "یا للانصار" کہہ کر انصاریوں کو پکارا تو مہاجر نے بھی "یامعشر المہاجرین" کہہ کر مدد طلب کی۔ اور دونوں طرف سے تلواریں نیام سے باہر آگئیں کہ فوراً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی، اور آپ نے آکر جاہلیت کے اس عمل سے باز رکھا اور نصیحت فرمائی۔

عبداللہ بن اُبیّ کو فتنہ پردازی کا موقعہ مل گیا۔ انصار سے کہنے لگا "تم نے خود یہ بلا اپنے سر ڈالی ہے۔ دیکھا کہ کس طرح مہاجرین تمہارے مقابلے پر آگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کسی نے یہ واقعہ سنایا۔ حضرت عمرؓ تو سن کر غصہ سے بے تاب ہوگئے اور عرض کیا کہ اجازت دیجیے اس منافق کی گردن اُڑادوں۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمرؓ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رفیقوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

جب اس بات کا چرچا ہوا اور عبداللہ بن اُبیّ کے بیٹے (کہ اُن کا نام بھی عبداللہ ہی تھا اور مخلص مسلمان اور جاں نثار صحابی تھے) کو خبر لگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرے باپ کے قتل کا معاملہ درپیش ہے۔ تو خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسولؐ اللہ! اگر ایسا ارادہ ہے تو مجھ کو حکم ہو کہ میں خود اپنے باپ کی گردن کاٹ کر پیش کردوں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کام کوئی دوسرا شخص کرے اور مجھے حمیّت و عصبیّت اور محبّتِ والد قاتل کو قتل کر دینے پر مجبور کردے اور میں گنہگار بنوں۔ رحمۃٌ للعالمین نے ارشاد فرمایا۔ "نہیں، ہمارا ارادہ تمہارے باپ کے قتل کرنے کا نہیں ہے، بلکہ قتل کی جگہ میں اس پر مہربانی کروں گا۔"

ابورافعؓ ایک غلام حالتِ کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر جب مدینہ منورہ آیا اور روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت اس کے دل میں گھر کر گئی۔ عرض کی، یارسُول اللہ! میں اسلام لے آیا ہوں، اب میں کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا "میں عہد شکنی نہیں کرسکتا، اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں۔ تم اس وقت واپس چلے جاؤ۔ اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہاری یہی کیفیت رہے تو یہاں آجانا۔" چنانچہ ان کو واپس بھیج دیا۔ پھر وہ آئے اور داخلِ اسلام ہوئے۔

ایک دفعہ ایک عورت نے چوری کی۔ قریش اپنی عزت کے خیال سے چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔ حضرت اُسامہؓ سے سفارش بھی کرائی کہ معافی دے دی جائے۔ مگر آنحضرتؐ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں کو سزا دیتے تھے اور امیروں کو چھوڑ دیتے تھے۔

خدا کی قسم، اگر میری بیٹی فاطمہ رضؓ بھی چوری کی مجرم ہوتی، تو میں اس کے بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔

جس وقت آپ پر یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) "یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جو ان کو نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان"۔ تو نبی کریمؐ نے سب کو جمع کرکے فرمایا "اے اولادِ عبدالمطلب، اے عباسؓ۔ اے صفیہؓ اے فاطمہ رضؓ! میرے مال سے جو چاہو میں تمہیں دے سکتا ہوں، لیکن خدا کے ہاں میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا" تا بہ دیگر انبیاءؑ و اولیاء چہ رسد جو معاملات و مشیتِ ایزدی میں دخل دے سکے۔ یہ روایت مذکورہ آیت کی تفسیر میں تمام معتبر ترین کتب احادیث و تفاسیر میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں خود نبی کریم کے منہ سے کہلوایا گیا ہے۔ "میں خود اپنے آپ کو نہ نفع پہنچا سکتا ہوں نہ نقصان، مگر جس قدر اللہ کو منظور ہو۔ اگر میں اُن چیزوں کا علم رکھتا جو انسان کی پہنچ سے بالاتر ہیں تو اپنے لیے بہت کچھ حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی"۔ پھر نہ حضورؐ جنگیں لڑتے، نہ ہجرت کی نوبت آتی، نہ دندان مبارک شہید ہوتے نہ عمر بھر زبان و تلوار کے جہاد میں بسر ہوتی، نہ دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں اس قدر اذیتیں اٹھاتے۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ گھر میں تشریف لائے اور بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ حضرت امّ سلمہؓ نے دریافت کیا، خیر تو ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کل جو سات دینار آئے تھے، ابھی تک وہ بستر ہی پر پڑے رہ گئے ہیں۔

حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو ناغہ دے کر نصیحت فرماتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔

کسی جنگ میں ایک سو تیس اصحابؓ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے ایک بکری خرید کر ذبح کروائی اور کلیجی الگ بھوننے کے لیے حکم دیا۔ وہ تیار ہوگئی تو سب اصحاب میں تقسیم کرکے کھائی۔ جو لوگ موجود نہ تھے اُن کا حصہ رکھوا دیا۔

لباس میں نمائش اور سامان کی آرائش سے آپ کو نفرت تھی۔ ایک مرتبہ کسی لڑائی سے واپسی پر آپ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس گئے تو دیکھا کہ گھر میں چھت گیری لگی ہوئی ہے۔ اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا، خدا تعالیٰ نے ہمیں دولت اس لیے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائیں، بلکہ یہ غربا کی امداد کے لیے ہے۔

مہر کرنے کی غرض سے آپ کی انگوٹھی سونے کی بنی۔ آپ کی تقلید میں صحابہؓ نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ آپ منبر پر چڑھے اور انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ اب نہ پہنوں گا۔ صحابہؓ نے بھی اسی وقت اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں۔

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیۃً بھیجا۔ آپ نے پہن لیا اور اس کو پہن کر نماز ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر نہایت نفرت کا اظہار کیا اور اس کو اتار کر فرمایا، پرہیزگاروں کے لیے یہ کپڑے مناسب نہیں۔

حضرت عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ جب میں مشربہ میں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ سرورِ عالم کے جسم مبارک پر صرف ایک تہ بند ہے۔ ایک کھرّی چارپائی بچھی ہے۔ سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں خرمے کی چھال بھری ہے۔ ایک طرف مٹھی بھر جَو پڑے ہیں۔ ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے۔

کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے میرے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں کیوں نہ روؤں۔ چارپائی کے بان سے جسم مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں۔ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں، اور خدا کے برگزیدہ پیغمبر کی کوٹھڑی میں یہ سامان؟ فرمایا "مجھ کو دنیا سے صرف اسی قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جائے، اور پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جائے۔ اے ابن خطابؓ! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ لوگ دنیا سنبھالیں اور ہم آخرت"؟۔

مخالفین اسلام و دشمنان دین کو آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ میں جب کوئی بات لائقِ اعتراض و قابلِ گرفت نظر نہیں آتی تو وہ تعددِ ازدواج کا مسئلہ بڑے شد و مد سے پیش کرتے ہیں۔ جس کے جواب میں انتہائی اختصار لیکن پُر زور دلائل کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ دنیا کا کوئی ملک اور کوئی مذہب ایسا نہیں کہ جس نے تعددِ ازدواج کی اجازت نہ دی ہو یا کوئی ملک اور کوئی قوم اس پر عمل کرنے سے خالی رہی ہو۔ خاص کر اسلام سے پہلے جاہلیت کے دور میں تعددِ ازدواج کی رسم اس بُرے طریقے سے عرب و عجم دونوں میں قائم تھی جس کو سن کر مہذب دماغ مختل ہو جاتا ہے۔

اس بات پر تمام عقلائے زمانہ متفق ہیں کہ اگر کسی ہستی پر کوئی شبہ کیا جائے تو ضروری ہے کہ پہلے یہ غور کر لیا جائے کہ ہم جس شخص کی زندگی پر کوئی شبہ کر رہے ہیں، کیا اس کی زندگی و حیات کا کوئی لمحہ بھی اِن اعتراضات و شبہات کی گنجائش رکھتا ہے۔ بیشک اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت اس کا ثبوت بہم پہنچائے کہ آپ کا یہ عمل العیاذ باللہ محض عیش پرستی کی خاطر تھا، یا آپ کی مقدس سیرت کا کوئی جزو بھی ہمارے سامنے موجود نہ ہو اور آپ کی تمام زندگی پردۂ تاریکی ہی میں ہو تو یہ اعتراض حق بجانب ہو سکتا ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اسی ایک پیغمبر کی یہ واحد خصوصیت ہے کہ اس کی خلوت و جلوت کی تمام زندگی کا ایک ایک حرف دُنیا کے سامنے خود مسلمانوں نے جانکاہی کر کے اس طرح اصول تاریخ کے ساتھ پیش کر دیا جس کی نظیر دُنیا میں ملنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال و ناممکن ہے۔ آؤ ہم اس کی حیات پر غور کریں۔

جس ذاتِ اقدس کی معیشت کا حال یہ ہو کہ اس نے اپنی ساری زندگی میں جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی ہو اور بعض اوقات اس کو بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنے کی نوبت آئی ہو۔ جس ہستی کی آسائشِ لیل و نہار کا یہ عالم ہو کہ اکثر اوقات ایک قمیص، ایک تہبند اور ایک عمامہ سے زیادہ اس کے پاس کوئی کپڑا نہ ہو۔ اور جس کے بسترِ راحت کی کل کائنات چمڑے کا ایک گدّہ ہو اور ایک تکیہ جس کے اندر کھجور کی چھال کوٹ کر بھر دی گئی ہو اور جس ذات مبارک نے ایسے حجرے میں زندگی بسر کی ہو جس میں اکثر اوقات چراغ تک بھی میسّر نہ آتا ہو اور اس کے طول و عرض کا یہ عالم ہو کہ انسانی قد سے بھی جس کی چھت بلند نہ ہو، جس پر کھجور کے پتے ڈھانک دیئے گئے ہوں اور جس کا صحن ایک فقیر کی جھونپڑی کے صحن سے زیادہ نہ ہو، اور یہ سب کچھ اس وقت ہو، جبکہ وہ چاہیے

تو اپنے لیے سونے اور چاندی کے محل تیار کرا سکتا ہے اور خدم وحشم کے جلوس میں زندگی بسر کر سکتا ہے۔ مگر وہ یہ کہہ کر سب پر لات مار دیتا ہے کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ ایک رات بھوکا رہوں اور صبر کی حقیقت معلوم کروں اور دوسرے وقت کچھ کھانے کو مل جائے تو شکر کی دولت سے بہرہ یاب ہوں۔ اور جس کے دن کے مشاغل کا یہ حال ہو کہ اکثر وقت تبلیغِ اسلام، انسدادِ رسوم جاہلیت، اُمّت کی اصلاح، قضایا کے فیصلے، میدانِ جہاد کی تیاری اور پنجگانہ نماز با جماعت میں گزارتا ہو، اور جس کی راتوں کا مستقل مشغلہ شب بیداری، تہجد گزاری اور گریہ وزاری ہو کہ کبھی ساری ساری رات خدا کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے کہ جس کی بدولت قدمِ مبارک تک ورم کر آتے ہیں۔ اور کبھی ایک گھنٹہ سوتا ہے تو دوسرے گھنٹے خدا تعالیٰ کی درگاہ میں سربسجود رہتا اور ساری رات اسی طرح پوری کر دیتا ہو۔ ایسی ہستی کی زندگیِ مبارک کو تعیش پسند زندگی کہنا چاند پر خاک ڈالنا اور انصاف کا خون کرنا نہیں تو اور کیا ہے ؟۔

کیا جس نے اپنی جوانی اور شباب کا بہترین حصہ یعنی پچیس سالہ زندگی کو محض تجرد میں بسر کیا ہو اور اس کے بعد اس کی سب سے اول شریکِ زندگی وہ عورت ہو جس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہو چکی ہو اور جو زمانہ شباب کو ختم کر چکی ہے اور دو مرتبہ بیوگی کی زندگی کاٹ چکی ہے تو کیا ایسی مقدس ہستی پر بھی کوئی حرف گیری کی جا سکتی ہے ؟

پھر ذرا اس پر بھی غور کرو کہ جن عورتوں سے اس نے نکاح کئے، ان کی خود اپنی حالت کیا ہے نکاح کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ تمام بیویاں بیوہ۔ عمر کے لحاظ سے کوئی جوانی کو خیرباد کہہ رہی ہے اور کوئی بڑھاپے کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ نہ صورت کا لحاظ، نہ عمر کا اعتبار۔ اور یہ سب کچھ اس حالت میں ہے کہ اگر وہ ایک اشارہ کر دے تو بہتر سے بہتر حسین وجمیل کنواری لڑکیاں اس کے عقد میں آنا اپنے لیے فخر سمجھتیں اور ان کے اہل خاندان اس کی تمنائیں کرتے ہیں۔

کیا تم اس واقعہ کو بھول گئے۔ جب مکّہ کے سرداروں نے ابو طالب کے واسطہ سے اس مقدس وجود سے کہا تھا کہ تیری خواہش اگر مال وزر کی ہو تو ہم لاکھوں درہم ودینار اسی وقت جمع کر دینے پر آمادہ ہیں اور اگر سرداری کی طلب ہے تو آج سارا قریش تجھے سردار مان لینے کو تیار ہے اور اگر عورت کی خواہش ہو تو جس قدر ہاشمی یا قریشی یا غیر قریشی خوبصورت اور حسین سے حسین لڑکیاں اپنے عقد میں لانا چاہے، ہم سب اس پر آمادہ ہیں کہ اسی وقت تیری نظرِ انتخاب پر تیرے ساتھ ان کا عقد کر دیں۔ لیکن تم نے سنا کہ آپ نے کیا جواب دیا؟

آپ نے کہا، اے چچا اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج بھی رکھ دیا جائے تو خدائے واحد کا جو پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا ہے، محمدؐ اس کو ترک نہیں کر سکتا۔ اور دنیا کی تمام آرائش وآسائش اور زیب وزینت کو حق کی اس پکار کے سامنے ہیچ سمجھتا ہے"۔

تم نے دیکھا کہ اس نے دنیا کی زیب وزینت اور اس کے طمطراق کو کس طرح ایک جملہ کہہ کر ٹھکرا دی اور ان کی درخواست کو درخورِ اعتنا بھی نہ سمجھا، تو کیا ایسے مقدس وجود کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس

اس نبی نے ان بیوہ اور بوڑھی عورتوں سے اس لیے عقد کیا تھا کہ وہ باوجود اس قدر کثرتِ مشاغل دینی اور دنیوی عیش پرستیوں میں مشغول رہے ؟ العیاذ باللہ۔

یہ امر بھی بخوبی عیاں ہے کہ جن عورتوں سے آپ نے نکاح کیے، ان کے تمام خاندان ان عورتوں کی بدولت ہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جب انہوں نے آنحضرتؐ کی خانگی زندگی کے مؤثر حالات اور ان کی عالی خیالاتِ پاکیزہ اپنے اپنے قبیلوں میں بیان کیے۔ ان قبیلوں کے مشرف بہ اسلام ہونے سے دینِ حق کو بہت مدد ملی جس کی اس وقت سخت ضرورت تھی۔ اگر آپ مختلف قبائل کی عورتوں سے تعلق ازدواج کی اس صورت کو اختیار نہ فرماتے تو عورتوں سے متعلق احکام کی تبلیغ کا بیشتر حصہ تشنۂ تکمیل رہ جاتا اور ان مسائل کی عملی تفصیل وتشکیل کا پورا نقشہ کسی طرح ہمارے سامنے نہ آسکتا۔

واضح رہے کہ اُمِّ حبیبہؓ آپ کے عقد میں اس وقت آئیں جبکہ ان کے باپ ابوسفیان اور ان کا تمام خاندان اس نبی اُمّی کی جان و آبرو اور خون کا پیاسا تھا۔ حضرت صفیہؓ کے واقعہ پر جن کا شوہر، چچا، باپ سب مسلمان کے مقابلہ میں جنگ میں کام آئے۔ لیکن ان کی زندگی کا ہر لمحہ اس کا پتہ دیتا ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے اس تعلق کو دنیا ومافیہا کی نعمتوں سے بہتر جانتی اور یقین کرتی ہیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ زندگی جو خلوت کی زندگی کہلاتی جاتی ہے۔ اخلاقِ کریمانہ اور اور شانِ پیغمبرانہ سے متصف نہ ہوتی تو آج اُمّ حبیبہؓ اور حضرت صفیہؓ کا یہ رشتہ حقارت و نفرت کے انتہائی جذبات پیدا کر دیتا اور پیغمبر کی اندرونِ خانہ زندگی کی رسوائی کے لیے (العیاذ باللہ) ان دونوں کا وجود ہی کافی ہوتا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ برخلاف اس کے دنیا نے دیکھ لیا کہ ابوسفیان جیسے دشمن اسلام نے اپنی بیٹی ہی کے بیان حق ترجمان سے اسلام قبول کیا۔

ایک مرتبہ پیغمبرؐ کی ان بیبیوںؓ نے بہ تقاضائے بشریت آپ سے سال بھر کے نفقہ کا مطالبہ کیا۔ پیغمبرؐ کی پیغمبرانہ زندگی اس دنیا طلبی کے مظاہرہ کو برداشت نہ کر سکی تو بحکم الٰہی آپ نے ہر ایک بی بی کو اختیار دے دیا کہ اگر ان کو پیغمبر کے ساتھ اپنی حیات کو وابستہ رکھنا ہے تو پیغمبر اور اس کے خاندان کے لیے دنیا کی زیب و زینت کچھ نہیں ہے غربت و فقر کی زندگی اگر بسر کرنا ہے تو فبہا۔ ورنہ تم کو اختیار دیا جاتا ہے کہ جو پیغمبرؐ کی زندگی سے جُدا ہو کر دنیا چاہیے وہ آزاد ہے۔ پھر تم نے دیکھا کہ ہر ایک بی بی نے حاضرِ خدمت ہو کر معذرت کی اور گڑگڑاتے ہوئے درخواست کی کہ ہم کو دنیا نہیں چاہیے۔ ہم دنیا پر لعنت بھیجتے ہیں لیکن خدا کے پیغمبر کے رشتہ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ جو ہم کو دنیا اور آخرت سب سے زیادہ محبوب ہے۔

یہی وہ حالات و واقعات ہیں جن کی وجہ سے بہت سے خاندانوں اور قبائل متفرقہ کے دلوں میں اس تذبذب کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ ایسی مبارک ہستی کبھی کاہن، ساحر یا کاذب و مجنون نہیں ہو سکتی۔

پھر کیا تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ مشرکین عرب، منافقین مدینہ اور یہود و نصاریٰ جو آپ کے حرف حرف

اور نقطہ نقطہ پر نکتہ چینی، حرف گیری اور عیب جوئی کے لئے آمادہ رہتے تھے، ان کے کسی ایک قول سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے آپ کے اس طرزِ عمل پر کبھی بھی لب کشائی کی ہو، حالانکہ تاریخ ماضی آج تک ان کی اور ان کی تمام نکتہ چینیوں اور ان کے جوابات کو اپنے اوراق میں محفوظ رکھے ہوئے ہے جن کا تعلق اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات گیارہ تھیں جن کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔ (۱) خدیجہؓ بنت خُویلد (۲) سَودہؓ بنتِ زمعہ (۳) عائشہؓ بنت ابی بکرؓ (۴) حفصہؓ بنت عمرؓ بن الخطاب (۵) زینبؓ بنت خُزیمہ (۶) اُمّ سلمہؓ (۷) زینبؓ بنت جحش (۸) جویریہؓ (۹) اُمّ حبیبہؓ (۱۰) صفیہؓ بنت حُیَیؓ (۱۱) میمونہؓ بنت حارث۔

حضرت خدیجہؓ اور زینبؓ کا آپ کے زمانہ حیات میں انتقال ہو گیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی تعیّش سے خالی ہے، بلکہ اس کے خلاف فقر و غربت زہد و عبادت، تقویٰ و طہارت اور خلق اللہ کی اصلاح و ہدایت میں گزری۔ اس لیے آپ کا متعدد شادیاں کرنا بربنائے تعیّشِ دنیوی نہ تھا، بلکہ خالص اصلاح اور تبلیغِ مذہب کی خاطر تھا جس کو مختصراً اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے:

۱۔ اگر آپ متعدد شادیاں مختلف قبائل میں نہ کرتے تو خانگی زندگی سے متعلق بہت سے تبلیغی و شرعی احکام پردۂ اخفا میں رہ جاتے اور آپ کی تبلیغ عام اور رسالتِ عامہ کی تکمیل نہ ہوتی۔

۲۔ نصرتِ نبوت و رسالت کے لیے دنیاوی اسباب کی بھی ضرورت ہے۔ اور ان اسباب میں سے قبائل و اقوام کے ساتھ محبّت و اخوّت کے رشتہ کا استحکام سب سے زیادہ ازدواجی تعلق و رشتہ سے پیدا ہوتا ہے جس کا کھلا ثبوت حضرت جویریہؓ اور حضرت اُمّ حبیبہ کے واقعات سے ملتا ہے۔

۳۔ عورت کی پست حالت کی اصلاح کا سب سے بہتر طریقہ یہی عملی نمونہ تھا جس نے مختلف اقوام و قبائل کے سامنے ان کی بیٹیوں کے ذریعے سے اصل حقیقت کو منکشف کر دیا۔

۴۔ قریشی اس رشتہ کو اپنا سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے۔ اور ان کی اس تمنّا کے ذریعہ سے حمایتِ حق کو عظیم الشان فائدہ پہنچا۔

۵۔ اِن ازواج ہی کی بدولت آپ کی وفات کے بعد بہت سے صحابہ کرامؓ نے علم نبویؐ کے ایک بڑے ذخیرہ کو حاصل کیا، اور ان سے سیکھ کر دنیا کو درسِ علم و عمل دیا۔

واضح رہے کہ بعثتِ نبوی کی بنا محاسنِ اخلاق پر قائم ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا "میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔" ضرورت ہے کہ جس طرح مردوں میں آپ کے اخلاق کریمانہ کا برتاؤ بااحسن وجوہ معلوم ہوتا ہے، اس زندگی میں بھی اسی طرح نظر آئے جس کو خلوت کی زندگی کہا جاتا ہے۔ اور جس میں اکثر دنیا کے بڑے سے بڑے ریفارمر اور مصلحین بھی کمزور نظر آتے ہیں۔ اس کثرتِ ازدواج نے جس کا

تعلق مختلف قبائل اور مختلف خاندانوں سے تھا۔ آپ کے مکارم اخلاق کی جلوت وخلوت دونوں قسم کی زندگی سے پردہ اُٹھا دیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اس نبیؐ کی جلوت وخلوت سب یکساں ہیں۔

حجۃ الوداع

۱۰ھ مطابق مارچ ۶۳۲ء کو حضور ہادیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج کا ارادہ کیا۔ اور جملہ افرادِ عرب میں اعلانِ عام کر دیا گیا کہ حضرت رسول کریمؐ حج کے لیے تشریف لے جانے والے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد انبوہ در انبوہ اور گروہ در گروہ خلقت مدینہ طیبہ میں جمع ہو گئی جس میں ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ شامل تھے ۲۵ ذی قعدہ کو بروز چہار شنبہ حضرت سرور عالم نے غسل فرما کر کپڑے بدلے اور خوشبو لگائی اور نماز پڑھ کر روانہ ہوئے۔ اس سفر میں ازواج مطہرات ہودجوں میں سوار آپ کے ہمراہ تھیں۔ اس مقدس قافلہ کے ساتھ راستہ میں ہر جگہ سے فوج در فوج لوگ شامل ہوتے جاتے تھے۔ آخر بعد قطع منازل مکہ میں داخل ہوئے اور روزِ روشن میں کعبۃ اللہ کا طواف کر کے اللہ تعالیٰ کے جلال کو اچھی طرح ظاہر فرمایا۔ زیارت کعبۃ اللہ سے فارغ ہو کر صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر تشریف لے گئے۔ ان کی چوٹیوں پر چڑھ کر اور کعبۃ اللہ کی جانب رُخ کر کے کلماتِ توحید وتکبیر پڑھے۔ نویں ذوالحجہ کو آنحضرتؐ طلوع آفتاب کے بعد وادیٔ نمرہ میں آکر اُترے۔ دن ڈھلنے کے بعد یہاں سے روانہ ہو کر عرفات میں تشریف لائے۔ تمام میدان لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ہر ایک شخص تکبیر وتہلیل، تحمید وتقدیس میں مصروف تھا۔ اس وقت ڈیڑھ لاکھ افراد کا مجمع احکام الٰہی کی تعمیل کے لیے ہمہ تن حاضر تھا۔ حضرت رسول کریمؐ نے پہاڑی پر چڑھ کر اور قصویٰ (اونٹنی کا نام) پر سوار ہو کر خطبے کا آغاز فرمایا۔ جس کا پالان ایک روپے سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔

خطبہ نبوی: لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہ ہوں گے۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عورتیں ایک دوسرے پر اسی طرح ہیں، جیسا کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی، اور اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! تمہیں عنقریب خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا۔ خبردار، میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کو کاٹنے لگ جاؤ۔ لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیا میٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون جو اپنے خاندان کا ہے یعنی ربیعہ بن الحارث کا خون، جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانہ کا سود ملیا میٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود جو اپنے خاندان کا ہے، میں مٹاتا ہوں۔ وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، وہ سب کا سب چھوڑ دیا گیا ہے۔

لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ خدا تعالیٰ کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور خدا تعالیٰ کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر غیر مرد کو نہ آنے دیں۔ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ اور اچھی طرح پہناؤ۔

مخلوق خدا تعالیٰ کا کنبہ ہے، اس لیے اس کے نزدیک محبوب ترین وہ شخص ہے جو خدا تعالیٰ کے کنبہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔

لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ قرآن مجید، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

حضرت ابراہیمؓ کی وفات پر آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا "آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمزدہ ہو رہا ہے لیکن مُنہ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جن کو خدا تعالیٰ پسند فرماتا ہے"۔

لوگو! نہ میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ کوئی نئی اُمت پیدا ہونے والی ہے۔ اچھی طرح سن لو، اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنجگانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ دیا کرو۔ خانۂ خدا کا حج بجا لاؤ اور اپنے اولیائے اُمور کی اطاعت کرو جس کی جزا یہ ہے کہ تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو گے۔

لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی پوچھا جائے گا۔ مجھے ذرا بتاؤ تو سہی کہ تم کیا جواب دو گے؟ سب نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکام ہم پر پہنچا دیئے۔ آپ نے رسالت و نبوت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے ہم کو کھوٹے کھرے کی بابت اچھی طرح بتا دیا۔

اس وقت حضرت رسول کریمؐ نے اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا، آپ آسمان کی طرف انگشت مبارک اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے اور فرماتے تھے، یا اللہ! سُن لے، تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں؟ یا اللہ گواہ رہیو کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں؟ یا اللہ شاہد رہیو کہ یہ سب کیا صاف اقرار کر رہے ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا "دیکھو جو لوگ موجود ہیں، وہ اُن کو جو موجود نہیں ہیں، اس کی تبلیغ کرتے رہیں۔ ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ لوگ زیادہ تر اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں، جن پر تبلیغ کی جائے"۔ ؎

خدایا از توحُبِّ مصطفیٰؐ را   محمدؐ از تو می خواہم خدا را

حضور ہادیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو اسی جگہ اس آیت کا نزول ہوا۔

"آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے کامل کر لیا، اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند فرمایا ہے"۔

الغرض حضرت رسول کریمؐ اس عظیم الشان اور فقید المثال کامیابی اور ایک لاکھ چوالیس ہزار برگزیدہ بندوں کے واسطے توحید کی تعمیل و تعلیم اور البلاغ والوداع کے بعد مسرور و مبتہج مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے۔ آپ کے

آنرادکردہ غلام زیدؓ کا فرزند اُسامہؓ آپ کے پیچھے اُونٹ پر سوار تھا۔

وفات شریف: اس حج سے قریباً گیارہ ہفتے بعد ۲۰ صفر ۱۱ھ میں مرض الموت نے حضورؐ پر حملہ کیا۔ چودہ روز بیمار رہے۔ اور وفات سے تین روز پہلے تک نماز کے لیے مسجد میں برابر تشریف لے جاتے رہے۔ ۱۲ ربیع الاول کو مرض اور درد کی شدت زیادہ ہوگئی۔ اپنا سر حضرت عائشہ صدیقہ کے سینے کے ساتھ لگایا ہوا تھا۔ اسی اثنا میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ہاتھ میں مسواک لیے ہوئے تشریف لائے۔ آپ نے اُن سے لے کر مسواک فرمائی۔ پاس ہی پانی کا ایک پیالہ تھا، اس میں ہاتھ بھگو بھگو کر رُخِ انور پر پھیرتے جاتے تھے اور فرماتے تھے "اے اللہ! موت کی سختی پر میری مدد فرما" اور تھوڑی دیر کے بعد" نماز، کنیز اور غلاموں کے حقوق۔ اے خداؐ مجھے بخش دے اور جنّت میں رفیق اعلیٰ سے ملا دے" فرماتے ہوئے ایک طشت منگوایا۔ پھر بول کیا اور وصال فرمایا۔

متروکات: خیال ہوگا کہ اس قدر وسیع سلطنت کے شہنشاہ نبیؐ خدا نے اپنے بعد کس قدر زر و مال چھوڑا؟ اس کے متعلق حضرت عمروؓ بن حارث فرماتے ہیں (متفق علیہ) "حضور نبی کریمؐ جب اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ تو اپنے بعد نہ درہم چھوڑا نہ دینار، نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کچھ اور مال دنیوی۔ البتّہ حضورؐ کے پاس ایک سفید خچر، ہتھیار اور کچھ زمین تھی، جسے حضورؐ نے عام مسلمانوں پر صدقہ فرما دیا تھا" وفاتِ اقدس سے ایک دو روز پہلے جبکہ رُوحِ مبارک بہت تکلیف اور بے چین تھی، حضورؐ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس چند دینار رکھوائے تھے۔ فرمایا" انہیں بھی خیرات کر دو، یہ زیبا نہیں کہ محمدؐ اپنے خالق کی بارگاہ میں جائے اور اس کے گھر میں دینار پڑے ہوں" آنحضرتؐ پر اس جہانِ فانی کی جب آخری رات آئی تو زرہ مبارک چند سیر جَو کے عوض ایک یہودی کے ہاں گِروی تھی اور عائشہ صدیقہ ایک پڑوسن سے تیل مانگ رہی تھیں کہ چراغ روشن کیا جائے۔ جن کپڑوں میں پیغمبر خدا نے انتقال فرمایا، اُن میں اُوپر تلے کئی پیوند لگے ہوئے تھے اور دنیا کی مقدس ترین صداقت و سعادت پکار پکار کر اعلان کر رہی تھی کہ کائناتِ خداوندی میں یہی وہ آخری پیغمبرؐ ہے۔ جس کے چشمۂ فیض پر دنیا بھر کی پیاسی قومیں قافلے بن بن کر آئیں گی اور آزادی و مساوات کا آبِ حیات پی پی کر ہمیشہ کی زندگی حاصل کریں گی۔

تاریخ ولادت مبارک ۱۲ ربیع الاوّل سال عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بروز دوشنبہ حضرت آدم علیہ السلام سے ۶۱۵۵ (چھ ہزار ایک سو پچپن) سال بعد بوقت چاشت قریباً ۲۵۰۰ سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بمقام مکّہ شریف۔

تاریخ نزول نبوت ۲۲ فروری ۶۱۰ء۔ ۹ ربیع الاوّل۔

تاریخ ہجرت ۲۵ ستمبر ۶۲۲ء پنجشنبہ ۷ ربیع الاوّل۔

تاریخ داخلہ مدینہ منورہ ۲۹ ستمبر ۶۲۲ء دوشنبہ ۱۲ ربیع الاوّل۔

تاریخ فتح مکّہ۔ ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ مطابق ۶۳۰ء۔

تاریخ حجۃ الوداع ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ مطابق مارچ ۶۳۲ء۔

تاریخ وفات شریف ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ بروز دوشنبہ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء ۔

ایّام قیامِ نبویؐ بعالمِ دنیوی ۲۲۳۳۰ یوم، چھ گھنٹے قریباً ۶۳ سال ۵ یوم بحساب سن ہجری اور ۶۱ سال ۸۴ دن بحساب سِن عیسوی ۔ نبوّت کے بعد زندگی مبارک کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں پورے ہوئے ۔

تعداد ایّامِ تبلیغ و نبوت ۸۱۵۵ یوم قریباً ۲۳ سال ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

حضور نبی کریمؐ فِداہ روحی نے وفات شریف سے ایک ماہ پیشتر مدینہ منورہ میں ایک تقریر ارشاد فرمائی ۔ اس میں اُمّت کے حق میں دعائے خیر بھی کی گئی ہے ۔ وصیت بھی اور انتباہ بھی ۔ جس کا محتاط ترجمہ درج ذیل ہے ۔

" لوگو! مرحبا ۔ خدا تعالیٰ کی سلامتی، حفاظت و نصرت تمہارے ہمرکاب رہے ۔ خدا تمہیں بلندیٔ ہمت اور ہدایت کی توفیق عطا فرمائے ۔ خدا تعالیٰ تمہیں اپنی پناہ میں رکھے ۔ آفات سے بچائے اور تم کو سلامت رکھے ۔"

" تم پر لازم ہے کہ سرکشی، تکبر اور سر اُونچا کر کے چلنے کی وبا کو خدا تعالیٰ کے بندوں اور خدا کی بستیوں میں نہ پھیلنے دو ۔ آخرت کا گھر اسی کے لیے ہے جو سرِ غرور اُونچا کر کے نہ چلے اور فساد برپا نہ کرے ۔ خوشگوار عاقبت صِرف پرہیزگاروں کا حصّہ ہے ۔"

" میں تم کو تقویٰ اور خدا ترسی کی وصیت کرتا ہوں ۔ تم کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں ۔ تم کو اپنا جانشین بناتا ہوں اور تم کو عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہوں ۔ مجھے توقع ہے کہ تم بھی لوگوں کو اس سے ڈراتے رہو گے ۔"

" میں اُن فتوحات کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو حاصل ہوں گی ۔ مجھے یہ ڈر نہیں رہا کہ تم مشرک بن جاؤ گے ۔ لیکن یہ ضرور ڈر ہے کہ دنیا کی محبت اور فتنہ سامانیوں میں گرفتار ہو کر کہیں ہلاک نہ ہو جاؤ، جیسے پہلی اُمتیں ہلاک ہوئیں ۔"

۵ دین پر جب ہم نے دنیا کو مقدم کر دیا دُنیوی درجے کو بھی اللہ تعالیٰ نے کم کر دیا

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے سوال کیا یا رسولؐ اللہ آپ کا اُسوہ حسنہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا:۔ معرفت الٰہی میرا رأس المال ہے ۔ عقل میرے دین کی اصل ہے ۔ محبت میری زندگی کی بنیاد ہے ۔ شوقِ الٰہی میرا مرکب ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر میرا مونس ہے ۔ وقار و ثقاہت میرا خزانہ ہے ۔ آخرت کا درد میرا رفیق ہے ۔ علم میرا ہتھیار ہے ۔ صبر میری چادر ہے ۔ رضا بالقضا میرا مالِ غنیمت ہے ۔ عاجزی میرا فخر ہے ۔ زہد میرا پیشہ ہے ۔ یقین میری قوّت ہے ۔ سچائی میرا شفیع ہے ۔ طاعت الٰہی میرا حسب و نسب ہے ۔ جہاد میرا خلق ہے ۔ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ۔ میرے دل کا ذکر اللہ ہے ۔ میں اپنی اُمّت کا دردمند ہوں اور اپنے رب کی ملاقات کے شوق میں زندگی بسر کرتا ہوں ۔

ایک صحابیؓ نے عرض کی، یا رسولؐ اللہ مجھے موت سے محبت نہیں ہے، کیا علاج کروں؟ حضور نے فرمایا، تیرے پاس کچھ مال ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا " اس کو آگے چلتا کرو ۔ آدمی کا دل مال سے لگا رہتا ہے ۔ جب اس کو آگے بھیج دیتا ہے تو خود بھی اس کے پاس جانے کو جی چاہتا ہے اور جب پیچھے چھوڑ جاتا ہے تو خود بھی اس کے پاس رہنے کو جی چاہتا ہے ۔

فتح مکہ کے بعد حضرت نبی کریم ؐ نے حکم دیا کہ فوج مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہو اور ان احکام کی پابندی کرے۔

۱۔ جو کوئی ہتھیار پھینک دے، اُسے قتل نہ کیا جائے

۲۔ جو کوئی اپنے اندر بیٹھ رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

۳۔ جو کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔

۴۔ جو کوئی شخص ابوسفیان کے گھر جا رہے، یا حکیم بن حزام کے گھر جا رہے، اُسے قتل نہ کیا جائے۔

۵۔ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

۶۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔ کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ (شانِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم)۔

نوٹ: حضرت رسولِ کریمؐ کے خصائلِ حسنہ اور اخلاق و اعمال کی یہ ایک سرسری سی جھلک اور مختصر سا بیان ہے۔ خداوندِ کریم سب مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ واضح رہے کہ مسلمانوں کا یہ ناقابلِ تردید دعویٰ بادلیل ہے کہ آج تک اس کرۂ زمین پر کوئی ایسا انسان پیدا نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا، جس کے بالاتفاق ایسے صحیح، مکمل ترین اور تفصیلی و تفصیلی حالات آنحضرت ؐ کی طرح بنی نوعِ انسان کے سامنے موجود ہوں یا آئندہ ہو سکیں۔ اور دعویٰ کی صحت کو بڑے بڑے عیسائی مؤرخین نے بھی باایں ہمہ اختلافِ عقائد اور تعصبِ مذہبی نہایت کشادہ دلی کے ساتھ کھلے الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر شپرنگر مشہور مغربی مصنف لکھتا ہے کہ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کی قدر و قیمت معلوم تھی اور آپ نے یہ امر اپنے پیروؤں کے ذہن نشین کر دیا تھا کہ آپ تمام نوعِ انسان کے لیے اللہ کے نبی قیامت تک کے لیے ہیں، اور آپ کا ہر فعل آئندہ نسلوں کے لیے نمونۂ زندگی ہے۔ اسی بنا پر آپ نے عہد کے ہر موجود مسلمانوں کو حکم فرمایا تھا" میرے حالات دوسروں تک پہنچاؤ، خواہ تمہیں ایک ہی جملہ معلوم ہو۔" آنحضرت ؐ کو اپنی زندگی پر بے حد اعتماد تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو حکم فرمایا تھا کہ" جو لوگ موجود ہیں وہ آنے والوں کو میرے حالات کی اطلاع دیں"۔ بیبیوں کو حکم تھا کہ" جو کچھ تنہائی میں مجھ سے دیکھو، وہ دوسروں کے پاس بیان کرو"۔ بعض صحابیؓ جو کچھ زبانِ مبارک سے سنتے تھے، وہ لکھ لیتے تھے۔ ایک دفعہ قریش نے ان لوگوں کو لکھنے سے منع کیا۔ لیکن جب حضورؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا کسی کو لکھنے سے منع نہ کرو۔ اس منہ سے جو کچھ نکلتا ہے، حق نکلتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

محمدؐ ہے ممدوح ذاتِ کبریائی کا	کرے بندہ مدح اس کی تو دعویٰ ہے خدائی کا
یا صاحبَ الجمال و یا سیدَ البشر	من وجہک المنیر لقد نوّر القمر
لا یُمکِن الثَّناءُ کما کان حقّہٗ	بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

۷ محمدؐ کے خصائل کو میں کیسے یوں بیان کردوں کہ بحرِ بے کراں کو ایک کوزے میں رواں کردوں
کوئی بھی دعویٰ کر سکتا نہیں ایسی روانی کا سمندر سے سمجھ لینا یہ قطرہ ایک پانی کا

اربعینؒ یعنی چہل حدیث

جن کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک بہ سندِ مسلسل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ شریعت حقہ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ جس مسلمان کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس حدیثیں یاد ہوں گی، وہ بروزِ حشر علما کے گروہ میں شمار ہوگا۔ اور اس اُمّت کے علما کا شمار انبیائے بنی اسرائیل کے برابر ہے۔ لہٰذا یہ چھوٹی چھوٹی عام فہم اور مشہور احادیث درج کی گئی ہیں، اور ہر ایک کا ترجمہ بھی بالمقابل لکھ دیا گیا ہے تاکہ ہر مسلمان ان کو نگاہ میں رکھے اور یاد کر کے بآسانی یہ سعادت حاصل کر سکے۔

۱۔ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ: نہیں ہے خبر کا سننا، دیکھنے کی مانند۔

۲۔ اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ: جنگ ایک دھوکا ہے۔

۳۔ اَلْمُسْلِمُ مِرْاٰةُ الْمُسْلِمِ: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے آئینہ ہے۔

۴۔ اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ: جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانتدار بن جاتا ہے۔

۵۔ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ: نیکی پر رغبت دلانے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود کرنے والا۔

۶۔ اِسْتَعِيْنُوْا عَلَى الْحَوَائِجِ بِالْكِتْمَانِ: اپنے کاموں کی تکمیل میں رازداری کی مدد لو۔

۷۔ اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ: آگ سے بچو، خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا خیرات کر کے سہی۔

۸۔ اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهٗ: حیا سراسر نیکی ہے۔

۹۔ عِدَةُ الْمُؤْمِنِ كَاَخْذِ الْكَفِّ: مومن کا وعدہ ایسا ہے جیسا ہاتھ میں پکڑ لینا۔

۱۰۔ اَلدُّنْيَا سِجْنٌ لِّلْمُؤْمِنِ وَجَنَّةٌ لِّلْكَافِرِ: دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے بہشت۔

۱۱۔ لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ: کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔

۱۲۔ لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّنَا: جو شخص اشیا میں ملاوٹ کرے وہ ہم سے نہیں ہے۔

۱۳۔ مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى: تھوڑی چیز جو کفایت کر سکے اس سے بہتر ہے جو کثرت سے ہو، لیکن غافل کر دے۔

۱۴- اَلرَّاجِعُ فِی هِبَتِہٖ کَالرَّاجِعِ فِی قَیْئِہٖ: چیز کو مفت دے کر واپس لے لینے والا ایسا ہے، جیسا اپنی قے کو کھانے والا۔

۱۵- اَلْبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالْمَنْطِقِ: بلا بولنے پر مسلّط ہے۔

۱۶- اَلنَّاسُ کَاَسْنَانِ الْمُشْطِ: آدمی آپس میں ایسے ہیں جیسے کنگھی کے دندانے۔

۱۷- اَلْغِنَاءُ غِنَی النَّفْسِ: دولتمندی دل کی دولتمندی ہے۔

۱۸- اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ: نیک بخت وہ ہے جو دوسرے کو دیکھ کر نصیحت پکڑے۔"

۱۹- اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَّاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا: بیشک بعض اشعار میں دانائی کی بات اور بعض تقریروں میں جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔

۲۰- عَفْوُ الْمُلُوْکِ اِبْقَاءٌ لِلْمُلْکِ: بادشاہوں کی طرف سے معافی بقائے سلطنت کا ذریعہ ہوتی ہے۔

۲۱- اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ: آدمی اس شخص کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

۲۲- مَا هَلَكَ اِمْرُؤٌ عَرَفَ نَفْسَہٗ: وہ شخص ہلاک نہیں ہوگا جس نے اپنی قدر پہچانی۔

۲۳- اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ: بچہ صاحب عورت کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر۔

۲۴- اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی: اُوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

۲۵- لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ مَنْ لَّا یَشْکُرُ النَّاسَ: جو لوگوں کا ممنونِ احسان نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا

۲۶- حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ: کسی چیز سے بے حد محبت کرنا تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔

۲۷- جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْهَا وَبُغْضِ مَنْ اَسَاءَ اِلَیْهَا: دلوں کو اس بنا پر پیدا کیا گیا ہے کہ جو اُن سے نیکی کرے اس سے یہ محبت کرتے ہیں، اور جو ان سے بُرائی کرے اس کے دشمن ہو جاتے ہیں

۲۸- اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ: گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی مانند ہوتا ہے۔

۲۹- اَلشَّاهِدُ یَرٰی مَا لَا یَرَاہُ الْغَائِبُ: حاضر وہ دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔

۳۰- اِذَا جَاءَ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ: جب کسی قوم کا بزرگ تمہارے پاس آئے تو اس کی عزّت کرو۔

۳۱- اَلْیَمِیْنُ الْفَاجِرُ تَدَعُ الدِّیَارَ: جھوٹی قسم ملک کو برباد کر دیتی ہے۔

۳۲- مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ فَهُوَ شَهِیْدٌ: جو شخص اپنے مال کے پیچھے مارا جائے وہ شہید ہے۔

۳۳- اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ: اعمال کا اعتبار نیتوں کے مطابق ہوتا ہے۔

۳۴- سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ: قوم کا سردار قوم کا خدمت گار ہوتا ہے۔

۳۵- خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا: بہترین کام وہ ہے جو اعتدال سے کیا جائے۔

۳۶- اُتْرُكِ الدُّنْیَا تَاْتِیْكَ رَاغِبَۃً: چھوڑ دُنیا کو تاکہ تیری طرف رغبت کے ساتھ آئے۔

۳۷- کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا: قریب ہے کہ محتاجی کفر تک پہنچا دے۔

۳۸- اَلسَّفَرُ قِطْعَۃٌ مِّنَ الْعَذَابِ: سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔
۳۹- اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَۃِ: مجلسیں امانت کے ساتھ وابستہ ہیں۔
۴۰- خَیْرُ الزَّادِ التَّقْوٰی بہتر توشۂ آخرت پرہیزگاری ہے۔

امثال حضرت سلیمانؑ

خداوند تعالیٰ کی تنبیہ کو حقیر مت جان اور اس کی تادیب سے بیزار مت ہو، کیونکہ خدا تعالیٰ جس کو پیار کرتا ہے اسے تنبیہ کر دیتا ہے۔

اپنی نگاہ میں آپ کو دانشمند مت جان۔ خداوند تعالیٰ سے ڈر اور بدی سے باز رہ۔

اپنے ہمسایہ پر بدی کا منصوبہ مت باندھ، جس حال میں کہ وہ بے فکر ہو کر تیرے پاس رہتا ہے۔

کسی انسان سے بے سبب جھگڑا مت کر کہ اس نے تجھ سے بدی نہیں کی۔

شریر کی بدکاریاں اس کو پکڑ لیں گی اور وہ اپنے ہی گناہ کی رسیوں سے جکڑا جائے گا۔

اے کاہل آدمی! چیونٹی کے پاس جا، اس کی روش دیکھ اور دانش حاصل کر کہ باوجودیکہ اس کا کوئی سردار یا حاکم نہیں، وہ گرمی کے موسم میں اپنے لیے خورش جمع کرتی ہے اور سردی میں اس سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔

خداوند تعالیٰ ان چھ چیزوں کو ناپسند کرتا ہے (۱) اُونچی آنکھیں (۲) جھوٹی زبان (۳) وہ ہاتھ جو بے گناہ کو آزار پہنچائے (۴) وہ دل جو بُرے منصوبے باندھتا ہے۔ (۵) وہ پاؤں جو جلد بُرائی کی طرف دوڑتے ہیں (۶) وہ گواہ جو جھوٹ بولتا ہے۔ اور وہ جو بھائیوں کے درمیان جھگڑے برپا کرتا ہے۔

کلام کی کثرت میں کچھ نہ کچھ گناہ ہوگا۔ مگر وہ جو اپنے لبوں کو روکے رہتا ہے، بڑا دانا ہے۔

خداوند تعالیٰ کی راہ سیدھے لوگوں کے لیے توانائی اور بدکرداروں کے لیے ہلاکت ہے۔

کوئی انسان شرارت سے پائیدار نہیں رہ سکتا، لیکن صادقوں کی بنیاد کو کبھی جنبش نہ ہوگی۔

ہوشیار آدمی کا ہاتھ حکمران ہوگا اور سست آدمی خراج گزار ہوگا۔

خداوند تعالیٰ کا خوف عمر کو دراز کرتا ہے، لیکن شریروں کی زندگی گھٹائی جاتی ہے۔

وہ دولت جو بطالت سے حاصل کی جاتی ہے گھٹ جاتی ہے اور محنت سے فراہم کردہ بڑھے گی۔

ملائم جواب غصہ کو کھو دیتا ہے۔ مگر کرخت باتیں غضب انگیز ہیں۔

شکستہ خاطر کے سب دن بُرے ہیں، مگر وہ جو خوش دل ہے ہمیشہ شکر گزار رہتا ہے۔

تھوڑا جو خداوند کے خوف کے ساتھ ہو، اس بڑے گنج سے جو رنج کے ساتھ ہو بہتر ہے۔

جب انسان کی روش خداوند کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے تو وہ دشمنوں کو بھی دوست بنا لیتا ہے۔
وہ جو مسکین پر ہنستا ہے گویا اس کے بنانے والے کی حقارت کرتا ہے اور وہ جو اوروں کی مصیبت سے خوش ہوتا ہے بے گناہ نہ ٹھیرے گا۔
جھگڑے کو پیشتر اس کے کہ تیز ہو جائے، چھوڑ دو۔
دنیا میں زیادہ طلب مت کر۔ کیونکہ گھر میں خواہ میزبان ہو یا مہمان، پیٹ کے انداز سے زیادہ کوئی نہیں کھا سکتا پس وہ شخص جو زیادہ مال و دولت رکھتا ہے یا کم مال رکھتا ہے، فائدہ حاصل کرنے کے معاملے میں یکساں ہیں۔ لیکن زیادہ طلب کرنے والے کے لیے مشقت زیادہ ہے اور کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہوتی۔
وہ جس کے دل میں بُرائی ہے، بھلائی نہ پائے گا۔ اور جس کی زبان میں نکتہ چینی ہے، آفت میں گرے گا۔
عالمِ کم گو، سرد مزاج اور خردمند ہوتا ہے۔ احمق بھی جب تک چپکا ہوتا ہے، عقلمند شمار ہوتا ہے۔
خداوند تعالیٰ کا نام ایک محکم بُرج ہے۔ صادق اس میں دوڑتا ہے اور امن میں رہتا ہے۔
دولت بہت سے دوست پیدا کرتی ہے۔ مگر مسکین اپنے ہی دوست سے بیگانہ ہے۔ بلکہ مسکین کے بھائی بھی اس سے کینہ رکھتے ہیں۔ پس وہ جو اس کے دوست ہیں، اس سے کتنے زیادہ دُور بھاگیں گے؟ وہ خوشامد کی باتیں کر کے ان کا پیچھا کرتا ہے، لیکن وہ اس کے خواہاں نہیں۔
گھر اور مال وہ میراث ہے جو باپ سے حاصل ہوتی ہے لیکن دانشمند بیوی نعمتِ خداوندی ہے۔
آدمی کی عزت اسی میں ہے کہ جھگڑے سے باز رہے، لیکن بے دانش چھیڑ چھاڑ جاری رکھتا ہے۔
دغا کی روٹی آدمی کو میٹھی لگتی ہے۔ مگر آخر کو اس کا منہ کنکروں سے بھرا جاتا ہے۔
ہو سکتا ہے کہ کوئی ملکیت ابتدا میں یک لخت حاصل ہو جائے، مگر اس کا انجام نامبارک ہو۔
راستی اور انصاف خداوند تعالیٰ کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پسند ہے۔
جو مسکین کا نالہ سن کر اپنے کان بند کر لیتا ہے، وہ آپ بھی نالہ کرے گا اور اس کی سُنی نہ جائے گی۔
ہوشیار انسان بَلا کو پیش بینی سے دیکھتا اور اپنے آپ کو بچاتا ہے، مگر نادان لوگ پاس سے گزرتے اور سزا پاتے ہیں۔
مالدار مسکین پر حکمران ہوتا ہے اور قرضدار قرض خواہ کا چاکر ہے۔
کج رَو لوگوں کی راہ میں کانٹے اور پھندے ہیں۔ وہ جو اپنی جان کی نگہبانی کرتا ہے، ان سے دُور رہے گا۔
جہالت لڑکوں کے دل سے وابستہ ہے، مگر تربیت کی چھڑی اُسے اس میں سے دور کر دے گی۔
بیوقوف کے کانوں میں باتیں مت ڈال۔ کیونکہ بجائے عمل کے وہ تیرے دانشمندانہ کلام کی تحقیر کرے۔
بیٹے کی تادیب سے دستبردار نہ ہو چھڑی مارنے سے وہ مر نہ جائے گا، لیکن تو جہنم سے اس کی جان بچا لے گا۔
مئے لعل فام کا عکس جب جام پر پڑے تو اس پر نظر مت کر کہ انجام کار وہ سانپ کی مانند کاٹتی ہے اور بچھو کی طرح ڈنگ مارتی ہے۔ تیری آنکھیں بیگانہ عورتوں سے لڑیں گی اور تیرا دل ٹیڑھے مضمون نکالے گا۔ جو انجام کار تیری

ہلاکت کا باعث ہوں گے۔

صادق آدمی سات بار گرتا ہے اور پھر اُٹھتا ہے، مگر شریر بلا میں گر کے پڑا رہتا ہے۔

سخن جو موقع سے کہی جائے سونے کی سیبوں کی مانند ہے جو روپہلی ٹوکریوں میں ہوں۔

ظاہری بُرائی کا چھپانا گمانی بات پر رُسوا کرنے سے اَولیٰ ہے۔

جو کہ ایک بیوقوف کے ہاتھ پیغام بھیجتا ہے، اپنے پاؤں آپ کاٹتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی ہر ایک سخن پاک ہے۔ وہ ان کے لیے جن کا توکّل اس پہ ہے ایک سپر ہے۔

جاہل اپنے دل میں جو کچھ ہے ظاہر کرتا ہے، مگر دانشمند اُسے آخر موقع تک چھپائے رکھتا ہے۔

مواعظ حضرت عیسیٰؑ

سفر دو قسم کا ہے، دنیا اور آخرت کا۔ دونوں کے واسطے توشہ درکار ہے۔ دنیا کے سفر میں توشہ ہمراہ رکھنا چاہیے اور سفر آخرت میں روانگی سے پہلے بھیج دینا چاہیے۔

دنیا میں دو چیزیں پسندیدہ ہیں۔ سخنِ دلپذیر اور دلِ سخن پذیر

عملِ صالح وہ ہے جس پر لوگوں کی ثنا کی امید نہ رکھی جائے۔

میں مُردہ کو زندہ کرنے سے عاجز نہیں ہُوا، لیکن احمق کی اصلاح سے عاجز آگیا۔

ننانوے راست بازوں کی نسبت، جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے، ایک توبہ کرنے والے گنہگار کی بابت آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی۔

آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطے کے مٹ جانے سے زیادہ آسان ہے۔

انفعالِ گناہ غرورِ عبادت سے بدرجہا بہتر ہے۔

دُنیا کے مال و اسباب پر مغرور مت ہو۔ کیا خبر کہ اسی رات تیری جان تجھ سے طلب کر لی جائے۔

اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں اور اپنے بھائی سے نفرت کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے اور مکّار ہے، کیونکہ جب وہ آنکھوں سے نظر آنے والے انسان سے بُرا سلوک کرتا ہے تو نادیدہ خدا کی محبت کس طرح کر سکتا ہے؟ اصل میں مخلوق کی محبت ہی خالق کی محبت ہے۔

جو شخص اپنے لیے خزانہ جمع کرتا ہے، وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ غریب ہے۔ اور ایک بے سروسامان مفلس خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ دولت مند ہے۔

اگر تم لوگوں کے قصور معاف نہ کرو گے تو خداوند کریم بھی تمہارے قصور معاف نہ کرے گا۔

اگر تو قربان گاہ پر اپنی نذر گزار رہا ہو اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ شکایت ہے تو وہیں قربان کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے اور جا کر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کر تب آ کر نذر گزار۔

حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے اپنی بیویوں کو حتی المقدور ہرگز طلاق مت دو۔

اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا مانگو، کیونکہ خداوند کریم اپنے سورج کو نیک و بد دونوں پر چمکاتا اور راست باز اور بدکار دونوں پر مینہ برساتا ہے۔

اگر تم اپنے محبت رکھنے والے سے محبت رکھو تو تمہارے لیے کیا اجر ہے؟ کیا محصول لینے والے بھی ایسا نہیں کرتے؟ اور اگر تم فقط اپنے بھائیوں ہی سے سلام کرو تو کیا زیادہ کرتے ہو؟ کیا غیر قوموں کے لوگ بھی ایسا ہی نہیں کرتے؟

پس چاہیئے کہ تم کامل خلیق بنو۔

قسم بالکل نہ کھاؤ، بلکہ تمہارا کلام "ہاں ہاں یا نہیں نہیں" ہو۔ لیکن اس سے زیادہ جو ہے وہ بدی ہے۔

جب تو خیرات کرے، تو جو تیرا دایاں ہاتھ کرتا ہے اُسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے۔

جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت نہ بناؤ تاکہ لوگ تمہیں روزہ دار جانیں۔ جو ایسا کرتے ہیں، وہ اپنا اجر پا چکے ہیں۔

جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو، جو تمہارے پاس بھیڑوں کے لباس میں آتے ہیں مگر باطن میں بھیڑیے ہیں۔ ان کے اعمال سے تم انہیں پہچان لوگے۔ کیا جھاڑیوں سے انگور اور اونٹ کٹاروں سے انجیر حاصل کر سکتے ہیں؟

پاک چیزیں کتوں کو نہ دو اور سچے موتی سؤروں کے آگے نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ انہیں پاؤں کے نیچے روندیں اور پلٹ کر تمہیں پھاڑیں۔

جو کی روٹی کھانا، صاف پانی پینا اور کھلے میدان میں سو رہنا مرنے والے کے لیے بہت ہے۔

اپنی جان کی فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے، نہ اپنے بدن کا کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان خوراک اور بدن پوشاک بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں اور نہ کاٹتے ہیں اور نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں۔ تو بھی تمہارا خدا تعالیٰ ان کو رزق پہنچاتا ہے۔ پہلے تم راستبازی کی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی پس کل کے لیے فکر نہ کرو، کیونکہ کل کا دن اپنے لیے فکر کرے گا۔ آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔ غور کرو کہ تمہیں ان پرندوں کی نسبت بہت زیادہ قدرت حاصل ہے۔

مانگو تو تمہیں دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔

جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں، وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو۔ کیونکہ سب نبیوں کی تعلیم یہی ہے اور خوشنودیٔ خدا تعالیٰ کے حصول کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔

جب تو دُعا مانگے تو اپنی کوٹھڑی میں جا اور دروازہ بند کر کے اپنے خدا تعالیٰ سے، جو پوشیدگی میں ہے، دُعا مانگ۔ اس صورت میں تیری دعا ضرور قبول ہوگی۔

خبردار اپنے راستبازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کے لیے نہ کر۔ ورنہ درگاہِ ایزدی میں تیرے لیے کچھ اجر نہیں۔

اے ریاکار! پہلے اپنی آنکھ میں سے تو شہتیر نکال، پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔

شریر کا مقابلہ نہ کر۔ بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے، اور جو کوئی تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ۔

مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ وہ بہشت کے حقدار ہوں گے۔ مبارک ہیں، وہ جو دل کے غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔ مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی ہے۔ لوگوں نے ان نبیوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے اسی طرح ستایا تھا۔

کسی کی عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے جس پیمانے سے تم ناپتے ہو، اسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا۔

جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی، وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔

پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اُسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے، کیونکہ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضا میں سے ایک عضو جاتا رہے مگر تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔

خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے سارے دل، اپنی ساری جان، اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ اور انسانوں سے اپنے برابر محبّت رکھ۔

ان سے ڈرو جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور بعد اس کے کچھ نہیں کر سکتے، بلکہ صرف اُس سے ڈرو، جس کو قتل کرنے کے بعد اختیار ہے کہ جہنم میں ڈالے۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ صرف اس سے ڈرو۔

اگر تیرا بھائی گناہ کرے تو ملائمت سے اور نرمی سے اُسے ملامت کر۔ اگر توبہ کرے تو اُسے معاف کر۔ اگر وہ ایک دن میں سات دفعہ گناہ کرے اور ساتوں دفعہ تیرے پاس آ کر کہے کہ توبہ کرتا ہوں، تو اُسے معاف کر۔

نوح کے زمانے میں بھی لوگ کھاتے پیتے اور خوشیاں مناتے اور شادیاں رچاتے تھے۔ اس دن تک کہ نوح کشتی پر چڑھا اور طوفان نے آ کر سب کو ہلاک کر دیا۔ چاہیے کہ وقت سے پہلے خبردار ہو جاؤ، ورنہ اس وقت تمہارا رونا اور چلّانا کچھ نہ سنا جائے گا۔

ایک امیر نے آپ سے کہا کہ میں نے بچپن سے خدا تعالیٰ کے دسوں احکام پر پورا عمل کیا ہے، کیا میں ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہو سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی تک تجھ میں ایک بات کی کمی ہے۔ یعنی اپنا سب کچھ بیچ غریبوں کو بانٹ دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔ اور آ کر میرے پیچھے ہو لے۔ یہ سن کر وہ بہت غمگین ہوا۔ کیونکہ وہ بڑا دولت مند تھا۔ آپ نے اس کو غمگین دیکھ کر کہا "جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا۔ اور

جو کوئی اپنے آپ کو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔"

اے لوگو! جب بادل کو تم مغرب سے اُٹھتا دیکھتے ہو تو فوراً کہتے ہو کہ مینہ برسے گا، اور ایسا ہی ہوتا ہے اور جب تم معلوم کرتے ہو کہ دکھن کی ہوا چل رہی ہے تو کہتے ہو کہ لُو چلے گی۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ اے ریاکارو زمین و آسمان کی صورت میں تو تمہیں امتیاز کرنا آتا ہے، لیکن اس زمانے کی بابت امتیاز کرنا کیوں نہیں آتا، اور تم اپنے آپ ہی کیوں فیصلہ نہیں کر لیتے کہ واجب کیا ہے؟

اثنائے وعظ میں مجمع میں سے ایک عورت نے پکار کر آپ سے کہا، مبارک ہے وہ پیٹ جس میں تو رہا اور وہ چھاتیاں جو تُو نے چوسیں۔ آپ نے فرمایا، ہاں مگر زیادہ مبارک وہ ہیں، جو خدا تعالیٰ کا کلام سنتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

بدن کا چراغ آنکھ ہے۔ پس اگر تیری آنکھ درست ہو تو تیرا سارا بدن روشن ہوگا۔ اور تیری آنکھ خراب ہو تو تیرا سارا بدن تاریک ہوگا۔

اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے، اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔ بلکہ اپنے لیے آسمان پر مال جمع کرو، جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے اور نہ زنگ، اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا۔

اے خدا! ہمارے گناہوں کو معاف کر، ہماری ہر روز کی روٹی ہر روز ہمیں دیا کر اور ہمیں آزمائش میں نہ ڈال۔

اگر تم دانا عالم ہو تو اپنے کانوں کو چھلنیاں نہ بنا لو کہ بھوسی رکھ لیتی ہے اور آٹا گرا دیتی ہے۔

ایک دفعہ آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں بارش ہونے لگی۔ ناچار ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک لومڑی دوڑ کر اپنے بھٹ میں گھس گئی۔ آپ کو خیال گزرا کہ سبحان اللہ جانوروں کے لیے تو ٹھکانا اور میں خانہ بدوش۔ خیال کے آتے ہی ایک مکان جواہر نگار نمودار ہوا اور ندا آئی کہ "اے دوست! اگر مکان درکار ہے تو یہ موجود ہے۔ ہمارے پاس کسی شے کی کمی نہیں۔ مگر تمہارے واسطے یہ رتبہ پیغمبری اس مکان سے بہت اعلیٰ ہے۔" آپ نے عرض کیا، الٰہی! میں اس حال میں خوش ہوں۔ دُنیا روزے چند عاقبت کار با خداوند۔

ایک دفعہ بہت سے امیر اپنی نذروں کے روپے ہیکل کے بیت المال میں ڈال رہے تھے۔ حضرت نے ایک مفلس بیوہ کو بھی اس میں دو دمڑیاں ڈالتے دیکھا۔ اس پر آپ نے فرمایا، دیکھو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس مفلس بیوہ نے سب سے زیادہ ڈالا، کیونکہ ان سب امیروں نے اپنے مال کی بہتات سے تھوڑا سا حصہ ڈالا، مگر اس نے اپنی ناداری کی حالت میں جتنا سرمایہ اس کے پاس تھا، سب کا سب ڈال دیا۔

آپ کثیر التبسم یعنی زیادہ مسکرانے والے اور یحییٰ علیہ السلام کثیر البکا یعنی زیادہ رونے والے تھے۔ ایک دفعہ حضرت یحییٰ نے آپ سے فرمایا کہ آپ کو قہر خداوندی سے اس قدر بے خوف نہ ہونا چاہیے کہ ہر وقت مسکراتے ہی رہو۔ آپ

نے جواب دیا کہ آپ کو رحمت خداوندی سے اس قدر نا امید بھی نہ ہونا چاہیے کہ ہر وقت روتے ہی رہو۔

عالمِ بے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے اندھے نے چراغ اُٹھایا ہو کہ لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور وہ خود میں رہتا ہے۔

آپ سے جب اَحوال پُرسی کی جاتی کہ کیسے ہو تو فرماتے "جس چیز میں میرا فائدہ ہے اس پر میرا قابو نہیں اور جس چیز میں میرا نقصان ہے اس کو اپنے اُوپر سے دفع نہیں کر سکتا۔ میرا کام دوسرے کے ہاتھ میں ہے اور میں اپنے سے زیادہ کسی کو محتاج اور بے چارہ نہیں پاتا ہوں"

آپ کا ایک دوست تھا، مگر نادان۔ اس نے آپ سے درخواست کی کہ مجھ کو اسمِ اعظم سکھا دیجیے۔ ہر چند انکار کیا اور سمجھایا کہ تو اس قابل نہیں ہے، نہ مانا اور نہایت اصرار کیا۔ ناچار بتا دیا اور امتحان بھی کرا دیا لیکن منع کیا کہ آئندہ تو اس کو کام میں نہ لانا ورنہ تیرے لیے اچھا نہ ہوگا۔ یہ فرما کر آپ چل دیئے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ بھلا اب دیکھوں اسمِ اعظم تاثیر کرتا ہے یا نہیں۔ کچھ ہڈیاں نظر آئیں، اُن پر اسمِ اعظم پڑھا۔ فوراً ایک شیر زندہ ہو کر غرّاتا ہوا آیا اور اس کو پھاڑ کھایا۔ حضرت اس راہ سے واپس آئے تو دیکھا کہ وہ مرا پڑا ہے۔ اور شیر اس کو کھا رہا ہے۔ شیر سے پوچھا تو نے اسے کیوں مارا؟ جواب دیا "یہ شخص میرا خالق تو بنا مگر رازق نہ بن سکا اور رزق کی فکر نہ کی۔ اس لیے میں نے اس کو کھا لیا"

ایک دفعہ آپ کے ہمراہ تین شخص جا رہے تھے کہ راستے میں ایک سونے کی اینٹ نظر آئی۔ آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ دیکھو یہ دنیا ہے جو موجب فسادات ہے، اس کے نزدیک ہرگز نہ جانا۔ آخر کار ان لوگوں نے آگے جا کر آپ سے رخصت طلب کی کیونکہ اینٹ کا خیال تینوں کے دلوں کو بیتاب کر رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر اینٹ کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا انتظام کرنے لگے۔ ان میں سے دو تو اینٹ کے توڑنے میں مصروف ہو گئے اور تیسرے شخص کو شہر سے روٹی لانے کے لیے بھیج دیا۔ اس شخص کی نیت میں خلل آیا کہ کیوں نہ میں اکیلا ہی اینٹ کا مالک بن جاؤں۔ چنانچہ اس نے ان دونوں کو ہلاک کرنے کے لیے کھانے میں زہر ملا دیا۔ اُدھر ان دونوں شخصوں نے اس کی غیر حاضری میں صلاح کی کہ کیوں نہ اینٹ کے تین ٹکڑوں کی بجائے دو ہی کیے جائیں اور ہم تم آپس میں بانٹ لیں۔ اور جب وہ شہر سے کھانا لائے تو اسے مار ڈالیں۔ وہ شخص زہر ملا کھانا لے کر شہر سے آیا تو ان دونوں نے مل کر اس کو جان سے ڈالا۔ اس کو مار ڈالنے اور اینٹ تقسیم کرنے سے فراغت حاصل کر کے وہ کمال اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ ان دونوں نے بھی زہر کے اثر سے فوراً ہی جان دے دی۔ آپ جب واپس ہوئے تو تینوں لاشوں کو دیکھ کر تاسف کیا اور کہا کہ اے کم بختو! آخر تم نے اسی دنیا کی طرف توجہ کی جس سے تمہیں اس قدر تاکید سے منع کیا گیا تھا، اور اس نتیجہ کو پہنچے۔

نمک اچھا ہے لیکن اگر نمک کی نمکینی جاتی رہے تو اس کو کس چیز سے مزیدار کرو گے؟ اس لیے اپنے میں نمک رکھو اور ایک دوسرے کے ساتھ ملاپ سے رہو۔

خاوند اور بیوی دو نہیں ۔ بلکہ ایک جسم ہیں ۔ اس لیے جسے خدا نے جوڑا ہے ، انسان اسے حتی المقدور جدا نہ کرے
دنیا داروں کے مکانوں ، مالوں اور باغوں کو دیکھنا حرص دنیا کی تحریک دلاتا ہے اور تقویٰ سے بعید ہے ۔
جو چیز باہر سے آدمی کے اندر جاتی ہے ، وہ ناپاک نہیں کر سکتی اس لیے کہ وہ اس کے دل میں نہیں ، بلکہ پیٹ میں جاتی ہے اور پاخانے میں نکل جاتی ہے ۔ بلکہ جو آدمی سے نکلتا ہے وہی آدمی کو ناپاک کرتا ہے ۔ کیونکہ اندر سے یعنی آدمی کے دل سے برے خیال ، حرام کاریاں ، چوریاں ، خونریزیاں ، زناکاریاں ، لالچ ، بدی ، مکر ، شہوت پرستی ، بدنظری ، بدگوئی ، شیخی اور بیوقوفی نکلتی ہے ۔ یہ سب باتیں اندر سے نکل کر آدمی کو ناپاک کرتی ہیں ۔

اقوال حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

سو درہم میں سے اڑھائی درہم بخیلوں اور دنیا داروں کی زکوٰۃ ہے اور صدیقوں کی زکوٰۃ تمام مال کا صدقہ کر دینا ہے
صدقہ فقیر کے سامنے عاجزی سے باادب پیش کر ، کیونکہ خوشدلی سے صدقہ دینا قبولیت کا نشان ہے ۔
نہیں حاصل ہوتی دولت ساتھ آرزو کے ۔ نہیں حاصل ہوتی جوانی ساتھ خضاب کے ۔ نہیں حاصل ہوتی صحت ساتھ دواؤں کے ۔
عبادت ایک پیشہ ہے ، دکان اس کی خلوت ہے ، راس المال اُس کا تقویٰ ہے اور نفع اس کا جنت ہے
عدل وانصاف ہر ایک سے خوب ہے لیکن خوب تر ہے ۔
گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے مگر گناہ سے بچنا واجب تر ہے ۔
مصیبت میں صبر کرنا سخت ہے ، مگر صبر کے ثواب کو ضائع نہ ہونے دینا سخت تر ہے ۔
زمانہ کی گردش اگرچہ عجیب امر ہے لیکن اس سے غفلت عجیب تر ہے ۔
جو امر پیش آتا ہے وہ نزدیک ہے لیکن موت اس سے بھی نزدیک تر ہے ۔
شرم مردوں سے خوب ہے مگر عورتوں سے خوب تر ہے ۔
توبہ بوڑھے سے خوب اور جوان سے خوب تر ہے ۔
بخشش کرنا امیر سے خوب ہے لیکن محتاج سے خوب تر ہے ۔
گناہ جوان کا بھی اگرچہ بد ہے لیکن بوڑھے کا بدتر ہے ۔
مشغول ہونا ساتھ دنیا کے جاہل کا بد ہے لیکن عالم کا بدتر ہے ۔
اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سستی عام لوگوں سے بد ہے لیکن عالموں اور طالب علموں سے بدتر ہے ۔
تکبر کرنا امیروں کا بد ہے لیکن محتاجوں کا بدتر ہے ۔

تواضع غریبوں سے خوب ہے لیکن امیروں سے خوب تر ہے۔
پورا کرتا نماز کو سجدہ سہو، پورا کرتا ہے روزہ کو صدقہ فطر، پورا کرتا ہے حج کو فدیہ اور پورا کرتا ہے ایمان کو جہاد۔
جسے رونے کی طاقت نہ ہو، وہ رونے والوں پر رحم ہی کیا کرے۔
زبان کو شکوہ سے روک۔ خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔
اس دن پر رو، جو تیری عمر کا گزر گیا اور اس میں نیکی نہیں کی۔
ہر گز کوئی شخص موت کی تمنّا نہیں کرے گا، سوائے اس کے جس کو اپنے عمل پر وثوق ہوگا۔
مسئول پر سائل کا حق واجب ہے اور عمدہ جواب حسنِ اخلاق ہے۔
ہر چیز کے ثواب کا ایک اندازہ ہے، سوائے ثوابِ صبر کے کہ وہ بے اندازہ ہے۔
شکر گزار مومن عافیت سے قریب تر ہے۔
جہادِ کفّار اصغر ہے، اور جہادِ نفس جہادِ اکبر ہے۔
خوفِ الٰہی بقدرِ علم ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ سے بے خوفی بقدرِ جہالت۔
خلقت سے تکلیف دور کر کے خود اٹھا لینا حقیقی سخاوت ہے۔
اخلاص یہ ہے کہ اعمال کا عوض نہ چاہے۔ دُنیا کو آخرت کے لیے اور آخرت کو اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ دے۔
تو دنیا میں رہنے کے سامانوں میں لگا ہے اور دنیا تجھے اپنے سے نکالنے میں سرگرم ہے۔
جس کا سرمایہ دنیا ہے، اس کے دین کا نقصان زبانیں بیان کرنے سے عاجز ہیں۔
علم کے سبب کسی نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا، بخلاف مال کے۔
آپ جب کسی کی ماتم پرسی کے لیے جاتے تو فرماتے "صبر میں کوئی مصیبت نہیں اور رونے میں کچھ فائدہ نہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو یاد کرو تو تم کو اپنی مصیبت بہت کم معلوم ہوگی۔"
عورتوں کو سونے کی سرخی اور زعفران کی زردی نے ہلاک کر رکھا ہے۔
جو شخص ابتدائے اسلام میں مرگیا وہ بہت خوش نصیب تھا۔
کاش میں کسی مومن کے سینے کا ایک بال ہی ہوتا۔
لوگو! خدا تعالیٰ سے شرم کرو۔ واللہ، میں جب کبھی میدان میں قضائے حاجت کے لیے جاتا ہوں تو خدا تعالیٰ سے شرما کر نیچے کر لیتا ہوں۔ لہٰذا اپنے اعمال و افعال میں خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر ڈرتے اور شرم کرتے رہو۔
گفتگو میں اختصار سے کام لو۔ کلام اتنا ہی مفید ہوتا ہے جتنا آسانی سے سنا جا سکے طول کلامی گفتگو کا کچھ حصہ ذہنوں سے ضائع کر دیتی ہے۔
خالد رضی بن ولید سپہ سالار اعظم کو ہدایت فرماتے ہوئے فرمایا، جاہ و عزت سے بھاگو تو عزت تمہارے پیچھے پھرے گی اور موت پر دلیر رہو تا کہ تمہیں ابدی زندگی بخشی جائے۔

علم پیغمبروں کی میراث ہے اور مال کفار، فرعون و قارون وغیرہ کی۔
دل مُردہ ہے اور اس کی زندگی علم ہے۔ علم بھی مُردہ ہے اور اس کی زندگی طلب کرنے سے ہے۔
صبح خیزی میں مرغانِ سحر کا سبقت لے جانا تیرے لیے باعثِ ندامت ہے۔
وہ علما حق تعالیٰ کے دشمن ہیں جو اُمرا کے پاس جاتے ہیں۔ اور وہ اُمرا حق تعالیٰ کے دوست ہیں جو علما کے پاس جائیں۔
نوکِ زبان کو بار بار پکڑتے اور فرماتے کہ اس نے مجھے بہت جگہ پھنسایا ہے۔
بندے کے اندر جب کسی زینتِ دُنیا سے عُجب آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے دشمن رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس زینت سے جُدا ہو جائے۔
اونٹنی کی مُہار گر جاتی تو خود اُتر کر اُٹھاتے۔ دوسرے کو کہنا داخلِ سوال خیال فرماتے تھے۔
کاش میں درخت ہوتا کہ اس کو کاٹ کر کھا لیتے۔ یہ اس لیے تھا کہ آپ پر خوف و حزن بنہایت درجہ غالب تھا۔
میری نصیحت قبول کرنے والا دل موت سے زیادہ کسی کو محبوب نہ رکھے۔
وہ لوگ بہتر نہیں ہیں جو دنیا کو آخرت کے لیے ترک کر دیتے ہیں بلکہ بہتر وہ ہیں جو دنیا و آخرت دونوں کو لیتے ہیں۔
مافات کا تدارک، ماآت سے کرو اور پرانے گناہوں کو نئی نیکیوں سے مٹاؤ۔
جو اللہ تعالیٰ کے کاموں میں لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے کاموں میں لگ جاتا ہے۔
مومن کو اتنا علم کافی ہے کہ اللہ عزّ وجل سے ڈرتا رہے۔
بعدِ سفر اور قلتِ زادِ راہ سے ڈرتا رہ۔
مصیبت کی جڑ کی بنیاد انسان کی گفتگو ہے۔
مومن کے خوف و رجا کو اگر وزن کریں تو دونوں برابر ہوں گے۔
شریف جب علم پڑھتا ہے متواضع ہو جاتا ہے، اور وضیع جب پڑھتا ہے متکبّر ہو جاتا ہے۔ آپ کے مختصر الفاظ بطورِ ورد "هُوَ الْقَادِرُ اللّٰه" تھے۔
بُروں کی ہم نشینی سے تنہائی بدرجہا بہتر ہے، اور تنہائی سے صلحا کی صحبت بدرجہا بہتر ہے۔
طالبِ دین عمل میں زیادتی کرتا ہے اور طالبِ دُنیا علم میں۔
حضرت جُنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید میں سب سے بزرگ کلام جناب حضرتِ صدیقؓ کا ہے۔ اور وہ یہ ہے ترجمہ: "وہ ذاتِ پاک ہے جس نے اپنی مخلوق کے لیے سوائے عجز کے کوئی راستہ نہیں بنایا۔"
اگر کوئی نیکی کسی وجہ سے رہ جائے تو اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو، اور اگر اسے پالو تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔
جس پر نصیحت اثر نہ کرے وہ جانے کہ میرا دل ایمان سے خالی ہے۔
علم کی قوت جب حد سے بڑھ جائے تو مکاری اور بسیار دانی پیدا کرتی ہے، اور جب ناقص ہو تو حماقت اور ابلہی پیدا کرتی ہے۔

عمل بغیرِ علم کے سقیم و بیمار، اور علم بغیر عمل کے عقیم و بے کار ہے۔
آنکھ کا کاسہ دل کا دروازہ ہے کہ قلب کی تمام آفتیں اسی راستہ سے آتی ہیں۔ اور شہوت ولذات پیدا ہوتی ہیں۔ آنکھ بند کرے، تمام آفتوں سے محفوظ ہو جائے گا۔
بذلِ نوال قبل سوال کے بجالا۔ اگر سائل کے سوال کرنے پر تُونے دیا، تو جتنا تُونے دیا۔ اس سے دُگنی آبرو اس کی تونے لی۔
انسان ضعیف ہے۔ تعجب ہے کہ وہ کیوں کر خدائے قوی کی نافرمانی کرتا ہے۔
موت سے محبت کرو تو زندگی عطا کی جائے گی۔
بدبخت ہے وہ شخص جو خود تو مر جائے اور اس کا گناہ نہ مرے۔ یعنی کوئی بُری بات جاری کر جائے مثلاً کوئی کھوٹا سکہ بنانا، بُرا کھیل جاری کرنا، بُری کتاب کی اشاعت کرنا وغیرہ۔
آپ کی اوّلیات (۱) سب سے اوّل اسلام قبول کیا (۲) سب سے اوّل قرآن مجید کو یکجا جمع کر کے اس کا نام مصحف رکھا (۳) کفار کے ساتھ سب سے پہلے آپ نے جہاد کیا (۴) سب سے پہلے خلیفہ بنے (۵) آپ کو اپنے باپ کی حیات میں خلافت ملی (۶) سب سے پہلے آپ نے اپنا جانشین مقرر فرمایا (۷) سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام میں اجتہاد کیا (۸) سب سے پہلے آپ ہی نے مسجد بنوائی (۹) سب سے پہلے آپ ہی کو لقب "صدیق" عطا ہُوا۔
حالتِ کفر میں بھی آپ نہایت سخی تھے جس قدر آمدنی ہوتی غربا و مساکین کو کھلا دیتے۔ بعد از قبول اسلام کسی نے پوچھا، اے ابوبکرؓ! کیا تم نے جاہلیت میں شراب پی تھی؟ آپ نے فرمایا، میں ہمیشہ اپنی عزت اور انسانیت کی حفاظت کرتا تھا، اس لیے کہ جس نے شراب پی، اس نے اپنی عزت وانسانیت کو ضائع کر دیا۔ شراب نوشی، قمار بازی، زنا اور بُت پرستی قبل اسلام عرب میں اس قدر عام تھی کہ اس سے بچے رہنا محالات بلکہ ناممکنات سے تھا۔ لیکن آپ نے زمانہ کفر میں بھی ان تمام برائیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ ایک روز سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں مہاجرین وانصار کا اجتماع تھا۔ جناب ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا، یا حضرتؐ! بخدا میں نے جاہلیت میں بھی کبھی بُت کو سجدہ نہ کیا، بلکہ موقع پا کر ان کو توڑ دیتا تھا۔
سابق الایمان ہونے کے متعلق مختلف احادیث آئی ہیں۔ بعض سے حضرت علیؓ، بعض سے حضرت ابوبکرؓ اور بعض سے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا سابق الایمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب احادیث اپنے اپنے موقع پر بالکل صحیح ہیں۔ اس لیے کہ بالغ اور آزاد مردوں میں حضرت ابوبکرؓ اور بالغ و آزاد عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور نابالغ اور آزاد لڑکوں میں حضرت علیؓ پہلے ایمان لائے اور تینوں اپنی اپنی جگہ "سابق الایمان" ہیں۔
آپ فطرتاً نہایت ہی رقیق القلب اور متین الجذبات تھے۔ جب قرآن پڑھتے تو ترہیب و ترغیب کے موقعوں پر بے اختیار رو دیا کرتے تھے۔ آپ کے اس رونے کا اثر قریش کی عورتوں اور ان کے بچوں پر بہت پڑنے لگا جو آپ کے چبوترے کے ارد گرد جمع رہتے تھے۔ یہ امر معتمدین اور اُمرائے قریش کے نہایت خلاف گزرتا۔ کیونکہ تبلیغ اسلام

کا یہ ایک مؤثر ذریعہ تھا۔

جس وقت نبی کریمؐ پر شدتِ مرض نے غلبہ کیا تو آپ نے نماز پڑھانے کے لیے فرمایا کہ لوگو ابوبکرؓ سے کہو، وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، یا حضرتؐ! وہ بہت ہی رقیق القلب ہیں۔ جب آپ کے مصلّے پر نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں گے تو رنج و غم سے نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ آپ نے فرمایا، انہی کو کہو کہ نماز پڑھائیں پس ارشادِ نبوی کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرتؐ کی عین حیات میں نماز پڑھائی۔

تمام مسلمانوں کے اتفاق آرا سے جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے تو پہلے خطبے میں آپ نے فرمایا:

آپ حضرات نے اتفاق کرکے مجھے خلیفہ اور امیر مقرر کیا ہے حالانکہ میں اپنے اندر اس قدر قابلیت نہیں رکھتا یاد رکھو کہ میں انسان ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں احتیاط کروں، اور محال نہیں ہے اگر برائی کروں۔ لہٰذا تم میرے اچھے کاموں میں مدد و معاون بنو اور برے کاموں سے مجھے روک دو، مجھے سرزنش کرو۔ بلاشبہ صدق امانت اور کذب خیانت ہے۔ خدا تعالیٰ مجھے صدیق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ تم میں سے جو ضعیف ہے، وہ میری نظروں میں قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کی حق رسی کروں۔ اور جو قوی ہے وہ میری نظروں میں ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق لے لوں۔ مسلمانو! جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیتی ہے وہ ذلت و خسران کے تنگ و تاریک غاروں میں گر جاتی ہے اور جو قوم بدکاری میں مبتلا ہوتی ہے، خدائے قدوس اس پر نزولِ مصائب کرتا ہے۔ اے مسلمانو! یاد رکھو کہ جب تک میں خداؐ اور اس کے رسولؐ کی پیروی کرتا رہوں، اس وقت تک تم میری متابعت و فرمانبرداری کرو، اور جب راہِ مستقیم سے میرے قدم ادھر اُدھر دیکھو تو میری اطاعت نہ کرو۔ کیونکہ "گمراہ کی پیروی گمراہی ہے"۔

ایک دفعہ مرتدین کی جانب سے ایک وفد آیا جو اُن کے چند سربرآمدہ لوگوں پر مشتمل تھا۔ انہوں نے اپنی جماعت کی طرف سے یہ کلمات نہایت ہی بے خوف اور نڈر ہو کر کہے کہ "اے ابوبکرؓ اگر تم چاہتے ہو کہ ہم مسلمان رہیں تو نماز میں تخفیف کر دو اور زکوٰۃ معاف کر دو۔" آپ نے یہ کلمات سُنتے تو غصّہ سے سرخ ہو گئے اور فرمایا ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نہ نماز میں رتی بھر تخفیف ہو سکتی ہے اور نہ صاحب نصاب پر زکوٰۃ ایک دقیقہ کے لیے معاف ہو سکتی ہے اے مُوذیو! تم نے اسلام کو کھیل سمجھ رکھا ہے۔ یاد رکھو کہ ابوبکرؓ رسی جیسی حقیر چیز کے لیے بھی تم سے لڑے گا۔ اور تمہیں کیفر کردار تک پہنچائے گا۔ خواہ ایک شخص بھی میری مدد پر نہ ہو۔ جب تک میرے جسم میں جان اور ہاتھ میں تلوار ہے، میں مفسدوں سے برابر جہاد کرتا رہوں گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ اور آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں فتنۂ ارتداد کا قلع قمع کر دیا۔

آپ کے منصبِ خلافت پر فائز ہونے کا جب اعلان ہوا تو ایک لڑکی نے کہا "افسوس اب ہماری بکریاں کون دوہے گا؟" آپ نے فرمایا "خدا تعالیٰ کی قسم! خلافت مجھے خدمتِ خلق سے کبھی باز نہ رکھ سکے گی"۔ مثلاً ایک ضعیف اور نابینا عورت کے جھونپڑے میں جا کر ہر روز اس کی ضروریات پوری کرتے وغیرہ۔

قاعدہ تھا کہ لڑائیوں میں امیرِ لشکر کا سر کاٹ کر دربار میں بھیجا جاتا تھا۔ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں بھی کسی شاہی سردار کا سر آیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ آئندہ ہرگز ایسا نہ ہونا چاہیے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کفار بھی تو ہمارے سروں کو کاٹ کر اپنے بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے ہیں فرمایا کہ ہمیں خدا تعالیٰ اور رسول کریمؐ نے روم و فارس کی تقلید سے منع فرمایا ہے۔

ایک چڑیا درخت پر چہچہا رہی تھی۔ آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا "تو بڑی خوش قسمت ہے جو بغیر روک ٹوک کے اُڑتی پھرتی ہے۔ درختوں کے سائے میں بیٹھتی ہے اور زمزمہ سرائی کرتی ہے۔ کاش ابوبکرؓ تیرے ہی جیسا ہوتا اور اس پر اتنی ذمہ داریاں نہ ہوتیں۔"

آپ کا بدن چھریرا اور رنگ نہایت ہی گورا تھا۔ رخسارے بیٹھے ہوئے تھے۔ جبینِ مبارک پر عموماً خوفِ الٰہی سے پسینہ رہا کرتا تھا۔ حنا یا کُسم سے خضاب کیا کرتے تھے۔ تہ بند باندھا کرتے تھے جو نیچے کی جانب کھسکا رہتا تھا۔ خوفِ خدا اور حقوق العباد کے افکار و خدشات آپ کے دل و دماغ پر اثر انداز رہتے تھے۔ اس وجہ سے آنکھیں اندر کی جانب دھنسی ہوتی تھیں۔ تمام صحابہؓ کرام سے آپ زیادہ فصیح البیان تھے۔ دو برس چار ماہ تک منصب خلافت پر فائز رہے۔

بوقتِ وفات حضرت عائشہ سے فرمایا "خلیفہ بننے کے بعد میں نے زیادہ قناعت کی زندگی بسر کی ہے۔ رعایا کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اُونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں۔ میری وفات کے بعد یہ تمام اشیا حضرت عمرؓ کو دے کر بری ہو جانا۔"

ایک شخص نے آپ کے حضور میں شکایت کی کہ میرا باپ مجھ سے کل مال لے کر مجھے محتاج کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے اس کے باپ کو بلا کر کہا کہ تجھ کو جس قدر مال کی ضرورت ہو، لے لے اور باقی اس کو دے دے۔ اس نے عرض کی کہ ارشادِ نبویؐ کے مطابق بیٹا اور اس کا مال باپ کا ہے۔ آپ نے جواباً فرمایا "ٹھیک ہے لیکن ارشادِ پاک کا معنی نفقہ جاہیں کے ہیں۔"

اپنے عہدِ خلافت میں آپ صرف اسی قدر وظیفہ ماہوار بیت المال سے لیا کرتے تھے جس سے کہ بمشکل تمام آپ کی گزران ہو سکے۔ ایک مہینہ میں آپ کی اہلِ خانہ نے کسی ضرورتِ نسوانی کے لیے ماہوار وظیفہ میں نہایت کفایت شعاری کر کے چند پیسے بچا لیے اور ان کے خرچ کرنے کی آپ سے اجازت طلب کی۔ آپ نے وہ پیسے بیت المال میں جمع فرما دیے۔ اور آئندہ ہمیشہ کے لیے ماہوار وظیفہ میں اُتنے ہی پیسے کم کر دیے بایں خیال کہ اتنے کم خرچ میں بھی گزارہ ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص آپ کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہو جاتا، تو فرماتے "خدایا تو ان کے حسنِ ظن سے مجھے بہتر ثابت کر، اور مجھے خدمتِ خلق کی توفیق عطا فرما اور میرے گناہوں کو بخش دے۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے شدتِ سرما میں غسل کیا۔ ہوا نہایت ٹھنڈی تھی۔ بایں سبب مبتلائے بخار ہو گئے۔ پندرہ روز تک نماز کے لیے مسجد میں تشریف نہ لا سکے۔ جب آپ پر عالمِ نزع طاری ہوا، تو

حضرت عائشہ رضؓ کو بلایا اور فرمایا:۔

۱۔ "میری نورِ نظر عائشہ رضؓ! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ جس وقت میں انتقال کر جاؤں تو میری دو استعمال کردہ چادریں ڈھونڈ لانا اور انہیں سے مجھے کفن دینا۔ کیونکہ اگر مجھے پُرتکلف کپڑوں کا کفن دیا تو میرا رتبہ کچھ بڑھ نہ جائے گا۔ اور اگر ردّی کپڑوں میں مجھے کفنایا گیا تو میرا رتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ کم نہ ہو جائے گا۔"

۲۔ مجھے میری زوجہ اسماء بنت قیس غسل دیں۔ میرا لڑکا عبدالرحمٰن پانی ڈالے اور غسل میں خاص احتیاط سے کام لیا جائے۔

۳۔ جب مجھے کفنا چکیں اور نمازِ جنازہ پڑھا چکیں تو مجھے آنحضرتؐ کے برابر دفن کر دیں۔

تاریخ وفات: ۲۲ جمادی الاُخریٰ ۱۳ھ مابین مغرب و عشاء۔ عمر ۶۳ سال۔

مدت خلافت دو سال چار ماہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپ کی وفات پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے لوگوں کو تلقین صبر کے سلسلے میں ایک طویل و بلیغ خطبہ آپ کے اوصافِ حمیدہ کے متعلق ارشاد فرمایا۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"آپ کا ایمان خالص اور یقین سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ سب سے زیادہ ڈرا کرتے تھے اور آپ نے سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے دین کو نفع پہنچایا۔ خدمت نبوی میں سب سے حاضر رہنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضؓ کے لیے شفیق اور بابرکت۔ رفاقت میں سب سے زیادہ بہتر۔ فضائل میں سب سے آگے۔ درجہ میں بلند۔ سیرت، ہیئت، مہربانی اور فضل میں رسول اللہؐ کے سب سے زیادہ مشابہ۔ قدر و منزلت میں سب سے بلند۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی جانب سے جزائے خیر دے۔ آپ رسول اللہؐ کے نزدیک بمنزلہ ان کی سمع و بصر تھے۔ آپ نے رسول اللہؐ کو اس وقت سچا جانا جب سب انہیں جھوٹا کہتے تھے۔ اسی لیے آپ کا نام صدیق رضؓ ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا۔ "وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ" یعنی وہ جو سچ لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی۔ سچ لانے والے جناب رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور اس کی تصدیق کرنے والے جناب صدیق اکبر رضؓ۔ جس وقت کہ دوسرے لوگوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ تنگ دلی کا برتاؤ کیا، اس وقت آپ نے آنحضرتؐ کے ساتھ غمخواری کی۔ آپ دو میں سے ایک تھے اور غار میں رفیق، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ پر سکینت نازل فرمائی۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جب لوگ مرتد ہو گئے اور آپ کے ساتھی سُستی کرنے لگے اور آپ کو کہنے لگے کہ مرتدین کی تالیفِ قلوب کرنی چاہیے اور ان سے نرمی کا برتاؤ مناسب ہے۔ تو اس وقت آپ نے امتِ محمدیہؐ کی ایسی حفاظت اور نگہبانی کی، جو کسی نبی کے خلیفہ نے پیشتر ازیں نہیں کی تھی۔ اس وقت آپ نے دشمنوں کی کثرت اور اپنی کمزوری کا خیال نہیں کیا۔ بلکہ احیائے دین کے لیے دلیرانہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اگرچہ آپ کے خلیفہ ہونے کے وقت باغی لوگ غیظ و غضب میں تھے۔ کفار کو رنج تھا، اور حاسدوں کو آپ کے خلیفہ ہو جانے کے باعث کراہت ہو رہی تھی، تب بھی آپ بلا نزاع و تفرقہ خلیفہ برحق تھے۔ آنحضرتؐ کی

وفات کے بعد لوگوں کی بزدلی اور گھبراہٹ کے وقت آپ ثابت قدم رہے اور لوگوں کو بھی اپنا پیرو بنا کر ان کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا اگرچہ آپ کی آواز پست تھی لیکن آپ کا تفوق سب سے بڑھا ہوا تھا۔ آپ کا کلام باوقار تھا اور گفتگو باصواب۔ آپ کی خاموشی طویل اور قول بلیغ تھا۔ آپ عمل میں سب سے بزرگ، معاملات میں واقفِ کار اور شجاع ترین انسان تھے۔ خدا کی قسم! آپ مومنین کے سردار تھے۔ لوگوں کے ارتداد کے وقت آپ آگے بڑھے اور ان کو ارتداد سے بچالیا۔ اور ان کی پشت و پناہ بن گئے۔ اُمّتِ محمدیہ کے لیے آپ بمنزلہ باپ کے تھے۔ شفیق، مہربان اور اہلِ دین بمنزلہ اولاد کے ہوئے جن کی فردگزاشتوں کی آپ نے نگہداشت کی اور جو کچھ وہ نہ جانتے تھے اُن کو سکھایا۔ ان کی عاجزی کے وقت آپ نے جانبازی اور ثابت قدمی دکھائی۔ فریادیوں کی فریاد کو پہنچے۔ وہ اپنی رہنمائی کے لیے آپ کے پاس آئے اور آپ نے خدا کی مدد سے ان کو کامیاب بنایا۔ آپ کی شجاعت، تہوّر اور اولوالعزمی کا صدقہ ان کو وہ کچھ ملا جس کا اُن کو وہم و گمان تک بھی نہ تھا۔ (یعنی سلطنتِ رُوم و ایران کا قبضہ) کافروں کے حق میں آپ برقِ سوزاں سے کم نہ تھے اور مومنین کے لیے بارانِ رحمت سے زیادہ تھے۔ آپ اس پہاڑ کی مانند تھے جس کو نہ تو زمانے کے شدائد ہلا سکتے تھے اور نہ تیز و تند ہوا کے طوفان جنبش دے سکتے تھے اگرچہ آپ بدن کے ناتوان تھے، مگر آپ کا دل سب سے زیادہ قوی اور دلیر تھا۔ نہ تو آپ کی دلیل کو شکست ہوئی نہ آپ نے بُزدلی دکھائی اور نہ آپ کا دل راہِ راست سے بھٹکا۔ آپ کے مال نے آنحضرتؐ کو سب سے زیادہ نفع پہنچایا جس کے لیے وہ ہمیشہ آپ کے احسان کا تذکرہ کرتے رہتے تھے اور جس کا اجرِ عظیم خدائے تعالیٰ آپ کو مرحمت فرمائیگا اگرچہ آپ اپنے آپ کو ہمیشہ ناچیز تصور کرتے رہے لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک اور اس کے رسولؐ کی نظروں میں نیز تمام لوگوں کی نگاہوں میں سب سے زیادہ گرامی قدر ہے۔ اور ہم سب سے فضائل میں بازی جیت لی۔ آپ کی نسبت کسی کو طعن کا موقع نہ ملا کیونکہ آپ نے کبھی کسی کی بے جا رعایت نہیں کی۔ اس لیے لوگوں کے دلوں میں آپ کا جلال اور رعب و وقار قائم تھا۔ کمزور آپ کے نزدیک قوی تھا جب تک کہ اس کا حق نہ لے لیتے تھے۔ آپ کا سب سے زیادہ مقرب وہی تھا، جو سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کا فرمانبردار اور مطیع تھا۔ آپ کی رائے میں دانائی اور اولوالعزمی پائی جاتی تھی۔ اور اس کے طفیل آپ نے باطل کو شکست دے کر فنا اور مشکلات کا راستہ صاف کر دیا۔ اور آپ کی وجہ سے اسلام قوی بن گیا اور مسلمان مضبوط ہو گئے۔ اگرچہ آپ کی وفات نے ہماری کمر توڑ دی۔ لیکن آپ کی شان ہماری آہ و بکا سے ارفع ہے۔ آپ کا ماتم آسمانِ عظیم پر ہے لیکن ہم سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اور بجز اس کے کہ رضائے الٰہی پر رضامند رہیں، اور کچھ نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ کے حکم کو مان کر صبر شکر کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی قسم! آنحضرتؐ کی وفات کے بعد آپ کی وفات سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہ آئے گی آپ اسلام کے لیے عزت اور مسلمانوں کے لیے ملجا و ماوٰی تھے۔ اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کو جنابِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملائے، اور ہمیں آپ کے اجر سے محروم اور آپ کے بعد گمراہ نہ کرے۔ آخر میں ہم پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہتے ہیں۔ حاضرین نے نہایت سکون و خاموشی سے اس خطبہ کو

کو سنا، اور اس قدر روئے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ بالاتفاق سب نے کہا" اے رسولِ اکرمؐ کے عزیز و خویش! جو کچھ آپ نے فرمایا ہے سب سچ ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

اقوال حضرت عمر فاروقؓ

شبہ کے ساتھ کمانا مانگنے سے بہتر ہے۔

ایمان کے بعد بڑی نعمت عورت ہے۔

قبل اس کے کہ بزرگ بنو، علم حاصل کرو۔

اسراف اس کا بھی نام ہے کہ جس چیز کو انسان کی طبیعت چاہے کھائے۔

جو شخص اپنا راز پوشیدہ رکھتا ہے وہ گویا اپنی سلامتی کو اپنے قبضے میں رکھتا ہے۔

جو آدمی اپنے کو عالم کہے وہ جاہل ہے، اور جو اپنے آپ کو جنّتی بتائے وہ جہنّمی ہے۔

توبۃ النصوح اس کا نام ہے کہ بُرے فعل سے اس طرح پر توبہ کی جائے کہ پھر اس کو نہ کرے۔

قوتِ فی العمل یہ ہے کہ آج کے کام کل پر نہ اُٹھا رکھے جائیں۔

کسی مسلمان کے لیے یہ زیبا نہیں کہ تلاشِ رزق میں بیٹھ جائے۔ اور دعا کرے کہ اے خدا مجھ کو رزق دے۔ کیونکہ تم کو معلوم ہے کہ آسمان سے چاندی اور سونا نہیں برستا۔

اگر غیب دانی کے دعویٰ کا خیال نہ ہوتا تو میں کہتا پانچ اشخاص جنّتی ہیں (۱) وہ محتاج جو عیالدار مگر صابر ہو۔ (۲) وہ عورت جس کا خاوند اس سے راضی اور خوش ہو (۳) وہ عورت جس نے اپنے شوہر کا حقِ مہر معاف کر دیا ہو (۴) وہ جس کے والدین اس سے خوش ہوں (۵) وہ جو اپنے گناہوں سے سچّی توبہ کرے۔

ایک دفعہ ایک بکری ذبح کی گئی۔ آپ نے غلام سے فرمایا کہ سب سے پہلے میرے پڑوسی یہودی کو گوشت بھیجا جائے آپ نے بار بار یہی تاکید فرمائی۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ بار بار کیوں تاکید فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے بار بار اس کے متعلق تاکید فرمائی ہے، اس لیے میں بھی بار بار کہتا ہوں۔

تین چیزیں محبّت بڑھانے کا ذریعہ ہیں (۱) سلام کرنا (۲) دوسروں کے لیے مجلس میں جگہ خالی کرنا (۳) مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا۔

ندامت چار قسم کی ہوتی ہے (۱) ندامت ایک دن کی، جب کوئی شخص گھر سے بلا کھانا کھائے چلا جائے (۲) ندامت سال بھر کی کہ زراعت کا وقت غفلت میں گزر جائے۔ (۳) ندامت عمر بھر کی، جب بیوی سے موافقت نہ ہو۔ (۴) ندامت ابدی کہ خدائے برتر ناخوش ہو۔

آپ اکثر دُعا مانگتے کہ خدایا دنیا میں کوئی چیز باقی نہ رہے گی اور نہ کوئی حالت قائم رہے گی۔ تو مجھے ایسا کر دے کہ میں علم کے ساتھ بولوں اور حلم کے ساتھ خاموش رہوں۔ اے اللہ تو مجھ کو بہت دنیا نہ دے کیونکہ شاید میں سرکش ہو جاؤں، اور نہ بہت تھوڑی کیونکہ شاید میں تجھے بھول جاؤں۔ پس تھوڑی اور کافی ہونا بہ نسبت اس کے بہتر ہے کہ زیادہ ہو اور گناہوں میں مبتلا کرے۔

آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ کامل، کاہل، لاشے۔ کامل وہ ہے جو لوگوں سے مشورہ کرکے اس پر غور کرے۔ کاہل وہ ہے جو اپنی رائے پر چلے اور کسی سے مشورہ نہ کرے۔ لاشے وہ ہے کہ نہ وہ خود صاحب الرائے ہو اور نہ دوسرے سے مشورہ کرے۔

جب تم کسی صاحبِ علم کو دنیا کی طرف مائل دیکھو تو سمجھ لو کہ دین کے بارے میں وہ قابل الزام ہے، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا خواہاں ہوتا ہے اسی کی دھن میں ہر وقت لگا رہتا ہے۔

ایمان اس کا نام ہے کہ خدائے واحد کو دل سے پہچانے اور زبان سے اس کا اقرار کرے اور حکم شرع پر عمل کرے۔

تم نے لوگوں کو کیوں غلام بنا لیا ہے حالانکہ ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔

خشوع و خضوع کا تعلق دل سے ہے نہ کہ ظاہری حرکات سے۔

مقدمات کا جلد تصفیہ کرنا چاہیے تا کہ دعویٰ کرنے والا دیر کے سبب سے کہیں اپنے دعویٰ سے مجبوراً دستبردار نہ ہو جائے۔

بدخو کی دوستی سے احتراز لازم ہے کیونکہ وہ اگر بھلائی بھی کرنا چاہتا ہے تو بھی اس سے برائی سرزد ہو جاتی ہے۔

خدا تعالیٰ اس شخص پر رحمت فرمائے جو میرے عیوب پر مجھے مطلع کرتا ہے۔

جب عالم کو لغزش ہوتی ہے، تو اس سے ایک عالم لغزش میں پڑ جاتا ہے۔

ایک دن ایک شخص نے آپ کی تعریف کی تو فرمایا کہ کیا مجھے اور اپنے نفس کو ہلاک کرتا ہے۔

میں کسی چیز کو نہیں دیکھتا، مگر اس کے ساتھ اللہ کو دیکھتا ہوں۔

اگر میں ایسی حالت میں مر جاؤں کہ اپنی محنت و سعی سے اپنی روزی تلاش کرتا ہوں، تو مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ خدا کی راہ میں غازی ہو کر مردں۔

لوگوں کے ساتھ نیک خلق آدھی عقل ہے، حُسنِ سوال نصف علم ہے اور حسنِ تدبیر نصف معیشت ہے۔

طالب دنیا کو علم پڑھانا راہزن کے ہاتھ تلوار فروخت کرنا ہے۔

کسی کے خلق پر اعتماد نہ کر، تاوقتیکہ غصہ کے وقت اُسے نہ دیکھ لے۔

کسی کی دینداری پر اعتماد نہ کر، تاوقتیکہ طمع کے وقت اُسے نہ آزما لے۔

جو عیب سے واقف کرے، وہ دوست ہے اور منہ پر تعریف کرنا گویا ذبح کرنا ہے۔

ہنسنے سے عمر کم ہوتی ہے اور رعب و داب جاتا رہتا ہے۔ یہ موت سے غافل کا نشان ہے۔

طمع کرنا مفلسی ہے بے غرض ہونا امیری اور بدلہ نہ چاہنا صبر ہے۔

نیکی کے عوض نیکی حق ادائیگی ہے، اور بدی کے عوض نیکی احسان ہے۔
کم بولنا حکمت ہے، کم کھانا صحت، کم سونا عبادت، اور عوام سے کم ملنا عافیت ہے۔
بڑھاپے سے پہلے جوانی اور موت سے پہلے بڑھاپا غنیمت جان۔
سخی حبیب خدا تعالیٰ ہے، اگرچہ فاسق ہو، بخیل دشمن خدا ہے اگرچہ زاہد ہو۔
ظالموں کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم ہے۔
جب حلال و حرام جمع ہوں تو حرام غالب ہوتا ہے۔ چاہے وہ تھوڑا ہی سا ہو۔
نہیں دوستی رکھتے مومن مخالفین خدا و رسولؐ سے، اگرچہ ماں باپ ہوں۔
بدترین آوازیں دو ہیں، راگ کی اور نوحہ کی۔
سلامتی گمنامی میں ہے یا خلوت میں۔
ہم حرام کے خوف سے نو حصے حلال بھی ترک کر دیتے ہیں۔
نہیں حاصل ہوتا مطلب بغیر خوف کے، خصلت اچھی بغیر ادب کے، خوشی بغیر امن کے، تونگری بغیر بخشش کے، فقیری بغیر قناعت کے، رفعت بغیر تواضع کے، جہاد بغیر توفیق خدا کے۔
مشغولی سے پہلے فراغت اور موت سے پہلے بڑھاپا غنیمت جان۔
عزتِ دنیا مال سے ہے اور عزتِ آخرت اعمال سے ہے۔
دوزخ سے بچو اگرچہ آدھے خرما ہی کی بدولت ہو۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو میٹھی بات ہی سہی۔
آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی آپ کی خاطر اپنی جگہ سے اُٹھتا تو آپ اس جگہ نہ بیٹھتے۔
نماز کے بعد حالاتِ رعیت سے باخبر ہونے کے لیے آپ شہر مدینہ کے گلی کوچوں میں گشت فرمایا کرتے۔ اثنائے گشت میں بعض نہایت عجیب و غریب واقعات ظہور میں آئے۔
ایک دفعہ آپ بازار گئے۔ راستے میں ایک جوان عورت ملی اور کہنے لگی "اے امیر المؤمنین! میرا خاوند ہلاک ہو گیا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے۔ ان بچوں کے پاس نہ زمین ہے کہ اس کی آمدنی پر گزارہ کر سکیں نہ کوئی جانور ہے کہ اس کا دودھ پی سکیں، نہ کوئی بکری ہے کہ اس کے گوشت سے اپنا پیٹ بھر سکیں۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ بچے کہیں بھوکے نہ مر جائیں۔ میں خفاف بن ایمن غفاری کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ واقعہ حدیبیہ میں آنحضرت کے ساتھ شریک تھا۔" حضرت عمرؓ اس عورت کی بات سننے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جب اس عورت نے اپنی بات ختم کر لی تو آپ نے مرحبا کہہ کر گھر لوٹے۔ گھر میں ایک اُونٹ بندھا ہوا تھا۔ آپ نے اُسے کھولا اور دو بوریاں اس پر لادیں۔ یہ بوریاں سامان اکل و شرب اور دیگر اشیائے ضروریات سے پُر تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اس اُونٹ کی مہار اس عورت کے ہاتھ میں پکڑا دی اور فرمایا، لے جاؤ یہ تمہارے لیے کافی ہے۔ جب تک کہ تمہارے پاس مال آ
ایک دفعہ مدینہ منورہ میں چند تاجر آئے اور عیدگاہ میں قیام کیا۔ جب کچھ رات گزر گئی تو حضرت عمرؓ حضرت

عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اپنے ساتھ لے کر ان سوداگروں کے خیمے پاس گئے تاکہ رات بھر اِن کی حفاظت کریں۔ اثنائے حفاظت میں حضرت عمر فاروقؓ نے ایک لڑکے کے رونے کی آواز سنی۔ آپ اس کی طرف آئے اور اس کی ماں سے کہا "خدا کا خوف کر، اس بچے کو نہ رُلا۔" یہ کہہ کر آپ واپس آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد بچے نے پھر رونا شروع کر دیا۔ آپ نے پھر آ کر اس کی ماں سے وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جب تیسری مرتبہ بچے کے رونے کی آواز سنی تو پھر اس کی ماں کے پاس آئے اور کہا "افسوس! میں نہیں سمجھتا، تو اپنے بچے کو اس طرح کیوں رُلا رہی ہے؟ آخر کیا بات ہے، یہ چپ کیوں نہیں ہوتا؟" اس عورت نے کہا "اے بندۂ خدا! تیرا کیا مطلب ہے؟ تو اپنی راہ لے۔ تو نے مجھے رات گزارنی دشوار کر دی ہے۔ میں اپنے بچے کو دُودھ چھڑانے کی عادت کر رہی ہوں۔" آپ نے پُوچھا کیوں؟ اس نے کہا "اس لیے کہ جب تک بچے کا دودھ نہ چھڑایا جائے، عمرؓ وظیفہ مقرر نہیں کرتے۔" آپ نے پوچھا "ابھی اس کے کتنے مہینے اور باقی ہیں"؟ اس عورت نے بتایا کہ اس قدر باقی ہیں۔ آپ نے فرمایا، "اچھا جلدی نہ کرو ابھی اِسے دُودھ پینے دو۔"

حضرت عمرؓ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو نہایت آبدیدہ ہو کر اپنے کو مخاطب ہو کر کہنے لگے، "افسوس اے عمرؓ! تو نے مسلمانوں کی بہت اولاد مروا ڈالی ہوگی۔" اس کے بعد حضرت عمرؓ نے تمام بلاد و امصار میں یہ اعلان کر دیا کہ کوئی عورت اپنے بچے کے دُودھ کو چھڑانے میں جلدی نہ کرے۔ اب سے ہر ایک دُودھ پیتے بچے کا بلا استثناء وظیفہ مقرر کر دیا جایا کرے گا۔

ایک بار حضرت عمر فاروقؓ علاقہ شام سے واپس آئے تو آپ تنہا ہو کر لوگوں سے حالات دریافت کرنے لگے۔ آپ ایک بڑھیا کے پاس سے گزرے اور اس سے اس کا حال پوچھا۔ بڑھیا نے کہا عمرؓ کا کیا حال ہے؟

حضرت عمرؓ: بڑھیا! وہ ابھی شام سے واپس آئے ہیں۔

بڑھیا: اللہ تعالیٰ انہیں میری طرف سے جزائے خیر دے۔

حضرت عمرؓ: کیوں؟ آخر اس کا سبب؟

بڑھیا: جب سے وہ خلیفہ ہوئے ہیں مجھے آج تک بیت المال سے ایک پیسہ نہیں ملا۔

حضرت عمرؓ: بڑھیا! عمرؓ کو تیرا حال معلوم نہیں۔

بڑھیا: سبحان اللہ! یہ آپ نے کیا کہا؟ جو شخص خلیفہ ہو، اور پھر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ مشرق و مغرب کے درمیان کیا ہو رہا ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

اس بڑھیا کے یہ الفاظ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگے کہ اے عمرؓ! تجھ پر افسوس ہے، تیری رعایا تجھ سے کیسی جھگڑتی ہے۔ ہر شخص تجھ سے زیادہ فقیہ ہے۔

اس کے بعد آپ نے بڑھیا سے کہا "اے بڑھیا! تو اپنی داد خواہی کتنے میں فروخت کر کے اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو سکتی ہے؟ میں عمرؓ کو اس پر راضی کر لوں گا۔"

بڑھیا نے کہا اللہ تعالیٰ تم پہ رحم کرے، میرے ساتھ تمسخر نہ کرو۔

حضرت عمرؓ : بی اماں! میں تم سے تمسخر نہیں کرتا۔

آخر آپ نے بیس درہم میں اس کی دادخواہی خرید لی۔ اس بڑھیا سے رخصت ہونے ہی کو تھے کہ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعود السلام علیک یا امیرالمؤمنین کہتے ہوئے آموجود ہوتے۔

بڑھیا "امیرالمؤمنین" کا لفظ سنتے ہی سخت پریشان ہوئی اور افسوس کرنے لگی کہ اس نے امیرالمؤمنین کے رُوبرو انہیں بُرا کہا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا "اے بڑھیا افسوس نہ کر۔ تو نے جو کچھ کہا ہے، بجا کہا ہے۔ تو نے کوئی الزام کی بات نہیں کہی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے پوستین کے ایک ٹکڑے پر جو عبارت لکھی اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ تحریر اس امر کے متعلق کہ عمرؓ نے فلاں بڑھیا سے اپنی ابتدائے خلافت سے اب تک اس کی دادخواہی بیس درہم میں خرید لی۔ اب اگر وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے دعویٰ کرے تو میں اس سے بری ہوں۔ علیؓ اور عبداللہ بن مسعود اس پہ گواہ ہیں۔"

ایک عورت کے اعتراض اٹھانے پر آپ نے فرمایا "اسے مت روکو، کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں، اور ہم نہ مانیں یا نہ سنیں تو ہم بے مصرف ہیں۔"

آپ نے ایک شخص کو مچھلی لانے کے لیے بھیجا۔ اس نے جوشِ خدمت کے جذبہ سے تعمیل حکم میں اس قدر تعجیل کی کہ اونٹنی پسینے سے شرابور ہوگئی۔ آپ نے اونٹنی کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا "اب میں یہ مچھلی نہیں کھاؤں گا کیونکہ میری وجہ سے اس کو اس قدر تکلیف پہنچی ہے۔"

حضرت عمرؓ مختلف بلاد کے گورنروں کے حالات کی ہمیشہ تفتیش کرتے۔ ایک دفعہ آپ نے اہل حمص سے دریافت کیا کہ تمہارا امیر کیسا ہے؟ عرض کیا، اے امیرالمؤمنین! ہمارا امیر نہایت اچھا آدمی ہے۔ ہم اس میں صرف ایک نقص پاتے ہیں کہ اس نے اپنی رہائش کے لیے ایک محل بنوا لیا ہے۔

حضرت عمرؓ یہ سن کر آگ بگولا ہوگئے۔ اسی وقت ایک قاصد روانہ کیا اور اُسے حکم دے دیا کہ امیر کے محل پر پہنچتے ہی لکڑیاں جمع کر کے محل کے دروازے میں آگ لگا دے۔ لوگوں نے فوراً امیر کو اطلاع دی کہ ایک شخص لکڑیاں جمع کر کے دروازے پر آگ لگا رہا ہے۔ امیر نے کہا، لگانے دو، امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کا قاصد ہے۔ پھر حمص کے امیر خود قاصد کے پاس آئے۔ امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کا حکم پڑھ کر مدینہ طیبہ روانہ ہوگئے۔ اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس امیر کو تین دن دھوپ میں رکھو۔ چنانچہ انہیں تین دن دھوپ میں رکھا گیا۔

چوتھے روز حضرت عمرؓ نے اپنے ہمراہ انہیں سنگستان میں لے گئے۔ اس سنگستان میں زکوٰۃ کے اونٹ بندھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے امیر کو پہننے کے لیے ایک کمبل دیا اور امیرانہ لباس اتروا لیا۔ پھر حکم دیا کہ ان تمام

اونٹوں کو پانی بھر بھر کر پلاؤ۔ جب وہ تمام اونٹوں کو پانی پلا چکے تو تھک کر چور ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا تھک کیوں گئے؟ پہلے بھی تو یہی کام کرتے تھے۔ امیر نے عرض کیا، امیر المومنین! اس کام کو چھوڑے ہوئے مدت گزر گئی۔ آپ نے فرمایا "پھر اسی لیے تم نے بالاخانہ بنوایا تھا اور مسلمانوں سے اونچے ہو ہو کر سوتے تھے؟ اب اپنے عہدے پر واپس جاؤ، مگر آئندہ کبھی ایسا کام نہ کرنا"۔

قیصر روم نے اپنا ایلچی حضرت عمرؓ کے پاس اس لیے بھیجا کہ آپ کے حالات و خیالات اور انتظامات سلطنت سے واقف و مستفیض ہو سکے۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ لوگ کہنے لگے کہ ہمارا بادشاہ تو کوئی نہیں البتہ ایک امیر ہے جو کہیں شہر سے باہر نکلا ہے۔ وہ قاصد آپ کی تلاش باہر نکلا تو کیا تو دیکھتا ہے کہ آپ اپنا کوڑا بطور تکیہ رکھے ہوئے دھوپ میں گرم ریت پر سو رہے ہیں۔ آپ کی پیشانی سے اس قدر پسینہ بہ رہا ہے کہ اس نے زمین کو تر کر دیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ سخت متعجب ہوا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ حضرت عمرؓ عدل کرتے ہیں اور بے خوف سو رہے ہیں۔ ہمارا بادشاہ ظلم کرتا ہے، اس لیے وہ خائف و بیدار رہتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جب کبھی کوئی قافلہ باہر سے آکر نواح مدینہ میں اترتا تو آپ تمام رات چوکیداری کیا کرتے۔ ایک رات آپ گشت کرتے ہوئے ایک بدو کے خیمے کے پاس سے گزرے۔ بدو خیمہ کے سامنے سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ حضرت عمرؓ اس کے پاس جا پہنچے اور اس سے سفر وغیرہ کے حالات پوچھنے لگے۔ یہ بدو نہایت مغموم و پریشان حال بیٹھا تھا۔ حضرت عمرؓ اس سے گفتگو کر رہے تھے کہ خیمہ کے اندر سے ایک عورت کے کراہنے کی آواز آئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کس کی آواز ہے؟ بدو نے کہا کہ میری عورت کو دردِ زِہ ہے۔ وہ بیچاری اس وقت سخت مصیبت کی حالت میں ہے۔ مجھ میں اتنی وسعت نہیں کہ کسی دایہ وغیرہ کو بلاؤں۔ حضرت عمرؓ یہ سنتے ہی شہر کی طرف لوٹے اور گھر آئے۔ آپ کی زوجہ حضرت ام کلثومؓ جو نیکی، حلم اور محبت کی مجسم تصویر تھیں آپ فی الفور انہیں اپنے ہمراہ لے کر اس بدو کے خیمے کے پاس آئے اور بدو سے کہا کہ کیا آپ میری بیوی کو خیمہ کے اندر جانے کی اجازت دے سکتے ہیں تاکہ وہ اندر جا کر آپ کی بیوی کو تسلی و تشفی دیں اور ممکن امداد کر سکیں۔ چنانچہ بدو نے اجازت دے دی۔ حضرت ام کلثوم اندر تشریف لے گئیں۔ پہلے چراغ روشن کیا اور پھر تیمارداری میں مصروف ہو گئیں۔

بدو کو اس وقت تک معلوم نہ تھا کہ یہی صاحب جو میری خدمت میں اس قدر دل و جان سے مصروف ہیں امیر المومنین ہیں۔ جس وقت امیر المومنین کی بیوی ام کلثوم خیمہ کے اندر تیمارداری میں مصروف تھیں، بدو حضرت عمرؓ کے پاس آکر بیٹھ گیا اور کہا، سنا ہے حضرت عمرؓ بڑے سخت گیر ہیں۔ کیا تم انہیں جانتے ہو؟

حضرت عمرؓ: واقعی وہ سخت گیر ہیں۔

بدو: میں حیران ہوں مدینہ کے لوگوں نے کیوں اسے اپنا امیر بنا لیا؟

حضرت عمرؓ: مسلمانوں کی مرضی۔ شاید ان کی نظر میں عمرؓ اچھا آدمی ہوگا، اور کثرتِ رائے نے انہیں امیر منتخب کر لیا۔

بدو: وہ بڑے پُرلطف کھانے کھاتا ہوگا؟

حضرت عمرؓ : ہاں بڑے لذیذ کھانے کھاتا ہے۔

حضرت عمرؓ اور بدو کے درمیان اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت اُم کلثومؓ کی آواز آئی۔

"امیر المؤمنین! اپنے دوست کو خوشخبری دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے فرزند عطا کیا ہے۔"

بدّو امیر المؤمنین کا نام سنتے ہی گھبرا کر آپ کے برابر سے اُٹھ کر آپ کے سامنے آبیٹھا اور اپنی گستاخی کی معذرت کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، کوئی حرج نہیں، قوم کا سردار قوم کا سچا خادم ہوتا ہے۔ کل صبح تم میرے پاس آنا۔ میں بیت المال سے تمہارے بچے کا وظیفہ مقرر کر دوں گا۔ اگلے روز علی الصبح بدّو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کے بچے کا وظیفہ مقرر کر دیا اور اس بدّو کو بھی کچھ مال دے کر رخصت کیا۔

سب سے پہلے امیر المؤمنین لقب آپ کا ہوا۔ آپ کے دستر خوان پر دو سالن کبھی نہ ہوتے تھے۔

آپ کی قمیص اور ازار میں چودہ پیوند تھے۔ ایک پیوند سُرخ چمڑے کا بھی تھا۔

فرمایا کرتے، کاش میں ایک مینڈھا ہوتا۔ میرے گھر والے مجھے موٹا کر کے ذبح کرتے۔ پھر پکا کر کھا لیتے اور فضلہ ہو کر باہر نکلتا۔ مگر بشر نہ ہوتا۔

رانڈوں اور یتیموں کے لیے آٹے کا تھیلا اپنی پُشت پر لاد تے۔ اگر کوئی کہتا، لاؤ ہم اُٹھا لیں، تو فرماتے، قیامت کے دن میرے گناہ کون اُٹھائے گا۔؟

حضرت ابوبکرؓ صدیق جس طرح ارحم اُمّت تھے۔ اسی طرح آپ امرِ خدا تعالیٰ میں اشدّ تھے۔

فرمایا کرتے کہ اگر خوف حساب کا نہ ہوتا تو میں بھی ایک بکری تنور میں بھون کر کھاتا۔

نگینۂ مُہر پر یہ کندہ تھا، کَفیٰ بِالْمَوْتِ وَاعِظًا یَا عُمَرُ (ترجمہ) اے عمر! نصیحت کے لیے موت ہی کافی ہے۔

آپ نے ایک شراب نوش کو بحالتِ مستی دیکھا اور چاہا کہ اس کو دُرّے لگائیں، تو اس نے گالیاں دیں۔ آپ نے اُسے چھوڑ دیا اور فرمایا، چونکہ اس نے مجھے غصہ دلایا تھا۔ اس لیے اگر میں اس کو دُرّے مارتا تو یہ سزا اپنے غصّے کی تسکین کے لیے دیتا نہ کہ خداوند عالم کے حکم کے مطابق۔

ایک دفعہ حضرت سلمانؓ فارسی آپ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا، اے سلمانؓ! میرا وہ احوال جو تمہیں بُرا معلوم ہوتا ہو، مجھے سچ سچ بتاؤ۔ انہوں نے کہا، مجھے اس سے معاف رکھیے۔ فرمایا ضرور بیان کرو۔ جب بہت الحاح کیا تو حضرت سلمانؓ نے کہا، میں نے سُنا ہے کہ آپ کے دسترخان پر ایک وقت میں دو قسم کا کھانا ہوتا ہے۔ اور آپ کے پاس پیراہن دو ہیں، ایک دن کا اور دوسرا رات کا۔ آپ نے فرمایا اے سلمانؓ! یہ دونوں باتیں تو نہیں ہیں۔ کچھ اور دیکھا یا سُنا ہو تو وہ بتاؤ۔ انہوں نے کہا، اور کچھ نہیں ہے۔

ایک مجلس میں کسی شخص نے آپ کے سامنے ایک شخص کی بہت تعریف کی۔ آپ نے فرمایا، کیا تم نے اس کے ساتھ کبھی کوئی سفر کیا ہے؟ اس نے کہا، نہیں۔ آپ نے پوچھا، کیا اس شخص کے ساتھ تمہارا کوئی معاملہ پڑا ہے؟ اس نے کہا

نہیں۔ آپ نے فرمایا، پھر تمہاری یہ تعریف تصدیق طلب اور مشتبہ ہے، تاوقتیکہ تمہارا اس کے ساتھ کوئی معاملہ نہ پڑے یا اتفاق سفر نہ ہو۔ نیز آدمی کے نماز روزہ کو نہیں، بلکہ اس کی خوش معاملگی، انسانی ہمدردی، دانائی اور راست بازی کو دیکھنا چاہیے۔

حُلیہ مُبارک: رنگ گندمی، قد اتنا لمبا کہ ہزاروں کے مجمع میں بھی سب سے نکلتا ہُوا۔ رخساروں پر گوشت کم داڑھی گھنی، مونچھیں بڑی بڑی۔ سامنے سے سر کے بال اُڑے ہوئے۔

مسکن: مکے میں صفا و مروہ کے درمیان ان کا مکان تھا، جسے اپنے ایّامِ خلافت میں گرا کر حاجیوں کے اُترنے کے لیے میدان بنوا دیا۔ چند دکانیں تھیں جو عرصہ تک آپ کے خاندان کے قبضے میں رہیں۔ ہجرت سے پہلے عوالی میں رہتے تھے۔ پھر مسجد نبوی کے پاس ایک مکان لے لیا۔ اسی مکان کو بیچ کر ان کا قرضہ ادا کیا گیا۔

لباس نہایت معمولی اور سادہ لباس پہنا کرتے تھے۔ گلے میں قمیض، سر پر عمامہ یا برنس کی قسم کی ٹوپی رکھتے۔ جوتا عربی وضع کا تسمہ دار ہُوا کرتا۔ عموماً کپڑوں میں پیوند لگے ہوتے۔ موٹا جھوٹا کپڑا پہنتے۔ باریک کپڑے سے سخت نفرت تھی۔ مگر صفائی کو ملحوظ رکھتے۔ رہبانیت کے لباس سے نفرت کرتے۔

غذا: لباس کی طرح غذا بھی سادہ ہُوا کرتی۔ عام طور پر گیہوں کی روٹی اور زیتون کا تیل کھایا کرتے۔ قحط کے ایّام میں جَو کی روٹی پر قناعت کرتے۔ کبھی کبھی گوشت ترکاری یا سرکہ بھی معمولی خوراک کے علاوہ آپ کے دستر خوان پر ہُوا کرتا۔

آپ کے علوِ مرتبت کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضؓ"۔ (ترجمہ) اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتے۔

معاش: مکے میں تجارت کیا کرتے۔ مدینہ میں بٹائی پر زراعت کرا لیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد معمولی گزر اوقات کے لیے جاگیر ہوگئی۔ خیبر میں بھی دو جاگیریں تھیں مگر ان کو وقف کر دیا تھا۔ ایامِ خلافت میں بمشورۂ صحابہ کرامؓ اتنا وظیفہ مقرر ہوگیا جس سے معمولی لباس و خوراک چل سکے۔ مگر جب ۱۵ھ میں سب لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو جنگِ بدر کے شرکا میں ہونے کی وجہ سے آپ کا بھی پانچ ہزار درہم سالانہ روزینہ مقرر ہوگیا۔

تقریر و تحریر: آپ کی تقریر بلیغ، تحریر زبردست اور فصیح ہوتی۔ اکثر دفعہ تیاری کیے بغیر برمحل و برجستہ خطبہ دیا کرتے۔ البتہ نکاح کے خطبات، جیسا کہ آپ کا اپنا بیان ہے، اچھے بن نہ پڑتے۔

مذاقِ شعر: آپ بھی شعر کہا کرتے تھے مگر بہت کم۔ شعرا کے اشعار بڑی کثرت سے یاد تھے۔ چنانچہ کسی معاملے کو فیصل کر چکتے تو اس کے مناسب حال ضرور کوئی شعر بھی پڑھ دیا کرتے۔ بُرے اشعار سے سخت نفرت تھی۔

ذہانت و علم: آپ بڑے ذہین تھے۔ ہر ایک بات میں دقیق نکتے نکالتے تھے۔ رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ بلکہ اکثر دفعہ اتفاق ہُوا ہے کہ ان کی رائے کے موافق آیاتِ قرآنی نازل ہوئی ہیں۔ علوم قرآن حدیث و فقہ اور علم انساب میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ نماز باجماعت کے سخت پابند تھے۔ حج ہر سال کیا کرتے۔ اخیر عمر میں متصل

روزے رکھنے شروع کیے تھے۔ غرور و تکبر بالکل نہ تھا۔ تواضع اور سادگی کے دلدادہ تھے۔ بارہا مکّے اور مدینے کی آمد و رفت میں خیمہ، شامیانہ ساتھ نہیں لیا۔ جہاں اُترے کسی درخت پر کپڑا ڈال کر اس کے سائے میں لیٹ رہے۔

خلافت کے ایام میں بھی کبھی کوئی بات ایسی نہیں کی جس سے اوروں پر کوئی خصوصیّت و تفوّق ظاہر ہو۔ عام مسلمانوں کے مجمع میں ناواقف لوگ یہ نہ سمجھ سکتے کہ خلیفہ کون ہے۔ اُمورِ خلافت سے فراغت کے بعد بیوہ عورتوں کے گھر پانی بھرتے اور اکثر مسجد میں فرش پر لیٹے ہوتے۔

ایک درویش کا اُونٹ اندھیری رات میں گم ہوگیا۔ آپ اس کی تلاش میں ننگے پاؤں پھرتے اور فرماتے تھے، اگر فرات کے کنارے خارشتی اُونٹ چھوڑا جائے اور اسے تیل نہ مَلا جائے تو قیامت کے دن اس کی نسبت ضرور پوچھا جائے گا۔

مزاج: آپ قدرتاً مزاج کے تند و تیز اور زود رنج تھے۔ اسلام لانے پر بھی عرصہ تک اس کا اثر رہا۔ مگر آنحضرتؐ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی برکت صحبت سے آپ میں اعتدال پیدا ہوگیا تھا۔ مزاج کی سختی ہی کا نتیجہ تھا کہ نہ آپ عورتوں کے دلدار تھے، نہ بال بچوں اور اہل خاندان کے ساتھ غیر معمولی محبّت رکھتے۔ البتہ اپنے بھائی زید سے بہت اُلفت تھی۔ جس کے جنگ یمامہ میں شہید ہونے پر سخت قلق ظاہر کیا۔

عدل: آپ کا عدل و انصاف مشہورِ روزگار ہے۔ آپ ہمیشہ بغیر رُو رعایت کے بے لاگ انصاف فرماتے رہے فاتح مصر عمرو بن العاصؓ کے بیٹے عبداللہ کو جس نے کسی شخص کو بے وجہ مارا تھا۔ آپ نے اس کے باپ کے سامنے کوڑے لگوائے مگر کسی کو حوصلہ نہ پڑا کہ کچھ مخالفت کر سکے۔ فاتح شام حضرت خالدؓ بن ولید کو معزول کیا۔ فاتح ایران سعد بن وقاص سے جواب طلبی کی۔ خالدؓ کی معزولی کے بعد آپ نے شام کے سفر میں ایک مجمع میں اپنی بریّت بیان کی، تو ایک شخص نے آپ کے سامنے یہ کہہ دیا۔ "اے عمرؓ! خدا تعالیٰ کی قسم، تو نے انصاف نہیں کیا۔ رسولؐ اللہ کے عامل کو معزول اور رسولؐ اللہ کی تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔ تو نے قطع رحم کیا۔ اور اپنے برادرِ عم زاد پر حسد کھایا"۔ آپ نے جواب میں صرف اتنا کہا "تمہیں اپنے بھائی کی حمایت میں غصّہ آگیا"۔

معاملات عدل میں دوست و دشمن کی تمیز اور خویش و اقارب کا ہرگز پاس نہ رکھتے۔ چنانچہ اپنے فرزند ابو شحمہ کو شراب پینے کی علت میں اسّی کوڑے لگوائے۔ جس کے صدمے سے وہ قضا کر گئے۔ پھر اپنے سالے قدامہ بن مظعون کو بھی اسی قسم کی سزا دی۔

آپ ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دربان نہ رکھے گا، اور اہل حاجت پر کبھی اپنا دروازہ بند نہ کرے گا۔

حضرت عمرؓ جب کسی کو کسی صوبے یا شہر کا والی مقرر کرتے تھے تو پہلے اس کی جائداد اور اندوختہ کا حساب لے لیتے تھے اور جب وہ اپنے منصب سے الگ ہوتا، یا اس کے متعلق دوران تقرر اگر ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس کے پاس غیر معمولی دولت جمع ہوگئی ہے تو وہ اس کا محاسبہ کرتے اور پوچھتے کہ "مِنْ اَیْنَ لَکَ ھٰذَا" (یہ دولت تمہارے پاس کہاں سے آئی؟)۔ اس احتساب اور دار و گیر سے بڑے بڑے صحابیؓ تک محفوظ نہ تھے۔ اور اگر ان میں کسی کی غلطی پکڑی جاتی

تھی، تو ان کی باقاعدہ تادیب ہوتی تھی۔ اور حضرت عمر ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتتے تھے۔

ایک شخص نے شکایت کی کہ فلاں عامل نے مجھے بے قصور کوڑے مارے ہیں مستغیث کو حکم دیا گیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو سو کوڑے مارے۔ عمرو بن العاص ؓ کی التجا نے بھی کچھ اثر نہ کیا۔ چنانچہ مستغیث کو ایک ایک تازیانے کے عوض عامل نے دو دو اشرفیاں دے کر اپنی جان چھڑائی۔

حضرت ابوہریرہ کا محاسبہ: حضرت ابوہریرہ ؓ بحرین کے والی تھے۔ حضرت عمر ؓ نے انہیں معزول کر کے واپس بلایا اور پوچھا "میں نے تمہیں بحرین کا والی مقرر کیا تھا تو تمہارے پاس جوتے تک بھی نہ تھے۔ اور اب مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے سولہ سو دینار کے گھوڑے خریدے ہیں۔" حضرت ابوہریرہ ؓ نے کہا "ہمارے ہاں گھوڑے تھے جن کے بچے پیدا ہوئے نیز ہمیں عطیات ملے"۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا "میں نے تمہاری معاش اور وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اور اب جو کچھ تمہارے پاس ہے، یہ فاضل ہے۔ اسے واپس دے دو"۔

حضرت ابوہریرہ ؓ نے جواب دیا "تمہارا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔" حضرت عمر ؓ نے فرمایا "خدا کی قسم۔ میرا اس پر حق ہے اور میں تمہاری پیٹھ پر دُرّے لگاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اُٹھے، ہاتھ میں دُرّہ لیا اور انہیں اتنے دُرّے مارے کہ لہولہان کر دیا۔ حضرت ابوہریرہ فرمانے لگے۔ "میں یہ معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں۔" اس پر حضرت عمر ؓ بولے "کاش تم نے یہ حلال طریقے سے حاصل کیا ہوتا۔ اور تم اسے اپنی رضی سے خوشی خوشی دے دیتے۔ کیا بحرین کے اطراف و اکناف سے تمہارے لیے لوگ محصول لاتے تھے یا اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے لیے"؟

حارث بن کعب ؓ کا محاسبہ: حضرت عمر ؓ نے حارث بن کعب ؓ سے فرمایا۔ "یہ تمہارے پاس اچھی قسم کے اُونٹ اور غلام کہاں سے آگئے؟ ان کو دو سو دینار میں فروخت کر دو۔"

اس نے جواب دیا "میں گھر سے کچھ نقدی لے کر آیا تھا، اس سے میں نے تجارت کی۔"

حضرت عمر ؓ نے فرمایا "خدا کی قسم میں نے تمہیں اس لیے والی نہیں بنایا تھا کہ تم جا کر مسلمانوں کے مال کے ساتھ تجارت کرو۔ اب اس مال کو واپس کر دو۔"

حارث ؓ نے جواب دیا۔ "خدا کی قسم! آج کے بعد میں تمہارا کوئی کام اپنے ذمے نہیں لوں گا۔"

حضرت عمر ؓ نے فرمایا "اس دن کا انتظار کرو، جب میں تمہیں کہیں کا والی مقرر کروں گا۔" یہ کہہ کر آپ نے اسے معزول کر دیا۔

سعد بن ابی وقاص ؓ بہت بڑے مرتبے کے صحابی اور نوشیروانی پایۂ تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمر ؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ لیکن جب لوگوں نے ان کی شکایت کی تو معزول کر دیا۔

خالد بن ولید ؓ کا محاسبہ: حضرت خالد بن ولید ؓ حمص میں تھے۔ ان کے متعلق حضرت عمر ؓ کو اطلاع ہوئی کہ انہوں نے اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم عطا کیے ہیں۔ حضرت عمر ؓ نے انہیں معزول کر دیا اور لوگوں کے سامنے انہیں کھڑا

کیا چنانچہ ان کا عمامہ ان کے گلے میں ڈالا گیا۔ اور سر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی گئی۔ پھر ان سے پوچھا کہ بتاؤ یہ رقم تمہیں کہاں سے آئی؟ حضرت خالدؓ نے کہا "مال غنیمت سے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "خدا کی قسم! آج کے بعد تم میرا کوئی کام نہ کرنا۔ آپ نے ان کا آدھا مال بٹوا لیا۔ اور تمام صوبوں میں ان کے معزول کئے جانے کی اطلاع بھیج دی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کا محاسبہ: حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت عمرؓ نے مصر کا والی مقرر کیا تھا۔ آپ کو خبر ملی کہ عمرو بن العاص نے بہت سا مال و زر جمع کر لیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ بتاؤ یہ سب کچھ کہاں سے آیا؟

زبیر بن بکار کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کو خط میں لکھا تھا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس اس وقت جو مال ہے، وہ نہ تمہارے والی بننے سے پہلے تمہارے پاس تھا اور نہ وہ تمہارے وظیفہ کا ہے۔ بتاؤ، یہ تمہارے ہاں کہاں سے آیا؟ میرے پاس مہاجرین اولین میں سے تم سے بہتر لوگ موجود تھے، لیکن میں نے تمہیں اس خیال سے مصر کا والی مقرر کیا تھا کہ تم روپے پیسے سے بے نیاز رہو گے۔ تم مجھے فوراً لکھو کہ یہ مال تمہارے پاس کہاں سے آیا؟"

عمرو بن العاص نے اس کے جواب میں لکھا "میں امیر المؤمنین کے خط کا مطلب سمجھ گیا۔ باقی جس مال کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، سو بات یہ ہے کہ ہم ایک ایسی سرزمین میں ہیں، جہاں چیزیں سستی ہیں۔ جنگیں اور غزوے کثرت سے ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ہمارے ہاں وہ مال جمع ہو گیا ہے جس کی خبر آپ کو پہنچی ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم اگر آپ کی خیانت کرنا حلال بھی ہوتا، تو بھی میں آپ کی خیانت نہ کرتا۔ جب کہ آپ نے میرے ذمّے امانت سپرد کر دی ہے، کیونکہ ہمارا نسب ایسا ہے کہ جب ہم اس کا خیال کرتے ہیں تو خیانت کا خیال ہی نہیں آتا۔ آپ کے ہاں مہاجرین اولین میں سے ایسے لوگ موجود ہیں، جو مجھ سے بہتر ہیں۔ اگر ایسا ہے تو اے امیر المؤمنین! میں نے آپ کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا تھا اور نہ آپ کا قفل کھولا تھا۔"

حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں لکھا۔ "میں نے تمہیں جو خط لکھا تھا اور تم سے جو بات کہی تھی۔ میرا اس سے کوئی ذاتی مقصد و مفاد نہ تھا لیکن بات یہ ہے کہ تم اُمرا لوگوں کے اموال دبا کر بیٹھ گئے ہو، اور تمہارے پاس اس کے متعلق عذر پیش کرنے کی کوئی کمی نہیں۔ بے شک تم اس طرح آگ کھاتے ہو، اور عار کی طرف سرعت سے جا رہے ہو۔ میں تمہاری طرف محمد بن مسلمہ کو بھیج رہا ہوں۔ تم اپنے مال کا نصف اس کے حوالے کر دو۔"

جب محمد بن مسلمہ مصر پہنچے تو عمرو بن العاص نے اُن کے لیے کھانا تیار کرایا اور انہیں کھانے کی دعوت دی لیکن محمد بن مسلمہ نے انکار کر دیا اور کہا "یہ بُرائی کی ابتدا ہے۔ اگر تم میرے سامنے مہمان سمجھ کر کھانا رکھتے، تو میں کھا لیتا لیکن میں ایک مقرر کردہ محاسب کی حیثیت سے بحکم امیر المؤمنین آیا ہوں۔ لہٰذا اب یہ کھانا اٹھا لو۔"

ایک نوجوان چوری کے جرم میں آپ کے رُوبرو پیش کیا گیا۔ تصدیق و تحقیق کے بعد بموجب حکم شرع آپ نے اس کے ہاتھ کاٹے جانے کا حکم فرمایا۔ نوجوان نے نہایت عجز و زاری کے ساتھ معافی کی التجا کی کہ یہ میری پہلی چوری ہے آئندہ میں ہرگز چوری نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا، تم غلط کہتے ہو۔ اس سے پہلے تم نے متعدد مرتبہ چوری کی ہے مجرم نے بار بار انکار کیا، لیکن آپ بار بار یہی اصرار کرتے رہے کہ تم نے پہلے بھی چوریاں کی ہیں۔ آخر کار مجرم کو اقرار کرنا پڑا

لیکن مجرم نے اب بجائے معافی مانگنے کے صرف یہ دریافت کیا کہ یا امیر المومنین! ان چوریوں کا علم سوائے میرے اور خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہے، آپ پر یہ حقیقتِ پوشیدہ کس طرح ظاہر ہوگئی؟ آپ نے فرمایا، خداوند کریم کسی شخص کو اس وقت تک ذلیل و رسوا نہیں کرتا، جب تک اس کی برائی حد سے نہ گزر جائے۔ ؎

تو مشو مغرور بر حلمِ خدا دیر گیرد، سخت گیرد مر ترا

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا "اِتَّقِ اللّٰہَ یَا عُمَرُ" (اے عمر خدا سے ڈر) حاضرین میں سے ایک شخص نے روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "نہیں ان کو کہنے دو۔ اگر یہ لوگ کچھ نہ کہیں گے تو بے مصرف ہیں"۔

آپ کا فرمان ہے کہ خود رائی خواہ کتنی بھی صحیح کیوں نہ ہو، پھر بھی مشورہ کی محتاج ہے۔ لہٰذا خلافت بھی مشورہ و استصواب کے بغیر جائز نہیں۔

وفات شریف: ایک روز مغیرہ بن شعبہ کے عجمی غلام فیروز نے جس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی، اپنے آقا کی شکایت آپ سے کی کہ وہ مجھ سے روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) وصول کرتا ہے۔ آپ نے پوچھا کونسا پیشہ کرتا ہے؟ اس نے کہا نجاری، نقاشی، آہن گری۔ آپ نے فرمایا۔ تیسری صنعت کے مقابلے میں یہ کچھ زیادہ نہیں۔ اس پر وہ ناراض ہوگیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز کے وقت جب آپ امامت کرنے لگے، تو گھات سے نکل کر خنجر کے چھ سات وار کیے اور آپ وہیں گر گئے۔ نماز کے بعد گھر لے جا کر علاج کیا گیا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ زخمی ہونے سے تین دن بعد ۲۹ ذی الحج ۲۳ھ کو دس برس چھ مہینے چار یوم خلافت کر کے تریسٹھ برس کی عمر میں اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ اور یکم محرم ۲۴ھ کو بروز شنبہ مدفون ہوئے۔ حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمٰنؓ، طلحہؓ، سعد بن وقاصؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے قبر میں اتارا۔ وفات سے قبل یہ شعر زبان پر تھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"میں نے اپنی جان پر ظلم کیے، مگر اتنا ہے کہ مسلمان ہوں، نمازیں پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں"۔
حسبِ وصیت آپ کے سکونتی مکان کو فروخت کر کے آپ کا قرض ادا کیا گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اقوال حضرت عثمان غنی رضؓ

تعجب ہے اس پر جو موت کو حق جانتا ہے، اور پھر ہنستا ہے۔
تعجب ہے اس پر جو دنیا کو فانی جانتا ہے اور پھر اس کی رغبت رکھتا ہے۔
تعجب ہے اس پر جو تقدیر کو پہچانتا ہے، اور پھر جانے والی چیز کا غم کرتا ہے۔

تعجب ہے اُس پر جو حساب کو حق جانتا ہے اور پھر مال جمع کرتا ہے۔
تعجب ہے اُس پر جو دوزخ کو حق جانتا ہے، اور پھر گناہ کرتا ہے۔
تعجب ہے اُس پر جو اللہ تعالیٰ کو حق جانتا ہے، اور پھر غیروں کا ذکر کرتا ہے اور ان پر بھروسہ رکھتا ہے۔
تعجب ہے اُس پر جو جنت پر ایمان رکھتا ہے، اور پھر دنیا کے ساتھ آرام پکڑتا ہے۔
تعجب ہے اُس پر جو شیطان کو دشمن جانتا ہے، اور پھر اس کی اطاعت کرتا ہے۔
ضائع ہے وہ عالِم جس سے عِلم کی بات نہ پوچھیں، وہ ہتھیار جس کو استعمال نہ کیا جائے، وہ مال جو کارِ خیر میں شرع نہ کیا جائے، وہ علم جس پر عمل نہ کیا جائے، وہ مسجد جس میں نماز نہ پڑھی جائے، وہ نماز جو مسجد میں نہ پڑھی جائے، وہ اچھی رائے جس کو قبول نہ کیا جائے، وہ مصحف جس کی تلاوت نہ کی جائے، وہ زاہد جو خواہشِ دُنیا دل میں رکھے، وہ لمبی عمر جس میں توشہ نہ لیا جائے۔
بعض اوقات جُرم معاف کرنا مجرم کو زیادہ خطرناک بنا دیتا ہے۔
اے انسان! خدا تعالیٰ نے تجھے اپنے لیے پیدا کیا ہے اور تو دوسروں کا ہونا چاہتا ہے۔
عافیت کے نَو حصّے لوگوں سے الگ رہنے میں اور ایک حصّہ ملنے میں ہیں۔
جو شخص مصیبت کے وقت اوّل اپنی تدبیروں اور پھر خلقِ خدا کی امداد سے عاجز ہو کر خدا تعالیٰ کی جانب رجوع کرتا ہے، خدا تعالیٰ بھی اس کی طرف سے مُنہ پھیر لیتا ہے۔
مُحبِّ اللہ کو تنہائی محبوب ہوتی ہے۔
تواضع کی کثرت نفاق کی نشانی اور عداوت کا پیش خیمہ ہے۔
مت رکھ اُمید کسی سے مگر اپنے رب سے، اور مت ڈر کسی سے مگر اپنے گناہ سے۔
جس نے دنیا کو جس قدر پہچانا، اسی قدر اس سے بے رغبت ہُوا۔
دنیائے فانی کی لذّتیں لینے سے عالَمِ باقی کے اجر و ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔
لوگوں کو جس طرح چاہے آزما دیکھ، سانپ بچھوؤں سے کم نہ پائے گا۔
باوجود نعمت و عافیت موجود ہونے کے زیادہ طلبی بھی شکوہ ہے۔
عِلم بغیر عمل کے نفع دیتا ہے، اور عمل بغیر علم کے فائدہ نہیں بخشتا۔
اپنا بوجھ خلقت میں سے کسی پر نہ رکھ، خواہ کم ہو یا زیادہ۔
ایک پرہیزگار فقیہہ شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے۔
دُنیا وہ ہر کام ہے جس سے آخرت مقصود نہ ہو۔
خاموشی غصے کا بہترین علاج ہے۔
دوسروں کا بوجھ اُٹھانا عابدوں کی عزت کا تتمہ ہے۔

دُنیا خدا تعالیٰ کی سرائے ہے۔ جو آخرت کے مسافروں کیلئے وقف ہے۔ اپنا توشہ لے اور جو کچھ سرائے میں ہے۔ اس کا لالچ نہ کر۔
زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے بہت زیادہ خطرناک ہے۔
فقیر کا ایک درہم صدقہ بہتر ہے غنی کے لاکھ درہم صدقہ سے۔
اگر تو گناہ پر آمادہ ہے تو کوئی ایسا مقام تلاش کر جہاں خدا تعالیٰ نہ ہو۔
اے انسان! اگر تو معبودِ حقیقی کی پرستش نہیں کرنا چاہتا تو اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو بھی استعمال نہ کر۔
بہتر ہے کہ دنیا تجھ کو گنہگار جانے بہ نسبت اس کے کہ تو خدا تعالیٰ کے نزدیک ریاکار ہو۔
تونگروں کے ساتھ عالموں اور زاہدوں کی دوستی ریاکاری کی دلیل ہے۔
ظالموں اور ان کے متعلقین سے معاملہ مت کر۔
جنّت کے اندر رونا عجیب ہے، اور دنیا کے اندر ہنسنا عجیب تر ہے۔
جس خوشبو کا تجھے حق نہیں ہے۔ اس سے ناک بند کرلے کہ اس کی خوشبو بھی اس کی منفعت ہے۔
اگر آنکھیں روشن ہیں تو ہر روز، روزِ حشر ہے۔
عیالدار کے اعمال مجاہدین کے اعمال کے ساتھ آسمان پر جاتے ہیں۔
اُمرا کی تعریف کرنے سے بچ، کہ ظالم کی تعریف سے غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔
ترغیب دلانے کی نیت سے علانیہ صدقہ دینا خفیہ سے بہتر ہے۔
اللہ تعالیٰ کو ہر وقت اپنے ساتھ سمجھنا افضل ترین ایمان ہے۔
متواضع دُنیا و آخرت میں جو چیز چاہے گا، پوری ہوگی۔
جو لوگ خدا تعالیٰ سے صدق اور خلوص کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، وہ اس کے ماسوا سے ہر حالت میں نفرت کرتے ہیں۔
جانور اپنے مالک کو پہچانتا ہے، لیکن انسان اپنے خدا کو نہیں پہچانتا۔
ایک دفعہ آپ کے عہدِ خلافت میں سخت قحط پڑا۔ لوگ فاقہ کشی سے مجبور ہوکر اپنی املاک و جائیداد نہایت ارزاں قیمتوں پر فروخت کرنے لگے۔ آپ کے اہل خانہ نے کہا کہ فلاں باغ کا مالک اُسے نہایت سستی قیمت پر فروخت کر رہا ہے۔ بہتر ہو کہ آپ ہی اُسے خرید لیں۔ آپ روپیہ لے کر باغ کی طرف چل دیئے، لیکن راستہ میں قحط زدہ لوگوں کی فاقہ کشی و مصیبت و پریشانی دیکھ کر آپ اشکبار ہوگئے۔ اور وہ تمام روپیہ ان لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اور گھر واپس آگئے۔ اہل خانہ نے دریافت کیا کہ آپ باغ خرید آئے؟ آپ نے کہا "ہاں، میں تمہارے لیے جنّت میں باغ خرید آیا ہوں"۔
حیا کے ساتھ تمام نیکیاں اور بے حیائی کے ساتھ تمام بدیاں وابستہ ہیں۔
بدگو تین آدمیوں کو مجروح کرتا ہے۔ اول اپنے آپ کو، دوم جس کی برائی کرتا ہے، سوم جو اس کی بُرائی سنتا ہے۔
قضا پر رضا دنیا کی جنّت ہے۔
جو اپنی جوتی آپ گانٹھ لیتا ہے، غلام کی عیادت کرتا ہے، اپنے کپڑے دھو لیتا ہے اور ان میں پیوند لگا لیتا ہے،

وہ غرور اور تکبر سے پاک اور بَری ہے۔
لوگ تمہارے عیبوں کے جاسوس ہیں۔
تلوار کا زخم جسم پر ہوتا ہے اور بُری گفتار کا رُوح پر۔
بندہ حقیقتِ ایمان کو نہیں پہنچتا جب تک کہ اس کو فقر محبوب نہ ہو جائے غنا سے، اور اس کے نزدیک اس کی تعریف اور مذمت کرنے والے برابر نہ ہو جائیں۔
بہتر صومعہ مَردِ مسلمان کا اس کا گھر ہے، جو روکتا ہے اس کی زبان، شرمگاہ اور نظر کو۔
بڑا خطادار لوگوں میں وہ ہے جس کو لوگوں کی برائیوں کا ذکر کرنے کی فراغت ملی ہو۔
مسلمان کی ذلّت اپنے مذہب سے غافل بن جانے میں ہے نہ کہ بے زر ہونے سے۔
ایسی بات مت کہو کہ جو مخاطب کی سمجھ سے باہر ہو۔
حاجتمند غربا کا تمہارے پاس آنا خدائے پاک کا انعام ہے۔
محبوبین کی کھالیں بھی دل کی طرح نرم ہو جاتی ہیں، ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کے دل اور جِلد نرم ہو جاتے ہیں، اور یادِ خدا سے ان کو راحت ہوتی ہے۔
حق پر قائم رہنے والے مقدار میں کم ہوتے ہیں مگر منزلت و اقتدار میں زیادہ۔
تو کتنا بھی مفلوک الحال ہو، لیکن مغلوب الحال نہ ہو۔
جب زبان اصلاح پذیر ہو جاتی ہے، قلب بھی صالح ہو جاتا ہے۔
اگر میں رات کو سو جاؤں اور صبح کو نادم اُٹھوں تو یہ مجھ کو زیادہ پیارا ہے، اس سے کہ تمام شب بیدار رہوں اور صبح کو مُعجب اُٹھوں۔
حقیر سے حقیر پیشہ اختیار کرنا ہاتھ پھیلانے سے بدرجہا بہتر ہے۔
گناہ کسی نہ کسی صورت سے دل کو بے قرار رکھتا ہے۔
عمدہ لباس کے حریص کفن کو یاد رکھ۔ عمدہ مکان کے شیدائی! قبر کا گڑھا مت بھول۔ عمدہ غذاؤں کے دلدادہ! کیڑے مکوڑوں کی غذا بننا یاد رکھ۔
نعمت کا نامناسب جگہ خرچ کیا جانا ناشکری ہے۔
سخاوت پھل ہے مال کا، اعمال پھل ہیں علم کا، خوشنودیٔ خدا تعالیٰ پھل ہے اخلاص کا۔
اس نے خدا تعالیٰ کا حق نہیں جانا جس نے لوگوں کا حق نہیں پہچانا۔
جس شخص کو سال بھر تک کوئی تکلیف یا رنج نہ پہنچے، پس وہ جان لے کہ مجھ سے میرا رب ناراض ہے۔
جو شخص التجائے نگاہ کو نہیں سمجھ سکتا، اس کے سامنے اپنی زبان کو شرمندہ نہ کر۔
تہجدؒ کے لیے اُٹھتے تو کسی کو جگا کر اس کی نیند خراب نہ کرتے، بلکہ خود ہی وضو کا سامان فراہم کر لیتے اور پانی بھی گرم لیتے۔

ایرانیوں کے ساتھ آپ نے ایسا حُسنِ سلوک اختیار کیا کہ وہ بے اختیار آپ کو عربی نوشیرواں کہہ کر اپنی عقیدتِ حقیقی کا اظہار کرنے لگے۔
آغازِ بعثت میں جب آپ تجارت سے واپس آئے تو حضرت صدیق اکبر رضی کی تبلیغ سے فوراً مسلمان ہو گئے۔ نبوت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضہ سے آپ کی شادی ہو گئی تھی۔ جن کا انتقال فتح بدر کے دن ہوا۔ واپسی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح اپنی دوسری صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثوم رضہ سے کر دیا جس کی وجہ سے آپ کو ذوالنّورین کا خطاب عطا فرمایا۔
آپ رضہ سوائے ایک دو غزوات کے باقی تمام غزوات میں شریک رہے۔ غزوۂ بدر میں چونکہ حضرت رقیہ رضہ بیمار تھیں، اس لیے حضور اکرم نے آپ کو ان کی علالت کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ مگر ان کا انتقال ہو گیا۔ تجہیز و تکفین سے واپس آ رہے تھے کہ فتح بدر کی خوشخبری ملی۔ دوسرے غزوہ ذات الرقاع اور غطفان میں آپ کو حضور نے مدینہ طیبہ پر خلیفہ مقرر کر کے چھوڑا تھا۔ حُدَیبیہ میں آپ حضورؐ کے سفیر تھے۔ ان کے علاوہ آپ تمام غزوات میں شامل رہے اور بے شمار مالی امداد بھی دیتے رہے۔ غزوہ تبوک میں تین سو اُونٹ مع پالان دیے۔ خلیفہ اول و دوم کے ہر معاملے میں مشیر رہے۔ اور خاص اُمور میں مشورہ کرنے کے لیے آپ کو مجلسِ شوریٰ کا اہم رُکن تصور کر کے شامل کیا جاتا تھا۔ عمر کے لحاظ سے آپ رسول اکرمؐ سے چھ سال چھوٹے تھے۔
آپ رضہ کے خاص کارہائے نمایاں یہ ہیں: (۱) لوگوں کی جاگیریں مقرر فرمائیں (۲) چراگاہیں قائم کیں (۳) مساجد میں خوشبوئیں جلائیں (۴) جمعہ میں اذانِ اوّل کو مقرر کیا۔ (۵) مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر فرمائیں (۶) مسجد میں اپنے لیے ایک جگہ بنائی۔ (۷) پولیس کو قائم کیا (۸) مسلمانوں کو قراءت پر متفق کیا۔ (۹) تکبیر کی آواز کو پست کیا۔ (۱۰) قرآن مجید کو موجودہ ترتیب پر جمع کیا، اسی لیے آپ کو جامع القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ (۱۱) لوگوں میں لہو و لعب کی عادت پڑ گئی تھی، اس کا انسداد فرمایا۔ آپ کے زمانہ خلافت میں رے اور روم کے قلعے فتح ہوئے۔ ۲۶ھ میں سابور فتح ہوا۔ کچھ مکانات خرید کر حرم شریف میں شامل فرمائے۔ ۲۷ھ میں ارجان فتح ہوا۔ ۲۸ھ میں معاویہ بن ابی سفیان نے قبرص پر حملہ کیا، اور مقبوضاتِ اسلام میں شامل کیا۔ ۲۹ھ میں اصطخر اور فسا فتح ہوئے۔ مسجد نبوی کو وسعت دی۔ ۳۰ھ میں جور، خراسان نیشاپور، طوس، سرخس، مرو اور طبیق فتح ہوئے۔ ان فتوحات میں مسلمانوں کو بکثرت مالِ غنیمت حاصل ہوا۔
مختصر ترین واقعاتِ شہادت یہ ہیں: ۳۴ھ میں حضرت عثمانؓ کو الوداع کہنے سے قبل حضرت امیر معاویہ رضہ نے ان کے سامنے دو تجویزیں پیش کی تھیں۔ جن کی حضرت عثمانؓ نے سختی سے تردید کر دی تھی۔ پہلی تجویز یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ امیر معاویہ کے ہمراہ شام چلے جائیں اور وہاں ان کے ساتھ امن و حفاظت سے رہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے جوارِ رسول اور دارالہجرت کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ قیام کرنا پسند نہ فرمایا۔ آپ نے اسلامی حکومت کے مرکز کو اس جگہ سے ہٹا کر، جہاں اُسے رسولِ خدا حضرت ابو بکر رضہ، حضرت عمر رضہ نے برقرار رکھا تھا، ایک اجنبی شہر میں منتقل ہو جانے کو گوارا نہ فرمایا۔ وجہ بھی معقول ہے۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ وہ شامیوں کا ایک لشکر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیج دیں۔ جو مدینہ میں ان کے پاس رہے اور انہیں

پیش آمدہ خطرات سے محفوظ رکھے۔ حضرت عثمان رضی نے یہ پیشکش بھی ٹھکرادی اور کہا کہ میں اصحاب رسول اللہ کو لشکر کی موجودگی اور ہمسائگی سے ستانا نہیں چاہتا۔ علاوہ ازیں حضرت عثمان رضی اگر ایسا کرتے تو ان کی حیثیت ایک ایسے خود سر کی سی ہو جاتی جو صحابہ کرام رضی پر اس لشکر کے ذریعے حکومت کرتا۔ جو انہیں ان کے ساتھیوں سے محفوظ رکھتا۔ جب تک وہ اپنے گھر میں رہتے، یہ لشکر اس گھر کی پاسبانی کرتا رہتا۔ جب وہ اپنے گھر سے باہر جاتے تو وہ لشکر ان کی حفاظت کے لیے چلتا۔ جب یہ منبر پر خطبہ دیتے تو یہ لشکر ان کو اپنے گھیرے میں لے لیتا، اور جب وہ مدینہ کی گلیوں میں گشت کرتے تو یہ لشکر بھی ان کے آگے پیچھے رہتا۔ لیکن اس تمام طرزِ عمل کا سیرت نبویؐ اور سیرت ابوبکر رضی و عمر رضی اور خود حضرتِ عثمانؓ کے اپنے سابقہ طرزِ حکومت سے کیا تعلق تھا؟ وہ تو مدینہ میں بغیر کسی محافظ گھومتے رہتے تھے۔ ان کے مریضوں کی خیریت پوچھتے، ان کے دیگر عمومی معاملات و ضروریات دریافت کرتے۔ لوگوں کی محفلوں میں جاتے، ان کی سنتے اپنی کہتے تھے، وہ تو اپنی چادر کا ایک سرا اپنے بدن پر لپیٹ کر اور اس کے دوسرے کنارے کو سر کے نیچے تکیہ کی طرح رکھ کر مسجد ہی میں سو رہتے تھے۔ جمعہ کے دن وہ منبر رسولؐ پر جلوہ گر ہوتے تو لوگوں سے ایک شفیق باپ، مہربان بھائی یا جان نثار دوست کی طرح مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہتے تھے۔ منڈی کے نرخ معلوم کرتے اور جب مؤذن اذان دیتا تو حسب موقع خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ پھر فارغ ہوتے تو لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ اور از سرِ نَو اُن کی خیریت، منڈی کے بھاؤ وغیرہ پر گفتگو جاری رہتی۔ جب مؤذن دوسری اذان دیتا تو اُٹھ کر لوگوں کو نماز پڑھا دیتے تھے۔ یہ انہیں کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ ایسے مستحکم نظام کو بدل کر شام چلے جائیں۔ دارِ ہجرت کو چھوڑ دیں۔ منبرِ رسول پر بیٹھ کر خطبہ نہ دیں، نہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھیں، جہاں رسولِ خدا، حضرت ابوبکر رضی، حضرت عمر رضی نمازیں ادا کرتے تھے۔ یہ بھی کیونکر گوارا کر سکتے تھے کہ مدینہ میں شامی لشکر کے گھیرے میں رہتے جو انہیں ان لوگوں سے بچائے رکھتا جو رسولِ خدا اور ان کے ساتھ ہر میدان جنگ میں شریک رہے۔ بالآخر امیر معاویہ رضی نے ان سے کہا، اگر آپ دونوں تجویزوں میں سے کوئی تجویز بھی منظور نہیں کرتے تو حالات کی نزاکت بتا رہی ہے کہ یا تو آپ کے خلاف عوام کی طرف سے لڑائی کی جائے گی۔ یا اچانک بے خبری میں آپ کو مار ڈالا جائے گا۔ اس پر حضرت عثمان رضی نے جواب دیا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

مختصر یہ کہ وہ اپنے ہر دو پیش رَو خلفا کی روش پر کامل طور پر گامزن رہے۔ انہوں نے اپنے اور لوگوں کے درمیان کوئی حاجب یا دربان بھی نہ رکھا۔ نہ لوگوں پر اپنی بڑائی اور برتری یا غلبہ کا رعب ڈالا، نہ کسی قسم کے جابرانہ اقتدار و تسلط کا اظہار کیا۔ ان میں جو کمزوری تھی، اس کا سبب بدنیتی یا قانون سے بغاوت نہ تھا۔ بلکہ یہ وہی کمزوری تھی، جو بعض شخصیتوں میں کریمانہ و فاضلانہ اخلاق پر خیر خواہی اور بھلائی میں رغبت کے باعث پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہی سب سے بڑی وجہ ان کی شہادت پر منتج ہوئی جس کی تفصیل طویل ہے۔ صرف یہ لکھنا کافی ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ یہ رعایات و نوازشات از راہِ اخلاقِ کریمانہ کی گئی تھیں، وہ نہایت درجہ حریص و طماع، بے پناہ خواہشات رکھنے والے، اپنے مفاد کی خاطر دُور دُور تک نظریں دوڑانے والے، اور تسلط و غلبہ کے پورے ساز و سامان سے آراستہ و مسلح تھے۔ ان سب حالات نے یہ تمام خرابیاں پیدا کر دیں۔ واضح رہے کہ ستر سال کی عمرِ ضعیف میں خلافت کا

بارِ گراں اٹھایا تھا۔

آپ ۹۴ روز محصور رہ کر بھوکے پیاسے تلاوتِ قرآن مجید فرماتے ہوئے شہید ہوئے۔ آپ کے قتل کے وقت حضرت علی موجود نہ تھے۔ آپ نے سُنا تو فرمایا کہ اے خدا! تو جانتا ہے کہ ان کے قتل پر میں راضی نہ تھا اور نہ اس پر مائل تھا۔ جن لوگوں نے آپ کو شہید کیا تھا، وہ سب پاگل ہوگئے۔ اسلام میں پہلا فتنہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ اور آخری فتنہ خروجِ دجّال ہے۔

آپ از حد باحیا تھے۔ خلوت میں بھی کبھی برہنہ نہ ہوتے تھے۔ صائم الدھر و قائم اللیل تھے۔ چار پانچ درہم کی ازار پہن کر خطبہ پڑھتے۔ ایامِ خلافت میں غلام کو اپنے ساتھ سوار فرماتے تھے۔ قبروں کو دیکھ کر اس قدر روتے کہ ریش مبارک تر ہو جاتی۔ تاریخ وفات ۱۲ ذی الحج ۳۵ھ مدت خلافت قریباً ۱۲ سال۔ رضی اللہ عنہ۔

اقوال حضرت علی رضی اللہ عنہ

خندہ روئی سے پیش آنا سب سے پہلی نیکی ہے۔

کارخانۂ قدرت میں فکر کرنا بھی عبادت ہے۔

عقیدہ میں شک رکھنا شرک کے برابر ہے۔

بے موقع حیا بھی باعثِ محرومی ہے، قابلِ صحبت بہت کم لوگ ہیں۔

شکرِ نعمت حصولِ نعمت کا باعث ہے اور ناشکری حصولِ زحمت کا باعث ہے۔

اَدَب بہترین کمالات اور خیرات افضل ترین عبادات سے ہے۔

مَوت ایک بے خبر ساتھی ہے۔

زمانہ کے پل پل کے اندر آفات پوشیدہ ہیں۔

عادت پر غالب آنا کمال فضیلت ہے۔

عقلمند اپنے آپ کو پست کر کے بلندی حاصل کرتا ہے اور نادان اپنے آپ کو بڑھا کر ذلت اُٹھاتا ہے۔

عقل دو قسم کی ہوتی ہے۔ طبعی اور سماعی۔ عقلِ سماعی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اگر طبعی عقل نہ ہو۔ جیسے نا دیکھ بصارت نہ ہو، سورج کی روشنی بیکار ہے۔

دوستی ایک خود پیدا کردہ رشتہ ہے۔

گناہوں پہ نادم ہونا اُن کو مٹا دیتا ہے اور نیکیوں پر مغرور ہونا اُن کو برباد کر دیتا ہے۔

خواہش پرستی ہلاک کر دینے والا ساتھی اور بری عادت ایک زور آور دشمن ہے۔

عقلمند ہمیشہ غم و فکر میں مبتلا رہتا ہے۔

بدکاری میں عشق بازی یاد آ جاتی ہے۔

سخاوت کے ساتھ احسان رکھنا نہایت کمینگی ہے۔

فاسق کی بُرائی بیان کرنا غیبت نہیں۔

آدمی کی قابلیت زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔

معافی نہایت اچھا انتقام ہے۔

ہوشیاری اس کا نام ہے کہ انسان اپنے تجربہ کو محفوظ رکھے اور اس کے مطابق کام کرے۔

سچائی میں اگرچہ خوف ہے مگر باعثِ نجات ہے، اور جھوٹ میں گو اطمینان ہو مگر موجبِ ہلاکت ہے۔

بے قراری بہ نسبت صبر زیادہ تکلیف دہ ہے۔

غریب وہ ہے جس کا کوئی دوست نہ ہو۔

علم بے عمل ایک آزار ہے اور عمل بغیر اخلاص بے کار ہے۔

تنگدستی جسے لوگ معیوب سمجھیں اس مالداری سے اچھی ہے جس سے انسان گناہوں اور خرابی میں مبتلا ہو کر ذلیل و رسوا ہو۔

تجربے کبھی ختم نہیں ہوتے اور عقلمند وہ ہے جو ان میں ترقی کرتا ہے۔

مصیبت میں گھبرانا کمال درجہ کی مصیبت ہے۔

جلدی سے معاف کرنا انتہائے شرافت اور انتقام میں جلدی کرنا انتہائے رذالت ہے۔

علما اس لیے غریب و بیکس ہیں کہ جاہل لوگ زیادہ ہیں جو اُن کی قدر نہیں سمجھتے۔

شریف کی پہچان یہ ہے کہ جب کوئی سختی کرے تو سختی سے پیش آتا اور جب اس سے کوئی نرمی کرے تو نرم ہو جاتا ہے اور کمینے سے جب کوئی نرمی کرے تو سختی سے پیش آتا اور جب کوئی سختی کرے تو ڈھیلا ہو جاتا ہے۔

اقرارِ جُرم مجرم کے لیے بہت اچھا سفارشی ہے۔

عقلمند اگر خاموش رہے تو قدرتِ الٰہی میں فکر کرتا اور جب نگاہ اُٹھا کر دیکھے تو عبرت حاصل کرتا ہے۔

طولِ اَمل اور خلوصِ عمل کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

بے قراری کچھ تقدیرِ الٰہی کو نہیں مٹاتی۔ لیکن اجر و ثواب کو ضائع کر دیتی ہے۔

حرص سے کچھ روزی نہیں بڑھ جاتی مگر آدمی کی قدر گھٹ جاتی ہے۔

عورت اگرچہ شر اور خرابی ہے، مگر اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ عورت کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہو سکتا۔

انسان جو حالت اپنے لیے پسند کرتا ہے اسی حالت میں رہتا ہے۔

بُرا آدمی کسی کے ساتھ نیک گمان نہیں رکھتا کیونکہ وہ ہر ایک کو اپنے جیسا خیال کرتا ہے۔

علم مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تمہاری حفاظت کرتا اور تم مال کی حفاظت کرتا ہے۔
میزانِ اعمال کو خیرات کے وزن سے بھاری کرو۔
آدمی اگر عاجز ہو اور نیک کام کرتا ہے، تو اس سے اچھا ہے کہ قوت رکھے اور بُرے کام نہ چھوڑے۔
شرافت عقل و ادب سے ہے نہ کہ مال و نسب سے ہے۔
حرام کاموں سے نفس کو روکنا بھی صبر کی دوسری قسم ہے۔
جلد باز آدمی اکثر اپنے کیے پر نادم ہوتا ہے۔ اگر نادم نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس کا جنون مستحکم ہو گیا۔
دوسروں کے سینے سے شر اس وقت دُور کر کہ پہلے تو اپنے سینے کی صفائی کرلے۔
جو شخص اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی جان بھی بھلا دیتا ہے۔
جو شخص کسی کے عیب کی تلاش میں رہتا ہے، اُسے کوئی نہ کوئی عیب مل ہی جاتا ہے۔
جو شخص خواہ مخواہ اپنے آپ کو محتاج بناتا ہے وہ محتاج ہی رہتا ہے۔
جس شخص کے دل میں جتنی زیادہ حرص ہوتی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ پر اتنا ہی کم یقین ہوتا ہے۔
دُنیا ایک مردار ہے، جو لوگ اس کی بدولت آپس میں بھائی بند بنتے ہیں۔ ان کی بھائی بندی اس کے لالچ میں ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے مانع نہیں ہوتی۔
ہر ایک آدمی کی رائے اس کے ذاتی تجربے کے مطابق ہوا کرتی ہے۔
اپنے دلوں سے دوستی کا حال پوچھو کیونکہ یہ ایسے گواہ ہیں، جو کسی سے رشوت نہیں لیتے۔
جب تک کوئی بات تیرے مُنہ میں بند ہے۔ تب تک تو اس کا مالک ہے۔ جب زبان سے نکال چکے تو وہ تیری مالک ہو چکی
اوّل عمر میں جو وقت ضائع کیا ہے، آخر عمر میں اس کا تدارک کر تاکہ انجام بخیر ہو۔
جو لوگ تجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں، ان سے حاصل کر، اور جو نادان ہیں اُن کو اپنا علم سکھا۔
دیر تک غور و مشورہ کرنا مشیر کی رائے کا لگا کھاتا ہے۔
اس شخص کی نسبت تعجب ہے جو اپنی اجل کا مالک نہیں، پھر وہ اپنی اُمیدیں کس طرح بڑھاتا ہے۔
بخیل دنیا میں فقیروں کی سی زندگی بسر کرے گا اور عاقبت میں امیروں کا سا حساب بھگتے گا۔
لمبی لمبی اُمیدیں باندھنے سے پرہیز کرو، کیونکہ وہ خدا کی عطا کردہ نعمتوں کی خوشی کو دُور کرتی اور تمہاری نظروں میں ان کو حقیر بنا دیتی ہیں۔ اور تم ان کی شکر گزاری نہیں کرتے۔
ہمسایہ کی بدخواہی اور نیکوں کے ساتھ بُرائی انتہائے شقاوت ہے۔
تیرے مال میں تیرا حصہ تو صرف اتنا ہی ہے جسے تو نے آخرت کے لیے پہلے بھیج دیا۔ اور جسے تو نے دنیا میں چھوڑ دیا، وہ تیرے وارثوں کا ہے۔
ترکعب اغ ۱۳ انے مشورہ لینے کی طرف صرف اس لیے رغبت دلائی ہے کہ مشورہ دینے والے کی رائے سراسر خالص

اور مشورہ لینے والے کی رائے ہوائے نفس سے مخلوط ہوتی ہے۔
اگر تو کسی کے ساتھ احسان کرے تو اس کو مخفی رکھ، اور جب تیرے ساتھ کوئی احسان کرے تو اس کو ظاہر کر۔
جو شخص بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے، وہ خدا تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرے گا۔
غیبت کا سننے والا غیبت کرنے والوں میں داخل اور بُرے کام پر راضی ہونے والا گویا اس کا فاعل ہے۔
اگر اہل دنیا کو پوری عقل حاصل ہوتی تو دنیا کے کاروبار اور اس کی موجودہ حالت میں ضرور خلل آ جاتا۔
کبھی اچانک سب کام درست ہو جاتے ہیں اور کبھی طلبگار ناکام رہتے ہیں۔
کبھی خوش کلامی سے نقصان ہوتا ہے اور کبھی ملامت کرنے سے اثر ہو جاتا ہے۔
اے دُنیا! جو تیرے حیلوں سے ناواقف اور تیرے مکروں سے ناآشنا ہے، وہ جیتے جی مَر چکا اور قابل تعزیت ہو چکا۔
حیا کی غایت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ سے حیا کرے۔
جو شخص اپنے آپ کو گمراہ کرے، اس کو کوئی دوسرا شخص کس طرح راہ پر لا سکتا ہے۔
احمق کی عقل اس کی زبان کے پیچھے اور عقلمند کی زبان اس کی عقل کے پیچھے ہوتی ہے۔
بخشش کا کمال یہ ہے کہ جو چیز کسی کو دینی ہو، جلدی سے اسے دے دی جائے، انتظار میں نہ رکھا جائے۔
کہاوتیں اور مثالیں عقلمندوں اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔ نادانوں کو ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔
جو شخص حق کے خلاف کرتا ہے، حق تعالیٰ خود اس کا مقابلہ کرتا ہے۔
جو شخص اپنے دشمن کے قریب رہتا ہے، اس کا جسم غم سے گھل کر لاغر ہو جاتا ہے۔
جو شخص زیادہ ناخوش رہتا ہے، اس کی خوشنودی اور رضامندی معلوم نہیں ہو سکتی۔
جو شخص نیک سلوک کرنے سے درست نہ ہو وہ بدسلوکی سے درست ہو جاتا ہے۔
جو شخص اپنے ہر ایک کام کو پسند کرتا ہے۔ اس کی عقل میں نقصان آ جاتا ہے۔
جس شخص کی زبان اس پر حکمران ہو، تو وہی اس کی ہلاکت اور موت کا فیصلہ کرتی ہے۔
جس شخص کی اُمیدیں چھوٹی ہوتی ہیں، اس کے عمل بھی درست ہوتے ہیں۔
جس شخص کی برائی کرنے پر اس کی شکرگزاری کی جائے۔ وہ شکرگزاری نہیں بلکہ تمسخر ہے۔
جو شخص جلدی کے ساتھ ہر ایک بات کا جواب دے دیتا ہے وہ ٹھیک جواب بیان نہیں کرتا۔
جو شخص تجربوں سے بے پروائی اختیار کرتا ہے، وہ انجامِ کار کے سوچنے سے اندھا ہو جاتا ہے۔
جو شخص کسی بُرے کام کی بنیاد ڈالتا ہے، وہ اس بنیاد کو اپنی جان پر قائم کرتا ہے۔
جس شخص کو علم غنی اور بے پروا نہیں کرتا، وہ مال سے کبھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔
جو شخص اپنے اقوال میں حیا ساتھ رکھتا ہے، وہ اپنے افعال میں بھی اس سے دُور نہیں ہوتا۔

جو شخص چھوٹی مصیبتوں کو بڑا سمجھتا ہے، خدا تعالیٰ اس کو بڑی مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے۔
جو شخص اپنا بھید محفوظ رکھنے سے عاجز ہوتا ہے، وہ دوسروں کا راز محفوظ رکھنے سے نہایت عاجز ہوگا۔
جس شخص کے اپنے خیالات خراب ہوتے ہیں، اس میں دوسروں کی بہ نسبت بدظنی زیادہ ہوتی ہے۔
جو شخص اپنی قدر آپ نہیں کرتا، کوئی دوسرا شخص بھی اس کی قدر نہیں پہچانتا۔
جو شخص خود اپنے نفس کی اصلاح نہیں کرتا، وہ دوسروں کے حق میں کبھی مُصلح نہیں بن سکتا۔
جو شخص اپنی بیداری سے مدد نہیں لیتا، وہ محافظوں کی نگہبانی سے فائدہ نہیں اُٹھاتا۔
جو شخص کسی کے احسان کا شکرگزار نہیں ہے، وہ آئندہ ضرور اس سے محروم ہو جاتا ہے۔
جو شخص برائی کا نقصان نہیں جانتا، وہ اس کے واقع ہونے سے نہیں بچ سکتا۔
جو شخص بھلائی کا فائدہ معلوم نہیں کرتا، وہ اس کے کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔
شریفوں کے واسطے یہ بہت بڑی مصیبت ہے کہ ان کو شریروں کی خاطر مدارت کی ضرورت پیش آئے۔
خلقِ خدا سے نیکی کرنے سے جس قدر حقیقی شکرگزاری ہوتی ہے، وہ اور کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔
جو شخص گناہ سے پاک اور بری ہو، وہ نہایت دلیر ہوتا ہے اور جس میں کچھ عیب ہو، وہ سخت بُزدل ہو جاتا ہے۔
جو شخص کل کو اپنی موت کا دن سمجھتا ہے، موت کے آنے سے اُسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔
جو کام لوگوں کے سامنے کرنا مناسب نہیں، مناسب ہے کہ اس کو چھپ کر بھی نہ کیا جائے۔
خدا تعالیٰ کی اطاعت اپنی جان پر جبر کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔
علم کی خوبی اس پر عمل کرنے میں، اور احسان کی خوبی اس کے نہ جتلانے پر منحصر ہے۔
جس شخص کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہو جاتا ہے، وہ اس کے لیے وبال ہو جاتا ہے۔
دنیاداروں کی دوستی ایک معمولی اور ادنیٰ بات سے دُور ہو جاتی ہے۔
وہ مصیبت جس میں ثواب کی اُمید ہو، اس نعمت سے اچھی ہے جس کا شکر ادا نہ ہو۔
صدقِ یقین کے ساتھ سو رہنا اس نماز سے کہیں اچھا ہے، جو شک کے ساتھ ادا کی جائے۔
شریر عورتوں سے بالکل برکنار رہو، اور جو بھلی مانس ہوں، ان سے بھی ہوشیار رہو۔
لوگوں کے سامنے نصیحت کرنا ایک طرح کی ملامت ہے۔
جاہلوں کی دوستی متغیر الحال اور سریع الزوال ہے۔
تنگ دست آدمی جو رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھے، اس مالدار سے اچھا ہے جو ان سے قطع تعلق کرے۔
دین کی درستی دنیا کے نقصان کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔
جب تک کسی شخص کا پوری طرح حال معلوم نہ ہو، اس کی نسبت بزرگی کا اعتقاد نہ رکھ۔
جب تک کسی شخص سے بات چیت نہ ہو، اُسے حقیر نہ سمجھ۔

اگرچہ کوئی قدر شناس نہ ملے، مگر تو اپنی نیکی کو بند نہ کر۔
جس بات کا علم نہ ہو اُسے بُرا نہ سمجھو، ہوسکتا ہے کہ کئی باتیں ابھی تک تمہارے کان تک نہ پہنچی ہوں۔
اگر کوئی قابل شخص دوستی کے لائق نہ ملے، تو کسی نااہل سے دوستی مت کر۔
صاحب علم اگرچہ حقیر حالت میں ہو، اُسے ذلیل نہ سمجھ۔ بیوقوف اگرچہ بڑے رتبے پر ہو، اُسے بڑا مت خیال کر۔
کسی دوسرے کے گرنے پر خوشی مت کر۔ کیا معلوم کل کو تیرے ساتھ کیا ہوگا؟
دشمن کے حسن سلوک پر بھروسہ مت کر، کیونکہ پانی کو آگ سے کتنا ہی گرم کیا جائے پھر بھی وہ اس کے بجھانے کو کافی ہے۔
تنگدستی میں سخاوت کی کوئی صورت نہیں اور کھانے کی حرص کے ساتھ صحت کی کوئی دلیل نہیں۔
مصائب کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔
موت سے بڑھ کر کوئی سچی اور امید سے بڑھ کر کوئی جھوٹی چیز نہیں۔
ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ جلد باز نقصان نہ اٹھائے اور ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے کہ صبر کرنے والا کامیاب نہ ہو۔
تھوڑا علم فسادِ عمل کا موجب ہے، اور صحتِ عمل صحتِ علم پر منحصر ہے۔
اپنا واجبی حق لینے میں کبھی کوتاہی نہ کرو۔ البتہ دوسرے کے غصب حقوق سے بچو۔
امن کی طرف راستہ مل جانے کی صورت میں خوف کی حالت میں مقیم رہنا نادانی ہے۔
جیسے جہالت کی بات کہنے میں کوئی خوبی نہیں، ایسا ہی حق سے چُپ رہنے میں کوئی بھلائی نہیں۔
سچا آدمی سچائی کی بدولت اس مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے، جسے جھوٹا آدمی مکروحیلہ سے نہیں پا سکتا۔
آدمی کی عقل اس کے کلام کی خوبی سے اور شرافت اس کے افعال کی عمدگی سے ظاہر ہوتی ہے۔
اپنی عقلوں کو ناقص سمجھے رہو کہ عقل پر بھروسہ کرنے سے ضرور غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔
دولت مندی کی مستی سے خدا کی پناہ مانگو، یہ ایک ایسی مستی ہے کہ اس سے بہت دیر میں ہوش آتا ہے۔
بدکاروں کی صحبت سے بچا رہ کہ بُرائی بُرائی سے جلد مل جاتی ہے۔
لوگوں کو طلب علم میں صرف اس وجہ سے بے رغبتی پیدا ہو گئی ہے کہ بہت سے عالم ایسے نظر آتے ہیں جو اپنے علم پر عمل کم کرتے ہیں
انعام میں دیر کرنا شریفوں کی عادت نہیں اور انتقام میں جلدی کرنا کریموں کی خصلت نہیں۔
اگر خدائے پاک حرام و ناجائز کاموں سے منع نہ فرماتا تو بھی عقلمند کے لیے ضروری تھا کہ ان سے پرہیز رکھتا۔
اگر دنیا ہمیشہ ایک شخص کے پاس رہتی، تو اب جن کے پاس موجود ہے ان کو ہرگز نہ ملتی۔
کلام کرنے پر کئی آفتیں پیش آتی ہیں۔ متکلم کو وقت اور موقع کا پاس ضروری ہے۔
ہر ایک چیز کے لیے زکوٰۃ ہے، اور عقل کی زکوٰۃ نادانوں کی باتوں پر تحمل کرنا ہے۔
جس نے تیری تعریف و تکریم کی۔ گو تو درحقیقت اس کے لائق ہو، اس نے تجھے نقصان پہنچایا۔
جس نے تجھے ذلیل سمجھا، اگر تجھے عقل ہے تو بے شک اس نے تجھے فائدہ پہنچایا۔

نیک کام میں کسی کے پیچھے ہونا اس سے بہتر ہے کہ بُرے کاموں میں اوروں کا پیشوا ہو۔
تیرا نفس تجھ سے وہی کام کرائے گا، جس کے ساتھ تُو نے اُسے مانوس بنایا ہے۔
وہ شخص تیرا بھائی نہیں ہے جس کی خاطر مدارات کرنے کی تجھے حاجت ہو۔
جب تک نحوست کا مزہ نہ چکھے، تب تک سعادت کی لذت محسوس نہیں ہو سکتی۔
اپنی جان پر حد سے زیادہ سختی بھی نہ کر، اور ایسا بھی نہ ہو کہ ہمت ہار کر بیٹھ جائے۔
سفر کرنے میں کوئی عیب اور عار نہیں۔ عیب کی بات یہ ہے کہ آدمی اپنے وطن میں دوسروں کا محتاج ہو۔
جو شخص تیرے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا ہے، وہ درحقیقت تیرے حق میں نہایت غلطی کرتا ہے۔
خُدا تعالیٰ سے صلح رکھ کہ آخرت سلامت رہے، اور لوگوں سے صلح رکھ کہ دنیا برباد نہ ہو۔
حلم اور بُردباری یہ نہیں کہ جب عاجز ہو تو کچھ نہ کہے اور جب قدرت پائے تو انتقام لینے میں ہاتھ دکھائے۔
خُدا تعالیٰ کے راضی ہونے کی یہ علامت ہے کہ بندہ اس کی تقدیر پر راضی ہو۔
اہل بصیرت کے لیے ہر ایک نگاہ میں عبرت اور ہر ایک تجربے میں نصیحت ہے۔
سب سے اچھا اور عملی شکریہ ہے کہ خداداد نعمتوں میں سے دوسروں کو بھی دے۔
دیدہ و دانستہ غلطی قابلِ معافی نہیں ہوتی۔
شکریہ میں کمی کرنے سے محسن لوگ نیکی کرنے میں بے رغبت ہو جاتے ہیں۔
اگر کسی سوال کا جواب معلوم نہ ہو، تو اس کے جواب میں لَا اَعْلَمُ (میں نہیں جانتا) کہنا نصف علم ہے۔ اپنی لاعلمی کے اظہار کو کبھی بُرا نہ سمجھو۔
خواہشِ نفسانی کو علم کے ساتھ اور غضب کو حلم کے ساتھ مار ڈال۔
انسان اس عمر پر کس طرح خوش ہوتا ہے جو گھنٹوں کے گزرنے سے گھٹتی جاتی ہے، اور اس جسم کی سلامتی پر کیوں مغرور ہوتا ہے جو جہان بھر کی آفتوں کا نشانہ ہے۔
اُمیدیں بہت کم پوری ہوتی ہیں اور ادبار بہت کم مبدّل بہ اقبال ہوتا ہے۔
کبھی تلواروں کے وار خالی جاتے اور کبھی خواب سچے نکل آتے ہیں۔
تمہارے دلوں سے اگر موت کا یقین دُور نہ ہوتا تو فضول اُمیدوں کا غرور و فریب تم پر غالب نہ آتا۔
ہر ایک بات میں ہاں میں ہاں ملانا منافقوں کی خصلت اور ہر بات میں اختلاف کرنا باعثِ عداوت ہے۔
خاموشی عالِم کے لیے باعثِ زینت اور جاہل کے لیے پردہ دارِ جہالت ہے۔
دوست سے دھوکا کھانے اور دشمن سے مغلوب ہونے سے بچا رہ۔
فضول اُمیدوں پر بھروسہ کرنے سے بچا رہ کہ یہ احمقوں کا سرمایہ ہے۔
فسق و فجور کے مقامات سے دُور رہ کہ یہ خدا تعالیٰ کے غضب کے مقام اور اس کے عذاب کے محل ہیں۔

جس کلام کو تو بہت اچھا سمجھتا ہے، اُسے مختصر کردے کہ یہ تیرے حق میں نہایت بہتر اور تیرے فضل و کمال کی نشانی ہے۔
شریر کی کوئی اچھی بات دیکھ کر اس کے دھوکے میں نہ آ، اور شریف کی سختی یا غلطی دیکھ کر اس سے متنفر نہ ہو جا۔
زیادہ تر دشوار یہ ہے کہ جو چیز کمینوں کے ہاتھ میں ہو انسان اس کا طلب گار بنے۔
تمام لوگوں میں نیک کام پر سب سے زیادہ قادر وہ شخص ہے جسے غصہ نہ آئے۔
سب سے زیادہ بلیغ اور مؤثر وعظ یہ ہے کہ انسان قبرستان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔
سب سے زیادہ سخت گناہ وہ ہے جو اس کے کرنے والے کی نظر میں چھوٹا ہو۔
رحمت کے زیادہ مستحق یہ تین شخص ہیں (۱) وہ عالم جس پر جاہل کا حکم چلے (۲) وہ شریف جس پر کمینہ حاکم ہو (۳) وہ نیکو کار جس پر کوئی بدکار مسلط ہو۔
دُنیا میں جو چیز بہت کم ہے وہ سچائی اور امانت ہے، اور جو سب سے زیادہ ہے وہ جھوٹ اور خیانت ہے۔
سب سے اچھا کلام وہ ہے، جس کی حسن فعل تصدیق کرے۔
سب سے زیادہ مصیبت اس شخص پر ہے جس کی ہمت بلند، مروّت زیادہ اور مقدرت کم ہے۔
سب سے زیادہ احمق وہ شخص ہے جو دوسروں کی رذیل صفات کو تو بُرا سمجھے اور خود اُن پر جما ہُوا ہو۔
بیشک خدا تعالیٰ کی یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ انسان پر گناہوں کا کرنا دشوار ہو۔
بیشک زمین کا پیٹ مُردہ اور اس کی پشت بیمار ہے۔ (یعنی پیٹ میں مُردے دفن ہیں اور پشت پر جو زندہ ہیں، وہ گرفتار مصیبت ہیں۔)
بیشک تنگدستی نفس کے لیے ذلت کا باعث، عقل دُور کرنے والی اور غم و فکر بڑھانے والی ہے۔
بیشک دلوں میں بُرے بُرے خیالات گزرتے ہیں، مگر سلیم عقلیں ان سے باز رکھتی ہیں۔
بیشک دنیا اور آخرت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کی دو بیویاں ہوں کہ جب ایک کو راضی کرتا ہے، تو دوسری ناخوش ہو جاتی ہیں۔
بیشک دنیا مصیبتوں کا گھر ہے۔ جو شخص جلدی کے ساتھ اس سے رخصت ہو جاتا ہے اس کی اپنی جان پر مصیبت آتی ہے، اور جسے کچھ مہلت ملتی ہے وہ فکر معاش، اپنے دوست احباب اور عزیز و اقارب کے فراق کی مصیبت میں مبتلا ہے۔
جب عقل کامل ہو جائے تو کلام کم ہو جاتا ہے۔
جب تم اُمیدیں باندھتے باندھتے دُور جا پہنچو تو موت کی ناگہانہ آمد کو یاد کرو۔
جب کلام کم ہو جائے تو آدمی اکثر صحیح بات کہتا ہے۔
جب تجھے خالق کا خوف آئے تو بھاگ کر اس کی بارگاہ میں پناہ لے، اور جب مخلوق کا ڈر ہو تو ان سے دُور بھاگ جا۔
ہر ایک شمار شدہ چیز کم اور ہر ایک خوشی ایک نہ ایک دن کالعدم ہو جاتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اُسے یہ توفیق بخشتا ہے کہ وہ زمانہ کے عبرت ناک واقعات سے عبرت کا سبق حاصل کرتا ہے۔

شریف عالِم تواضع اختیار کرتا ہے، اور جب کمینہ باعلم ہو جائے تو بڑائی کرنے لگتا ہے۔

جب آدمی کا خلق اچھا ہو تو کلام لطیف ہو جاتا ہے۔

جب کسی احسان کا بدلہ ادا کرنے سے تیرے ہاتھ قاصر ہوں تو زبان سے اس کا شکریہ ضرور ادا کر۔

جب زاہد لوگوں سے بھاگ جائے تو اس کی تلاش کر، اور جب زاہد لوگوں کو تلاش کرے تو اس سے بھاگ جا۔

جب کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی حکمت معلوم نہ ہو تو اپنے خیالات کو آگے نہ بڑھا۔

جب تو کمزوروں کو کچھ دے نہیں سکتا تو ان کے ساتھ رحمت و مہربانی ہی سے پیش آ۔

جب تو کسی امر کا خوف رکھتا ہے تو اس میں داخل ہو جا۔ کیونکہ ہر وقت اس کا خوف رکھنا اس میں داخل ہونے کی نسبت زیادہ سخت اور بُرا ہے۔

جب کسی آدمی میں بُری خصلت معلوم ہو تو اس بات کا منتظر رہ کہ اس میں اس قسم کی اور خصلتیں بھی موجود ہوں گی۔

جو حقوق تیرے نفس کے ذمّے فرض ہیں، ان کے ادا کرنے کا تو خود اس سے تقاضا کر، تاکہ اوروں کے تقاضے سے محفوظ رہے

نیک عمل کا ثواب اس کی مشقّت کے اندازے پر ملتا ہے۔

جس شخص نے بندوں کا شکریہ ادا نہیں کیا، وہ خدا تعالیٰ کے شکر سے بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

بوڑھے کی رائے جوان کی قوّت و زور سے زیادہ اچھی ہے۔

آدمی کے چہرہ کا حُسن خدا تعالیٰ کی عمدہ عنایت ہے۔

کسی چیز سے بالکل نا اُمید ہو جانا اس کی طلب میں ذلّت اُٹھانے سے بہتر ہے۔

خوشامد اور تعریف کی محبت شیطان کے نہایت مضبوط داؤں ہیں۔

بہترین کلام وہ ہے جس سے سننے والے کو ملال اور اس پر بوجھ نہ ہو۔

ہر ایک شخص سے اس کے فہم کے مطابق کلام کر۔

کمینوں کی دولت تمام مخلوق کے واسطے مصیبت ہے۔

صلہ رحمی کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ اُن سے قطع رحم بہتر ہے۔

بہت سے سکوت کلام سے زیادہ مؤثر، بہت سے کلام تیر سے زیادہ تیز اور بہت سی لذّتیں ہلاک کرنے والی ہیں۔

ایک دفعہ کسی نے حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ ہم دس آدمی ہیں اور سوال ایک ہی ہے، مگر جواب جداگانہ چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں کہو۔ اس نے یہ سوال پیش کیا "علم بہتر ہے یا مال"۔ آپ نے اس طرح جواب دینا شروع کیا۔

۱۔ علم: اس لیے کہ مال کی تجھے حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم تیری حفاظت کرتا ہے۔

۲۔ علم: اس لیے کہ مال فرعون و ہامان کا ترکہ ہے اور علم انبیا کی میراث ہے۔

۳۔ علم: اس لیے کہ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور علم ترقی کرتا ہے۔
۴۔ علم: اس لیے کہ مال دیر تک رکھنے سے فرسودہ ہو جاتا ہے، مگر علم کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔
۵۔ علم: اس لیے کہ مال کو ہر وقت چوری کا خطرہ ہے، علم کو نہیں۔
۶۔ علم: اس لیے کہ صاحبِ مال کبھی بخیل بھی کہلاتا ہے مگر صاحبِ علم کریم ہی کہلاتا ہے۔
۷۔ علم: اس لیے کہ اس سے دل کو روشنی ملتی ہے اور مال سے دل تیرہ و تار ہو جاتا ہے۔
۸۔ علم: اس لیے کہ کثرتِ مال سے فرعون وغیرہ نے دعویٰ خدائی کیا، مگر کثرتِ علم سے رسولِ پاک نے
مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ کہا۔
۹۔ علم: اس لیے کہ مال سے بے شمار دشمن پیدا ہوتے ہیں مگر علم سے ہر دلعزیزی حاصل ہوتی ہے۔
۱۰۔ علم: اس لیے کہ یومِ قیامت کو مال کا حساب ہوگا، مگر علم پر کوئی حساب نہ ہوگا۔

ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ اگر کسی شخص کو کسی مکان میں بند کر کے اس کے سارے دروازے بند کر دیئے جائیں تو رزق اس کو کس طرح پہنچے گا؟ آپ نے جواب دیا، جہاں سے اس کی اجل آئے گی۔

ایک صحابیؓ نے آپ سے پوچھا کہ مشرق و مغرب کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس قدر آفتاب کی ایک دن کی رفتار ہے۔

ایک دفعہ ایک کافر نے عین نمازِ عصر کے لیے تیار ہونے کے وقت آپ سے یہ سوال کیا کہ کون کون سے جانور انڈے دیتے ہیں اور کون کون سے بچے؟ اس کی غرض یہ تھی کہ یہ سب جانوروں کی تفصیل بیان کریں گے۔ اور نمازِ جماعت کا وقت قضا ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ جن جانوروں کے کان اندر ہیں، وہ انڈے دیتے ہیں۔ اور جن کے باہر ہیں وہ بچے دیتے ہیں۔

ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ انسان مختار ہے یا مجبور؟ آپ نے فرمایا، اپنی ایک ٹانگ اٹھا۔ اس نے اٹھالی۔ پھر فرمایا، اب دوسری ٹانگ بھی اُٹھا۔ اس نے مجبوری ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا، بس یہی مثال مختار و مجبور کی ہے۔

آپ کی ولادت عین خانہ کعبہ کے اندر ہوئی۔ آپ آنحضرتؐ کے حقیقی عم زاد برادر تھے۔ پانچ سال کی عمر کے بعد آنحضرتؐ ہی نے آپ کی پرورش و تربیت فرمائی۔ آپ سب سے پہلے دس برس ہی کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ والدین کی ناراضگی اور لوگوں کی مخالفت سے بچنے کے لیے جنگل میں جا کر آنحضرت کے ساتھ نماز پڑھا کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ دامادی آپ کو حاصل ہوا۔

صحابہ کرامؓ میں جب رشتہ مواخات قائم کیا گیا، تو حضرت علیؓ رہ گئے۔ آپ آنحضرتؐ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "اے علیؓ! کیوں گھبراتے ہو، تم دنیا و آخرت دونوں جگہ میں میرے بھائی ہو"۔

کسے را میسر نہ شُد ایں سعادت بکعبہ ولادت، بمسجد شہادت

جب آنحضرتؐ غزوہ تبوک پر تشریف لے جانے لگے اور آپ کو مدینے میں رہنے کا حکم دیا تو آپ نے عرض کیا،

یا حضرتؐ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں کا خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ مجھے جہاد میں کیوں نہیں لے جاتے؟ آپ نے فرمایا، اے علیؓ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ میں تمہیں مدینے میں ایسے ہی چھوڑے جا رہا ہوں، جیسے کہ موسیٰؑ ہارونؑ کو چھوڑ کر گئے تھے۔ مگر یہ بات ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

چونکہ آپ کا دورِ خلافت زیادہ تر شورش اور خانہ جنگی میں گزرا، ایک معترض نے باعث دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے پیشروؤں کا مُشیر میں تھا اور میرے مشیر تمہارے جیسے لوگ ہیں۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا "اے علیؓ! تمہاری مثال حضرت عیسیٰؑ کی سی ہے۔ یہودیوں نے آپؑ سے ایسی عداوت و دشمنی کی کہ اُن کی والدہ مریم صدیقہ پر گندے اتہام باندھے۔ اور نصاریٰ نے اُن سے اس قدر محبت کی کہ انہیں "ابن اللہ" کہہ دیا۔ انسان کو دونوں چیزیں ہلاک کرتی ہیں۔ اس درجہ کی دشمنی بھی کہ اتہام سازی اور افترا پردازی پر اُتر آئے، اور اس درجہ کی محبت بھی کہ جس میں حد سے زیادہ غلو ہو جائے۔ یہ کلمات گویا پیشگوئی تھے۔ جو لفظ بلفظ پورے ہوئے۔ یعنی فرقۂ خارجی آپ کو حد سے زیادہ بُرا کہنے لگا۔ دوسرا گروہ رافضیوں کا آپ کی محبت میں حد سے زیادہ غلو کرنے لگا۔ اور گروہِ نصیری نے تو آپ کو خدا ہی کہہ دیا۔

تفسیر، حدیث، فقہ، علم قراءت اور علم فرائض میں اپنی نظیر آپ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے آپ کی شان میں فرمایا "میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔" اگر امعانِ نظر سے کام لیا جائے تو دنیا میں آپ جیسا جامع کمالات انسان نہ ملے گا۔ بے نظیر شجاعت و سخاوت اور بے مثال علمی قابلیت کا ایک جا ہونا بہترین کمالات سے ہے۔

آپ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ جب حضورِ اقدسؐ ہجرت کے لیے جانے لگے تو آپ نے ایثار و جاں نثاری کا ایک عدیم المثال مظاہرہ پیش کیا۔ کفار نے حضورؐ کے بیتِ مقدس کا محاصرہ کر رکھا تھا، جب آپ آنحضرتؐ کے ارشادِ گرامی کی تعمیل میں آپ کے بستر پر بلا خوف و خطر لیٹ گئے۔ یہ کامرانی بھی حضرت علیؓ کے حصے ہی میں تھی کہ قلعہ خیبر آپ کے ہاتھوں ایک ہی ہلہ میں فتح ہو گیا۔

سخاوت یہاں تک تھی کہ خود فاقہ کشی کر کے غربا کی امداد فرماتے۔ ایک روز محنت مزدوری کر کے آپ دو درہم لے کر شام کو گھر پہنچے تو دروازے پر ایک سائل کھڑا تھا۔ آپ نے دو درہم میں سے ایک سائل کو دے دیا۔ سائل نے بہت غور کے ساتھ اس کو جانچا۔ ایک شخص نے کہا کہ کیا تم نے کوئی چیز فروخت کی ہے جو اس قدر جانچ پرکھ کر رہے ہو؟ اس نے کہا، ہاں! میں نے اپنی آبرو فروخت کی ہے۔ آپ نے یہ سن کر دوسرا درہم بھی اس کو دے دیا اور معذرت چاہی کہ میں آبرو کی پوری قیمت نہیں ادا کر سکا۔ تین روز متواتر ایسا ہی واقعہ پیش آتا رہا کہ مشقت کر کے جو کچھ لاتے، نذرِ سائل ہو جاتا، اور آپ معہ اہل و عیال مسلسل تین روز مبتلائے فاقہ کشی رہے۔

عبد الرحمٰن بن ملجم اپنے فرقہ خارجی کی ایک نہایت حسین و جمیل عورت قطام بنت شحنہ کی محبت میں دیوانہ تھا۔ اس نے کہا کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کر سکتی ہوں کہ تم علی کو قتل کر دو۔ اُس نے کہا، بخدا میں پہلے ہی اسی خیال سے کوفہ میں آیا ہوں۔ اور اب تو ضرور ہی اس کام کو انجام تک پہنچاؤں گا۔ جنونِ محبت میں وہ ایک زہر میں بجھی ہوئی تلوار

لے کر مسجد میں آیا اور عین حالتِ نماز میں آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ نے زخمی ہو کر جعدہ بن ہبیرہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ ابن ملجم نہایت تیزی سے تلوار ہلاتا ہوا بھاگا۔ لوگوں نے اس کا تعاقب کیا، لیکن غیر مسلح ہونے کے باعث اُسے پکڑ نہ سکے اتفاق سے مغیرہ بن نوفل کا اُدھر گزر ہوا، اور اس ہنگامہ میں اپنی چادر اس پر پھینک دی۔ وہ چادر کی لپیٹ میں آ گیا اور قابو کر لیا گیا۔

لوگ حضرت علیؓ کو اٹھا کر گھر لائے اور ابنِ ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس سے پوچھا "اے دشمنِ خدا میں نے تیرے ساتھ کوئی نیکی اور احسان نہیں کیا تھا؟" ابنِ ملجم نے جواب دیا، آپ کے بہت سے احسان میری گردن پر ہیں۔ آپ نے فرمایا "کیا تُو نے مجھے ان احسانات کا یہی بدلہ دیا ہے"؟ ابن ملجم اس کا کچھ جواب نہ دے سکا اور چپ رہا۔ آپ نے فرمایا "اے لوگو! اگر میں مر جاؤں تو قاتل کو مار ڈالنا۔ اور اگر میں بچ گیا تو خود فیصلہ کروں گا۔" اس کے بعد آپ نے حضرت امام حسنؓ و حسینؓ اور محمد بن حنفیہ کو پاس بٹھا کر خاص وصیتیں کیں۔ جس میں متفق رہنے، عدل و انصاف اور رحم و انکساری کی تاکید فرمائی۔ جب آپ وصیت سے فارغ ہو گئے تو حاضرین سے فرمایا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ اس کے بعد آپ نے سوائے کلمہ پاک کے اور کچھ نہیں فرمایا۔ آپ کے دونوں بیٹوں اور حضرت عبداللہ بن جعفر نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت امام حسنؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تین کپڑوں کا آپ کو کفن دیا گیا۔ جس میں کُرتا نہ تھا۔ اور صبح کے وقت دفن کئے گئے۔

تاریخ وفات:- ۱۷ ماہ رمضان بہ شب جمعہ سنہ ۴۰ھ ہے۔ بعمر ۶۳ سال۔

مدت خلافت:- قریباً پانچ سال ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

چار یار اند در جہاں معروف — چوں محمد بہ نظمِ چار حروف
چار یارش مدارِ ہفت فلک — چوں بدرگاہِ حق چار ملک
چار یار اند چار حدِ کمال — مشرق و مغرب و جنوب و شمال
چار یارند با عدالت و داد — چوں ہم خاک و آب و آتش و باد
چار یارند از سرِ آداب — خیمۂ شرع را چہار طناب
چار یارند در وجود بشر — چوں دو چشم و دو گوشش یکدیگر
چار یارند با محبت ھم — چوں محبت بر چار حرف بہم
نام مصحف کہ چار حرف نہند — انتظامش چہار یار دہند
صدق و عدل و حیا و علم نبیؐ — بود در ہر چہار یار خفی
چوں ز انگشت مصطفیٰؐ ست بہ مشت — چار یارش مثالِ چار انگشت
تا ز قربِ نبی شدند دل شاد — دو خسر بودند، دو داماد

اقوال حضرت امام جعفر صادق رض

دروغ گو کو مروّت اور حاسد کو راحت نہیں۔ بدخلق کو سرداری اور ملوک کو اخوت نہیں۔

جو کوئی خالق تعالیٰ سے اُنس رکھتا ہے، اس کو خَلق سے وحشت ہو جاتی ہے۔

اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچاؤ تاکہ عابد ہو اور جو کچھ قسمت میں ہو گیا اس پر راضی رہو۔

فاجر سے صحبت مت رکھ کہ تجھ پر فسق و فجور غالب آجائے گا مشورت ایسے لوگوں سے کر جو طاعتِ خدا خوب کرتے ہوں۔

جو شخص ہر آدمی کے ساتھ صحبت رکھتا ہے وہ سلامت نہیں رہتا۔ اور جو کوئی بُرے راستے جاتا ہے اس کو اتہام لگتا ہے۔ اور جو شخص اپنی زبان کو قابو میں نہیں رکھتا، وہ پشیمان ہوتا ہے۔

بہت سی ایسی نیکیاں ہیں کہ جس سے بندہ اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مطیعِ مغرور، گناہ گار اور گنہگارِ نادم مطیع ہوتا ہے

خوشامدی لوگ تیرے لیے تکبّر کا تخم ہیں۔

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ درویشِ صابر فاضل تر ہے یا تونگرِ شاکر؟ فرمایا درویش صابر، کیونکہ تونگر کا دل کیسہ میں اٹکا رہتا ہے اور درویش کا اللہ تعالیٰ میں۔

عبادت بلا توبہ درست نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم کیا ہے۔

آپ نے امام ابو حنیفہ رح سے دریافت کیا کہ عقلمند کس کو کہتے ہیں؟ حضرت امام ابو حنیفہ رح نے کہا کہ خیر و شر میں تمیز کرے آپ نے فرمایا یہ تمیز تو بہائم میں بھی ہوتی ہے کہ مارنے والے اور چارہ دینے والے میں تمیز رکھتے ہیں۔ ابو حنیفہ رح نے عرض کیا کہ آپ کے نزدیک عقلمند کون ہے؟ فرمایا کہ عقلمند وہ ہے جو دوٗ خیر اور دو شر میں امتیاز کرے۔ اور خیر میں خیر الخیرین کو اختیار کرے اور شر میں خیر الشرین کو۔

ایک گناہ بہت ہے اور ہزار طاعت قلیل۔

ذوقِ صوفیا کوئی اور طریق علاوہ کتاب و سنت نہیں ہے۔

ابتلا ایک شرف ہے۔ اسی لیے خاصانِ حق اس میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔

بے حد اعتقاد بربادی ہے اور نکتہ چینی بدنصیبی۔

علماء کا فقر اختیاری ہوتا ہے اور جُہلا کا اضطراری۔

آدمی کی نیک بختی اس میں بھی ہے کہ اس کا دشمن عقلمند ہے۔

متکبّر اطاعت کرنے والا عاصی ہے اور عاصی عذر کے سبب اطاعت کرنے والا ہے۔

توبہ کرنا آسان لیکن گناہ چھوڑنا مشکل ہے۔

اس کو خوشی ہو جس کی آنکھ شہوات دیکھتی ہے اور اس کا دل ان شہوات کو نہیں چاہتا۔
ہمارا دین سراپا ادب ہے جو اس کو ملحوظ نہیں رکھے گا وہ حرمان نصیب ہے۔
بڑا زہد دنیا میں یہ ہے کہ لوگوں کی ملاقات سے کنارہ کش ہو جائے۔
فضیلت اگرچہ جماعت میں ہے لیکن سلامتی گوشہ نشینی میں ہے۔
زیادہ شکم سیری اور فاقہ کشی دونوں مانع عبادت ہیں۔
قدرتِ انتقام رکھتے ہوئے غصّے کو پی جانا افضل ترین جہاد ہے۔
کھلی ہوئی عداوت منافقانہ مُوافقت سے بہتر ہے۔
مصیبت میں آرام کی تلاش مصیبت کو ترقی دیتی ہے۔
جہاد بالسیف سے جہاد بالمال سخت تر ہے۔
حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ جو کچھ تیرے دل کے اندر ہے اگر تو اس کو کھلے ہوئے طباق میں رکھ دے اور اس کو لے کر بازار کا گشت لگائے تو اس میں ایک چیز بھی ایسی نہ ہو جس کو اس طرح آشکارا کرنے میں تجھے شرم آئے یا کوئی اس پر حرف گیری نکتہ چینی یا انگشت نمائی کر سکے۔
غذا سے جسم کو اور قناعت سے رُوح کو راحت پہنچتی ہے۔
سعید وہ ہے جس کا دل عالم ہو اور بدن صابر اور موجودہ پر قانع رہے۔
کم عمر والے کے گناہ اپنے سے کم جان کر اس کی عزت کر۔
دوسروں کے مال کا طمع نہ کرنا بھی داخلِ سخاوت ہے۔
نزولِ بلا ہلاکت کے لیے نہیں بلکہ امتحان کے لیے ہوتا ہے۔
نفس اللہ تعالیٰ کا مخالف ہے اور نفس کی مخالفت خدا تعالیٰ کی دوستی ہے۔
احسان تین باتوں کے بغیر کامل نہیں ہوتا: یہ کہ اس کو صغیر سمجھے تو عظیم بن جائے گا۔ یہ کہ اس کو مستور رکھے مستور رکھنے سے تمام یعنی پورا ہو جائے گا۔ یہ کہ اس میں جلدی کرنے سے خوش گوار ہو جائے گا۔
گناہ ناسور ہے۔ اگر ترک نہ کرو تو برابر بڑھتا رہے گا۔
شکایت کا ترک کرنا صبر ہے۔

اقوال حضرت غوث الاعظمؒ

ہماری غیبت کرنے والے ہمارے فلاح رکسان، ہیں کہ ہم کو خراج دیتے ہیں، اور اپنے اعمالِ صالحہ ہمارے اعمال نامہ میں منتقل کر دیتے ہیں۔

جب کوئی تم سے کوئی بات تمہاری بے آبروئی کی یا رنج دینے والی کسی شخص کی طرف سے نقل کرے تو اس کو جھڑک دو اور کہہ دو کہ تو اس سے بھی بدتر ہے کہ اس نے تو ہماری پسِ پشت یہ بات کہی ہے اور تو ہمارے منہ پر کہتا ہے۔ اس نے ہم کو سنائی نہیں تھی لیکن تو نے سنا دی۔

وہ کیا ہی بد نصیب انسان ہے کہ جس کے دل میں خدا تعالیٰ نے جانداروں پر رحم کرنے کی عادت پیدا نہیں کی۔

تیرے سب سے بڑے دشمن تیرے بُرے ہم نشین ہیں۔

تمام خوبیوں کا مجموعہ علم سیکھنا اور عمل کرنا پھر اوروں کو سکھانا ہے۔

دنیا کی محبت سے خاصانِ خدا کو پہچاننے والی آنکھ اندھی رہتی ہے۔

شکستہ قبروں میں غور کر کہ کیسے کیسے حسینوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔

جو خدا تعالیٰ سے واقف ہو جاتا ہے وہ مخلوق کے سامنے متواضع ہو جاتا ہے۔

وعظ خالصتاً للہ کر، ورنہ تیرا گونگا پن ہی بہتر ہے۔

جس عمل میں تجھے حلاوت نہ آئے، سمجھ کہ وہ عمل ہی تو نے نہیں کیا۔

گمنامی کو پسند کر کہ اس میں ناموری کی نسبت بڑا امن ہے۔

جب تک کہ سطحِ زمین پر ایک شخص بھی ایسا ہے جس کا تیرے دل میں خوف ہو یا اس سے کسی قسم کی توقع ہو، اس وقت تک تیرا ایمان کامل نہیں ہوا۔

جب تک تیرا اترانا اور غصہ کرنا باقی ہے، اپنے آپ کو اہلِ علم میں شمار نہ کر۔

وہ رزق کی فراخی جس پر شکر نہ ہو اور معاش کی تنگی جس پر صبر نہ ہو، فتنہ بن جاتی ہے۔

اوروں پر ہر دم نیک گمان رکھ اور اپنے نفس پر بدظن رہ۔

اے عالم! اپنے علم کو دنیا داروں کے پاس اُٹھنے بیٹھنے سے میلا نہ کر۔

تیرا کلام بتا دے گا کہ تیرے دل میں کیا ہے؟

ظالم مظلوم کی دنیا بگاڑتا ہے اور اپنی آخرت۔

شروع کرنا تیرا کام ہے اور تکمیل کرنا خدا کا۔

عاقل پہلے قلب سے پوچھتا ہے پھر منہ سے بولتا ہے۔

تنہا محفوظ ہے، اور ہر گناہ کی تکمیل دو سے ہوتی ہے۔

بجز اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضرورت کے گھر سے باہر مت نکل۔

کوشش کر کہ گفتگو کی ابتدا تیری طرف سے نہ ہوا کرے اور تیرا کلام جواب بنا کرے۔

غیر ضروری بات کا جواب دینے سے بھی زبان کو بند رکھ، چہ جائے کہ تو خود کوئی فضول بات کرے۔

جسے کوئی ایذا نہ پہنچے، اس میں کوئی خوبی نہیں ہے۔

دنیادار دنیا کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور دنیا اہل اللہ کے پیچھے۔
مومن کے لیے دنیا ریاضت کا گھر اور آخرت راحت کا گھر ہے۔
بدگمانی تمام فائدوں کو بند کر دیتی ہے۔
سمجھدار کسی چیز میں خوشی نہیں پاتا، کیونکہ اس کا حلال حساب ہے اور حرام عذاب ہے۔
خدا کے دشمنوں کو راضی رکھنا عقل و دانش سے دُور ہے۔
اللہ والے تو طاعتیں کرتے ہیں اور اس پر بھی ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں۔ تم گناہ کرتے ہو اور پھر بھی بے خوف ہو۔ یہی تو صریح دھوکا کھانا ہے۔ بچو بچو کہ کہیں اسی حالت میں تمہاری گرفت نہ فرمالے۔
نفس کو حق پہنچاتے ہیں اس کی بقا اور حظ پہنچاتے ہیں اس کی فنا ہے۔
بے ادب خالق و مخلوق دونوں کا معتوب و مغضوب ہے۔
ایمان اصل اور اعمال فرع ہیں۔ لہٰذا ایمان میں شرکت سے بچو اور اعمال میں معصیت سے۔
اوّل جہل ہوتا ہے، پھر علم، پھر اس پر عمل، پھر عمل میں اخلاص اور پھر عمل قلبی۔
مستحق سائل خدا تعالیٰ کا ہدیہ ہے جو بندے کی طرف بھیجا جاتا ہے۔
اگر صبر نہ ہو تو تنگدستی یا بیماری وغیرہ ایک عذاب ہے اور اگر صبر ہو تو کرامت اور عزت ہے۔
مساکین کو ناخوش رکھ کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی ناممکن ہے۔ جو مصیبت تم پر آئے اس کا علاج مساکین کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔
جس نے مخلوق سے کچھ مانگا، وہ خالق کے دروازے سے اندھا ہے۔
تو نفس کی تمنا پوری کرنے میں مصروف ہے اور وہ تجھ کو برباد کرتے ہیں۔
خالق کا مقرب وہی ہے جو مخلوق پر شفقت کرتا ہے۔
کفرانِ نعمت اور خودستائی قربِ حق کی ضد ہیں۔
تجھ جیسے ہزاروں کو دنیا نے موٹا تازہ کیا ہے اور پھر نگل گئی ہے۔
تیری جوانی تجھ کو دھوکا نہ دے۔ یہ عنقریب تجھ سے لے لی جائے گی۔
افلاس گناہوں سے بچاتا ہے اور تونگری معصیت کا جال ہے۔ افلاس کو اپنا محافظ خیال کر۔
افلاس پر رضامندی بے حد ثواب کا موجب ہے۔
رحمت کو لے کر کیا کرے گا، رحیم کو لے۔ ہر متقی شخص محمدؐ کی آل ہے۔
جس کا انجام موت ہے، اس کے لیے کونسی خوشی ہے۔
تجھ کو لوگ تکبّر کرنے سے بڑا نہیں سمجھ سکتے، بلکہ تواضع سے بڑا ہوگا۔
اپنے دل کو صرف خدا کے لیے خالی رکھ اور اعضا کے ساتھ بال بچوں کے لیے معاش میں مصروف رہ کہ یہ بھی تعمیلِ حکم ہے۔

موت کو یاد رکھنا نفس کی تمام بیماریوں کی دوا ہے۔

عبادت عادت ترک کرنے کا نام ہے نہ کہ عبادت کو عادت بنا لینے کا۔

جو نفس کو درست کرنا چاہیے وہ اس کو سکوت اور حسنِ ادب کی لگام دے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قرض طلب کرتا ہے اور اس کے قاصد سائل لوگ ہیں۔

میں ایسے مشائخ کی صحبت میں رہا ہوں کہ ان میں سے کسی ایک کے دانت کی سفیدی بھی نہیں دیکھی۔

جہاں تک ہو سکے لقمہ کی اصلاح کر، کہ بنیادِ عمل صالح کی یہی ہے۔

اہل اللہ کے نزدیک مخلوق بمنزلہ اولاد کے ہے۔

نامحرم عورتوں اور لڑکوں کے پاس بیٹھنا اور پھر یوں کہنا کہ مجھے ان کی طرف مطلق توجہ نہیں ہوتی جھوٹ ہے۔ اس بات میں نہ تو شریعت غرّا ہی تیری موافقت کرتی ہے اور نہ ہی عقل سلیم اس سے مطابقت کھاتی ہے اور یہ شریعت کا انکار عام ہے۔ کیونکہ شریعت نے کسی کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔

جب کہ فرشتے تصویر والے گھر میں داخل نہیں ہوتے تو خدا تعالیٰ تیرے قلب کے اندر کیونکر داخل ہوگا۔ جبکہ اس میں سینکڑوں ہی مورتیں اور بُت جمع کر رکھے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز جو دل میں جاگزیں ہے تصویر اور بت ہے۔

صالح کی زیارت ہی اس کی حالت کی اطلاع دے دیتی ہے۔

سیاحت و خلوت سے مانوس ہونا قربِ حق کی کُنجی ہے۔

نعمت تجھے اپنا پابند نہ بنالے کہ مُنعم سے غافل کر دے۔

اسباب درحقیقت حجاب ہیں کہ ان کی وجہ سے شاہی دروازہ بند نظر آتا ہے۔

مومن کو نیند کرنا زیبا نہیں جب تک اپنا وصیت نامہ اپنے سرہانے نہ رکھ لے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت قلب سے ہوتی ہے، قالب سے نہیں۔

مکانوں کے بنانے میں عمر ختم کر رہا ہے، بسیں گے دوسرے، حساب دے گا تو۔

اے ابنِ آدم! خدا تعالیٰ سے اتنا تو شرما جس قدر تو اپنے دیندار پڑوسی سے شرماتا ہے۔

جب کوئی بندہ گناہ کرنے کے وقت اپنے دروازوں کو بند کر لیتا، پردے ڈال دیتا اور مخلوق سے چھپ جاتا ہے اور خلوت میں خالق کی نافرمانی کرتا ہے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابنِ آدم! تو نے اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے زیادہ مجھی کو کم تر سمجھا ہے کہ سب سے پردہ کرنا ضروری سمجھتا ہے اور مجھ سے مخلوق کے برابر بھی شرم نہیں کرتا۔

یہ مفید نہیں ہے کہ زبان تو ماہر ہو اور قلب نادان۔

مقتدی بنا رہ، مقتدائے اُمت نہ بن

اپنے ماں باپ کو شریکِ خدا نہ سمجھو کہ ان پر بھروسہ کر بیٹھو۔

اے مذاق اڑانے والے جلد تجھ کو اپنا جواب بھی نظر آجائے گا۔

اے منافقو! عنقریب تم عذابِ خداوند تعالیٰ کو دنیا و آخرت میں دیکھو گے۔ زمانہ حاملہ ہے۔ جلدی ہی تم کو نظر آجائے گا کہ اس سے کیا پیدا ہوتا ہے۔
تیرا عمل تیرے عقائد کی دلیل ہے اور تیرا ظاہر تیرے باطن کی علامت ہے۔
مخلوق کی طرف منہ کرنا بعینہٖ حق تعالیٰ کی طرف پشت کرنا ہے۔
گونگا بن اپنی عادت، گمنامی اپنا لباس اور مخلوق سے گریز اپنا مقصود بنالے۔ اور اگر تجھ سے ہوسکے تو زمین میں سُرنگ کھود کر اس میں بیٹھ جا۔ اور یہ عادت تیری اس وقت تک رہنی چاہیئے کہ تیرا ایمان بالغ اور بجوان ہو جائے۔
خالی تمنا حماقت کا جنگل ہے، جس میں احمق ہی مارا مارا پھرتا ہے۔
رضائے خالق کے خواہشمند مخلوق کی اذیتوں پر صبر اختیار کر۔
بلا کے سبب سے حق تعالیٰ کی طرف سے رُوگردان مت ہو کہ وہ اس میں تیری آزمائش فرماتا ہے۔
میانہ روی نصف روزی ہے اور حسنِ اخلاق نصف دین ہے۔
اے عمل کرنے والے اخلاص پیدا کر، ورنہ فضول مشقت ہے۔
اس منزل سے جس میں تو ہے ڈرتا رہ، کہ جدھر بھی تو دیکھے گا تیرے اردگرد درندے ہی درندے ہیں۔
اعمال خلوتوں ہی میں ہوتے ہیں نہ کہ جلوتوں میں، بجز فرائض کے کہ ان کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔
ہر وہ چیز جس پر کہ تیرا اعتماد ہے ہر وہ شخص جس سے تو ڈرتا یا جس سے تو کچھ توقع رکھتا ہے، وہی تیرا معبود ہے۔
وصیّت خاص: (۱) اطاعتِ خداوندی کو لازم کر (۲) نہ کسی سے خوف کر نہ طمع رکھ (۳) ساری حاجتیں حق تعالیٰ کے حوالے کر۔ اسی سے مانگ، اور اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہ رکھ۔
طالب صادق نہیں، جب تک تو اپنی خوراک میں اپنے ہمسایہ کو اپنے نفس پر ترجیح نہ دینے لگے۔
لوگوں کے سامنے معزز بنا رہ، ورنہ افلاس کے ظاہر کرنے سے لوگوں کی نظروں سے گر جائے گا۔
امیروں کے ساتھ عزت اور غلبہ سے مل اور فقیروں سے عاجزی اور فروتنی کے ساتھ۔
تیری غفلت کی علامت اہل غفلت کے پاس بیٹھنا ہی ہے۔
مخلوق کی محبت ان کی خیر خواہی کرنا ہے۔
بہترین عمل دوسروں کو دینا ہے نہ کہ دوسروں سے لینا۔
جو خلق کے ساتھ خُلق میں فراخ تر ہو وہ خالق سے نزدیک تر ہے۔
رہائش کے قابل گھر، بدن ڈھانپنے کے قدر کپڑا، پیٹ بھر روٹی اور بیوی دنیا نہیں ہے بلکہ دنیا یہ ہے کہ دنیا کی طرف منہ ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف پشت کرلے۔
خلوت میں خاموشی مردانگی نہیں، جلوت میں خاموش رہ۔
اگر تو نے اللہ تعالیٰ بھی بلند آواز سے کہا ہے تو اس کی بھی تجھ سے باز پُرس ہوگی کہ خالصًا کہا ہے یا ریا سے۔

جب ذکر قلب میں جگہ پکڑ جاتا ہے تو بندے کا اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا دائمی بن جاتا ہے اگرچہ زبان بند رہے۔
حاکم کے جو حقوق تجھ پر ہیں بجا لا، اور وہ چیز جو ان پر واجب ہے مطالبہ نہ کر۔
موت سے پہلے یادِ خدا میں عزّت ہے۔ لوگوں کے کاٹنے کے وقت ہل چلانا اور بیج بونا بے سُود ہے۔
مصیبتوں کو چھپا، قربِ حق نصیب ہوگا۔
مومن اپنے اہل و عیال کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہے اور منافق اپنے درہم و دینار پر۔
مخلوق تین طرح کی ہے (۱) فرشتہ (۲) شیطان (۳) انسان۔ فرشتہ تو سرتاپا خیر ہے اور شیطان سرتاپا شر۔ اور انسان مخلوط کہ خیر بھی رکھتا ہے اور شر بھی جس پر خیر غالب ہو، وہ فرشتوں سے جا لاحق ہوتا ہے اور جس پر شر غالب ہو وہ شیطان ہے۔
ہنسنے والوں کے ساتھ ہنسامت کر بلکہ رونے والوں کے ساتھ رو تا رہا کر۔
اگر تو خالق کے ساتھ ہے تو تُو اس کا بندہ ہے، اور اگر مخلوق کے ساتھ ہے تو مخلوق کا بندہ۔
آخرت کو دنیا پر مقدم کر، دونوں میں فائدہ حاصل کرے گا اور جب تو نے دنیا کو آخرت پر مقدم رکھا تو دونوں میں نقصان اٹھائے گا
کسی کی دشمنی یا کینہ کے خیال میں ایک رات بھی مت گزار۔
تیرے اخلاص کی علامت یہ ہے کہ تو خلقت کی تعریف اور مذمّت کی طرف توجّہ نہ کرے اور ان کے مالوں میں طمع نہ رکھے۔ بلکہ تو ربُوبیّت کو اس کا حق دے اور منعم کے لیے عمل کرے نہ کہ نعمت کے لیے، مالک کے لیے نہ کہ مِلک کے لیے حق کے لیے نہ کہ باطل کے لیے۔
حیات کے دروازے کو، جب تک کھلا ہے، غنیمت جانو۔ وہ جلدی ہی تم سے بند کیا جائے گا۔ اور نیکی کے کاموں کو جب تک تمہیں قدرت ہے، غنیمت سمجھو۔
خالق کے ساتھ ادب کا دعویٰ غلط ہے، جب تک تو مخلوق کے ادب کا خیال نہ رکھے۔
جو شخص اپنے نفس کا اچھی طرح سے معلّم نہیں ہو سکتا، دوسرے کا کس طرح ہوگا؟
جب عالم زاہد نہ ہو تو وہ اپنے زمانہ والوں پر عذاب ہے۔
مومن جس قدر بوڑھا ہوتا ہے، اس کا ایمان طاقتور ہوتا ہے۔
مقسوم کی طلب بے فائدہ تکلیف ہے اور غیر مقسوم کو طلب کرنا غضبِ الٰہی اور ذلّت ہے۔
تو خلقت کو راضی کرنے میں خالق کی ناراضگی کی پروا نہیں کرتا۔ دنیا کی عمارت کے عوض آخرت کو برباد کرتا ہے۔
جلدی ہی تو پکڑا جائے گا۔ تجھے وہ پکڑے گا جس کی گرفت حد درجہ دردناک ہے۔
کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو اسے حکم کرتا ہے کہ وہ تیری قسمت کو بدل ڈالے۔ کیا تو اس سے زیادہ حاکم اور اس سے زیادہ عادل اور اس سے زیادہ رحیم ہے؟ تو اور ساری خلقت اس کے بندے ہیں، وہ تیرا بھی اور ان کا بھی منتظم ہے اگر تو دنیا اور آخرت میں اس کی صحبت کا خواہشمند ہے، تو سکون، خاموشی اور گونگا رہنا لازم پکڑ۔
قولِ بے عمل اور عملِ بے اخلاص ناقابلِ قبول ہیں۔

ایک شخص رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، میں آپؐ سے محبت رکھتا ہوں۔ فرمایا کہ فقر کے لیے چادر بنا۔ ایک اور شخص نے کہا کہ میں خدا تعالیٰ سے محبت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ بلا کے لیے چادر بنا۔ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی محبت فقر و فاقہ اور بلا سے ملی جلی ہوتی ہے۔

تم مشغول ہو ایسی چیز کے جمع کرنے میں جس کو کھا نہ سکو گے، آرزو رکھتے ہو ایسی چیزوں کی جن کو پا نہ سکو گے، تعمیر کرتے ہو ایسے مکان جن میں بس نہ سکو گے۔ یہ ساری چیزیں تم کو تمہارے رب کے مقام سے محجوب کرتی ہیں۔

خوش رہو اللہ تعالیٰ کے تغیر و تبدل سے جو کچھ وہ تمہارے حق میں پسند کرے۔ جب تم اس کے ساتھ اس طرح رہو گے، تو بالضرور وہ تمہاری وحشت کو اس سے بدل دے گا۔

صبر اختیار کر کیونکہ دنیا تمام تر ہی آفات و مصائب کا مجموعہ ہے۔

تکبّر اور نخوت اور اترانے کو چھوڑ۔ اپنی خوشی کو کم کر، اور حزن کو بڑھا کہ تو دار الحزن یعنی دنیا میں قید ہے۔

جیسا تیرا نفس حق تعالیٰ کے حکم پر راضی ہونے سے منکر ہے، ایسا ہی تو اپنے نفس کا منکر بن۔

چھوڑ دو تکبّر کو خالق پر اور مخلوق پر۔ اپنی حقیقت کو پہچانو اور تواضع اختیار کرو اپنے نفسوں میں۔ تمہاری ابتدا ایک نطفہ ہے جس سے گھن آئے، درمیانی حصۂ زندگی غلاظت کی پوٹ اور انتہا ایک مردار ہے جس کو پھینک دیا جاتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ کل کا دن ایسی حالت میں آئے کہ تو سطح زمین سے گم اور قبر کے اندر موجود ہو، یا اگلی ساعت ہی میں ایسا ہو جائے۔

جو حکم کی تعمیل نہ کرے، لازمی ہے کہ وہ خوشنودیٔ آقا سے محروم رہے۔

اگر محبت دنیا کے سوا ہمارا اور کوئی بھی گناہ نہ ہو، تب بھی ہم مستحق دوزخ ہیں۔

علم سے مراد عمل ہے۔ اگر تم اپنے علم پر عمل کرتے تو دنیا سے بھاگتے۔ کیونکہ علم میں کوئی شے ایسی نہیں جو محبت دنیا پر دلالت کرے۔

تاریخ پیدائش مبارک "ولادتِ عاشق" ۴۷۱ھ

تاریخ وفات شریف "معشوقِ الٰہی" ۵۶۲ھ۔ رضی اللہ عنہ۔

وجود باری تعالےٰ

۵ مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی ۔ دلیل ایسی ہے یہ، جو عمر بھر ردّ ہو نہیں سکتی

یہ مُسلّم ہے کہ تمام اجسام میں کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے۔ حرکت سے ہماری مراد صرف انتقالِ مکانی نہیں ہے، بلکہ ہر قسم کے تغیر کا نام حرکت ہے۔ مثلاً جسم یا بڑھتا ہے یا گھٹتا ہے، یا اپنی اصلی حالت پر قائم رہتا ہے۔ پہلی دونوں

صورتوں میں تو علانیہ تغیر محسوس ہوتا ہے۔ تیسری صورت بھی درحقیقت تغیر سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ پرانے اجزا فنا ہوتے جاتے ہیں اور ان کے بجائے نئے آتے جاتے ہیں۔ یہ دلیل کا پہلا مقدمہ ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جو چیز متحرک ہے، ضرور ہے کہ اس کا کوئی محرک ہو۔ کیونکہ اگر کوئی خارجی محرک نہیں ہے تو صرف یہ احتمال قائم ہو سکتا ہے کہ خود اس شے کی ذات محرک ہو، اور یہ صحیح نہیں۔ مثلاً یہ ظاہر ہے کہ انسان متحرک بالارادہ ہے۔ اب اگر حرکت اس کی ذاتی ہو تو چاہئے کہ جب کسی آدمی کے مقدم اعضا جدا کر دیئے جائیں تو اصل جسم اور جدا شدہ اعضا میں حرکت پائی جائے۔ حالانکہ دونوں میں سے ایک میں بھی حرکت باقی نہیں رہتی جب یہ ثابت ہوا کہ ہر متحرک کے لیے کسی محرک کی ضرورت ہے تو ضرور ہے کہ تمام اجسام کا سلسلہ کسی ایسے وجود پر ختم ہو جو خود متحرک نہیں۔ کیونکہ اگر وہ بھی متحرک ہو تو اس کے لیے بھی محرک کی ضرورت ہوگی۔ اس صورت میں غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا۔ اور یہ محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ محرکِ اوّل جو خود متحرک نہیں اور تمام اشیا کی حرکت کا باعث ہے، خدا ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ جو چیز متحرک ہے، ضرور ہے کہ اس کے لیے کوئی محرک ہو۔ اب دو صورتیں ہیں، یا یہ سلسلہ کسی حد تک جا کر ٹھہر جائے گا۔ یعنی اخیر میں ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو بالذّات یا بالواسطہ تمام اشیا کی محرک ہے اور خود متحرک نہیں۔ یہی خدا ہے۔ یا یہ سلسلہ کہیں ختم نہ ہوگا۔ اس صورت میں غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا اور یہ قطعاً ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ ازلی ہے۔ اس کے وجود کی ابتدا نہیں۔ ہر زندہ اور مردہ چیز سے پہلے وہی ہے۔ جس کی دوسری سادہ اور عام فہم دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قدیم نہیں ہے تو حادث ہوگا۔ اور اگر حادث ہے تو وہ بھی کسی دوسرے پیدا کرنے والے کا محتاج ہے۔ پھر دوسرا تیسرے کا اور تیسرا چوتھے کا، علیٰ ہذا القیاس۔ اس سے ایک بے نہایت تسلسل پیدا ہو جاتا ہے اور تسلسل سراسر ناممکن ہے۔ متسلسل شے حاصل نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو اسی طرح سے ہوتی ہے کہ ایک ایسے محدث یعنی پیدا کرنے والے پر نوبت پہنچے جو سب سے اوّل اور قدیم ہو اور اسی سے ہماری غرض ہے اور یہ وُہی ہے جس کو ہم عالم کا خالق، مُوجد، پیدا کرنے والا۔ بنانے والا اور حادث کرنے والا کہتے ہیں۔ ؎

جہاں را بلندی و پستی توئی ۔۔۔ نہ دانم چہ ہر چہ ہستی توئی

حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا اعتراف انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے۔ علم الانسان کے ماہرین نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ انسان جب بالکل فطری حالت میں تھا، یعنی علوم وفنون اور تہذیب و شائستگی کا بالکل وجود ہی نہیں ہوا تھا، اس وقت اس نے سب سے پہلے اصنام کی پرستش کی تھی یا خدا کی؟ مادہ پرستوں کے سوا دیگر تمام محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ انسان نے پہلے خدا تعالیٰ کی پرستش اختیار کی تھی۔ مشہور محقق میکس مولر لکھتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے خدا تعالیٰ کے آگے اس وقت سر جھکایا تھا جب وہ خدا تعالیٰ کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے۔ جسمانی خدا یعنی بُت اس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوئے کہ فطرت اصلی مثالی صورت کے پردے میں چھپ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جس زمانے سے دُنیا کی تاریخ معلوم ہے، دنیا کے ہر حصّے میں خدا تعالیٰ کا اعتقاد موجود تھا۔ آشوری، مصری، کلدانی، یہود، اہل فینیقیہ تمام کی تمام اقوام خدا تعالیٰ کی قائل تھیں۔ پلوٹارک کہتا ہے کہ تم دنیا پر نظر ڈالو گے تو بہت سے ایسے مقامات ملیں گے، جہاں نہ

قلعے ہیں نہ سیاست، نہ علم نہ صناعت، نہ حرفہ، نہ دولت۔ لیکن کوئی ایسا مقام نہیں ملتا جہاں خدا تعالیٰ اور اس پر اعتقاد نہ ہو۔ قرآن مجید کی سورۂ ابراہیم کے ایک ٹکڑے کا ترجمہ ہے "کیا خدا کی نسبت بھی شک ہو سکتا ہے جو آسمان و زمین کا موجد ہے"۔ چونکہ خارجی اسباب کی وجہ سے بعض اوقات یہ فطری احساس اس قدر دب جاتا ہے کہ محض اشارہ اور تنبیہ کافی نہیں۔ اس لیے اسی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ تجربی اور حسی مقدمات کے ذریعے بھی خداوند کریم نے قرآن پاک میں اکثر جگہ استدلال کیا ہے۔ مثلاً

"کیا تم اس پانی کو جو عورت کے رحم میں ڈالتے ہو، دیکھتے ہو؟ کیا اس سے بچوں کو تم پیدا کرتے ہو یا اُن کے اور تمہارے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ اور ہم پر کوئی زیادتی نہیں لے گیا (یعنی ہمارے حکم سے کوئی بھاگ نہیں سکتا) اور موت کو ہم نے اس لیے مقرر کیا ہے کہ تم میں سے تمہارے جیسے آدمیوں کو بدل دیں (یعنی تم کو مار ڈالیں اور دوسروں کو پیدا کریں) اور ہم تمہیں دوبارہ اس صورت میں پیدا کریں گے جس کو تم آج نہیں جانتے ہو۔ اور ضرور تم نے پہلے پیدا کرنے کو جان لیا ہے۔ پس کس لیے ہماری قدرت کو یاد نہیں کرتے ہو؟ کیا جو کچھ تم زمین میں بوتے ہو، اس کو دیکھتے ہو؟ کیا اس بیج کو تم اُگاتے ہو، یا اس کے اگانے والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو جو کچھ تم نے بویا ہے۔ ہم اس کو بے دانہ گھاس بنا دیں۔ پس تم اس سے اندوہناک رہو اور اپنی کوشش سے پشیمان۔ اور پھر کہو کہ تحقیق ہم تاوان زدہ ہیں، بلکہ ہم روزی سے بے نصیب ہیں۔ کیا تم اس پانی کو دیکھتے ہو؟ جس کو تم پیاس بجھانے کے لیے پیتے ہو؟ کیا اس کو سفید بادل سے تم نے اتارا ہے یا اس کے اتارنے والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو شور اور کڑوا بنا دیں۔ پس اس نعمت پر خدا تعالیٰ کا شکر کیوں نہیں کرتے۔ کیا تم اس آگ کو دیکھتے ہو جس کو نکالتے ہو؟ کیا اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ اس آگ کو ہم نے نصیحت بنایا ہے کہ اسے دیکھو تو دوزخ کی آگ کو یاد کرو۔ اور ہم نے اس آگ کو مسافروں اور مقیموں کے لیے متاع بنایا ہے"۔ ۵

مردِ بینا کو فقط ارض و سما کافی ہے یہی نظارہ پئے یادِ خدا کافی ہے

انسان کو آغازِ تمیز میں جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب، باقاعدہ اور منظم دیکھتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانشمند نے ان چیزوں کو ترتیب دیا ہے۔ اگر کسی جگہ ہم چند چیزیں بے ترتیب رکھی دیکھیں تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزیں اکٹھی ہو گئی ہوں گی۔ لیکن جب وہ اس ترتیب اور سلیقہ سے چنی گئی ہوں کہ ایک ہوشیار صناع بھی بمشکل اس طرح چن سکتا ہے۔ تو یہ خیال کبھی نہیں ہو سکتا کہ یہ ترتیب خود بخود پیدا ہو گئی ہو گی۔ اس کو ایک اور مثال میں سمجھو، خواجہ حافظؒ یا نظامیؒ و سعدیؒ کا کوئی شعر لو۔ اس کے الفاظ الٹ پلٹ کر کے کسی معمولی آدمی کو دو اور اس سے کہو کہ ان الفاظ کو آگے پیچھے رکھ کر ترتیب دے۔ وہ سو سو طرح اُلٹ پلٹ کرے گا، لیکن اتفاقیہ طور پر بھی کبھی یہ نہ ہو گا کہ حافظؒ، نظامیؒ اور سعدیؒ کا شعر نکل آئے۔ حالانکہ وہی الفاظ ہیں، وہی حروف ہیں۔ صرف ذرا سی ترتیب کا پھیر ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اس قدر باقاعدہ اور خاص سلیقہ کے ساتھ مرتب و موزوں ہے، وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو؟ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کے وجود پر اسی سے

استدلال کیا ہے۔ "یہ خداؐ کی کاریگری ہے، جس نے ہر چیز کو خوب پختہ طور سے بنایا۔ خداؐ کی کاریگری میں تم کو کہیں فرق نظر نہ آئے گا۔ پھر دوبارہ دیکھو کہیں دراڑ دکھائی دیتی ہے"؟ "خدا تعالیٰ نے ہر شے کو پیدا کیا، پھر اس کا ایک اندازہ معین کیا۔ خدا تعالیٰ کی بناوٹ میں کوئی ردّ و بدل نہیں"۔ "خدا تعالیٰ کے طریقے میں تم ردّ و بدل نہیں پا سکتے"۔ اب یہ صاف ظاہر ہے کہ جو چیز کامل، مرتب اور مستحکم انتظام ہوگی، وہ خود بخود پیدا نہیں ہو گئی ہوگی، بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحبِ اختیار نے اس کو پیدا کیا ہوگا۔ ؎

خرد خاموش ہے اور دل یہ کہتا ہے خدا کہیئے ۔۔۔ کیا ہے جس نے اس عالم کو پیدا اس کو کیا کہیئے

رہا کن عقل را، با حق ہمی باش ۔۔۔ کہ تاب خور ندارد چشم خفاش

آج جب کہ تحقیقات و تدقیقات کی انتہا ہو گئی ہے۔ جب کہ کائنات کے سینکڑوں اسرار فاش ہو گئے ہیں جبکہ حقائق اشیاء نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی ہے۔ بڑے بڑے فلاسفر اور حکما، انتہائے غور و فکر کے بعد خدا تعالیٰ کے ثبوت میں بھی استدلال پیش کر سکے جو قرآن نے پونے چودہ سو سال پہلے نہایت قریب الفہم اور صاف طریقہ میں ادا کیا تھا۔

؎ در کار خانہ کہ رہِ علم و عقل نیست ۔۔۔ وہم ضعیف و رائے فضولی چرا کند

باوجود ان تمام کھلے نشانات کے جو شخص کائنات کے ظہور و تخلیق کو محض ایک اتفاق سمجھتا ہے۔ اور اپنے اس خیال پر فخر کرتا ہے کہ یہ کائنات خود بخود پیدا ہو گئی اور کوئی اس کا پیدا کرنے والا اور بنانے والا نہیں ہے، اس کے فتورِ عقل کی دلیل ہے۔ جب ایک چھوٹا سا کمرہ بھی اس ساز و سامان کے ساتھ خود بخود مرتب نہیں ہو سکتا تو یہ اتنی بڑی کائنات کسی طاقت کے بغیر کس طرح پیدا ہو گئی؟ اور نہ صرف پیدا ہوئی بلکہ پیدا ہونے کے بعد ایک ایک چیز میں اس قدر سلیقہ، نظم اور ترتیب پائی جاتی ہے کہ اس کے حُسن و خوبی کا تصور کر کے حیرت و شوق کے عالم میں انسان وجد کرتا ہے۔ صبح و شام کی گردش موسموں کا اُلٹ پھیر، ہواؤں کا چلنا، سورج کی ضیا باریاں، چاند کی کشش سے سمندر کے پانی میں گھٹاؤ بڑھاؤ اوقاتِ مقررہ پر بارشوں کا ہونا، یہ سب چیزیں صانع اور خلاق کے حُسنِ صنعت اور خوبیٔ تخلیق کی کھلی ہوئی نشانیاں اور شہادتیں ہیں۔ کہر اوس، برف، بھاپ، ہوا اور پانی کی ضرورتوں اور افادیتوں پر غور کرو گے تو تمہاری نگاہِ بصیرت جتنی زیادہ گہرائیوں میں اُترتی جائے گی، اُتنا ہی خلاقِ کائنات کے وجود کا زیادہ وثوق و شدت کے ساتھ یقین ہوتا جائے گا۔ اشیا کے خواص اور مزاج کا خوب تجزیہ کرو۔ یہاں تک کہ ایک مجرّد حقیقت باقی رہ جائے۔ سائنس اسی مجرّد حقیقت کو "نامعلوم قوت" کے نام سے تعبیر کرتی ہے۔ اور اگر تم وجود کی باریکیوں میں جاؤ گے تو ہر قدم پر عقل کو ٹھوکر لگے گی۔ سائنس اس قدر ترقی کے باوجود ایک ذرّہ کی ماہیت نہ معلوم کر سکی۔ اور تم ریگستان کا کھوج لگانا چاہتے ہو۔ ؎

نہ بندد لشید اندیشہ افزوں ازیں ۔۔۔ کہ ہستی نہ بلکہ بیروں ازیں

غلط بالکل یہ دعویٰ ہے خداؐ کو جان سکتے ہیں ۔۔۔ مگر یہ صاف ظاہر ہے خداؐ کو مان سکتے ہیں

تعجب کیا اسے محدود ہستی نے نہیں جانا ۔۔۔ تعجب ہے اگر محتاج ہستی نے نہیں مانا

سمجھ کیا ہے اور کیا سمجھ کی بساط ۔۔۔ سمندر سے قطرے کا کیا ارتباط

دنیا میں اتنے بڑے بڑے سائنسدان گزر چکے ہیں لیکن گھاس کو دودھ میں تبدیل کر دینے کا راز کوئی دریافت نہ کر سکا۔ سرسوں کے دانے کی بساط ہی کیا ہوتی ہے۔ مگر تم دیکھتے ہو کہ وہ زمین کے سخت پردوں کو چیرتا ہوا، نرم و نازک سبز پتی کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔ شبنم کی بوندیں جن کو تم ذرا بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، اس نوزائیدہ نونہال کی پیاس بجھاتی ہیں۔ اور سورج کی کرنیں جن کی روشنی کو تم روز پاؤں تلے کچلتے رہتے ہو، اس کو اپنی تیز و گرم مگر مہربان گود میں لے کر پرورش کرتی ہیں۔ ہوا کے جھونکے اس نازک ترین پودے کو جھولا جھلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بچّہ جوان ہو جاتا ہے۔ تم نے دیکھا کہ ذرا سے پودے کی کس سلیقہ، ترتیب اور ضبط و نظم کے ساتھ پرورش ہوئی؟ کتنے بہت سے اسباب جن کو کسی طرح بھی اتفاقی نہیں کہا جا سکتا، اس کی نشوونما کے لیے جمع ہوئے؟ آخر اس ماحول کو پیدا کر کے اس کو ساز گار اور اتنے بہت سے اسباب کو جمع کرنے والی کوئی قوت تو ہونی چاہئے۔ مذہب کی اصطلاح میں اسی قوت کا نام "خدا" ہے۔

با خدا گر بُت پرستی کعبہ ات سنگ آورد | بے خدا اگر کعبہ سازی، بُت زتو ننگ آورد

ذرا غور کرو تو تم دیکھو گے کہ کائنات کا ایک ایک ذرّہ نہایت ہی بہتر منظم اور تربیت یافتہ نظام کے ماتحت پرورش پا رہا ہے، بلکہ اس میں جکڑا ہوا ہے۔ سورج کے طلوع و غروب کا ایک خاص وقت مقرر ہے۔ ہوائیں ایک خاص ترتیب کے ساتھ مخصوص موسموں میں پانی سے اپنی چھاگلیں بھر کر مینہ برساتی ہیں۔ پھولوں کے کھلنے اور سبزے کے لہکنے کے خاص اوقات مقرر ہیں۔ ہر خطّہ اور ملک کے ماحول کی نسبت سے پودے، درخت، پھول، جانور، کھانے پینے کی اشیاء، دوائیں معدنیات پیدا کی گئی ہیں۔ انتہائی سرد ملکوں میں ایسے جانور پیدا کئے گئے جن کی کھالیں، وہاں کے رہنے والوں کا لباس بن سکیں۔ ریگستانوں میں اُونٹ کو پیدا کیا۔ چونکہ وہاں گھاس اور پانی کی کمی ہوتی ہے۔ اس لیے اونٹ کے معدے کو اس ترتیب کے ساتھ بنایا کہ کئی کئی دن کا چارہ اور پانی ایک ہی وقت میں اپنے معدے کی تھیلیوں میں محفوظ رکھ سکے۔ غور کرو کہ کسی منتظم، مدبر، حکیم، علیم و بصیر اور قادر و برتر ہستی کے بغیر یہ حُسنِ ترتیب ظہور میں آ سکتا ہے؟ "زمین و آسمان کی تخلیق، لیل و نہار کی گردش، سمندر میں چلنے والی کشتی، ہواؤں کے رُخ بدلنے، آسمان سے بارش برسنے، زمین سے نباتات اُگنے اور حشرات الارض کے پیدا ہونے میں عقلمند قوم کے لیے خدا تعالیٰ کی نشانیاں مضمر ہیں۔ اب کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ اور فرشتے بادلوں کے سائے میں تمہارے پاس آ جائیں تو قصّہ تمام ہو جائے (قرآن حکیم)۔

مشکل حکایتے ست کہ ہر ذرّہ عین اوست | اما نمی تواں کہ اشارت باو کنند

آئزک نیوٹن کہتا ہے "کائنات کے اجزا میں باوجود ہزاروں انقلاباتِ مکان و زمان کے جو ترتیب و تناسب ہے وہ ممکن نہیں کہ بغیر کسی ایک ذات کے پایا جا سکے، جو سب سے اول ہے اور صاحبِ علم و اختیار ہے۔"

بجہاں درہمیشہ ہیدائی | لیک در چشم من نمی آئی
لمے کہ در ہیچ جا نداری جا | بو العجب ماندہ ام کہ ہر جائی

بعض قومیں خدا تعالیٰ کی مخالفت شروع کر دیتی ہیں، لیکن اُن کی خوش قسمتی اور خدا تعالیٰ کے تحمّل کو دیکھیے کہ وہ اسے

بھی برداشت کر لیتا ہے۔

؎ دوستاں راکجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

بہت سے لوگ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اپنے اپنے مذہب کی تشریح کر گئے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو تمام جھگڑے، تمام اختلافات تمام پریشانی، تمام بے اطمینانی ان تشریحات کی بھول ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ ورنہ سیدھے سیدھے رستے کے لیے دایاں بایاں کیا؟ واحد کے لیے اختلاف کیا ہے؟ نشان کے لیے نشان کیا ہے؟ بے مثال کے لیے مثال کیا؟ اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو تمام مذاہب کا نصب العین حق پرستی ہے خدا پرستی کسی خاص فرقے یا قوم کے ساتھ خدا تعالیٰ نے مخصوص تو نہیں کر دی۔ یہ بارہ عالی غریب و امیر، معزز و حقیر سب کے لیے یکساں کھلی ہے۔

؎ ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو گیر و دار و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

اس زمانے کا سب سے بڑا مادہ پرست حکیم ہربرٹ سپنسر کہتا ہے "ان تمام اسرار سے جن کی یہ کیفیت ہے کہ جس قدر ہم زیادہ غور کرتے ہیں۔ اسی قدر اور زیادہ غامض ہوتے جاتے ہیں، اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسان اور تمام نظامِ عالم کے اوپر ایک ازلی ابدی قوت موجود ہے جس سے تمام اشیا صادر ہوتی ہیں۔"

؎ اے محیط کل تری شانیں ہیں خارج از گماں بحرِ عظمت پر ترے اک بلبلا ہے آسماں

فرس فرزین خرد اس جا پہ پا افتادہ ہے شاہِ خاور عرصۂ شطرنج میں اک پیادہ ہے

فرانس کا مشہور فاضل کمیل فلامریان کہتا ہے "تمام اساتذہ اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہیں کہ وجود کیونکر ہوا اور یہ کیونکر برابر چلا جاتا ہے۔ اسی بنا پر ان کو مجبوراً ایک ایسے خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے جس کا مؤثر ہونا ہمیشہ اور ہر وقت قائم ہے۔"

؎ محفل میں شمع، چاند فلک پہ، چمن میں پھول تصویر روئے انورِ جاناں کہاں نہیں

پروفیسر لینی لکھتا ہے "خدائے قادر و دانا اپنی عجیب و غریب کاریگریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور میں بالکل دیوانہ بن جاتا ہوں۔ ہر چیز میں گو وہ کتنی ہی چھوٹی ہو، اس کی کس قدر عجیب حکمت اور کس قدر عجیب ایجاد پائی جاتی ہے۔"

؎ ہر جا کہ بینم از تو سزاوار سجدہ بر کعبہ می تواں بہرِ سو نماز کرد

فرنچ انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے "علومِ طبیعات کا مقصد صرف یہی نہیں ہے کہ ہماری عقل کی پیاس بجھائے بلکہ اس کا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی نظر خالقِ کائنات کی طرف اٹھائیں اور اس کے جلال و عظمت پر فریفتہ ہو جائیں۔

راسن کہتا ہے "اے آسمانو مجھ کو خبر دو۔ اے دریاؤ! مجھ کو بتاؤ۔ اے زمین! مجھ کو جواب دے۔ اے بے انتہا ستارو! تم بولو کون سا ہاتھ ہے، جس نے تم کو افق میں تھام رکھا ہے؟ اے شبِ چہار دہم! کس نے تیری روشنی کو خوبصورت بنا دیا ہے؟ کس قدر شاندار اور کس قدر عظمت مآب ہے۔ تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے۔ جس نے تجھ کو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے؟ اس نے تیری چھت کو قبہ ہائے نور سے مرصع و منور کیا ہے، جس طرح کہ اس نے اس قدر گرانبار سلسلہ کو ہسار بنا کر زمین پر نصب کر دیا ہے اور پھر اس زمین کو باایں ہمہ گرانباری سطح آب پر قائم رکھا ہے۔ اے عزت دہ ستار

سحر، آفتاب نیر مشرق اور ہمیشہ روشن رہنے والے ستارۂ درخشان! سچ بتا تو کس کی ادائے طاعت کے لیے پردۂ محیط سے باہر آتا ہے؟ اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعیں چہار اطرافِ عالم پر ڈالتا ہے۔ اے پُر رعب مہیب سمندر! اے وہ کہ غضبناک ہو کر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے، کس نے تجھ کو محبوس کر رکھا ہے؟ جس طرح شیر کٹہرے میں قید کر دیا جاتا ہے، تو اس قید خانے سے بے فائدہ نکل جانے اور زمین کو نگل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ تیری موجوں کا زور ایک حدِ متعین سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ اے بادلو! مجھے بتاؤ تم کس طرح سمندر سے پانی حاصل کر کے اُسے اٹھائے پھرتے ہو؟ اور جب تک خاص اوقاتِ معینّہ پر برس کر عالم کو سیراب نہیں کرتے، اتنی مدّت کہاں چھپے رہتے ہو؟ اور زمانۂ قحط میں تم کو کونسی طاقت برسنے سے باز رکھتی ہے؟ اور تمہارے متعلق تمام قوانینِ قدرت کو معطل کر دیتی ہے۔ اور مادہ پرستوں کے وہ تمام دلائل دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں جن کے ماتحت کہ وہ تمہارے برسنے کو منسوب کرتے ہیں۔ پرانے خیالات یا نئی تحقیقات کے مطابق خواہ آسمان گردش میں ہے یا زمین۔ لیکن اے قطب ستارے! تو مجھ کو بتا کہ کونسی طاقت تجھے ایک ہی مقام پر ثابت رکھتی ہے، اور باقی تمام اجرامِ فلکی کو گردش میں لے آتی ہے؟ اگر ایک سیارے کی رفتار میں ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصہ جتنا بھی فرق آ جائے تو تمام دنیا زیر و زبر ہو جائے۔ تمہیں کونسی طاقت ایک رفتارِ معین پر اس قدر عرصۂ دراز سے چلا رہی ہے؟ وہ کونسا ہاتھ ہے جو بغیر ستونوں کے تم کو معلق تھامے ہوئے ہے؟

کسی ملحد نے ایک شتربان سے سوال کیا کہ تم خدا کے متعلق کیا دلیل رکھتے ہو؟ اس نے سادگی سے جواب دیا، کیا اونٹ کے پیٹ میں مینگنیاں تم بناتے ہو؟

ایک بڑھیا چرخہ کات رہی تھی۔ ایک ملحد نے اس سے خدا تعالیٰ کے متعلق کوئی معقول ثبوت مانگا۔ بڑھیا نے چرخہ چلانا چھوڑ دیا اور پوچھا کہ اب یہ چرخہ کیوں نہیں چلتا۔ ملحد نے فوراً کہا کہ تم نے چرخہ چلانا چھوڑ دیا ہے۔ بڑھیا نے کہا جب ایک چرخہ بھی بغیر کسی چلانے کے نہیں چل سکتا، تو اس قدر عظیم نظامِ قدرت زمین و آسمان، سورج، چاند، ستارے وغیرہ بغیر کسی چلانے والے کے کس طرح چل سکتے ہیں؟

نظامِ عالم میں سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ بے شمار قوانینِ قدرت ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے ایک بھی باہمی توافق و توازن کے مرکز سے ذرا ہٹ جائے تو تمام نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت ہے جس نے ان تمام قوانین توافق و توازن و تناسب وغیرہ میں ربط و اتحاد قائم کیا ہے، خدا تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس کے متعلق فرماتا ہے "زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اس کا کہا مانتے ہیں بہ جبر یا بخوشی"۔ یورپ کے بڑے بڑے حکما اور فلاسفروں کو اسی بنا پر خدا کا اقرار کرنا پڑا ہے۔

اسلام کے دعویٰ سے میں باز آتا ہوں صاحب یہ کون بتائے تمہیں اللہ کہاں ہے

ملین ایڈورڈ کہتا ہے "انسان اس وقت سخت حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرّر و ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوئے ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام عجائبات محض بخت و اتفاق کے نتائج ہیں، یا بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ مادہ کی عام خاصیت کے نتائج ہیں۔ یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیاں جن کو لوگوں نے علم المحسوسات

کا لقب دیا ہے، علم حقیقی نے ان کو بالکل باطل کر دیا ہے۔ فزیکل سائنس جاننے والا کبھی اس پر اعتقاد نہیں لا سکتا۔"
ملحدین کا یہ اعتراض کہ اگر خدا تعالیٰ قادرِ مطلق ہوتا تو دنیا کو بتدریج کیوں پیدا کرتا، اس قدر لغو ہے کہ ذرا سی توجہ کے قابل نہیں۔ ایک قطرے کا رحم میں پڑنا، پرورش پانا، گوشت پوست چڑھنا، مختلف اعضا کا پیدا ہونا، جان پڑنا، خون سے غذا پانا اور نور کا پتلا بن کر منظرِ عام پر آنا زیادہ اعجوبہ اور کمالِ قدرت کی دلیل ہے، یا دفعتہً بنا بنایا ایک انسانِ مجسّم کا پیدا ہو جانا؟ ؎

کون و مکان شاہدِ وجود تواند — حجتِ اثباتِ وجودِ تواند

یہ اعتراض البتہ توجہ کے قابل ہے کہ دنیا میں نیکی کے ساتھ برائی کیوں ہے؟ بوعلی سینا نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ "دنیا کی تین حالتیں فرض کی جا سکتی ہیں (۱) محض بھلائی ہی بھلائی ہوتی (۲) محض برائی ہی برائی ہوتی (۳) زیادہ بھلائی ہوتی اور کسی قدر برائی۔ اب فرض کرو کہ قدرت کے سامنے یہ تینوں صورتیں پیش ہیں تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟ پہلی صورت کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ وہ اختیار کرنے کے قابل ہے یعنی بھلائی ہی بھلائی ہوتی۔ دوسری صورت بھی قابلِ بحث نہیں، کیونکہ ہر شخص کے نزدیک وہ قابلِ اختیار ہے۔ اور قدرت نے بھی ایسا ہی کیا، یعنی ایسی دنیا پیدا نہیں کی جس میں برائیاں ہی برائیاں ہوں۔ صرف تیسری صورت بحث کے قابل ہے یعنی قدرت کو ایسا عالم پیدا کرنا چاہیے جس میں بھلائیاں زیادہ اور برائیاں کم ہوں۔ اگر ایسا عالم پیدا کیا جاتا تو بے شبہ یہ فائدہ ہوتا کہ چند برائیاں عالم وجود میں نہ آتیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بہت سی بھلائیوں کا وجود بھی نہ ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ چند برائیوں کے لیے دنیا ہزاروں بھلائیوں سے محروم رہ جاتی۔

ابنِ رُشد نے اس اعتراض کا اور جواب دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا میں جو برائی پائی جاتی ہے وہ بالذات نہیں بلکہ کسی بھلائی کے تابع اور لازم ہے۔ غصہ بری چیز ہے لیکن اسی حاسہ کا نتیجہ ہے جس کی بدولت انسان حفاظتِ خود اختیاری کرتا ہے۔ یہ حاسہ نہ ہو تو انسان ایک قاتل کے مقابلے میں اپنی جان بچانے کی بھی کوشش نہ کرے۔ زنا، فسق و فجور بری چیزیں ہیں۔ لیکن یہ اسی قوت سے متعلق ہیں۔ جس پر نسلِ انسانی کی بقا منحصر ہے۔ آگ گھروں کو جلا دیتی ہے، شہر کے شہر اس سے تباہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر آگ نہ ہو تو انسان کو زندگی بسر کرنا محال ہو جائے۔"
اب صرف یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو چیز پیدا کی جاتی اس میں اچھائی ہی اچھائی ہوتی اور برائی مطلق نہ ہوتی۔ ابن رشد کہتا ہے کہ ہاں یہ ممکن ہی نہ تھا۔ کوئی آگ ایسی پیدا نہیں کی جا سکتی کہ اس سے کھانا پکانا چاہیں تو پک جائے، لیکن اگر مسجد جلانا چاہیں تو نہ جلائے۔ باقی یہ اعتراض کہ دنیا میں اکثر اچھے آدمی تکلیف اٹھاتے ہیں اور برے آدمی عیش و عشرت سے بسر کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس حیاتِ فانی تک ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ اس لیے یہ کیونکر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم جن کو عیش و عشرت میں بسر کرتا ہوا دیکھ رہے ہیں، یہ ان کی پوری زندگی کی تصویر ہے؟ ہمارے سامنے اس سلسلہ کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے، اس کی بنا پر ہم پورے سلسلے کی نسبت کیونکر رائے دے سکتے ہیں؟ علاوہ ازیں ہمیں ایسے لوگوں کے اندرونی حالات سے کیا واقفیت ہے کہ

وہ بحیثیت مجموعی کس قسم کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اور طبقہ اُمرا کس قسم کی کش مکش اور بے اطمینانی کی زندگی بسر کرتا ہے یا وہ کس قسم کے امراضِ جسمانی میں آئے دن مبتلا رہتے ہیں؟ برخلاف اس کے، ایک تندرست مزدور ان کے مقابلے میں روکھی سوکھی روٹی کھا کر نعمتِ صحت سے فیضیاب رہتا اور اطمینان کی زندگی بسر کرتا ہے۔ ؎

خدا سے غافل اور اس پہ یہ نعمتِ دُنیا | اسی کی شان ہے احسان ناسپاس کے ساتھ

؎ گدا، گر میسّر شود نانِ شام | چناں خوش بخسپد چو سلطانِ شام

برخلاف اس کے ؎ ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ | ہمچناں در بندِ اقلیمِ دگر

کسی فلاسفر کا کیا ہی سچا مقولہ ہے کہ دنیا میں اگر تمام رنج و خوشی کو یک جا کر کے پھر اُن کو دُنیا کے تمام انسانوں میں بحصہ رسدی مساوی تقسیم کر دیا جاتا، تو ہر ایک شخص اپنی حالتِ سابقہ کو بہتر جانتا اور غنیمت سمجھتا۔ کیا طبقہ اُمرا حوادثِ زمانہ اور مرض و مرگ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ قانونِ قدرت امیر و غریب سب پر یکساں حاوی ہے۔ اور اکثر حالات میں اُمرا اس میں زیادہ مبتلا پائے جاتے ہیں۔ ؎

اُمیدِ راحت اس دُنیا میں تصویرِ خیالی ہے | کہاں ہے جامِ عیش ایسا کہ جو تلخی سے خالی ہے

واضح رہے کہ جزا و سزا افعالِ انسانی کے لازمی نتائج ہیں، جو کسی طرح ان سے جدا نہیں ہو سکتے۔ جس طرح ہر کھانے کا اور سیراب ہونا پانی پینے کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ بہت سے لوگ جو اچھے یا بُرے کام کرتے ہیں، اُن کے نتائج ان کو پیش نہیں آتے۔ نظامِ عالم میں ہم کو جو بُرائیاں، ابتریاں اور نقائص نظر آتے ہیں، کون کہہ سکتا ہے کہ واقعی نقائص ہیں یا اس وجہ سے نظر آ رہے ہیں کہ نظامِ عالم کا پورا سلسلہ ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے۔ ایسی حالت میں صرف اتنی بات پر خدا تعالیٰ کے کمال اور عزت و جلال کا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے؟ خدا تعالیٰ کی آواز اس کے کاموں سے نکلتی ہے۔ اس کے کام تمہاری نگاہوں کے سامنے بکھرے ہوئے ہیں، بلکہ تم کو آواز دے رہے ہیں کہ تم فریبِ نفس میں مبتلا ہو کر آواز کو دیکھنا چاہتے ہو، حالانکہ آواز دیکھی نہیں بلکہ سنی جاتی ہے ؎

خدا کے باب میں یہ غور کیا ہے؟ | خدا کیا ہے خدا ہے، اور کیا ہے؟

بڑھاتے کیوں ہو تم لفظوں کو آگے؟ | بساطِ ذہن پر یہ جور کیا ہے؟

غرضیکہ ذاتِ باری کا اجمالی اعتراف تمام مذاہب اور تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر اسلام نے اس مسئلہ پر چنداں زور نہیں دیا۔ اسلام کے مختصات میں جو چیز ہے، وہ توحید ہے۔ کیونکہ دوسرے مذاہب میں یا تو سرے سے توحید تھی ہی نہیں، یا تھی تو کامل نہ تھی۔ اسی بنا پر کلام مجید میں بار بار کہا گیا ہے کہ "کفّار کو بھی خدا سے انکار نہیں۔ کفّار کو جو دشمنی ہے، وہ توحید سے ہے۔" کلامِ پاک میں ہے "جب اکیلا خدا پکارا جاتا ہے، تم منکر ہو جاتے ہو، اور اگر کوئی شریک کر لیا جائے تو تم مان لیتے ہو۔ اور جب خدا کا تنہا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرینِ قیامت کا دل بدک جاتا ہے۔" ؎

ہسٹری کی کیا ضرورت دین کی تعلیم کو | انجم و شمس و قمر کافی تھے ابراہیمؑ کو

؎ کرا زہرہ آں کہ از بیمِ تو | کشاید زباں جز بہ تسلیمِ تو

حقیقت یہ ہے کہ جن اسباب سے ہم کو خداتعالیٰ کے وجود کا یقین ہوتا ہے، بعینہٖ وہی اسباب اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ خدا ایک ہی ہے۔ نظامِ عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو وہ بظاہر کثیر الاجزا یا کثیر الافراد ہے لیکن سب مل کر ایک ہے یعنی اس کل کا ایک ایک پُرزہ دوسرے سے اس قدر وابستہ ہے کہ وہی ایک شخص اس کو چلا سکتا ہے جو تمام پرزوں کا موجد اور ان کے باہمی تناسب کا محافظ و نگران ہو۔ اسی دلیل کو قرآن مجید میں اس طرح ادا کیا ہے "اگر آسمان اور زمین میں کئی خدا ہوتے تو نظامِ عالم بگڑ جاتا۔"

خداتعالیٰ کے اقرار و اعتراف کا دل پر جو اخلاقی اثر پڑتا ہے، وہ توحیدِ کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اطاعت و انقیاد، خشوع و استقلال، توکّل اور اخلاص کی حالت صرف اسی وقت دل پر طاری ہو سکتی ہے، جب یہ خیال ہو کہ ہماری تمام حاجتوں، تمام ضرورتوں، تمام اُمیدوں، تمام اغراض اور تمام خواہشوں کا ایک ہی مرکز ہے۔ انسان میں استقلال، آزادی، دلیری اور بے نیازی کے اوصاف بھی توحیدِ کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتے ہیں۔ یک در گیر و محکم گیر، یہی وہ دروازہ ہے جس سے انسان کو اطمینانِ قلب اور اصل سہارا حاصل ہو سکتا ہے۔ جو شخص ایک کے سوا اور بھی حاجت روا مانتا ہے، اس کا سر ہر آستانے پر جھک جانے کے لیے تیار رہتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ کسی طرح سے بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ؎

یہ کُتا دَر دَر پھرے، دَر دَر دُرہ دُر ہوئے ایک ہی دَر کا ہو رہے، دُر دُر کرے نہ کوئے

خداتعالیٰ پرستی انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے۔ عالم و جاہل، رذیل و شریف، نیکوکار و بدکار، شاہ و گدا، افریقہ کا وحشی اور یورپ کا اعلیٰ تعلیم یافتہ، سب اس میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ اسی کا نام مذہب ہے۔ اور یہی بات خداوندِ کریم قرآن شریف میں فرماتا ہے "اپنا مُنہ سب طرف سے موڑ کر دین کی طرف موڑ۔ یہ وہ خُدا کی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو مخلوق کیا ہے۔ خدا کی خلقت میں تغیر نہیں ہوتا۔ یہی ٹھیک دین ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔" "نیز آسمان و زمین میں کس قدر بے شمار نشانیاں ہیں۔ لیکن یہ لوگ ان پر گزر جاتے ہیں، اور ان کی طرف رُخ نہیں کرتے۔ ان کے دل تو ہیں لیکن اس سے سمجھ کا کام نہیں لیتے۔" ؎

میرا تو ہر سخن اسی مطلب کے ساتھ ہے کم ہیں خداتعالیٰ کے ساتھ، خدا سب کے ساتھ ہے

؎ خُداتعالیٰ کہاں؟ جواب اس کا ہر مقام میں ہے نہ سمجھے کوئی تو کہہ دو کہ اپنے نام میں ہے

بغیر موت و مصیبت کے چل نہیں سکتا عجیب راز یہ دنیا کے انتظام میں ہے

جرمن حکیم گیبلر لکھتا ہے "مذہب ابدی چیز ہے، کیونکہ مذہب جس حاسّہ کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانے میں معدوم نہیں ہو سکتا۔" فرانس کا مشہور و فاضل معلّم رینان جو مذہب کا پابند نہ تھا، اپنی کتاب "تاریخ مذاہب" میں لکھتا ہے "ممکن ہے کہ کُل وہ اشیا جن کو ہم محبوب رکھتے ہیں، اور کل وہ چیزیں جو لذائذِ زندگی میں محسوب ہیں، مٹ جائیں، لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دُنیا سے معدُوم ہو جائے یا اس کی قوت میں زوال آجائے۔ وہ ہمیشہ اس بات کا اعلانیہ ثبوت دے گا کہ مادی مذہب بالکل غلط ہے، جو یہ چاہتا ہے کہ انسان کی دماغی قوت اس پست خاکی زندگی تک

ہی محدود رہ جاتے۔"

پروفیسر ہیبرٹ فلسفہ دینیہ میں لکھتا ہے "میں کیوں پابندِ مذہب ہوں، بس یہ ہے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ پابندِ مذہب ہونا میری ذاتیات اور فطرت میں ہے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ وراثت یا تربیت یا مزاج کا اثر ہے میں نے خود اپنی رائے پر یہی اعتراض کیا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل نہیں ہوتا۔ مذہب کی ضرورت جس قدر مجھ کو اپنی ذاتی زندگی کے لیے ہے، اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے۔ میرے خیال میں تو اگر خدا نہ بھی ہوتا تو بھی ہمیں اُسے ایجاد کر لینا چاہیئے تھا۔ تاکہ زندگی میں ہمارے لیے ہماری ہر قسم کی بہتری، استقلال، بلند ہمّتی، نیک چلنی اور سہارے کا موجب ہوتا۔ مذہب کے شاخ و برگ ہزاروں مرتبہ کاٹ ڈالے گئے ہیں۔ لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے اور اس نے نئے برگ و بار پیدا کر لیے ہیں۔ اس بنا پر مذہب ابدی چیز ہے۔ جو کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔ مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع تر ہوتا جاتا ہے، اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اَور گہرا کرتے جاتے ہیں۔ انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوئی ہے اور اسی سے قوت پائے گی۔" ؎

قرارِ ہمہ ہست بر نیستی تو ئی آنکہ بر یک قرار ایستی

دُنیا کے اخلاقی نظم و نسق کو اسی حاسّہ مذہبی ہی نے تھام رکھا ہے۔ ورنہ اگر تعلیم و تمدّن پر مدار ہوتا تو یورپ کا اخلاق بلکہ اسی قدر تمام دُنیا سے بھاری ہو گیا ہوتا جس قدر تعلیم و تمدّن میں اس کا پایہ بلند ہے۔

دُنیا میں افرادِ انسانی کے خاص خاص مختصات یعنی زبان، قوم، ملک، صورت اور رنگ کو حذف کرتے جاؤ تو جو چیزیں قدرِ مشترک رہ جائیں گی، ان میں ایک مذہب ہوگا۔ اور یہ بہت بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب فطری چیز ہے۔ جن چیزوں کو ہم انسان کی فطرت خیال کرتے ہیں۔ مثلاً اولاد کی محبّت، انتقام کی خواہش اور کمال کی قدر دانی وغیرہ وغیرہ، ان کے فطری ہونے کی یہی وجہ قرار دیتے ہیں کہ تمام دنیا کے آدمیوں میں مشترک پائی جاتی ہیں۔ اس بنا پر جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر قوم، ہر نسل اور ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب فطری چیز ہے۔ اور انسان جب انتہائی رنج و غم یا شدّتِ مرض میں گرفتار ہوتا ہے تو بے اختیار وہ اس غائبانہ طاقت یعنی خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے اپیل کرتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مذہب کے جو مقدّم اصول ہیں، وہ تمام مذاہب میں یکساں پائے جاتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ کا وجود، اس کی پرستش کا خیال، حیات بعد الموت، اعمال کی سزا و جزا۔ رحمدلی، ہمدردی، عفّت کو اچھا سمجھنا، جھوٹ، دغا، زنا، چوری کو بُرا جاننا تمام مذاہب کا اصل اصول ہے۔"

؎ نیست غیر از یک صنم در پردۂ دیر و حرم گے بود آتش دو رنگ از اختلافِ سنگ ہا

فطرت نے افرادِ انسانی میں بے انتہا فرقِ مراتب رکھا ہے۔ دولت و مال، جاہ و حشم، فضل و کمال اور ذہن و ذکا کے عطا کرنے میں ایک طرف تو یہ فیاضی ہے کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ سکندر، تیمور، ارسطو اور افلاطون، ہومر و فردوسی اسی فیاضی کے نمونے ہیں۔ دوسری طرف یہ حالت ہے کہ انسان اور بندر میں اتنا کم فرق رہ جاتا ہے کہ ڈارون کو نظر تک نہیں آتا۔ بایں ہمہ جو باتیں شرطِ زندگی اور مدارِ حیات ہیں، وہ تمام افرادِ انسانی کو یکساں عطا کی ہیں۔

افریقہ کا جاہل سے جاہل حبشی بھی اسی طرح کھاتا پیتا چلتا پھرتا سوتا جاگتا اور بولتا چالتا ہے جس طرح یونان کا بڑے سے بڑا حکیم اور دُنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ ان ضروریات کو انجام دیتا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کا اس قدر حصہ جو تمام قوموں میں مشترک ہے۔ لازمۃً انسانی تھا، اور اس وجہ سے قدرت نے تمام قوموں کو یکساں عطا کیا۔ ارسطو اور بنتھم بہت سے دلائل کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے کہ سچائی، دیانت داری، عفت اور حلم اچھی چیزیں ہیں لیکن افریقہ کا ایک وحشی بغیر تعلیم اور بغیر کسی دلیل کے خود بخود ان چیزوں کو اچھا جانتا اور اچھا سمجھتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ انسان ملحدانہ زندگی بسر کرسکتا ہے مگر وہ دل میں ملحد نہیں ہوسکتا۔ کہتے ہیں کہ ملحد رات کو خدا تعالیٰ پر آدھا یقین کرتا ہے اور جہاز میں خطرے کے وقت پورا۔ حکما کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی ایسے ملحد کا وجود نہیں ہے، جس کو یہ یقین کامل ہو کہ خدا تعالیٰ نہیں ہے۔ ؎

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا — آتش پہ مغوں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے — انکار کسی سے نہ بن آیا تیرا

؎ اِدھر تسبیح کی گردش میں پایا شیخ صاحب کو — برہمن کو اُدھر اُلجھا ہوا زنار میں دیکھا

؎ جو مضطرب ہے، اُس کو اِدھر التفات ہے — آخر خدا کے نام میں کوئی تو بات ہے

اس سے زیادہ اور کیا کم عقلی ہوگی کہ آدمی یہ یقین کرے کہ ہمارے چار عناصر ناپائدار اور پانچواں عنصر پائدار جن سے اجرام فلکی پیدا ہوئے، خود بخود اس خوش اسلوبی سے ترتیب اور صحیح اندازے کے ساتھ ترتیب پاگئے ہیں اور اس کو کسی منتظم اور مدبّر و مرتب کی ضرورت نہیں۔ ؎

ہے جی میں آفتاب پرستوں سے پوچھیے — تصویر کس کی ہے ورقِ آفتاب میں
اہلِ جہاں کے کفر و توہّم کا کیا علاج — آئینہ کہہ رہا ہے کہ آئینہ ساز تھا

انسان کتّے کی پرورش کرتا ہے تو وہ انسان کو اپنا خیر خواہ جان کر کس قدر جاں نثاری اور وفاداری اس کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ کام اس سے ہرگز نہ ہوتے اگر انسان، جو اس سے غیر جنس ہے، اس کی اعانت و حمایت نہ کرتا بعینہٖ انسان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے بشرطیکہ چشم بینا اور دل دانا ہو۔ ؎

دو کار است با فرّ و فرخندگی — خداوندی از تو، ز ما بندگی

انسان میں ایک جزو حیوانی ہے، جو اس کو حیوانوں سے ملاتا ہے اور ایک جزو روحانی جو اسے رحمٰن سے ملاتا ہے۔ پس جب دوسرے رشتے کا تعلق قطع کیا گیا، تو انسان صرف حیوان رہ جاتا ہے اور رحمٰن سے محروم۔

ملحد شیاطین سے بدتر ہیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کا یقین رکھتے اور اس سے ڈرتے ہیں۔ ؎

بہر گوشہ کہ گفتم ثنا خوانمت — بہر جا کہ باشم خدا دانمت

ملحد جنگل میں جب کسی وحشی آدمی کا نقش قدم دیکھتا ہے تو آدمی کے ہونے کا اس کو یقین ہوتا ہے، گو پہلے سے وہاں اس کی صورت نہ دیکھی ہو۔ تو کیا وہ اس خالق اکبر کا یقین نہ کرے گا جس کے دستِ قدرت کے نشان

سارے عالم پر منقش ہیں۔ تفکّروا فی صفاتہ ولا تفکّروا فی ذاتہ ؎

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

؎ کون سا تن ہے کہ مثلِ روح جس میں تو نہیں
کون گل ہے جو ترا مسکن رنگ بو نہیں

اگر خدا تعالیٰ کے ہونے اور نہ ہونے کے دلائل ہم وزن بھی ہوں تو بھی خدا تعالیٰ کے نہ ماننے میں جو بھاری جوکھوں اور خوف ہیں، وہ خدا کے ماننے کی صورت میں بالکل نہیں۔ اگر بخیال ملحد، خدا نہ ہوا تو ماننے والا اور نہ ماننے والا ہر دو برابر ہیں۔ ماننے اور نہ ماننے والے کا کچھ نقصان نہ ہوا۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ ہے اور ضرور ہے تو پھر یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ملحد کی جان پر کیا بنے گی؟ ؎

بحق تسلیم شو تا وارہی از ایں و آں بیدل
چو قطرہ محو دریا گشت دریا داند و کارش

لطیفہ: ایک ملحد ہمیشہ نظام قدرت اور حکمتِ خداوندی پر معترض رہتا تھا۔ ایک روز اس کا گزر تربوز کے کھیت میں سے ہوا۔ اس چھوٹے سے پودے میں اتنے بڑے بڑے تربوز دیکھ کر قدرت کی اس نامناسبت و ناموزونیت پر ہنسا۔ آگے بڑھا تو آموں کا ایک باغ آیا۔ بڑے بڑے تناور درختوں میں چھوٹے چھوٹے آم دیکھ کر نظام قدرت میں یہ اصلاح کی کہ بلحاظِ جسامت کے آم کا چھوٹا چھوٹا پھل تربوزوں کے پودے میں اور تربوزوں کا پھل آم پر لگتا تو یہ نہایت ہی موزوں تناسب ہوتا۔ وہ اس مسئلہ پر آم کے پھلوں پر ٹکٹکی لگائے اُن کی نامناسبت پر غور کر ہی رہا تھا کہ طوطے نے ایک آم کترا جو گر کر سیدھا اس کی آنکھ کے ڈھیلے میں جا بیٹھا۔ آنکھ پھوٹ گئی۔ سخت تکلیف ہوئی۔ لیکن وہ ملحدانہ خیالات سے تائب ہو کر فوراً ہی سجدۂ شکر بجا لایا کہ اب تو صرف آنکھ ہی ضائع ہونے پر بلا ٹل گئی۔ اگر میری اصلاح کے مطابق اس پر تربوز لگے ہوتے تو جان کی بھی خیر نہ تھی۔

جہاں اس صانع مطلق کی صنعت کے کارخانے عجیب ہیں وہاں ان کو عجیب کہنے والا انسان خود سب سے بڑا عجوبۂ روزگار ہے۔ اس صانع حقیقی کی بے شمار قدرتیں بھی حیرت خیز اور محیر العقول ہیں۔ لیکن یہ خاکی پتلا ان سب سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا ہے۔ اس کی بناوٹ میں اس صنّاعِ حقیقی نے اپنی صناعی کا کمال دکھلایا ہے۔ اول تو انسانی جسم کی سی کل کیا بناوٹ کی خوبی کے لحاظ سے اور کیا مشینری کی لطافت اور باریکی کے لحاظ سے اپنا جواب آپ ہے۔ اس چھوٹی سی آنکھ کے اندر نور کا موجود ہونا اور اس آنکھ کی پتلی میں بڑے بڑے مکانات، پہاڑ، حتیٰ کہ آسمان تک کا سما جانا ایک بے نظیر کرشمہ ہے۔ انسان کا دل و دماغ اس سے بھی بڑھ کر عجوبہ ہے۔ جس میں عقل و حکمت کے بحرِ بیکراں بہہ رہے ہیں ؎

ہے آدمی بجائے خود اِک مظہرِ کمال
گر عقل ہے تو دیکھ لے تو شانِ ذوالجلال

؎ اگر بہ نسخہ تشریحِ جسم در نگری
شروحِ صنع دریں جلد مختصر یابی

ترجمہ: اگر تو انسانی جسم کی شرح کی کتاب میں نگاہ مارے تو اس مختصر سی کتاب میں قدرت کی ساری تشریحات کو دیکھ پائے گا۔

اگر خدا ہے اور ہم اس کے یقین کرنے سے سرکشی کریں تو کیا وہ معدوم ہو جائے گا؟ ہمارے آنکھ جھپکانے سے کیا

آفتاب تاریک ہو جائے گا؟ ؎

غور سے دیکھو زمین و آسماں کو منکرو چل بھی سکتا ہے خدا سے انتظام اتنا بڑا

؎ دل گواہ است کہ در پردہ دلآرائے ہست ہستی قطرہ دلیل است کہ دریائے ہست

ایک امیر خدا کی ہستی سے اس شدت کے ساتھ منکر و مخالف ہو گیا تھا کہ اس نے اپنے دیوان خانے میں ایک بڑے تختے پر یہ فقرہ موٹے حروف میں لکھوا رکھا تھا (GOD IS YNIOWHERE) یعنی "خدا کہیں نہیں ہے" ایک مرتبہ وہ سخت بیمار ہوا۔ ایک دوست اس کی عیادت کو آیا جس کے ہمراہ ایک بچہ بھی تھا۔ دوست مصروف عیادت ہو گیا اور بچہ کمرے کی تصویروں سے دل بہلاتا رہا۔ ناگاہ بچے کی نگاہ اس تختی پر پڑی جس کو اس نے اپنے معصومانہ انداز اور بلند آواز کے ساتھ اس طرح پڑھا "GOD IS NOWHERE" یعنی "خدا اب یہاں ہے" امیر ملحد نے جس وقت یہ الفاظ اصل عبارت سے خفیف و نامعلوم تغیر کے ساتھ سُنے تو ان کے حقیقی مفہوم سے متاثر ہو کر اپنی بدعقیدگی سے فوراً تائب ہو گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے بھی اُسے صحت عاجل عطا فرمائی۔

؎ جو مضطرب ہے اس کی طرف التفات ہے آخر خدا کے نام میں کوئی تو بات تو ہے

؎ دنیا میں جو بے خبر ہے پروردگار سے زندہ ہے شاید اپنے ہی وہ اختیار سے

ایک ملحد مادہ پرست خلیفہ ہارون رشید کے پاس آیا اور کہا "اے امیر المومنین! تیرے عہد کے علما مثلاً امام ابو حنیفہؒ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اس دنیا کا کوئی خالق ضرور ہے۔ ان میں سے جو عالم و فاضل ہو، اُسے یہاں حاضر ہونے کا حکم دیا جائے۔ تاکہ میں تیرے سامنے اس کے ساتھ بحث کروں، اور ثابت کر دوں کہ دنیا کا کوئی بنانے والا نہیں۔ چونکہ امام ابو حنیفہؒ تمام علما سے افضل تھے، ہارون رشید نے آپ کے پاس پیغام بھیجا اور کہا "اے تمام مسلمانوں کے امام! آپ کو اطلاع ہو کہ ہمارے ہاں ایک مادہ پرست آیا ہے اور وہ دعویٰ کرتا ہے کہ صانع کوئی نہیں اور وہ آپ کو مناظرے کی دعوت دیتا ہے۔" امام صاحب نے فرمایا "میں ظہر کے بعد جاؤں گا" خلیفہ کا پیغامبر آیا اور جو کچھ امام صاحب نے فرمایا، اس کی اطلاع دے دی۔ خلیفہ نے دوبارہ پیغام بھیجا۔ امام ابو حنیفہ اُٹھے اور خلیفہ کے پاس آئے۔ ہارون نے آپ کا استقبال کیا، آپ کو ساتھ لایا اور مقام بلند پر جگہ دی۔ اُمرا و رؤسائے دربار جمع ہو گئے۔ ملحد نے کہا "اے ابو حنیفہ! آپ نے آنے میں کیوں دیر لگا دی؟" امام صاحب نے جواب دیا "مجھے ایک عجیب بات پیش آئی، اس لیے دیر ہو گئی۔ وہ یہ کہ میرا گھر دریائے دجلہ کے اُس پار ہے، میں اپنے گھر سے نکلا اور دجلے کے کنارے آیا، تاکہ اُسے عبور کروں۔ میں نے دجلہ کے کنارے ایک پرانی اور شکستہ کشتی دیکھی، جس کے تختے بکھر چکے تھے۔ جونہی میری نگاہ اس پر پڑی، تختوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ پھر انہوں نے حرکت کی اور اکٹھے ہو گئے۔ ایک حصہ دوسرے حصہ کے ساتھ پیوست ہو گیا اور بغیر کسی بڑھئی کے سالم کشتی تیار ہو گئی۔ میں اُس کشتی پر بیٹھا، پانی کو عبور کیا اور یہاں آ گیا۔" ملحد نے کہا "اے رئیسو! جو کچھ تمہارا پیشوا اور امام اور تمہارے عہد کا افضل انسان کہہ رہا ہے اسے سنو! کیا تم نے اس سے زیادہ جھوٹی بات کبھی سُنی ہے۔ شکستہ کشتی بڑھئی کے بغیر کس طرح بن گئی؟ اور بغیر

ملاح کے کس طرح چل پڑی؟ یہ تو خالص جھوٹ ہے جو تمہارے فاضل ترین عالم سے ظاہر ہوا ہے" امام صاحب نے فرمایا "اے کافرِ مطلق! اگر کسی کارندے اور بڑھئی کے بغیر کشتی حاصل نہیں ہوسکتی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس قدر عظیم نظام دنیا، بغیر کسی چلانے والے کے چل سکے؟ تو صانع کی نفی کا کیسے قائل ہوگیا ہے"؟

ے فلسفی کی بحث کے اندر خدا ملتا نہیں — ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

ے برائے دیدنِ روئے اُو چشمے دیگرے باید — ہر آن چشمے کہ تو داری جمالش رانمی شاید

حضرت علیؓ نے ایک ملحد کے جواب میں وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق بہت سے دلائل پیش کیے۔ آخر میں یہ زبردست ثبوت بھی دیا "عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ" پہچانا میں نے خدا کو اپنے ارادوں میں ناکامی سے۔ جس سے ظاہر ہے کہ کوئی بالاتر غائبانہ طاقت ایسی ہے جو تمام انسانی کوششوں کو ناکام بنا کر رکھ دیتی ہے۔ خواہ وہ کتنے قابلِ یقین اور زبردست اسباب کے ماتحت کیوں نہ ہوں۔ ے

کُھلتے ہوئے عقدے نظر آتے ہیں ہزاروں — معلوم ہوا عقدہ کُشا بھی ہے کوئی چیز

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبر — انسان کی طاقت سے سوا بھی ہے کوئی چیز

ے ہمہ ہرچہ کردم، تو برہم زدی — چہ قوت کُند با خدائی خودی

ڈاکٹر جانسن اور آلیور گولڈسمتھ انگریزوں میں نہایت مشہور ادیب اور ہمعصر گزرے ہیں۔ ان کے زمانے میں یورپ میں ملحدانہ خیالات کا بہت زور ہوگیا۔ ان ہر دو اصحاب نے تردیدِ الحاد کے متعلق ایک سوسائٹی قائم کی۔ ایک روز یہ دونوں ادیب سوسائٹی کے دفتر میں بیٹھے اسی مضمون کے متعلق ایک بلند پایہ اور معرکۃ الآرا کتاب کی تصنیف میں مصروف تھے کہ اندریں اثنا ایک ملحد آگیا اور تردیدِ الحاد پر تصنیفِ کتاب کا ذکر سن کر ان کی حماقت پر ہنسا اور ان کا تمسخر اُڑایا۔ ڈاکٹر جانسن نے جو ایک غیر معمولی طویل القامت اور گرانڈیل جوان تھا، اس ملحد کو بوٹ کی ایک ایسی شدید ٹھوکر لگائی کہ اس کی زبان سے شدتِ درد سے یہ الفاظ بے اختیار نکل گئے "OH MY GOD" (ہائے میرے اللہ) ڈاکٹر نے کہا "یہ ہے وہ خدا تعالیٰ جس کا تم انکار کرتے ہو"۔

ے وجود اس کا ثابت ہوا چاہتا ہے — مرا نقشِ ہستی مٹا چاہتا ہے

ایک دفعہ ایک دہریہ سے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا ہستی باری تعالیٰ کے سلسلے میں مناظرہ ہوا۔ دونوں طرف سے سوالات و جوابات کا سلسلہ جاری تھا۔ بڑی دیر تک بحث ہوتی رہی مگر وہ دہریہ قائل نہ ہوا۔ بالآخر اس امر پر فیصلہ ہوا کہ دونوں اپنا ہاتھ آگ میں ڈالیں جس کا ہاتھ جل جائے، اس کو راہِ باطل پر سمجھا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ قدرتِ خداوندی سے دونوں میں سے کسی کا بھی ہاتھ نہ جلا۔ لوگوں نے کہا اس فیصلے کے مطابق دونوں حق پر ہیں۔ اس بات پر آپ بہت دلگیر ہوئے۔ گھر میں آئے اور سربسجود ہو کر جنابِ الٰہی میں عرض کیا۔ خداوندا! ستر برس کی عبادت و ریاضت کے بعد اس دہریہ کے برابر بھی نہ ہو سکا، غیب سے ندا آئی "تجھے حقیقت کا پتہ نہیں۔ یہ محض تیرے ہاتھ کی برکت تھی کہ اس کا ہاتھ نہ جلا۔ اگر وہ تنہا ہاتھ ڈالتا تو ضرور جل جاتا"۔

جب کہا جاتا ہے کہ حضرت تشریف لائیے گا۔ تو کہتے ہیں اِنْشَاءَ اللہُ۔ دکھ درد میں بے اختیار پکارتے ہیں ہائے اللہ۔ ہر ایک کام شروع کرتے وقت پڑھتے ہیں بِسْمِ اللہِ۔ اگر تعریف کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے سُبْحَانَ اللہِ۔ پانی پلانے یا کھانا کھلانے پر فرمایا جزاک اللہ۔ بوقت ملاقات کہا السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔ سوکر اُٹھے تو کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ جب چھینک آئی تو کہہ دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ جواب میں کہا یَرْحَمُکَ اللہُ یَھْدِیْکُمُ اللہُ۔ اظہارِ نفرت پر کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔ اگر پوچھا آپ کیا کام کرتے ہیں تو کہا تَوَکَّلْتُ عَلَی اللہِ۔ گناہ سے معافی چاہیں تو کہا اَسْتَغْفِرُ اللہَ۔ قسم کھانے پر کہیں وَاللہِ تَاللہِ۔ بوقت نکاح کہیں اٰمَنْتُ بِاللہِ۔ کسی سے محبت ہو تو کُجبٌ لِلّٰہِ۔ بوقت رخصت کہیں فِی اَمَانِ اللہِ۔ کسی سے مانگیں تو کہیں واسطے اللہ۔ خیرات پر کہیں فی سبیل اللہ۔ کسی بزرگ کو کہیں اہل اللہ یا ولی اللہ۔ سخی کو کہیں محبّ اللہ۔ دعا پر آمین اللہ۔ بزرگ کا نام آئے تو لکھیں رضی اللہ یا رحمتہ اللہ۔ اپنا نام لکھیں تو عفی اللہ۔ کسی بات سے پناہ مانگیں تو کہیں نَعُوْذُ بِاللہِ۔ کسی خوش رو کو دیکھ کر کہیں فتبارک اللہ۔ کسی کی خوبی دیکھ کر کہیں ماشاءاللہ۔ جھوٹوں کو کہیں لعنت اللہ۔ بادشاہ کو کہیں ظلّ اللہ۔ غرضیکہ ہر طرف اللہ ہی اللہ (راقم فنافی اللہ رحمتُ اللہ)۔

کلامِ اکبر

افسوس ہے کہ دل متحمّل نہ ہوسکا — تو ہین سہہ کے دہر میں پاتے ہیں کچھ عروج

اسی نے راحت و تکلیف کا رازِ نہاں سمجھا — جو اپنی زندگانی کو فقط اک امتحاں سمجھا

اقوال حضرت فضیلؒ

ابتدائے جوانی میں آپ کی یہ حالت تھی کہ بیابان میں خیمہ زن رہتے اور ٹاٹ کا لباس زیب تن رکھتے۔ آپ کے بہت دوست تھے لیکن سب چور اور ڈاکو جو مال وہ لاتے، آپ اُسے تقسیم کیا کرتے، کیونکہ آپ ان کے سردار تھے اور حسب ضرورت آپ کچھ رکھ لیتے۔ نماز کبھی بلا جماعت نہ پڑھتے۔ اور اپنے گروہ میں جو شخص نماز باجماعت ادا نہ کرتا، اسے نکال دیتے۔ ایک دن ایک زبردست قافلہ آرہا تھا کہ اہل قافلہ نے ڈاکوؤں کی آواز کو سُنا۔ ان لوگوں میں ایک شخص کے پاس بہت نقدی تھی۔ اس نے سوچا کہ اس بیابان میں اُسے کسی جگہ دفن کردوں تاکہ اگر قافلہ لوٹا جائے تو نقدی محفوظ رہے۔ وہ اس غرض کے لیے بیابان میں گیا۔ اس نے وہاں ایک خیمہ دیکھا اور اس میں ایک مرد ٹاٹ پوش کو با تسبیح و سجادہ دیکھا۔ اس نے کہا اچھا ہوا کہ ایک نیک آدمی مل گیا۔ اب روپیہ اس کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ آپ کے قریب گیا اور تمام حال بیان کیا۔ آپ نے اسے اشارہ کیا کہ خیمہ میں رکھ دے۔ اس نے وہ روپیہ وہاں رکھا اور خود قافلہ میں آگیا۔ ڈاکوؤں نے قافلے کو لوٹ لیا تھا۔ اس آدمی نے جو کچھ بچا کھچا تھا اُٹھا لیا اور اس خیمہ کی

طرف رُخ کیا تاکہ اپنی امانت واپس لے۔ جب خیمہ کے قریب پہنچا تو اس نے ڈاکوؤں کو دیکھا کہ وہ مال تقسیم کر رہے تھے۔ اس نے خیال کیا۔ آہ افسوس! میں نے اپنے ہاتھ سے روپیہ ڈاکو کو دے دیا۔ آپ نے جب اُسے دُور سے دیکھا تو آواز دی۔ وہ ڈرتے ڈرتے آپ کے قریب آیا۔ آپ نے کہا، جہاں اپنی امانت رکھی تھی وہاں سے اُٹھا لے۔ اس نے وہاں سے تھیلی اٹھا کر اپنا رُخ قافلے کی طرف کیا۔ آپ کے دوستوں نے کہا، ہم نے اس قافلے میں کچھ نقدی نہیں پائی، آپ نے کیوں اسے روپیہ واپس دے دیا؟ آپ نے فرمایا، اس شخص نے مجھ پر نیک گمان کیا تھا اور میں بھی خدا تعالیٰ پر نیک گمان رکھتا ہوں۔ میں نے اس کے گمان کو سچا کر دکھایا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ میرے گمان کو سچ کر دکھائے۔ اس کے بعد انہوں نے دوسرا قافلہ لوٹا اور مال لے گئے۔ جب کھانے پر بیٹھے تو قافلے کے ایک آدمی نے ڈاکوؤں سے پوچھا، کیا تمہارا سردار نہیں ہے؟ انہوں نے کہا، دریا کے کنارے نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے کہا، نماز کا وقت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا نمازِ نفل پڑھ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ پھر تمہارے ساتھ کھانے میں کیوں شامل نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا، روزہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا، ماہِ رمضان تو نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا نفلی روزے رکھتا ہے۔ اس آدمی کو تعجب ہُوا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور کہا روزہ، نماز، چوری، ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ آپ نے فرمایا، کیا قرآن شریف جانتا ہے؟ اس نے کہا، ہاں جانتا ہوں۔ فرمایا کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی (ترجمہ) "میں اور دوسروں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور نیک اعمال کو ملا دیا" وہ آدمی آپ کی حالت پر حیران رہ گیا۔ آپ بڑے باہمت و بامروّت تھے۔ قافلہ میں عورت ہوتی اُسے کچھ نہ کہتے۔ جس کے پاس مال کم ہوتا اُسے نہ لُوٹتے اور ہر ایک کو کسی قدر مال واپس دے کر چھوڑ دیتے۔ آپ کی تمام توجہ بھلائی کی طرف ہوتی۔ ایک رات ایک قافلہ جا رہا تھا، اس میں ایک آدمی یہ آیت پڑھتا تھا۔ (ترجمہ) "کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تمہارا سویا ہُوا دل بیدار ہو جائے۔" اس آیت نے آپ کے دل پر زبردست اثر کیا۔ گویا ایک تیر تھا جو آپ کی جان پر لگا۔ آپ نے ایک درد بھری فریاد کی اور سچی توبہ کر لی جس کا اندازہ آپ کے اقوال سے ظاہر ہو سکتا ہے۔

حق تعالیٰ سے دوستی کی غایت یہ ہے کہ منع و عطا اس کے سامنے برابر ہوں۔

جو حق تعالیٰ سے ڈرتا ہے، تمام چیزیں اس سے ڈرتی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا، کوئی شے اس سے نہیں ڈرتی۔

دین کی اصل عقل، عقل کی اصل علم اور علم کی اصل صبر ہے۔

ہر شے کی زکوٰۃ ہے اور عقل کی زکوٰۃ طوالتِ غم ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کریمؐ ہمیشہ مغموم رہا کرتے تھے۔

ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ نے پوچھا، کیا تیرا والد فوت ہو گیا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا، جو شخص والد کی وفات کے بعد بھی وعظ کا محتاج ہو، اس کو کوئی نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی۔

عیسٰی بن یونسؒ مکّہ میں آئے۔ تو لوگوں نے انہیں مسجدِ حرام میں گھیر لیا، اور مشتاقوں کا اژدحام ہو گیا۔ آپ ان کے پاس سے گزرے اور قریب آ کر فرمایا "اے بھائی! اپنے دل کو دیکھ، شاید اس اژدحام کی وجہ سے اس میں کچھ تغیر آ گیا ہو۔ انہوں نے ایک ساعت تک اپنے نفس میں غور کیا، پھر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور پھر کبھی ایسا

موقع پیدا نہ ہونے دیا کہ لوگ آپ کے گرد جمع ہو سکیں۔
تم اپنے عالموں کی تعریف کس طرح کرتے ہو، حالانکہ ان کی گردنیں موٹی، اُن کے جسم فربہ۔ ان کے لباس باریک اور اُن کی خوراک میدہ و مرغن اشیا ہیں۔
جب شیطان انسان سے چار باتوں میں سے ایک حاصل کر لیتا ہے تو کہتا ہے مجھے اور کی ضرورت نہیں۔ اول اس کا تکبر کرنا۔ دوم اپنے اعمال کو زیادہ سمجھنا۔ سوم اپنے گناہوں کو بھول جانا۔ چہارم پیٹ بھر کر کھانا کہ یہ سب کی جڑ ہے۔ کیونکہ باقی تینوں باتیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔
اگر انسان چالیس سال کی عمر تک پہنچ کر بھی گناہ نہ چھوڑے اور اپنی سرکشی سے تائب نہ ہو تو شیطان اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہے کہ نجات نہ پانے والے چہرے پر میں فدا ہوں
عالمِ بدخُو کی صحبت سے فاسق خوش خُلق کی صحبت بدرجہا بہتر ہے۔
منافق کی علامت غیر موجود صفت کی تعریف پر خوش ہونا اور موجود عیوب کی مذمت پر خفا ہونا ہے۔
آپ ایک دفعہ بازار میں اپنے عیال کے لیے روٹی لینے گئے۔ دیکھا کہ نانبائی روٹی بیچنے کے وقت کلمہ اور درود وغیرہ پڑھ کر گرم بازاری کرتا ہے۔ آپ نے اسے نہ خرید کیا اور آپ مع بال بچوں کے سب بھوکے سوئے اور دوسرے روز ایک خاموشی سے روٹی فروخت کرنے والے سے روٹی لائے۔
مومن درختِ خرما لگاتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا پھل کانٹے نہ ہوں۔ منافق کانٹے بوتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ ان میں چھوہارے لگیں۔
جس کا غصہ زیادہ ہے اس کے دوست کم ہیں۔ جس نے بدمعاش پر انعام کیا اس نے بدمعاشی کی امداد کی۔ جس نے کسی سے سوال کیا اس نے ذلت اُٹھائی۔ جس نے بے عمل سے علم سیکھا اس نے اس کی جہالت کو ترقی دی۔ جس نے بیوقوف کو علم پڑھایا، اس نے بے فائدہ عمر ضائع کی۔ جس نے ناشکر گزار پر احسان کیا اس نے اپنی نیکی ضائع کی۔
جو اچھے کو اچھا نہ جانے وہ بُرے کو بھی بُرا نہیں سمجھتا۔
احسان یہ ہے کہ تو دوست کا احسان مند ہو، اگر اس نے تجھ سے کچھ لیا ہے۔ کیونکہ وہ اگر نہ لیتا تو تجھے ثواب نہ ہوتا۔ نیز اس نے تجھ سے سوال کیا اور تجھ ہی سے اس کو اُمید تھی۔
زبانی استغفار کرنا بغیر اس کے کہ گناہوں سے طبیعت اُکھڑ جائے جھوٹوں کی توبہ ہے۔
انجام کی خرابی ابتدا کی برائی سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ابتدا کو اچھا بنا۔
مجھے رونا آتا ہے جب میں دنیا کو عالم کے ساتھ کھیلتے دیکھتا ہوں۔
سچی دوستی کی علامت یہ ہے کہ دوست کی عزت اس کی مفلسی کی حالت میں اس کی تونگری سے بڑھ کر کرے۔ کیونکہ افلاس تونگری سے اشرف ہے۔ لہٰذا مفلس بھی بلحاظ اپنے مرتبہ کے زیادہ اکرام کا مستحق ہے۔ نہ کہ مفلسی کی وجہ سے اس کو ذلیل سمجھا جائے۔

بعض لوگوں کی قدر میرے دل میں ہوتی ہے مگر جب میں انہیں کھانے میں اسراف کرتے دیکھتا ہوں تو وہ اپنے قلتِ تقوےٰ کے باعث میری نظر میں حقیر ہو جاتے ہیں۔

فرماتے جو کسی ریا کار کو دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے۔ پھر داڑھی ہاتھ میں پکڑتے اور روتے اور کہتے۔ اے فُضیل! جوانی میں تو فاسق تھا اور پیری میں تو ریا کار ہو گیا ہے۔ واللہ فسق ریا کاری سے بدرجہا بہتر ہے کہ اس کی خرابی ظاہر ہے اور اس کی خرابی پوشیدہ ہے۔

کسی شخص نے آپ کو روتے دیکھا، پوچھا، آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا اُن غریب مسلمانوں کے رنج میں روتا ہوں جنھوں نے مجھ پر ظلم کیا اور فردائے قیامت ان کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا اور وہ سزا پائیں گے۔

ہاروں رشید سے فرمایا، اگر نجات چاہتا ہے تو رعایا کے ضعیف العمر مسلمانوں کو اپنا باپ، جوانوں کو اپنا بھائی چھوٹوں کو اپنا فرزند اور عورتوں کو ماں بہن سمجھ، اور ان سے اس طرح معاملہ کر جیسے اپنے ماں باپ، بہن بھائی سے معاملہ کرتا ہے۔

جس حالت میں کہ دنیا مٹی کی ہے اور فانی ہے اور آخرت سونے کی ہے اور باقی ہے، تو رغبت آخرت کے ساتھ ہونی چاہیے نہ کہ دنیا کے ساتھ۔

انسان کو دنیا میں کوئی شے نہیں دی گئی جب تک کہ آخرت کے توشے اس کے لیے کم نہیں کر لیے گئے۔

تین چیزوں کی تلاش نہ کرو کیونکہ نہ پاؤ گے۔ ایسا عالِم کہ جس کا علم میزانِ عمل میں پورا ہو، نہ پاؤ گے اور بلا علم کے رہو گے۔ ایسا عامل جس کا اخلاص عمل کے موافق ہو، نہ پاؤ گے اور بلا عمل رہو گے۔ تیسرے ایسا بھائی مت ڈھونڈو جو بے عیب ہو، کیونکہ یہ بھی نہ پا سکو گے اور بغیر بھائی کے رہو گے۔

اگر کوئی تجھ سے پوچھے کہ تو حق تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے، تو چپ رہ۔ کیونکہ اگر تو کہے گا کہ نہیں، تو کافر ہوگا۔ اگر تو کہے ہاں، دوست رکھتا ہوں تو تیرے افعال دوستوں جیسے نہ ہوں گے اور یہ محض جھوٹ ہوگا۔

بعض لوگ جائے طہارت میں سے پاک ہو کر باہر آتے ہیں۔ بعض لوگ خانہ کعبہ میں سے باہر آتے ہیں تو پلید ہو کر آتے ہیں۔

عقلمندوں کے ساتھ جنگ کرنا بیوقوفوں کے ساتھ حلوا کھانے سے زیادہ آسان ہے۔

جو شخص چارپایہ کو لعنت کرتا ہے تو چارپایہ کہتا ہے کہ میری اور تیری طرف سے آمین ہو، اور جو مجھ اور تجھ میں سے خدا تعالیٰ کا زیادہ گنہگار ہے اس پر لعنت ہو۔

اگر مجھے خبر دیں کہ تیری ایک دعا قبول ہوگی جو کچھ چاہتا ہے طلب کر، تو میں وہ دعا بادشاہ کے حق میں صرف کروں گا کیونکہ اگر میں وہ دعا اپنی اصلاح کے لیے کروں گا تو وہ محض میری ہی اصلاح ہوگی۔ اور بادشاہ کی اصلاح تمام خلقِ خدا کی اصلاح ہوگی۔

جس شخص کو تنہائی سے وحشت اور مخلوق سے موانست ہے وہ سلامتی سے بعید ہے۔

جب رات ہوتی ہے تو میں خوش ہوتا ہوں کہ خلوت نصیب ہوگی۔ جب صبح ہوتی ہے تو غمگین ہوتا ہوں کہ اب

لوگ آئیں گے اور مخلِ عبادت ہو کر مبتلائے تشویش کریں گے۔
مَیں اس شخص کا نہایت احسان مند ہوں کہ میرے پاس سے گزرے اور مجھے سلام نہ کرے۔ جب بیمار ہوں تو میری عیادت کو نہ آئے۔
ایک آدمی آپ کی زیارت کو آیا۔ آپ نے پوچھا کس غرض سے آیا ہے؟ اس نے کہا، اس لیے کہ آپ سے آسائش حاصل کروں اور موانست کروں۔ آپ نے فرمایا، خدا کی قسم یہ بات بجائے آسائش و موانست کے تکلیف و وحشت سے نہایت قریب ہے۔ تم اس لیے آئے ہو کہ مجھے جھوٹ سے فریب دو اور میں جھوٹ سے تمہیں فریب دوں۔
خلیفہ ہارون رشید سے فرمایا کہ تیری تمام سلطنت میں اگر کسی رات ایک بے نوا بڑھیا کسی گھر میں بھوکی سوئی ہوگی، تو بروزِ قیامت تیرا دامن پکڑے گی اور تجھ سے جھگڑا کرے گی۔ اس گرانباری اور اپنی لاچاری پر نظر رکھ۔
جب حق تعالیٰ اپنے بندے کو اپنا دوست بناتا ہے تو اس کو بہت سی تکالیف دیتا ہے اور جب اپنا دشمن بناتا ہے تو اس پر دُنیا فراخ کر دیتا ہے۔

اقوالِ حضرت بایزید بسطامیؒ

ذکرِ خدا تعالیٰ کثرتِ عدد سے نہیں ہے بلکہ حضورِ بے غفلت کا نام ہے۔
اللہ تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ دنیا و آخرت ہر دو کو دوست نہ رکھے۔
اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول وہ شخص ہے کہ جو بارِ خلق کھینچے اور خوئے خوش رکھے۔
کسی نے دریافت کیا کس طرح حق کو پہنچنا چاہیے۔ فرمایا اندھا، بہرا اور لنگڑا بن کر۔
کسی نے دریافت کیا کہ آپ بھوک کی کیوں اس قدر تعریف کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں خدا تعالیٰ ہوں) ہرگز نہ کہتا۔
اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کی یہی نشانی ہے کہ خلق سے بھاگے۔ اَدنیٰ بات جو عارف کو ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ ملک و مال سے پرہیز کرے۔
کسی نے کہا کہ متکبر کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا کہ جو شخص تمام عالم میں اپنے سے زیادہ کوئی چیز خبیث سمجھے۔
خوش خلقی اور خاموشی ہلکی ہیں پیٹھ پر اور بھاری ہیں میزان پر۔
بُرے اعمال اللہ تعالیٰ کے ساتھ صریح دشمنی کے مترادف ہیں۔
ایک مُرید نے کہا، میں تیس سال سے آپ کے پاس رہتا ہوں۔ آپ ہر روز میرا نام دریافت فرماتے ہیں۔ آپ نے

فرمایا، میں ہنسی نہیں کرتا جب سے اس کا نام دل میں آگیا ہے، کچھ یاد نہیں رہتا۔
ایک مرتبہ آپ نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ بعد نماز امام نے پوچھا کہ آپ کا کھانا پینا کہاں سے چلتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ذرا صبر کرو پہلے میں نماز کا اعادہ کر لوں، تب تمہاری بات کا جواب دوں گا۔ کیونکہ جو شخص روزی دینے والے کو نہ جانے اس کے پیچھے نماز روا نہیں۔
جو نیکی فی الفور کسی نور یا علم کا پھل نہ دے، اس کو نیکی نہ گن۔ اور جس گناہ کے بعد فوراً اللہ تعالیٰ کا خوف اور توبہ میسر آجائے اس کو گناہ نہ گن۔
نزع کے وقت آپ نے یہ کلمات ارشاد کیے "میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت سے، اور میں نے تیری خدمت نہیں کی مگر سستی سے۔
اپنے آپ کو اتنا ہی ظاہر کر جتنا کہ تو ہے، یا ویسا ہو جا جیسا اپنے آپ کو ظاہر کرے۔
اگر کل میدانِ قیامت میں یہ کہیں کہ تو نے کیوں نہ کیا؟" تو میں اس سے پسند کرتا کہ یہ کہیں کہ "تو نے کیوں کیا؟"
نفس ایک ایسی چیز ہے جو ہمیشہ باطل کی طرف رُخ کرتی ہے۔
جو شخص کثرتِ خواہشات سے اپنے دل کو مردہ بنائے اس کو لعنت کے کفن میں لپیٹو، اور ندامت کی زمین میں دفن کرو۔ اور جو نفس کو خواہشات سے باز رکھتا ہے، اس کو رحمت کے کفن میں لپیٹو اور سلامتی کی زمین میں دفن کرو۔
لوگوں نے آپ کو بتایا کہ فلاں مقام پر ایک نہایت بزرگ شیخ ہے۔ آپ اس کے دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ اس کے قریب پہنچے تو اس مرد نے تھوک قبلہ کی طرف پھینکی۔ یہ دیکھ کر آپ اسی وقت واپس ہو گئے اور فرمایا، اگر اسے کچھ بھی طریقت میں دخل ہوتا تو شریعت کے خلاف عمل نہ کرتا۔
جس کو خدا تعالیٰ مقبول کرتا ہے، اس پر ظالم کو مسلط کرتا ہے جو اس کو رنج دیتا ہے۔
معرفت یہ ہے کہ تو مخلوق کی حرکات و سکنات کو بواسطہ خالق جانے۔
تواضع یہ ہے کہ درویشوں سے تواضع کرے اور امیروں سے تکبر۔
توکل یہ ہے کہ تو زندگانی کو ایک دن کے لیے جانے اور کل کی فکر نہ کرے۔
وہ زمانہ غربتِ اسلام کا ہے، جس میں علما مفتونِ دُنیا ہوں۔
ایک شخص نے آپ سے کہا کہ میری عیال زیادہ ہے اور معاش کم ہے۔ فرمایا، اپنے گھر میں جا جس کو تو دیکھے کہ اس کا رزق مجھ پر ہے، اس کو نکال دے اور جس کو تو دیکھے کہ اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے، اس کو گھر میں رہنے دے۔
جیسا تم خدا کو کل کے لیے چاہتے ہو، تم آج اس کے لیے ویسے بن جاؤ۔
نیک بخت وہ ہے کہ نیکی کرے اور ڈرے، اور بدبخت وہ ہے کہ بدی کرے اور مقبولیت کی اُمید رکھے۔
جو گن کر کام کرتا ہے، اس کا اجر بھی گن کر ملتا ہے۔ (مراد تسبیح)
بہشت کو بغیر عمل کے طلب کرنا بجائے خود ایک گناہ ہے۔

اقوال حضرت مجدد الف ثانیؒ

جمعیت خاطر سے حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہ اور متعلقین کا غم حق تعالیٰ کے سپرد کر۔

اس دشمن کا دفعیہ سخت مشکل ہے جو اطاعت کی راہ سے آئے۔

دنیادار اور دولتمند بڑی بلا میں گرفتار ہیں کہ دنیا کی عارضی مسرت کو دیکھتے ہیں اور دائمی مضرت ان سے پوشیدہ ہے۔

گوشہ نشینی بے فائدہ اشغال سے منہ موڑنے کا نام ہے۔

دنیا کی مصیبتیں بظاہر زخم ہیں۔ مگر درحقیقت ترقیوں کا موجب ہیں۔

حادثات دنیا کی تلخی کڑوی دوا کی مثل ہے۔

گناہ کے بعد ندامت بھی توبہ کی شاخ ہے۔

خدا کے دشمنوں سے الفت کرنا خدا تعالیٰ کے ساتھ دشمنی ہے۔

عجب یہ ہے کہ اپنے اعمال صالحہ اپنی نظر میں پسندیدہ دکھائی دیں۔

دل آنکھ کے تابع ہے۔ آنکھ کے بگڑنے کے بعد دل کی حفاظت مشکل ہے اور دل کے بگڑ جانے کے بعد شرمگاہ کی حفاظت مشکل تر ہے۔

عورت کا نامحرم مرد سے ملائم گفتگو کرنا بھی داخل بدکاری ہے، اور اس کا باریک کپڑے پہننا ننگی ہونے کے حکم میں ہے۔

علمائے بے عمل پارس پتھر کی مثل ہیں جو اوروں کو سونا بناتا ہے مگر خود پتھر کا پتھر رہتا ہے۔

کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ دل آزاری ہے، خواہ مومن کی ہو یا کافر کی۔

ناقص پیشوا آخرت کی کھیتی کا ناقص تخم ہے۔

اسلام غریبوں ہی میں ظاہر ہوا اور عنقریب غریبوں ہی میں رہ جائے گا۔

دولتمند ہر پیغمبر کو جھٹلاتے رہے اور مسکین غریب ہی ان کی تصدیق کرتے رہے ہیں۔

دولتمندی سے زیادہ کوئی چیز ایمان میں خلل انداز نہیں ہے۔

نفس امارہ کا مقصود ہمہ تن ہمسروں پر بلندی چاہنا ہے۔

اہل و عیال کے ساتھ حد سے زیادہ محبت مت کر کہ ضروری کام میں فتور آئے۔

خلق کے ساتھ ضرورت سے زیادہ اختلاط مت رکھ، کیونکہ زیادہ اختلاط زیادہ مضرتوں کا سبب ہوتا ہے۔

جب تک تم میں سے کوئی دیوانہ نہ ہوگا مسلمانی کو نہ پہنچے گا۔ دیوانہ ہونا اس مقصود میں ہے کہ اسلام کی بقا کی خاطر اپنے نفع و ضرر سے درگزر کیا جائے۔

جس شخص میں محبت غالب ہوگی اس میں درد و حزن زیادہ تر ہوگا۔

ہمارا طریق صحبت ہے، کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت۔
گوشہ نشینی اختیار کرنے میں چاہیئے کہ مسلمانوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اور خود خدمتِ خلق سے محروم نہ رہے۔
کمزور پر حملہ کرنا بُزدلی ہے، ہم پلّہ پر بدخلقی ہے اور زبردست پر شوخ چشمی ہے۔
جس کے پاس بیوی، گھر، نوکر اور سواری ہو وہ بادشاہ ہے۔
اہل اللہ کو تجارت اور خرید و فروخت ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی۔
خدا کو جاننا یہ ہے کہ شرک نہ کرے اور رسولؐ کو رسولؐ سمجھنا یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی پیروی نہ کرے۔
نفس پر شریعت کی پابندی سے زیادہ کوئی چیز دشوار نہیں ہے۔
سماع و رقص کو پسند کرنا تو درکنار ہم ذکرِ جہر کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے۔
شعر خوانی اور قصہ گوئی بدبختوں کے نصیب کر اور اپنے لیے خاموشی سرمایہ بنا۔
کسی فقیہہ نے کسی زمانے میں سماع و رقص کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ جو اس کو جائز بتلائے، ہرگز اس کا اعتبار نہ کرو۔ (غنا اور سرود کی حرمت میں بے شمار آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ وارد ہیں)۔
مؤذّن منادِ رحمٰن ہے اور گویّا منادِ شیطان۔
سرود و نغمہ ایک زہر ہے جو شہد میں ملا ہوا ہے۔ اور گانا بجانا زنا کا منتر ہے۔
ذکرِ جہر سے اس قدر پرہیز چاہیے کہ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ بھی دل میں پڑھے۔
صغیرہ کا اصرار کبیرہ تک اور کبیرہ کا اصرار کفر تک پہنچا دیتا ہے۔
مجلسِ مزامیر میں شریک ہونا حرام ہے۔
خدا تعالیٰ کے کرم پر مغرور ہونا اور عفو کی امید پر گناہ کرنا شیطان کا کھلا فریب ہے۔
دولتمندوں کی صحبت زہرِ قاتل اور ان کے چرب لقمے دل کو سیاہ کرنے والے ہیں۔
شیر دُنیاوی موت کا موجب ہے اور صحبتِ اُمرا آخرت کی موت کا۔
دُنیا میں آرام کا خواہاں بیوقوف اور عقل سے دُور ہے۔
متکبّروں کے ساتھ تکبّر کرنا صدقہ ہے۔
آخرت کا کام آج کر۔ دُنیا کا کام کل پر چھوڑ دے۔
جس نے دولتمند کی تواضع اس کی دولتمندی کے سبب سے کی، اس نے دو حصّہ دین برباد کر ڈالا۔
ہر عمل جو موافقِ شریعت ہے، ذکر میں داخل ہے اگرچہ خرید و فروخت ہو۔
اس اجتماع سے الگ رہ جو تفرقہ کا باعث ہو۔
درویشی میں طُولِ اَمَل کفر ہے۔
ظاہر دراصل باطن کا نمونہ ہے۔

خلافِ شریعت ریاضتیں اور مجاہدات خسارہ ہی خسارہ ہیں۔

ترکِ دنیا سے مراد اس میں رغبت کا ترک کرنا ہے کہ نہ کسی کے آنے کی خوشی ہو اور نہ جانے کا غم۔

جو ضرورت گناہ پر مجبور کرے شرعاً مردود ہے۔

عورت اور بے ریش لڑکا ایک حکم رکھتے ہیں۔

بلا استطاعتِ سفرِ حج تضیعِ اوقات ہے۔

علما کی سیاہی کا پلّہ شہیدوں کے خون سے زیادہ بھاری ہے۔

دُوسری نظر تیرِ وبال ہے۔ پہلی نظر وہ ہے جو بلا قصد پڑے اور دوسری نظر وُہ ہے جو قصداً ڈالی جائے۔

ناراض ہونے کے خیال سے حق بات دوست کو نہ بتلانا حقِ دوستی نہیں۔

احسان سب جگہ بہتر ہے لیکن ہمسایہ کے ساتھ بہترین ہے۔

دوپہر کا سونا جو بہ نیّتِ سنّت ہو، اُن کروڑ شب بیداروں سے بہتر ہے جو اتباعِ سنّت کی نیّت سے نہ ہوں۔

کسی کامل سے عجز و نقص و احتیاج زائل نہیں ہوتی۔

دنیا کی محبت آخرت کی رغبت سے دُور رہتی ہے اور آخرت کی رغبت اعمالِ صالحہ کے بجالانے پر وابستہ ہے۔

عارف و پیشوا بھی عمل بجالانے میں طالب علموں کے ساتھ برابر ہیں۔

زندگی کی فرصت بہت کم ہے اور ہمیشہ کا عذاب یا راحت اسی پر مرتّب ہے۔

معرفتِ الٰہی اُن پر حرام ہے جن کے باطن میں دنیا کی محبت رائی کے دانے جتنی بھی ہو۔

نرم خُو اور متواضع کے لیے جہنم حرام ہے۔ جس کو نرمی عطا ہوئی دنیا و آخرت عطا ہوئی۔

حق تعالیٰ کو حق تعالیٰ ہی سے پا سکتے ہیں نہ کہ تفکّر و تخیّل سے۔

دنیا ایک نجاست ہے جو سونے میں چھپائی گئی ہو۔

تمام مخلوقات میں زیادہ محتاج انسان ہے۔

سب سے زیادہ عذاب عالمِ بے عمل پر ہوگا۔

ہر ایک تعلق خدا کی طرف سے رُوگردانی کا باعث ہے۔

نفس کی کمال مخالفت اتباعِ شریعت میں ہے۔

شرِ نفس شیطان کے شر سے زیادہ ہے۔

اظہارِ عجز عبادت ہے۔

زکوٰۃ کا ایک پیسہ نفلی طور سونے کا پہاڑ صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

ضروری حاجتیں دنیا طلبی میں داخل نہیں ہیں۔

فضیلتِ خلفائے راشدینؓ ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے قریب اور ساتھ ہے۔ لیکن یہ قرب و معیت ہماری سمجھ سے باہر ہے۔
اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں پر مظالم اور ان کے حقوق کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو ان سے توبہ کا طریق یہ ہے کہ ان بندوں کے حقوق اور مظالم مناسب طریقے پر ادا کیے جائیں، اور ان کے معافی مانگ کر اُن پر احسان کریں۔
دُنیا کاشت کاری اور تخم ریزی کا مقام ہے نہ کہ کھانے اور سو رہنے کا۔
اہلِ خانہ تمہاری رعیت ہیں اور تم ان کی نسبت سوال کیے جاؤ گے۔
علمائے بد وہ ہیں جو خلق کے نزدیک عزت کے خواہاں ہیں۔
پیر وہ ہے جو اپنے مُرید کے مال میں اپنی خواہش نہ پائے۔ کیونکہ یہ مُرید کی ہدایت کے مانع ہے۔
سہو و نسیان نوعِ انسان کا لازمہ ہے اور خطا و غلطی اس جہان کا خاصّہ ہے۔
ہر دل ایک تمنا رکھتا ہے اور اس فقیر کی تمنّا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے نبیؐ کے دشمنوں کے ساتھ سختی کی جائے اور ان کے جھوٹے خداؤں کو ذلیل و خوار کیا جائے۔ فقیر کا یقین ہے کہ اس سے زیادہ کوئی عمل خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب نہیں ہے۔
ماکولات میں حدِ اعتدال کو نگاہ رکھنا منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لیے کافی ہے۔ اس رعایت کے ہوتے ہوئے زیادہ فکر کی حاجت نہیں۔
اعمالِ صالحہ ایمان کو زیادہ نہیں کرتے بلکہ روشن کر دیتے ہیں اور اعمالِ مذمومہ ایمان کو کم نہیں کرتے بلکہ مکدّر کر دیتے ہیں۔
اہلِ کرم وہ ہیں جو غیر کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھیں۔
نیک بات دوستوں کو پہنچا دے اور مخالفوں سے بحث مت کر۔
اہلِ خسران کی پریشان کُن باتوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہو بلکہ سُن ہی مت۔
مومن دریافت کرنے والا ہے اور منافق فوراً گرفت کرنے والا۔
بھائیؑ کا حق اس جگہ معاف کرا لے ورنہ وہاں نیکیاں دینی پڑیں گی۔
شریعت دنیا و آخرت کی سعادتوں کی ضامن ہے۔
اعلیٰ نصیحت یہ ہے کہ پیروی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کرلو۔
انبیا کے قول کے مقابلے میں حکما کا قول رد ہے۔
اہل اللہ سے کرامت مت ڈھونڈو۔ ان کے وجود ہی کو کرامت جانو۔
عمل کی سُستی پر مغفرت کی اُمید ہے لیکن بداعتقادی پر نہیں۔
جس گناہ کے بعد ندامت نہ ہو، اندیشہ ہے کہ اسلام سے باہر کر دے۔
کوئی جاہل ولی نہیں ہُوا ہے اور نہ ہو گا۔
علم الہام کیا جاتا ہے نیکوں کو اور بدبخت اس سے محروم رکھے جاتے ہیں۔
ایک مرتبہ حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ جہانگیر بادشاہ کے ہمراہ تھے اور لشکر سلطانی دریائے گنگا پر خیمہ زن ہُوا۔

حضرت نے جمیع تابعین سے منع کر دیا کہ اس دریا کا پانی کوئی نہ پیئے کہ ہندوؤں کا معبد ہے۔ وہاں سے دُور ایک کنواں تھا، وہاں سے پانی منگوایا۔ ایک دفعہ آپ کا قیام ایک ایسے مقام پر ہوا، جہاں کنوئیں کا پانی کھارا تھا۔ کسی مخلص نے دریائے جمنا کا پانی جو وہاں سے تین چار کوس پر تھا، آپ کے استعمال کے واسطے منگوایا۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ جمنا کا پانی پینے میں اس کی تعظیم پائی جاتی ہے۔ اس سے فقط استنجا کریں۔

ایک حافظِ قرآن فرش پر بیٹھا ہوا قرآن مجید پڑھتا تھا۔ حضرت نے خیال کیا تو اپنے نیچے فرش زیادہ پایا۔ جیسا کہ صدر نشین کے نیچے ہوتا ہے۔ فی الفور زیادہ فرش اپنے نیچے سے نکال دیا اور اس حافظِ قرآن کے ہم فرش ہو گئے۔ ایک دن آپ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں بیٹھے تو دیکھا کہ ناخن پر سیاہی کا نقطہ لگا ہے۔ دل میں خیال گزرا کہ یہ نقطہ اسبابِ کتابت حروفِ قرآنی سے ہے، مع اس کے اس جگہ بیٹھنا خلافِ ادب ہے۔ یہ سوچ کر فی الفور باہر نکل آئے اور ہاتھ دھو کر پھر استنجا کو تشریف لے گئے۔

مختصر حالات: حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی ملقب بہ امام ربّانی مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۹۷۱ھ میں بمقام سرہند ریاست پٹیالہ (مشرقی پنجاب) میں ہوئی۔ آپ حنفی المذہب تھے۔ آپ کے مسلک کا اصل اصول "اتباعِ سنّت سنیّہ و اجتناب از بدعتِ نامرضیہ" ہے۔ آپ تصوّف کے امام تھے آپ نے گانے بجانے کو "حرام" قرار دیا۔ اور رہبانیّت کو ترک کرنے کا حکم دیا کہ یہ خلافِ سنّت ہے۔ آپ کے کشف و کرامات کو دیکھ کر جہانگیر بادشاہ تائب ہو کر آپ کے سلسلۂ طریقت میں داخل ہوا، اور اس نے مندرجہ ذیل احکام شریعت پھر جاری کیے۔ (۱) شاہی دربار میں سجدۂ تحیہ موقوف کیا (۲) ذبیحہ گاؤ پر سے پابندی ختم کر دی (۳) خلافِ شرع احکام منسوخ کر دیئے۔

آپ نے ۶۳ سال کی عمر پائی اور بتاریخ ۲۸ ماہ صفر ۱۰۳۴ھ آپ کا وصال سرہند میں ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار زیارت گاہِ عالم ہے۔

آپ کو شروع شروع میں احیا سنّت کے لیے بڑے بڑے مصائب اُٹھانے پڑے اور آپ نے آیت کریمہ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ پر بڑی اولوالعزمی سے عمل کر کے بہترین نمونہ دُنیا کے لیے چھوڑا۔

ایک وقت آیا جب کہ جاہل متصوّفین اور دُنیادار علما کو اپنی کساد بازاری کے خطرے نے مجدّد صاحب کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ اور بعض دوسرے برخود غلط مذاہب نے جو اُمیدیں اپنے مذہب کی اشاعت اور دین اسلام کے فنا کرنے کی قائم کی ہوئی تھیں، کامیاب نہ ہوتی دیکھیں، تو اُن سب نے مل کر ایک ایسی منظم اور مکمل سازش کی اور امام ربّانی کے خلاف ایسا زبردست پروپیگنڈا کیا کہ جو کامل مصداق وَاِنْ کَانَ مَکْرُھُمْ لِتَزُوْلَ مِنْہُ الْجِبَالُ تھا۔ بادشاہ جہانگیر کو چند مکتوبات قدسیہ کے حوالے قطع و بُرید کے ساتھ سنائے گئے۔ ان کا غلط مطلب سمجھا کر برہم کیا گیا۔ ازاں جملہ ایک بات یہ سمجھائی گئی کہ شیخ احمد اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق سے افضل کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام ربّانی کو ان سب باتوں کے متعلق اپنے متوسّلین کے ذریعے سے پتہ ملتا رہا۔ مگر آپ ان تمام بدعنو

کے مٹانے اور یادِ الٰہی سے کبھی بھی غافل نہ ہوئے اور مریدانِ باصفا کو حق پر قائم رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔ یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ بادشاہ نے آپ کو طلب کیا۔ آپ تشریف لے گئے اور بادشاہ کو اصل حقیقت سمجھا کر کامل طور پر مطمئن کر دیا۔ مفسدوں نے جب دیکھا کہ ان کا وار خالی گیا ہے تو فوراً بادشاہ کو کہا کہ حضور یہ شخص بڑا خطرناک ہے سلطنت کا باغی ہے۔ دیکھیے تمام علمائے کرام سجدۂ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں، مگر یہ اب تک مخالفت کر رہا ہے۔ اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ اس شخص کو حکم دیا جائے کہ حضور کو سجدہ کرے۔ یہ کبھی اس حکم پر عمل نہیں کرے گا۔ یہ بات بادشاہ کے دل میں اُتر گئی۔ اس نے فوراً حاضر ہونے کا اور اپنے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت امام ربّانی نے اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا سجدہ از روئے نصِ قرآنی خالق کے لیے مخصوص ہے۔ اس سے بڑھ کر حماقت اور بطالت کیا ہو گی، کہ ایک مخلوق اپنی ہی جیسی عاجز و محتاج مخلوق کو سجدہ کرے یہ سُن کر جہانگیر کی وہی حالت ہوئی، جو بہترین انبیاءؐ کا فرمانِ عالیشان سن کر خسرو پرویز شاہ ایران کی ہوئی تھی ؎

زتیزی گشت ہر مویش سنانے　　　زگرمی ہر رگش آتش نشانے

اسی غیظ و غضب میں امام صاحب کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ مگر مصلحتِ وقت کے تحت غیر محدود وقت کے لیے قید کا حکم سنایا گیا۔ اور ہمین ریاست گوالیار کا قید خانہ آپ کے قدوم سے رشکِ جنت بنا۔

قید سے رہائی بھی آپ کی روشن کرامات میں سے ہے۔ مگر دشمنوں نے پھر کہہ کر بادشاہ سے حکم دلوا دیا کہ چند روز آپ ہمارے ساتھ لشکر میں رہیں۔ گو یہ چیز امام کے لیے قید سے کم تکلیف دہ نہ تھی۔ لیکن کام جو بنا، اسی سے بنا۔ بادشاہ کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اس کے باطن کو مزکّٰی کر دیا۔ پھر تو آپ کا غلام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی۔ شراب و کباب اور دوسرے منہیات سے کامل بے تعلقی اختیار کی۔

ولادت مبارک ۱۴ شوال ۹۷۱ھ۔ وفات ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ بعمر ۶۳ سال۔ رحمۃ اللہ علیہ

اقوال حضرت ابو الحسن خرقانی رح

صدق یہ ہے کہ دل باتیں کرے۔ یعنی وہ بات کہے جو دل میں ہو۔

مخلوق کی اذیت پر صبر کرنا منجملہ علاماتِ ولایت ہے۔

فقیر کا تنفس کسی خواہش کے لیے جس پر اس کو قدرت نہیں ہے، غنی کی ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

بُرائی سے یاد نہ کرو مُردوں کو، کہ وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکے ہیں۔

جو کچھ اللہ تعالیٰ کے واسطے تو کرے وہ اخلاص ہے اور جو خلق کے واسطے کرے وہ ریا ہے۔ ایسے آدمی کے پاس مت بیٹھو کہ تم اللہ تعالیٰ کہو اور وہ کچھ اور کہے۔

اندوہ پیدا کر کہ تیری آنکھ سے پانی نکلے کہ اللہ تعالیٰ چشمِ گریاں رکھنے والے کو دوست رکھتا ہے۔

علامت اس مصیبت کی جو بوجہ عقوبت ہوتی ہے، عدم صبر ہے اور علامت اُس بلا کی جو واسطے بلندی درجات کے ہوتی ہے۔ رضا و موافقت و طمانیت نفس ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث وہ شخص ہے جو رسول کریم کے فعل کی اقتدا کرے، نہ وہ کہ کاغذ سیاہ کرے۔

سکون نفس قبول صرح پر اشد تر ہے ذلِ معصیت سے۔

حضرت شبلی رح نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔ فرمایا، یہ بھی ایک خواہش ہے۔

بشریت انکار کرتی ہے رجوع الیٰ اللہ ہونے سے مگر مصیبت کے وقت۔

فرمایا چالیس سال سے میں نے روٹی وغیرہ کچھ نہیں پکائی۔ البتہ مہمانوں کے واسطے اور میں اس میں طفیلی رہا ہوں۔

فرمایا سب سے زیادہ وہ دل روشن ہے کہ اس میں خُلق نہ ہو۔ اور سب سے زیادہ سیاہ دل وہ ہے جس میں خُلق نہ ہو اور سب سے بہتر کام وہ ہے کہ اس میں اندیشہ مخلوق کا نہ ہو اور سب سے حلال وہ لقمہ ہے کہ جو اپنی کوشش سے ہو۔

فرمایا نماز روزہ اچھی چیز ہے لیکن غرور و حسد دل سے دُور کرنا ان کو زیادہ اچھا بنا دیتا ہے۔

فرمایا بہت روؤ اور مت ہنسو۔ بہت خاموش رہو اور بات نہ کرو۔ بہت دو اور کم کھاؤ۔ بہت جاگو اور کم سوؤ۔

علانیہ گناہ پوشیدہ کی نسبت زیادہ سخت اور اظہارِ گناہ دوسرا گناہ ہے۔

اگر کوئی ایک آرزو نفس کی پوری کرے، اس کو سینکڑوں خرخشے اللہ تعالیٰ کی راہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی دوستی اس شخص کے دل میں نہیں ہوتی، جس کو خلق پر شفقت نہیں۔

حق تعالیٰ کے تمام نام بزرگ ہیں لیکن بندے کا سب سے بزرگ نام نیستی ہے۔

جو شخص زمین کا سفر کرتا ہے، اس کے پاؤں میں آبلے پڑتے ہیں اور جو آسمان کا سفر کرے، اس کے دل میں آبلے پڑتے ہیں۔

فقر کا قرار بے قراری میں ہے اور راحت جراحت میں۔

جس شخص کی رات اور دن بلا کسی مومن کے آزار دینے کے بسر ہوئی، گویا اس نے وہ رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بسر کی۔

ایک لمحہ کے واسطے اللہ تعالیٰ کا ہو رہنا خلائق زمین و آسمان کے اعمال سے بہتر ہے۔

فرمایا ستّر سال گزرے کہ میں اللہ تعالیٰ کا ہو رہا ہوں، اور اس مدت میں ایک دفعہ بھی نفس کی مراد پوری نہیں کی۔

سلطان محمود غزنوی نے کہا کہ کچھ بایزید رح کی باتیں سنائیے۔ فرمایا، بایزید نے کہا ہے کہ جس نے مجھ کو دیکھا، شقاوت سے محفوظ رہا۔ محمود نے کہا کیا وہ پیغمبر خدا سے بھی زیادہ تھے کہ ابوجہل اور ابولہب نے ان کو دیکھا اور شقی ہی رہے۔ شیخ نے کہا منہ سنبھال کر بات کرو اور اپنی بساط سے پاؤں باہر نہ رکھو کہ ابوجہل نے اپنے بھتیجے محمد کو دیکھا تھا، نہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یہ بات محمود کو اچھی لگی اور کہا کہ مجھ کو نصیحت فرمائیے۔ فرمایا کہ چند باتوں کا خیال رکھنا۔ منہیات سے پرہیز، نماز با جماعت اور خلقِ خدا پر سخاوت و شفقت رکھنا۔ محمود نے کہا، میرے واسطے دعائے خیر فرمائیے۔ کہا کہ میں تو ہر روز دعا کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ کہا کہ دعائے خاص کیجیے۔ فرمایا اے محمود، تیری عاقبت محمود ہو۔ اس کے بعد محمود نے ایک اشرفیوں کی تھیلی پیش کی۔ شیخ نے ایک جَو کی روٹی محمود کے

آگے پیش کی اور کہا کہ کھا۔ محمود چباتا تھا اور گلے سے نہیں اترتی تھی۔ یہ شیخ نے کہا کہ شاید گلا پکڑتی ہے۔ تمہاری اشرفیوں کی تھیلی بھی میرا اسی طرح گلا پکڑتی ہے، اس کو لے جاؤ کہ میں نے اس کو طلاق دے دی ہے۔ محمود نے کہا کہ کچھ تو قبول فرمائیے۔ فرمایا کہ نہیں۔ پھر محمود نے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نشان دیجیے۔ آپ نے اپنا پیراہن عطا فرمایا۔ سلطان کی واپسی کے وقت شیخ اُن کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ محمود نے کہا کہ جس وقت میں آیا تھا، اس وقت آپ نے التفات بھی نہیں کیا تھا۔ اور اب تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اس کے کیا معنی؟ فرمایا کہ اول امتحان کو اور رعونت شاہی میں آیا تھا۔ اب فقر کے انکسار میں جاتا ہے۔ سلطان وہاں سے چلا گیا۔ اور جب سومناتھ کے مندر پر چڑھائی کی، عین حالت جنگ میں کہ جس وقت مخالفین کفار کا پلہ غالب ہونے کو تھا، گھوڑے پر سے کود کر حضرت شیخ کے پیراہن کو ہاتھ میں لے کر دعا مانگی کہ الٰہی بطفیل اس پیراہن کے فتح نصیب کر۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح دی۔ لکھا ہے کہ اسی شب محمود نے خواب میں حضرت شیخ کو دیکھا۔ فرماتے ہیں، محمود تو نے ہمارے خرقہ کی کچھ عظمت نہ کی۔ اللہ تعالیٰ سے چاہتا کہ تمام کافر مسلمان ہو جائیں تو سب کافر مسلمان ہو جاتے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

اقوال حضرت امام غزالیؒ

اپنے تئیں بڑا جاننا برا ہے۔ حقیقت میں یہ خدائے پاک کے ساتھ خصوصیت ہے کیونکہ دراصل بڑائی اسی کو سزاوار ہے۔

فسق و فجور سے بچنا تاوقتیکہ نظر کی حفاظت نہ کی جائے، دشوار ہے۔

تمسخر اکثر قطع دوستی، دل شکنی اور دشمنی کا باعث ہوتا ہے۔ اس سے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے۔

بعض لوگ توکل کے یہ معنی لیتے ہیں کہ حصولِ معاش کی کوشش اور تدبیر نہ کریں۔ مگر یہ خیال جاہلوں کا ہے۔ کیونکہ یہ شریعت میں سراسر حرام ہے۔

برے کاموں سے بچنے کے لیے صفائے دل ضروری ہے اور صفائے دل کے لیے باطنی تقویٰ ضروری ہے۔

اگر دل پاک ہے تو جسم پاک ہے۔ اگر دل صاف نہیں تو تمام جسم میں فساد ہوگا۔

تین چیزیں خباثتِ قلب کو ظاہر کرتی ہیں (۱) حسد (۲) ریا (۳) عُجب۔ عقلمند کو ان سے بچنا چاہیے۔ جو شخص ان سے محفوظ رہے گا، وہ دوسری مصیبتوں سے محفوظ رہے گا۔

اپنے آپ کو عظمت اور دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کا نام عُجب ہے۔

نیک نصیحت کے ماننے کی طرف طبیعت کا مائل نہ ہونا اور اپنی باتوں کی تردید سے رنجیدہ ہونا کبر ہے۔ عُجب و کبر اور فخر نہایت مہلک بیماریاں ہیں۔

حاسد مثل اُس شخص کے ہے جو اپنے دشمن کو مارنے کے لیے پتھر پھینکے اور پتھر دشمن کو لگنے کی بجائے اس کی اپنی داہنی آنکھ پر لگے اور آنکھ پھوٹ جائے۔ اس سے اس شخص کو اور غصہ آئے اور وہ پھر زور سے پتھر مارے، اور وہ اسی طرح

اس کی دوسری آنکھ پھوڑ دے۔ پھر پتھر مارے اور اس کا سر توڑ ڈالے۔ اسی طرح دشمن کی طرف پتھر پھینک پھینک کر آپ مجروح ہو اور دشمن صحیح و سالم رہے اور مخالف دیکھ دیکھ کر ہنسیں۔

دوست جو صرف تمہاری اچھی حالت کا دوست ہو اور آڑے وقت کام نہ آئے، اس سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ سب سے بڑا دشمن ہے۔

شخصے کہ از و فائدۂ دنیا و نے دین است بگریز از و گرچہ شہِ رُوئے زمین است

اقرار باللسان پوست ہے ایمان کا اور تصدیق بالقلب مغز ہے اُس کا۔

علم دین وہ ہے جو خدائے تعالیٰ کا خوف زیادہ کرے۔ ذاتی برائیوں سے واقف کرے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت کا شوق دل میں پیدا کرے، دنیا کی طرف سے ہٹائے، دین کی طرف لگائے اور بُرے افعال سے مجتنب کرے۔

لوگوں کی نیکیوں کو ظاہر کرنا چاہیے اور برائیوں سے چشم پوشی لازم ہے۔

غیبت اس کو کہتے ہیں کہ کسی شخص کا ذکر اس کی پیٹھ پیچھے اس طریق پر کیا جائے کہ اگر وہ سُنے تو اُسے رنج ہو۔

بلند آواز سے رونا بے صبری اور قہقہہ مار کر ہنسنا سفاہت کی دلیل ہے۔

ریاکاری گویا خدا تعالیٰ کی نسبت لوگوں کو زیادہ عزیز رکھنا ہے۔

عالِم کو بُردبار، حلیم الطبع اور صاحبِ وقار ہونا چاہیے۔ تمسخر اور مزاح سے بچنا چاہیے۔ جو بات معلوم نہ ہو، اس کے اظہار میں شرم نہ چاہیے اور باعمل ہونا چاہیے۔ کیونکہ بلا عمل کے دوسروں پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں پڑ سکتا۔

اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھ لینا جہالت ہے، بلکہ ہر شخص کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہیے۔

صبح سویرے اُٹھنا چاہیے اور سب سے پیشتر جو خیال دل میں آئے یا زبان سے نکلے، وہ خدائے پاک کا ذکر ہونا چاہیے۔

بدخُلقی نجاستِ باطنی کی دلیل ہے۔

زبان نرم ترین عضوِ بے استخوان ہے۔ اگر گفتار بھی نرم ہو تو زبان ہے ورنہ زیان ہے۔

کلام میں نرمی اختیار کر کیونکہ الفاظ کی نسبت لہجے کا زیادہ اثر پڑتا ہے۔

تیرا پڑوسی غریب ہے، تیرے متعلقین حاجتمند ہیں، تیرے پاس ضرورت سے زیادہ مال ہے اور تجھ پر زکوٰۃ واجب ہے، اس پر بھی ان کو کچھ نہ دینا درحقیقت یہی معنی رکھتا ہے کہ تو ان کے افلاس پر خوش ہے اور یہی سب سے زیادہ ایمانی کمزوری ہے۔

بدخُلقی سے دشمنی پیدا ہوتی ہے اور دشمنی سے جفاکاری۔

خاموشی عبادت ہے بغیر محنت کے، ہیبت ہے بغیر سلطنت کے، قلعہ ہے بغیر دیوار کے، فتحیابی ہے بغیر ہتھیار کے، آرام ہے کراماً کاتبین کا، قلعہ ہے مؤمنین کا، شیوہ ہے حاکموں کا، دبدبہ ہے عاجزوں کا، مخزن ہے حکمتوں کا، جواب ہے جاہلوں کا۔

طالبِ دنیا سمندر کا پانی پینے والے کی مثل ہے کہ جس قدر پیتا ہے زیادہ پیاس لگتی جاتی ہے۔

جب آدمی کی نادانی ایسے کام میں ہو جو اس کی طبیعت کے موافق ہے تو اس گمراہی کا زائل ہونا دشوار ہے۔

گری ہوئی چیز کا بغیر اطلاع قبضے میں کر لینا لُوٹنے کی مانند ہے۔
دُنیا کو دنیا کے کاموں سے طلب کر اور خدا تعالیٰ کا نام خدا ہی کے واسطے لے۔
اس زمانہ کے علما دنیا کے عالِم ہیں، دین کے عالِم ہرگز نہیں۔
جو شخص صدقہ کے ثواب کا فقیر کی حاجت کی نسبت اپنے آپ کو زیادہ محتاج نہ جانے، اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔
نقد کی نسبت اُدھار زیادہ قیمت پر فروخت کرنا درست ہے۔
خواہش پر غالب آنا فرشتوں کی صفت ہے، اور خواہش سے مغلوب ہونا چوپایوں کی۔
لاعلمی کا عذر مقبول نہیں ہے۔ البتہ نادر الوقوع اُمور میں لاعلمی کا عذر مقبول ہے۔
جو شخص عذابِ قبر سے آزاد رہنا چاہتا ہے، وہ دنیا سے صرف اتنا تعلق رکھے۔ جتنا بیت الخلا سے رفع حاجت کے وقت رکھتا ہے۔
اکثر تاخیر نکاح بھی سبب زنا بن جاتی ہے۔ اور وبال والدین پر ہوتا ہے۔
نماز میں حضورِ قلب کی تدبیر یہ ہے کہ الفاظ کے معانی پر خیال رکھے۔
زکوٰۃ نعمتِ مال کا شکر ہے اور نماز روزہ و حج بدن کی نعمتوں کا۔
فقیر کو صدقہ دے کر احسان نہ جتلا، بلکہ اس کے قبول کرنے کا خود احسان مند ہو۔
جو کام نبیؐ کے حکم کے خلاف ہو اگرچہ بشکلِ عبادت ہو گناہ ہے۔
جس احتیاط اور پرہیز سے مسلمان کو رنج پہنچے اس کو چھوڑ دے۔
تاوقتیکہ نفس و خواہش مجاہداتِ قویہ سے تابع شریعت نہ بن جائیں، دل انوار معرفت سے زندہ نہیں ہو سکتا۔
اصلاح بچوں کی مکتب میں ہے اور عورت کی گھر میں ہے۔
عالِمِ دُنیا طلب کا فساد شیطان کے فساد سے زیادہ ہے۔
امردِ خوبصورت کی طرف نظر کرنا مطلقاً ناجائز ہے، خواہ بشہوت ہو یا بلا شہوت۔
مسجد میں گھر والے کو سونا یا لیٹنا منع ہے۔ اور وہاں بیٹھ کر سیر و تماشا دیکھنا مسجد کی بے حرمتی ہے۔
تو اس دنیا میں دارِ آخرت کی طرف چلنے والا ایک مسافر ہے۔ تیرے سفر کی ابتدا مہد اور انتہا لحد ہے۔ تیری عمر کا ہر برس منزل، ہر مہینہ فرسنگ، ہر دن میل اور ہر سانس قدم ہے۔
حوادث و آفاتِ زمانہ کو بُرا کہنا خدا تعالیٰ کو گالی دینا ہے۔
عبادت میں تشدد سے بچو اور میانہ روی اور مداومت کو لازم پکڑو۔
تابمقدور کسی سے مناظرہ و مباحثہ مت کرو کیونکہ اس میں منفعت کی نسبت مضرت زیادہ ہے، اور تمام اخلاق ذمیمہ یعنی ریا، کینہ، حسد، تکبر و تفاخر کا منبع ہے۔
السلام علیکم کے کہنے سے ترکِ کلام کے گناہ سے نکل جاتا ہے۔
وعظ گوئی سے پرہیز کرو، جب تک تم خود پورے عامل نہ بن جاؤ۔

امیروں اور بادشاہوں سے میل جول نہ رکھو جو کہ دین سے نفور اور شریعت سے دُور ہیں، بلکہ ان کو دیکھو بھی نہیں۔
مسئلہ تقدیر مشکل مسئلہ ہے، اس میں بحث سے ممانعت ہے۔
مخلوق سے ایسا معاملہ کرو جو ان سے اپنے حق میں پسند کرتے ہو۔
خالق سے ایسا معاملہ کرو جیسا کہ تم اپنے غلام سے اپنے لیے کرانا چاہتے ہو۔
علم کا مطالعہ کیا کرو اور وہ علم اپنے دل کے حالات جاننے کا ہے۔
اپنے عیال کے لیے ایک سال کا سامان کیا کرو کہ سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
خوراک بھوک سے کم کھاؤ تاکہ قوتِ عبادت اور صحت میسّر آئے۔ زیادہ کھائے گا تو خواہشِ نفس کے لیے ہو جائے گا۔ کیونکہ عبادت سے غافل ہوگا اور یہی نفس کی خواہش ہے۔
پاجامہ آدھا لباس ہے کہ یہ زیادہ ستر پوش ہے۔
مہمان کے ساتھ تکلّف نہ کرو، ورنہ مہمان رکھنے کو دشمن رکھوگے۔
وہ شخص بڑا گنہگار ہے جو ماحضر کو روبرو لانا حقیر سمجھے، یا جس کے روبرو لائیں وہ حقیر جانے۔
مجلس میں تکیہ لگا کر بیٹھنا مکروہ ہے اور نشانِ تکبّر، مگر بہ عُذر۔
اگر جنگ میں کافروں اور مسلمانوں کے مُردے خلط ملط ہوں تو ہر ایک مُردہ کی مونچھیں کٹی ہوئی اور داڑھی بڑھی ہوئی دیکھنا چاہیئے اور نماز جنازہ اور کفن دفن کرنا چاہیئے ورنہ کافروں کی طرح بے غسل و بے کفن دفن کر دینا چاہیئے۔
تکلّف کی زیادتی محبّت کی کمی کا باعث بن جاتی ہے۔
کھانے میں عیب نہ نکالو۔ ناپسند ہو تو مت کھاؤ۔
بھُوک سے پہلے کھانا مکروہ بھی ہے اور مذموم بھی۔
غریب مہمان آجائے تو قرض لے کر بھی تکلّف کر۔
جو مہمان خود آجائے اس کے لیے تکلّف نہ کر۔ اور جس کو تو خود بلائے اس کے لیے تکلّف میں کچھ اُٹھا نہ رکھ۔
فی نفسہٖ شعر گوئی یا شعر خوانی منع نہیں، کیونکہ شعر کلام ہے کہ اچھّا اچھا ہے اور بُرا بُرا۔ لیکن اس کا استعمال بے جا اور کثرتِ شغل شیطانی شغل ہے کہ جس سے احکام و وظائف فوت ہوں۔
اگر کوئی شخص قرض لے اور دینے کی نیّت نہ ہو تو وہ چور ہے۔
ناواجب احتیاط باعثِ تکبّر اور نشانِ غرور ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی کی جائے نماز پر نماز پڑھنا یا اس کے لوٹے سے وضو کرنا یا اس کے برتن سے پانی پینا چاہے تو اس کو منع کرنا یا کراہت ظاہر کرنا بد خلقی ہے۔
عابد کو کھانا کھلانا عبادت میں مدد کرنا ہے، اور فاسق کو کھانا کھلانا فسق کی مدد کرنا ہے۔
وہ دعوت سب سے بدتر ہے جس میں امیر بلائے جائیں اور مسکین نہ بلائے جائیں۔
دعوت بہ نیّتِ سنّت اور فقیروں کی راحت کے خیال سے کرنی چاہیئے نہ کہ بڑائی اور شہرت کے لیے۔

بدعتی، ظالم، فاسق اور متکبر کی دعوت قبول مت کرو۔
دعوت قبول کرنے میں امیر و غریب کا فرق مت کر۔ راہ دور ہونے کی وجہ سے دعوت ردّ نہ کر۔
مہمان کے رُو برُو تھوڑا کھانا رکھنا بے مروّتی ہے، اور حد سے زیادہ رکھنا تکبر۔
جس مجلس میں جا کر خلافِ شرع اُمور معلوم ہوں اور منع نہ کر سکتا ہو تو وہاں سے چلے آنا واجب ہے۔
مجلس کے اندر بیٹھ کر قریب تر لوگوں کی مزاج پُرسی کرو۔ میزبان کو انتظار میں نہ ڈالو۔ وقت مقررہ پر جلد پہنچا کرو۔
مجلسِ طعام میں اگر بہت لوگ حاضر ہیں اور ایک دو شخصوں کا انتظار ہے تو حاضرین کی رعایت اَولیٰ ہے لیکن اگر وہ شخص جس کا انتظار کیا جائے، فقیر یا مسکین ہے، تو انتظار اَولیٰ ہے۔
ضیافت کے کھانے میں اسراف نہیں ہے۔ لَا اِسْرَافَ فِی الْخَیْرِ
مہمان کے آگے کھانا رکھنے سے پہلے اہل و عیال کا حصہ نکال لے۔
نکاح دین کا حصار ہے اور شہوت شیطان کا ہتھیار ہے۔ نکاح اس کے شر سے بچانے والا ہے۔
سب سے بڑی دولت زبانِ ذاکر، دل شاکر اور زن فرمانبردار ہے۔
نیک عورت اُمورِ دنیا سے نہیں بلکہ اسبابِ آخرت سے ہے۔
عورت کی بداخلاقی پر صبر کرنا، اس کی ضروریات مہیا کرنا اور راہِ شرع پر اس کو قائم رکھنا بہتر عبادت ہے۔
جب تک آدمی اپنے نفس سے بَر نہ آئے، دوسرے نفس کا ذمہ نہ اُٹھائے۔
جس بیوی سے تیرے والدین ناراض ہوں اس کو طلاق دے دینا خدمتِ والدین میں داخل ہے۔
ماں باپ کا بیٹے کے مال میں جبراً تصرف کرنا ظلم نہیں۔
سفلہ کے ساتھ طریقہ تسلیم داخلِ حکمت ہے۔ چھوٹے دروازے میں سے خمیدہ ہو کر گزرنا عین مصلحت ہے۔
اذان و قرآن کا الحان سے زیادہ بڑھانا اور راگ کے طور پر پڑھنا منع ہے۔
جو کسبِ حلال نہ کر سکے اس کا نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ کسبِ حرام ایسا گناہ ہے کہ کوئی نیکی اس کا تدارک نہیں کر سکتی۔
عورتوں میں ایک قسم کا ضعف ہے اور تحمل اس کا علاج ہے۔
اہل و عیال کے لیے کسبِ حلال کرنا اَبدالوں کا کام ہے۔ اُن کو صلاحیت سے رکھنا اور ادب سکھانا جہاد سے افضل ہے۔
عورت کے ساتھ نیک خُو رہنا چاہیے۔ اس کو رنج نہ دے، بلکہ اس کا رنج سہے۔
کسی کو اپنے حسبِ دلخواہ بنانے کی کوشش نہ کرو، بلکہ اپنے آپ کو اَوروں کے حسبِ دلخواہ بنانے کی کوشش کرو جب تک کہ اَوروں کی خواہش خلافِ شرع نہ ہو۔
عورت کی بدخُلقی پر صبر کرنے والا حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کے برابر ثواب پائے گا۔
عورت اگر محافظِ عصمت ہے تو اس کی معمولی فروگذاشتوں سے درگزر کرو۔
کبھی غصّہ کے وقت طلاق کا لفظ زبان پر نہ لاؤ کہ اللہ کو یہ امر سخت ناپسند اور عورت کی دل شکنی کا موجب ہے۔

نکاح نہ کرنے والا گو شرمگاہ کو بچالے، مگر نظر اور دل کا بچانا اس کو محال ہے۔
تنگدست قرض دار کو مہلت دینا رحمتِ الٰہی کو جوش میں لاتا ہے۔
عورتوں کو ضُعف اور ستر سے پیدا کیا ہے ضُعف کا علاج خاموشی اور ستر کا علاج پردہ میں رکھنا ہے۔ زیادہ توفیق
برکت کے معنی یہ ہیں کہ تھوڑے مال میں بہرہ مندی زیادہ ہو، اس سے بہتوں کو فائدہ پہنچے اور اعمالِ صالح کی
محتاج کو مہلت دینے میں کوئی احسان نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف ہے۔
قرض ادا کرنے کا مقدور ہوتے ہوئے ایک ساعت دیر کرنا بھی ظلم میں داخل ہے، مگر باجازتِ قرض خواہ۔
قرض بغیر تقاضا کے ادا کر دینا قرض دار کی طرف سے احسان ہے۔
قرض ادا کرنے کے لیے زرِ نقد کا پاس ہونا ہی ضروری نہیں۔ اگر مال رکھتا ہو تو اس کو فروخت کرکے ادا کرنا ضروری ہے۔
جو شخص مال کافی رکھتا ہو اُس کے لیے کسب کرنے سے عبادت بہتر ہے۔
جو کسب مقدارِ ضرورت سے زیادہ خدا طلبی کے لیے ہو وہ کسب سب گناہوں کا سردار ہے۔
بادشاہ کے کارندوں کے ظلم کی باز پرس بادشاہ سے بھی ہوگی اور کارندوں سے بھی علیحدہ ہوگی۔
جس کا لباس باریک اور ہلکا ہوگا، اس کا دین بھی ضعیف ہوگا۔
ظالم کے مرنے سے ملول ہونا ظلم میں شامل ہوتا ہے۔
مالِ حرام سے صدقہ دینے والا ناپاک کپڑا پیشاب سے دھونے والے کی مثل ہے۔
جو شخص حرام کھاتا ہے اس کے تمام اعضا گناہ میں پڑ جاتے ہیں۔
اگر مُستجابُ الدعوات بننا چاہتے ہو تو لقمہ حلال کے سوا پیٹ میں کچھ نہ ڈالو۔
اگر تو اس قدر نماز پڑھے کہ پُشت خم ہو جائے اور اس قدر روزے رکھے کہ بدن ہلال بن جائے، ہرگز فائدہ نہ پائے گا
تاوقتیکہ مالِ حرام سے پرہیز نہ کرے گا۔
بازار کے اندر ذکرِ الٰہی میں معروف شخص مُردوں میں زندہ کی مثل معرورں میں غازی کی مثل اور خشک درختوں میں سرسبز کی مثل ہے۔
محتاجوں سے مہنگا مال خریدنا احسان میں ہے اور صدقہ سے بہتر ہے۔
جو ایمان رکھتا ہے کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے، وہ سب احتیاطیں کر سکتا ہے۔

اقوال حضرت معروف کرخیؒ

بغیر عمل کیے ہوئے بہشت کی آرزو کرنا گناہ، بغیر ادائے سُنّت کے اُمیدِ شفاعت رکھنا محض غرور اور دھوکا، اور
بغیر فرمانبرداری اُمیدوارِ رحمت ہونا محض جہالت اور حماقت ہے۔
دولت کے بھوکے کو کبھی حقیقی راحت نہیں ہو سکتی۔

ایسی بات میں گفتگو کرنا جس میں کسی کا فائدہ نہ ہو، علامتِ ضلالت و گمراہی ہے۔
جس طرح برائی سننے کو ناپسند کرتا ہے، اسی طرح اپنے آپ کو مدح سرائی سے بھی بچا۔
حق تعالیٰ جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو حُسنِ عمل کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے۔
آنکھ سب کی طرف سے بند کر لے خصوصاً بُری نگاہ سے کبھی نہ دیکھ۔
محبّت ایک ایسی چیز ہے جو سیکھنے اور کسی کے بتانے کی نہیں ہے۔
حُبِّ دُنیا کو ترک کرو، کیونکہ اگر دنیا کی ذراسی چیز بھی تمہارے دل میں ہوگی تو سجدہ کرنے میں بھی تم اس کو فراموش نہ کر سکو گے۔
جو کچھ رنج و مصیبت تم کو پیش آئے، اس کی کشودِ کار اس کے پوشیدہ رکھنے ہی میں ہے۔
دُنیا کا لفظ دنایت سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں خواری، ذلّت، کمینگی، اس سے اندازہ لگاؤ کہ دنیا کیا چیز ہے۔
آپ ایک دن اپنا مُصلّٰی اور قرآن مسجد میں چھوڑ کر طہارت کے لیے دجلہ پر گئے، جو بالکل نزدیک تھا۔ اتنے میں ایک عورت آئی جسے چوری کی عادت تھی مُصلّٰی اور قرآن لے کر چلتی بنی۔ آپ دجلہ سے طہارت کر کے سیدھے اس عورت کے پیچھے گئے۔ جب قریب پہنچے تو آپ نے شرم سے آنکھیں نیچی کر لیں اور کہا، اے مادرِ شفیق! آپ کا کوئی لڑکا قرآن مجید بھی پڑھتا ہے؟ بڑھیا نے کہا نہیں۔ آپ نے کہا، تو پھر قرآن مجید لے کر کیا کرو گی؟ یہ مجھے دے جاؤ، میں پڑھا کروں گا۔ اور مُصلّٰی تم لے جاؤ تمہارے کسی کام آجائے گا۔ وہ عورت بہت شرمندہ ہوئی اور آئندہ کے لیے تائب ہوگئی۔
حضرت سرّی سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عید کے دن آپ کو کھجوریں چُنتے ہُوئے پایا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس لڑکے کو روتے ہوئے دیکھا، پوچھا کہ کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں یتیم ہوں۔ آج سب لڑکوں نے کپڑے پہنے ہیں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ میں اس لیے کھجوریں چُن رہا ہوں کہ ان کو فروخت کر کے اُسے اخروٹ لے دوُں۔ تاکہ ان سے کھیلے اور نہ روئے۔ حضرت سرّی سقطیؒ نے آپ سے عرض کیا کہ میں اس کام کو سرانجام دے لوں گا، آپ بے فکر رہیں۔ پھر میں اس لڑکے کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ اُسے نئے کپڑے خرید کر پہنا دیئے اور کچھ اخروٹ بھی کھیلنے کے لیے خرید دیئے۔ اور اس لڑکے کے پژمُردہ دل کو خوش کر دیا۔ اس فعل سے میرے دل میں ایک نوُر پیدا ہو گیا۔ اور میری حالت ہی کچھ اور ہو گئی۔
ایک دفعہ آپ کا وضو ٹوٹ گیا۔ دجلہ چند قدم پر ہی تھا لیکن آپ نے وہیں تیمّم کر لیا۔ ارادت مندوں نے کہا حضرت دس قدم پر دریائے دجلہ ہے، تیمّم کی کیا حاجت تھی؟ فرمایا، زندگی کا کیا بھروسہ۔ آدمی پانی کا بُلبلہ ہے۔ ابھی اٹھا ابھی بیٹھ گیا۔ شاید پانی تک پہنچتے سانس وفا نہ کرتا اور میں بے وضو ہی چلا جاتا۔ غرض بعد تیمّم آپ دریا پر گئے اور وہاں جا کر از سرِ نو وضو کیا۔
وہ بنیاد جو کبھی ویران نہ ہو، عدل ہے۔ وہ تلخی کہ جس کا آخر شیرینی ہو صبر ہے۔ وہ شیرینی جس کا آخر تلخ ہو، شہوت ہے۔ بیماری جو کہ علاج پذیر نہ ہو، ابلہی ہے۔ وہ بَلا جس سے لوگوں کو بھاگنا چاہیئے عیش ہے۔

شرکِ ظاہر بتوں کی پرستش اور شرکِ باطن مخلوق پر بھروسہ رکھنا ہے۔
تواضع یہ ہے کہ جس کسی سے بھی تو ملے، اپنے سے بہتر جانے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، عالم ہو یا جاہل، مومن ہو یا کافر۔
شیطان کو سب سے پیارا بخیل مسلمان اور ناپسند گنہگار سخی ہے۔
عقلمند وہ ہے کہ جب اس پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اول روز وہی کرے جو کہ وہ تیسرے روز کرے گا۔
پوچھا گیا کہ مصائب دنیا کی کیا دوا ہے؟ فرمایا، خلق سے دُور اور خُلق سے نزدیک رہنا۔
فرمایا درویشی یہ ہے کہ کسی چیز پر طمع نہ کرے۔ جب بے طلب کوئی لائے تو منع نہ کرے، اور جب لے تو جمع نہ کرے۔
عورت طالبِ حق کا مُرشد اس کا شوہر ہے، اگرچہ اس کا شوہر خود طالبِ حق نہ ہی ہو۔
جو کوئی ہم کو اللہ تعالیٰ کے نام سے دھوکا دے گا، ہم اس کا دھوکا کھالیں گے۔
اگر صاحبِ بدعت کو دیکھو کہ ہَوا پر چلتا ہے تو بھی اس کو قبول نہ کرو۔
کسی بزرگ سے کسی گناہ کا سرزد ہو جانا اس کو مُباح نہیں کر دیتا۔
امیروں کی صحبت کے نقصانات احاطۂ تحریر سے باہر ہیں، بچو بچو۔
علم نَر ہے اور عمل مادہ۔ دین و دنیا کے کام ان کے ملنے سے ہیں۔
جو شخص عملِ نیک حصولِ ثواب کے خیال سے کرتا ہے وہ تاجر ہے۔ جو دوزخ کے خوف سے کرتا ہے وہ غلام ہے، جس طرح غلام مار پیٹ کے خوف سے کام کرتا ہے۔ اور جو شخص صرف خدا کے واسطے کرتا ہے وہ اَحرار سے ہے۔
گناہ کرنے والے سے میل جول رکھنا گناہ پر راضی ہونا ہے، اور گناہ سے راضی ہونا گناہ کرنے کے برابر ہے۔
اعتقاد سالم نہ ہو تو عبادت بھی بیکار ہے۔
اے جھوٹے تو نعمت کی حالت میں خدا تعالیٰ کو محبوب سمجھتا ہے، لیکن جب بلا آتی ہے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔
بلا اور فقر میں ثابت القدم رہنا خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ؐ کی سچی محبت کی علامت ہے۔
ایک روز آپ روزہ کی حالت میں بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک سقّے نے آواز دی کہ جو اس پانی کو پیئے حق تعالیٰ اسے بخش دے۔ آپ نے وہ پانی لے کر پی لیا۔ لوگوں نے کہا آپ کا تو روزہ تھا۔ آپ نے فرمایا بیشک۔ لیکن میری رغبت اس کی دعا کی طرف تھی۔ جب آپ وفات پا گئے تو کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا حق تعالیٰ نے آپ سے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا، اُس سقّے کی دعا اور میرے حُسنِ رغبت سے مجھے بخش دیا۔

اقوالِ حضرت شقیق بلخیؒ

ایک بوڑھے نے کہا، توبہ کرتا ہوں لیکن بہت دیر سے آیا ہوں۔ فرمایا موت سے پہلے آجانا دیر نہیں ہے۔
جس کا باطن ظاہر سے افضل ہے وہ ولی اللہ ہے۔ جس کا ظاہر و باطن برابر ہے وہ عالم ہے اور جس کا ظاہر باطن

سے افضل ہے وہ جاہل و مکّار ہے۔
بدترین شخص وہ ہے جو توبہ کی اُمید پر گناہ کرتا ہے اور زندگانی کی اُمید پر توبہ۔
جب سوئے تو موت کو زیر بالیں رکھ، اور جب اُٹھے تو پیش نظر رکھ کہ تیرا باپ مرگیا اور تجھے بھی درپیش ہے۔
ایک شخص نے وصیت چاہی فرمایا اگر یار چاہتا ہے تو تجھے خدائے عزّوجلّ کافی ہے۔ اگر ہمراہ چاہتا ہے تو کراماً کاتبین کافی ہیں۔ اگر مونس چاہتا ہے تو قرآن پاک کافی ہے۔ اگر کام چاہتا ہے، تو عبادت کافی ہے۔ اگر وعظ چاہتا ہے تو مرگ کافی ہے۔ جو کچھ کہا گیا، اگر پسند نہیں ہے تو تجھے دوزخ کافی ہے۔
اگر بندہ اپنی ہر ایک خطا پر ایک کنکر گھر میں ڈال دیا کرے تو اُس کا گھر تھوڑے ہی دنوں میں بھر جائے گا۔
جو شخص احسان کرتا ہے، اُسے چپ رہنا چاہیے۔ لیکن جس پر احسان کیا گیا ہو اُسے بولنا چاہیے۔
کسی سے بدلہ لینے میں جلدی نہ کرو اور کسی کے ساتھ نیکی کرتے میں تاخیر نہ کرو۔
لوگ چار باتوں میں اللہ تعالیٰ کی موافقت کرتے ہیں اور عمل میں خلاف۔ (۱) کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور عمل آزادوں جیسے کرتے ہیں۔ (۲) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے رزق کا کفیل ہے مگر دل اُن کے مطمئن نہیں مگر دنیا کی چیز سے (۳) کہتے ہیں کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے، لیکن دنیا کے لیے مال جمع کرتے ہیں اور آخرت کے لیے گناہوں کو۔ (۴) کہتے ہیں کہ ہم بالضرور مرنے والے ہیں، لیکن عمل ایسے کرتے ہیں کہ گویا کبھی مرنا ہی نہیں۔
کوئی گناہ کسی کی رضامندی سے حلال نہیں ہوتا۔
عقلمند وہ ہے کہ دنیا سے دست بردار ہو جائے، اس سے پہلے کہ دُنیا اس سے دست بردار ہو۔
عقلمند وہ ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرے، اس سے پہلے کہ خدا کے رُوبرُو بلایا جائے۔
جو شخص مصیبت میں فریاد کرتا ہے وہ ایسا ہے کہ جیسے اُس نے نیزہ پکڑا ہوا ہے اور حق تعالیٰ سے جنگ کرتا ہے۔
عبادت جو مخلوق کے لیے کی جاتی ہے زمین میں دھنسا دی جاتی ہے، اور جو خالق کے لیے کی جاتی ہے۔ وہ آسمان پر چڑھائی جاتی ہے۔
اگر تم کسی مردِ خدا کو پہچاننا چاہتے ہو تو دیکھو کہ وہ حق تعالیٰ کے وعدے پر زیادہ بے خوف ہے یا مخلوق کے وعدوں پر زیادہ وہ بھروسہ رکھتا ہے۔
جب غیر محرم پر نظر پڑے، بند کرے۔ تاکہ ثواب حاصل کرے۔
دل کی صفائی چاہتا ہے تو آنکھ جہان سے بند کرے۔ یہی وہ رخنہ ہے جہاں سے غبار آتا ہے۔
حرکت غصّہ کی باطن سے ظاہر کی طرف ہوتی ہے اور حرکت حزن کی ظاہر سے باطن کی طرف۔
عارف باللہ پر سب سے زیادہ گراں مخلوق کے ساتھ تکلم اور ان کے پاس بیٹھنا ہے۔
زبردست گناہوں کا کفارہ زیردستوں کی امداد کرنا اور درماندگان کی دستگیری ہے۔
جب آنحضرتؐ کی حدیث سنو، عمل کرنے کی نیّت سے یاد رکھو، نہ کہ روایت کرنے کی نیت سے۔

بندگی کر اللہ تعالیٰ کی بقدر اپنی حاجت کے۔ لے دُنیا سے بقدر اپنی عمر کے۔ گناہ کر اللہ تعالیٰ کا بقدر طاقت عذاب سہنے کے۔ توشہ لے دُنیا سے بقدر قبر میں ٹھہرنے کے۔ عمل نیک کر بقدر جنت میں رہنے کی خواہش کے۔

ظالموں اور فاسقوں کے ظلم و فسق کی وجہ سے ان کو دشمن نہ رکھنا ضعفِ ایمانی کی نشانی ہے۔

جس عالِم کو علم سے حق تعالیٰ ہی مقصود ہو اس سے سب ڈرتے ہیں اور جس کا مقصود دنیا ہوتی ہے وہ خود سب سے ڈرتا ہے۔

نفس کو مُباح چیزوں کی خواہش سے روک، ورنہ دنیا اس کی بہشت بن جائے گی اور موت اس پر دشوار ہوگی۔

آپ اپنی عورت سے فرمایا کرتے کہ اگر تمام اہل بلخ میرے مددو معاون ہوں اور تو میرے مخالف ہو، تو بھی میں اپنے دین کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

اپنے تئیں غیبت سے بچاؤ یعنی ایسا کام نہ کرو کہ لوگ تمہاری غیبت کریں۔

علم کا فائدہ تین باتوں پر عمل کرنے میں ہے ورنہ یہ نفع نہیں دیتا، اگرچہ اسّی صندوق کتابوں کے پڑھ لے (۱) نہ محبت رکھے دنیا کی کہ یہ مسلمانوں کا گھر نہیں ہے۔ (۲) نہ دوست رکھے شیطان کو کہ یہ مسلمانوں کا رفیق نہیں ہے (۳) نہ دے تکلیف کسی کو کہ یہ پیشہ مسلمانوں کا نہیں ہے۔

جب تک آدمی کا دل اللہ کی یاد میں ہے وہ نماز میں ہے اگرچہ بازار میں ہو۔ اگر ہونٹ بھی ہلتے ہیں تو اور بھی اچھا ہے۔

حلاوتِ دُعا علامتِ اجابت ہے۔

اقوال جالینوس

جہاں تک ہو سکے علم حاصل کر تاکہ مراد کو پہنچے۔

حکیم اس کو کہتے ہیں کہ باوجود قدرت رکھنے کے ستم نہ کرے۔

عقلمند کا نشان یہ ہے کہ دوسرے کو اپنے اُوپر تعین کرے کہ جس وقت مُجھ سے خطا سرزد ہو تنبیہ کرے تاکہ آئندہ پھر مجھ سے یہ خطا سرزد نہ ہو۔

تمام لوگوں کو دیکھا کہ فضیلت کی تمنا ضرور رکھتے ہیں، مگر اس کے حاصل کرنے کے لیے کسی کو کم راغب پاتا ہوں۔

نیک لوگوں کو دشمنوں سے بھی نفع حاصل ہوتا ہے۔

ہر ایک چیز زائل و منتقل ہو سکتی ہے مگر طبیعت اس سے مستثنیٰ ہے۔

جو شخص کہ دُنیا کی ذلت سے خرسند رہے، وہ آخرت کی سعادت حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے۔

آدمی کو اس قدر عقل کافی ہے کہ راست روی اور گمراہی اور سعادت و شقاوت میں تمیز کر سکے، کیونکہ بھلائی کی تمام راہیں خطرے سے محفوظ ہیں۔

انسان اپنے نفس کے ساتھ افراطِ محبت کی وجہ سے خود یہ گمان رکھتا ہے کہ جو صفاتِ جمیلہ اس میں نہیں ہیں، اُن

صفات سے اس کا نفس آراستہ ہے، یہاں تک کہ بزدل اپنے آپ کو شجاع اور بخیل اپنے آپ کو کریم شمار کرتے ہیں۔ لیکن عقل کے باب میں ہر شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں سب سے عقلمند شخص ہے، حالانکہ اس کا یہی گمان اس کی خفتِ عقل کی دلیل ہے۔

دشمن کے ساتھ صلح اختیار کرنے میں بہتری ہے۔ ہر چند تجھ کو اپنی قوت و غلبہ پر یقینِ واثق ہو۔

وہ شخص تعریف کا مستحق ہے جو کہ قوتِ حلم کے ساتھ شدتِ غضب کو زائل کر سکے۔

عقلمند وہ شخص ہے جو کہ اپنی زبان کو دوسروں کی مذمت سے بچائے رکھے۔

کثرتِ خاموشی سے گمراہی پیدا ہوتی ہے اور زیادہ گوئی سے قدرِ ناطق زائل ہوتی ہے۔

ایک خوبصورت لڑکے کو دیکھ کر کہا، جو عقل نہ رکھتا تھا، کہ یہ گھر خوشنما تو ہے لیکن صاحبِ خانہ موجود نہیں۔

نیک چلنی کیا ہے؟ تمام صفاتِ محمودہ کا انسان کی ذاتِ واحد میں جمع ہونا۔

آدمی کی عقل کی دلیل اس کا قول ہے اور اصل کی دلیل اس کا فعل ہے۔

جو کوئی زمانۂ شباب میں جوانمردی کرے تو ہنر اس کے شباب پر عائد ہوتا ہے نہ کہ خود اس پر۔

جھوٹ جائز نہیں مگر رفعِ شر کے خیال سے اگر ضرورت ہو جائز ہے۔ جیسے کہ شراب جائز نہیں مگر حدوثِ مرض میں۔

بیل کے قدم کے ساتھ جس طرح پہیہ چلتا ہے، اسی طرح بدکردار و بدگفتار کے ہمراہ اس کے کیفرِ کردار چلتے ہیں۔

ہوا ایک کتب خانہ ہے جس میں ہر انسان کے الفاظ و اعمال لکھے رکھے ہیں۔

اس حکیم کا تجرد و توکل یہاں تک تھا کہ جو کچھ اس کو اپنی روزانہ خوراک سے فاضل مال حاصل ہوتا، اس کے جمع کرنے کو حلال نہ سمجھتا۔

یہ چار عادتیں بچوں کی اگر بڑوں میں ہوں تو وہ ابدال کا مرتبہ حاصل کر لیں۔ اوّل یہ کہ اگر انہیں کسی سے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ کسی سے شکایت نہیں کرتے۔ دوم یہ کہ وہ اپنے کھانے پینے کی فکر نہیں کرتے۔ سوم یہ کہ جو چیز انہیں ملتی ہے، اسے دوسرے روز کے لیے نہیں بچاتے۔ چہارم یہ کہ جب باہم لڑتے ہیں تو کینہ نہیں رکھتے۔

اقوال فیثاغورث

اشیائے نفیس میں سب سے زیادہ نافع شے جلیل القدر سخن ہے۔ اگر اس کی قوت نہ ہو تو کہنے والوں سے سننا چاہیے۔

خداتعالیٰ رزاق ہے بندہ قزاق ہے۔

ایک شخص نے کہا کہ بادشاہ تجھ سے کیوں دشمنی رکھتا ہے؟ کہا وہ کونسا بادشاہ ہے جو اپنے سے بزرگوار اور بے نیاز تر سے دشمنی نہ رکھے؟

نفسِ طاہر اوقاتِ خلوت میں دوسروں کی نسبت اپنے آپ سے زیادہ شرم ظاہر کرتا ہے۔

اس بات کی کوشش کر کہ افعال ناکردنی کا خیال تک بھی تیرے دل میں نہ گزرے۔
جو شخص کہ تجھ کو تیرے عیبوں سے مطلع کرے، اس سے بہتر ہے کہ جو جھوٹی تعریف سے تجھ کو مغرور بنائے۔
انسان برسوں میں جوان ہوتا ہے لیکن اگر وہ اپنے وقت کو بہترین طریقے پر صرف کرے تو گھنٹوں میں بوڑھا یعنی تجربہ کار ہو جاتا ہے۔
احساس دعوتِ عمل ہے اور عمل وہ خضرِ راہ ہے جو عامل کو منزلِ مقصود سے ضرور روشناس کر دیتا ہے۔
جو شخص ایسا دوست نہیں رکھتا کہ اس کے آگے اپنے دل کی باتیں کہے، وہ مردم خوار ہے جو اپنے دل کو کھاتا ہے۔
ہر وہ ملکہ جو انسان حاصل کرتا ہے کسی فرشتے یا شیطان کی پیدائش کا سبب بنتا ہے جو بعد میں اس کا مصاحب بن جاتا ہے۔ اگر ملکہ اچھا ہے تو مصاحب اچھا ہوگا۔ اگر بُرا ہے تو بُرا۔
مرد کا امتحان عورت سے، عورت کا روپے پیسے سے اور روپے کا امتحان آگ سے ہوتا ہے۔
جس راز کو دشمن سے چھپانا چاہتا ہے اس کو دوست پر بھی ظاہر نہ کر۔
تجھے چاہیے کہ وہی کام کرے جو کہ کرنا چاہیے، نہ وہ کہ جو کچھ تو چاہے۔
تقدیر بہت کم تدبیر کا ساتھ دیتی ہے۔
دوستی میں شبہ زہر ہے۔
حیوانات پر بیشتر آفات بے زبانی کے باعث لاحق ہوتی ہیں اور انسان کے لیے نزولِ بلا زبان کے باعث۔
تمام اعضائے جسمانی میں سے زبان سب سے زیادہ نافرمان ہے۔
ایک کوتاہ عقل نوجوان لباسِ نفیس میں حاضرِ خدمت ہوا۔ حکیم نے جب اس کا جامۂ نفیس اور کلامِ سقیم ملاحظہ کیا تو فرمایا، تو اس لباس کو اتار دے ورنہ گفتگو لائقِ لباس کر۔
ایک بوڑھے شخص کو جسے علم کا بہت شوق تھا لیکن حاصل کرنے سے شرماتا تھا، کہا، تجھے اس بات سے کیوں شرم آتی ہے کہ آخر عمر میں تو اوّل عمر سے عالم تر ہوگا۔
منقول ہے کہ اس کی منکوحہ کو زمینِ غربت میں سفرِ آخرت پیش آگیا۔ احباب و ہمنشین وطن سے دوری کی حالت میں وفات پا جانے پر اظہارِ افسوس کر رہے تھے۔ اُن سے کہا، اے برادران! یہاں مسافر اور شہری کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور آخرت کا سفر ہر چہار جانب سے مساوی الفاصلہ ہے۔
دشمن کی بات سے رنجیدہ خاطر نہ ہونا چاہیے۔ اگر سچ ہے تو قابلِ مشکوری ہے، اگر جھوٹ ہے تو اس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔
شکایت کا قطعی طور پر موقوف ہونا ناممکن ہے، لیکن اپنی طرف سے کوشش کرو کہ کوئی تمہارا شاکی نہ ہو۔
بخل و اسراف ہر دو مذموم ہیں۔ لیکن اسراف نسبتہً اس لیے بہتر ہے کہ اس سے دوسروں کو تو فائدہ پہنچتا ہے۔
ہم دوسروں کی شیخی کو اس لیے ناپسند کرتے ہیں کہ وہ ہماری شیخی کو مضر ثابت ہوتی ہے۔
فرمایا، خدا تعالیٰ کے نزدیک افعالِ حکما معتبر ہیں نہ کہ اقوال۔

دوستوں کے مال میں تمام دوست شریک ہیں۔

اقوال بطلیموس[1]

حکمت ایک درخت ہے جو کہ دل سے اُگتا ہے اور زبان سے پھل دیتا ہے۔

جو شخص کہ بقائے حیات کو دوست رکھتا ہے، اُسے چاہیے کہ دل کو شدائد و مصائب کے تحمل کے لیے آمادہ رکھے۔

اگر کوئی چیز تمہارے قبضہ سے نکل کر دوسرے کے پاس چلی جائے تو یہ مت کہو کہ میرا مال میرے پاس سے چلا گیا، بلکہ یہ کہو کہ عاریت تھی جو چند روز مجھے فائدہ پہنچا کر چلی گئی۔ اگر درحقیقت یہ میرا مال ہوتا تو دوسروں کے پاس سے مجھ تک نہ آتا۔ اور میرے پاس سے دوسروں تک نہ جاتا۔

ایک روز ایک نوجوان کو محروم و تہی دست، اسبابِ دُنیوی سے حرماں نصیب، متاسّف و متحیّر دریا کے کنارے پر بیٹھا دیکھا۔ کمالِ فراست سے حکیم سمجھ گیا کہ اس کے حُزن و ملال کا موجب عدمِ غنا اور وجودِ فقر و تنگدستی ہے۔ اس سے کہا اے جوان! تو اپنے آپ کو اعلیٰ درجے کا تونگر تصوّر کر اور ہزار کشتی پُر متاع کے ساتھ بغرض تجارت اپنے آپ کو سفرِ دریا میں خیال کر لے۔ اور عین وسطِ دریا میں بادِ مخالف سے تمام مال و متاع کو غرق شدہ سمجھ لے اور اپنے آپ کو بھی قریب الغرقاب فرض کرے۔ ایسی حالت میں اپنی جان کے بچ جانے ہی کو غنیمت سمجھ کر ہزاروں شکر تجھ پر لازم ہیں۔ لہٰذا اپنی موجودہ حالت پر قانع رہ کر صبر و شکر کی زندگی اختیار کر۔ اس نصیحت سے جوان کا اندوہ مبدّل بر سرُور ہو گیا۔

جو شخص کہ دوسروں کے واقعات سے نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ دوسرے اس کے واقعات سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے کہ نمونہ بہت بڑا معلّم ہے، اگرچہ بے زبان ہے۔

عالِم سے ایک گھنڈے کی گفتگو دس برس کے مطالعے سے زیادہ مُفید ہوتی ہے۔

زندگی بغیر محنت کے معصیت اور بغیر عقل کے حیوانیت ہے۔

ضروریات کو کم کر لینا سب سے بڑی مالداری ہے۔

انسانی زندگی دُنیا میں اُس شمع کی مانند ہے جو ہوا میں رکھی گئی ہو۔

جیسا کہ ملاح ہر ایک قسم کی ہوا میں کشتی کو دریا میں نہیں چلاتا، اسی طرح سے جو اندیشہ کہ ضمیر میں گزرے اسی طرف نہ چل پڑنا چاہیے۔

حکمتِ عملی قوّتِ بازو سے زیادہ کام کرتی ہے۔

---

[1] حکومت وقت نے اس حکیم کو بُت پرستی کے خلاف وعظ کرنے کے جرم میں سزائے موت دی حکیم اس وقت ایک قلعہ میں مسلّح اور جاں نثار شاگردوں کے ساتھ پناہ گزین تھا۔ یہاں وہ قریباً چار ہفتے بے آب و دانہ محصور رہا۔ جب رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو قلعے کو آگ لگا دی اور جل کر مر گیا۔

جب تک کہ تیری رائے تیرے غصہ سے مغلوب ہے اور تو متابعتِ شہوات کرتا ہے، اپنے آپ کو انسان نہ سمجھ۔

ایک نقاش نے اس حکیم سے کہا کہ اپنا مکان گچ کرائے تا کہ میں اس پر تصاویر کھینچوں۔ حکیم نے کہا، پہلے تو تصاویر کھینچ، پھر میں گچ کراؤں گا۔

دردِ سر کا علاج تاج سے نہیں ہوتا۔

غور و فکر مراقبہ کا مرتبہ رکھتا ہے اور اس کی ضرورت دین و دُنیا اور عاقبت کے ہر ایک پہلو میں لاحق ہوتی ہے۔

تین آدمی میرے دوست ہیں۔ ایک وہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے، دوسرا وہ جو مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ اور تیسرا وہ جو مجھ سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھتا۔ کیونکہ پہلا محبت کا سبق، دوسرا احتیاط کا اور تیسرا خود اعتباری سکھاتا ہے۔

جاہل کے لیے سب سے اچھی بات خاموشی ہے۔

کسی نے اس حکیم سے پوچھا کہ جھوٹ بولنے میں کیا نقصان ہے؟ اس نے کہا کہ اس کی سچ بات کا اعتبار بھی جاتا رہتا ہے۔ پھر پوچھا سچائی میں کیا فائدہ ہے؟ اُس نے کہا، جھوٹ کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

لائق آدمی کو نسبی فضیلت کی ضرورت نہیں اور نالائق آدمی کو اس سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔

اقوال حکیم اُقلیدس

جو شخص کہ علم رکھے اور اس پر عمل نہ کرے، وہ ایک بیمار ہے جس کے پاس دوا تو ہے مگر علاج نہیں کرتا۔

جو شخص کسی ایسی چیز کی تعریف کرے جو درحقیقت تجھ میں نہ ہو، وہ ایسی بُرائی سے بھی تجھے منسوب کرے گا جو تجھ میں نہ ہوگی۔

دو بھائیوں میں دشمنی نہ ڈال کہ وہ معمولی بات پر صلح کر لیں گے اور تجھے ہمیشہ کی بُرائی حاصل ہوگی۔

سلطانِ غیر عادل پر، اُس متموّل پر جو حسنِ تدبیر نہ رکھتا ہو، اس وزیر پر جس کا صدقِ کلام معلوم نہ ہو، اُس بخشش کرنے والے پر جو مال کو بے موقع صرف کرتا ہو، اُس صاحبِ فضیلت پر جو رائے صائب نہ رکھتا ہو، تاسف کرنا چاہیے کہ عنقریب اُن کا کام تباہ ہو جائے گا۔

ایک روز اس سے کہا گیا مت بول۔ اس نے زبان بند کر لی۔ پھر کہا کہ نہ سُن، اُس نے اپنے کان بند کر لیے۔ پھر کہا کہ مت دیکھ، اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر کہا مت سمجھ۔ اس نے کہا کہ اس امر پر میں قادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مدرکاتِ عقل کو اپنے اختیارات سے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس سے قصداً بچا نہیں جا سکتا۔ بخلاف مُدرکاتِ حسّی کے کہ اُن کو جس طرح چاہو استعمال کر سکتے ہو۔

ایک آزردہ دل تمام انجمن کو افسردہ کر دیتا ہے۔

عالمِ بے عمل اور عابدِ بے معرفت چکّی کی مانند ہیں، جو روز و شب چکر میں سرگرداں ہے لیکن نہیں جانتی کہ کس حال میں ہے۔

دانا کون ہے؟ جو گردشِ ایام سے دل تنگ نہ ہو۔

کونسی شیرینی ہے جو چکھنے والے کو ہلاک کرڈالتی ہے ؟ شہوت۔
لوگوں کو تین باتوں سے رنج پہنچتا ہے۔ پیش از وقت چاہتے ہیں، بیش از قسمت مانگتے ہیں اور دوسروں کے مال کو اپنا بنانا چاہتے ہیں۔
جبکہ تیری روزی دوسروں کی روزی سے جُدا ہے تو پھر یہ رنج و محنت بیہودہ کیوں ہے ؟
اس سے پوچھا گیا، کیا مذہب رکھتا ہے ؟ کہا کہ دہقان جو کچھ کہ بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔
دُنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہاں ہر فعل سے پیشتر سبب کا ہونا قدرت کی حکمت ہے۔
ایک دوستِ صادق کا حصول نعمائے الٰہی میں سے بہترین نعمت ہے۔
ایک محفل میں یہ حکیم بیٹھا ہوا تھا، وہاں ایک جاہل شخص آکر صدر مقام پر بیٹھ گیا۔ کسی نے حکیم سے پوچھا کہ کیا تجھے اس بیوقوف کی یہ ناشائستہ حرکت بُری معلوم نہیں ہوئی ؟ اس نے جواب دیا کہ بُرا ماننے کی کیا وجہ ہے ؟ کیونکہ اس مکان کی دیواریں سب سے زیادہ بلند ہیں۔ لیکن ان کی بلندی کا کوئی خیال بھی نہیں کرتا۔ میں جُہلا کو ان دیواروں اور خاک پتھر سے زیادہ نہیں سمجھتا۔
ایک شخص نے کہا، میں اس کوشش میں ہوں کہ تیری حیات کو تجھ سے زائل کردوں۔ حکیم نے کہا، اور میں اس کوشش میں ہوں کہ تیرا غضب تجھ سے زائل کردوں۔
بزرگ اطاعت سے، ہمسر خلق سے، خُرد لطف و کرم سے اور حاسد زوالِ نعمت سے خوش ہوتے ہیں۔
انسانی سرشت میں دانائی کی نسبت حماقت زیادہ بھری ہے۔ اس کو دُور کرکے انسانیت کا درجہ حاصل کر۔

اقوال خلیفہ مامون رشید

طاعتِ باری تعالیٰ اتنی زیادہ کر جتنی کہ تجھے اس کے ساتھ احتیاج ہے۔
گناہ اس قدر کم کر کہ اُن کی عقوبت کی تاب لاسکے۔
زیردستوں پر اس قدر کم جفا کر کہ اگر روزگار ان کو تجھ سے زبردست بنادے تو ان کے انتقام کی تاب لاسکے۔
شیریں کلام اور خوش خلق کے ساتھ محبت واجب ہوجاتی ہے۔
جب غصہ تجھ پر غلبہ پائے تو خاموشی اختیار کر۔
اپنے تھوڑے کو دوسروں کے زیادہ سے بہتر جان۔
ایسی راستی سے جو کسی کو فائدہ نہ پہنچائے اور لوگوں کا دِل دکھائے، پرہیز کر۔
ایسے فائدے سے درگزر کر جو دوسروں کے نقصان کا باعث ہو۔
اپنے کاموں کی بنیاد محبت و آشتی پر رکھ، نہ کہ قہر و غضب پر۔

دوست اُس کو سمجھ جو خلوت میں تیرے عیب تجھ پر ظاہر کر کے تجھے تنبیہ کرے اور تیرے پیچھے لوگوں میں تیری تعریف کرے اور مصیبت کے وقت تیری ہمراہی کرے۔

یقین جان کہ جو درہم ناجائز طریقے سے حاصل کیا جاتا ہے، وہ ہزار دینار کے لیے حجاب بن جاتا ہے۔ جو کوئی اس کا خیال نہ کرے، اس کو شیطان خیال کر۔

جو کوئی راست گوئی میں مشہور ہو گیا، اگر وہ مصلحت کی بنا پر کسی وقت جھوٹ بھی بولے تو سچ سمجھا جاتا ہے۔ برخلاف دروغ گو کے، کہ اگر سچ بھی بولے تو جھوٹ خیال کیا جائے گا۔

کمینوں کے جواب کے واسطے حِلم ایک لشکر ہے۔

تونگری خورسندی میں ہے اور درویشی زیادہ نہ ڈھونڈتے ہیں۔ مردِ خورسند ہر چند کہ ننگا اور بھوکا ہو، تونگر ہے۔ اور جس نے زیادہ ڈھونڈا، اگر تمام عالم بھی اُس کے قبضے میں آ جائے تو بھی درویش ہے۔

کونسا امر قبیح ہے؟ کہنا اور نہ کرنا۔ کونسا امر جمیل ہے؟ کم کہنا اور زیادہ کرنا۔

عاقبت اندیشی کو طلبِ مال پر مقدّم رکھو۔

جب کسی شخص کو دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہوئے پاؤ اُسے اپنے دوستوں کے زُمرے سے خارج کرو۔

خوشامدی شخص تمہاری برائیوں اور بھلائیوں دونوں کو پسندیدہ تبلائے گا۔

اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنا اپنی طرف سے لوگوں کا خیال خراب کرنا ہے۔

مال جمع کرنا آسان، لیکن اس کی نگہداشت اور اس سے بہرہ مند ہونا دشوار ہے۔

اقوالِ کیخسرو

اگر لوگ اپنے اپنے حق پر راضی رہیں اور انصاف کے ساتھ زندگانی بسر کریں تو کسی مُلک کو مُلک کی ضرورت نہیں۔

مُلک اور رعیّت کی پائداری مال سے ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس کو ہر دو جہاں کا وسیلہ حصول ٹھہرایا ہے۔

جہاں تک ممکن ہو، مال کو عزیز رکھو اور مناسب موقعوں پر خرچ کر کے دین و دنیا کا فائدہ حاصل کرو۔ کیونکہ وقائع و حوادث کا احتمال ہمیشہ باقی ہے۔

دنیا کے حوادث و مصائب انسان کی آزمائش کے موقعے ہیں۔ عقلمند وہ ہے جو ایسے وقت میں دل کو جگہ سے نہ ہلنے دے ایسے موقع پر عقل سے زیادہ دستگیر اور مہربان تر کوئی استاد نہیں ہے۔ عقل ایسے ہی دنوں کے واسطے ہے کہ اس کی رہنمائی میں چارۂ کار تلاش کرنا چاہیے اور جو کام کہ چارۂ کار سے گزر جائے اس کا اندیشہ نہ کرنا چاہیے اور اندوہِ بے فائدہ سے اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالنا چاہیے کیونکہ جو کچھ ہاتھ سے گیا وہ واپس نہیں آسکتا، لیکن تھوڑے عرصہ میں اس کا نقصان تیرے جان و تن کو بھی تباہ کر دے گا۔

جب تیرا کام چارۂ تدبیر سے گزر کر بموجب سرنوشتِ پیشانی پیش آجائے، اپنی تباہی کی شرح ہر کس و ناکس کے پاس بیان نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے اظہار میں دو نقصان ہیں، ملالتِ دوستاں اور مسرتِ دشمنان۔ اور یہ ہر دو خلاف مقصود ہیں۔
نادان خُرد ہے اگرچہ پیر ہو، اور خردمند پیر ہے اگرچہ خُرد ہو، کیونکہ شرف و فضل عقل سے ہے نہ کہ سال سے۔
جس شخص کی دوستی سے کچھ نفع نہ پہنچے، اُس کی دشمنی سے بھی کچھ ضرر نہ ہوگا۔
پہلے دُشمن کے ساتھ صلح جُوئی اختیار کر۔ اگر قبول نہ کرے تو مردانگی دکھلا۔

اگر صُلح جوئی نخواہیم جنگ   وگر جنگ خواہی نباشد درنگ

جو کوئی یارِ بے عیب تلاش کرے، وہ ہمیشہ بے یار رہے گا۔

ہمہ رُوئے زمیں بگردیدم   ہمدمے کافرم اگر دیدم

چار لوگوں کو بدخوئی سے معذور سمجھ: روزہ دار، مریض، مسافر، قرضدار تنگ دست۔
جہان کے کاروبار تقدیر سے وابستہ ہیں۔ فائدہ یا نقصان، تقدیم اور تاخیر کی کسی کو طاقت نہیں۔ بہرحال تدبیر کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے اور دور اندیشی کو کام میں لانا چاہیے۔
دانش کے درخت کا میوہ نیکوکاری ہے۔ جو کوئی یہ سمجھتا ہے اور عمل نہیں کرتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خطرۂ راہ سے واقف ہے اور پھر اُسی راستہ میں قدم رکھتا ہے اور آخر کار نقصان جان و مال اُٹھاتا ہے۔ یا اس بیمار کی مانند جو پرہیزی اشیا کے ضرر سے واقف ہے اور پھر انہی کو کھاتا ہے اور انجام کار ہلاک ہوتا ہے۔

اقوالِ بُزرجمہر

مجھے بطور شفقت و نصیحت اور ادب سکھانے کے بہت سے نصیحت دینے والوں نے نصیحت دی اور وعظ کرنے والوں نے وعظ کیے۔ لیکن میرے بڑھاپے جیسا وعظ کسی نے نہیں کیا، اور میری عقل جیسی نصیحت مجھے کسی نے نہیں کی۔
مَیں نے سورج کے نُور اور چاند کی روشنی سے روشنی طلب کی، مگر مجھے اپنے دل کے نُور سے زیادہ کوئی روشنی نہ ملی۔
مَیں آزادوں اور غلاموں کا مالک رہا مگر سوائے میری خواہش کے کوئی اور میرا مالک مجھ پر غالب نہ ہُوا۔
دشمنوں نے مجھ سے دشمنی کی، مگر میں نے جبکہ میں جاہل ہُوں اپنے نفس سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں دیکھا۔
تنگیوں نے میری مزاحمت کی، مگر بدخلقی جیسی کسی نے میری مزاحمت نہیں کی۔
مَیں نے بذاتِ خود اپنے نفس کو بلحاظ اس پر خوف کھانے اور اس پر مہربانی کرنے کے تمام خلقت سے اپنی پناہ میں رکھا مگر میں نے اُسے اپنے آپ کے لیے تمام نفوس سے بُرا پایا۔ میں نے دیکھ لیا کہ ہر خرابی اس کی پیدا کردہ ہے۔
مَیں نہایت دُور دراز خطرناک مقامات میں پڑا رہا، مگر اپنی زبان سے زیادہ ضرر رساں چیز میں نہیں پڑا۔
مَیں انگاروں پر چلا اور گرم ریت کو میں نے پامال کیا۔ مگر میں نے غصے سے جب کہ وہ مجھ پر قابو پالے، کوئی آگ زیادہ گرم نہیں دیکھی۔

مَیں نے غور کیا کہ کونسی قاتل بیماری ہے اور کہاں سے آتی ہے تو مَیں نے معلوم کیا کہ وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے آتی ہے۔
مَیں نے اپنے نفس کے لیے راحت طلب کی تو مَیں نے اس کے بے فائدہ چیز کو چھوڑ دینے کے سوا کسی چیز کو اس کے لیے زیادہ راحت دینے والا نہ پایا۔
مَیں نے سمندروں میں سفر کیا اور خطروں کو دیکھا، مگر ظالم بادشاہ کے دروازے پر کھڑے ہونے سے زیادہ کوئی خطرہ نہیں دیکھا۔
مَیں وحشیوں کی طرح جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرا، مگر مَیں نے بُرے ساتھی سے زیادہ کوئی وحشت ناک نہ دیکھا۔
مَیں تے درندوں، کفتاروں اور بھیڑیوں کو جا لیا، اُن کے ساتھ رہا وہ میرے ساتھ رہے اور میں ان پر غالب آگیا۔ لیکن بَدخلق شخص مجھ پر غالب آگیا۔
مَیں شیطانوں کے ساتھ پہاڑوں پر پھرا، لیکن بُرے انسانوں کے سوا کسی سے میں نہیں گھبرایا۔
مَیں نے ایلوا کھایا اور کڑوی چیزوں کو پیا مگر محتاجی سے زیادہ کڑوا کسی چیز کو نہیں پایا۔
مَیں لڑائیوں میں حاضر ہُوا، لشکروں سے لڑا، تلواریں چلائیں اور ہمسروں کو پچھاڑا، مگر بُری عورت سے زیادہ غالب کسی کو نہیں دیکھا
مَیں نے جنگ کے اوزاروں کو استعمال کیا اور پتھروں کو اُٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گیا۔ مگر قرض سے زیادہ بوجھل میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا۔
مَیں نے اس چیز میں غور کیا جو عزت والے کو ذلیل بنا دیتی ہے اور طاقتور کو توڑ دیتی ہے، تو مَیں نے فاقہ کشوں اور حاجت مندوں سے زیادہ ذلیل کسی کو نہیں دیکھا۔
مَیں نے ملک الموت کو جان کنی کے فرائض انجام دیتے دیکھا، مگر قرضخواہ سے زیادہ سخت جان نکالنے والا ملک الموت کسی کو نہ پایا۔
مجھے نیزے مارے گئے اور پتھر پھینکے گئے پس میں نے اس بُرے کلام سے جو حق بات کو طلب کرنے والے کے مُنہ سے نکلتی ہے کسی کو زیادہ اثر کرنے والا نہیں دیکھا
مَیں نے عمدہ کھانے کھائے اور نشہ آور چیزوں کو پیا۔ لیکن میں نے صبر اور امن سے زیادہ لذیذ کسی چیز کو نہ پایا۔
مَیں نے ناداری اور مفلسی کے کوہِ گرانبار کو اُٹھایا۔ لیکن کسی کمینے کے محتاج ہونے کی نسبت اُن کو ہلکا پایا
کمینہ شخص سے حاجت طلب کرنا بیابان میں مچھلی طلب کرنے کے برابر ہے۔
جس شخص نے اپنے آپ کو باعزت کیا ہے تو اپنے پیسے کو ذلیل کر کے کیا ہے (یعنی عزت سخاوت سے حاصل ہوتی ہے۔)
جب تک تو مال کو نگاہ رکھے، تو مال کا خادم اور غلام ہے۔ جب تو اُسے خرچ کرے تو وہ تیرا خدمتگار ہے۔
جس قدر دیر میں بُرا لفظ کہا جاتا ہے اسی قدر دیر میں اچھا لفظ ادا ہو سکتا ہے۔
بسا اوقات، انسان کی موت اس بات میں ہوتی ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے۔
دُنیا کی مصیبتوں کا ۲/۳ حصہ زبان کا پیدا کردہ ہے اور اس کے مأخذ طعام و کلام ہیں۔
کم گو، کم خور اور بے آزار ہمیشہ سلامت، خوش اور مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے۔

اقوالِ حکمائے عرب

لوگوں کو ایک جیسی طبیعت کا خیال نہ کرے کیونکہ اُن کی طبائع اور رنگ اتنے ہیں جنہیں تو شمار نہیں کر سکتا۔
جن بھلائیوں کو تو طلب کرتا ہے، ان میں سُستی کو چھوڑ دے کیونکہ سُست شخص نیکیوں میں کامیاب نہیں ہوا کرتا۔
اے پسندیدہ خصائل عالم! خوش ہو کہ تو بغیر پانی ہی کے سیراب ہے اور اے جاہل! اگرچہ تو پانی کی موجوں میں بھی ہو تو بے شک تو اُن میں بھی پیاسا رہے گا۔
اگر انسان کے خیالات، شرعی گواہ ہوتے تو بہت سے دیانت دار بدمعاش ہوتے۔
سچائی کی مشعل جہاں جلتی ہوئی نظر آئے اس کی روشنی سے فائدہ اُٹھا۔ یہ نہ دیکھ کہ مشعل بردار کون ہے۔
جوانی کے دھوکے میں نہ آ جا کیونکہ بوڑھا ہونے سے پہلے بھی کئی جوان گزر چکے ہیں۔
جوانی میں مست ہو کر چلنے والے! کیا کبھی مست بھی راہِ راست تک پہنچتا ہے؟
جب تک قدرت و طاقت ہو، احسان کر کیونکہ انسان کی قدرت ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔
دل کو دُنیا اور اس کی زینت سے باز رکھ، کیونکہ اس کا صاف مکدّر اور اس کا وصل جُدائی ہے۔
اے جسم کے خدمت گزار! تو کب تک اُس کی خدمت کے لیے دوڑتا رہے گا؟ کیا تو اس چیز سے نفع کی طلب کرتا ہے جس میں گھاٹا ہی گھاٹا ہے؟ نفس اور اس کی فضیلتوں کی طرف متوجہ ہو کیونکہ تو نفس کے ساتھ انسان ہے نہ کہ جسم کے ساتھ۔
ہشام بن عبدالملک کا نزع کا عالم تھا۔ لوگ بسترِ مرگ کو گھیرے کھڑے تھے، رونے لگے۔ ہشام نے کہا "اے عزیزو! سنو، ہشام نے جو کچھ جمع کیا وہ تمہارے لیے چھوڑتا ہے، اور اس کا جو بوجھ ہے اُسے تم تنہا میرے ہی سر پر چھوڑے دیتے ہو۔ خدا تعالیٰ ہی مغفرت کرے تو ٹھکانا ہے۔ ورنہ ہشام نے بالکل اُلٹی بات کی اور وہ کیا جو نہ کرنا چاہیے تھا"
جس نے لوگوں سے جتنا میل ملاپ رکھا، اُتنا ہی اُن سے رنج دیکھے گا کیونکہ اُن کی طبیعت میں بغاوت اور ظلم بھرا پڑا ہے۔
؎ مرا ز روزِ قیامت غمی کہ ہست اینست ۔۔۔ کہ رُوئے مردمِ عالم دوبارہ باید دید
جب شریف آدمی کو کوئی جگہ ناموافق ہو تو کچھ پروا نہیں، کیونکہ اس کے لیے فراخیٔ زمین میں اور کئی جگہیں ہیں۔
ایک مشاہدے کا گواہ نو سماعی گواہوں سے بہتر ہوتا ہے۔
خوشی کو دائمی اور ابدی نہ خیال کرلے کیونکہ جس کو ایک زمانہ خوش کرتا ہے اُسے کئی زمانے رنج دیتے ہیں۔
اپنی روزی پر قناعت کر کیونکہ قناعت ہی حقیقت میں غنا ہے اور جو قناعت نہیں کرتا، محتاجی اس کے نزدیک ہوا کرتی ہے۔
کسی مجلس میں سوال سے پہلے گفتگو شروع نہ کر۔ کیونکہ یہ بہت بُرا طریقہ ہوتا ہے۔
زمانہ کے مصائب سے نہ گھبرا کیونکہ احمق شخص ہی حوادثِ زمانہ پر بے صبری کرتا ہے۔
اگر آج کا رزق تجھ پر تنگ ہو جائے تو کل تک صبر کر، شاید کہ زمانہ کے مصائب تجھ سے دُور ہو جائیں۔

عورت کا خاوند مرد اور مرد کا خاوند قرضخواہ ہے۔
عبادت ایسی کرو کہ جس سے تمہاری رُوح کو مزا آئے۔ جو عبادت دنیا میں مزا نہ دے گی، وہ عاقبت میں کیا جزا دے گی۔
تین چیزیں سخت تر ہیں۔ جوانی میں مفلسی۔ سفر میں بیماری اور تنگدستی میں قرض۔
اپنی ظاہری حالت ہر حال میں اچھی رکھ خواہ زمانہ تیرے کتنا ہی ناموافق ہو۔
تمسخر کو چھوڑ دے کیونکہ تمسخر کے بہت سے لفظ تیری طرف ایسے رنج و غم کھینچ کر لاتے ہیں، جو رفع نہیں کئے جا سکتے۔
ایمان کا دشمن جھوٹ۔ عزت کا دشمن سوال۔ عقل کا دشمن غصہ اور دولت کی دشمن بددیانتی ہے۔
جو شخص خطروں پر سوار نہ ہو وہ مرغوب چیزیں حاصل نہیں کر سکتا۔
آدمی کو خود اس کی ذات کے سوائے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔
اتنا نرم نہ بن کہ نچوڑ لیا جائے اور نہ اتنا خشک کہ توڑ لیا جائے۔
اگر موافقت نہ ہو تو پھر مفارقت بہتر ہے۔
قرض قاطع محبت ہے اور محبت قرض ہے۔
وہ راز محفوظ نہیں جس کی کسی عورت کو خبر ہو۔
حقیر شخص جو بات تجھے کہے اُسے حقیر نہ سمجھ، کیونکہ شہد کی مکھی گو مکھی ہے مگر شہد کا پرندہ ہے۔
بیکسوں پر ظلم کرنے والے! تو مہلتوں کے دھوکے میں نہ آ جا۔ ؎

تو مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

ہر شخص اپنے سینے میں ایک دشمن لیے پھرتا ہے۔
گناہ، ایامِ زندگی اور دشمن یہ ایسی تین چیزیں ہیں، جن کا اندازہ انسانی دماغ نہیں لگا سکتا۔
عورت کی آواز بھی عورت ہی ہے (یعنی آواز کا بھی پردہ رکھے)۔
ہر ایک بیماری کی دوا ہمیشہ ممکن ہے، مگر جب تنگدستی سستی کے ساتھ مل جائے تو یہ لادوا مرض ہے۔
جبکہ بعض اسباب دشمن کو بھائی چارہ کی طرف محتاج کرتے ہیں تو ان اسباب کے ختم ہونے پر اس کی عداوت پھر عود کر آتی ہے۔
جس سے تم کو نفرت ہو، اس سے ڈرتے رہو۔
غیبت سننے والا، کہنے والے کا ساتھی ہے۔
صاحبِ غرض کی دوستی سے دھوکا نہ کھا، جب تک کہ تو اُسے غرض کے نہ ہونے وقت میں نہ آزما لے۔

اقوال بو علی سینا

محبت کے لحاظ سے ہر ایک باپ یعقوبؑ اور حُسن کے لحاظ سے ہر ایک بیٹا یوسفؑ ہے۔

جو شخص اپنے دوستوں کی ہر خطا پر عتاب کرے، اس کے دشمن بہت ہوں گے۔
جو شخص انتقام کے طریقوں پر غور کرتا رہتا ہے اس کے زخم ہمیشہ تازہ رہتے ہیں۔
زاہد وہ ہے کہ دُنیا سے احتراز رکھے، اپنی قسمت پر رضامند رہے اور مقدارِ عمل سے زیادہ بات نہ کہے۔
فقیر وہ ہے کہ اُس کی خاموشی فکر کے ساتھ اور اس کی گفتگو ذکر کے ساتھ ہو۔
بہترین قول ذِکر، بہترین فعل عبادت اور بہترین خصلت حلم ہے۔
ہر ایک بات جو ذکر سے خالی ہو، لغو ہے، ہر ایک خاموشی جو فکر سے خالی ہو سہو ہے اور ہر ایک نظر جو عبرت سے خالی ہو، لہو ہے۔
ناقص عقل گناہ کے وقت محافظت نہیں کر سکتی۔
نہایت خوشحالی اور نہایت بدحالی بُرائی کی طرف لے جاتی ہے۔
اُس سے پوچھا گیا بھائی بہتر ہے یا یار؟ جواب دیا، بھائی اگر یار ہو۔
نیّت مرتکب ہونے کا پیش خیمہ ہے۔
مُباحثہ عقل کی صیقل ہے اور جاہلوں کے لیے تخمِ عداوت۔
جو شخص تادیبِ دُنیا سے راہِ صواب اختیار نہ کرے، وہ عذابِ عقبیٰ میں بھی گرفتار ہو گا۔
کسی کی قلتِ عقل کا اس کے کثرتِ کلام سے اندازہ لگا۔
جہاں تک ہو سکے محالِ طلب نہ بن۔
حسن ایک تنہائی کی سلطنت ہے جس میں خَدَم و حَشَم کی ضرورت نہیں۔
اُتنا کھاؤ جتنا ہضم کر سکو۔ اُتنا پڑھو جتنا جذب کر سکو۔ علم در سینہ، نہ کہ در سفینہ۔
زندگی میں تین چیزیں نہایت سخت ہیں: ۱۔ خوفِ مرگ۔ ۲۔ شدّتِ مرض۔ ۳۔ ذِلّتِ قرض۔
کسی کی نسبت بُرا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ یاد رکھو کہ اس کا عکس اس کے دل پر ضرور پڑے گا۔
نظر اس وقت تک پاک ہے جب تک یہ اٹھائی نہ جائے۔
خواہشِ نفس تجھے طائرِ فی القفس بناتی ہے۔ اس کو مٹا کر حقیقی آزادی کا لُطف اٹھا۔
نیکوں کے ساتھ تیری موافقت کیا خوبی رکھتی ہے جبکہ تو بدوں کے ساتھ بھی سازگار نہ ہو۔
مفاسدِ تونگری مصائبِ افلاس سے بدرجہا شدید تر ہیں۔
بیماریوں میں سب سے بُری دل کی بیماری ہے۔ دل کی بیماریوں میں سب سے بُری دِل آزاری ہے۔
فصیح الکلام، شیریں زبان اور فصیح البیان ہونا دُنیا کی بہترین چیزوں میں سے ہے۔
فضلِ خداوندی اور تائیدِ ایزدی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ تاہم عالمگیر بارش ہونے پر جو فائدہ تردّدی زمین کو ہوتا ہے، اس کا مقابلہ بے تردّد رقبہ ہرگز نہیں کر سکتا۔
حقیقی خوبصورتی کا چشمہ دل ہے۔ اگر یہ سیاہ ہو تو چمکتی آنکھیں کچھ کام نہیں دیتی ہیں۔

شہوتِ طبیعی انسان و حیوان کو مساوی ہوتی ہے، لیکن وضعی صرف انسان کو جو بے ترتیبی اور بد صحبت سے نشو و نما پاتی ہے۔

سلطانِ عادل

۸۰۰ھ کا آغاز ہے اور ساتھ ہی سلطان احمد شاہ والیٔ گجرات دکن کی مسند نشینی کے آٹھ سال پورے ہوئے۔ ان دنوں میں ایک خاص مناسبت پیدا ہو گئی۔ اراکین دربار نے عرض کیا کہ اس سال جشنِ سالگرہ نہایت خوبی سے منانے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ اسلامی ۸۰۰ھ شروع ہوا ہے اور حضور کی سلطنت کو بھی بفضلہ آٹھ سال ہو گئے۔ یہ فالِ نیک ہے۔ انشاءاللہ حضور کے خاندان میں سلطنت بھی آٹھ سو سال قائم رہے گی۔

سلطان احمد شاہ نہایت ہی نیک، عادل اور رحیم بادشاہ تھا۔ اس کی نیکیوں سے تاریخی صفحات بھرے پڑے ہیں وہ اس قسم کے لہو و لعب سے متنفر رہتا تھا۔ لیکن وزراء و امرائی مخلصانہ استدعا پر بطور تالیفِ قلب ایک خاص حد تک جشن کرنے کی اجازت دے دی۔ سلطنت میں چراغاں کی رسم بڑے پیمانے پر کی گئی اور اس مسرت میں رعایا کے ہر فرد و بشر نے بخوشی حصہ لیا۔ سلطان کا داماد ایک وجیہہ و خوبصورت نوجوان تھا اور نہایت با اخلاق ہونے کے علاوہ شاہی خاندان کا رکنِ اعظم بھی تھا۔ اتفاق سے ایک غریب مزدور اس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جب سلطان کو خبر پہنچی تو فرمایا "قانونِ شریعت میں غریب و امیر کا امتیاز نہیں۔ میرا داماد ہونا اس کو عدالت سے نہیں بچا سکتا۔ اس کو گرفتار کر کے باقاعدہ عدالت کے سپرد کر دو۔"

عدالت میں باقاعدہ مقدمہ شروع ہوا۔ اور گواہوں سے ثابت ہو گیا کہ واقعی یہ قاتل ہے۔ قاضی نے مقتول کے وارثوں کو بلا کر خوں بہا کے عوض میں راضی کر لیا۔ بائیس اشرفی خوں بہا کی قرار پائیں اور وارثین نے راضی نامہ پر دستخط کر دیئے۔ جب مسل مکمل ہو گئی تو آخری فیصلہ کے لیے سلطان کے سامنے پیش کی گئی۔ جس پر قاضی کا فیصلہ بالفاظِ ذیل تھا۔

"حضور والا! میں مقدمے کی تحقیق نیز گواہوں کے بیانات سے اس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ ملزم واقعی قتلِ عمد کا مرتکب ہوا ہے اور اس پر حقِ قصاص از روئے شرع جاری ہونا ضروری ہے۔ لیکن مقتول کے ورثا، جو بحیثیت مدعی کی حیثیت سے ہیں، برضا و رغبتِ خود خوں بہا لینے پر راضی ہیں۔ میں نے ورثا کے مشورے سے ۲۲ اشرفیاں خوں بہا تجویز کی ہیں۔ برائے حصولِ حکم آخری مسل اجلاس معلّٰی میں پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔"

جب سلطان احمد شاہ نے یہ رُوداد پڑھی تو فرمایا "اس میں شک نہیں کہ ورثا راضی ہو گئے لیکن حقیقتاً یہ فیصلہ بہت کمزور ہے اور یقین کامل ہے کہ اس میں میرا داماد ہونے کی وجہ بھی اثر کر رہی ہے۔ وارثوں کا خیال ہو گا کہ ہماری اس درگزشت سے بادشاہ ممنون ہو گا۔ دوسرے اس فیصلہ کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ شاہی خاندان کے افراد ہر ایک کمزور اور غریب رعیت کو اسی طرح مار ڈالا کریں۔ میں سیاستاً، انتظاماً، شرعاً اور اخلاقاً اس فیصلہ کے خلاف ہوں۔ گو مجھے یہ معلوم ہے کہ میری عزیز اور پیاری بیٹی اس صدمے سے مجروح ہو گی، اور اس کو داغ بیوگی برداشت کرنا پڑے گا۔ لیکن میں خاندان اور اولاد کی خوشی کے لیے

غریب رعایا کی جان اس طرح ارزاں کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ ملزم نے جو اس طرح بیباکانہ غریب کا خون بہادیا، اس میں ضرور یہ گھمنڈ پوشیدہ تھا کہ میں بادشاہ کا چہیتا داماد ہوں، جو کسی طرح اولاد سے کم نہیں ہوتا۔ اسی طرح راضی نامہ اور فیصلہ میں بھی ضرور شاہی رعایت کا لحاظ کارفرما ہے۔ ان تمام حالات وواقعات پر نظر کرتے ہوئے میں کسی طرح مناسب نہیں سمجھتا کہ عدالتِ ماتحت کے فیصلے کو بحال رکھا جائے۔ اس فیصلہ سے دولتمندوں کو بڑی ڈھیل ملے گی۔ ایک شاہی خاندان کے رکن کے لیے بائیس اشرفیاں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ایک جان بہت قیمتی ہوتی ہے۔ خواہ وہ غریب ہی کی کیوں نہ ہو۔ اس لیے میں عدالتِ ماتحت کے فیصلے کو منسوخ کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ قاتل کو قصاص کے طریقے پر دار پر چڑھایا جائے۔ نیز یہ حکم بھی دیتا ہوں کہ عبرت کے واسطے ایک شبانہ روز وسطِ شہر میں قاتل کی لاش کو لٹکایا جائے تاکہ پھر کسی دولت مند کو کسی غریب کا خون بہانے اور خونبہا دینے کی جرأت اور اُمید نہ رہے۔"

ہر چند محل کے اندر اور باہر بادشاہ سے سفارش کی گئی، مگر سلطان نے اپنا آخری حکم واپس نہ لیا اور بالآخر قاتل تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔

اقوالِ بزرگان

شیخ گنج بخش لاہوری رح: صوفی وہ ہے کہ جس کا کردار موافق گفتار کے ہو۔ فرمایا تصوف ایک حقیقت ہے بے نام، اور آج نام ہے بے حقیقت۔

علی بن فضیل رح: آپ اپنی ضروریات کی اشیا اپنے محلہ کے بقّال سے خریدا کرتے تھے اور جس نرخ پہ وہ اُن کو دیتا ہے تامل خرید لیتے۔ کسی نے کہا کہ آپ کیوں بڑے بازار سے نہیں خریدتے کہ وہاں پر تمام اشیا ارزاں تر دستیاب ہوتی ہیں۔ فرمایا کہ ان بقالوں نے اس واسطے اس محلہ میں دکانیں کھولی ہیں کہ ہم سے فائدہ اُٹھائیں۔

فتح موصلی رح: میں نے تیس ابدال کی صحبت اُٹھائی۔ سب نے یہی کہا کہ خلق کی صحبت سے بچو، کم کھاؤ اور کم بولو۔

ابراہیم ادھم رح: جو عمل آج تم پر شاق ہے، وہ آخرت میں میزان پر زیادہ وزنی ہوگا۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رح: جو اہل وعیال کے خرچ میں قصور کر کے اور قرض ادا کیے بغیر حج کو نکلا، وہ ظالم، گنہگار اور مغضوبِ خدا ہے۔ قول صورت ہے اور عمل اس کی رُوح ہے۔

نوح علیہ السلام: شیطان سے پوچھا گیا کہ بنی آدم میں سے کون سا گروہ تیری زیادہ مددگاری کرتا ہے؟ جواب دیا کہ حریص، بخیل، بددل اور شتاب کار۔

شیخ سعدی رح: کسی نے پوچھا کیسے گزرتی ہے۔ کہا، مُنہ نعمتِ حق کھانے میں اور زبان شکایت کرنے میں۔

شیخ بایزید: فرمایا میں نے چار چیزوں کو دنیا میں ڈھونڈا اور نہ پایا۔ اوّل عالم بے طمع، دوم یار موافق، سوم عاقلِ بے ریا، چہارم لقمہ حلال۔

خواجہ ابو اسحٰق رح نے فرمایا کہ میں نے انہی چار چیزوں کو دنیا میں ڈھونڈا اور پایا۔ اوّل عالم بے طمع خدا تعالیٰ کو پایا، دوم

یار موافق قرآن شریف کو، سوم طاعتِ بے ریا طاعتِ شب کو، چہارم لقمۂ حلال غصہ کو کھانا۔

حسن بصریؒ: خالی پیٹ شیطان کا قیدخانہ اور بھرا پیٹ اس کا اکھاڑہ ہے۔

اگر تُو خدا سے ڈرتا ہے تو اس کے تصرفات میں کلام مت کر۔

حضرت سفیان ثوریؒ: حق تعالیٰ کے سامنے حق تعالیٰ کے گناہ کے ساتھ جانا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی ایسے گناہ کے ساتھ جائے جس کا تعلق بندوں کے ساتھ ہو۔

جو اپنے آپ کو دوسروں پر فضیلت دیتا ہے وہ متکبر ہے۔

اگر بہت سے لوگ کسی جگہ پر جمع ہوں اور ان سے پوچھا جائے کہ جس کو آج شام تک زندہ رہنے کی خبر ہو وہ کھڑا ہو جائے تو کوئی شخص بھی کھڑا نہ ہوگا۔ اور اس پر تعجب یہ ہے کہ اگر سب کو پکار کر کہا جائے کہ جس کسی نے آئندہ سفر کا سامان تیار کیا ہوا ہے، وہ کھڑا ہو جائے۔ تب بھی کوئی ایسا نہیں نکلے گا جو کھڑا ہو جائے۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ کتے میں دس ایسی عمدہ خصلتیں ہیں کہ وہ ہر مومن کو اختیار کرنی چاہئیں۔

(۱) وہ بھوکا رہتا ہے۔ یہ آدابِ صالحین سے ہے۔ اور تھوڑی چیز پر قناعت کرتا ہے یہ علامتِ صابرین سے ہے۔

۲۔ اس کا کوئی مکان نہیں ہوتا۔ یہ علامتِ متوکلین سے ہے۔

۳۔ وہ رات کو بہت ہی کم سوتا ہے۔ یہ صفاتِ شب بیداراں اور علاماتِ محبین سے ہے۔

۴۔ جب مرتا ہے تو کوئی میراث نہیں چھوڑتا۔ یہ صفاتِ زاہدین سے ہے۔

۵۔ یہ اپنے مالک کو نہیں چھوڑتا گو وہ اس پر جفا کرے اور اس کو مارے۔ یہ علامت مریدانِ صادقین سے ہے۔

۶۔ ادنیٰ جگہ پر ہی راضی ہو جاتا ہے۔ یہ علامتِ متواضعین سے ہے۔

۷۔ اس کی جائے رہائش پر کوئی غالب ہو جاتا ہے تو اس کو چھوڑ دیتا ہے اور دوسری جگہ چلا جاتا ہے۔ یہ نشانِ راضیین سے ہے۔

۸۔ اس کو ماریں اور پھر ٹکڑا ڈالیں تو فوراً آ جاتا ہے، مار کا کینہ نہیں رکھتا یہ علامتِ خاشعین سے ہے۔

۹۔ کھانا سامنے رکھا ہوا دیکھتا ہے تو دُور بیٹھا ہوا تکتا ہے یہ علامتِ مساکین سے ہے۔

۱۰۔ کسی مکان سے کوچ کر جاتا ہے تو پھر اس کی طرف التفات نہیں کرتا۔ یہ علامت محزونین سے ہے۔

اے عزیز! قناعت کا سبق کتے سے حاصل کر۔ تو نے اکثر دیکھا ہوگا کہ شکاری کتوں کو جب گلی کوچوں کے کتے دیکھتے ہیں تو ان پر بھونکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے مسکینو! جب تم نے عمدہ عمدہ اور لذیذ کھانوں کی طرف رغبت کی تو تم زنجیروں کے ساتھ قید کئے گئے۔ اگر تم بھی گری پڑی اور سڑی سوکھی چیزوں پر قناعت کرتے تو ہماری طرح کھلے اور آزاد زندگی بسر کرتے۔

ایک بزرگ کی آنکھیں جاتی رہیں۔ چونکہ مستجاب الدعوات تھے، لوگ ان کے پاس دعائے خیر کے واسطے آتے کسی شخص نے کہا کہ آپ اپنی آنکھوں کے لیے دُعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے ہنس کر فرمایا۔ بیٹا! خدائے پاک کی رضا

میرے نزدیک آنکھوں کے بینا ہونے سے اچھی ہے۔

حضرت ابن اسلام رح نے لکڑیوں کا گٹھا اٹھا رکھا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے ہاں تو بہت نوکر تھے جو لکڑیوں کو اٹھاتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے نفس کا امتحان لیتا ہوں کہ اس کام کو کسرِ شان تو نہیں سمجھتا۔

حضرت ابو سعید رح ابوالخیر کی ملاقات اتفاقاً شیخ بو علی سینا قدس اللہ سرہٗ سے ہوئی اور اس کے ختم ہو جانے پر ایک نے کہا، جو کچھ وہ جانتا ہے ہم دیکھتے ہیں۔ دوسرے نے کہا، جو کچھ وہ دیکھتا ہے ہم جانتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رح فرماتے ہیں، حکومت اور عورت کی محبت کا چھوڑنا صبر سے زیادہ کڑوا ہے۔

حضرت ابو حازم رح فرماتے ہیں، تیرا کیا ضرر ہے اگر تجھے کوئی نہ پہچانے جب کہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معروف و مقبول ہے؟ تیرا کیا نقصان ہے اگر تیری تعریف نہ کی جائے جب کہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود ہے؟ تجھے کیا خوف ہے اگر تو دنیاوی حالات میں شکست کھاتا ہے جب کہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مظفر و منصور ہے۔ تیرا کیا بگاڑ ہے۔ اگر تجھ سے نفرت کی جاتی ہے جب کہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے۔

جو شخص ارادہ کسی قضائے حاجت یا دفع مصیبت کا کرے تو چاہیے اس امر کے لیے اللہ پاک کی طرف رجوع کرے لوگوں کو علم ہونے سے پہلے، کہ عادتِ الٰہی یہی ہے کہ جو پہلے اس کی طرف رجوع ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی مشکل آسان کر دیتا ہے۔ (حسن بصری رح)

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے نصیحت چاہی۔ آپ نے فرمایا، بُری نظر چھوڑ دے خشوع کی توفیق ہوگی۔ بیہودہ گوئی ترک کر، دانا ہوگا۔ کم کھا، عبادت کی طاقت ہوگی۔ لوگوں کے عیوب کی تلاش نہ کر، اپنے عیوب پر مطلع ہوگا۔ اور اللہ کی ذات میں غور و خوض نہ کر، نفاق و شک سے بچے گا۔

حضرت حامد لفاف فرماتے ہیں، جب تمہیں نصیحت کا تسلیم کرنا معلوم نہ ہو، اس وقت تک نصیحت نہ کرو۔ ورنہ اکثر دفعہ یہ خیر خواہی سزا دے گی کہ برداشت بھی نہ کر سکو گے۔

اہل اللہ مال پا کر متواضع ہوتے ہیں اور اہل دنیا مغرور۔ وہ شکر گزار ہوتے ہیں اور یہ غافل۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رح فرماتے ہیں کہ اگر عبادت پرندہ ہوتی، نماز اور روزہ اس کے پَر ہوتے۔

حضرت یزید بن ابی حبیب رح فرماتے ہیں، عالم کے دین میں فساد کی علامت یہ ہے کہ اس کے نزدیک گفتگو کرنا خاموشی اور سننے سے بہتر ہو۔

حضرت انس بن مالک رض فرماتے ہیں، بیوقوفوں کی کوشش روایت پر تمام ہے اور عالم کی کوشش سمجھنے اور غور کرنے میں ہے۔

حضرت سفیان بن عتبہ رح سے لوگوں نے وعظ کی درخواست کی۔ آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا، نہ میں حدیث بیان کرنے کے قابل ہوں اور نہ تم اس کے سننے کے قابل ہو۔

حضرت بشر حافی رح نے جب حدیث کہنا چھوڑ دیا تو لوگوں نے کہا، آپ قیامت کو کیا جواب دیں گے جب خدا تعالیٰ پوچھے گا کہ تم نے حدیث کہنا کیوں چھوڑ دیا؟ آپ نے فرمایا، میں کہوں گا، اے اللہ تعالیٰ! تو نے اخلاص کا حکم دیا تھا، لیکن مجھے اپنے میں اخلاص نظر نہیں آتا۔

حضرت ابو حازمؒ فرماتے ہیں، ہمارے زمانے کے علما باتوں ہی پر راضی ہو گئے ہیں اور عمل چھوڑ دیئے ہیں سلف ایسے تھے کہ عمل کرتے مگر لوگوں سے نہ کہتے۔ پھر بعد کے لوگ ایسے ہوئے جو کرتے تھے اور کہتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے ہوئے کہ وہ کہتے ہیں مگر کرتے نہیں عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ نہ کہیں گے اور نہ کریں گے۔

ایک عمر رسیدہ سے کسی نے کہا، تیرا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا میرے ساتھ والا مجھ سے سبقت لے جاتا ہے اور جو میرے پیچھے ہوتا ہے، وہ مجھ سے آن ملتا ہے۔ جو نیک بات سنتا ہوں اُسے بھول جاتا ہوں۔ جب میں کھڑا ہوں تو زمین مجھ سے قریب رہتی ہے اور جب میں بیٹھتا ہوں تو دُور ہو جاتی ہے۔ ایک چیز دو نظر آتی ہیں۔ جو مجھے سفید معلوم ہوتی تھی وہ سیاہ رنگ ہو گئی ہے اور جسے میں سیاہ چاہتا تھا وہ سفید ہُوا جاتا ہے۔ جس چیز کو میں نرم پسند کرتا تھا، وہ سخت اور جسے سخت چاہتا تھا وہ نرم ہو گئی ہے۔ ؎

عہدِ شباب اپنا یوں جلدی گزر گیا جیسے چڑھا ہُوا کوئی دریا اُتر گیا

حضرت مالک بن مغولؒ فرماتے ہیں کہ جناب رسولِ مقبولؐ سے لوگوں نے پوچھا، سب سے زیادہ شریر کون ہے؟ فرمایا، بگڑا ہُوا عالِم۔

حضرت کعبِ احبارؓ فرماتے ہیں، آخر زمانہ میں علما قُربِ امرا پر لڑیں گے جس طرح کہ مرد عورتوں پر لڑتے ہیں۔ یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں، وہ اوصاف جو دو سو سال بعد علما میں پیدا ہوں گے ان سے پناہ مانگو (یہ قول ایک ہزار سال پیشتر کا ہے)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص علانیہ جرموں کے باعث دوزخ میں جائے گا وہ ریاکار کی نسبت آرام ہی میں ہوگا

حضرت ذُوالنّون مصریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے، عنقریب میری اُمت پر ایک زمانہ آئے گا کہ لوگوں کا نام سننا ان کے دیکھنے سے اچھا ہو گا۔ اور ان کی ملاقات ان کے آزمانے سے بہتر ہو گی، کیونکہ اگر تم ان کو آزماؤ گے تو ان کے عمل کو اور ان کو بُرا جانو گے۔

حضرت سعید بن مُسَیّبؓ فرماتے ہیں، جب تم کسی عالِم کو بادشاہ یا اُمرا کے ہاں جاتا دیکھو تو جان لو کہ وہ چور ہے۔

علما کا اتفاق ہے کہ عُلوم مرتبت زیادتِ ادب پر موقوف ہے اور ادب فی الاصل اپنے میں نقص اور دوسرے کو با کمال سمجھنے کا نام ہے، برعکس بے ادب کے کہ دوسرے میں نقص اور اپنے میں کمال دیکھتا ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں جب تم کسی عالِم کو بلا ضرورت حکام یا اُمرا کے پاس جاتے دیکھو تو اُسے بھلا خیال نہ کرو نہ اُسے سلام کہو، اور اس کے مذہب کو مشتبہ سمجھو۔

حضرت ضحاک بن مزاحم فرماتے ہیں میں ایک رات کامل ایسا لفظ تلاش کرتا رہا جس سے بادشاہ راضی ہو اور اللہ خفا نہ ہو لیکن نہ ملا۔

صدیقین کے سروں سے جو شے سب سے آخر میں نکلتی ہے۔ وہ حبِ جاہ ہے۔ اور لذتِ فقر اس کے سوا کوئی

حاصل نہیں کر سکتا جو تعریف و مذمت سے بے نیاز ہو چکا ہو۔
حضرت اصمعیؒ فرماتے ہیں، اُمرا میں سے بُرے وہ ہیں جو عالموں سے دُور ہوں اور عالموں میں سے بُرے وہ ہیں جو اُمرا کے قریب ہوں۔
حضرت علی خواصؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنے دوست کی امداد یا اس کے غم کی برداشت یا دُعا کرنا نہیں چاہتے تو دوست سے اس کی حالت ہرگز دریافت نہ کرو کیونکہ یہ منافقت ہے۔
حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں، جب تم کسی دوست کا حال دریافت کرو اور وہ کہے میں فلاں چیز کا محتاج ہوں اور تم اس سے تغافل کرو اور اس کی ضرورت پُوری نہ کرو تو اس کا حال دریافت کرنا اس کے ساتھ تمسخر ہو گا۔
حضرت بشر بن منصورؒ فرماتے ہیں، بخدا میرے پاس کبھی کوئی ایسا شخص نہیں بیٹھا جس کی مجلس کو میں نے ترک کرنا مناسب نہ جانا ہو، کیونکہ اس کا ترک میرے لیے اور اس کے لیے مفید ہے۔
محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں، برتنوں کے ٹوٹنے پر خفا نہ ہو کیونکہ ان کے لیے بھی تمہاری طرح وقت مقرر ہے۔
حضرت علیؓ فرماتے ہیں، جب تم بُرا کلمہ سنو اس سے اعراض کرو اور اس کا جواب نہ دو کیونکہ اس کے پاس اور بھی ایسے کلمات ہیں جو وہ جواب میں تجھے کہے گا۔
حضرت سفیان ثوری جب غفلت سے کبھی زیادہ کھا لیتے تو تمام رات قیام کرتے اور فرماتے، جب گدھے کو زیادہ چارہ دیا جاتا ہے تو کام بھی زیادہ لیا جاتا ہے۔
حضرت امام حسینؓ کے مُنہ پر ایک شخص نے تھپڑ مارا۔ آپ ناراض نہ ہوئے بلکہ پوچھا یہ کس نے مقدر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے۔ آپ نے کہا، کیا تم مجھے تقدیرِ الٰہی کا لوٹانے والا خیال کرتے ہو؟
ایک آدمی نے حضرت ابراہیم ادھمؒ کے پاس رہنے کی خواہش کی۔ آپ نے اسے کہا، ایک شرط پر کہ تیرے مال میں تیرا حق مجھ سے زیادہ نہ ہو گا۔ اس نے کہا، یہ تو میں نہیں کر سکتا۔ پھر چلا گیا۔
حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں، دُعا درحقیقت ترکِ گناہ کا نام ہے کہ اس سے بغیر سوال ہی کے مقصود حاصل ہوتا ہے۔
آپ نے یہ بھی فرمایا ہے عام لوگوں کا اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی ڈرنا کافی ہے کہ مشتبہات سے بچتے رہیں۔ پھر فرماتے، کاش میں بھی اُن میں سے ہوتا۔
حضرت اسحٰق بن خلف فرماتے ہیں، خائف وہ نہیں جو رو کر اپنی آنکھوں کو پونچھ ڈالے اور پھر گناہ کا مرتکب ہو، بلکہ حقیقی خائف وہ ہے جو خوفِ الٰہی سے گناہ ترک کر دے۔
حضرت مالکؒ بن دینار فرماتے ہیں، جس دل میں غم نہ ہو وہ بگڑ جائے گا۔ جیسا کہ گھر، اگر اس میں رہائش نہ ہو تو بگڑ جاتا ہے۔
حضرت عمر بن عبدالعزیز جب روتے تو ان کے ساتھ بیوی بچے بھی رونے لگ جاتے، لیکن انہیں معلوم نہ ہوتا کہ کیوں روتے ہیں؟
حضرت سعیدؒ بن جُبیر سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ پر مغرور ہونا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں بڑھتے جانا اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی اُمید رکھنا۔

دین کو حصولِ دنیا کا ذریعہ بنانا انتہائے دنائیت ہے۔
حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر انسان کے سر پر افلاس، مرض اور موت نہ ہوتی تو شدتِ کبر کے سوا وہ کبھی سرِ تسلیم خم نہ کرتا۔ باوجود ان کے وہ پھر گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔
حضرت محمد بن حنفیہؒ فرماتے ہیں، مصیبت کی شکایت سے پرہیز کرو کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ ناراض، دشمن خوش اور دوست غمگین ہوتا ہے۔
حضرت ابو سعید بلخیؒ فرماتے ہیں، جسے کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اپنے کپڑے پھاڑے یا منہ کو پیٹے تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کے لیے ہاتھ میں نیزہ اُٹھا لیا ہے۔
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اگر نعمتِ دنیا بلا آمیزشِ تکلیف ہوتی تو دنیا ہی جنّت ہوتی۔
حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ ایک نبیؑ نے مصیبت کی شکایت اللہ تعالیٰ کے پاس کی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی "تو کب تک میری شکایت کرے گا؟ میں شکایت و مذمت کے قابل نہیں ہوں۔ تیرے کام کی ابتدا عالم الغیب میں اسی طرح تھی۔ پس تو کیوں میرے اعلیٰ انتظام پر ناراض ہوتا ہے؟ کیا تو چاہتا ہے کہ تیری خاطر دنیا کو بدل دوں اور لوحِ محفوظ میں ردّو بدل کروں اور جو تو چاہے پورا کر دوں اور اپنی مرضی نہ برتوں؟ جیسے تو چاہے وہ ہو جائے اور جو میں چاہوں وہ نہ ہو؟ مجھے اپنی عزّت کی قسم ہے، اگر تیرے سینے میں پھر یہ بات کھٹکے تو میں تجھے نبوّت سے محروم کر دوں گا، اور تجھے دوزخ میں ڈال دُوں گا، اور مجھے کچھ پروا نہیں ہے۔"
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں، اگر زبان کو آگ جلا دے تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ ایک چیز جو واقع ہو گئی ہو اس کو کہوں کہ ایسا کیوں ہُوا ہے۔
حضرت سلیمان خواصؒ فرماتے ہیں، جس شخص نے دعا مانگی، اے اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جا، وہ اللہ سے راضی نہیں۔
حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کر کے فرمایا کہ راز مجھ سے کہو۔ اگر راز نہ کہو تو نظر مجھ پر رکھو۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو حاجت مجھ سے طلب کرو۔
وہ فرماتے ہیں، تیرا شکر کرنا یہ ہے کہ تو انعاماتِ خداوندی کے ذریعے سے خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ کیونکہ تیرے تمام اعضا بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں، لہذا بالکل نافرمانی نہ کر
حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں اگر لوگ چھوٹی مصیبت کا مقابلہ بڑی مصیبت سے کریں، تو بعض مصیبتوں کو بھی عافیت سمجھیں۔
حضرت وہب بن منبہؒ ایک گونگے بہرے مصیبت زدہ شخص کے پاس سے گزرے۔ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ اس شخص پر بھی کوئی انعامِ الٰہی باقی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں کھانے اور پینے کا آسانی سے گلے میں اُتر جانا اور خارج ہونا ان ظاہری نعمتوں سے بہتر ہے جو گم ہو گئی ہیں۔
حضرت سفیان بن عیینہؒ سے ایک آدمی نے کہا کہ میں ایسا آدمی دیکھنا چاہتا ہوں جو دنیا سے بے رغبت ہو۔ انہوں نے فرمایا، یہ گم شدہ چیز ہے جس کا اس زمانے میں وجود نہیں، کیونکہ حقیقی زہد حلال میں ہے اور اب حلال کہاں ہے کہ انسان زاہد بن سکے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، جس کے پاس بیوی ہے وہ خوشحال ہے، جس کے پاس اپنا گھر ہو وہ امیر ہے۔ اور جس کے پاس اس کے علاوہ نوکر اور سواری بھی ہو، وہ بادشاہ ہے۔

حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں، جس نے اللہ تعالیٰ کا شکر سوائے دیگر اعضا کے صرف زبان سے ادا کیا، اس کا شکر کم ہے۔ کیونکہ آنکھ کا شکر یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی اچھی چیز دیکھے تو یاد رکھے ورنہ پردہ پوشی کرے۔ کان کا شکر یہ ہے کہ اگر نیک بات سُنے تو یاد رکھے ورنہ بھول جائے۔ ہاتھوں کا شکر یہ ہے کہ ان سے جو دے یا لے وہ حق ہو۔ پیٹ کا شکر یہ ہے کہ اس کو علم و حلم اور اکل حلال سے پُر کرے۔ فرج کا شکر یہ ہے کہ اسے مُباح جگہ پر استعمال کرے۔ اور پاؤں کا شکر یہ ہے کہ نیک کام ہی کی طرف چلے۔ جس نے ایسا کیا وہ پورا شاکر ہے۔

محمد بن زیاد فرماتے ہیں، انسان کی عقل اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ اپنے دوست سے نہ ڈرے۔ نیز عاقل وہ ہے جو کام سے پہلے ہی پیش بینی سے اس کا اہتمام کرلے۔ کیونکہ مجرب رائے نو پَیدسے اچھی ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں، محمد بن یوسفؒ عبادت میں لگے، ان کو دانائی مل گئی۔ اور ہم کتابی علم میں مشغول رہے، جھگڑوں میں پڑ گئے۔

حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں، میری زبان درندہ ہے۔ اگر چھوڑ دوں تو مجھے چٹ کر جائے۔

حضرت اکثم بن صیفیؒ کا مقولہ ہے، لوگوں سے بے رُخ رہنا عداوت پیدا کرتا ہے اور ان کے ساتھ خوشی سے ملنا بُرے ہمنشیں پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا تم دونوں کے درمیان رہو۔

آپ سے دریافت کیا گیا کہ ضابطہ کیا ہے جس سے غیر مفید باتیں معلوم ہوسکیں؟ فرمایا جن کی طرف دینی اور دنیاوی حاجت نہ ہو وہ غیر مفید ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں، اہل مروّت کے لیے دنیا میں آرام طلب کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ ایسے لوگ تمام زمانہ مصیبت میں رہتے ہیں۔ نیز فرمایا، جب تیرے دوست کو حکومت مل جائے، تو جس قدر محبت اس کو تیرے ساتھ پہلے تھی، اس کے بیسویں حصہ پر راضی ہوجا۔ جس نے زندگی میں تیرے ساتھ نیکی نہ کی ہو، اس کی موت پر تیری آنکھ کو رونا نہیں چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقولہ: اے اللہ! مجھ پر دنیا کو فراخ کردے اور مجھے اس سے بے رغبت کر، اور ایسا نہ کر کہ دنیا مجھ پر تنگ ہو اور میرے دل میں اس کی رغبت ہو۔

حضرت فرقد السبخیؒ فرماتے ہیں، حسد کے چھوڑنے کی دوا ترک دنیا ہے۔ لیکن جو دنیا کی طرف راغب ہو اس کو حسد لازم ہے، خواہ مانے یا نہ مانے۔

حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں، حسد سے بچو کیونکہ آسمانوں میں سب سے پہلے اسی گناہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی (یعنی عزازیل نے حضرت آدمؑ سے حسد کیا)، اور یہی وہ پہلا گناہ ہے جس سے زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی (یعنی قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا)۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے، حاسد بد فہم ہوتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ نئے کپڑے پہننے اس خوف سے

چھوڑ دیئے کہ میرے ہمسایہ وغیرہ کو حسد نہ ہو۔

حضرت ابن سماکؒ فرماتے ہیں، تمام لوگوں سے زیادہ حسد کرنے والے رشتہ دار اور ہمسائے ہیں کیونکہ وہ عوام کی نسبت تیرے انعامات کو زیادہ دیکھتے اور حسد کرتے ہیں۔

حضرت امیرالمؤمنین عمرؓ بن الخطاب نے ابو موسیٰؓ کی طرف لکھا کہ قرابتیوں کو کہہ دو کہ کبھی کبھی مل لیا کریں اور پاس نہ رہیں۔

حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں اگر تجھ میں ایسی عادتیں ہوں جن سے تیرا دشمن تجھ سے ڈرے تو تجھ میں نیکی کا نام و نشان نہیں ہے، چہ جائیکہ تجھ میں ایسی عادتیں ہوں جن کی وجہ سے تیرا دوست بھی ڈرتا ہے جس سے لوگ محفوظ رہیں وہ لوگوں سے بھی محفوظ رہے گا۔

حضرت مالکؒ بن دینار فرماتے ہیں، میں عالموں کی شہادت عوام کی نسبت قبول کر سکتا ہوں، لیکن ایک عالم کی شہادت دوسرے عالم پر قبول نہیں کرتا کیونکہ عموماً یہ تمام کے تمام حاسد ہوتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا، اوس بن خارجہؓ سے پوچھا گیا تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے کہا، حاتم طائی۔ پھر پوچھا کہ آپ اس کے مقابلے میں کس درجہ پر ہیں؟ جواب دیا، میں اس کے خادم ہونے کے بھی قابل نہیں۔ حاتم طائی سے سوال ہوا، تمہارا سردار کون ہے؟ جواب دیا اوس بن خارجہؓ۔ پھر سوال کیا، تو اس کے مقابلے میں کیسا ہے؟ اس نے کہا میں اس کے مملوک ہونے کے بھی قابل نہیں۔

حضرت یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں، ایک لغو کلمے کو چھوڑنا نفس کے لئے ایک دن کے روزے سے مشکل ہے کیونکہ انسان بسا اوقات سخت گرمی میں روزہ رکھ لیتا ہے لیکن لغو کلمے سے نہیں رُک سکتا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، انسان پر تعجب ہے کہ کراماً کاتبین اس کے پاس ہیں، اُس کی زبان اُن کا قلم ہے اور اس کا لعاب دُہن ان کی سیاہی ہے، پھر وہ بیہودہ باتیں کرتا ہے۔ زبان سے سر کی حفاظت ہو سکتی ہے۔

حضرت وکیع بن جراحؒ فرماتے ہیں، بہت کم لوگ ہیں جو غیبت سے بچے ہیں۔

حضرت زہریؒ سے غیبت کی نسبت سوال ہوا۔ آپ نے فرمایا، جس بات کو تو اپنے دوست کے رُوبرُو خطاب کرنا پسند نہ کرے وہ غیبت ہے۔

آپ نے ایک شخص کی فحش کلامی سُن کر فرمایا "ہوش کر کہ تو خدا تعالیٰ کے نام کیسا خط بھیج رہا ہے"۔

حضرت وہب بن مُنبہؒ فرماتے ہیں، خُلقِ بد کی مثال مٹی کے ٹوٹے ہوئے برتن کی ہے کہ نہ اس سے کوئی فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور نہ پھر مٹی بن سکتی ہے۔ بدخلق کو اولاً اس کا خلق ہی تکلیف دیتا ہے جیسا کہ مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ اگر تم لوگوں سے دولت میں نہیں بڑھ سکتے تو خندہ پیشانی اور حُسنِ خلق ہی میں بڑھ جاؤ۔

امیرالمؤمنین حضرت علیؓ سے حسنِ خلق کی نسبت دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا سوائے گناہ کے دیگر تمام امور میں لوگوں سے اتفاق کرنے کا نام حُسنِ خلق ہے۔

حضرت ابو حازمؒ فرماتے ہیں، منجملہ انسان کی بدخلقی کے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے گھر آئے اور اس کے اہل و عیال خوشی

سے ہنس رہے ہوں، پھر اس کے ڈر کے مارے اِدھر اُدھر پھیل جائیں۔ نیز بلّی کا بھاگنا اور کتّے کا چوکنا ہو جانا بھی اس کی بدخُلقی ہے۔

مرفوع حدیث میں ہے کہ لوگوں میں بُرا وہ ہے جس کی بدگوئی سے بچنے کے لیے لوگ اُسے چھوڑ دیں۔

اَسلاف کا قاعدہ تھا کہ اگر کچھ کھانا پکانے کے لیے برتن مستعار لیتے تو خالی واپس نہ کرتے۔ اور اکثر برتن کا مالک بھی مستعیر کو بھر کر دیتا اور عذر کرتا کہ مجھے خالی دینا بُرا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، اے انسان! تعجب ہے کہ اپنی خواہشات میں تو تُو تبذیر و اسراف سے خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں ایک درہم میں بھی بخل کرتا ہے۔ اے نالائق! تجھے کل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنا درجہ معلوم ہو جائے گا۔

حضرت حامد لفافؒ فرماتے ہیں، اگر کوئی دوست تیری محبت کا اظہار کرے تو اپنی ضرورت کا اظہار کر کے فی الفور اس کی تصدیق نہ کر، کیونکہ آج کل کے دوست اظہارِ ضرورت پر فوراً پلٹ جاتے ہیں۔ بلکہ جب کوئی تجھ سے تقرب کرے تو تُو اس سے خائف ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں، اولاد کے لیے کچھ مت چھوڑ۔ کہ اگر وہ صالح ہوگی خدا خود اُن کا کفیل ہے۔ اگر بد ہوگی، گناہوں کی امداد کا مجرم نہ ہوگا۔

حضرت اویس قرنیؒ فرماتے ہیں، مومن کا حق پر قائم ہونا اس کے لئے دُنیا میں کوئی دوست نہیں چھوڑتا۔ اگر لوگوں کو کوئی نیک بات بتلائے یا بُرائی سے روکے تو اس کو بڑی تہمتیں لگاتے ہیں اور اس کی عزت خراب کرتے ہیں۔

ایک بزرگ کے اشعارِ عربی کا ترجمہ: دنیا کے تمام فوائد دھوکا ہیں۔ اس لئے کسی نوش کی خوشی ہمیشہ نہیں رہتی۔ تو ہماری مصیبت پر خوش ہونے والوں کو کہہ دے کہ تیار ہو جاؤ کیونکہ دُنیا کی مصیبتیں چکّر لگاتی ہیں۔

کسی نے حضرت ایوبؑ سے دریافت کیا کہ آپ کے ایّامِ مصیبت میں کونسی چیز زیادہ تکلیف دہ تھی؟ فرمایا، شماتتِ اعدا"۔

تجھ سے جو برائی ہوتی ہے اس کے لیے اپنے آپ کو معذور جانتا ہے اور دوسرے کو عذر ہوتے ہوئے بھی معذور نہیں سمجھتا۔

حضرت ربیع بن خثیمؒ نے اپنے کسی دوست کو خط میں لکھا "اے دوست! تو اپنے کو خود نصیحت کر اور کسی دوست کے سمجھانے کا انتظار نہ کر۔ کیونکہ فی زمانہ یہ کام چھوڑ دیا گیا ہے۔ والسّلام"۔

جو شخص لوگوں سے بکثرت ملتا ہے وہ ان کی نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے اور لوگ اس کو کمینگی و غفلت میں اپنے برابر جانتے ہیں۔ (امام شعرانی)

ابو حازمؒ فرماتے ہیں، جو دوستوں سے بکثرت ملاقات کرے اُسے کہہ دو کہ ایک بات اس سے ضرور ایسی ہو جائے گی جو دوسرے کو ناپسند ہوگی۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ سلسلہ ملاقات مختصر ہو۔

حضرت فضیلؒ بن عیاض کو معلوم ہوا کہ ان کے فرزند علی نے کہا کہ میں ایسا مکان چاہتا ہوں جس سے میں لوگوں کو دیکھوں اور لوگ مجھے نہ دیکھیں۔ آپ نے فرمایا، اس نے دعا کو پورا کیوں نہ کیا؟ یوں کہا ہوتا، جس سے میں

لوگوں کو نہ دیکھوں اور لوگ مجھے نہ دیکھ سکیں۔

وہیب بن وردؒ فرماتے ہیں، میں نے لوگوں سے پچاس سال میل جول رکھا، لیکن میری غلطی کسی نے معاف نہیں کی اور نہ میری لغزش سے درگزر کیا اور جب ان میں سے کوئی مجھ سے ناراض ہُوا تو مجھے اس سے اپنی جان پر امن نہیں ہُوا۔

حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ گھر کا دروازہ بند کر دوں اور مرتے دم تک کسی سے نہ ملوں۔

حاتم اصمؒ فرماتے ہیں، لوگوں کو آگ فرض کرو اور بلا ضرورت ان کے پاس نہ جاؤ۔ اور جب ان کے قریب جاؤ تو آگ کی طرح ڈرو۔

حضرت داؤد طائی فرماتے ہیں، گوشہ نشینی اس کو مناسب ہے جو دُنیا سے بے رغبت ہو اور جو دل کو دُنیا میں لگاتا ہے اسے مفید نہیں ہے۔ جو شخص گوشہ نشین ہُوا اگر اللہ تعالیٰ کو مونس نہ بنائے اور قرآن مجید کے ذریعے مناجات نہ کرے وہ ٹھیک راستے پر نہیں ہے اور نہ اس کی گوشہ نشینی درست ہے۔

حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں، لوگوں کی صحبت میں اگر کچھ نیکی بھی ہو تو بھی اس کی حفاظت و عافیت گوشہ نشینی ہی میں ہے۔

حضرت ابی حبیب بدریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ادھمؒ کو ملکِ شام میں دیکھا تو میں نے کہا، اے ابو اسحٰق تو نے خراسان کیوں چھوڑ دیا اور یہاں کس لیے آیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے زندگی یہیں آرام سے گزرتی معلوم ہوتی ہے میں اپنے دین کو کوہ در کوہ لیے پھرتا ہوں۔ یہاں جو مجھے دیکھتا ہے، ملاح یا شتربان یا پاگل سمجھ کر التفات نہیں کرتا، اور اس گمنامی ہی میں عافیت مرکوز و مستور ہے۔

بشیر بن منصورؒ فرماتے ہیں لوگوں سے واقفیت کم کر۔ کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ خدانخواستہ کبھی تیری ذلت کا کوئی واقعہ پیش آجائے۔ اس وقت تیرے واقف کم ہوں گے۔

ایوب سختیانی کا قول ہے، گوشہ نشینی میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر آدمی کو ضرورت کے لیے باہر جانا پڑے تو ایسی جگہ جائے جہاں آدمی کم ہوں۔

ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں، دُنیا کی تحریص و ترغیب اور خواہشات کی تحریک کا سب سے بڑا ذریعہ آنکھیں ہیں۔ گوشہ نشینی سے آنکھ محفوظ رہتی ہے اور انسان تمام گناہوں سے بچا رہتا ہے۔

کسی نے ابراہیم بن ادھمؒ سے کہا کہ آپ لوگوں سے میل جول کیوں نہیں کرتے کہ لوگوں کو نصیحت کریں اور برائی سے روکیں؟ آپ نے فرمایا، میرا اُن سے ملاقات نہ کرنا اس حق کو ساقط کرتا ہے۔ نیز یہ کہ لوگ زیرِ زمین چلے گئے۔

حضرت سفیان ثوریؒ اکثر اس بات پر زور دیتے کہ لوگوں سے واقفیت کم کر۔ کیونکہ اُن کی واقفیت میں سوائے نقصان کے تجھے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور انسان کو ہمیشہ تکلیف واقف سے ہی پہنچتی ہے، اجنبی سے نہیں۔

جب عبداللہ بن مبارکؒ بصرہ سے بغداد میں آگئے اور انہوں نے محمد بن واسع کا پتہ دریافت کیا تو آپ کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ آخر بڑی تلاش کے بعد آپ کا پتہ ملا تو عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا، آپ کی یہ گمنامی بھی منجملہ علاماتِ بزرگی سے ہے اور آپ سے زیادہ محبت کرنے لگے۔

حضرت شیخ سعدیؒ نے گوشہ نشینی کی ایک بہت بڑی فضیلت کو مندرجہ ذیل نظم میں نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔

بزرگے دیدم اندر کوہسارے — قناعت کردہ از دُنیا بغارے
چرا، گفتم بہ شہر اندر نیائی — کہ بارے بندی از دل برکشائی
بگفت آں جا پریرویان نغز اند — چو گِل بسیار شُد پیلاں بلغزند

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں، اگر مسجد کے دروازے پر منادی کرنے والا بُلائے کہ سب سے زیادہ بُرا شخص پہلے نکل آئے تو دروازہ کے پاس مجھ سے پہلے کوئی نہ آئے، مگر وہ جو طاقت میں مجھ سے بڑھ کر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے دستر خوان سے جذامی اور ابرص وغیرہ مریضوں کو نہ ہٹاتے۔ بلکہ اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے اور فرماتے، اصل تواضع یہ ہے کہ حقیر لوگوں کے پاس بیٹھیں مگر کسی حظِ نفسانی کے لیے نہ ہونا چاہیئے۔

ایک دن ابو ساسانؒ عبدالملک کے پاس گئے اور دُور کھڑے ہوگئے۔ عبدالملک نے کہا، تُو اتنی دُور کیوں کھڑا ہو گیا؟ آپ نے فرمایا مجھے دُور سے بلایا جانا نزدیک سے ہٹا دینے سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت سلمانؓ فارسی فرماتے ہیں، اس شخص کی مثال جو نوافل بکثرت پڑھے اور فرائض پورے نہ کرے، اُس تاجر کی سی ہے جو راس المال کو ضائع کر کے نفع کا خواستگار ہو۔

حضرت وہب بن ورد فرماتے ہیں، تم اپنی عبادت پر ثواب کی آرزو سے بچتے رہو کیونکہ اس کا مردُود ہونا مقبول ہونے کی نسبت اقرب ہے۔

حضرت رابعہ عدویہ فرماتی ہیں، ہمارا استغفار بھی استغفار کا محتاج ہے۔ یعنی اس لیے کہ اس میں سچائی نہیں ہوتی۔

ایک بزرگ سے پوچھا گیا کونسا گوشت اچھا ہوتا ہے؟ فرمایا اپنا۔

حضرت مسروقؒ سے دریافت کیا گیا، کیا مومن کے قاتل کے لیے توبہ ہوسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا، جو دروازہ رحمت اللہ تعالیٰ نے کھولا ہُوا ہے میں اُسے بند نہیں کر سکتا۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں، توبہ کے بعد ایک صغیرہ گناہ قبل از توبہ کے ستّر کبیرہ گناہوں سے بھی بُرا ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ بازار میں جاتے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے۔ بسا اوقات اگر آپ کوئی برائی دیکھتے اور اس کو روک نہ سکتے تو مارے غصے کے خون کا پیشاب کرتے۔ آخر کار آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ لوگوں نے باعث دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، دین میں ایک رخنہ ہُوا تھا جس کو ہم نے بند کرنا چاہا۔ لیکن اب تو سمندر چل نکلا ہے اُس کو روکنے کی کون طاقت رکھتا ہے؟ نیز فرمایا، آج کل زمانہ میں کوئی ایسا شخص نہیں جس سے لوگ شرمندہ ہوں۔ لوگوں نے پوچھا، یہ کیونکر؟ آپ نے فرمایا، شرمندہ انسان اس سے ہوتا ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔ اور جو نہ کرے، اس کی ہیبت نہیں ہوتی۔ اور نیز یہ کہ تمام لوگوں کے افعال قریباً یکساں ہو گئے ہیں۔ نیز فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو ہمسایوں کا محبوب اور لوگوں کے نزدیک نیک معلوم کرو تو جان لو کہ وہ مداہن یعنی دین میں سُستی کرنے والا ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ نے ایک دفعہ یہ اشعار نہایت رقت آمیز لہجے میں پڑھے (ترجمہ) بُرائی ہنستی ہوئی آئی۔

اور نیکی رُوتی ہوئی چلی گئی۔ جن لوگوں کے افعال کی پیروی ہوتی تھی اور جو بُری بات کو بُرا سمجھتے تھے وہ سب گزر گئے۔ ان کے بعد ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو ایک دوسرے کی صفائی کرتے ہیں تاکہ ایک بدباطن دوسرے سے رُکا رہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اگر بنی آدم کے تمام اعمال نیک ہوتے تو اس بات کا تکبر انہیں ہلاک کر دیتا۔

مُطرف بن عبداللہؒ فرماتے ہیں، اگر میں تمام رات سوتا رہوں اور صبح کو اپنے سونے پر نادم اُٹھوں تو یہ مجھے بہت پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ رات بھر قیام کروں اور صبح سونے والوں پر اپنے کو فضیلت دوں اور معجب اُٹھوں۔

حضرت رابعہ عدویہؒ فرماتی ہیں، مجھے ثواب کی اُمید اس وقت ہوتی ہے جب میں اپنے نیک اعمال اور عبادات کو کم خیال کرتی ہوں کیونکہ اس وقت میرا اعتماد محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہوتا ہے۔ نہ کہ اعمال پر۔

یزید بن ہارونؒ فرماتے ہیں، میں نے شب بیداری میں غور کیا تو دیکھا کہ چوکیدار تمام تمام رات چند پیسوں کے بدلے نگہبانی اور شب بیداری کرتے ہیں تو کیا تم ایک رات کی عبادت کے بدلے جنت چاہتے ہو، ایسی عبادت کے ساتھ کہ وہ چند پیسوں کے برابر بھی نہیں ہے، اور اس پر اللہ تعالیٰ پر احسان بھی رکھتے ہو۔

ایک آدمی نے عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا، اے امام! میں اپنے آپ کو اس شخص سے تو نیک سمجھتا ہوں جس نے میرے سامنے خونِ ناحق کیا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا اپنے نفس پر اس خیال سے مطمئن ہونا خونِ ناحق سے بھی بُرا ہے۔

حضرت یحییٰؒ بن معاذ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم ہے وہ گناہ جس میں اللہ تعالیٰ سے معافی کی ضرورت پڑے اس نیکی سے اچھا ہے جس سے تو لوگوں پر فخر کرے۔

حضرت محمد بن واسعؒ اپنے ہم عصر عابدوں کو فرماتے، افسوس ہے کہ تمہارے اعمال میں باوجود قلت کے تکبر گھس گیا ہے حالانکہ تم سے پہلے لوگ اپنے کثیر التعداد اعمال پر بھی تکبر نہ کرتے تھے، بخدا تم بمقابلہ متقدمین کے اعمال کے ایسے معلوم ہوتے ہو کہ گویا کھیل کرتے ہو۔

حضرت وہب بن وردؒ فرماتے ہیں جو خواہشاتِ نفسانی پر غالب آئے وہ فرشتوں سے بھی اچھا ہے۔ کیونکہ فرشتہ محض عقل ہے اس کو شہوت نہیں ہے اور جس پر شہوت غالب آئے وہ جانوروں سے بدتر ہے کیونکہ وہ محض شہوت ہیں عقل نہیں رکھتے۔

احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں جو خواہش کے مطابق کھائے پھر بدکاری سے حفاظت چاہے وہ محال کا خواہاں ہے۔

یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں، زاہدوں کی لڑائی خواہشات اور اُمید سے ہوتی ہے اور تائبوں کی گناہوں سے۔ جو اپنے کو آگ سے بچانا چاہے اُسے اپنی تمام آرزوئیں اور خواہشات چھوڑ دینی ضروری ہیں۔

حضرت طاؤسؒ بیمار کو کم کھانے کی نصیحت فرماتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ نے بیمار اور تندرست کے لیے نہ کھانے سے بڑھ کر کوئی دوا پیدا نہیں کی اور بیماری کھانے کی وجہ ہی سے آتی ہے، اس لیے فرشتے کبھی بیمار نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ کھاتے نہیں۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ اپنی دُعا میں یوں کہا کرتے "اے اللہ! جو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے، دنیا کو

ابراہیمؒ سے روکے رکھ۔"

حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی "اے بیٹے! تو حلال کی کمائی کے ذریعے فقر سے بچ۔ کیونکہ جو محتاج ہوتا ہے۔ اس پر تین آفتیں آتی ہیں۔ دین میں ضعیف، عقل میں کمی اور مروّت کی معدومی۔ یہ تمام مصیبتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور ان تینوں سے بڑھ کر لوگوں کا مفلس کو حقیر جاننا۔"

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں، اگر میں اپنے بعد ہزار دینار چھوڑ کر مروں تو میرے نزدیک یہ اس سے اچھا ہے کہ میں کسی کے دروازے پر حاجت کا سوال کروں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ستّر ہزار درہم صدقہ کیا اور آپ کا کرتہ پیوند دار تھا۔

مسلم نحاثؒ فرماتے ہیں، جب درہم و دینار پر مہر لگائی جاتی ہے تو شیطان اس کو بوسہ دیتا ہے اور کہتا ہے جو تجھ سے محبت کرے وہ میرا سچا غلام ہے۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں، درہم و دینار بچھو اور سانپ ہیں۔ جو ان کا منتر اچھی طرح نہ پڑھے گا اس کو ان کا زہر ہلاک کر ڈالے گا۔ لوگوں نے پوچھا، اس کا منتر کیا ہے؟ فرمایا ان کو حلال طریقہ سے حاصل کرے اور برمحل خرچ کرے۔

حضرت علیؓ درہم کو ہاتھ میں لیتے اور فرماتے، افسوس تو میرے پاس سے گئے بغیر مجھ کو نفع نہیں دے سکتا۔

حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں، جس شخص نے دُنیا کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا تو وہ اپنے مہر میں اس کا پورا دین مانگے گی اور اس سے کم پر راضی نہ ہو گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں، گھر کا ہمسایہ اگر کشادہ پیشانی و شیریں کلام ہو تو گھر کی قیمت چڑھ جاتی ہے۔

حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں، جو بُرے آدمی پر رحم نہیں کرتا وہ اس سے بھی بُرا ہے۔

حضرت حفص بن حمیدؒ فرماتے ہیں، تمام علما، حکما، فقہا اور شعرا اس پر متفق ہیں کہ آخرت کی نعمت کا کمال دنیا کی نعمتوں کے زوال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور حضرت رسول کریمؐ کی عملی زندگی اس پر بیّن دلیل ہے۔ آپ نے اپنے اہل بیت کی محبت کے باعث یہ دُعا فرمائی کہ اے اللہ! محمدؐ کے اہل بیت کا رزق یومیہ خوراک بنا دے۔ یہ بھی آنحضرت کا فرمان ہے کہ جو شخص مجھ سے محبت رکھے گا، اس کی طرف مفلسی سیلاب سے بھی زیادہ تیز دوڑتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں، جب تک رسول کریمؐ دُنیا میں رہے تمام دنیا ہم پر سخت رہی۔ اور جب رحلت فرما گئے تو پوری طرح آ گئی یعنی ہم آپ کی برکت سے دُنیا سے محفوظ رہے جب آپ تشریف لے گئے تو حفاظت جاتی رہی۔ نیز فرمایا کہ ایک دن آپ کے پاس کوئی شخص باداموں کا ستو لایا۔ آپ نے واپس کر دیا اور فرمایا یہ ان لوگوں کا کھانا ہے جو دنیا میں خوش ہیں۔ آپ کا فرمان ہے، جنّت کو تکالیف محیط ہیں اور دوزخ کو خواہشات۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں، اپنی آرزوؤں کو دل ہی میں مار ڈالو اور دلوں کو ان میں نہ مرنے دو۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں، علم کثرت حکایت کرنے کا نام نہیں بلکہ علم وہ ہے، جو عالم کو مفید ہو اور وہ اس پر عامل ہو۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے امام مالکؒ نے فرمایا، اے محمدؐ! تو عمل کو آٹا بنا اور علم کو نمک یعنی عمل کے مقابلے

میں علم اتنا ہو جیسے آٹے میں نمک ڈالا جاتا ہے۔
حضرت صالح المریؒ فرماتے ہیں، جب لوگوں کا ظاہر و باطن یکساں نہ ہو تو جس طرح کی مصیبت میں وہ گرفتار ہوں اُس سے تعجب نہ کرے
حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں، جس شخص نے گناہ کیے ہوں اس کو یہ نہیں پہنچتا کہ عذاب کے آنے کو خلافِ قاعدہ سمجھے،
میرا خیال ہے کہ جس مصیبت میں وہ مبتلا ہے وہ اسی کے گناہ کی شامت ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں، جب تیرا کوئی دوست ہو تو اس کی محبت کا اندازہ اس سے نہ پوچھ، بلکہ اپنے
دل سے پوچھ۔ کیونکہ جو تیرے دل میں ہوگا، ویسا ہی اس کے دل میں ہوگا۔ ؎

دل را بدل رہیست دریں گنبد سپہر — از سوئے کینہ کینہ و از سوئے مہر مہر

حضرت یحییٰ بن حسینؒ فرماتے ہیں، جو سلامتی تلاش کرتا ہے وہ مصیبت کو بخوشی برداشت کرتا ہے مصیبت موجبِ
عافیت ہے۔ اگر فرعون کو کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ اس امر کا مدعی نہ ہوتا جس کا اُس نے دعویٰ کیا ؎

فرعون را نہ دادہ ایم اے دوست دردِ سر — زیرا کہ اُو نداشت سرِ دردہائے ما
شداد را بہ نعمتِ چندیں سپردہ ایم — ہشتم بہشت آورد اندر سرائے ما
بیگانہ را چہ کار بود از بلائے غم — آں را رسد کہ خاص بود آشنائے ما
ما پروریم دشمن و مامی کشیم دوست — کس را مجال نیست بہ چون و چرائے ما

حضرت ربیع بن خثیمؒ عید الاضحیٰ میں جب قربانی کرتے تو فرماتے، تیری عزّت و جلال کی قسم ہے، اگر مجھے معلوم ہو
کہ تیری خوشنودی اپنے کو ذبح کرنے میں ہے تو میں خود قربان ہو جاؤں۔
حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں، دل ہنڈیا کی طرح ہے، اور زبان چمچہ کے مانند۔ پس تم اپنے افعال سے بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ
کے بندے بنو جیسا تم اپنے اقوال سے بندگانِ خدا کو دکھائی دیتے ہو
عاقل کی دُنیا طلبی جاہل کے ترکِ دنیا سے بہتر ہے۔
مالدار کے سامنے تکبر کرنا عاجزوں کے ساتھ عجز کرنے کے برابر ادب ہے۔
اگر تو حق تعالیٰ سے راضی ہے تو یہ نشان ہے اس بات کا کہ وہ تجھ سے راضی ہے۔
حضرت حمدون قصار: بات کہنا اس شخص کے لیے سزاوار ہے کہ اس کی خاموشی سے دین باطل ہوتا ہو، اور جب
وہ کہے تو یہ باطل ہونا جاتا رہے۔
جو فقیر اپنے پر تکبر کرتا ہے، وہ تکبر میں دولتمندوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔
میں اپنے بیٹوں پر درویشی کی نسبت امیری کا زیادہ خوف کرتا ہوں۔
جو شخص دین کی سلامتی میں تن کی آسودگی، دل کی بے فکری اور تمام دوسرے عوارضات سے بچنا چاہتا ہے۔ اُسے کہہ
دو کہ لوگوں سے علیحدہ اور ہمیشہ تنہائی پسند کرے۔
تنہائی جب سزاوار ہے کہ تجھے اپنے نفس سے تنہائی حاصل ہو جائے۔

ہر شے کا غم کھانا مومن کے لیے باعثِ فضیلت ہے بشرطیکہ کسی گناہ کے سبب سے نہ ہو۔
بوعلی جرجانیؒ: صاحبِ استقامت ہونا طالبِ کرامت ہونے سے بہتر ہے کیونکہ کرامت کو تمہارا نفس چاہتا ہے اور استقامت کو خدا۔
دُنیا کی عظمت و شان اس قابل نہیں ہے کہ کوئی عاقل اُن کے حاصل کرنے کے لیے اپنی اُنگلی بھی ہلائے۔
مولانا رومؒ: جس میں ادب نہیں اس میں سب بُرائیاں ہی بُرائیاں ہیں۔
ابوحمزہ خراسانیؒ: جو شخص اپنے دل میں موت کی محبت رکھتا ہے، اس کو باقی چیزوں کا دوست اور فانی چیزوں کا دشمن بنا دیا جاتا ہے۔
ابوالحسین النوریؒ: حقیقی صبر اس کو کہتے ہیں کہ بلا آنے کو ایسا سمجھے جیسا اس کے جانے کو سمجھتا ہے۔
خواہشِ نفسانی کو ترک کرنا بھی حصولِ مراد ہے۔
محمد سماکؒ: لوگوں نے کہا آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا، میں دو شیطانوں کی طاقت نہیں رکھتا یعنی ایک مجھ پر شیطان ہے دوسرا عورت پر ہوگا۔ لیکن بعد وفات آپ کو کسی نے خواب میں دیکھا تو فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت فرمائی مگر اُن سے کم درجہ ملا جو رنج و غم میں اپنے عیال و اطفال کی پرورش کرتے ہیں۔
ابوسلیمان دارانی: جب شکم سیر ہو جاتا ہے تو تمام دوسرے اعضا شہوت کے بھوکے ہوتے ہیں۔ اور جب شکم بھوکا ہوتا ہے تو اعضا شہوت سے سیر ہوتے ہیں۔ ؎

شکم را چو پُر کرد انساں زِ ناں　　شود بیگماں رغبتش بازناں

اقوالِ بیکن

جو انسان انتقام اور کینہ کی یاد دل میں تازہ رکھتا ہے، وہ گویا اپنے زخموں کو ہرا رکھتا ہے، جو بصورت دیگر آسانی سے بھر جاتے اور اس کے آرام کا باعث ہوتے۔
جو شخص ایسے ملک میں سفر کرتا ہے جس کی زبان سے وہ ناآشنا ہے، وہ گویا ایک مدرسہ کو جاتا ہے نہ کہ سیر کو۔
سرشتِ انسانی کسی دوست کی ضرورت رکھتی ہے اور بغیر دوست کے دنیا جنجال ہے۔
کوئی قوم جو علمِ اسلحہ سے بے بہرہ ہے، کبھی اقبال مندی کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔
اگر کوئی شخص فراغت اور سنجیدگی سے زندگی گزارنا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ اپنا خرچ اپنی آمدنی سے نصف رکھے۔ اگر اس کی خواہش دولت مند بننے کی ہے تو اس کا خرچ اس کی آمدنی سے تہائی ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ شخص جو ہر بات میں مُسرف ہے۔ شاید ہی شورہ بختی اور تباہی کے چنگل سے رہائی پا سکے۔
جو شخص قمار بازی میں یقینی جیت کا طالب ہے، شاید ہی صاحبِ حشمت و ثروت ہو سکے اور جو اپنا تمام اثاثہ قسمت

آزمائی اور حسنِ اتفاق کے بھروسے پر لگاتا ہے، اکثر اوقات محتاج و مفلس ہو جاتا ہے۔ اس لیے قسمت آزمائی کی پورے اعتقاد کے ساتھ حفاظت کی جائے جس سے نقصان کا روزِ بد نہ دیکھنا پڑے۔

دولت یعنی روپیہ پیسہ کھاد کی مثال ہے کہ اس کو جب تک پھیلایا یعنی عام طور پر تقسیم نہ کیا جائے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔

پیٹ کی یعنی بھوکوں اور فاقہ کشوں کی سازش بہت ہی بُری ہے۔

بہادر اور جوانمرد آدمی کی بڑی شناخت یہ ہے کہ وہ سرداری اور حکومت سے دُور بھاگتے ہیں اور دُوسروں کے زیرِ حکم و ہدایت عوام کی خدمت کرنے میں اپنی خوشی تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ غور و تجویز میں خطرات کا مقابلہ ضروری ہے اور اُن کے طرزِ عمل میں یہ بات اس وقت تک ضروری نہیں جب تک وہ بہت ہی اہم نہ ہوں۔

جو اشخاص اوّل ہی اوّل اُمرا و شرفا کے زمرے میں سرفراز کیے جاتے ہیں، عام طور پر نہایت ہی نیک اور صالح ہوتے ہیں۔ لیکن اپنی اولاد سے کم پاک اور نیک ہوتے ہیں کیونکہ شاید ہی کوئی شخص اعلیٰ مناصب تک پہنچ سکتا ہے جب تک اس میں نیک و بد فنون کی سازش اور آمیزش نہ ہو۔

آزمائش کے موقعوں پر نیک و پارسا انسانوں کی نسبت چالاک اور چست آدمی زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں۔

اُمیّد کا دوسرا نام غریبوں کی قوّت ہے۔

مشورہ لینا بُری بات نہیں ہے مگر اس مشورے پر بلا غور و تامّل کے عمل کرنا بُرا ہے۔

ہر چند کہ دوستِ صادق کا میسّر آنا مشکل ہے لیکن کم از کم ایک ایسا آدمی ضرور حاصل کرنا چاہیے جو اس کے جذبات کو سنتا رہے۔

دوستی تم کو ہرگز اختیار نہیں دیتی کہ اپنے دلی دوستوں کو سخت باتیں کہہ دیا کرو۔ بلکہ جس قدر دوستی گہری ہو، اُسی قدر خلق اور لحاظ چاہیے۔

اگر تم ہنستے ہو تمام دنیا تمہارے ساتھ ہنسے گی۔ لیکن اگر تم روتے ہو تو اکیلے ہی روؤ گے۔

میخ سے نعل بچتا ہے، نعل سے گھوڑا، گھوڑے سے آدمی، آدمی سے قلعہ، قلعے سے مملکت۔

ضرورت میں انسان جو وعدہ کرتا ہے وہ بہت کم پورا کرتا ہے۔

دُنیا میں کوئی ایسی اعلیٰ سے اعلیٰ خوبی نہیں جس کے ساتھ کچھ نہ کچھ سبت سے کوئی طُرفہ نہ ہو۔

خاموشی سے یہی کیا کم فائدہ ہے کہ بحث و مجادلہ کی تکلیف سے نجات ہوتی ہے؟

جو لوگ فائدے میں کسی کو شریک نہیں کرتے، نقصان میں بھی اُن کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

عاقل کے لیے وہی لباس کافی ہوتا ہے جس سے موسم کے لحاظ سے اس کی ضرورت رفع ہو سکے۔

کیا تمہیں بڑا بننے کی خواہش ہے، اگر بڑا بننا چاہتے ہو تو پہلے چھوٹا بننے کی کوشش کرو۔ جب کوئی رفیع الشان عمارت بناؤ تو اس کی چھوٹی چھوٹی بنیادوں سے غافل نہ رہو۔

علم سے آدمی کی وحشت اور دیوانگی دُور ہو جاتی ہے۔

انسان کو لازم ہے کہ اپنی ہمدردی کے حلقے کو تنگ نہ رکھے اور غیروں سے بے سبب نفرت و تعصب نہ کرے۔

بادشاہ کا پہلا قانون اپنی حفاظت ہوتا ہے۔
کسی کے غصّے میں کہے ہوئے کلام کو کبھی مت بھولو۔
تمام اچھا ہے، جب انجام اچھا ہے۔
دس میں نو حصّہ برائیاں اور تکالیف صرف سستی سے پیدا ہوتی ہیں۔
کسی چیز کے حصول کا متمنّی ہونا اور اس کے لیے محنت اور سختی اٹھانے کے لیے تیار نہ ہونا کمزوری اور سستی کی نشانی ہے۔
جس شخص کو اپنی جان کا خوف نہیں ہوتا، وہ دوسرے کی جان کا مالک ہوتا ہے۔
جس شخص کو قرض لینے اور خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں وہ سب سے بڑا مالدار ہے۔
جو شخص دولت کے استعمال سے خوف کرتا ہے، وہ دَولت پانے کا ہرگز مستحق نہیں۔
یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص عالی رُتبہ اور دَولتمند ہو۔ بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ عقلمند ہو لیکن یہ البتّہ ضروری ہے کہ وہ نیک چلن اور ایماندار ہو۔
کامیابی صرف ایک دفعہ آکر دروازہ کھٹکھٹاتی ہے۔ مگر مصیبت دن اور رات میں کئی وقت تم پر حملہ کر سکتی ہے۔
جو شخص اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہے، وہ اس شخص کی نسبت زیادہ کامیاب رہتا ہے جو دوسروں کی امداد کے بھروسہ پر اپنا کام کرنے سے پہلوتہی کرتا ہے۔
دَولت کی زیادتی نوجوانی کی تباہی کا ذریعہ ہے۔
دانا ہمیشہ اپنی چال چلتا ہے مگر نادان ہر حال میں مکر و تزویر کا جال پھیلاتا ہے۔
والدین کا بچوں کو خرچ سے تنگ رکھنا سخت غلطی ہے کیونکہ اس سے وہ کمینہ بنتے، مکر سیکھتے، بُری صحبت اختیار کرتے اور آخر دولت کا مُنہ دیکھتے ہی کھاؤ اور اُڑاؤ ہو جاتے ہیں۔
کُند چاقو اُنگلی کاٹتا ہے قلم نہیں تراشتا۔
خاموش رہو یا ایسی بات کہو جو خاموشی سے بہتر ہو۔
اُس شخص سے بچو جو اپنی برائیاں لوگوں میں بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتا ہے۔
پڑھنے سے انسان بیدار ہوتا ہے، مکالمہ سے تمیز پیدا کرتا اور لکھنے سے ذہین ہو کر صحیح المزاج بن جاتا ہے۔
مطالعہ سے خلوت میں خوشی، تقریر میں زیبائش، تجویز و ترتیب میں استعداد اور تجربہ میں وسعت ہوتی ہے۔
اِنسان کے خیالات بہت کچھ اس کے مَیلانِ طبیعت کے موافق، تقریر و کلام اس کی علمیت و قابلیت کے موافق اور افعال و اعمال اس کی عادت کے موافق ہُوا کرتے ہیں۔
اگر تم اپنے کلام میں مقبولِ عام ہو سکتے ہو تو تمہارے لیے کاروبار میں کامیاب ہونا مشکل نہیں ہے۔
جو زیادہ پوچھتا ہے وہ زیادہ سیکھتا ہے اور زیادہ تسکین پاتا ہے۔

اقوالِ ہربرٹ سپنسر

لوگوں کو یہ معلوم ہونا شروع ہوگیا ہے کہ زندگی میں کامیابی کے واسطے پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ ہم حیوانات کی طرح حلیم، صابر اور محنت کش ہوں۔

جو خوب غور و فکر کرتا ہے وہ پیشین گوئی کر سکتا ہے

صحت کے قوانین کی خلاف ورزی جسمانی گناہ ہے۔

اعلیٰ چال چلن میں عموماً قوتِ ارادی کی کوتاہی سے کمی واقع ہوتی ہے نہ کہ بے علمی سے۔

ہم کو اس مکروہ خیر خواہی کی ذرا بھی برداشت نہیں جو کاہلی اور غفلت کی سزا سے باز رکھتی اور انسان کو پناہ دیتی ہے

جس خرابی کو تم تبدیل نہیں کر سکتے اُس کے لیے فکر فضول ہے۔

دوست کو اپنے حال سے اتنا ہی واقف کرو کہ اگر دشمن بھی ہو جائے تو نقصان نہ پہنچا سکے۔

یہ بات ثابت کرنا بڑا مشکل ہے کہ جائیدادوں اور جاگیروں کے موجودہ حقوق کس بنا پر جائز ہیں۔ سب سے پہلی دستاویز تو تلوار کی نوک سے تحریر کی گئی تھی اور سپاہیوں نے اُسے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ قیمت کے عوض تلوار اور خنجر اور بھالے کی چوٹیں ادا کر کے اُن پر انسانی خون کی مہریں ثبت کی گئی تھیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ ہی ناجائز کو جائز بنا دیتا ہے، وہ مہربانی کر کے میرے اس سوال کا تسلی بخش جواب دیں کہ ایک گناہ کو نیکی بننے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہوتا ہے اور کس شرح سالانہ سے ایک ناجائز سودا جائز سودا بن جاتا ہے؟

وہ شخص قابلِ تعریف ہے جس نے اولاد کے لیے مال و دولت چھوڑا۔ لیکن اس سے زیادہ قابلِ تعریف وہ ہے جس نے اولاد کو روپیہ کمانے اور بچانے کی تعلیم دی۔

جس کو ماں باپ ادب نہیں سکھاتے اس کو زمانہ ادب سکھاتا ہے۔

عورت کا دل اس کے دماغ پر حکومت کرتا ہے۔

بڑے آدمیوں کا مانگنا حکم ہوتا ہے۔

اگر امن چاہتے ہو تو کان اور آنکھ استعمال کرو، لیکن زبان بند رکھو۔

حمق اور بیوقوفی کے اثر اور نتیجوں سے انسان کو پناہ دینے کا آخری نتیجہ گویا دُنیا کو بیوقوفوں سے بھر دینا ہے۔

کسی خاص فریق کی خیر خواہی انسانی چال چلن کا ایک خلافِ دیانت عمل ہے۔

لائق آدمیوں کی حق تلفی کر کے نالائق آدمیوں کی پرورش کرنا انصاف کے گلے پر چھری پھیرنا بلکہ دیدہ و دانستہ آئندہ نسلوں کے راستے میں کانٹے بونا ہے۔ آئندہ اولاد کے واسطے اس سے بڑھ کر کوئی آفت اور غضب کی بات نہیں ہو سکتی کہ ورثے میں ان کو کمزور، آوارہ، کام چور، مجرموں اور گنہگاروں کی روز افزوں آبادی دی جائے۔ بدمعاش اور شریر آدمیوں کی تعداد میں اضافہ کرنا درحقیقت بدخواہیٔ آئندہ نسلوں کے واسطے دشمنوں کی بھاری جماعت پیدا کرنا ہے۔

دُنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح ہے اور سب سے سہل دوسروں پر نکتہ چینی۔
ہمیں اپنی مدد آپ کرنی چاہیے۔ دوسروں کی امداد ہمارے لیے اچھی طرح فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔
جو کوئی دوسروں کا ادب نہیں کرتا کوئی دوسرا بھی اس کا ادب نہیں کرتا۔
انسانی قوتوں کی نمود تربیت اگر اعتدال و موازنہ معقول سے ہو تو حقیقی انسان پیدا ہوتے ہیں۔
جو کام تم خود کر سکتے ہو، اس کے لیے دوسروں سے درخواست مت کرو۔
بیکار لوگوں کے دلوں میں شیطان فوراً کارخانہ کھول دیتا ہے۔
دولت، ایمانداری، احتیاط، صبر، وقت کی پابندی اور منشّی اشیا سے پرہیز کیے بغیر نہیں آتی۔ اگر اتفاقیہ آجائے تو عرصہ تک ٹھہر نہیں سکتی۔
دانشمند وقت کی قدر اس کی موجودگی میں کرتے ہیں، اور نادان اور بے تمیز اس کو کھو کر بیدار ہوتے ہیں۔
تمہاری زندگی میں کوئی ایسا دن نہ گزرے جس میں تم اپنے آپ میں کوئی بہتری پیدا نہ کر سکو۔
جو شخص وقت کی قدر نہیں کرتا وہ کوئی اقتدار بھی حاصل نہیں کر سکتا۔
مہربانی اس شخص کے لیے رشوت ہے جس کے لیے کوئی رشتہ نہ ہو۔
بدعادات کی قوت اور ترقی کا اس وقت اندازہ ہوتا ہے جس وقت اُن کے خلاف کوشش کی جاتی ہے۔
وُہ وقت انسانی زندگی میں ہرگز محسوب نہیں ہو سکتا جو لہو و لعب اور بیہودہ اشغال میں صَرف کیا جاتا ہے۔
کتابوں کی سیر میں ہم داناؤں سے ہمکلام ہوتے ہیں اور کاروباری زندگی میں ہمیں احمقوں سے کام پڑتا ہے۔
کوشش سے محال امکان میں آتا ہے۔ بشرطیکہ ارادۂ کامل، ہمتِ مستحکم اور غور و فکر شاملِ حال ہو۔
دُنیا میں اگر کوئی حاصل کرنے کی چیز ہے تو وہ پابندیٔ اوقات ہے اور اگر کوئی نفرت کے لائق ہے تو وہ تساہل غفلت اور تاخیر ہے۔
جہاں دوا کی ضرورت ہے وہاں آہ و نالہ کام نہیں دیتا۔
اگر ہم اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالیں تو ہم کو پتہ لگے گا کہ اس میں اس قسم کے سُنہری موقعے کثرت سے آئے ہیں، جن کو ہم نے خود کھو دیا ہے۔
انسان کے پست ارادے اور ادنیٰ خیالات جس قدر کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، اس قدر کوئی بیرونی مخالفت مزاحمت نہیں کرتی۔
بیرونی آنکھوں سے انسان موجودات کو دیکھ سکتا ہے مگر بغیر تعلیم کی روشنی کے اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔
تجربہ انسان کا بہترین معلّم ہے اور زندگی کی ٹھوکریں اس کا ذریعہ تعلیم ہے۔
اگر غرور کوئی علم ہوتا تو اس کے سند یافتہ بہت ہوتے۔
مجھے تصنّع اور بناوٹ سے بالطبع نفرت ہے۔ خواہ وہ مرد میں پائی جائے خواہ عورت میں۔ لیکن مرد کی صورت میں

زیادہ تر۔ اور اس سے بھی زیادہ جب وہ اس شخص میں ہو جو پیشرو اور امام ہو، اس سے تو بے حد نفرت ہے۔

ترقی اور کامیابی کا سامان زمانہ مستقبل کو مدِنظر رکھنے سے مُہیا ہوتا ہے نہ کہ اس کے برعکس ماضی کی طرف مڑ کر دیکھنے سے حاصل کیا جاتا ہے۔

زندگی کیا ہے، صرف وقت۔ پس اگر ہم اسے ضائع کرتے ہیں تو گویا زندگی برباد کرتے ہیں۔

معلومات کے بڑھانے اور آزمُودہ کاروں کے تجربات حاصل کرنے کے لیے ہر دم کوشاں رہو کہ اس کے بغیر انسانی زندگی کا جہاز ساحلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

ادنیٰ سے ادنیٰ انسانوں میں ایک چرواہا جو جنگل میں فرش پر لیٹا ہے اور ایک بے رحم کمہار جو لنگڑے گدھے کو ہانک کر لے جا رہا ہے۔ تمہیں کئی ایک ایسی باتیں بتا سکتا ہے جن سے تم پہلے واقف نہیں ہوتے۔

انسانی زندگی چند روزہ ہے لیکن اس کی ذمّہ داری بہ نسبت زندگی کے کئی حصّے زیادہ ہے۔

اپنے مخالف کو دلائل و براہین سے قائل کرو، نہ کہ زور اور شور سے۔

مغرور شخص کا کوئی دوست نہیں ہوتا، اس لیے کہ دوستی میں مساوات کی ضرورت ہے جو اس کو پسند نہیں مغرور کو کوئی نصیحت نہیں کر سکتا، اس لیے کہ ناصح ہونے میں برتری کی ضرورت ہے، جس سے اسے نفرت ہے۔

جس اِنسان میں کسی قسم کی قابلیت و ہنرمندی یا کوئی امتیازی خصوصیت نہیں، اس کو زندگی کا کوئی استحقاق نہیں۔

صرف خیالی قوّت کی بدولت انسان اپنی زندگی خوشی سے بسر کر سکتا ہے کیونکہ خیال اعمال کا اندرونی چشمہ ہے۔

اقوال فرینکلن

جاہل کا تجربۂ ذاتی صرف اس قدر ہوتا ہے جو اس کے پیشِ نظر رہتا ہے۔ مگر عالِم کو علمی کتب کی ورق گردانی سے ہزار ہا سال گزشتہ و آئندہ کا حال گھر بیٹھے معلوم ہو جاتا ہے۔

مخلوقات میں سب سے زیادہ جس نے قوانینِ قدرت کی خلاف ورزی کی ہے وہ حضرتِ انسان ہے۔

جب تک دنیا میں جہالت کی تاریکی ہے عالموں کے لیے دعوت ہے کہ وہ اپنے علوم و فنون کی روشنی پھیلائیں۔ اور جہالت و بے علمی دُور کریں۔

پاؤں کی لغزش کے بعد تو سنبھلا جا سکتا ہے لیکن زبان کی لغزش کے بعد سنبھلنا ناممکن ہے۔

اگر تمہارے نصیب سوئے ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں مگر تم اپنی بیداری کو مت چھوڑو۔

ہر چیز صرف اپنے موقع و محل اور وقت کے لحاظ سے خوبصورت اور بدصورت کہلاتی ہے۔

دن کا کام رات پر اور آج کا کام کل پر مت رکھ، بلکہ برعکس اس کے کل کا فکر آج کر کہ بجز اس کے بہتری اور کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

وقت کا آگے کی طرف سے روکنا لازم ہے نہ کہ اس کے پیچھے دوڑنا مناسب ہے۔
حیوان موجودہ حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں مگر انسان زباندانی کی بدولت آگے اور پیچھے دیکھتے ہوئے شرفِ انسانیت سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔
پڑھا لکھا بیوقوف اپنی حماقت کو خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنا دیتا ہے لیکن پھر بھی وہ حماقت ہی رہتی ہے۔
عورت کی زبان اس کی تلوار ہے اور وہ کبھی اسے زنگ آلود نہیں ہونے دیتی۔
جو شخص اپنی زندگی کو باقاعدگی اور عمدگی سے بسر کرتا ہے۔ وہ پھلدار درخت کی مانند ہو جاتا ہے، ورنہ خاردار جھاڑی ہے جس سے ہر ایک کو نفرت ہوتی ہے۔
جو شخص جادۂ عمل پر گامزن ہوا اور خطرات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے، تنگحالی اور ناکامی اس کے قریب نہیں آتی۔
حیوانِ ناطق کو حیوانِ مطلق پر سوائے اس کے اور کوئی فضیلت نہیں کہ وہ علم کی بدولت گزشتہ واقعات کی خبر رکھتا اور آئندہ زمانے پر غور و فکر کرتا ہے۔ اگر یہ نہیں تو بھیڑ جیسی کالی ویسی سفید۔
اس بدنصیب دنیا میں کروڑوں انسانوں کی روٹی کا دارومدار اور روزی کا انحصار معاشرتی برائیوں اور بدعتوں پر قائم رہتا ہے۔ شراب خوری، زناکاری کی لعنت پر لاکھوں خاندان پل رہے ہیں۔ جرائم کی بدولت ہزاروں محکمے چل رہے ہیں، حتّٰی کہ بادریوں کا روزگار بھی گنہگار مہیا کرتے ہیں۔
جوانی کے وقت روپیہ بچاؤ اور بڑھاپے میں بے دریغ خرچ کرو تاکہ دین و دنیا میں رستگار ہو سکو۔
گورنمنٹ اپنے ٹیکسوں میں تخفیف کردے تو کردے لیکن ہم کاہلی و جاہلی اور خودبینی کے ٹیکسوں کے بارے جو ہم نے خود اپنے اُوپر عائد کر رکھے ہیں، ہرگز سبکدوش نہیں ہو سکتے۔
نیکی کا آغاز مشکل اور انجام بخیر ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے بدی ابتدا میں لذیذ اور انجام کار تکلیف دہ ہوتی ہے۔
نیک نصیحت برسوں کی تعلیم سے بھی اثر نہیں کرتی، مگر بدعادت مثل بارود کے فی الفور اُڑتی ہے
بیشک بہت دیر تک سوچو، مگر سوچ سمجھ کر جو فیصلہ کرو اس کو ناطق اور مستند سمجھو۔
دانائی سے مخالف کاموں کی اصلاح کرنا بہ نسبت غصّہ کرنے اور اس میں مبتلا رہنے کے بہت بہتر ہے۔
مذہب جو امیر و غریب کے درمیان فرق ظاہر کرے، دُنیا کے لیے لعنت ہے۔
بہت سے دردناک واقعات ایسے ہیں جو افسانہ بننے سے پہلے ہی محو ہو جاتے ہیں۔
سچ تو یہ ہے کہ غرور کے برابر کوئی نفسانیت ایسی نہیں جس کی اصلاح دشوار ہو۔ غرور خواہ کوئی کتنا ہی دُور کرے کتنا ہی مٹائے کیسا ہی چھپائے، پھر بھی یہ کبھی نہ کبھی کسی بات پر ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔
دوسروں کی خوشی اپنے غموں کو تازہ کرتی ہے اور غم اپنے غموں کو ہلکا کرتا ہے۔
غریب آدمی کو دولتمند بننے کے لیے راستی اور دیانتداری سے بڑھ کر کوئی عمدہ ذریعہ نہیں۔
بُرے کام اس لیے مُضر نہیں کہ وہ ممنوع ہیں بلکہ ممنوع اس لیے ہیں کہ وہ مُضر ہیں۔ اس لیے جو شخص اس دُنیا میں

خوشحالی سے زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اس کو لازم ہے کہ وہ نیک بننے کی کوشش کرے۔
اگر انسان کے چال چلن میں ذرا بھی عیب نہ ہو تو وہ سارے زمانے کا محسود بن جائے اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں۔
بیوقوف دعوتیں دیتے ہیں اور عقلمند کھاتے ہیں۔
شکم سیری کند ذہن بنا دیتی ہے۔
غیب کا علم تو اسی ذاتِ پاک کو ہے جس کے اختیار میں ہماری مصیبت کے وقت ہمیں برکت دینا بھی ہے۔
جن لوگوں کے ساتھ انسان کو اکٹھا رہنے کا اتفاق پڑے ان سے کبھی بگاڑنا نہیں چاہیے۔
بے احتیاطی سے مُنہ سے کوئی بات نکل جائے یا وعظ کرتے وقت غلط رائے قائم کر دی جائے تو بعد تشریح کرنے پر اس کی درستی ہو سکتی ہے یا اس سے انکار ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی بات تحریر میں آجائے پھر اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔
چونکہ مفلس و محتاج کا دیانتدار رہنا نہایت مشکل ہے۔ اس لیے دولتِ دُنیاوی باعثِ حصولِ نکوئی ہے۔
روپیہ کمانے کی سڑک ایسی سیدھی ہے جیسے ہمارے گاؤں کی پن چکّی کا راستہ۔ مگر دولتمند بننے کا راز صرف اتنی سی بات میں پنہاں ہے کہ انسان جس قدر کمائے اس سے کم خرچ کرے۔
ہمارے دماغوں اور عقلوں میں اتنا ہی فرق ہے جیسے ہمارے چہروں میں۔
صرف دولتمند بیوائیں ہی ایسی استعمال شدہ چیزیں ہیں جو اعلیٰ قیمت پر بکتی ہیں۔
تجربہ ایک اچھا اُستاد ہے لیکن اس کی اُجرت گراں ہے۔
یہ ہماری آنکھیں نہیں بلکہ دوسروں کی آنکھیں ہیں جو ہمیں برباد کرتی ہیں۔ اگر سوائے میرے تمام دنیا کے لوگ اندھے ہوتے تو میں کبھی عمدہ لباس اور خوشنما سامان کی پروا نہ کرتا۔
اپنے حکم کی آپ تعمیل کرو، تمام تفکرات سے چھوٹ جاؤگے۔
جو کنجی استعمال کی جاتی ہے وہ صاف اور چمکدار رہتی ہے۔ یعنی انسان کو بیکار نہ رہنا چاہیے۔
زندگی اور صحت تھوڑی آمدنی پر بھی قائم رکھی جا سکتی ہے۔
بیہودہ باتیں مت کرو مگر وہ جو تم کو یا دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔ فضول گفتگو سے بچو۔
تمہارے تمام کاموں کے واسطے معیّن جگہ ہونی چاہیے اور تمہارے ہر کام کے واسطے وقت مقرر ہونا چاہیے۔
حدودِ اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔ لوگوں کی آزادی وہاں تک برداشت کرو جہاں تک اس کو واجبی جانتے ہو۔
پانی سے آگ بجھ جاتی ہے، چھتری سے دھوپ رُک سکتی ہے، آنکس سے مست ہاتھی مطیع ہو سکتا ہے، لکڑی سے دوسرے جانور قابو میں آسکتے ہیں، ہر بیماری کے لیے ایک دوا ہے، ہر گناہ کی تلافی کے لیے کوئی طریق ہے، لیکن احمق کی حماقت کسی طرح دُور نہیں ہو سکتی۔
اگر ہم محنتی ہیں تو کبھی فاقہ کشی میں مبتلا نہ ہوں گے۔ کیونکہ محنتی شخص کے گھر میں یہ صرف باہر سے جھانکتی ہے اندر نہیں داخل ہوگی۔
محنت و مشقت کے بعد تکان بہترین تکیہ ہے۔

دُنیا میں سب سے اچھا سوال یہ ہے کہ میں اس میں کیا نیکی کر سکتا ہوں۔
اپنی سوانحعمری میں لکھتا ہے کہ سات سال کی عمر میں مَیں نے بہت دنوں میں کچھ پیسے جمع کیے۔ ایک لڑکے کو سیٹی بجاتے دیکھا جو مجھے بہت پسند آئی۔ وہ تمام پیسے دے کر سیٹی اس سے خرید لی اور خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا۔ گھر آ کر معلوم ہُوا کہ میں نے اس پر اصل قیمت سے چوگنے دام خرچ کیے ہیں جن سے میں کئی اور کھلونے خرید سکتا تھا۔ میں رنج کے مارے رونے لگ گیا، اور میرا یہ افسوس اس خوشی سے کہیں زیادہ تھا۔ لیکن اس چھوٹے سے واقعہ نے میرے دل پر ایک دیرپا اثر قائم رکھا۔ یعنی کئی دفعہ جب مجھے کسی غیر ضروری چیز خریدنے کی ترغیب ہوتی تو میں اپنے آپ سے کہتا "سیٹی کے لیے قیمت سے زیادہ مت خرچ کرو" اور اپنا روپیہ بچا لیتا۔ جب میں بڑا ہو کر دنیا میں داخل ہُوا تو مجھے معلوم ہُوا کہ دنیا ایسے بیوقوفوں سے بھری پڑی ہے جو سیٹی کی قیمت سے زیادہ اس پر خرچ کرتے ہیں۔ جب میں کسی طالبِ شہرت کو دیکھتا کہ محض حصولِ شہرت کی غرض سے وہ ملکی معاملات میں شور و غل مچاتا اور اپنے کاروبار میں تغافل کر کے مالی نقصان اُٹھاتا ہے، تو میرے دل میں یہ خیال آتا کہ "یہ سیٹی کے لیے زیادہ قیمت خرچ کرتا ہے"۔ اگر میں نے کوئی ایسا آدمی دیکھا جو نفیس لباس، نفیس سامان اور کرّوفر پرست تھا اور ان چیزوں کے لیے اس نے قرض لیا تھا اور انجام کار جیل خانہ میں بھیجا گیا تو میں خیال کرتا "افسوس اس شخص نے کتنی زیادہ قیمت سیٹی کے لیے دی ہے"۔ الغرض میں نے نتیجہ نکالا کہ دنیا میں انسانی تکالیف کے ایک بڑے حصے کا سبب یہ ہے کہ لوگ معاملہ کی قیمت لگانے میں غلطی کرتے اور سیٹی کے لیے مناسب سے بہت زیادہ قیمت دیتے ہیں۔

نوجوانی میں فرینکلن ایک پادری سے ملنے گیا۔ جب بات چیت ہو چکی تو پادری نے اُسے باہر جانے کے لیے پچھلی طرف سے ایک دروازہ دکھا دیا۔ جب وہ ایک تنگ و تاریک راستے سے گزر رہا تھا، پادری نے کہا "جھک جاؤ"۔ فرینکلن نے بات کا مطلب نہ سمجھا اور ایک قدم اور اٹھایا۔ راستے کے اوپر ایک شہتیر بڑھا ہُوا تھا، اس کا سر اس سے جا لگا تو پادری نے کہا "میرے عزیز! تم نوجوان ہو۔ دُنیا تمھارے آگے ہے۔ زندگی کی منزلوں کو طے کرتے ہوئے جھکنا سیکھو تو بہت سی ٹھوکروں سے بچ جاؤ گے۔" فرینکلن اس بات پر لکھتا ہے "تاہم اچھی طرح سے مناسب محل پر جھکنے کا معاملہ ایسا نہیں کہ ہم اسے آسانی سے سیکھ سکیں۔ جب ایک شخص تمھارے سامنے طیش و غضب میں ہے اور بیہودہ سخت الفاظ کہتا ہے اور تم جانتے ہو کہ وہ غلطی پر ہے اور غیر معقول ہے تو یہ حماقت ہے کہ تم بھی اسی طرح جوش میں آ جاؤ اور اُونچا بولنا شروع کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ایک ضدی دیوانے کی جگہ تم دونوں دیوانے بنتے ہو۔ لہٰذا جھک جاؤ، جیسا کہ تم طوفان کے گزرنے کے وقت جھک جاتے ہو۔ تند ہوا کے آگے جُھک جانا کوئی ہتک آمیز کام نہیں۔ جیسا کہ ایک مست سانڈ کے مقابلے میں غرانا جہالت ہے، ویسا ہی پاگل کے شور و غل کا جواب دینا حماقت ہے۔ اور جب طوفان کی تندی کم ہو تو نرم الفاظ استعمال کر کے اس کا غصّہ دُور کرو۔ جب تم کو تمھاری کسی غلطی، زیادتی، سُستی کے لیے ملامت کی جائے تو جھک جاؤ۔ غلطی کے جواز میں وجوہات دینا نہ شروع کر دو۔ اس سے تو غلطی اور بھی بڑھ جاتی ہے اور طیش میں زیادتی ہوتی ہے۔ جھک جاؤ۔ اس مفید تجربے سے میں نے

اپنی مدت العمر میں بہت فائدہ اُٹھایا اور آرام پایا ہے"۔

[حضور سرور کائنات ؐ نے ایک دفعہ لوگوں سے فرمایا "میں آپ لوگوں کو عبادت تو کرتے دیکھتا ہوں، لیکن اس کی حلاوت کسی میں کم پاتا ہوں"۔ لوگوں نے پوچھا "یا حضرت! حلاوت کس طرح حاصل ہوتی ہے"؟ آپ نے فرمایا، "انکسار اور فروتنی سے"۔]

جب فرینکلن کچھ متموّل ہوگیا، اس وقت بھی اس کی کفایت شعاری اور سادگی کم نہیں ہوئی۔ مٹی کے پیالے اور لکڑی کے چمچے اس کے گھر میں کافی سمجھے جاتے تھے۔ ایک دن اس کی عورت نے اس کی غیر حاضری میں ایک چاندی کا چمچہ اور چینی کا پیالہ خرید لیا۔ فرینکلن نے اُسے قابلِ ذکر واقعہ خیال کرکے اپنی خود نوشت سوانحعمری میں بیان کیا ہے۔

برخلاف دوسرے مغربی فلاسفروں کے ملحدانہ خیالات کے، یہ جلیل القدر شخص خدا پرست اور عبادت گزار تھا۔ باوجود خود کفایت شعار ہونے اور سادہ زندگی بسر کرنے کے دُنیا کو اپنے علم و دولت سے فیض پہنچاتا رہا۔ اور اپنے علم و عمل سے ایسے آثار و نقوش چھوڑ گیا، جو نوعِ انسانی کے لیے روشنی کے مینارہ کا کام دیں۔

۱۷۰۶ء میں امریکہ کے مشہور شہر بوسٹن میں پیدا ہوا اور ۱۱ اپریل ۱۷۹۰ء کو فوت ہوا۔

اقوال دانایانِ فرنگ

ہر انسانی زندگی کا ایک خاص مقصد ہے۔ اس زندگی کی آخری جائے پناہ قبر یا اس کا اصلی مقصد قبرستان پہنچانا ہی نہیں ہے۔ (لانگ فیلو)

جب ہم اپنی پسند کی اشیا سے محروم ہوں تو موجود اشیا ہی کو پسند کر لینا چاہیے۔ (ریبوٹن)

بُزدل انسان موت آنے سے پہلے ہی کئی مرتبہ مر چکتا ہے لیکن بہادر آدمی صرف ایک ہی بار مرتا ہے۔ (شیکسپیر)

عقل استقلال اور تحمل کا نام ہے یعنی مشکل مسائل حل کرنے کے لیے لگاتار غور کرنا چاہیے۔

پُرانا نظام بدل جاتا ہے، نیا نظام اس کی جگہ لے لیتا ہے اور خدائے پاک اپنی شان کا جلوہ ہر رنگ میں دکھاتا ہے (ٹینی سن)

جو اچھا سامع اور کم گو ہو، اس کا ہر جگہ اور ہر وقت استقبال ہوتا ہے۔ (کولرج)

دُنیا اپنی حالت پر قائم ہے اور رہے گی لیکن اس قفس کے اسیر ہمیشہ بدلتے رہیں گے۔ قانون قدرت کسی جانور کو ہمیشہ قید نہیں رکھتا۔ (سِڈنی فلپ)

[دنیا کے بہترین ڈاکٹر اچھی خوراک، خاموشی اور خوشباشی ہیں۔]

تمام انسانی عادات کا آغاز نہایت ہی حقیر ابتدا سے ہوتا ہے اور ایک غیر محسوس رفتار کے ساتھ یہ نقش رفتہ رفتہ گہرا پڑتا جاتا ہے۔ چشمہ سے پہلے نہایت ہی پتلی سی دھار نمودار ہوتی ہے۔ بہتے بہتے آگے چل کر یہ چشمہ نالہ بن جاتا ہے اور آگے بڑھ کر نالہ سے دریا بن جاتا ہے۔ پھر یہ عظیم الشان دریا بہ کر سمندر میں جا ملتا ہے۔

دنیا میں کسی قسم کے لوگوں کا حافظہ ایسا تیز نہیں ہوتا جیسا قرض خواہوں کا۔

ایک فعل کا تخم بوؤ، عادت کا خرمن تمہارے حصے میں آئے گا۔ ایک عادت کا تخم بوؤ، ایک کیرکٹر کا خرمن تمہیں ملے گا۔ کیرکٹر کا تخم بوؤ، تو تمہارے حصہ میں وہ خرمن آئے گا جو تمہاری تقدیر کا فیصلہ کرے۔ (ایور ڈن)

جو شخص کسی دوسرے شخص سے فائدہ اٹھاتے وقت اس کا شکریہ ادا کر دیتا ہے، وہ قرضے کی پہلی قسط ادا کر دیتا ہے۔ (سینیکا)

آپ خواہ کوئی اور کچھ بھی ہوں اس چیز سے ضرور اتفاق کریں گے کہ جہاں ہر شخص بزعم خود "کچھ" ہوتا ہے وہاں دوسرا کوئی "کچھ" نہیں ہوتا۔ (گلبرگ)

ایک مرد کو تعلیم دے کر آپ صرف ایک فرد کو تعلیم دیتے ہیں۔ ایک عورت کو تعلیم دے کر آپ ایک کنبہ کو تعلیم یافتہ بناتے ہیں۔ (میکلور)

وہ شخص جو تضیع اوقات کا عادی ہے، ایسی گھڑی کی مثل ہے جس میں دونوں سوئیاں نہیں ہیں۔ ایسی گھڑی چلی تو کیا اور نہ چلی تو کیا۔ (کوپر)

تعلیم دو قسم کی ہے۔ ایک ہمیں کمانا اور دوسری زندگی بسر کرنا سکھاتی ہے۔ (ایڈنہ)

محبت کا ایک گھنٹہ سو برس کی بے محبت زندگی سے بہتر ہے۔ (شیلے)

ہماری چند روزہ زندگی کا وہ حصّہ جو دنیا کی چہل پہل سے علیحدہ صرف ہوتا ہے، بصیرت کے نئے نئے باب ہماری چشم بینا کے سامنے کھول دیتا ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ بے زبان درختوں کی بھی زبان ہے۔ بہتی ہوئی ندیوں کی ہموار سطح ہمارے لیے اسرارِ قدرت کی کتاب بن جاتی ہے۔ پہاڑوں کے بے حس پتھر ہمیں وعظ سنانے لگتے ہیں اور کائنات کی ہر شے میں ہمیں بھلائی ہی بھلائی نظر آتی ہے۔ (شیکسپیئر)

زندگی میں میری کامیابی کا راز یہ ہے کہ میں ہمیشہ پندرہ منٹ پیشتر اپنے کام پر موجود ہو جاتا ہوں۔

جو شخص زیادہ سوچنے والا ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ صحیح کام کر سکتا ہے۔ (روز ویلٹ)

ظاہرا صورت پر اعتبار کرنا بسا اوقات باعثِ پشیمانی ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض گندم نما جو فروش اپنے چلن پر پردہ ڈالنے کے لیے زہر ہلاہل کی بوتل پر جوہر حیات لکھ دیتے ہیں۔ مکسیلے

جوش اور سنجیدگی اگرچہ ایک ہی جگہ نہیں پائے جاتے۔ تاہم جن میں یہ دونوں وصف موجود ہوں وہ کبھی لغزش نہیں کھاتے۔

خاموشی اختیار کر کے دوسروں کی نگاہ میں احمق بننا، پھر خاموشی توڑ کر احمقی کا ثبوت دینے سے بہتر ہے۔ (آسکر وائلڈ)

اگر سارے ماہرین کو ایک قطار میں لٹا دیا جائے تو وہ فیصلہ یا نتیجہ کی حد تک نہ پہنچیں گے۔ (برنارڈ شا)

اگر فیصلہ صرف حلف پر منحصر ہے تو زمین ہماری ہے۔ (گائز)

تمام کائنات کے مستقل اور مقدس نظام میں ادنیٰ سے ادنیٰ کوشش کا بھی صلہ ملتا ہے اور ذرا سی سعی بھی رائیگاں نہیں جاتی ہے۔ (ہابسن)

خاموشی گفتگو کا بہت بڑا فن ہے۔ (ہیزلٹ)

عورت آدمی سے بنائی گئی ہے اور آدمی مٹی سے۔ (رنڈالف)

عورت مصیبت وغم کو کم کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ (بار بولڈ)

نیک چلنی انسان کے واسطے عمدہ ملکیت ہے۔ جس شخص کے پاس یہ عمدہ جائداد ہو اس کا سب آدمی ادب کرتے ہیں اور اس سے راضی رہتے ہیں۔ (سیموئیل)

ان لوگوں سے عبرت کا سبق لو جو اوروں کے حالات سے عبرت نہیں حاصل کرتے۔ (سنیکا)

دیوار کا ہر ایک پتھر خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو، اپنی قیمت رکھتا ہے۔ (لانگ فیلو)

کوئی شیشہ انسان کی اتنی حقیقی تصویر نہیں پیش کر سکتا جتنی اُس کی بات چیت۔ (بین جونس)

دیہات میں جو غریب لوگ ہیں، اُنہیں جاہلِ مطلق نہ سمجھو۔ اگر اُن کو باقاعدہ تعلیم دی جاتی اور ان کے دل و دماغ کی نشوونما ہوتی تو عین ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی شیکسپیئر اور کوئی ملٹن پیدا ہوتا۔ (گرے)

عورت کا بناؤ سنگار اس کے دل کی حالت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

فطرت کا عمل سرسری نظر سے دیکھنے پر پراگندہ اور بے قاعدہ نظر آتا ہے۔ مگر اس پراگندگی اور بے قاعدگی کی تہ میں ایک زبردست نظام سرگرم عمل ہے۔ ہر بات جو بادی النظر میں اتفاقی نظر آتی ہے۔ حقیقت میں ایک زبردست نظام کے تابع ہو کر ظہور میں آرہی ہے۔ لیکن حقیقت میں بات محض اتنی ہی ہے کہ تمہاری نظر اس نظام کی تہ تک نہیں پہنچتی۔ (پوپ)

قوانین املاک کی حفاظت کے لیے وضع کیے گئے ہیں نہ کہ انسان کی حفاظت کے لیے۔ (لارڈ بانس فیلڈ)

یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم زندگی کی راہ طے کرتے ہوئے فطرت کی کل آوازوں کو ایک دلکش نغمے میں مرتبط کرلیں یا اس کی شفقت و ہمدردی کو ٹھکرا کر اس کی مترنم صدا کو ایک بھیانک اور خوفناک خاموشی میں تبدیل کریں۔ (رسکن)

گفتگو ختم کرنے کا وقت وہ ہوتا ہے جب دوسرا کچھ کہے بغیر اثبات میں سر ہلا رہا ہو۔ (ہاپکنز)

جو شخص مصیبت کا بوجھ بخوش اسلوبی اُٹھا سکتا ہے وہی سب سے بہتر کام کر سکتا ہے۔ (ملٹن)

دوسروں کے ساتھ زیادہ نیک سلوک وہی شخص کر سکتا ہے جو خود زیادہ مصیبتوں میں مبتلا رہ چکا ہو۔ (آلیور گولڈ سمتھ)۔

اپنی توہین و تذلیل اپنی زبان سے کبھی نہ کیجیے۔ اس موضوع پر بولنے کا حق آپ کے دوست ادا کر دیں گے۔

انسان کو دشمن کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ نہ کرنا چاہیے کہ پھر اس کو دوست بنانا ممکن نہ ہو۔

شاہراہ پر خوشنما پھول دیر تک قائم نہیں رہتے۔

اپنے متعلق آپ خود کچھ نہ کہیے، یہ کام آپ کے جانے کے بعد ہو جائے گا۔ (ایڈیسن)

کمینہ کاموں کے کرنے سے جو شخص ڈرے وہ سب سے زیادہ بہادر ہے۔ (جانسن) ؎

کمینہ کام ، کرنے سے جو ڈر جائے بہادر ہے بنی آدم کی خاطر جان دے وہ بے بہا در ہے

آپ خود کو دیانتدار بنانے کے بعد یقین کرلیں کہ دُنیا میں ایک بے ایمان کی کمی ہو گئی ہے۔ (کارلائل)

ہوٹل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہاں خانگی زندگی سے پناہ ملتی ہے۔ (برنارڈ شا)

خوبصورت عورت دیکھنے سے آنکھ، لیکن نیک دل عورت دیکھنے سے دِل خوش ہوتا ہے۔ (سموئیل)

جو شخص بُوالہوسی اور لذاتِ نفسانی میں مبتلا نہیں وہ افلاس کو مصیبت نہیں سمجھتا اور جو بندۂ شکم نہیں، اس کو مفلسی کا کوئی خوف نہیں۔ (سنیکا)

امیدوں کے سہارے جینا خود کو دھوکا دینا ہے۔

راہِ شرافت کی دشواریوں میں یہ بھی ہے کہ آپ اپنے حقوق کے استعمال میں نرمی اور رواداری کا دامن نہیں چھوڑ سکتے۔ (ڈبلر)

عورت اور شراب سب کو احمق بنا لیتے ہیں۔

حیوانات پر رحم کرنا فیاضی کی عمدہ اور آسان مشق ہے۔

تمام عالم کی بُرائیوں میں دروغ گوئی عام طور پر نہایت کثرت کے ساتھ رائج ہے۔ (سمائلز)

دیو کی سی طاقت اپنے آپ میں رکھنا اچھا ہے مگر دیو کی طرح اُسے استعمال کرنا بُرا ہے۔ (سمائلز)

انسان کا بہترین مطالعہ انسان کا مطالعہ ہے۔ (پاسفورتھ)

آزادی اس کا نام نہیں کہ اخلاق یا مذہب کی پابندی نہ کی جائے۔ (پوپ)

بڑھاپا زندگی کی مسرتوں کو کم لیکن زندگی کی ہوس کو زیادہ کرتا ہے۔ (گولڈسمتھ)

اگر تم بیس برس میں خوبصورت نہیں، تیس برس میں طاقتور نہیں، چالیس برس میں دانا نہیں، پچاس برس میں دولتمند نہیں تو کبھی خوبصورت، طاقتور، دانا اور دولتمند ہونے کی اُمید نہ کرو۔ (ڈاکٹر چارنر)

مجھ سے سب کچھ چھین لو، لیکن دو چیزیں میرے پاس رہنے دو۔ اوّل یہ احساس کہ میں آزاد ہوں، ثانیاً جو کچھ میں سوچتا ہوں کہہ سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔

عقلمند اور بیوقوف دونوں میں کچھ نہ کچھ عیب ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عقلمند اپنے عیوب کو خود دیکھتا ہے اور دُنیا نہیں دیکھتی اور بیوقوف اپنے عیوب کو آپ نہیں دیکھتا، دنیا دیکھتی ہے۔ (ڈاکٹر چارنر)

موجودات ایک کتاب ہے کہ اس کا ہر ایک صفحہ معرفتِ الٰہی سے معمور ہے۔ (" ")

یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ مفلسی نوجوانوں کی اعلیٰ خواہشات کا زینہ ہوتی ہے۔ (شیکسپیئر)

جو شخص کوئی کام نہیں کرتا اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کے لیے دُنیا میں کوئی کام کرنے کو نہیں ہے یا بوجہ تموّل اس کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی حالت قابلِ رحم اور سزاوارِ افسوس ہے۔ (سٹینلے)

قانونِ قدرت کی خلاف ورزی کے نتیجۂ بد سے کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ خواہ دانستہ ہو یا نادانستہ۔ بچہ آگ میں ہاتھ ڈالے گا، ضرور جلے گا۔ (پیٹر بارنم)

اگر بیوقوف بازار نہ جائیں تو بُری چیزوں کو کون خریدے۔

مشیخت اکثر ترقی کے لیے سدِّ راہ ہوتی ہے۔ لیکن بعض وقت نہایت فائدہ مند بھی ثابت ہوتی ہے۔ (جانسن)

تجھے اپنی زندگی کا سفر اکیلے ہی طے کرنا ہوگا، کسی ہمراہ کی اُمید پر بھروسہ نہ رکھ۔ (ڈابسن)

بہ نسبت مصیبت کے خوشحالی زیادہ سخت امتحان کا وقت ہے۔ خصوصاً جبکہ دفعتاً خوشحالی ہو جائے۔ اس صورت

میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ (بارنم)
بحث گفتگو کی موت ہے۔ (لڈوگ)
نادان گزشتہ زمانے کی یاد میں محو رہتا ہے اور کاہل آئندہ زمانے کی مُوہومی اُمید کا گیت گاتا ہے۔ مگر بیر خلل کا بڑا راز آج کا دن ہے۔ (کارنیگی)
نوجوانوں کا خیال ہے کہ بوڑھے بیوقوف ہیں۔ بُوڑھے جانتے ہیں کہ نوجوان بیوقوف ہیں۔
چھوٹے غم واویلا کرتے ہیں۔ بڑے غم خاموش ہوتے ہیں۔ (کُوپر)
لکڑیاں ایک ایک جلاؤ تو دھواں دیتی ہیں۔ اکٹھی جلاؤ تو روشنی پیدا ہوتی ہے۔
خدا تعالیٰ نے عورت کو مرد کی پیشانی سے نہیں بنایا کہ وہ مرد پر حکومت کرے۔ نہ اس کے پاؤں سے پیدا کیا کہ وہ اس کی غلامی کرے۔ بلکہ اس کی پسلیوں سے پیدا کیا کہ وہ اس کے دل کے قریب ہو۔
تجربہ ایک فصیح و اثر انداز واعظ ہے، مگر افسوس کہ بہت تھوڑے لوگ اس کے وعظ کو توجہ سے سنتے ہیں۔ (کارلٹن)
ہم میں سے اکثر خاموشی کے مفہوم کو سمجھتے ہیں لیکن اس سے بہت کم آگاہ ہیں کہ خاموشی کب اختیار کرنا چاہیئے۔ (آسکر وائلڈ)
میں ہر اس انسان کو بُزدل خیال کرتا ہوں جس کا عمل اس کے تخیّل کا آئینہ نہیں ہوتا۔ (جانسن)
صرف خدا تعالیٰ ہی پر بھروسہ نہ رکھو بلکہ بارُود کو بھی خشک رکھو۔ (کرامویل)
محبّت کا ماتم اور محبّت کی خوشیاں دونوں آنسوؤں ہی سے کی جاتی ہیں۔ لیکن ایک زہر ہلاہل کا قطرہ ہے اور دوسرا سلسبیل کا۔
سرِ دست فیصلہ شدہ اُمور کی دوسروں سے تائید کرانے کا نام مشورہ ہے۔
علما کے گروہ کو انتظام، سیاست اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں ہوتی۔
دو تین دفعہ مکان بدلنا آگ لگ جانے سے زیادہ بُرا ہے۔
خدا تعالیٰ خوشحالی بخشے تو اپنی آرزوؤں کو بھی وسیع نہ کرتے جاؤ۔ (براؤن)
بُوڑھے خاوند کو جوان بیوی قبر تک پہنچانے میں گھوڑے کی ڈاک ہے۔
ہر خاندان و قوم اور ملک کی آسودگی اور فارغ البالی کے لیے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ وہ ہل اور سوئی کے مناسب اور بہتر استعمال سے بخوبی واقف ہو۔ یعنی میاں بیوی اپنے فرائض سرانجام دیں۔ (جان رسکن)
دروازہ جو غریبوں کے لیے نہیں کھلتا، ڈاکٹر کے لیے کھلتا ہے۔ (سٹیل)
سفید بال ایک مدّتِ مدید میں انسان کو بوڑھا بنا دیتے ہیں۔ مگر تاریخ دانی بغیر کسی انتظار کے طالب علم کو تجربہ کار پختہ مغز اور پیر خردمند بنا دیتی ہے۔ (سمائلز)
سخت تنقید سے آدمی کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ لیکن ذرا سی تعریف اور معمولی سی حوصلہ افزائی جادو کا اثر دکھاتی اور بہترین نتائج پیدا کرتی ہے۔ (بارنم)

پیٹ سے زیادہ باقاعدہ گھڑی دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

اپنی خوشی کو دُوسروں کی خوشی پر مقدم سمجھنا اور دوسروں کے جذبات سے بالکل بے پروا ہو جانا خودغرضی کی مکمل تشریح ہے۔ (سٹینلے)

سربلندی و عظمت کے شہ نشین پر چڑھتے ہوئے لوگوں کے ساتھ محبت و خوش اخلاقی سے پیش آیئے کیونکہ آپ کو اُترتے وقت انہی سے ملنا پڑے گا۔ (ولسن ٹرنر)

بے داغ دل سے بڑھ کر کون سا زرہ بکتر مضبوط ہو سکتا ہے۔ جس شخص کا معاملہ سچائی کی بنیاد پر قائم ہے وہ گویا نہایت ہی عمدہ ہتھیاروں سے آراستہ ہے اور وہ شخص جس کا ضمیر بے انصافی کی وجہ سے مکدّر ہو گیا ہے خواہ وہ سر سے لے کر پاؤں سے آراستہ ہی کیوں نہ ہو وہ عُریاں ہے۔ (شیکسپیئر)

باپ بے اعتنائی کر سکتا ہے، بھائی دشمن بن سکتا ہے، زن و شوہر میں عداوت پیدا ہو سکتی ہے، دوستی دشمنی سے تبدیل ہو سکتی ہے، لیکن ماں کی محبت میں کبھی فتور نہیں پڑ سکتا ہے۔ (ارونگ)

ایک حسین اور باعصمت خاتون خدائے قدوس جلّ کی صنعتِ کاملہ کا نمونہ، فرشتوں کی حقیقی شان و شوکت زمین کا نادر معجزہ اور دُنیا کی عجیب ترین چیز ہے۔ (تھیلز)

اس دنیا میں کسی کام کے اندر اس وقت تک تبدیلی نہیں ہوتی، جب تک کوئی شخص اس میں خود تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ (گارفیلڈ) ؎

زمانہ زما ناموافق چو شد موافق شدم با زمانہ زخود

انکساری کا سہارا لے کر چلو ورنہ ٹھوکر کھاؤ گے۔ (موڈی)

انسان کے لیے اتنا ہی جاننا بس ہے کہ اس دُنیا میں نیکی سے راحت ملتی ہے۔ (پوپ)

جہاں پر جہالت باعثِ آسودگی ہے وہاں پر عقلمندی باعثِ بیہودگی ہے۔

ایک فارسی شاعر نے بھی اس مفہوم کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔ ؎

درکارخانہ کہ بنائش بہ غفلت است ہشیار زیستن نہ از آئینِ حکمت است

طمع ایسی بھوکی ہے کہ اس کا پیٹ کسی فیاضی سے نہیں بھرا جا سکتا ہے۔

انسان خواہ کیسا ہی خوشحال و با اقبال فی الحال ہو، مگر جب تک اس دنیا سے انتقال نہ ہو ہم اس کو خوشحال نہیں کہہ سکتے کیونکہ انسان کے حال میں ایسے انقلاباتِ غیر متوقع اور حادثاتِ ناگہانی وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں کہ جن کا پہلے سے سان گمان بھی نہیں ہوتا۔ (سولن)

مصیبتیں بیدار کرنے کے لیے آتی ہیں نہ کہ پریشان کرنے کے لیے۔ (ڈاِبسن)

میں اپنے حریفوں پر اکثر اس لیے غالب آتا ہوں کہ وہ دو چار منٹ کو کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔ لیکن میں اس تھوڑے سے وقت کی قدر و قیمت اور اہمیت سے بخوبی واقف ہوں۔ (نپولین)

تمہارا چال چلن اس بات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تم کس چیز کو دیکھ کر خوش ہوتے ہو۔

نصیحت سچّی خیر خواہی ہے جسے ہم نہیں سُنتے لیکن خوشامد بدترین دھوکا ہے جس پر پوری توجہ دیتے ہیں۔ (شیکسپیئر)

مَیں دوست اچھی شکل وصورت کے، واقف اچھے کردار کے اور دشمن بہترین دماغ کے منتخب کرتا ہوں۔ (آسکر وائلڈ)

"ضروریاتِ زندگی" اور "اسبابِ راحت" ان ہر دو مدّوں کا روزانہ علیحدہ علیحدہ خرچ لکھتے جاؤ۔ چند روز میں بڑی اصلاح ہو جائے گی۔ (بارنم)

اکثر لوگ اپنے بہترین دوستوں کی کمتری سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ (چسٹر فیلڈ)

خوشامد کرنے والا اور اس کو سُن کر خوش ہونے والا دونوں کمینے ہیں اور ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں۔ (شیکسپیئر)

ہمارے عزیز دوستوں کے مصائب ہمارے جذبات میں تلاطم پیدا کرتے ہیں لیکن یہ تلاطم ناخوشگوار نہیں ہوتا۔ (والٹیر)

جو روٹی کھائی جا سکے وہ بچائی نہیں جا سکتی۔

قدرت کی نیک ہدایات کی پوری پابندی پر انسان دُنیا کو بہشت کی مانند پائے گا۔ (پوپ)

کِسی نامور کے حالات لکھو تو اس کے وہ خصائل بھی لکھو جنہیں انسانی فطرت سے تعلق ہے اس سے لوگوں کو اس کے اچھے کاموں میں تقلید کی خواہش ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر تم اس کو فرشتہ بنا کر پیش کرو گے تو لوگ اس کے کاموں کی تقلید نہ کریں گے بلکہ وہ سمجھیں گے کہ وہ فرشتہ صفتِ انسانی کے دائرے سے باہر تھا، ہم انسان ہو کر اس کی تقلید کیسے کر سکتے ہیں؟

عمدہ چیز کا حاصل کرنا کوئی خوبی نہیں بلکہ اس کو عمدہ طریقہ سے استعمال کرنا خوبی ہے۔ (جانسن)

صاحبِ اختیارات کے فرائض بھی اُتنے ہی سخت ہیں جتنا کہ اُن کو اختیار حاصل ہے۔ (واٹر فیلڈ)

دُنیا کے رنج وغم کو اگر ہر ایک شخص پر مساوی طور پر منقسم کیا جاتا تو تمام لوگ اپنی موجودہ حالت پر بخوشی قانع ہو جاتے جس کے وہ خوگر ہو چکے تھے۔ (آرتھر مور)

نشاط وانبساط اور اندوہ وکلفت، زندگی کی اصلی غرض وغایت نہیں۔ اس کا منتہائے مقصود تو یہ ہے کہ ہم ہمیشہ سرگرمِ عمل رہیں تاکہ ہمارا مستقبل روز بروز بہتر ہی ہو جائے۔ (لانگ فیلو)

اگر دُنیا میں ایک بھی محبّت کرنے والا دل باقی نہ رہے تو آفتاب اپنی حرارت کو کھو بیٹھے۔ (نفیلہ)

مستقبل خواہ کتنا ہی دلفریب اور دلکش ہو اس پر کبھی بھروسہ نہ کرو۔ ماضی کی دلچسپیوں کو دل سے محو کر دو اور موجودہ حال میں خدا پر بھروسہ رکھتے ہوئے قوی دل کے ساتھ سرگرمِ عمل رہو۔ (لانگ فیلو)

ہمارے مصائب وآلام کا معتدبہ حصہ کمر کی بہ نسبت سر میں زیادہ ہڈیاں ہوتے کا نتیجہ ہے۔ (پوپ)

دُنیا کی انتہائی خوبصورت اشیا انتہا درجہ کی بیکار ہوتی ہیں۔ (جان رسکن)

انسان کی سب سے بڑی خوش قسمتی اور زندگی کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ وہ کسی خاص کام کا رجحان لے کر پیدا ہوا جس کے کرنے میں اُسے دلچسپی اور مسرت حاصل ہو سکے۔ (ایمرسن)

عادت کو فطرتِ ثانیہ کہتے ہیں۔ حالانکہ اس کی قوّت فطرت کی طاقت سے دس گنا زائد ہے۔ (ڈیوک آف ولنگٹن)

جانے سے پہلے آنے کا انتظام کر لو۔ اگر نہ آسکو تو جانا بے فائدہ ہے۔ (رسکن)

انسان اپنی زندگی کو کیوں ایسا کم بخت بنائے جس کی وجہ سے مرنا جینے سے بہتر معلوم ہو۔ پہلے ہی سے دنیا کے جاہ و مناصب اور عزیز و اقارب سے کیوں ایسا دل لگائے کہ جن کے مفقود ہونے پر خودکشی کو حیات پر ترجیح دے۔ (سولن)

گلے سڑے سیبوں میں انتخاب کی گنجائش نہیں۔ (شیکسپیئر)

محبت ایسی پیاری چیز ہے جو انسان کو مشکل ترین کاموں کے لیے مجبور کرتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو دنیا میں بالعموم قربانی کی راہ مسدود ہو جاتی۔ (ٹینی سن)

جو کچھ تم ہو اس سے بڑا بننے یا ظاہر کرنے کی پروا مت کرو۔ بلکہ کاروبار میں پیش قدمی اور جرأت کو اپنے چال چلن کا ضروری جزو قرار دو۔ (آرنلڈ)

عیاری چھوٹے کمبل کے مانند ہے اس سے سر چھپاؤ تو پیر ننگے ہو جائیں گے۔ (سکاٹ)

طبعی میلان کے موافق تربیت ہونے سے انسان کامل ہوتا ہے اور سرشت و رغبت کے خلاف کاروبار کرنے سے ناقص نکلتا ہے۔ (ابلورسٹین)

ہم اپنے ملنے جلنے والوں سے خوبیوں کی نسبت برائیاں زیادہ اخذ کرتے ہیں۔ (دیدرو)

ذہانت و بلاغت طبقہ اُمرا میں نہیں بلکہ جھونپڑوں میں بود و باش رکھنے والوں کا حصہ ہوتی ہے اور تاریخ اس کی تائید کرتی ہے کہ قوم و وطن کے لیڈر ہمیشہ متوسط درجہ کے لوگوں ہی سے نکلتے رہے ہیں۔ (ملٹن)

ضرورت سے خواہش، خواہش سے کوشش، کوشش سے حصول اور حصول سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

عوام میں نیک نامی حاصل کرنے کے واسطے انسانیت درکار ہے۔ صرف زر اس وصف کے پانے کے واسطے کافی نہیں۔ (کوپر)

ضروریاتِ زندگی کی نایابی اور گرانی کا سبب یہ ہے کہ ماضی کے تعیشات، حال کی ضروریات کا روپ دھارتے رہتے ہیں۔

غصہ تھوڑی دیر کی اور غرور ہمیشہ کی دیوانگی ہے۔ (کوپر)

کوئی آئینہ ایسا نہیں جس نے عورت سے کہا ہو کہ تو بدصورت ہے۔

وہ شخص نہایت ہی خوش قسمت ہے جس کو مطالعہ کا شوق ہو۔ لیکن جو فحش کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے، اس سے وہ اچھا ہے جس کو مطالعے کا شوق ہی نہیں۔ (میکالے)

سوسائٹی کا اثر بیشک بڑا اتالیق ہے لیکن وہ بچپن کی جبلّی برائیوں کے دفع کرنے سے قاصر ہے لہذا بچپن میں تربیت کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

شادی سے یہ غرض نہیں کہ ایک دوسرے کے جسم پر حکومت حاصل ہو۔ بلکہ یہ ایک کی کمی دوسرے سے پوری ہو۔ (سموئیل)

بہت زیادہ کھا کر بیمار ہونے والوں کی تعداد بھی اتنی ہی ہے جتنی فاقہ کشی سے بیمار ہونے والوں کی۔ (شیکسپیئر)

کام کرنے کے لیے زیادہ قوت کی ضرورت نہیں البتہ اس امر کا فیصلہ قوت طلب ہے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ (دینیارڈ)

مُشکل ایسا عذر ہے جسے تاریخ کبھی تسلیم نہیں کرتی۔ (سموئیل)

آدمی سے پہلے آدمی کے خصائل شہر میں آتے ہیں۔

حضرت آدمؑ کو ماں باپ کی خدمت نہیں کرنی پڑی۔ لہٰذا اس کی اولاد بھی اس فرض سے غافل ہے۔ (ڈنکن)

جو شخص وعدے کے دن قرض ادا کرے وہ دوسرے کی تھیلی کا مالک ہوتا ہے۔ (بارنم)

عورت سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرنے کا عزم ایک شدید ترین جرم ہے۔ اور فطرت کبھی نہ کبھی اس کا انتقام لے لیتی ہے (ریڈیلا)

اگر کام کرنا یہ جاننے کی بہ نسبت بہتر ہوتا کہ کیا کام کرنا چاہیے تو غریبوں کے حقیر جھونپڑے بادشاہوں کے محل ہوتے۔ (شیکسپیر)

مشہور انگریز شاعرہ ولکاکس کی ایک نظم کا ترجمہ:۔

"اگر میرے قلم سے نکلی ہوئی ایک سطر نے یا میری زبان سے نکلے ہوئے ایک لفظ نے میرے دوست یا دشمن کے دل کو کسی طرح کی تسکین بخشی ہے تو میرے لیے یہ دُنیا بھر کی تمام نعمتوں سے افضل ترین نعمت ہوگی۔"

"جو کچھ میں نے کہا یا لکھا ہے اگر اس سے میرے ہمسائے کا دل ذرا سا بھی خوش ہو گیا ہے۔ تو میں کہہ سکتی ہوں کہ میری زندگی کو اپنی محنت کا اجر مل گیا۔"

"میں نے دنیا میں جو کام کیے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک کے باعث بھی کسی مغموم دل کا غم گھٹ گیا ہے۔ اگر میری کسی کوشش کی بدولت جھکی ہوئی پلکیں اُٹھ کر فردا کی درخشانی کی اُمیدوار بن گئی ہیں تو خواہ دنیا کو معلوم ہو یا نہ ہو اور اسے میرا خیال آئے یا نہ آئے، خواہ دنیا کو کبھی معلوم نہ ہو سکے اور وہ مجھے کبھی داد نہ دے۔ لیکن پھر بھی میں اپنے دل سے یہی کہتی رہوں گی کہ میری زندگی اور محنت ٹھکانے لگ گئی۔"

"اگر میں نے کسی طرح بھی کسی ہستی کو امداد دی یا کسی روح کو خوشی بخشی ہے تو میں یہی سمجھتی ہوں گی کہ میری خوشی کا جام لبالب بھر گیا ہے۔"

مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ دشمنوں سے بچنے کا انتظام میں خود کر لوں گا۔ (والٹیر)

جس سے مجھے نفرت ہے اُسے میں کبھی نہیں ملتا۔ (راجرز)

گفتگو کے میدان میں تمام انسان فریقِ ثانی ہوتے ہیں۔ (ایمرسن)

خواہ اس کی آنکھ کے سوا جو آسمان پر ہے کوئی میرے نیک کام کو نہ دیکھ سکے، لیکن پھر بھی اسے میرے دل میں یہی سمجھا کروں گی کہ میں نے تماشہ گاہِ عالم میں اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا۔

جمہوریت کی سادہ تعریف لوگوں کے ڈنڈے کو لوگوں کے لیے لوگوں کی پیٹھ پر توڑنا ہے۔ (آسکر وائلڈ)

مشہور عالم نامور انگریز فلاسفر نیوٹن نے اپنے پندرہ سالہ تجربات و انکشافات و مشاہدات کی ایک بیاض خاص شبانہ روزی کی کوششوں سے نہایت محنت کے ساتھ اپنی خداداد ذہانت بے مثال سے مرتب کی تھی۔ رات کے وقت وہ اپنی میز پر بیٹھا اس میں ترمیم و تنسیخ اور اضافات میں مصروف و مشغول تھا۔ بیاض مذکور کو اسی حالت میں چھوڑ کر ضرورتاً اسے کسی کام کے لیے اُٹھنا پڑا۔ اس کے کُتّے نے کود پھاند کر لیمپ کو گرا دیا۔ تیل کے شعلوں سے تمام کی تمام بیاض جل کر مٹھی بھر راکھ میں تبدیل ہو گئی۔ نیوٹن جب واپس میز پر آیا تو اپنی مدت العمر کے اس علمی سرمایہ کے اس ہولناک انجام سے اس قدر متاسف و متالم

ہُوا کہ اس کی آنکھوں کے آگے تاریکی چھاگئی اور غش کی حالت طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں سنبھالا لینے کے بعد اس پیکرِ صبر و تحمّل اور شرافت مجسّم نے صرف یہ کہا "ڈائمنڈ افسوس، تم کو نہیں معلوم کہ تم نے میری سالہا سال کے عرصۂ دراز کی انتہائی محنت و مشقت کو چشم زدن میں تباہ و برباد کر ڈالا"۔ یہ کہہ کر پھر اُسی وقت اپنی ذہنی یادداشتوں کی بنا پر تباہ شدہ بیاض کو از سرِ نو مرتب کرنے میں مصروف ہوگیا۔

نیوٹن کہتا ہے کہ اگرچہ اُسے اِس بیاض کو از سرِ نو مرتّب کرنے میں سخت محنت اور ذہنی کوفت برداشت کرنے کے علاوہ بے اندازہ قیمتی وقت صرف کرنا پڑا۔ لیکن یہ نئی ترتیب بیاض پہلے سے نہایت بہتر صورت میں انجام پذیر ہوئی۔ انگریزوں میں اس نامور ہستی کی شرافت و تحمّل بُردباری اور سرد مزاجی ضرب المثل بن گئی ہے۔

اس مشہورِ عالم عالِم و فاضل نے ایک نہایت زبردست مضمون "شریف انسان کی پہچان" کے عنوان کے ماتحت لکھا ہے جسے ذرا طویل ہونے کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے کیونکہ "مخزنِ اخلاق" میں جامعیّت و اختصار کو ہر حالت میں مدِّنظر رکھا گیا ہے۔ لہٰذا اس مضمون کا لبِّ لباب ہی درج کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے۔

"مباحثہ و مناظرہ اور عام گفتگو میں اظہارِ غیظ و غضب تو درکنار پیشانی کو بھی شکن آلود نہ کرنا چاہیے" وغیرہ۔ چنانچہ اس کی عملی مثال مندرجہ بالا واقعہ سے ظاہر ہے۔ اگر کوئی اور شخص ہوتا تو کُتّے کو جان سے مار ڈالتا۔ اس مشہورِ عالم عالِم و فاضل نے اپنی ہیچ مدانی کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ "علم ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے جس کی تہ بے شمار موتیوں سے بھری پڑی ہے اور میں اس کے کنارے پر ایک طفلِ خُردسال کی طرح گھونگے چُن رہا ہُوں"۔

دُنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے قصرِ حیات کے بام و در شکستہ ہو چکے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی خوبصورتی میں فرق نہیں آیا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے عمر کے ہر حصے میں اعتدال کو قائم رکھا۔ (سمتھ)

ہر شخص کی خواہش یہ ہے کہ وہ طویل عمر پائے لیکن بڑھاپے سے ہر ایک کی جان جاتی ہے۔ (سوئفٹ)

بوڑھے آدمی بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ اُن کی بَلا سے کہ دنیا کے حالات بہتر ہوتے ہیں یا بدتر۔ کیونکہ وہ دنیا کو جلد تر چھوڑنے والے ہوتے ہیں۔ (برنارڈ شا)

جس طرح صبح کے آئینے میں دن کو دیکھا جاسکتا ہے، اسی طرح بچپن میں انسان کے خدوخال صاف نظر آجاتے ہیں۔ (ملٹن)

اگر کسی عورت سے تمہیں دُکھ پہنچا ہے تو تم اسے ہرگز قتل نہ کرو۔ بلکہ اس کے کان میں بسا اوقات یہ بھنک ڈالتے رہو کہ تو بوڑھی ہو رہی ہے۔ اس صورت سے تم ۰۰ ۴۴ امرتبہ اس سے انتقام لے سکتے ہو۔ (ہیرس)

بڑھاپا نہایت ہولناک مرض ہے۔ اس کی زد سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ دُنیا میں اور جتنی خرابیاں ہیں، ان کا تدارک ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی تدارک نہیں ہوسکتا تو بڑھاپے کا۔ (فورڈ جیمس)

جوانی میں ہم تمام مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔ لیکن بڑھاپا آتا ہے تو یہی مشکلات ہمیں شکنجوں میں کس لیتی ہیں۔ (ڈیلنگس)

ایک عورت صرف ایک راز مخفی رکھ سکتی ہے اور وہ ہے اُس کی عمر کا راز۔ (مارکوئس)

اگر تم سوسائٹی میں ہر ایک سے نبھاؤ چاہتے ہو تو اس کی یہی ایک صورت ہے کہ بہت کچھ جاننے بوجھنے کے باوجود ہر

ایک سے کچھ نہ کچھ سیکھنے کی کوشش کرو۔

جس دماغ میں اپنے سوا کوئی گنجائش نہ ہو تو اس میں بھلا اور چیز کس طرح سما سکتی ہے۔ (جیوبرٹ)

بڑھاپے کی سب سے بڑی نشانی تن آسانی ہے۔ جو اس تن آسانی سے مبرا ہے وہ بوڑھا نہیں کہلا سکتا۔ (فورڈ جیمس)

جو لوگ کسی رہگذر پہ کشمکشِ انتظار رہتے ہیں، ہم بیکار اُنہیں بھی نہیں کہہ سکتے۔ (ملٹن)

تحسین و آفرین کے موقع پر تالیاں بجانا یا ہتھیلیاں پیٹنا بے معنی سی روش ہے۔ میں اسے کسی صورت میں کوئی وقعت نہیں دیتا۔ اس روش سے مجھے ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ (لیوپولڈ)

جس شاعر کا کلام قبولیتِ عامہ کی سند حاصل نہیں کرتا۔ اس کی شعر گوئی تضیعِ اوقات نہیں تو اور کیا ہے۔ (مارشل)

خاموشی دانشمندی کی علامت ہے تو سہی لیکن کبھی کبھی اس سے حماقت کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ (ولیم کورج)

شر میں بھی خیر کا پہلو ہوتا ہے۔ اگر کبھی دو شر سامنے آئیں اور یہ مجبوری بھی پیش آئے کہ ان دونوں میں کسی ایک سے ضرور دامن ملوث ہوگا تو پھر اس شر پہ قانع ہو جانا چاہیے جس میں خیر کا پہلو کسی قدر نمایاں ہو۔ (ویلز)

صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے شرم و حیا کا احساس دامنگیر ہوتا ہے۔ (مارک ٹوین)

پریس عصرِ حاضر کی عظیم ترین نعمت ہے یا بدترین لعنت۔ وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ (ایم بیری)

دلکش کتب سے بہتر اور کوئی سامانِ آرائش نہیں ہوتا، خواہ یہ کتابیں ہم پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ (سڈنی سمتھ)

کسی کتاب پر تبصرہ یا تنقید سے قبل میں اس کے مطالعہ کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ (سڈنی سمتھ)

کسی سے کتاب مستعار لینے کے بعد مشکل ہی سے اُس کی واپسی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ (سکاٹ)

ہمارے ہاں بھونڈے شاعروں کی بڑی تعداد کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب الہامی شاعر ہیں۔ (چیسٹرٹن)

زندگی میں جہاں کہیں مجھے کسی ذہین و فریس سے ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ اس میں یہ خصوصیت ضرور پائی ہے۔ کہ وہ عوام سے ان کی سطح پر اُتر کر ملتا ہے۔ (برنارڈ شا)

آپ لڑکے کو کالج تک تو پہنچا سکتے ہیں لیکن اُسے مفکر تو نہیں بنا سکتے۔ (بیرڈ)

کسی فلسفی کی زبان سے نکلی ہوئی بات کبھی مہمل ہوتی ہے تو کبھی مضحک۔ (گولڈ سمتھ)

نکمی سے نکمی بات کی پچ کے لیے بھی کوئی نہ کوئی حمایتی نکل ہی آتا ہے۔ (گولڈ سمتھ)

سکون خواہ کتنا ہی دیرپا سہی ایک قسم کی حرکت ہی ہے۔ حد درجہ سست رفتار حرکت۔ (مونٹیس)

ابلیس کی جان پہچان مدح و ستائش کی جڑیں کاٹ دیتی ہے۔ (جارج سینڈ)

تمام دُنیا میں گھوم کر دیکھ لو، مفلس کے لیے کوئی دروازہ بھی کھلا ہوا نہیں ہے۔

ایک کامیاب ناشر کا کمال یہ ہے کہ وہ اشتہار کے ذریعے مُردہ ادب میں زندگی کی روح پھونک دیتا ہے۔ کسی قوم کے نصب العین اور زاویۂ نگاہ کا اندازہ اس کے اشتہارات کی نوعیت سے ہوتا ہے۔ (فارمن ڈوگلس)

نصیحت شاذونادر ہی مانی جاتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جو لوگ نصیحت کے زیادہ طالب ہوتے ہیں۔ انہی

پر نصیحت گراں گزرتی ہے۔ (چیسٹر فیلڈ)
کسی شخص کے مغرور ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان نتائج سے مطمئن ہے جو دوسرں سے اخذ کرنا چاہتا ہے۔ (ہیوم)
جب ہم کسی سے مشورہ یا نصیحت طلب کرتے ہیں تو ہمارے تحت الشعور میں یہ بات چھپی ہوتی ہے کہ یہ مشورہ یا نصیحت ہماری مرضی کے ہرگز خلاف نہ ہو۔ (سی کولٹن)
نصیحت سو بُرائیوں کی ایک بُرائی ہوتی ہے۔ (میری ڈو بیلر)
نصیحت کی بات ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتی رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی ایک شخص کے لیے یہ نصیحت مفید نہ ہو۔ نصیحت ایک احمقانہ فعل ہے بلکہ بسا اوقات مُہلک بھی۔ (آسکر وائلڈ)
کسوتِ ادب سے آراستہ ہونا دیبا و حریر پہننے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ (بیلی)
سائنیو! شکم کے ساتھ بحث کرنا مشکل ہے کیونکہ اس کے کان نہیں ہیں۔ (کیٹو)
انسان پر جو افتاد بھی پڑتی ہے وہ اکثر حالات میں اُسی کی بدعُنوانیوں اور بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے اور ساتھ ہی اس چیز کا خمیازہ کہ اس نے جلوت کو خلوت پر ترجیح دی۔ (تھامس وُلف)
قیمتوں کا خیال بھی یہی ہے کہ چوٹی پر کافی جگہ ہے۔
"سویرے اٹھیے اور سویرے سو جائیے" بیشک حفظِ صحت کا یہ زرّیں اصول ہے لیکن جتنے بڑے لوگوں سے ہمیں ملنے کا اتفاق ہُوا ہے ہم نے انہیں اس اصول پہ کاربند نہیں پایا۔ (جارج ایڈی)
کسی اعلیٰ خاندان سے نسبت فی الحقیقت بڑی چیز ہے لیکن اس سے کسی کی قدر و قیمت میں اضافہ نہیں ہوتا۔ شرف کی روایات تو آبا ہی سے وابستہ رہیں گی۔ وہ شخص بھلا ستاروں پر کمند کیسے ڈال سکتا ہے جو اپنے شجرۂ نسب کے دام میں پھنسا ہُوا ہے۔ (پلوٹارک)
طنز: عینک کی مانند ہے جس کے ذریعے اپنے چہرے کے سوا ہر چیز نظر آتی ہے۔
مجھے یہ خبر نہیں ہے کہ میرا دادا کون تھا۔ مجھے اگر تشویش ہے تو صرف یہ ہے کہ اس کے پوتے کو کیا ہونا چاہیے۔ (لنکن)
جس شخص کی زندگی کا نصب العین ملک و قوم کی خدمت ہوتا ہے، اسے شرفِ آبا کی چنداں احتیاج نہیں۔ (والٹیئر)
ایک بہترین اور منتخب دیوانِ اشعار ایک ایسا مطب ہے جہاں ہر مرض کے لیے عام ادویہ ہوتی ہیں۔ یہ ادویہ غذا کے طور پر بھی استعمال کی جا سکتی ہیں اور پرہیز کے طور پر بھی۔ (گریوز)
ناشتہ سے پہلے ہرگز کوئی کام نہ کرو۔ ناشتہ کا وقت اگر صبح نو بجے مقرر ہے تو بہتر یہ ہے کہ چھ بجے سو کر اُٹھا کرو۔ (ڈبلر)
اختصار پسندی میں الفاظی یا الہامی جوہر ہوتا ہے۔ (سنتایانا)
تاریخ کی ایسی کتابوں کا ملنا جن پہ جھوٹ کے حاشیے نہیں چڑھائے گئے، بے حد مشکل ہے۔
دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ تفصیل پہ اختصار کو ترجیح دی جائے۔ تفصیل ہمیشہ صبر آزما ہوتی ہے۔ (شیکسپیئر)
معاشرے میں دو ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، یا بہ شاطر یا بارِ خاطر۔ (بائرن)

انسان کی خاموشی سب سے بڑھ کر شنیدنی ہے۔
وحشی درندوں کو سدھایا جا سکتا ہے۔ لیکن لڑکے کسی صورت قابو نہیں آتے۔ (افلاطون)
کبھی کبھی میرا بچپن لوٹ آتا ہے تو مجھے بھی کھیل کود کی سوجھتی ہے۔ (جونس)
خاموشی سٹور میں جمع شدہ عقلمندی کا نام ہے۔
ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنے پڑوسی کا بوجھ برداشت نہ کر سکے۔ (فوکالڈ)
وہ پیشہ جس میں سب سے زیادہ تضیع اوقات ہوتی ہے، کلرکی ہے۔ (برنارڈ شا)
میرے کاروباری مشاغل اتنے پریشان کُن ہیں کہ بعض اوقات میں زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔ دوسرے لوگ مجھے اپنے سے کہیں زیادہ بہتر نظر آتے ہیں۔ (آسکر وائلڈ)
شاعر تخیّل استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا اُسے یہ خیال کر لینا چاہیے کہ سب لوگ اس کی نظمیں پڑھتے ہیں۔ (برس)
مصائب و آلام کی دو قسمیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہم خود اپنے لیے مصیبت مول لیں اور دوسرں کا بھلا چاہیں۔
محبّت کے نشے میں مرد اور عورت ایک دوسرے کے کردار کا صحیح جائزہ نہیں لے سکتے۔ (گلبرٹ)
قدرت نے کسی کسی انسان میں شرافت کُوٹ کُوٹ کر بھر دی ہے اتنی شرافت کہ کوئی اُسے نظر بھر کر دیکھے تو پکار اُٹھے۔
نگاہِ برق نہیں چہرۂ آفتاب نہیں وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں (شیکسپیئر)
کسی کُتّے کے آگے ہڈی ڈالنا فیاضی نہیں۔ یہ فعل فیّاضی اس صورت میں ہوتا جب اس ہڈی کی ہمیں بھی اتنی ہی اشتہا ہوتی جتنی کُتّے کو ہے۔ (جیک لنڈن)
تاریخ معمولی اور غیر اہم واقعات کا غلط ریکارڈ ہے۔ یہ واقعات ایسے شخص کے تحریر کردہ ہیں جس نے ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔
جو شخص کسی رقم کے ادا کرنے میں عجلت کرتا ہے اُس کے بارے میں اگر ہم یہ کہیں کہ اس نے دوسری رقم ادا کی ہے تو یہ بات کچھ غلط نہیں۔ (سرونٹیز)
اکثر شاعر بے حد غریب ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر غریب لوگ ہی شاعر بنتے ہیں۔
نصیحت کا بہترین مصرف یہ ہے کہ اُسے سنو اور سُن کر آگے بڑھا دو۔ (آسکر وائلڈ)
دوست کی ناکامی پر مغموم ہونا اتنا دشوار نہیں جتنا اُس کی کامیابی پر مسرور ہونا مشکل ہے۔ (آسکر وائلڈ)
ہم اپنے دوستوں کے بغیر رہ سکتے ہیں لیکن ہمسایوں کے بغیر نہیں۔ (ٹامس فلر)
دُنیا میں کوئی اچھا یا بُرا کام ایسا نہیں ہے جو انگریز لوگ نہ کرتے ہوں۔ لیکن آپ انہیں کبھی غلطی پر نہ پائیں گے۔ وہ ہر کام کسی اصول کی بنا پر کرتے ہیں۔ وہ آپ سے جنگ کرتے ہیں تو وطن پرستی کے اصولوں کی بنا پر۔ آپ کو لوٹتے ہیں تو کاروباری اصولوں کی بنا پر۔ کسی کو غلام بناتے ہیں تو سلطنت کے اصولوں پر۔ (برنارڈ شا)
خاموش رہنا اور بیوقوف شمار ہونا۔ بول کر تمام شبہات دُور کر دینے سے بہتر ہے۔

پہلے آپ بچوں کو بولنا سکھاتے ہیں۔ پھر انہیں خاموش رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ (جھوبرٹ)
بچوں کو نقّادوں کی بہ نسبت تربیت کے لیے نمونوں کی زیادہ ضرورت ہے۔ (جھوبرٹ)
شادی سے پہلے بچوں کی تربیت و پرورش کے متعلق میرے چھ نظریے تھے۔ اب میرے چھ بچے ہیں اور نظریہ ایک بھی نہیں۔ (لارڈ راچیسٹر)
استقلال ایسے شخص کی آخری پناہ گاہ ہے جو پُرفکر اور صاحبِ تخیّل نہ ہو۔ (آسکر وائلڈ)
زیورِ ادب سے آراستہ بچّہ اپنے والدین کی خوش سلیقگی کا بہترین اشتہار ہے۔ (نکلسن)
بچے کتّوں کی مانند بہت تیز قوتِ شامہ کے مالک ہوتے ہیں اور ہر چیز کا کھوج لگا لیتے ہیں خصوصاً بُری چیزوں پر ان کی نگاہ سب سے پہلے پڑتی ہے۔ (گوئٹے)
غیر جانبدار فریقین کی نگاہ میں بدمعاش ہوتے ہیں۔
شہری آبادیوں کی افزائش کا مطلب زیادہ سے زیادہ بُرائی کا اجتماع ہے۔ (کیڈس)
موجودہ نسل فضا میں پرواز کر سکتی ہے، وائرلیس کے ذریعے سے گفتگو کر سکتی ہے۔ ایٹمی طاقت سے فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ لیکن بچوں کی تربیت اور پرورش سے عاری ہے۔ (جھیوبرٹ)
ہر شخص ایک ضخیم کتاب ہے بشرطیکہ آپ کو پڑھنا آتا ہو۔ (ولیم المیری)
کسی جماعت میں داخل ہونے یا کسی فیشن پر عمل پیرا ہونے میں نہ سب سے آگے چلیے نہ سب سے پیچھے۔ (چیسٹر فیلڈ)
کسی خاتون کے پاس اس قدر کپڑے نہیں ہونے چاہئیں کہ پہننے کے وقت اُسے یہ سوچنا پڑے کہ کون سا لباس پہنوں۔ (ڈان ہیرلڈ)
محظوظ ہونا ان لوگوں کا کام ہے جو سوچ نہیں سکتے۔ (پوپ)
بعض لوگ شاکی ہیں کہ گلوں میں خار پنہاں ہیں لیکن ہمیں شاکر ہوں کہ کانٹوں کے ساتھ پھول بھی ہیں۔
شکایت خدا تعالیٰ کے حضور میں بہترین اظہارِ تشکر اور پُرخلوص انہماک کا حصّہ ہے۔ (سوفٹ)
اپنے آپ سے محبت کرنے والا رقیبوں سے محفوظ رہتا ہے۔ (فرینکلن)
ہم اس خوش خیالی سے دل بہلاتے ہیں کہ ہم ہر کسی کے آئینہ خیال کے جوہر منفرد ہیں۔ یہ محض واہمہ ہے ہماری طرح ہر کوئی اپنی ہی قصیدہ خوانی کرتا ہے۔ (چارلس ریڈ)
ہر گدھا دیوار پھاندنے سے پہلے خود کو ہرن تصوّر کرتا ہے۔ (گیرمین)
بعض لوگ بالکل انڈوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں کسی اور کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ (بلنگز)
ضمیر ہمارے اندر اس آواز کا نام ہے جو ہمیں متنبہ کرتی ہے کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔ (میکلن)
بلیشتر لوگوں کا ضمیر دوسرے لوگوں کے نظریات کی پیشگی دریافت کا نام ہے۔ (ٹیلر)
اس گائے کو ذرا دیکھیے اور سوچیے کہ دنیا کے بڑے بڑے سائنس دان گھاس کو دودھ میں تبدیل کرنے کا طریقہ

دریافت نہیں کر سکے۔ سائنس جسے ترقی کی دایہ بننا تھا، فرشتۂ اجل بن گئی ہے۔

بہت سے روشن خیال لوگوں کے پاس اس دُنیا میں سوڈا لر بھی نہیں ہیں اور ان کی روشن خیالی کی بدولت ایسا ہونا ممکن بھی نہیں۔ (رائڈ گرہاڈ)

خطیب اپنی گہرائی کی کمی لمبائی میں پوری کر دیتے ہیں۔ (رمان ٹیسیکو)

کوئی شک نہیں کہ میرے کپڑے پھٹے پرانے ہیں۔ لیکن یہ میرے اپنے ہیں۔ (مارشل)

اگر کوئی ماہر نفسیات یہ کہتا ہے کہ دُکھ کوئی چیز نہیں ہے تو لوگ جو ہمیں دُکھ دیتے ہیں، وہ کیا ہے۔ (سیموئل جانسن)

اس چیز کی ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ امیر والدین غریب والدین کو جنم نہیں دیں گے۔ (رپاچناؤ)

صبر مایوسی کی وہ قسم ہے جسے خوبی کا نام دے دیا گیا ہے۔ (پیرٹرسن)

صبر صرف اُس لاعلمی کا نام ہے کہ کیا کرنا چاہیئے۔

حب الوطنی کا لفظ آپ کا یہ یقین ہے کہ یہ ملک باقی تمام ممالک سے بہتر ہے کیونکہ آپ کی پیدائش اس میں ہوئی ہے۔ جب تک آپ نسلِ انسانی کو اس سے نجات نہیں دلائیں گے، امن کا خواب، خواب ہی رہے گا۔ (برنارڈ شا)

افلاس بے عزّتی کا موجب نہیں لیکن اس سے کوفت ضرور ہوتی ہے۔ (ولیم پٹ)

قلم کا زخم بے حد گہرا ہوتا ہے یہ زندوں کو موت کی نیند سلا سکتا ہے اور مُردوں کو زندگی بخش سکتا ہے۔ (جان ٹیلر)

اگر آپ کو لازماً کسی بات پر یقین کرنا ہے تو اس پر کیجیے کہ آپ بڑی حد تک دوسرے لوگوں جیسے ہی ہیں۔ (لوول)

میں لوگوں سے ملتا رہا ہوں۔ نتیجتاً مجھ میں رحم اور شفقت کا عنصر کم ہو گیا ہے۔ (سینیکا)

تنگ نظر وہ ہے جسے دو برائیوں میں سے ایک کو منتخب کرنا پڑے تو وہ دونوں کو اختیار کر لیتا ہے۔ (آسکر وائلڈ)

کوئی فلاسفر ایسا نہیں گزرا جو دانت کے درد کو صبر سے برداشت کر سکے۔ (شیکسپیئر)

تھوڑا سا فلسفہ انسان کو دہریت کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن فلسفے کی اتھاہ گہرائی اُسے مذہب کی طرف مائل کر دیتی ہے۔ (بیکن)

دُنیا کی تاریخ میں کسی ایسے فلاسفر کا ریکارڈ موجود نہیں جو خوش رہا ہو۔ (منکن)

استقلال کو بُرے معنوں میں "ضد" کہتے ہیں۔ (سٹرن)

شاید نفسیات کے اُن ماہروں نے جو یہ کہتے ہیں کہ "رُوئے زمین پر کوئی کامل انسان نہیں ہے" مقابلے کی تقریریں نہیں سنی ہیں۔

امن دو جنگوں کے درمیانی وقفے میں ایک دُوسرے کو فریب دینے کا نام ہے۔ (ڈیبرس)

بنی نوع انسان کے لیے یہ بات موجبِ مسرت ہے کہ خدا نے بہت تھوڑے لوگوں کو شاعری کی لعنت میں گرفتار کیا ہے۔ (دُکو)

دماغ کی ایک خاص خرابی کے بغیر نہ کوئی شاعر بن سکتا ہے اور نہ ہی اشعار سے محظوظ ہو سکتا ہے۔ (میکالے)

کوئی سیاست دان نہ تو اتنا بُرا ہوتا ہے جتنا کہ اس کے دشمن اُسے بتاتے ہیں، اور نہ ہی اتنا اچھا ہوتا ہے جتنا کہ اس کے دوست خیال کرتے ہیں۔

سیاسی جنگ وہ ہوتی ہے جس میں ہر کوئی لبوں سے گولیاں چلاتا ہے۔
اچھا لباس پہن کر اُجڈ لوگ بھی "مہذب" کہلانے کا شرف حاصل کر سکتے ہیں۔ (آسکر وائلڈ)
سوسائٹی میں آپ کی حقیقی پوزیشن وہی ہے جس کا اظہار لوگ آپ کی غیر حاضری میں کرتے ہیں۔ (ابڈگر ہاؤ)
تسکین ایک ذہنی حالت کا نام ہے اور یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب دوسرے بے چین اور بے قرار نظر آئے ہوں۔ (مور)
خاموشی اظہارِ نفرت کا سب سے بہتر طریقہ ہے۔ (برنارڈ شا)
ہماری زندگی اس پنڈولم کی مانند ہے جو کہ آنسوؤں اور قہقہوں کے بین بین جھولتا رہتا ہے۔ (بائرن)
قسمت کی بہترین خدمت یہی ہو سکتی ہے کہ بنک میں روپیہ پیسہ جمع کرایا جائے۔ (اولٹ وِنچل)
اگر عیاشی کو ابتدا میں نہ روکا جائے تو وہ آہستہ آہستہ "ضرورت" بن جاتی ہے۔
ہم ایسے عہد سے گزر رہے ہیں جس میں غیر ضروری چیزیں ہماری لازمی ضروریات بن کے رہ گئی ہیں۔
بعض لوگ اپنی ابتدائی عمر، زندگی کے آخری حصے کو ناخوشگوار بنانے میں صرف کرتے ہیں۔ (آسکر وائلڈ)
بہترین اور فائدہ رساں طلاق سے ناموافق ترین صلح بدرجہا بہتر ہے۔
جو شخص کسی کی غیر مناسب تربیت کی شکایت کرتا ہے حقیقتاً اپنی بدسلیقگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔
ہم ایسے شخص سے سخت نفرت کرتے ہیں جو کسی محفل میں ہم سے گفتگو کے دوران میں اِدھر اُدھر اس خیال سے دیکھے کر گویا وہ گفتگو کے لیے کسی بڑے شخص کا متلاشی ہے۔
عقلمند دوسروں کی اور بیوقوف اپنی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہیں۔
انسان کلیتہً پاگل ہے۔ وہ ایک پتہ یا حقیر سی چیونٹی نہیں بنا سکتا لیکن بیسیوں خدا بنا لیتا ہے۔
انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے تھوڑا سا دودھ اور فلالین کا ایک ٹکڑا کافی ہوتا ہے۔ لیکن جوں جوں وہ آگے بڑھتا ہے دُنیا کی وسعتوں کو تنگ محسوس کرتا ہے حتّٰی کہ ہفت اقلیم حاصل ہونے پر بھی قناعت نہیں کرتا۔ (سنیکا)
خدا تعالیٰ نے انسان کو فرشتوں سے کچھ ہی کم درجہ عطا فرمایا تھا لیکن انسان روزِ اوّل ہی سے اپنے درجے کو کم کرتا آیا ہے۔
خدا تعالیٰ کی طرف ایک شخص بھی ہو جائے تو اُدھر اکثریت ہو جائے گی۔
موسیقی انسان کی عالمگیر زبان ہے۔ (لانگ فیلو)
دوستوں کی تلاش اُنہیں ہوتی ہے جن کا انحصار دوسروں پر ہوتا ہے۔ خود گر اور خود نگر ہمیشہ تنہا رہتے ہیں۔
شادی اگر مرد اور عورت صرف اس وقت کریں، جب وہ ایک دوسرے کے اسیرِ محبت ہو جائیں۔ تو بہت سے لوگ کنوارے ہی مریں گے۔
بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اگر عورتیں نہ ہوتیں تو ناقابل برداشت ہوتیں۔
شادی سے بہت سے، دلچسپ اور جھگڑالو مردوں کی طبیعت صاف ہو جاتی ہے۔
ہر وہ شخص جو شادی کا گہری نظر سے جائزہ لیتا ہے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ ایک قسم کی غلامی ہے۔

بہت سی باتیں کہنی آسان ہیں لیکن کرنی مشکل۔ شادی بھی انہی میں سے ایک ہے۔

شادی ضرور کیجیے۔ خوش قسمتی سے آپ کو اچھی بیوی مل گئی تو زندگی پُر لطف ہو جائے گی۔ اگر بیوی اچھی نہ ملی تو آپ فلاسفر بن جائیں گے۔ (سٹڈنی سمتھ)

شادی اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب خاوند بہرا اور بیوی اندھی ہو۔

شادی کے خواہش مند نوجوان کو یا تو سب کچھ جاننا چاہیے یا کچھ بھی نہیں۔ (آسکر وائلڈ)

شادی محبت ہے اور محبت اندھی ہوتی ہے۔ لہٰذا شادی ایک ایسا ادارہ ہے جو اندھوں کے لیے قائم کیا گیا ہے۔

مصائب دو قسم کے ہیں، اوّلاً ہماری بدقسمتی ثانیاً دوسروں کی خوش قسمتی۔

نام میں کیا دھرا ہے۔ گلاب کو کسی نام سے پکاریں اس کی نکہت اور رنگینی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ (شیکسپیئر)

قدرت رحم و شفقت سے عاری ہے۔ ہم جتنی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں وہ سب ہماری محنت و مشقت "میں" کو مارنے اور مطالعہ کی پیداوار ہیں۔ (جی سمتھ)

کامل مذہبی انسان کو دنیا سے کلیتہً مایوس ہو جانا چاہیئے۔ جُوں جوں دُنیا پر سے اعتماد اُٹھتا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ جتنا انسان زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اتنا ہی خدا تعالیٰ سے زیادہ دُور ہوتا ہے۔ (جارج مین)

اگر لوگوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ ہوتا تو ہر ایک کو صرف اپنی ہی آمدنی پر گزارہ کرنا پڑتا۔ اعتماد کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔ (بلنگز)

ہم میں سے اکثر کے نزدیک حقیقی زندگی وہ ہے جسے ہم خود بسر نہیں کرتے۔ (آسکر وائلڈ)

اگر آپ کو اپنے اعتماد پر یقین ہے تو دوسروں کے اعتماد پر بھی یقین کرنا چاہیئے۔ (ونچل)

ایک فرومایہ شخص کو اقتدار کی شہ نشین پر بٹھانے سے بڑھ کر کوئی چیز تکلیف دِہ و نقصان رساں نہیں۔ (کلاڈین)

شہرت کی غیر فانی فہرست میں ایسے نام بھی شامل ہیں جس کی وجہ سے شہرت شرمندہ و نادم ہے۔ (ہزلٹ)

جو اُونچی جگہوں پر کھڑے ہوتے ہیں انہیں زیادہ طوفانوں اور آندھیوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ (شیکسپیئر)

شہرت اگر بعد الموت ہی حاصل ہوسکتی ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ (مارشل)

نصف دُنیا زراعت پیشہ ہے۔ ظاہر ہے کہ باقی نصف کا انحصار اسی پر ہے۔ (ٹل راک)

کسی کے لیے سر دردی کا باعث نہ بننا بہت آسان ہے۔ اپنے مخاطب کی تھوڑی سی تعریف کر دیجیے۔ (آسکر وائلڈ)

پرانی کہاوت ہے کہ خوشامد بیوقوفوں کی غذا ہے۔ اس کے باوجود بعض اہل تمیز بھی اس غذا سے بہرہ ور ہونے کو مذموم نہیں سمجھتے۔ (سوفٹ)

میرے خیال میں موت تکلیف دِہ ہے لیکن اتنی نہیں جتنی کہ زندگی۔ (ایکسیل منڈ)

حضرت آدمؑ انسان تھے۔ انہوں نے دانہ گندم اس لیے نہیں کھایا کہ یہ انہیں مرغوب تھا۔ بلکہ اس لیے کہ اس کا کھانا ممنوع تھا۔ (مارک ٹوین)

اچھا سامع خاموش خوشامدی ہے۔

فراموش کرنے والے خوش قسمت ہیں کیونکہ وہ اپنی غلطیوں پر قابو پالیتے ہیں۔ (مینز ڈوچ)

لباس اور اطوار میں گہرا تعلق ہے۔

بیمار ہوتے پر اپنے دشمنوں کو معاف کر دیجیے۔ تاکہ آپ صحت یاب ہو جائیں۔ (ہیرس)

قسمت اپنی عنایات دونوں ہاتھوں سے تقسیم نہیں کرتی۔ وہ غریبوں کو معدہ دیتی ہے لیکن خوراک نہیں دیتی۔ نتیجۃً اُن کی صحت کمزور رہتی ہے۔ امیروں کو خوراک دیتی ہے لیکن معدہ نہیں دیتی۔ تمام لوازماتِ زندگی ہوتے ہوئے وہ ان سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔ (شیکسپئر)

انکسار ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعے ہم اپنے آپ کو صحیح پوزیشن میں خدا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ (فرینک ولسن)

جسم کے لیے دوا کی کوئی ضرورت نہیں، بشرطیکہ کھایا ہُوا ہضم کرنے کے بعد نیا کھانا کھایا جائے۔ (ڈاکٹر ہمفری)

نیکی جو بھی کر سکتے ہو کرو۔ جن ذرائع سے بھی کر سکتے ہو کرو۔ جس طرح بھی کر سکتے ہو کرو۔ جہاں بھی کر سکتے ہو کرو۔ جب بھی کر سکتے ہو کرو۔ جس کے ساتھ بھی کر سکتے ہو کرو۔ جب تک کر سکتے ہو، کرو۔ (ویسٹن)

دوستی کے بندھن کو مضبوط بنانا ہے تو دوستوں سے ملتے رہیئے۔ اگر بہت ہی مضبوط بنانا ہے تو کبھی کبھار ملیے۔

آپ کو ہر اس دوست کے ساتھ جسے آپ خریدتے ہیں ایک دشمن مفت میں مل جاتا ہے۔ (والٹر)

اسی مضمون کا فارسی شعر ہے۔ ؎

با ہر کسے کہ دوستی اظہار می کنم خوابیدہ دشمنی ست کہ بیدار می کنم

میری تمام دلچسپیاں مستقبل سے وابستہ ہیں۔ کیونکہ مجھے اپنی زندگی کا باقی حصہ مستقبل ہی میں بسر کرنا ہے۔ (کیٹرنگ)

نابغۂ روزگار کو نہ صرف یہ کہ زندگی میں شہرت نصیب نہیں ہوتی بلکہ لوازماتِ زندگی بھی میسّر نہیں ہوتے۔ موت کے بعد اس کی یادگاریں تعمیر ہوتی ہیں اور شہرتِ عظیم نصیب ہوتی ہے۔ ؎

رہے زندگی میں ذلیل و خوار ہمیں کیا جو تربت بنی شاندار

حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اس وقت آتا ہے جب ساری دنیا آپ کو چھوڑ چکی ہوتی ہے۔ (ونچل)

اکثر لوگوں کا اظہارِ تشکر زیادہ فوائد حاصل کرنے کا پوشیدہ راز ہوتا ہے۔

مسرّت مستقلاً اور متواتر دھوکا کھانے کا نام ہے۔ (سوئفٹ)

بن بلائے مہمانوں کا خیر مقدم اس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ جا چکے ہوتے ہیں۔ (شیکسپئر)

جو شخص دوسروں کی عادات پر معترض ہوتا ہے وہ خود اپنی بُری عادت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ (ہاپکنز)

اگر آپ کو مسرّت تلاش ہے تو یہ آپ کو اسی طرح ملے گی جس طرح ایک بڑھیا نے کافی جستجو کے بعد اپنی گم شدہ عینک تلاش کی تھی حالانکہ عینک اس نے لگا رکھی تھی۔ بلنگز

کاملاً مسرور ہونے کے لیے انسان کو تماماً بیوقوف ہونا چاہیئے۔ (برنارڈ شا)

اگر زندگی کے باغ سے غم کے کانٹے چُن لیے جائیں اور وہ سراپا گلدستہ مسرت بن جائے تو ایسی زندگی دوزخ سے بھی بدتر ہوگی۔ (برنارڈشا)

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث میں اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

میرا خیال ہے کہ ہم اجنبیوں کی حیثیت سے بہتر زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ (شیکسپئر)

تاریخ انسانی جرائم، ظلم وستم اور بدنصیبیوں کی تصویر ہے۔ (والٹیر)

مجھے وہ آدمی یاد آتا ہے جس نے اپنے ماں باپ کو قتل کر دیا جب اسے سزا سنائی جانے لگی تو اس نے اس بنا پر رحم کی درخواست کی کہ وہ یتیم ہے۔ (لنکن)

تجربے پر اُمید کا غلبہ عاجلانہ نکاحِ ثانی ہے۔ (سیموئل جانسن)

دوسروں کو حقیر سمجھنا بے حد آسان ہے مگر خود کو حقیر سمجھنا بے حد مشکل ہے۔ (بوروف)

دروغ گوئی لڑکے کی خامی، عاشق کا آرٹ، کنوارے کی خوبی اور شادی شدہ عورت کی فطرت ثانیہ ہے۔

وکیل ایک ایسا تعلیم یافتہ انسان ہے جو آپ کی جائداد آپ کے دشمنوں سے بچا کر خود رکھ لیتا ہے۔ (لارڈ برانم)

صرف وکیل ہی ایسے لوگ ہیں جو اپنے الفاظ اور اپنا غصہ کرائے پر دیتے ہیں۔ (مارشل)

اگر قانون کی زبان ہوتی تو وہ سب سے پہلے قانون دانوں کی شکایت کرتا۔ (لارڈ ہیلی فیکس)

دو قانون دانوں کے ہتھے چڑھا ہوا دیہاتی دو بلّیوں کے درمیان پڑی ہوئی مچھلی کی مانند ہے۔ (فرینکلن)

عقلمند قانون دان خود کبھی قانون کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتا۔

اگر طنبورے میں کوئی شگاف ہو تو وکیل کا کام اس شگاف کو وسیع کر کے مالِ غنیمت حاصل کرنا ہے۔

دوہری چال نہ چلنے والا قانون دان نہیں ہو سکتا۔

بیوقوف اور ضدی اشخاص بہترین قانون دان بنتے ہیں۔ آخر نتیجہ یہ ہے کہ آپ قانون دانوں کے بغیر نہ تو زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ مر ہی سکتے ہیں۔ (جوزف)

آپ بولتے وقت یہ نہ بھولیے کہ ہر مسئلے کی عمارت چرب زبانی کی بنیاد پر نہیں بلکہ قانون پر کھڑی ہوتی ہے۔

خواہ کچھ بھی ہو جائے، انصاف کے دروازے پر دستک نہ دیجیے۔ ظلم برداشت کرنا، مشکلات میں گھر جانا بہتر ہے اس سے کہ عدالتوں کے چکّروں میں پھنس کر صحت اور دولت تباہ کی جائے۔ (سر جان ولز)

زندگی ایک غیر ملکی زبان ہے جس کا تلفّظ ہر کوئی غلط ادا کرتا ہے۔ (کرسٹوفر مارلو)

موت سے تمام مصائب اور شادی سے تمام مسرّتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ (بائرن)

انسان صبح کے وقت اپنے آپ کو آہستہ آہستہ مرتا دیکھنے کے لیے کتنا خوش خوش اٹھتا ہے۔ (ہاسکنز)

بالاقساط ادائیگی کے وعدے پر کوئی چیز خریدنے میں بظاہر کچھ قباحت نہیں ہے لیکن اصل دقت تو بروقت ادائیگی ہی ہے۔

برداشت عقلمند آدمی کا وہ صبر ہے جس کا مظاہرہ وہ جاہل کی باتیں سننے کے وقت کرتا ہے۔

تیز زبانی ایک ایسا آلہ ہے جو استعمال سے گھس کر اور بھی تیز ہو جاتا ہے۔

خیالات مستقبل کے کارناموں کے بیج ہیں۔ اِدھر خدا تعالیٰ نے سوچا اُدھر دُنیا بن گئی۔

اِنسان سرکنڈے کی مانند کمزور اور ضعیف ہے تاہم یہ سوچنے والا سرکنڈا ہے۔

اِنسان جتنی باقاعدگی اور مستعدی کے ساتھ کھانے کے متعلق سوچتا ہے کسی اور چیز کے متعلق نہیں سوچتا۔ (سموئل جانسن)

اکثر لوگ چوری سے محض اس لیے بچ رہتے ہیں کہ وہ ہر چیز کو مقفل پاتے ہیں۔

اچھا ذائقہ بُرے ذائقے سے بہتر ہے اور بُرا ذائقہ، ذائقہ نہ ہونے سے افضل ہے۔

دُنیا میں سب سے بڑی آبی قوّت عورت کے آنسو ہیں۔

قسم کھانا قابلِ نفرت اور بے سُود فریب دِہ رسم ہے۔ (واشنگٹن)

دوستوں کی محرومیوں اور نامرادیوں سے ہر کوئی ہمدردی کر سکتا ہے لیکن ان کی کامیابیوں سے ہمدردی کرنے کے لیے بے حد بلند فطرتی کی ضرورت ہے۔

اگر کامیاب لوگ زندگی سے محفوظ ہونے میں بھی کامیاب ہوتے تو لوگوں میں کامیابی حاصل کرنے کا جذبہ بہت بڑھ جاتا۔ (ولا کاڈتھ)

پُر اُمید ہو کر سفر کرنا منزل پر پہنچنے سے بہتر ہے۔ (سٹیونسن)

درخت مجھے بہت پسند ہیں کیونکہ وہ دوسری تمام چیزوں کی بہ نسبت اپنے ماحول کے سانچے میں بہتر طور پر ڈھل جاتے ہیں۔

یہ معلوم کر کے ایک گونہ اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ ہمارے پڑوسی کے مصائب بھی اتنے ہی سخت ہیں جتنے کہ ہمارے ہیں (جارج مور)

اگر تردّدات و تفکّرات لوگوں کی پیشانی پر رقم ہوتے تو وہ لوگ جو دُوسروں پر رشک کرتے ہیں، ان پر رحم کھاتے ہیں (شیکسپیئر)

خواہ کچھ بھی ہو مصیبت کے دن گزر ہی جاتے ہیں۔ اگر یہ نہیں گزرتے تو آخر انسان خود ہی گزر جاتا ہے۔ (شیکسپیئر)

بُرے ارادے سے سچ بولا جائے تو وہ ہر قسم کے جھوٹ پر سبقت لے جاتا ہے۔ (بلیک)

سچائی دنیا میں سب سے قیمتی چیز ہے۔ ہمیں اس کے مصرف کے بارے میں کفایت شعاری سے کام لینا چاہیے (مارک ٹوین)

جب تک میں نے چند آدمیوں کا پوسٹ مارٹم ہوتے نہیں دیکھا، مجھے یہ یقین نہیں آیا کہ بدصورت ترین انسانوں کی انتڑیاں بھی خوبصورت ترین آدمیوں کی آنتوں کی طرح ہو سکتی ہیں۔ (ہالڈن)

انسان پاگل نہ ہو تو غرور کے علاوہ اس کی ہر بیماری کا علاج ممکن ہے۔ (روسو)

قرض کے دریا میں اُترنے سے پہلے اپنی اجرت میں اضافہ کر لیجیے۔

مُزاح سے محرُوم کو دُنیا میں کھانا کھانے کے سوا کیا کام باقی رہ جاتا ہے۔ (چسٹرٹن)

کامیابی کا دارومدار آپ کی محنت یا دوسروں کی جہالت پر ہے۔

حسد اپنے آپ سے زیادہ محبت کی پیداوار ہے۔

آپ کی کامیابی میں کوئی ایسی چیز ضرور ہے جس سے آپ کے بہترین دوست بھی ناخوش ہیں۔ (مارک ٹوین)

دنیا میں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ بیوقوف پُر یقین اور عقلمند شک و شبہ میں گھرے رہتے ہیں۔ (رسل)

حقائق بے حد تلخ ہیں البتہ اعداد و شمار میں کچھ شیرینی موجود ہے۔ (فورٹ وین)

دقیانوسی مدبّر وہ ہوتا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ پہلی خرابیاں ہی موجود رہیں۔ لیکن آزاد خیال اور زمانہ حال کا مدبّر چاہتا ہے کہ نئی خرابیاں پرانی خرابیوں کی جگہ لے لیں۔ (پیرا چناؤ)

باتیں اکثر کیجیے لیکن انہیں طول نہ دیجیے۔ کیونکہ اس طرح آپ اگر دوسروں کو محظوظ نہیں کریں گے تو اُکتاہٹ کا موجب بھی نہیں بنیں گے۔

تعلیم قابلِ قدر ہے لیکن اس سے کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ یہ انسان کو بولنا سکھاتی ہے۔ لیکن یہ سبق نہیں دیتی کہ کب اور کتنی دیر بولنا چاہیے۔

اگر عقلمند اور بیوقوف دونوں اسیرِ محبّت ہو جائیں تو ان میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔

مجھے ایک برجستہ تقریر کرنے کے لیے تین ہفتے سے زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔ (مارک ٹوین)

نظم ایک ایسا لائسنس یافتہ ذریعہ ہے جس سے پبلک میں ایسی فحش باتیں کہی جاسکتی ہیں جو کسی اور ذریعے سے کہنی مشکل ہے۔

تنہائی کردار کے علاوہ ہر چیز دے سکتی ہے۔ مجھے تنہائی سے بہتر کوئی ساتھی نہیں ملا۔ (تھوریو)

سوسائٹی دو قسم کے لوگوں کا مجموعہ ہے۔ اوّلاً وہ لوگ جنہیں بھوک کم ہوتی ہے۔ لیکن ان کے پاس سامانِ خورد و نوش وافر ہوتا ہے۔ ثانیاً وہ لوگ جنہیں بھوک زیادہ ہوتی ہے لیکن ان کے پاس سامانِ خورد و نوش کم ہوتا ہے۔

ایک شخص کی اس دنیا میں دلچسپی اس کے ذاتی مفاد تک ہی محدود ہے۔ (برنارڈ شا)

سوسائٹی مہذب خانہ بدوش لوگوں کا گروہ ہے۔ یہ دو قبیلوں کا مجموعہ ہے۔ اوّل ستانے والے، دوم ستاتے ہوئے۔

قسمت کے متعلق یہی بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ تغیر پذیر ہے۔

زندگی ایک مرض ہے۔ دو شخصوں میں جو فرق ہے وہ صرف مرض کے درجے ہی کا ہے۔ (برنارڈ شا)

انسانی زندگی میں قسمت کا بہت عمل و دخل ہے جو شخص خود کو حوادثِ زمانہ سے محفوظ سمجھتا ہے، وہ خوابوں کی دنیا میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ (فاسڈک)

جو شخص صرف عقلمند ہی ہے قابلِ رحم حالت میں زندگی بسر کرتا ہے۔ (والٹیر)

اگر ہم خود پسندی اور "ثنائے خود بروئے خود" کا سہارا نہ لیں تو ہم زندگی کے لطف سے بے بہرہ رہیں۔

جج قانون کا ایک ایسا طالب علم ہے جو اپنے امتحان کے پرچے خود مارک کرتا ہے۔ (بیکن)

میں بڑی آسانی سے سقراط کو سکندر خیال کر سکتا ہوں لیکن سکندر کو سقراط ہرگز تصور نہیں کر سکتا۔ (بریڈلے)

صرف عدم خلوص ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے ہم اپنی شخصیتوں کو عظمت بخش سکتے ہیں۔ (آسکر وائلڈ)

زندگی ایک ایسے شعلے کی مانند ہے جو ہمیشہ جلتا رہتا ہے۔ ہر بچے کی پیدائش اس کی گھٹتی ہوئی حرارت کو بحال کرتی رہتی ہے۔ (برنارڈ شا)

کسی اہلِ قلم نے بھی حصولِ دولت کے علاوہ کسی اور مقصد کے پیشِ نظر کچھ نہیں لکھا۔ (سموئل جانسن)

مہمل اس بیان یا یقین کا نام ہے جو کسی شخص کے اپنے خیالات کے برعکس ہو۔
فاصلہ ستائش میں اضافہ کرتا ہے۔
مصیبت اس حالت کا نام ہے جس میں انسان اپنے مدّاحوں سے نجات پا کر خود کو بچا پاتا ہے۔ (سموئل جانسن)
تمام برائیاں اور مصیبتیں تنہائی سے نفرت کی پیداوار ہیں۔
شجرۂ نسب کے سائے میں پناہ لینے والا دُنیا میں کوئی جگہ حاصل نہیں کر سکتا۔
ستائش نرم و شیریں الفاظ میں دوسرے کو اپنے سے تشبیہ دینے کا نام ہے۔
بُرے استدلال کا بہترین اور موزوں جواب خاموشی ہے۔
دلائل کو مضبوط کرنے کے بجائے آواز کو بلند نہیں کرنا چاہیے۔
دلائل جتنے کمزور ہوں گے الفاظ اتنے ہی سخت ہوں گے۔
کامیابی آپ کا دروازہ صرف ایک مرتبہ کھٹکھٹاتی ہے۔ مگر آفات و مصائب کسی وقت بھی یورش کر سکتے ہیں۔
عورت سے بے نیاز ہو کر زندگی بسر کرنا ناقابلِ معافی جرم اور فطرت سے بغاوت ہے۔ (بٹلر)
اگر فیشن کی سرپرستی عورت نہ کرتی تو ہزاروں درزی بھوکے مر جاتے۔ (آسکر وائلڈ)
میٹھی سے میٹھی عورت میں بھی تُرشی ہوتی ہے۔ (نطشے)
عورت کا دل ہمیشہ چاند کی طرح بدلتا رہتا ہے۔ لیکن اس کا باعث ہمیشہ مرد ہو گا۔
وہ جو عورت کی خواہش کے رُخ کو قوّت سے بدلنا چاہتا ہے بیوقوف ہے۔ (سموئل ٹیوک)
عورت کے ساتھ زندگی بسر کرنا مشکل ہے۔ مگر عورت کے بغیر زندگی بسر کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ (آسکر وائلڈ)
مرد ساری عمر عورتوں ہی میں گھرا رہتا ہے۔ عورت کبھی ماں، کبھی بہن، کبھی بیوی، کبھی بیٹی کے رُوپ میں اس کے ساتھ رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص شادی نہیں کرتا تو بھی اُسے مشہور انگریزی شاعر ورڈز ورتھ کی طرح بہن کی رفاقت میں زندگی بسر کرنی پڑے گی۔ یا مشہور فلاسفر ہربرٹ سپنسر کی طرح اپنے گھر کی منتظمہ کا دست نگر رہنا پڑے گا۔
عورت سب سے اچھا اور سب سے آخری آسمانی تحفہ ہے۔ (ملٹن)
ایسے خوش نصیب شوہر بہت کم ہیں جو دن میں کم از کم ایک بار اپنی بیوی کی جان کو نہ روئیں اور کنواروں پر رشک نہ کریں۔ (لاہرن)
میں عورت کے بارے میں اپنی سچّی رائے اس وقت دوں گا، جب میرا ایک پاؤں قبر میں ہو گا۔ پھر جب میں اپنی رائے دے چکوں گا تو تابوت میں کُود کر اس کا ڈھکنا بند کر لوں گا اور اندر سے پکاروں گا "اب میرے ساتھ جو چاہو کر لو۔" (ٹالسٹائی)
بعض لوگ اچھا بننے کے لیے اتنی بھی کوشش نہیں کرتے جتنی کہ اچھا نظر آنے کے لیے کرتے ہیں۔
ہر شخص کائنات کے حدود اپنے تصوّر کے حدود کے مطابق متعیّن کرتا ہے۔ (شوپنہار)
جنگ کے بعد ملک میں تین قسم کی فوج رہ جاتی ہے۔ زخمیوں اور اپاہجوں کی فوج۔ ماتم کرنے والوں کی فوج اور

چوروں کی فوج۔

جنگ میں لڑنے والے سپاہیوں کو روزانہ ایک ڈالر ملتا تھا اور موت کے بعد ان کا کفن و دفن مفت میں ہوگیا، (یعنی دفن نہ ہوسکے)۔ فلموں کے ہیرو ہالی وُوڈ کی فرضی جنگ میں ایک دوسرے پر فائر کرتے ہیں تو انہیں بے حساب معاوضہ ملتا ہے۔

حق گوئی پر الزام لگ سکتا ہے لیکن اس کو شرمندہ نہیں کیا جا سکتا۔

آئندہ کی جنگ کی طرح یہ جنگ ایک ایسی جنگ ہے جو جنگ ختم کرنے کے لیے لڑی جا رہی ہے۔ (لائڈ جارج)

جنگ کا اعلان بڑی عمر کے لوگ کرتے ہیں۔ لیکن لڑتے اور مرتے ہیں نوجوان۔ اور پھر نوجوان ہی جنگ سے پیدا شدہ مصائب اور اعزازات کو ورثہ میں حاصل کرتے ہیں۔ (ہُوور)

ہم انفرادی طور پر ہی نہیں بلکہ قومی طور پر بھی پاگل ہیں کبھی کبھار کوئی قتل ہو تو ہم اس کا تدارک کرتے ہیں۔ لیکن لاکھوں لوگ جنگ کے شعلوں کی نذر ہو جاتے ہیں تو ہم خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں۔

ایک آدمی کو مارنا قانون کی نگاہ میں "قتل" ہے۔ اور قاتل کو اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ لیکن ہزاروں لوگوں کو قتل کرنے سے شہرت حاصل ہوتی ہے۔

مُزاح گفتگو کی نمکینی ہے، خوراک نہیں۔

شادی دراصل ایک ایسا جنازہ ہے جہاں دولہا اپنے ہی پھول سونگھتا ہے۔

جو خاوند اپنی بیوی کو خبریں سناتا ہے اس کی شادی ہوئے تھوڑا ہی وقت گزرا ہوتا ہے۔

میرے لیے اگر کوئی چیز سکون بخش ہے تو یہی ہے کہ میں شادی شدہ نہیں ہوں۔

سب سے بڑا خطرہ اس وقت ہوتا ہے جب "نصف عاقل" ایک طرف ہوں اور "نصف احمق" دوسری طرف۔ (گوئٹے)

جب سے مرد نے عورت کا رُوپ دھارا ہے وہ اُس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔

عورت نے سب سے پہلے حضرت آدمؑ کو احمق بنایا تھا۔ اس وقت سے یہی ہوتا آیا ہے آج بھی اس کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔ کہ عورت نے مرد پر حکومت کی اور شیطان نے عورت پر۔

عورت کی "ہاں" اور "نہیں" میں اتنا قُرب ہوتا ہے کہ ان کے درمیان سوئی بھی نہیں سما سکتی۔

یہ خیال کہ مَیں عورت ہوں اور مجھے کسی عورت سے شادی نہیں کرنا پڑے گی۔ میرے لیے بے حد اطمینان بخش ہے۔ (میری مانٹیگیو)

"تردّد و تفکر" ہمیشہ معمولی چیزوں سے جنم لیتا ہے۔ ہم ہاتھی سے تو نپٹ سکتے ہیں مکھی سے نہیں۔

ڈاکو کو یا تو آپ کی زندگی کی ضرورت ہوگی یا دولت کی۔ عورت کو دونوں کی ضرورت ہے۔

موت کو قصرِ زندگی میں باریابی کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں۔ وہ جس دروازے سے چاہے آسکتی ہے (تھامس براؤن)

جو شخص پہلے ہی سے نشیب میں ہو اُسے زوال کا کیا اندیشہ۔ زوال کا خسارہ تو اُنہیں لاحق ہوتا ہے جو کبھی زندگی میں سربلند و سرفراز بھی رہے ہوں۔ (جان بن یل)

شعرانے عشق کو ایک شریر اور شوخ لڑکے سے تشبیہ دی ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو ہمیں اس شوخ و تنگ لڑکے کی اصلاح کے لیے زجر و توبیخ اور زدوکوب سے بھی کام لینا چاہیئے۔ (سموئل ٹیلر)

اگر دنیا میں کوئی بہشت کے مزے لوٹنا چاہے تو اُسے چاہیئے کہ ایک ہفتہ گھر رہے اور ایک ہفتہ گھر سے باہر سفر میں۔ سفر سے واپسی پر گھر بہشت کا منظر پیش کرتا ہے۔ (دولکارٹیس)

قدیم دَور کے شرفا یہ کہا کرتے تھے کہ عورت کے نام کی اشاعت صرف دو مرتبہ ہونی چاہیئے۔ ایک تو اس وقت جب کہ وہ کسی کے عقد میں آئے اور دوسرے اس موقع پر جب وہ دنیا کو خیر باد کہے۔ (آرتھر)

جھوٹ بولنا سچی بات کہنے سے زیادہ مشکل ہے۔ سچ کہیے تو یہ یاد رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ آپ نے کیا کہا تھا۔ (مارٹن)

دُنیائے مزدُور

سرمایہ داروں کا قول ہے کہ انسانی سوسائٹی دو حصوں میں منقسم ہے۔ (۱) بھیڑیں (۲) اُون تراشنے والے۔ ہمیشہ اُون تراشنے والے گروہ میں شامل رہو۔ (بشپ ٹیلی رنڈ)

جب تک ایک انسان دوسرے انسان کی پیٹھ پر سوار ہے، دُنیا میں امن و امان محض ایک خوبصورت خواب ہی رہے گا۔ (ریکون)

(انساں پہ حاکمیتِ انساں کو دیکھ کر — انسانیت نے جل کے لگائی بدن میں آگ
باغِ جہاں میں عدمِ مساوات ہے شرر — لو آج اس نے پھُونک دی سارے چمن میں آگ)

تمام جائدادیں اور جاگیریں چوری اور ڈاکہ زنی کا نتیجہ ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ ڈاکہ جائداد کے موجودہ مالک نے ڈالا ہو۔ یہ کام اس کے باپ، دادا، پردادا یا دس بیس پشتوں تک کے آبا و اجداد کا بھی ہو سکتا ہے۔ (رچرڈ ھن)

(آں کس کہ جمع شد چنیں مال و زرش — زر نہ بارید ز آسماں بسرش
از کجا جمع کرد ایں ثروت و مال — یا خودش دُزد بود یا پدرش)

ایک مزدُور ایک روپیہ روزانہ مانگتا ہے کہ بیوی بچّے والا ہے۔ دوسرا صرف بیوی والا چھتّر پیسے پر رضامند ہو جاتا ہے۔ تیسرا جس کی شادی نہ ہوئی تھی پچاس پیسے ہی پر قناعت کر لیتا ہے۔ تیسرے دن اس کی خوش قسمتی کا بھی خاتمہ ہو جاتا جب کہ ایک فاقہ کش پچیس پیسے روزانہ پر بخوشی رضامند ہو جاتا ہے۔

قوم افراد کا مجموعہ ہے۔ افراد خوشحال ہیں تو قوم بھی خوشحال ہے۔ مگر ہم ایسے منطقی ہیں کہ ایک دوسرے کی بربادی ہی میں اپنی خوشحالی کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

مجھے تو مزدوروں کا خون چُوسنے والے سرمایہ داروں کی نسبت مردم خور وحشیوں اور درندوں میں ہزار گنا زیادہ انسانیت، مروّت، اور رحمدلی کے آثار نظر آتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو ایک دفعہ ہی انسان کو چیر پھاڑ کر کھا لیتے ہیں۔

لیکن سرمایہ دار تو زندگی بھر مزدوروں کا خون چوستے رہتے ہیں اور اُن کی نسلوں کی نسلیں تباہ کر ڈالتے ہیں، اور مزا یہ ہے کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہونے دیتے۔ (لوئس بلاک)

غریب و مفلس کے لیے صبر اختیار کرنا اور مطمئن بیٹھ رہنا خودکشی کے مترادف ہے۔ غریب ہوکر جو بے چین، جھگڑالو اور اپنے حقوق کی خاطر جدوجہد کرنے والا نہیں ہے، وہ ابدالآباد تک چاہِ ذلت میں پڑا اپنے نصیبوں کو روتا رہے گا۔ (آسکر وائلڈ)

زمانہ قدیم میں امیروں نے غریبوں کی بغاوت کو روکنے کا، یہ مؤثر طریقہ ایجاد کیا تھا کہ غریبوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی کا تھوڑا سا حصہ انہیں خیرات کی صورت میں واپس دے دیا کرتے تھے۔ (آسکر وائلڈ)

جس مُلک میں مجھے ایک قدرتی پیداوار یعنی اخروٹ توڑنے کا بھی اختیار نہیں، اگر کل کوئی دشمن اس پر چڑھائی کر دے اور اس کی حفاظت کے لیے مجھے تلوار اُٹھانے کا حکم ملے تو میں اپنے ہتھیار یہ کہتا ہوا زمین پر پھینک دوں گا کہ "اس کے لیے پورٹ لینڈ کا نواب ہی جاکر لڑے جو کہ اس علاقے کے مالک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔" (سپنس روسی)

جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہ ہو روزی　اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو (اقبالؒ)

زر و جائداد کی ناجائز اور غلط تقسیم نے انسانی زندگی پر بہت ہی بُرا اور مُضر اثر ڈالا ہے۔ جن کے پاس ضرورت سے کم زر ہے وہ انسانیت اور خودداری کے درجے سے نیچے گر جاتے ہیں۔ خوشامد و عجز وغیرہ خرابیاں ان کی خصوصیت بن جاتی ہیں۔ اور جن کے پاس ضرورت سے زیادہ جمع ہو جاتا ہے وہ بھی انسانیت سے گر جاتے ہیں۔ اُن میں غرور و نخوت اور عیش و عشرت کے نقائص پیدا جاتے ہیں۔ لہٰذا مفلس و سرمایہ دار ہر دو جوہرِ انسانیت سے محروم ہیں۔ (سوشلسٹ)

جائداد اور مال و دولت تو امیر آدمیوں کے پاس بچھو کے ڈنک کی مانند ہے۔ ڈنک نکلتے ہی وہ بھی دیگر حشرات الارض کی طرح زمین پر رینگتا پھرے گا۔

اگر میں دُنیا کا ڈکٹیٹر بن جاؤں تو میں ایسا قانون بنا دوں کہ تمام اشخاص کو جن کی روزانہ آمدنی ایک پونڈ سے کم ہو، انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ (برنارڈ شا)

یہ عجیب انصاف ہے کہ آج کل محنتِ شاقہ اور گندے کام کرنے والوں کو سب سے کم مزدوری ملتی ہے اور آسان کام کرنے والوں کو خاصی اُجرت دی جاتی ہے۔ مگر سب سے زیادہ انہیں کو ملتا ہے جو کچھ کام نہیں کرتے۔ (برنارڈ شا)

اقلیت اکثریت میں تبدیل ہوتی ہے۔ اقتدار چھینتی ہے اور پھر اقلیت سے نفرت کرنے لگتی ہے۔ (رالبسن)

کیا یہ دُنیا کا عجیب گورکھ دھندا نہیں ہے کہ سال بھر تک سخت محنت کرنے اور گرمی، سردی، برسات وغیرہ کی سختیاں برداشت کرنے کے باوجود ایک کسان یا مزدور تو مشکل ہی سے اتنے پیسے بھی نہ کما سکے، جس سے وہ اپنے اہل و عیال کی پوری طرح پرورش کر سکے۔ مگر ایک وکیل عدالت میں صرف آدھ گھنٹے کی بحث سے ایک خونی قاتل کو بچا کر اور انصاف کے گلے پر چھری چلا کر دو چار ہزار روپیہ کمائے۔ (برنارڈ شا)

اُس قوم میں ہرگز سچی ہمدردی و حقیقی انسانیت نہیں آتی جس میں امیر غریب سے یا غریب امیر سے جھجک کر پیچھے

ہٹ جاتا ہے۔ ؎

(کیا خاک ہی سے ان کا بنا ہے خمیر بھی اللہ تیرے بندے ہیں کیا یہ امیر بھی)

شام کو فٹ بال، ہاکی ٹینس، گھوڑ دوڑ اور پولو وغیرہ کو اپنی تندرستی کے لازمی تصور کرنے والو! دیہاتوں میں جا کر ان بدنصیب کسانوں کا ہاتھ کیوں نہیں بٹاتے جن کے جسم کی ہڈیاں سخت محنت کے باعث چُور ہو رہی ہیں۔ (برنارڈ شا)

وہ دوزخ جس میں قاعدۂ مساوات ہو، اس جنّت سے بہتر ہے جس میں تفریقِ درجات ہو۔ (ملٹن)

اگر کسی رات کو اچانک کوئی ایسی وبائے خاص پھیلے کہ جس کے سبب سے دُنیا بھر کے تمام بادشاہ، نواب، مہاراجے رائے، رئیس، جاگیردار، سیٹھ، ساہوکار، اُمرا، سرمایہ دار، وکیل اور بیرسٹر وغیرہ مر جائیں تو نظامِ عالم میں ذرّہ بھر فرق نہ پڑے۔ لیکن اگر اس قسم کی وبا کے شکار کسان، جلاہے، لوہار، بڑھئی، دھوبی، درزی، معمار، تیلی، نائی، چمار، بھنگی، گوالے گڈریے، کوچوان، قلی، مزدور، گاڑیبان اور موٹر ڈرائیور وغیرہ شکار ہو جائیں تو یہ دُنیا کسی کام کی نہ رہے اور بہت بڑا دوزخ بن جائے۔ (ٹالسٹائی)

(آسکر وائلڈ)

غریب شخص امیر کا اتنا محتاج نہیں جتنا کہ امیر شخص غریب کا۔ کیونکہ امیر کا کوئی کام غریب کے بغیر چل ہی نہیں سکتا۔

اگر ایک آدمی اپنے حصے کی روٹی پیدا کرنے سے جی چراتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ کوئی دوسرا آدمی بھوکوں مرے گا۔

بھیڑ اور بھیڑیا اسی وقت ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں جب بھیڑ کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کی بھیڑیے کو ضرورت ہے۔

اگر تم کسی شخص کے پاس دو کوٹ دیکھو تو سمجھ لو کہ دوسرا کوٹ کسی ایسے شخص کا چرایا گیا ہے جس کے پاس ایک کوٹ بھی نہیں۔

حکومت کا آرٹ یہ ہے کہ شہریوں کی ایک جماعت سے دوسری جماعت کو دینے کے لیے جس قدر روپیہ لیا جا سکتا ہو، لیا جائے۔ (والٹیر)

تمام حکومتیں دستی گاڑی کی مانند ہیں جو مفید ضرور ہیں لیکن انہیں کھینچنا پڑتا ہے۔ (السپ)

اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو دنیا میں تمام گناہوں تمام برائیوں اور تمام جرائم کا سرچشمہ عدمِ مساوات ہے۔

جب انسان مساوی طریق پر پیدا ہوتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی مساوی ہو جاتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ درمیانی وقفہ یعنی زندگانی کے دن بھی مساویانہ طریق پر کیوں نہ گزاریں۔ (وکٹر ہیوگو)

اگر لوگ عقل اور سمجھ سے کام لیتے تو خودسر اور سرکش امیروں کے سامنے کوئی سر نہ جھکاتا۔ بلکہ اُن کو امیر بننے ہی نہ دیتے (وکٹر ہیوگو) (اور اب ؎

فلک پر ہے ایک اور زمیں پر ہزاروں بتاؤ کہاں تک جبینیں جھکائیں)

دُنیا کا سب سے بڑا اور بدترین گناہ افلاس ہے۔ زناکاری، قتل، غبن، ڈاکہ زنی، رشوت خوری، چوری، شراب خوری جُوا وغیرہ تمام گناہ افلاس کے مقابلہ میں مجسّم نیکیاں ہیں۔ (برنارڈ شا)

دولت مندوں اور سرمایہ داروں کی خیرات اور چندہ سے چلنے والی سوسائٹیاں ہمیشہ دولت مندوں کی طاقت اور موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کو قائم رکھنے میں مدد گار ثابت ہوتی ہیں۔ وہ غریبوں کو صبر و تحمّل کی تلقین و تبلیغ سے

انقلابی جذبات کو ٹھنڈا کرتی رہتی ہیں تاکہ سرمایہ دار بے خوف و خطر اُن کا خون چوستے رہتے ہیں۔ (برنارڈ شا)

؎ (ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے — قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے)

الف لیلہ کے سمندری بُوڑھے (پیرِ تسمہ پا) کی طرح برسرِ اقتدار اور صاحبِ زر سرمایہ دار مفلسانِ لاچار پر بے طرح سوار ہیں۔ وہ غریبوں کو زندہ رکھنے کے لیے قدرے خوراک بھی مہیا کرتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ تعلیم بھی دیتے ہیں۔ انہیں قدرتی نظاروں سے لطف اندوز ہونے کا ڈھنگ بھی بتلاتے ہیں۔ حتیٰ کہ آزادی حاصل کرنے کے گر بھی سکھاتے ہیں۔ دلکش راگ بھی سناتے ہیں اور ہر قسم کی پند و نصائح اور طاقتِ امارت سے انہیں خوف بھی دلاتے ہیں۔ غرضیکہ اُن کی خاطر جائز و ناجائز سب کچھ کرگزرتے ہیں، مگر ان کی پیٹھ سے اُترنے کا نام تک نہیں لیتے۔ (ٹالسٹائی)

موجودہ نظام میں اپنے پڑوسی کی جیب خالی کیے بغیر کوئی شخص اپنی جیب نہیں بھر سکتا۔ (ٹالسٹائی)

دُنیا کے مزدوروں کا صرف ایک ہی مطالبہ ہے جو کہ نہایت سچا، سادہ اور مبنی بر انصاف ہے کہ اُن کی محنتِ شاقہ کی پوری کمائی ان کے حوالے کر دی جائے۔ نیچے گرے ہوئے اور اس کی پیٹھ پر چڑھے ہوئے شخص کے درمیان کبھی صلح نہیں ہو سکتی۔ (جارج ہیرن)

ایسے لوگ جو صحیح طور پر یہ جانتے ہیں کہ حکم عدولی کس وقت کرنی چاہیے، انسانیت کی بڑی خدمت کرتے ہیں لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

کیا موجودہ تہذیب کے ماتھے پر یہ بدترین سیاہ دھبہ نہیں ہے کہ سائنس کی اس قدر حیرت انگیز ترقی اور زبردست ایجادات اور انسانی زندگی کی ضروریات کے سامان کی فراوانی کے باوجود دُنیا میں اس قدر افلاس، تنگدستی، جہالت اور جرائم موجود ہیں۔ یہ تمام آفات سرمایہ دارانہ نظام کا نتیجہ ہیں۔

مَیں مظلوم مزدوروں اور غربا کے طبقہ کے ہمراہ دوزخ میں جانا زیادہ پسند کروں گا بہ نسبت اس بہشت کے جس میں سرمایہ دار ظالم اور بے فیض اُمرا شامل ہوں۔ (جارج ہیرن)

؎ (کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ — دُنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات)

حضرتِ آدمؑ کے عہدِ مبارک سے لے کر آج تک جو قانون بنائے گئے ہیں۔ اُن قوانین کا کام چھلکوں کی حفاظت کرنا اور دانوں کو دُور پھینکنا رہا ہے۔ (آسکر وائلڈ)

جب انسان شیر کو مارنے کی نیت سے جنگل کو جاتا ہے تو اُسے شکار کھیلنا کہتے ہیں۔ لیکن جب شیر انسان کو مارنے کے لیے حملہ کرتا ہے تو اسے درندگی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جرم اور انصاف میں صرف اتنا ہی فرق ہے۔ (برنارڈ شا)

میگزین آدھی دُنیا کو یہ تو بتاتے ہیں کہ باقی دنیا کس طرح زندگی بسر کر رہی ہے لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ وہ ایسی زندگی کیوں گزار رہی ہے۔

لوگ پہلے تو آزادی کے لیے جنگ کرتے ہیں۔ پھر قانون کو آواز دیتے ہیں اور آزادی اس کی نذر کر دیتے ہیں۔

قدیم زمانہ کے گرجوں میں پیالے تو لکڑی کے ہوتے تھے اور پادری سونے کے، مگر آج کل یہ حالت ہے کہ پیالے تو

سونے کے بن جاتے ہیں اور پادری لکڑی کے۔ (ڈیکن)

چھوٹے چور تو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے قید خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ مگر بڑے ڈاکو سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے مرصع ہو کر کھلے بندوں اکڑ اکڑ کر گھومتے ہیں۔ (کیٹو)

تم ایک شخص کو ہمیشہ دھوکے میں رکھ سکتے ہو۔ تم بہت سے آدمیوں کو کچھ عرصہ کے لیے دھوکے میں رکھ سکتے ہو۔ لیکن تمام آدمیوں کو ہمیشہ کے لیے دھوکے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ (ابراہم لنکن)

خونخوار شیر دوسرے شیر کو کبھی نہیں کھاتا۔ باز اور شکرا بھی اپنے ہم جنسوں پر حملہ کرنے سے احتراز کرتا ہے۔ مگر یہ شرف حضرتِ انسان ہی کو حاصل ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اپنے بھائی کا خون بہانے سے دریغ نہیں کرتا۔

ہم نے کبھی کسی دولت مند یا سرمایہ دار کو حضرت عیسیٰؑ کے پہاڑ والے وعظ کے ان الفاظ پر عمل کرتے نہیں دیکھا کہ "اس دنیا کی جمع کی ہوئی دولت کو چور چرا لے جا سکتے ہیں، اس کو زنگ کھا جاتا ہے۔ اس لیے تم آسمان کی بادشاہت کی دولت جمع کرو"۔ (نہ کوئی اسلامی فریضۂ زکوٰۃ پر ہی عمل پیرا نظر آتا ہے)۔

جو چیز ایک تندرست انسان کے لیے آبِ حیات ہے، وہی ایک مریض کے لیے زہر قاتل ثابت ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح ریل، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، سینما، بجلی وغیرہ جہاں آزاد ممالک کے لیے باعثِ برکت ہیں وہاں یہ غلام اقوام کو تباہی کے گڑھے میں بھی گرانے کا سبب ہیں۔ (رسکن)

اگر مزدور نہ ہوتے تو سرمایہ دار کبھی جنم نہ لے سکتا۔ یہ صرف انہی کی محنت کا نتیجہ ہے۔ (ابراہم لنکن)

ہنری فورڈ کہتا ہے کہ دولت صرف محنتِ سخت، ایمانداری اور صدق دلی کی بدولت کمائی جاتی ہے تو دنیا کے اربوں انسانوں میں متذکرہ بالا صفات ہوتے ہوئے بھی وہ کیوں مفلس و نادار ہیں۔ اربوں روپیہ تو غریب اور بیکس مزدوروں کے گاڑھے پسینے کی کمائی کو دبا لینے ہی سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔

عوام تو کتے ہیں۔ میں اُن کے سامنے روٹی (روپیہ) پھینکوں گا۔ جہاں جی چاہے گا، انہیں لے جاؤں گا۔ اور جو کچھ چاہوں گا اُن سے کام لوں گا۔ (نپولین)

سکندر کے سامنے ایک ڈاکو پیش کیا گیا۔ سکندر نے کہا "تمہیں ڈاکو کا پیشہ اختیار کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی، اور رحم نہیں آتا؟" ڈاکو نے جواب دیا "سنیئے میں جو کام چھوٹے پیمانے پر کرتا ہوں۔ آپ اسے وسیع پیمانے پر سرانجام دیتے ہیں۔ میرے ساتھیوں کی تعداد گنتی کی ہوتی ہے، اس لیے ہمیں ڈاکو کا خطاب ملتا ہے، آپ کے ہمراہ ٹڈی دل لشکر ہوتا ہے۔ وہ شاہی فوج کہلاتا ہے۔ میرے کام کو ڈاکہ زنی اور آپ کے کام کو فتوحات کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ میں ایک آدھ گاؤں کو لوٹتا ہوں۔ لیکن آپ کی تاخت و تاراج اور لوٹ کھسوٹ کا نشانہ تو سینکڑوں سلطنتیں بن چکی ہیں۔ اور بننے والی ہیں۔ اس لیے آپ بڑے ڈاکو ہیں اور میں چھوٹا ڈاکو"۔

جب کسی مقام سے آزادی رخصت ہونے لگتی ہے تو دفعتہً نہیں جاتی بلکہ سب خوبیوں کے چلے جانے کے بعد آخر میں کوچ کرتی ہے۔ یعنی رعایا کو پھر حاکم بھی ویسے ہی ملتے ہیں جس کی وہ مستحق ہوتی ہے۔

ظلم کرنا گناہ اور ظلم سہنا کبیرہ گناہ۔ (جارج ہیرن)
جب تک دُنیا میں بھیڑیں موجود رہیں گی تب تک انہیں کھانے والے بھیڑیے بھی پیدا ہوتے رہیں گے (فلوراٹرسٹن)۔
جو شخص ایک روپیہ چرائے وہ چور ہے۔ جو ایک لاکھ چرائے وہ فنکار ہے۔ (برنارڈ شا)
بھوک سے مرنے کی بہ نسبت تلوار سے مرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔ (السپ)
غلام ممالک میں ہر مسئلہ سیاسی صورت اختیار کر لیتا ہے اور طاقت ہمیشہ حقوق پر غالب آ جاتی ہے۔
بھیڑ اور بھیڑیا دونوں اسی حالت میں اکٹھے رہ سکتے ہیں جب بھیڑ بھیڑیے کے پیٹ میں سما جائے۔ (انگرسول)
اگر کسی ایک انسان کی جان لینا قتل کہلاتا ہے اور سوسائٹی کا قانون اس کے لیے سزائے موت تجویز کرتا ہے تو لاکھوں انسانوں کا بے دریغ خون بہانے اور کشتوں کے پشتے لگانے والا درندہ خصلت، جلاد صفت، وحشی آدمی، فاتح اور جرنیل کیسے کہلا سکتا ہے؟ (پال رچرڈ)
یہ کتنی بے انصافی ہے کہ گھوڑے، باز، ہیرے اور جواہرات کی قیمت کا اندازہ تو ان کے ذاتی جوہر کے مطابق لگایا جاتا ہے۔ مگر انسان کی قدر و قیمت ان کے بزرگوں کی عظمت کے پیمانے سے ناپی جاتی ہے۔ (ڈانٹے)
دیانتداری اور گاڑھے پسینے کی کمائی سے تو سنگِ مرمر کے محل کھڑے نہیں کیے جا سکتے جب تک کہ اُن کے دل بھی پتھر کے نہ ہوں جن کا یہ قول ہے۔

اے دیانت بر تو لعنت از تو رنجے یافتم اے خیانت بر تو رحمت از تو گنجے یافتم

درختوں کی شاخوں پر آزادی سے بیٹھنے والے بندروں نے نیچے زمین پر انسانوں میں خونریزی کا بازار گرم دیکھا، تو بے اختیار ان کے مُنہ سے نکلا، خدا کا شکر ہے کہ ہم ارتقا سے بچ گئے۔
ذاتی طور پر مجھے منظم واویلا اور مضبوط شور و غل سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن میرے خیال میں خود رَو رَس بھری پھل کھانے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے۔ (ہیوڈ براؤن)
اِنسانی سوسائٹی کا سب سے بڑا اعجوبہ یہ ہے کہ غریبوں نے اتنا طویل عرصہ دُنیا کی بے انصافی اور عدم مساوات کو خاموشی سے کس طرح برداشت کر لیا۔ (افروڈو)
جب ہم کسی کمزور قوم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم اُسے وحشی کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور جب کوئی طاقتور قوم ہم پر حملہ آور ہوتی ہے تو ہم اُسے بھی وحشی کہتے ہیں۔ (پال رچرڈ)
ہماری غیر مساوات نے سوسائٹی کے اعلیٰ طبقہ کو مردُود، متوسط کو وحشی اور غرباء کے ادنیٰ طبقہ کو حیوان بنا رکھا ہے۔ (آرنلڈ)
بھُوکے عوام کو سیاسی آزادی کی بڑی سے بڑی مقدار بھی مطمئن نہیں کر سکتی۔ (لینن)
بھُوک یا افلاس کی وجہ سے پیداوار کی کمی نہیں بلکہ اس کی غلط تقسیم ہے۔ (آرنلڈ)
ڈاکٹر: بڑھیا! "تمہارے بیٹے کو تپ دق کی خطرناک اور مُہلک مرض ہے۔ اسے مکھن، انڈے، شوربا، پھل اور سبزیاں کھلاؤ۔ اور بہت جلد کسی صحت افزا مقام پر لے جاؤ۔"

بڑھیا: ڈاکٹر صاحب! اگر مجھ سے آپ کی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق ہوتی تو میرے لختِ جگر و نورِ نظر کو یہ عارضہ ہی نہ ہوتا اور نہ ہی اس کو آپ کے پاس لانے کی ضرورت ہی پڑتی۔

تاریخ کے صفحات پر اُس نپولین کا نام تو سنہری حروف میں لکھا ہُوا ہے اور اس کے نام سے بچّہ بچّہ واقف ہے جس کے سر پر کم از کم تیس لاکھ بندگانِ خدا کے بے گناہ قتل کی ذمّہ داری عائد ہوتی ہے۔ مگر اس ولیم جمیس کا نام بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں، جس نے چیچک جیسے نامراد مرض کا ٹیکہ ایجاد کر کے کروڑوں بنی نوعِ انسان کی قیمتی جانوں کو بچایا۔

ملوکیت پرستوں کی خاطر کُشتوں کے پشتے لگا دینے والے سپاہی تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ جنگ کس لیے لڑی جا رہی ہے یہی وجہ ہے کہ یورپ میں اُجڈ نوجوانوں کو پسند کیا جاتا ہے۔ (کارلائل)

اِس مُہیب افلاس کا جو اثر ہماری صحت اور اوسط عمر پر جو پڑتا ہے، وہ اس سے ظاہر ہے۔ یورپی ممالک میں اوسطِ عمر ۶۲ سے لے کر ۷۰ سال تک۔ ہندوستان و پاکستان کی اَوسط عمر صرف ۲۷ سال ہے۔

کوئی ملک ہرگز غلام نہیں بنایا جا سکتا تاوقتیکہ خود اُس ملک کے باشندے حملہ آور کی معاونت نہ کریں۔ لقمان کا قول ہے کہ لوہے کا کلہاڑا لکڑی کے جنگل سے ایک چھلکا تک نہیں اُتار سکتا جب تک اُس کے ساتھ خود لکڑی کا دستہ شامل نہ ہو۔

ہر حکومت بدمعاشوں کا ایک ٹولہ ہے جو دوسری حکومتوں سے معاملات میں ایسے فراڈ اور دھوکے کا ارتکاب کرتا ہے جس کی اجازت قانونِ تہذیب عام لوگوں کو نہیں دیتا۔ یہ ٹولہ اپنے ملک کے لوگوں کا نہ صرف مال و دولت چُراتا ہے اور ان کے فطری حقوق غصب کرتا ہے بلکہ متواتر اُن کی زندگیوں سے کھیلتا ہے۔

اقوالِ یحییٰ برمکی

جو اچھی بات سنو، لکھ لو۔ اور جو لکھو اُسے حفظ کر لو۔ جو حفظ ہیں ان کو بیان کرو۔

جب بادشاہ کی صحبت میسّر ہو تو اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو جس طرح عاقل عورت بیوقوف شوہر کو راضی کرتی ہے۔

میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا کہ گفتگو کرنے سے پہلے جس کی ہیبت مجھ پر چھا گئی ہو۔ اگر وہ شخص فصیح ہے تو میرے دل میں اس کی عظمت ہوتی ہے، ورنہ وہ میری نظر سے گر جاتا ہے۔

غلاموں کی بے ادبی اُن کے مالک کے حلم کی دلیل ہے۔

جو لوگ ہم سے پہلے تھے وہ ہمارے واسطے قابلِ اقتدا ہیں۔ اور جو ہمارے بعد آئیں گے ہم ان کے واسطے عبرت ہیں۔

جو لوگ دَولتِ دنیا کے طالب ہیں اگر وہ زمانے کی سختیاں نہ اُٹھا سکیں تو پھر اپنے مقصد میں ناکام ہونے کی شکایات نہ کریں۔

جس شَے کا دینا تجویز کر لیا گیا ہے۔ پھر اس کے دینے میں توقّف کرنا غایت درجہ کی بخیلی ہے۔

جس شخص میں فیاضی اور علمِ تکبر کے ساتھ ہو اُس سے یہ کہیں زیادہ بہتر ہے کہ اس میں بخل اور جہل حلم کے ساتھ ہو۔

عالم دانشمند وہی ہے جو حوادثِ روزگار سے ایسا ہی بے پرواہ ہو جیسے دریا اپنے میں کنکر پتھر پھینکے جانے سے ہوتا ہے۔

عمر کے کسی حصے میں بھی عورت کو اپنی مرضی پر نہ چھوڑنا چاہیئے۔

انسان کے جسم سے خون خارج کرنے کے لیے دو نشتر ہیں، جن میں پہلا نشتر مفلس کو دولت کثیر کی خواہش ہے اور دوسرا نشتر باوجود کمزوری کے دوسروں پر برہمی۔

دو شخصوں کو کمر میں پتھر باندھ کر دریا میں غرق کر دینا چاہیئے۔ ایک تو ایسے دولتمند کو جو اپنی دولت میں مستحق لوگوں کو شریک نہ کرے۔ دوسرے ایسے مفلس کو جو باوجود افلاس کے خدا تعالیٰ کی عبادت نہ کرے۔

چھ شخص محسنوں کے احسان کی وقعت اور پروا نہیں کرتے۔ (۱) فارغ التحصیل شاگرد اپنے اُستاد کی (۲) اہل و عیال والی اولاد اپنی ماں کی (۳) خواہشاتِ نفسانی سے سیر آدمی عورت کی (۴) اہل غرض ایسے شخص کی جس سے غرض حاصل ہو گئی ہو (۵) طوفان سے بچا ہُوا آدمی کشتی کی (۶) صحت کے بعد مریض طبیب کی۔

جس طرح شہد کی مکھی پھول کو قائم رکھ کر اس میں سے صرف شہد لے لیا کرتی ہے۔ علیٰ ہذا حکمران کو لازم ہے کہ رعایا کی حیثیت قائم رکھ کر ان سے محاصل وصول کرے۔

راستی سے نیکی کی، مطالعہ سے علم کی، نیک روی سے حُسن کی، نیک طریق سے خاندان کی، ناپ تول سے غلّہ کی، پھیرنے سے گھوڑے کی۔ غور و پرداخت سے جانوروں کی اور سادہ لباس سے عورت کی عصمت کی حفاظت ہوتی ہے۔

جس مجلس میں قاعدۂ امتیاز نہیں ہے، خوشامد پردازانِ خانہ برانداز جتنا کہ دولتمندوں کے دل میں ایک دن میں راہ پیدا کر لیتے ہیں، دانا اُس کو ایک سال میں بھی پیدا نہیں کر سکتا، اور جو قرب و خصوصیت کہ ان کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اُن کو خواب میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

قوانینِ قدرت سے انحراف کرنے والا کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔

ایک بار کہا میں نے یقین کیا۔ دُوسری دفعہ کہا شک ہو گیا۔ قسم کھائی تو جھوٹ سمجھا۔

نفسانی خواہشوں کو ترقی دینے والا ہرگز کسی دوسری ترقی کا بوجھ اپنے کندھوں پر نہیں اُٹھا سکتا۔

حقیقی مسلمان

حسین خاں ٹکریہ دربارِ اکبری میں ایک بہت بڑا منصبدار، بااعتبار، آزمودہ کار سپہ سالار اور نہایت دیندار وفادار و جاں نثار اور بہادر سردار گزرا ہے۔ جس کی بے نظیر شجاعت و سخاوت، ریاضت و عبادت اور رعایا پروری کے کارنامے قیامت تک اس کا نام روشن رکھیں گے۔ یہ بہادر افغان سردار نورتنِ اکبری کے سلسلے میں تو نہیں آ سکتا۔ مگر اپنی بے نظیر اسلام دوستی، دینداری اور رعایا پروری کے باعث نورتنِ اکبری اور دیگر اُمرائے دربار سے

بہت بڑی فضیلت رکھتا تھا۔ جن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عہد کے سیدھے سادے مسلمانوں کے کیا طور طریق تھے؟ سب سے زیادہ یہ کہ مُلّا حضرت عبدالقادر بدایونی جیسے فاضلِ اجل و عالم بے بدل، بزرگِ باعمل اور نہایت مُستند و معتبر مورخ اور امامِ اکبر بادشاہ کے حالات و خیالات کو اس فخرِ اسلام ہستی سے بہت بڑا تعلق ہے۔ اس کی تاریخ آثرالاُمرا سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اس کا ذکر لکھتے ہیں، بڑی محبت اور عزت و عظمت کا اظہار کرتے ہیں۔ جو کہ نہایت اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

یہ بہادر افغان بیرم خاں خانخاناں کا مُلازم ہُوا۔ اور اُسی وقت سے ہمایوں کے ساتھ تھا۔ جب کہ اس نے ایران سے آکر قندھار کا محاصرہ کیا اور فتح پائی۔ شجاعت ہر معرکے میں اُسے بے جگر کرکے اُسے آگے بڑھاتی رہی اور جانفشانی اس کے درجے پر چڑھاتی رہی۔ مہدی قاسم خاں ایک معزز سردار تھا۔ وہ اس کا ماموں تھا، اس کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی۔

اس بہادر افغان نے لڑائیوں میں بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ رُستم بھی ہوتا تو اس کی داد دیتا۔ اس کی بے نظیر شجاعت سے بادشاہ خوش ہو کر روز بروز زرخیز علاقے اس کی جاگیر میں دیتے تھے۔ بادشاہ جب ان لڑائیوں کے بعد ۹۶۵ھ میں ہندوستان کو چلے تو اُسے صوبہ پنجاب عنایت کیا۔ جب یہ حاکمِ لاہور تھے تو ایک دراز ریش مردِ معقول اُن کے دربار میں آیا۔ یہ حامیٔ اسلام اس کی تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔ مزاج پُرسی سے معلوم ہُوا کہ وہ تو ہندو ہے اس دن سے حکم دیا کہ جو ہندو ہوں وہ کندھے کے پاس ایک رنگین کپڑے کا ٹکڑا ٹکوایا کریں۔ اس لیے یہاں کے لوگوں نے ٹکڑیہ نام رکھ دیا۔

فاضل بدایُونی لکھتے ہیں کہ حسین خاں اسلام دوست اور سپاہی پیشہ بہادروں میں سے تھا۔ اس کے ساتھ یہ علاقۂ معنوی میرا رابطۂ عظیم و قدیم تھا۔ اور خالصتہً للہ محبت تھی۔ فاضل موصوف نے اس بہادر افغان کی دینداری، سخاوت اور بہادری کی اتنی تعریفیں لکھی ہیں کہ اِن اوصافِ حمیدہ و خصائل برگزیدہ کے ساتھ اگر پیغمبر نہیں تو صحابہ سے کسی طرح کم نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جن دنوں لاہور میں حاکمِ مستقل و خود مختار تھے تو ثقہ لوگوں سے سنا گیا کہ دنیا کی نعمتیں موجود تھیں۔ اس کے مطبخ عظیم پر بلا تفریقِ مذہب و ملت اور بلا تخصیص خویش و بیگانہ ہر ایک امیر و غریب خاص و عام کھانا کھا سکتا تھا۔ خود لوگوں کے ہاتھ دھلاتا اور پانی پلاتا پھرتا تھا اور کہتا جاتا تھا "بخورید دوستاں بخورید مال مالِ خدا، جان جانِ خدا، رزق شما برخوانِ ایں گدا، ہاں بخورید"۔ باوجود اس فیضِ عام اور عام لوگوں کو بہترین کھانے کھلانے کے خود جَو کی روٹی کھاتا تھا فقط اس خیال سے کہ آنحضرت صلعم نے یہ مزے کے کھانے نہیں کھائے، میں کیونکر کھاؤں۔ پلنگ اور نرم بچھونوں پر نہ سوتا کہ آنحضرتؐ نے اس طرح آرام نہیں فرمایا۔ میں کیونکر ان آراموں سے لطف اُٹھاؤں۔ ہزاروں مسجدوں اور مقبروں کی تعمیر و ترمیم کرائی۔

اکثر علماؤ سادات و مشائخ اس کی صحبت میں رہتے تھے۔ اس لیے سفر میں چارپائی پر نہ سوتا تھا، تاکہ ان کی بے ادبی متصوّر نہ ہو۔ اکثر نفلی روزے رکھتا۔ نمازِ تہجد اور صلوٰۃ باجماعت کبھی قضا نہیں کی۔ لاکھوں اور

کروڑوں کی جاگیر مگر طویلے میں اس کے خاصے کا ایک گھوڑے سے زیادہ نہ تھا۔ کبھی کوئی ایسا مستحق آجاتا تھا کہ وہ بھی لے جاتا تھا۔ اکثر سفر میں پیادہ ہی رہ جاتا تھا اور نوکر غلام سپاہ گھوڑوں پر سوار چلے جاتے تھے۔ کسی شاعر نے قصیدہ کہا تھا، اس میں یہ مصرعہ بھی تھا اور واقعی سچ تھا۔ ع خان مفلس، غلام باساماں۔

قسم کھائی تھی کہ روپیہ جمع نہ کروں گا۔ کہتا تھا، جو روپیہ میرے پاس آتا ہے، جب تک مستحقین میں تقسیم نہیں کرلیتا پہلو میں تیر سا کھٹکتا ہے۔ روپیہ علاقے پر سے آنے نہیں پاتا تھا کہ پیشتر ہی چٹھیاں پہنچ جاتی تھیں اور لوگ لے جاتے تھے۔ نذر کیا ہوا تھا کہ جو غلام ملک میں آئے پہلے ہی دن سے آزاد ہے۔ شیخ خیر آبادی اس زمانے میں ایک بزرگ مانے جاتے تھے۔ وہ ایک دن کفایت شعاری کے فوائد اور روپیہ جمع کرنے کے لیے نصیحت کرنے لگے آپ نے غصے ہو کر جواب دیا۔ "کیا پیغمبرؐ نے کبھی ایسا کیا ہے؟ حضرت اُمید تو یہ تھی کہ اگر ہم پر حرص دہوا غالب ہو تو آپ نصیحت کریں۔ نہ کہ دُنیا کے اسباب کو ہماری نگاہ میں جلوہ دیں۔"

فاضل بدایونی کہتے ہیں کہ وہ نہایت قوی ہیکل، قد و قامت کی شان و شوکت سے پُر، بڑا دیدہ رُو جوان تھا۔ میں ہمیشہ تو میدانِ جنگ میں اس کے ساتھ نہیں رہا۔ مگر کبھی کبھی جو جنگوں میں لڑائیاں ہوئیں تو موجود تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو بہادری اس میں پائی، پہلوانوں کے نام افسانوں میں پڑھی جاتی تھیں۔ شاید ان میں کوئی ہو تو ہو، ورنہ اس زمانہ میں ایسا شجاع کوئی نہ ہوگا۔ جب لڑائی کے ہتھیار سجاتا تھا تو دعا کرتا تھا "الٰہی اِشہاد یا فتح۔" بعض لوگوں نے کہا۔ پہلے فتح کیوں نہیں مانگتے۔ جواب دیا کہ "عزیزانِ گزشتہ کے دیکھنے کی تمنّا مخدومانِ موجود کے دیدار سے زیادہ ہے۔" سخی ایسا تھا کہ اگر جہان بھر کے خزانے اور تمام رُوئے زمین کی سلطنت اُسے مل جاتی تو بھی بلا مبالغہ وہ پہلے ہی دن قرضدار نظر آتا۔

کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ سوداگر پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ ایرانی اور تُرکی گھوڑے لائے ہیں، فقط اتنا کہہ کر کہ "تو دانی و خدا" تمام گھوڑوں کی قیمت طے پاگئی جو کہ اصل قیمت سے بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اور ایک ہی مجلس میں سب بانٹ دیئے اور جن کو نہیں پہنچے اُن سے باخلاقِ تمام عذر کیا۔ میری پہلی ملاقات آگرے میں ہوئی۔ پانچ سو روپے اور ایک ایرانی گھوڑا جو اُسی وقت لیا تھا، مجھے دیا۔

ایک معرکۂ جنگ میں شانے پر شدید زخم کھایا۔ شاہی جرّاح مرہم پٹی کے لیے آئے۔ بالشت بھر سلائی زخم کے اندر چلی گئی۔ زور سے کریدتے تھے کہ زخم کہاں تک ہے۔ وہ بہادر مردانہ وار نیش کو نوش کی طرح پیے جاتا تھا۔ تیوری پر بل نہ لاتا تھا۔ بے تکلف مُسکراتا اور باتیں کیے جاتا تھا۔ آخر کار اسی زخم کے باعث چوتھے روز انتقال فرمایا۔

جس مردِ سخی نے عالَم کے خزانے مستحقوں کو بخش دیئے۔ اس کے پاس مرتے وقت کچھ نہ نکلا کہ کفن دفن میں لگائیں۔ خواجہ محمد یحییٰ نقشبند اُس زمانے کے نہایت متبرک بزرگ مشہور تھے۔ اُنھوں نے بڑی عزّت و احترام سے مسکنِ غریباں میں پہنچایا۔ مَیں نے تاریخ نکالی: "گنج بخشی" (۹۸۳ھ) مجھ سے اُن کی تعریف کا حق کب ادا ہو سکتا ہے جوانی کی عمر اس کی خدمت میں گزاری۔ اس کے التفات کی بدولت بہت اچھی طرح پرورش پائی کہ مشہورِ زمان و

انگشت نمائے جہانیاں ہُوا اور اسی کی تقریب سے یہ توفیق پائی کہ بندگانِ خدا کو علم و آگاہی کے فوائد پہنچا سکا ہوں لہذا اپنے دفترِ تاریخ میں بعض وصف اس کے لکھے کہ اندکے از بسیارو یکے از ہزار اور دانہ از انبار و مشتے از خروار ہیں۔ ہم نے آپس میں عہدِ قدیم کو استحکام دیا تھا۔ خدا سے اُمید ہے کہ میرا اور اُس کا حشر بھی ساتھ ہی ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ کچھ بڑی بات نہیں۔ "وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔"

یا الٰہی تو ہمیں عاملِ قرآن کر دے ۔۔۔ پھر نئے سر سے مسلماں کو مسلماں کر دے
وہ پیمبر جسے سرتاجِ رُسل کہتے ہیں ۔۔۔ اس کی اُمّت کو ذرا تابعِ فرماں کر دے

مُساواتِ اسلام

حضرتِ فاروق اعظمؓ ایک اندھی اپاہج بڑھیا کی رات کے وقت خبرگیری کیا کرتے تھے۔ جو مدینہ طیبہ کے پاس کہیں رہا کرتی تھی۔ مگر چند روز کے بعد آپ نے دیکھا کہ کوئی شخص پہلے ہی آکر اس کا کام کر جاتا ہے۔ آپ کو سخت حیرت ہوتی تھی کہ کون ایسا شخص ہے؟ آخر ایک رات یہ دیکھنے کے لیئے کہ کون شخص آتا ہے، وہاں ٹھہر گئے۔ دیکھا تو صدیق اکبرؓ تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا، بھلا سوائے آپ کے اور کون ایسا ہو سکتا ہے؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو صبح اُٹھ کر تجارت کے لیے کپڑے لے کر بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ ملے اور دریافت کرنے لگے کہ یا خلیفۂ رسول اللہ! کدھر کا قصد ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ بازار جا رہا ہوں۔ اُن دونوں نے فرمایا کہ آپ پر تو دربارِ خلافت کا بار ہے، بازار میں کیا کیجیے گا؟ آپ نے فرمایا کہ پھر اپنے متعلقین کی پرورش کہاں سے کروں گا؟ انہوں نے کہا کہ آپ تشریف لے چلیں، ہم آپ کا وظیفہ مقرر کر دیں گے۔ آپ ان دونوں کے ساتھ تشریف لائے تو ان حضرات نے بعد مشورۂ مسلمانان آپ کا معمولی خرچ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ جیسا قبل از خلافت اپنے مال سے خرچ کرتے تھے اور سفر حج وغیرہ کے لیے سواری مقرر کر دی، اور دو چادریں کہ جب پرانی ہو جائیں تو دوسری لے لیں۔

حضرت فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں ایک دفعہ یمن سے چادریں آئیں، تو آپ نے مسلمانوں میں ایک ایک تقسیم کر دی اور خود بھی ایک لی۔ پھر نماز کے وقت دو چادریں اوڑھ کر تشریف لائے۔ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو فرمایا "سنو اور اطاعت کرو"۔ سلمانؓ نے برجستہ کہا کہ ہم ہرگز نہ سنیں گے اور ہرگز اطاعت نہ کریں گے۔ آپ نے پوچھا "کیوں"؟ اس نے کہا کہ ہر ایک کو ایک ایک چادر ملی اور خود دو لے لیں۔ آپ نے فرمایا تم نے بڑی جلدی کی۔ آپ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو بلایا۔ اس نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین! میں حاضر ہوں۔ فرمایا کہ بتاؤ دوسری چادر جو میرے پاس ہے کس کی ہے؟ عبداللہ نے کہا کہ میری ہے۔ حضرت فاروقؓ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے یہ چادر عبداللہؓ سے مستعار لی ہے۔ سلمانؓ نے یہ تمام واقعہ معلوم کر لیا تو کہا کہ اب آپ فرمائیں، ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ فرمایا کہ عمرؓ کے لیے بیت المال سے صرف اتنا جائز ہے کہ دو کپڑے پہننے کے لیے لے۔ حج وغیرہ کے لیے سواری اور اپنے اہل و عیال کے لیے قریش کے ایک اوسط درجہ کے آدمی کے برابر خرچ لیا کرے۔ ایک دفعہ آپ بیمار ہوئے۔ لوگوں نے علاج کے لیے شہد کا استعمال تجویز کیا تو مجمع عام میں آکر لوگوں سے فرمایا کہ اگر آپ لوگوں کی اجازت ہو تو بیت المال میں جو شہد رکھا ہے اس میں سے کچھ لے لوں۔ لوگوں نے اجازت دے دی۔

حضرت ضرارؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اپنے ایّامِ خلافت میں ہم لوگوں میں اس طرح رہا کرتے تھے کہ گویا ہمیں لوگوں میں سے ہیں۔

ابنِ سعدؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک روز حضرت عمرؓ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے ایک لڑکی گزری۔ لوگوں نے کہا کہ شاید حضرت امیرالمؤمنینؓ کی باندی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیسی باندی؟ امیرالمؤمنین کو خدا کے مال میں سے باندی رکھنی حلال نہیں ہے۔ ہم نے پوچھا کہ پھر کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا دو جوڑے کپڑوں کے، اور اہل و عیال کے لیے متوسط درجے کا کھانا۔ اس کے علاوہ میری وہی حیثیت ہے جو عام مسلمانوں کی ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ رات کو خود اُٹھ کر وضو کا تہیّہ کر لیا کرتے تھے۔ کسی نے آپ سے کہا کہ کسی خدمتگار کو کیوں نہیں پکار لیا کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ آخر ان کے لیے بھی تو رات آرام کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔

ایک روز فاروقِ اعظمؓ اپنی گردن پر ایک مشک اُٹھا کر لے جا رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا "یہ کیا ہے؟" فرمایا میرے نفس نے کچھ غرور کیا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کو ذلیل کروں"۔

حضرت علیؓ کی زرہ ایک یہودی نے لے لی تھی۔ آپ ہی کا زمانہ خلافت تھا۔ آپ مدعی بن کر اپنے ملازم قاضی شریح کے دربار میں جا کھڑے ہوئے اور اپنی گواہی میں حضرت حسنؓ اور اپنے غلام قنبر کو پیش کیا۔ قاضی نے ان کی شہادت لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بیٹے کی شہادت باپ کے لیے اور غلام کی شہادت آقا کے لیے قبول نہیں کی جا سکتی۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا "آپ حسنؓ کی شہادت کیوں قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ دونوں جوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔ کیا جنّت کے سرداروں کی شہادت مستردّ کی جا سکتی ہے؟" قاضی ابو شریح نے کہا کہ ہم زمین پر موجود ہیں اور آپ ذکرِ جنّت کا فرما رہے ہیں۔ آپ اپنے دعوے کی کوئی اور دلیل پیش فرمائیں۔

یہودی یہ دیکھ کر سخت متحیّر ہوا کہ اسلام کا ایسا سچّا انصاف ہے۔ جب وہاں سے آپ کا دعویٰ خارج ہو گیا تو یہودی باہر نکل کر عرض کرنے لگا کہ آپ کی صداقت میں کوئی شک نہیں، یہ زرہ آپ کی ہے۔ یہ کہہ کر وہ بطیبِ خاطر مسلمان ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں مسجدِ نبویؐ ہی ایوانِ حکومت تھا اور اسی کے کچّے فرش پر بیٹھ کر ایشیا اور افریقہ کی قسمتوں کے فیصلے ہوا کرتے تھے۔ پانچوں وقت کی نماز بھی خلیفۂ وقت اسی مسجد میں پڑھایا کرتے تھے۔ غرض ہر وقت

مسجد آنے جانے والوں سے بھری رہتی تھی۔

حضرت عباسؓ عمِ رسولِ کریمؐ کا مکان مسجد نبویؐ سے متصل واقع تھا اور اس کا پرنالہ مسجد میں گرتا تھا بعض اوقات اس میں سے پانی آتا تو نمازیوں کو تکلیف ہوتی حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مسجد کے احترام اور نمازیوں کے آرام کی خاطر اس پرنالے کو اُکھڑوا دیا۔ حضرت عباسؓ مالکِ مکان اتفاق سے اس وقت موجود نہ تھے حضرت عباسؓ باہر سے واپس آئے تو یہ جبر دیکھ کر نہایت برافروختہ ہوئے اور فوراً مفتیٔ شہر کے ہاں خلیفۂ وقت پر دعویٰ دائر کر دیا۔

اس پر حضرت سید الانصار اُبیؓ بن کعبؓ نے دُنیا کے سب سے بڑے حکمران کے نام فرمان جاری کر دیا کہ آپ کے خلاف عباسؓ بن عبدالمطلب نے مقدمہ دائر کیا ہے اور انصاف چاہا ہے۔ آپ حاضر ہو کر مقدمے کی پیروی کریں۔

کوئی معمولی حاکم یا بادشاہ ہوتا تو اس طلبی کو اپنی سخت توہین سمجھتا۔ مگر عرب و عجم کا شہنشاہ نہایت سادگی کے ساتھ تاریخ مقررہ پر حضرت اُبیؓ بن کعبؓ کے مکان پر حاضر ہو گیا۔ اندر آنے کی اجازت بہت دیر میں ملی، کیونکہ حضرت اُبی بن کعبؓ نہایت مصروف تھے۔ اتنی دیر حضرت امیر المؤمنینؓ باہر کھڑے انتظار کرتے رہے۔

مقدمہ پیش ہوا تو پہلے حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر فاضل منصف نے فوراً روک دیا اور فرمایا "مدعی کا حق ہے کہ پہلے اپنا دعویٰ پیش کرے۔ مہربانی فرما کر آپ خاموش رہیں" بات قاعدہ کی تھی۔ امیر المؤمنین چپ ہو گئے اور مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی۔

حضرت عباسؓ نے بیان دیا "جناب میرے مکان کا پرنالہ شروع سے مسجدِ نبوی کی طرف تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں بھی یہیں تھا اور حضرت خلیفہ اوّل ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں بھی اسی جگہ رہا۔ مگر اب امیر المؤمنینؓ نے اسے اکھاڑ کر پھینک دیا جس سے میرا نقصان بھی ہوا اور مجھے بے حد تکلیف بھی پہنچی، میری عرض ہے کہ مجھ سے انصاف کیا جائے۔

حضرت اُبیؓ بن کعبؓ نے فرمایا "بے شک آپ کا انصاف کیا جائے گا۔ فرمائیے یا امیر المؤمنین! آپ صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہیں"؟ حضرت عمرؓ نے کہا "پرنالہ بے شک میں نے اُکھڑوا دیا اور میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں"۔

اُبیؓ بن کعبؓ: آپ کو دوسرے کے مکان میں اجازت کے بغیر اس طرح مداخلتِ بے جا سے اجتناب کرنا چاہیے تھا۔ آپ وجہ بتائیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟

حضرت عمرؓ: اے محترم ابوالطفیل! پرنالہ میں سے بعض اوقات پانی آتا تو چھینٹیں اُڑ کر نمازیوں پر پڑتیں اس لیے لوگوں کی سہولت اور آرام کے لیے میں نے پرنالے کو اُکھڑوا دیا۔ اور اس معاملے میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں میں نے کوئی ناواجب بات نہیں کی۔

اُبیؓ بن کعبؓ: بولیے ابوالفضل! آپ اس کے جواب میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟

حضرت عباسؓ: واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریمؐ نے میرے لیے خود اپنی مبارک چھڑی سے زمین پر نشانات قائم کیے اور میں نے انہی نشانات پر اپنا مکان بنایا۔ جب مکان بن چکا تو یہ پرنالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے حکم سے اس جگہ رکھوایا۔ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے کندھوں پر کھڑے ہو جاؤ اور پرنالہ یہاں لگا دو۔ میں نے ادبًا انکار کیا، مگر حضورؐ نے بہت اصرار فرمایا۔ چنانچہ حضورؐ نیچے کھڑے ہو گئے اور میں نے حضورؐ کے ارشادِ مبارک کی تعمیل کرتے ہوئے حضورؐ کے کندھے پر چڑھ کر یہ پرنالہ یہاں لگا دیا تھا جہاں سے اب امیرالمؤمنین نے اسے اُکھاڑ دیا ہے۔

اُبیؓ بن کعبؓ: ابوالفضل! کیا آپ اس واقعہ کا کوئی گواہ پیش کر سکتے ہیں؟

حضرت عباسؓ: ایک دو نہیں بلکہ متعدد گواہ پیش کیے جا سکتے ہیں۔

اُبیؓ بن کعبؓ: اچھا لایئے اور ابھی لایئے تاکہ جھگڑے کا فیصلہ ابھی ہو جائے۔

حضرت عباسؓ باہر نکلے اور چند انصاریوں کو تلاش کر کے لائے۔ جنہوں نے شہادت دی کہ ہمارے سامنے آنحضورؐ نے عباسؓ کو اپنے کندھوں پر چڑھا کر پرنالہ نصب کرنے کا حکم دیا تھا۔

گواہی ختم ہوتے ہی دُنیا کا سب سے بڑا حکمران جو اب تک آنکھیں نیچے کیے سامنے کھڑا تھا، آگے بڑھا اور حضرت عباسؓ سے کہنے لگا "اے ابوالفضل! خدا کے لیے میرا قصور معاف کر دیجیئے۔ مجھے ہرگز علم نہ تھا کہ آنحضورؐ نے خود یہ پرنالہ یہاں لگوایا تھا، ورنہ بھول کر بھی مجھ سے یہ فعل سرزد نہ ہوتا۔ بھلا میری کیا مجال تھی کہ آنحضورؐ کے لگوائے ہوئے پرنالہ کو اُکھڑواتا۔ یہ جو کچھ ہُوا، لاعلمی میں ہُوا۔ اور اب اس کی تلافی اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آپ میرے کندھوں پر کھڑے ہو کر پرنالے کو اپنی جگہ پر لگا دیں۔"

اُبیؓ بن کعبؓ: ہاں امیرالمؤمنین انصاف یہی چاہتا ہے اور آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔

تھوڑی دیر کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ قیصر و کسریٰ جیسے بادشاہوں کو شکست دینے والا جرنیل نہایت مسکینی کے ساتھ دیوار کے نیچے کھڑا ہے اور عباسؓ اس کے کندھوں پر چڑھ کر پرنالہ اسی جگہ لگا رہے ہیں۔ دُنیا بھر کی تاریخ ٹٹول ڈالو، اپنے مطاع کی ایسی اطاعت و محبت، انصاف و عدل اور مساوات کا ایسا محیرالعقول کارنامہ تم کہیں لکھا ہُوا نہیں پاؤ گے۔

جب پرنالہ نصب ہو چکا تو حضرت عباسؓ فوراً نیچے کُود پڑے اور کہنے لگے "امیرالمؤمنین! یہ جو کچھ ہُوا، اس حق کے لیے ہُوا جو واقعی میرا تھا۔ اب جب کہ آپ کی انصاف پسندی کی بدولت وہ حق مجھے مل چکا ہے۔ تو میں اس بے ادبی کی آپ سے معافی چاہتا ہُوں اور نہایت خوشی کے ساتھ اپنے سارے مکان کو خدا کی راہ میں وقف کرتا ہُوں۔ آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ اسے گرا کر مسجدِ نبوی میں شامل فرمالیں۔ تاکہ تنگی کی وجہ سے نمازیوں کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ ایک حد تک دُور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ میری اس قربانی کو قبول فرمائے۔ آمین"

یہ کوئی فرضی افسانہ یا قصّہ کہانی نہیں ہے بلکہ مستند تاریخی واقعہ ہے متعدد معتبر تواریخ اس واقعہ کی صحت پر دال ہیں۔ تواریخ اسدالغابہ۔ سیرۃ العباسؓ۔ سیرۃ الانصار اور سفرنامہ ابن بطوطہ کے علاوہ اور کئی کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ جب سے مَیں خلیفہ ہُوا ہوں جو کھانا کھایا وہ موٹا کھایا۔ بدن پر

کپڑے موٹے پہنے مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں سے میرے پاس بجز اس حبشی غلام، اونٹ اور اس پرانی چادر کے اور کچھ نہیں ہے۔ میں مر جاؤں تو یہ چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دینا اور ان چیزوں سے بری ہو جانا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے آپ کی وفات کے بعد ایسا ہی کیا۔

ایک دفعہ حضرت فاروقؓ اور اُبیؓ بن کعبؓ میں نزاع ہوئی۔ اُبیؓ نے زیدؓ بن ثابت کے یہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت فاروق امیر المومنینؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں داخل ہوئے۔ زید نے تعظیم کی۔ حضرت فاروقؓ نے فرمایا کہ یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر اُبیؓ کے پاس بیٹھ گئے اور زید سے کہا کہ جب تک عام آدمی اور عمر دونوں تمہارے نزدیک برابر نہ ہوں، تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔

حضرت عمر رضؓ کے دو صاحبزادے عبداللہ اور عبیداللہ ایک مہم میں عراق گئے۔ مہم سے فارغ ہو کر بصرہ آئے۔ جہاں حضرت موسیٰ اشعریؓ گورنر تھے۔ انہوں نے اپنے دوست کے بیٹوں کا خیر مقدم کیا اور خوب خاطر مدارات کی۔ جب مدینہ روانہ ہونے لگے تو ابو موسیٰ رضؓ نے کہا "بھتیجو! میرے پاس صدقے کا کچھ مال ہے جس کو امیر المومنینؓ کی خدمت میں بھیجنا ہے۔ یہ مال آپ لے لیں اور سامانِ تجارت خرید لیں اور مدینہ جا کر فروخت کر دیں اور جو نفع حاصل ہو، اپنے لیے رکھ لیں اور اصل مال امیر المومنینؓ کو دے دیں۔" دونوں صاحبزدگان نے جواب دیا "ایسا نہ ہو امیر المومنینؓ خفا ہوں۔" گورنر بصرہ نے کہا "میں امیر المومنین کو اس کے متعلق اطلاع دے دیتا ہوں"۔ مدینہ آ کر سامانِ تجارت فروخت کیا گیا اور اس سے خاصہ نفع حاصل ہوا۔ حسب ہدایت وہ اصل مال لے کر امیر المومنین کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا "ابا جان! یہ اصل مال ہے اور یہ ہمارا منافع ہے"۔ امیر المومنینؓ نے پوچھا "لیکن یہ بتاؤ کہ ابو موسیٰ نے کُل فوج کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے"؟ بیٹوں نے عرض کیا "نہیں ابا جان"۔ آپ نے فرمایا "تو اس کا یہی مطلب ہوا کہ میرے بیٹے سمجھ کر تمہارے ساتھ یہ رعایت کی ہے۔" بیٹوں نے کہا "جی ہاں"۔ امیر المومنین نے فرمایا "تو اصل رقم اور منافع دونوں بیت المال میں جمع کرو۔"

ایک دفعہ مسلمہ بن عبدالملک ایک مقدمہ میں فریق کی حیثیت سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اجلاس میں پیش ہوا۔ چونکہ شاہی خاندان سے تھا اس لیے درباری فرش پر جا بیٹھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا "اپنے فریق مقدمہ کی موجودگی میں تم فرش پر نہیں بیٹھ سکتے۔ عام لوگوں کے برابر بیٹھو یا کسی دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کرو۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز گرمیوں کی ایک دوپہر میں آرام فرما رہے تھے اور ایک لونڈی پنکھا جھل رہی تھی۔ پنکھا جھلتے جھلتے اس کی بھی آنکھ لگ گئی تو آپ پنکھا لے کر لونڈی کو جھلنے لگے۔ اس کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر چلائی "امیر المومنین یہ آپ کیا کر رہے ہیں"؟ امیر المومنین نے لونڈی کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا "میری طرح تم بھی انسان ہو۔ تم کو بھی گرمی لگتی ہے جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھی اگر میں نے بھی جھل دیا تو مضائقہ کی کیا بات ہے"؟

سلاطین و اُمرا کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کہیں جاتے ہیں تو نقیب و چوبدار اُن کے آگے آگے علم لے کر چلتے ہیں۔ بنی اُمیّہ کے خلفاء نے بھی یہی غیر اسلامی تفوّق کا قاعدہ جاری کر رکھا تھا۔ پھر انہوں نے یہ رسم بھی جاری کر دی

تھی کہ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اُن پر درود و سلام بھی بھیجا جاتا تھا عمر بن عبد العزیزؒ کا دورِ حکومت آیا تو کوتوال نے حسبِ دستور نیزہ لے کر آپ کے آگے چلنا چاہا تو آپ نے اُسے روک دیا۔ اور فرمایا "میں مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں"۔ اور سلام کے بارے میں بھی ہدایت کر دی کہ عام سلام کیا جائے۔ عمّال کو فرمان لکھا "پیشہ ور واعظ خلفا پر درود و سلام بھیجتے ہیں، اُن کو اس فعل سے روک دو، اور ہدایت کر دو کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے دعا کریں۔ مخصوص طور پر میرے لیے کوئی دعا نہ کریں بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے دعا کریں۔ اگر میں اُن میں ہوں گا تو میں بھی دعا میں شامل ہو جاؤں گا"۔

حضرت علی بن حسینؓ بن علیؓ، امام زین العابدینؓ خالص فاطمی سید تھے۔ مگر غرورِ نسب کو عملاً مٹانے کے لیے انہوں نے اپنی ایک لڑکی کی شادی ایک غلام سے کر دی تھی اور ایک لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ خود نکاح کر لیا تھا۔ خلیفہ عبد الملک کو معلوم ہُوا تو اُس نے خط لکھ کر اس فعل پر ملامت کی۔ حضرت امامؒ صاحب نے اس پر جواب میں تحریر فرمایا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہمارے لیے نمونہ ہے۔ آپ نے صفیہ کو جو لونڈی تھی، آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا تھا۔ اور اپنے غلام زید بن حارث کو آزاد کر کے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنتِ جحش کو اُن کے نکاح میں دے دیا تھا۔ ہم اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ معزز نہیں ہیں"۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مہمانوں کی خدمت خود کرتے، اپنے ہاتھ سے چراغ درست کرتے۔ جب آپ کو اس کے متعلق کہا گیا تو فرمانے لگے "جب چراغ کی درستی کے لیے اُٹھا تھا تو بھی عمر ہی تھا، اب بیٹھا ہوں تو بھی عمر ہی ہوں"۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے بارے میں تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ انتقال کے بعد آپ نے جو سرمایہ اپنے پیچھے چھوڑا کل اکیس دینار تھے۔ ان میں سے پانچ دینار اُن کے کفن میں اور دو دینار اُن کی قبر کی زمین خریدنے پر صرف ہوئے۔ گیارہ لڑکوں اور ایک بیوہ پر یہ ترکہ تقسیم کیا گیا، تو ہر ایک کے حصّے میں اُنیس اُنیس درہم آئے۔

ایک مشہور ثقہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ہشام بن عبد الملک جب مرے تو اُن کے پسماندگان بھی گیارہ لڑکے تھے۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے بھی گیارہ لڑکے تھے۔ ہشام کے ترکہ میں سے اُن کے لڑکوں پر دس دس لاکھ درہم تقسیم ہوئے اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے لڑکوں پر صرف اُنیس اُنیس درہم۔ انہی بزرگ کا کہنا ہے کہ عرصہ کے بعد میں نے ہشام کے ایک لڑکے کو دیکھا کہ لوگ اس کو صدقہ دے رہے تھے۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے لڑکے کو اس حال میں پایا کہ ایک دن میں سَو گھوڑے جہاد کے لیے دیئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ہی کا واقعہ ہے کہ آخری وقت قریب آپہنچا ہے۔ زندگی کے سانس ایک ایک کر کے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک قریبی عزیز دوست مسلمہ بن عبد الملک قریب بیٹھے ہیں۔ اپنے جانشینوں کے لیے وصیّت نامہ لکھوا چکے ہیں۔ اپنی تکفین و تدفین کے بارے میں ہدایات دینے کے بعد آپ سے مسلمہ بن عبد الملک نے اہل و عیال کی نسبت سوال کیا کہ "اے امیر المومنین! آپ نے اپنی اولاد کا مُنہ ہمیشہ اس مال سے خشک رکھا۔ اس لیے آپ ان کو ایسی

حالت میں چھوڑ کر جاتے ہیں کہ اُن کے پاس کچھ نہیں ہے۔ کاش آپ مجھے یا اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو اُن کے متعلق کچھ وصیت کر جاتے۔" فرمایا "مجھے ٹیک لگا کر بٹھاؤ۔" پھر فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا کہ میں نے اُن کے مُنہ کو خشک رکھا تو خدا کی قسم میں نے اُن کا حق کبھی تلف نہیں کیا، اور جس چیز میں اُن کا حق نہیں تھا، اُن کو کبھی نہیں دی۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں تمہیں یا خاندان کے کسی شخص کو اُن کے متعلق وصیت کر جاؤں۔ تو ان کے معاملے میں میرا وصی اور ولی صرف خدا ہے اور وہی صلحا کا ولی ہوتا ہے۔ میرے لڑکے اگر خدا تعالیٰ سے ڈریں گے تو خدا تعالیٰ اُن کے لیے کوئی صورت نکال دے گا۔ اور اگر وہ مبتلائے گناہ ہوں گے تو میں اُن کو معصیت کے لیے طاقتور نہ بناؤں گا۔ اس کے بعد لڑکوں کو بلایا اور باچشمِ تر ان کو دیکھ کر فرمایا۔ میری جان! ان نوجوانوں پر قربان، جن کو میں نے محتاج و مفلس چھوڑا ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو اچھی حالت میں چھوڑا۔ لڑکو تم کسی عرب، یا ذمّی سے نہ ملوگے جس پر تمہارا حق نہ ہوگا۔ لڑکو تمہارے باپ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار تھا۔ ایک یہ کہ تم لوگ دولتمند ہو جاؤ اور جہنّم میں داخل ہو، یا تم لوگ محتاج رہو اور جنّت میں جاؤ۔ لیکن یہ بات کہ تم محتاج رہو اور جنّت میں جاؤ اس کو زیادہ محبوب تھی، بہ نسبت اس کے کہ تم دولتمند لوگ ہو اور آگ میں جاؤ۔ اُٹھو خدا تعالیٰ تم کو محفوظ رکھے۔" آپ کی اہلیہ محترمہ کا بیان ہے کہ آخری وقت میں میں نے سنا کہ بار بار اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے "یہ آخرت کا گھر ہم اُن لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں نہ تفوّق چاہتے ہیں نہ فساد کرتے ہیں اور عافیت صرف پرہیزگاروں کے لیے ہے"۔ اس کے بعد گردن جھکالی اور وقت کا یہ سب سے متّقی انسان اپنے خالق سے جا مِلا۔ حضرت جامیؔ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

کیسہ خالی باش بہرِ رفعتِ یومُ الحساب ۔۔۔ صِفر چوں خالی ست زاں از تمام عدد بالا تر ست

(ترجمہ) خالی کیسہ رہ یوم الحساب کی بلندی کے لیے۔ صفر چونکہ خالی ہے اس لیے تمام اعداد سے بالاتر ہے۔

جبلہ نامی شام کا ایک مشہور رئیس مسلمان ہو گیا تھا۔ کعبہ کے طواف کے وقت اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اُس کے مُنہ پر تھپڑ مارا۔ اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ غصّہ سے بے تاب ہو گیا اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے جو کیا اس کی سزا پائی۔ اس نے کہا کہ ہم اس رُتبہ کے شخص ہیں کہ ہم سے جو گستاخی کرے اس کی سزا قتل ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند ایک کر دیا۔

جنگِ قادسیہ سے پہلے ایک لڑائی میں ایران کا سردار جابان نامی گرفتار کیا گیا۔ اُس نے کسی مسلمان کو دھوکا دے کر امان لے لی۔ لوگ اُسے ابو عبیدہؓ سپہ سالارِ اسلام کے پاس لائے اور کہا یہ ایرانیوں کا سردار ہے اس کو قتل کرنا ضروری ہے۔ ابو عبیدہؓ نے کہا، جب ایک مسلمان اسے امان دے چکا ہے تو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا۔ مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں۔ جو عہد ایک مسلمان نے کیا وہ سب پر نباہنا لازم ہے۔

فتوحاتِ شام کے زمانے میں رُومیوں نے ایک جاسوس مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ آیا اور

ایک رات دن رہ کر واپس آ گیا۔ رومیوں نے حالات پوچھے تو اس نے کہا "یہ لوگ رات کے وقت راہب ہوتے ہیں اور دن کے وقت سپاہی بن جاتے ہیں۔ اُن کے عدل و انصاف کا یہ عالم ہے کہ اگر اُن کے بادشاہ کا بیٹا چوری کرے تو اُسے بھی پوری سزا دیتے ہیں۔"

حضرت علی مرتضیٰ نے ایک دفعہ اپنی صاحبزادی کے پاس بیت المال کا ایک موتی دیکھا۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ موتی کہاں سے لائیں۔ میں ضرور سزا دوں گا۔ ابو رافع افسر بیت المال نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! میں نے کھیلنے کے لیئے دے رکھا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک جرم کی وجہ سے اپنے بیٹے عبداللہ کو پوری سزا دی۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

بیت المال سے جب مسلمانوں کے وظائف مقرر ہوئے تو حضرت فاروقؓ نے اپنے لیے بھی وہی مقدار مقرر کی، جو اور مہاجرین کے لیے مقرر کی تھی۔ حضرت فاروقؓ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا "اگر سالم (ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام) زندہ ہوتے تو انہیں خلافت کے لیے نامزد کر جاتا۔"

حضرت علیؓ مرتضیٰ نے ایک دفعہ دو چادریں خریدیں۔ قنبر اپنے غلام سے فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک اپنے لیے پسند کریں۔

جب اہل رُوم کا قاصد شام میں حضرت عبیدہؓ سپہ سالار افواج اسلامیہ سے گفتگو کرنے کے لیے آیا تو وہ تمیز نہ کر سکا کہ ابو عبیدہؓ کون ہیں؟ لوگوں سے دریافت کیا کہ تمہارا امیر کہاں ہے؟ لوگوں نے آپ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ ہیں۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے کی باگ ہاتھ میں تھامے زمین پر بیٹھا ہے اور ہاتھ میں تیروں کو الٹ پلٹ رہا ہے۔

سفارتِ قادسیہ میں ایک شخص مغیرہ بن شعبہ تشریف لے گئے اور جاتے ہی رُستم کے ساتھ تخت پر جا کر بیٹھ گئے۔ چوبداروں نے انہیں تخت سے اُتار دیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس تو تمہاری عقل و دانائی کی باتیں پہنچی ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ تم سے زیادہ بیوقوف اور کوئی قوم نہیں۔ میں خود نہیں آیا۔ تم نے بلایا تھا تو آیا۔ اس سلوک سے تو یہی اچھا تھا کہ تم مجھ کو پہلے ہی یہ بتا دیتے۔ تم میں بعض خدا ہیں اور باقی سب اُن کے بندے ہو کر گردن جھکاتے ہیں آج مجھے پورا یقین ہو گیا کہ تم ضرور مغلوب ہو گے۔ اور کوئی سلطنت اس اُصول اور ان عقلوں کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔ بعض لوگ بول اُٹھے کہ یہ عربی ٹھیک کہتا ہے۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ ایک دفعہ بازار تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک کنیز کھجوروں کی دُکان کے پاس کھڑی رو رہی ہے۔ آپ نے اس سے وجہ دریافت فرمائی تو کنیز نے جواب دیا کہ میرے آقا نے کھجوریں واپس کر دی ہیں۔ یہ دکاندار لیتا نہیں ہے۔ آپ نے دُکاندار کو کھجوریں لینے اور قیمت واپس دینے کے لیے فرمایا۔ اس شخص نے آپ کو بھی جھڑک دیا۔ لوگوں نے اس سے کہا "کچھ خبر ہے کس کو جھڑک رہے ہو"؟ اُس نے کہا "نہیں"۔ لوگوں نے کہا "یہ امیر المومنین ہیں"۔ یہ سن کر اس نے

کہا "اگر جناب مجھ سے ناراض ہو گئے ہوں تو معاف فرمائیں"۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم ایمانداری اور راست بازی سے معاملہ کرو گے تو میری ناخوشی کی کوئی وجہ نہیں۔

ایک شکستہ حال بڑھیا خلیفہ مامون الرشید کے دربار میں آئی اور شکایت پیش کی کہ ایک ظالم نے میری جائداد چھین لی ہے مامون نے پوچھا "کس نے اور وہ کہاں ہے"؟ بڑھیا نے اشارے سے بتایا کہ وہ شخص آپ کے پہلو میں موجود ہے۔ مامون نے دیکھا تو وہ خود اس کا بیٹا تھا۔ وزیر کو حکم دیا کہ شہزادے کو بڑھیا کے برابر جا کر کھڑا کر دو۔ پھر دونوں کے اظہار سُنے۔ شہزادہ رُک رُک کر آہستہ آہستہ گفتگو کرتا تھا۔ لیکن بڑھیا بے دھڑک بلند آواز سے مسلسل گفتگو کرتی تھی۔ وزیر نے بڑھیا کو روکا کہ خلیفہ کے سامنے چلّا کر بولنا بے ادبی ہے۔ مامون نے کہا نہیں، جس طرح چاہے اُسے آزادی سے بولنے دو۔ سچائی نے اس کی زبان تیز کر دی ہے اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے"۔ جب دونوں کے اظہار ختم ہو گئے تو مامون نے فیصلہ بڑھیا کے حق میں کیا اور جائداد اُسے واپس دلا دی اور معقول رقم عباس سے بطور جرمانہ وصول کر کے بڑھیا کو دلائی گئی تاکہ اس تکلیف کا کچھ معاوضہ ہو سکے جو بڑھیا کو اس کی جائداد عباس کے قبضے میں چلے جانے اور انصاف حاصل کرنے کے لیے اٹھانی پڑی تھی۔ ؎

محاسبہ سے وہ صبحِ جزا کے امین ہیں — جو آپ روز و شب اپنا حساب لیتے ہیں

خود مامون پر ایک شخص نے تیس ہزار دینار کا دعویٰ دائر کیا۔ جس کی جوابدہی کے لیے اس کو قاضی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔ خدّام نے قالین لا کر بچھایا کہ خلیفہ اس پر تشریف فرما ہوں۔ قاضی نے حکم دیا کہ قالین اُٹھا دو۔ عدالت کے رُوبرُو خلیفہ اور مُدّعی دونوں برابر درجہ رکھتے ہیں۔ مامون نے کچھ بُرا نہ مانا اور بغیر چون و چرا قاضی کے فیصلے کو تسلیم کر کے مُدّعی کو اس کا حق دے دیا۔

حضرت مجاہدؒ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز ابن عباسؓ کے پاس بیٹھے حضرت صدیقؓ و فاروقؓ کے فضائل کا ذکر کر رہے تھے۔ حضرت فاروقؓ کا ذکر سن کر حضرت ابن عباسؓ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا "میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ آپ نے اپنے فرزند ابو شحمہ پر حد قائم کی۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے"۔ اس کی تفصیل انہوں نے یہ بیان کی ہے:۔

"میں ایک روز مسجدِ نبویؐ میں بہت سے لوگوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی اور اپنے بچے کو پیش کر کے رونے لگی۔ آپ نے اس کا سبب پوچھا تو عرض پرداز ہوئی کہ ایک روز میں بنی النجار کے باغ سے گزر رہی تھی۔ آپ کا لڑکا نشے میں چُور مجھے ورغلا کر باغ کی طرف لے گیا اور مجھ سے مطلب برآری کی۔ میں نے شرم و ندامت سے اس واقعہ کو اپنے عزیزوں سے پوشیدہ رکھا۔ جب وضعِ حمل ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ اس نومولود کا گلا گھونٹ کر مار دوں۔ مگر مامتا غالب آئی۔ اب میں آپ سے دادخواہ ہوں کہ حکمِ الٰہی کے بموجب ہمارے درمیان فیصلہ فرمائیں۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا "آپ لوگ منتشر نہ ہوں۔ میں ابھی گھر ہو کر واپس آتا

ہوں۔ گھر آ کر ابوشحمہ کو دریافت کیا۔ وہ کھانا کھا رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر آپ نے فرمایا "شاید یہ تمہارا آخری رزق ہے۔ جلد فراغت حاصل کر لو"۔ یہ سُن کر اُن کے اوسان خطا ہو گئے اور کھانے سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ حضرتِ فاروقؓ نے قسم دے کر اُن سے پوچھا "کیا تم نے کبھی شراب پی ہے"؟ اُنہوں نے جواب دیا "ہاں مجھ سے ایک مرتبہ ایسا قصور ہُوا ہے اس کے بعد میں اس سے تائب ہو چکا ہُوں"۔ پھر آپ نے قسم دے کر فرمایا "کیا" نے حالت نشہ میں کسی عورت سے بدکاری کی تھی"؟ اس پر انہوں نے شرم و ندامت سے اپنا سر جھکا لیا۔ دوبارہ پوچھنے پر اپنے جرم کا اقرار اور توبہ و انابت کا اعتراف کیا۔ آپ نے فوراً اُن کا گریبان پکڑ لیا اور کشاں کشاں مسجد کی طرف لے آئے۔ یہاں اصحابِ رسولؐ کا مجمع پہلے سے موجود تھا۔ آپ نے سب طرف مخاطب ہو کر فرمایا "عورت سچ کہتی ہے اور ابوشحمہ مجرم ہے"۔ آپ نے اپنے غلام افلح کو حکم دیا کہ کپڑے اُتروا کر اس پر حد جاری کی جائے۔ ابوشحمہ نے رحم کی درخواست کی جو فاروقِ اعظمؓ نے رَد کر دی۔ اور جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ مَیں نے تم پر حد اسی لیے جاری کی ہے کہ پروردگار تم پر رحم کرے۔

جب ابُوشحمہ دُرّوں کی تاب نہ لا کر مسلسل ضربوں سے ضعیف و ناتواں ہو گئے تو اصحابِ رسولؐ نے سفارش کی کہ کسی اور وقت پر بقیہ حد کو اُٹھا رکھا جائے۔ فرمایا "جب معصیت میں دیر نہیں کی تو حد میں کیونکر دیر کی جا سکتی ہے"؟ اسی اثنا میں اُن کی والدہ کو خبر ملی، وہ بھی سفارش کے لئے آئیں۔ جب دُرّہ زنی اپنی آخری حد کے قریب پہنچی تو ابُوشحمہ نے اپنی خفیف آواز میں یَا اَبَتِ اَلسَّلامُ عَلَیکَ کہا۔ حضرت فاروقؓ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا "جب تم محمد صلی اللہ علیہ وسلّم سے ملو تو میرا اسلام پہنچاؤ اور یہ عرض کرو کہ میں نے عمرؓ کو قرآن پڑھتے اور حدُود کو قائم کرتے چھوڑا ہے"۔ آخری دُرّہ پر ابوشحمہ نے ایک چیخ ماری اور جاں بحق ہو گئے۔ حضرت فاروقؓ نے دوڑ کر گود میں اٹھا لیا۔ آنکھیں اشک بار تھیں۔ دل و جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جا رہے تھے۔ آپ پیشانی کو چومتے اور اپنی بھرائی ہوئی آواز میں فرماتے جا رہے تھے "تیرا باپ تجھ پر قربان ہو، تو حق پر قتیل ہُوا"۔

امیر المومنین حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک اعرابی کا اُونٹ مر گیا۔ وہ دُور دراز علاقہ سے منزلیں طے کرتا ہُوا بیت المال سے اُونٹ حاصل کرنے کے لئے دار الخلافہ مدینہ منورہ پہنچا۔ آپ کی رہائش گاہ پر آیا تو حضرت امام حسینؓ نے اس کا استقبال کیا اور خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ حضرت امیر المومنینؓ تو کاروبارِ خلافت کے سلسلے میں کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں۔ آپ نے اس اعرابی کو مسجد کے حُجرے میں بٹھایا اور کہا کہ مَیں آپ کے لیے کھانا تیار کر کے لاتا ہُوں۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں پُرتکلف کھانا تیار کر کے سامنے رکھا۔ اعرابی نے کہا۔ میں یہ کھانا ہرگز نہ کھاؤں گا جب تک کہ اس غریب شخص کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک نہ کر لوں، جو صحنِ مسجد میں خشک روٹی پانی میں بھگو بھگو کر کھا رہا ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا "یہی تو میرے والد امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں۔ وہ اپنے معمول کے برخلاف یہ پُرتکلف کھانا ہرگز نہ کھائیں گے۔ اعرابی یہ سادگی اور نفس کشی دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اتنی سلطنتِ عظیم کے سیاہ و سفید کے مالک و مولیٰ کی یہ سادگی اور ایسی خشک غذا جس کو غریب ترین انسان بھی کھانا گوارا نہ

کرے۔ بغرض اس اعرابی کو بیت المال سے ایک عمدہ اُونٹ دلادیا گیا۔ وہ شکرگزاری و حیرانی کے جذبات سے بھرپور شاد کام اور بامراد اپنے وطنِ مالوف کو واپس چلا گیا۔ مساواتِ اسلامی کے ان واقعات رعایا پروری کا مقابلہ ہمارے حکامِ والامقام کے ذاتی طرزِ عمل اور سلوکِ رعایا سے کیجیے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

حضرت امام حسین رضؓ نے حضرت امام حسن رضؓ کے آخری وقت میں ہر چند چاہا کہ آپ بتلادیں کہ آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟ مگر آپ نے نہ بتایا اور فرمایا جس پر میرا شبہ ہے اگر وہی قاتل ہے تو خدا خود منتقمِ حقیقی ہے۔ اور اگر دراصل وہ نہیں ہے تو میرے واسطے کوئی ناحق کیوں قتل جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کی خدمت میں ایک آدمی جوارش لایا۔ آپ نے دریافت فرمایا "یہ کیا ہے؟" اس نے عرض کی "یہ ہاضمِ طعام ہے"۔ آپ نے فرمایا "مجھے اس کی کیا ضرورت ہے"۔ میں نے عرصۂ دراز سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا ہے۔ ایک دفعہ آپ کے گھر کے اثاث البیت کا حساب لگایا گیا تو کل سَو درہم سے زیادہ کا سامان نہ تھا۔

آپ کو لوگوں نے خلیفہ بنانے کی بے حد کوشش کی مگر آپ ہمیشہ انکار کرتے رہے۔ لوگوں نے بہت کچھ خوف ولالچ دیا مگر اس کو آپ نے کبھی قبول نہ کیا۔ ایک دفعہ لوگوں کے اصرار کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں ایسی خلافت پسند نہیں کرتا جس کے لیے ایک آدمی "نہیں" کہے اور دوسرا "ہاں" کہے۔

یزید کی بیعت کی خبر سُن کر آپ نے فرمایا "اگر یہ خیر ہے تو ہم اس پر راضی ہیں اور اگر بلا ہے تو ہم صابر ہیں"۔

ایک دفعہ آپ کے پاس بیس ہزار دینار آئے۔ آپ نے لوگوں کو دینار دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سب ختم کرکے اُٹھے بلکہ اور رعال کا بھی اضافہ کیا۔ آخر میں ایک اور آدمی آیا، جب کہ تمام مال صرف ہو چکا تھا۔ جن لوگوں کو دیا جاچکا تھا، اُن سے قرض لے کر اس کو بھی دیا۔ فرمایا کرتے کہ میں بازار صرف اس لیے نکلتا ہوں کہ میں سلام کروں اور مجھ پر سلام کیا جائے تاکہ دونوں ثواب میں شریک ہوں۔ چنانچہ آپ ہر ایک کو پہلے سلام کرتے تھے۔ غریب و امیر، معذور، مسافر، آقا و ملازم اور واقف یا اجنبی کی ہرگز تفریق نہ تھی۔

ایک روز حجاج جیسا ظالم بادشاہ خطبہ دے رہا تھا۔ خطبہ دیتے دیتے شام ہوگئی۔ نماز کا وقت آیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا "اے شخص نماز کا وقت آگیا ہے اب بیٹھ جا"۔ ان الفاظ کا تین بار اعادہ کیا۔ حجاج باز نہ آیا۔ چوتھی مرتبہ آپ نے قوم کی طرف خطاب کرکے کہا "اگر میں اُٹھ جاؤں تو کیا تم اُٹھنے کے لیے تیار ہو؟" لوگوں نے جواب دیا "ہم تیار ہیں"۔ اس پر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور حجاج سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں نماز کی ضرورت نہیں ہے"۔ حجاج منبر پر سے اُترا اور نماز پڑھی۔ بعد نماز عبداللہ بن عمر رضؓ کو بلاکر پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا "جب نماز پڑھ لو، اس کے بعد جو چاہو کہا کرو"۔ یہی صاف گوئی موت کا باعث بنی۔ کیونکہ اسی دشمنی کی وجہ سے حجاج کے حکم سے ایک شخص نے حج کے ایام میں لوگوں کے اژدحام میں آپ کے پاؤں پر زہر آلود نیزہ چبھو دیا اور اس کے زخم سے آپ واصل بحق ہوگئے۔

حضرت سلمان فارسیؓ نہایت قوی ہیکل، وجیہہ اور بے حد بارعب تھے۔ بیت المال سے آپ کو چار ہزار درہم ملتے

تھے لیکن آپ ان کو غرباء و مساکین تقسیم کر دیتے تھے۔ اور خود اپنے ہاتھ کی کمائی پر بسر اوقات کرتے تھے۔ جب آپ مدائن کے حاکم تھے۔ اس زمانے میں بھی کھجور کی چٹائیں وغیرہ بنا کر معاش پیدا کرتے تھے۔ آپ کے پاس صرف ایک عبا تھی جس کا آدھا حصہ بچھاتے اور آدھا اوڑھتے عمر بھر مکان نہ بنایا جہاں موقع مل جاتا کسی کے مکان کے سائے میں پڑ رہتے۔

ایک دن آپ نے خادم کو کسی کام کے لیے بھیجا اور خود آٹا گوندھنے لگے۔ ایک شخص آیا۔ اس نے دیکھ کر کہا، "آپ کا خادم کہاں ہے"؟ آپ نے جواب دیا" اس کو ایک ضروری کام کے لیے بھیجا ہے۔ مجھے یہ امر پسند نہیں کہ اس پر دو کاموں کا بوجھ ڈالوں۔ اس لیے ایک کام میں خود کر رہا ہوں، اس میں حرج ہی کیا ہے"؟

حضرت عالمگیرؒ ایک روز جامع مسجد دہلی میں نماز جمعہ کے لیے کسی مجبوری کی وجہ سے ذرا تاخیر سے پہنچے۔ دیکھا تو امام جامع مسجد آمدِ شاہ کا منتظر بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا "وقت مقررہ پر نماز شروع کر دیتے۔ میرے انتظار کی کیا حاجت تھی"؟ اور یہ کہہ کر امام کو برخاست کر دیا کہ "جو امام احکامِ خداوندی کے مقابلے میں آدابِ شاہی کو زیادہ ملحوظ رکھے، وہ قابلِ امامت نہیں"۔

جب مسلمان ہجرت کر کے مدینے آئے تو مہاجرین کی بے سروسامانی پر نظر کر کے حضرت نبی کریمؐ نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری سے منسلک کر دیا اور فرمایا " یہ تمہارے بھائی ہیں"۔ اس ارشاد کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر انصاری اپنے مہاجر بھائی کو لے گیا اور اسے ایک ایک چیز کا حساب دیا کہ یہ آدھا آپ کا ہے اور یہ آدھا ہمارا ہے۔ سعد بن ربیعہؓ کے ہاں دو بیویاں تھیں۔ اُس نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ میں ایک کو طلاق دے دیتا ہوں۔ آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔ لیکن مہاجرینؓ کی سیر چشمی دیکھیے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے منظور نہ کیا اور صرف یہ کہا کہ تمہاری ہر چیز تمہیں مبارک رہے۔ مجھے صرف بازار کا راستہ دکھا دو۔ تقسیمِ سامان کے بعد انصارؓ نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ ہمارے باغ اور زمینیں بھی ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ لیکن حضورؐ نے اس درخواست کو منظور نہ فرمایا۔

حضرت حُذیفہ عدویؓ فرماتے ہیں کہ جنگ تبوک میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے تھے۔ میں اپنے عم زاد بھائی کے پاس جو بالکل قریب مرگ تھا، پانی لے گیا۔ ابھی اس نے پیالہ مُنہ کو نہ لگایا تھا کہ پاس سے ایک زخمی سپاہی ہشام بن العاصؓ کی آواز آئی۔ میرے بھائی نے اسی حال میں بغیر پانی پیئے پیالہ مجھے واپس کر دیا کہ پہلے ہشام کو پلاؤ۔ ہشام اس وقت دم توڑ رہا تھا۔ میں ہشام کے پاس پہنچا ہی تھا کہ پاس سے ایک تیسرے سپاہی کی آواز سنائی دی۔ ہشام نے بھی پانی واپس کر دیا اور اشارے سے مجھے اس آواز کی طرف متوجہ کیا۔ میں وہاں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص مر چکا ہے۔ میں ہشام کی طرف دوڑا لیکن میرے پہنچنے سے پہلے وہ بھی زندگی ختم کر چکے تھے۔ پھر میں اپنے بھائی کی طرف دوڑا تو وہ بھی موت کی نیند سو چکے تھے۔

ایک بار مدینہ طیبہ میں قحط کے آثار نمودار ہوئے۔ غلہ نہایت گراں اور کمیاب ہو گیا۔ حضرت امام جعفر صادقؒ نے اپنے وکیل کو بلا کر پوچھا" ہمارے ہاں کس قدر غلہ ہے"۔ وکیل نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیں قحط و گرانی سے کوئی خطرہ نہیں، ہمارے پاس غلے کا کافی ذخیرہ ہے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا" سب غلہ اسی وقت ارزاں نرخ پر فروخت کر ڈالو"۔ وکیل نے عرض کیا" اگر قحط نے خطرناک صورت اختیار کر لی تو غلے کا ملنا دشوار ہو گا۔ اس وقت غلے

کو ارزاں نرخ پر فروخت کر دینا مصلحت و دُور اندیشی کے خلاف ہے۔" آپ نے فرمایا "نہیں، جو حال سب مسلمانوں کا ہوگا وہ ہمارا رہے گا"

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے۔ ایک شخص آیا اور کہنے لگا "فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے آپ چل کر بدلہ دلوا دیجیے" آپ نے اس کے ایک درّہ مار دیا کہ جب میں اس کام کے لیے بیٹھتا ہوں اس وقت تو آتے نہیں، جب میں دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہوں تو آ کر کہتے ہیں کہ بدلہ دلوا دو" وہ شخص چلا گیا۔ آپ نے آدمی بھیج کر اس کو بلوایا اور درّہ اس کو دے کر فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے واسطے معاف کیا۔ آپ گھر تشریف لائے، دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد اپنے آپ کو خطاب کر کے فرمایا "اے عمرؓ! تو کمینہ تھا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اونچا کیا۔ تو گمراہ تھا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو ہدایت بخشی۔ تو ذلیل تھا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو عزّت دی۔ پھر لوگوں کا بادشاہ بنایا۔ اب ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ مجھے ظلم کا بدلہ دلوا دے تو تُو اس کو مارتا ہے۔ کل کو قیامت کے دن اپنے رب کو کیا جواب دے گا"؟ بڑی دیر تک اسی طرح اپنے آپ کو ملامت کرتے رہے۔

امیر طلحہ کا قصّہ مشہور ہے کہ وہ تنہا ایک قبیلہ میں گئے۔ قبیلے کا سردار مالک بن عوف تھا۔ اس نے نہ پہچانا اور ان کی مہمانداری میں تقصیر کی۔ جب وہ چلے گئے تو مالک بن عوف کو معلوم ہوا۔ فوراً ایک معذرت نامہ لکھا۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ مجھے تو کسی بات کی پروا نہیں ہے، نہ کوئی شکایت ہے۔ البتہ تم کو چاہیے کہ تمام مہمانوں کے حقوق جانو اور مثل باراں کے تر و خشک ہر جگہ برسو، اور آفتاب کی طرح ہر جگہ چمکو۔

مشہور واقعہ ہے کہ یوسف علیہ السلام جب مصر میں بادشاہ تھے، قحط کے زمانے میں ہر روز دُبلے ہوتے جاتے تھے۔ لوگوں نے سبب پوچھا۔ جواب دیا کہ اس فکر میں رہتا ہوں کہ کوئی شخص بھوکا نہ رہے۔ اگر ایسا ہوا کہ کوئی غریب بھوکا رہا اور میں نے سیر ہو کر کھانا کھایا تو قیامت کے دن سخت باز پرس ہوگی۔ کیونکہ بادشاہ تمام رعایا کے خورد و نوش کا ذمّہ دار ہے۔

کہتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر تختِ شاہی پر بیٹھنے کے بعد بھی نہایت سادہ اور محتاط زندگی بسر کرتا تھا۔ خاص بادشاہ کے ذاتی باورچی کی خدمت ظاہر ہے کہ بہت عزّت اور شہرت کی چیز سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے بڑے بڑے ہنرمند باورچی بجید شوق اور آرزو سے یہ خدمتِ خاص حاصل کرتے تھے۔ مگر بعد میں یہ حقیقت کھل جاتی تھی کہ پتلی کھچڑی یا معمولی روٹی دونوں وقت پکتی ہے۔ اور تمام کی تمام بادشاہ سلامت کے سامنے دستر خوان پر چلی جاتی ہے۔ اور دستر خوان سے صاف رکابی واپس آ جاتی ہے۔ یعنی باورچی کو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے بھی کچھ نہیں ملتا اور خشک تنخواہ پر گزر کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے چند ہی روز میں وہ عاجز آ کر ترکِ ملازمت کر کے چلے جاتے تھے یا شاہی مطبخِ عام میں تبدیلی کرا لیتے تھے۔

بار بار کے استعفوں سے تنگ آ کر بادشاہ نے ایک نئے باورچی سے یہ معاہدہ کیا کہ کم از کم برس دن تک تم کو ملازمت میں رہنا پڑے گا اور اس عرصہ میں استعفا قبول نہ ہوگا۔ ناواقف باورچی نے بڑی خوشی سے معاہدہ کر لیا۔ مگر جلد ہی اس پر بھی یہ حقیقت کھل گئی۔ اب یہ باورچی مصیبت میں پڑ گیا۔ نہ گزر ہوتی تھی نہ استعفا دے سکتا تھا۔ لاچار تنگ آ کر اس نے سوچا کہ بادشاہ کو اس قدر ناراض کر دو کہ خود ہی نکال دے۔ لہٰذا اس نے ایک دن کھچڑی میں برابر کا نمک جھونک دیا۔

بادشاہ نے کھچڑی کھالی۔ باورچی کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا مگر فرمایا کچھ نہیں۔ باورچی نے مایوس ہو کر اگلے دن بالکل نمک نہ ڈالا اور پھیکی کھچڑی پکائی۔ بادشاہ نے اس دن بھی کچھ نہ فرمایا۔ تیسرے روز باورچی نے صحیح مقدار نمک کی ڈالی۔ بادشاہ نے اس دن بھی باورچی کو نظر اُٹھا کر دیکھا اور نہایت تحمّل سے فرمایا کہ میاں صاحب ایک ڈھنگ اختیار کر لو۔ یا تو برابر کا نمک ہمیشہ ڈالا کرو یا بالکل پھیکی پکایا کرو یا معتدل ذائقہ ہو۔ بار بار نمک کی مقدار بدلنے کی تکلیف مت اُٹھاؤ۔ باورچی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔ حکم ہُوا کہو کیا کہنا چاہتے ہو"؟

باورچی نے عرض کیا کہ جہاں پناہ! میں سات لڑکیوں کا باپ ہُوں۔ شاہی باورچی کہلاتا ہوں۔ لوگوں کو مجھ سے بڑی توقعات ہیں اور میری حالت یہ ہے کہ فاقوں مرتا ہوں۔ میں نے یہ سمجھ کر ملازمت کی تھی کہ جہاں پناہ کی ذاتی خدمت بجا لا کر کچھ عرصہ میں متموّل بن جاؤں گا۔ مگر اب تو سال بھر تک فاقہ ہی نظر آتا ہے۔ بہ تصدّقِ فرقِ مبارک خادم کو آزاد فرمایا جائے۔

بادشاہ نے فرمایا "آزادی کی خواہش ہے یا روپے کی ضرورت ہے"۔ عرض کیا "روپے کی زیادہ ضرورت ہے"۔ فرمایا "اچھا آج آدھ پاؤ کھچڑی زیادہ پکا لینا"۔ باورچی کچھ نہ سمجھا اور آدھ پاؤ کھچڑی زیادہ پکالی۔

بادشاہ نے اپنے حصّے کی کھچڑی ختم کر کے باقی ماندہ زائد کھچڑی کے سات حصے کیے اور ایک ایک طشتری میں ایک ایک حصہ رکھ کر باورچی کو حکم دیا کہ خوان میں لگا کر ہمارے ساتوں وزیروں کو ہمارا یہ اُلش پہنچا دو۔

چونکہ آج تک ایسا تحفہ وزرا کو نہ ملا تھا۔ وزیروں کو اس غیر معمولی شاہی التفات کی خبر لگی تو اُن کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ شاہی باورچی کا بڑے تزک و احتشام سے ساتوں وزیروں کی ڈیوڑھیوں پر استقبال ہُوا اور شاہی اُلش لانے کے صلے میں ہر وزیر نے باورچی کو ایک ایک لاکھ روپے کی نقد رقم ادا کی۔

باورچی یہ سات لاکھ روپے کی رقوم اور کافی ساز و سامان کمانے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ بادشاہ نے پوچھا "کہو گزارے کی کوئی صورت نکل آئی"؟ باورچی نے دست بستہ عرض کی کہ حضور کی توجّہ کی بدولت اب عمر بھر کے لیے بے فکری ہو گئی ہے، اب کوئی حاجت باقی نہیں۔ بادشاہ نے فرمایا "آئندہ کھچڑی میں نمک صحیح اندازہ سے ڈالا کرنا"۔

جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم اور مبلّغ بنا کر بھیجا تو چند نصائح ارشاد فرمائے۔ منجملہ اُن کے ارشاد فرمایا: ترجمہ

"اہلِ یمن کو سمجھانا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے کہ اُن کے مالداروں سے لی جائے اور ان کے فقرا و غربا پر تقسیم کی جائے"۔

یہی اسلام کا وہ معتدل اور بہترین قانونِ مساوات ہے جس پر عمل کرانے سے سرمایہ دار اور مزدور کی موجودہ کشمکش اور فتنہ عظیم دُنیا سے قطعًا معدوم ہو جائے اور افراط و تفریط کے موجودہ نظام کی جو آج سوشلزم، انارکزم، نہلزم اور کیپٹلزم کی صورتوں میں نظر آ رہا ہے کوئی حاجت ہی باقی نہ رہے اور غربت و افلاس کی زندگی ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے۔

جس کی وجہ سے دنیا میں فتنۂ عظیم برپا ہے اور امیر و غریب ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے ہیں۔ اور اعضائے یکدگر ہونے کے بجائے اعدائے یکدگر ہیں۔ ؎

بنی آدم اعدائے یکدگر اند کہ در مالِ دنیا برابر نیند

ٹرکی کے مشہور سلطان مراد نے یہ کہہ کر ایک مشہور معمار کے دونوں ہاتھ کٹوا دیئے کہ اس نے ہمارا وقت اور سرمایہ دونوں ضائع کئے ہیں اور وہ مسجد کی خوبصورتی اور رعنائی میں کوئی نمایاں اضافہ نہیں کر سکا۔

معمار نے ایک مظلوم کی حیثیت سے قاضی کے دربار میں جاکر نہایت واضح الفاظ میں اس ظلم صریح کا اظہار کیا اور کہا کہ میں آپ کو اس شرعِ مبین کا قاضی سمجھ کر آیا ہوں۔ جس میں ہر چھوٹے بڑے کے لیے برابر انصاف موجود ہے چنانچہ قاضی نے عام مقدمات کی طرح سلطان کو طلبی کے لیے سمن بھیجے۔ جس کی تعمیل میں سلطان کو حاضر عدالت ہونا پڑا۔ چنانچہ قاضی نے سلطان کی جابرانہ حیثیت کو بالائے طاق رکھ کر ایمان افروز تقریر کی اور آیات قرآنی کا زبانی مفہوم بیان کیا تو شاہ کے دل پر عظمتِ خداوندی کا بے پناہ اثر ہوا، اور ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ دونوں ہاتھ آستینوں سے نکال کر بولا "میرے دونوں ہاتھ حاضر ہیں، انہیں حکمِ خداوندی کے ساتھ قطع کر دو۔" معمار جو اس تمام واقعہ کو دیکھ اور سُن رہا تھا کہا کہ میں نے خدا تعالیٰ اور مصطفےٰ ؐ کے لیے بخش دیا۔ چنانچہ سلطان نے معقول معاوضہ دے کر معذرت خواہی بھی کی۔ یہ صرف آئینِ محمدؐ اور مساواتِ اسلام کی خوبی ہے، جس نے ایک شہنشاہ کو معمار کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ ؎

یافت مورے بر سلیمانے ظفر سطوتِ آئینِ پیغمبرؐ نگر

حضرت بلال رضؓ کی درخواست

بارگاہِ نبویؐ میں جو مؤذن تھے بلالؓ کر چکے تھے غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ مدینہ میں کریں عقد کہیں جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر
میں، غلامِ حبشی ہوں حبشی زادہ بھی ہوں بات یہ ہے کہ نہیں پاس مِرے دولت و زر
ان فضائل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے کون ہے جس کو نہیں میری قرابت پہ حذر
گردنیں جھک کے یہ کہنے لگیں دل سے منظور جس طرف اس حبشی زادہ کی اُٹھتی تھی نظر

شہنشاہ محمد تغلق عدالت کے کٹہرے میں

کھڑے تھے ایک دن محوِ تفکر باغ شاہی میں وہ تغلق شاہِ شہ گردوں وقار و معدلت گستر
یکایک آکے اس جا ایک طفلِ غیر مسلم بھی لگا پھرنے حضورِ شاہِ عالی بے خطر ہو کر
نظر تغلق کی جب اس پر پڑی تو فرطِ غصہ سے بڑھا کر ہاتھ مارے دُرّے اس کی پشتِ عریاں پر

جونہی قاضی کو لڑکے کی زبانی یہ خبر پہنچی　　بُلایا شاہِ ذی شاں کو عدالت میں نڈر ہو کر
کہا۔ کیا کرتے ہو تسلیم تم تقصیر یہ اپنی　　کہا تسلیم کرتا ہوں مرا یہ ظلم ہے یکسر
دیا یہ حکم لڑکے کو لگاؤ شاہ کے دُرّے　　کہ "اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ" ہے حکمِ خالقِ اکبر
جھکایا سر یہ سن کر شاہ نے اور پشت عُریاں کی　　کہا لڑکے سے ہاں دُرّے لگائے بے خطر ہو کر
سزا جب اپنی پوری پا چکے تو ہنس کے فرمایا　　خدا کا شکر پورا ہو گیا فرمودۂ داور

حضرتِ فاروقِ اعظم رضؓ کی طرزِ معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ تھی۔ سفر، حضر، جلوت، خلوت، مکان اور بازار میں کوئی شخص آپ کو کسی علامت سے نہیں پہچان سکتا تھا کہ آپ ہی خلیفۂ وقت اور امیرالمؤمنین ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے ایلچی مسجدِ نبویؐ میں آ کر ڈھونڈتے اور پوچھتے تھے کہ خلیفۂ وقت کہاں ہیں؟ حالانکہ آپ پھٹے پرانے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے وہیں بیٹھے ہوتے تھے۔

جنگِ مصر کی فتح کی خوشخبری سُننے کے لیے حضرت فاروقِ اعظمؓ عالمِ بے تابی میں کئی کوس دُور چلے جاتے۔ آخر ایک روز ایک سانڈنی سوار کو دُور سے دیکھا۔ آپ دوڑتے ہوئے اس کے پاس گئے۔ دریافت کیا "کہاں سے آ رہے ہو؟" اس نے کہا "مصر سے آ رہا ہوں اور حضرت امیرالمؤمنین کو فتح کی بشارت دینے جا رہا ہوں"۔ آپ مدینہ منوّرہ تک اس سانڈنی سوار کے پیچھے دوڑتے گئے۔ سانڈنی سوار نے لوگوں سے امیرالمؤمنین کا پتہ پوچھا۔ لوگوں نے کہا "حضرت امیرالمؤمنین یہی تو ہیں جو آپ کے پیچھے دوڑتے چلے آ رہے ہیں۔"

ایک یہودی اور ایک مسلمان کے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ تھا۔ دربارِ فاروقی میں یہ معاملہ پیش ہُوا۔ یہودی سچا تھا۔ فاروقِ اعظم رضؓ نے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن ابو شحمہ اور سالے قدامہ بن مظعون نے ایک بار شراب پی۔ ثبوتِ شرعی گزرنے پر آپ نے اپنے لختِ جگر اور سالے یعنی حفصہؓ کے ماموں پر جو اُن دنوں بحرین کے گورنر تھے، حد جاری فرمائی۔

زید بن وہبؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضؓ کو ایک چادر اوڑھے دیکھا۔ اس میں سترہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر میری طبیعت بھر آئی۔ مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور میں اپنے گھر چلا آیا۔

حضرت انس رضؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے زمانۂ خلافت میں حضرت عمر رضؓ کے کُرتے میں چار پیوند لگے دیکھے اور آپ کے تہبند میں چمڑے کا بھی ایک پیوند لگا ہُوا تھا۔ حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ قحط سالی کے زمانے میں جب غلّہ وغیرہ کی کمی ہو گئی تو آپ نے جَو کی روٹی کھانی شروع کر دی، جو آپ کو موافق نہ آئی تھی۔ آپ اپنے شکم پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کرتے کہ قسم خدا کی، اس کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔ جب تک خدا مسلمانوں کو ارزانی نہ عطا فرمائے۔

ایک مرتبہ قریباً پچاس انصار و مہاجرین کی اتفاق رائے سے قرار پایا کہ حق تعالیٰ نے عمر فاروقؓ کے ہاتھ پر قیصر و کسریٰ کے ممالک اور مشرق و مغرب کی ولایتیں فتح کرا دیں، عرب و عجم کے قاصد آپ کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں، وہ آپ کی بارہ پیوندگی کملی کو دیکھ کر کیا خیال کرتے ہوں گے۔ اس لیے فاروقِ اعظم رضؓ سے عرض کیا جائے کہ وہ عمدہ کپڑے

پہنیں اور اپنے دسترخوان کو وسیع فرمائیں۔ حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ کو بات چیت کرنے کے لیے منتخب کیا گیا۔ حضرت فاروق اعظم رضؓ اُن کا مشورہ سُن کر رو پڑے اور فرمایا "میرے آقا نامدار حضور سرورِ کائنات ؐ نے کبھی گیہوں کی روٹی کی صورت نہ دیکھی، کبھی اُن کو دونوں وقت کھانا میسر نہ ہُوا، کبھی پیٹ بھر کھانا نہ کھایا۔ وہ ہمیشہ پھٹے پرانے کپڑے پہنتے تھے۔ اُن کا اُون کا جبّہ ایسا تھا جس کی سختی سے کئی دفعہ جسم مبارک چھل جاتا تھا۔ کبھی نرم بستر پر نہیں سوئے۔ حالانکہ آپ سراپا رحمت تھے، مگر اس کے باوجود بھوک، بیداری، رکوع و سجود اور گریہ زاری میں رات دن گزارتے تھے۔ اس لیے عمر نہ اچھا کھانا کھائے گا نہ اچھے کپڑے پہنے گا۔"

۵
شاہزادی فاطمہ۔ زوجِ عمر۔ عبد العزیز
یعنی وہ پروردۂ آغوشِ شاہانِ عرب
وہ سراپا صدق۔ ہمعصروں میں اپنے منتخب
وہ کنیزِ حکمِ شوہر اور وہ کانِ ادب
اُن کا نقد و جنس بیت المال میں کچھ جمع تھا
کر لیا تھا اُن کے شوہر نے کہ جو اُن سے طلب
وہ عمر رضؓ وہ ثانیِ فاروق رضؓ روحِ اتقا
وہ فدائے نامِ احمدؐ، بندۂ فرمانِ رب
سادگی سے خود بسر کرتے تھے اپنی زندگی
اپنی بیوی کو بنا سکتے تھے کب راحت طلب
لے کے سارا مال بیگم سے خزانے میں رکھا
دل میں بس یہ "دیکھیے یہ قوم کے کام آئے کب"

فاطمہ نے ایک دن فاروقِ ثانی سے کہا
آج کل ہیں آپ امیر المؤمنین از فضلِ رب
جُھلسے جاتے ہیں یہ میرے ہاتھ چولہا جھونکتے
ایک لونڈی تو مجھے دے دیجیے گا آپ اب
سُن کے یہ بولے امیر المؤمنینِ خوش سِیَر
فاطمہ! تم میرے مال و زر سے ناواقف ہو کب
اور جو بیت المال کی پوچھو تو وہ ہے قوم کا
ایک حبّہ بھی جو اس سے لُوں تو ہو جائے غضب
مانتا ہُوں تم کو ہے تکلیف بے لونڈی مگر
آتشِ دوزخ کے اُف جانسوز ہیں رنج و تعب

جب ہُوئیں بیوہ، خلافت ان کے بھائی کو ملی
تخت پر بیٹھا یزید ابن الملک والا حسب
بھائی نے چاہا کہ واپس کر دے زرِ ہمشیرہ کو
ہے یہی بہتر یہ "مال عرب پیش عرب"
لیکن اس خاتون نے انکار لینے سے کیا
اور کہا مجھ کو نہیں اس چیز کی مُطلق طلب
جس طرح تھی زندگی میں اپنے شوہر کی مطیع
بعد رحلت بھی اُسی صورت سے ہوں میں تابع اب
سب سے زیادہ یہ زروئے حکمِ محبوبِ خُدا
مسلموں کو مسلموں پر فوقیت جائز ہے کب

شنیدم کہ شاہنشہے دادگر
قبا داشتے ہر دو رُو آستر
یکے گفت کای شاہِ گیتی فروز
قبائی ز دیبائے چینی بدوز
بگفت ایں قدر ستر و آسائش است
وزیں بگذرم زیب و آرائش است
مرا ہم ز صد گونہ آرزو ہوا است
ولیکن خزانہ نہ تنہا مرا است

سیرۃ الاولیا

ایک دن ایک عورت حضرت ابراہیم بن یوسفؒ کی طرف دیکھنے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے کچھ کام ہے؟ اس نے کہا نہیں، مگر تم علما کا خیال ہے کہ عالم کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ میں بھی اس خیال سے تجھ کو دیکھتی ہوں"۔ یہ سُن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر فرمایا" اس عورت کی غلطی ہے، کیونکہ جن لوگوں کی طرف دیکھنا عبادت ہے وہ کب کے قبروں میں پڑے ہیں۔ مسلمانان در گور، و مسلمانی در کتاب"۔

حضرت رابعہ عدویہؒ کی آنکھ میں نماز پڑھتے وقت ایک تنکا چُبھ گیا جو سلام کے بعد آپ کو معلوم ہوُا۔ آپ نے فرمایا " دیکھو میری آنکھ میں یہ سخت چیز کیا ہے"؟ پس اس کو زیادہ گہرا ہونے کے باعث بڑی مشکل سے نکالا۔

حضرت خلفؒ بن ایوب ایک روز مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اُن کا ایک آدمی کسی بات کے دریافت کرنے کو آیا۔ آپ اُٹھے اور مسجد سے باہر جاکر اس کی بات سُنی اور اس کو جواب دیا۔ پھر واپس آگئے اور فرمانے لگے مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا مناسب نہیں، یہ خانۂ خداؐ ہے۔

ایک شخص نے حضرت ابوذرؓ سے کہا کہ تم ہی ہو جس کو حضرت معاویہؓ نے جلاوطن کیا تھا۔ اگر تم نیک ہوتے تو وہ تم کو جلاوطن نہ کرتے۔ آپ نے فرمایا" اے دوست! میرے سامنے ایک سیاہ گھاٹی ہے۔ اگر اس سے بچ گیا تو تیرا برا کہنا مجھے کچھ نقصان نہ دے گا۔ اور اگر اس سے نہ بچا تو جو تو کہتا ہے مَیں اُس سے بھی بُرا ہوُں"۔

ایک آدمی نے بکرؒ بن عبداللہ کو بہت سی گالیاں دیں۔ آپ خاموش رہے۔ کسی نے کہا آپ بھی اسے کیوں گالیاں نہیں دیتے"؟ آپ نے فرمایا" میں اس شخص کی کوئی بُرائی نہیں جانتا کہ میں اس کو بُرا کہہ سکوں اور بہتان لگانا جائز نہیں"۔

حضرت عبداللہ تیمیؒ فرماتے ہیں" آدمی جن لوگوں کی عیب چینی کرتا ہے، وہ عیبوں میں اُن سے بھی بڑھا ہوُا ہوتا ہے۔ جن کی وہ عیب چینی کرتا ہے"۔

ایک شخص نے حضرت سالمؒ بن عبداللہ بن عمرؓ سے کہا" اے بدترین بوڑھے"۔ سالمؒ نے کہا" اے بھائی میرے خیال میں تم راستی سے کچھ دُور نہیں گئے"۔

حضرت ابراہیم تیمیؒ نے موسیٰ بن مہران کو اُن کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے اللہ تعالیٰ کے سلوک کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا" جب سے مَرا ہوں، اُمرا کی ضیافتوں کا حساب دے رہا ہوں اور ایک سوئی کے بدلے قید ہوں، جس کو میں نے مستعار لیا تھا اور واپس نہیں کی تھی"۔ پھر میں نے دریافت کیا" کونسی قبروں میں زیادہ روشنی ہے"؟ آپ نے فرمایا" دنیا میں مصیبت زدگان کی قبروں میں"۔

ایک شخص نے زیاد بن ظبیانؒ سے کہا" اللہ تعالیٰ آپ جیسے مسلمان پیدا کرے"۔ تو آپ نے فرمایا" تُو نے خدائے پاک سے اچھی بات نہیں مانگی۔ بلکہ خدائے تعالیٰ سے سوال کیا ہے کہ تمام لوگ بُرے ہو جائیں"۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز سے ایک شخص نے کہا" اللہ تیری عمر دراز کرے"۔ آپ نے فرمایا" یہ ایسا امر ہے جس سے

فراغت ہو چکی ہے (یعنی عمر لکھی گئی ہے)، تو میرے لیے صلاحیت کی دعا کر۔"

حضرت عامر بن قیسؒ سے ایک شخص نے کہا "میرے لیے دعا فرمایئے" آپ نے فرمایا "مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اپنی پسندیدہ بات کے لیے اس سے سوال کروں چہ جائے کہ غیر کے کیونکہ یہ ایک قسم کی شفاعت ہے اور شفاعت مقربین کا کام ہے۔"

فاطمہ بنت عبدالملکؒ فرماتی ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو خلافت سپرد ہوئی تو آپ نے ہم کو اور اپنی تمام لونڈیوں کو جمع کر کے فرمایا "اب میرے ذمہ ایک ایسا کام لگا ہے جس کے باعث میں تم سے بالکل غافل ہو جاؤں گا اور تمہارے لیے فارغ نہ ہوں گا مگر جب قیامت کے دن حساب سے فارغ ہو جاؤں گا۔ پس اگر تم میرے پاس رہنا چاہو اور مجھ سے مطالبہ نہ کرو تو رہو، ورنہ جو چاہے مجھ سے علیحدہ ہو جائے۔" آپ نے قربِ زوجات ترک کر دیا، یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت عطا سلمیؒ رات میں اکثر اپنے جسم کو ٹٹولتے کہ کہیں کثرتِ گناہ سے مسخ تو نہیں ہو گیا۔

حضرت محمد بن شفیقؒ نے ایک دفعہ اپنی والدہ کے لیے خربوزہ خریدا مگر انہیں پسند نہ آیا اور خفا ہوئیں۔ آپ نے عرض کی۔ "اماں جان! آپ کس پر خفا ہوتی ہیں، بیچنے والے پر یا خریدار پر یا خالق پر؟ بخدا کہ خالق تو تمام سے اچھا پیدا کرنے والا ہے اور بیچنے والا اور خریدنے والا تجھے وہی دیتا ہے جو ازل میں تیرے لیے لکھا ہے۔" یہ سُن کر میری والدہ نے توبہ و استغفار کی۔

حضرت معاویہؓ کے اگلے دانت نکل گئے تو فرمانے لگے "شکر ہے اس ذاتِ پاک کا جس نے میری سمع و بصارت سلب نہیں کی۔"

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ایک روز دہلی میں وعظ فرما رہے تھے۔ اختتامِ وعظ پر جب ہزارہا لوگوں کا مجمع منتشر ہو گیا تو ایک دہقان دوڑتا ہوا آیا اور آپ سے عرض کیا کہ میں آپ کا وعظ سننے کے لیے بڑی دُور سے حاضرِ خدمت ہوا تھا لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ آپ وعظ ختم کر بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا "میں تم کو بھی وہی وعظ جو ہزاروں آدمیوں کو سنایا تھا لفظ بلفظ پھر سنا دیتا ہوں۔" دہقان نے عرض کیا کہ آپ محض ایک آدمی کی خاطر اس قدر تکلیف کیوں گوارا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا "پہلے بھی ایک کو خوش کرنا مقصود تھا اور اب بھی اُسی ایک کو خوش کرنا ہے۔" چنانچہ آپ نے پہلے کی طرح کھڑے ہو کر تمام کا تمام طویل وعظ از سرِ نو دُہرا کر اس دہقان کو سنایا۔ جو حصولِ خوشنودی اور تالیفِ قلوبِ مخلوق کی بہترین مثال ہے۔

سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں "اگر کسی نے تیری ایذا کے لیے راستے میں کانٹے رکھے ہیں تو تُو اُسے راستہ سے ہٹا دے۔ اور اگر تو نے بھی اس کے جواب میں اس کے راستے میں کانٹے رکھے تو پھر تمام دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔" ـــ

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اُو را یار باد | ہر کہ مارا رنج بدہد راحتش بسیار باد
ہر کہ اُو خارے نہد در راہِ ما از دشمنی | یاالٰہی گلشنِ اُو دائماً بے خار باد

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں "ہماری کتاب قرآن مجید تمام کتابوں کی سردار اور سب سے جامع تر کتاب ہے اور ہماری شریعت تمام شرائع سے صاف اور مطابقِ فطرتِ انسانی ہے اور ہمارا اہلِ تصوف کا طریقہ کتاب اور سنت سے مستحکم کیا ہُوا ہے۔ جس نے قرآن مجید کو پڑھا نہیں اور حدیث شریف کو یاد نہیں کیا اور ان دونوں کے معانی اور مطالب نہ سمجھے، اس کی اقتدا ہرگز جائز نہیں۔ اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ ہوا میں چار زانو بیٹھا ہے تب بھی اس کی پیروی نہ کرو، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے متعلق اس کے عمل نہ دیکھ لو۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں جو شخص اپنے اعمال میں جادوگر سے زیادہ ہوشیار نہ ہو، وہ ضرور ریاکار ہو جائے گا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ریاکار کو کہے گا "جا اپنے اعمال کا بدلہ اُن لوگوں سے لے جن کو تو دکھلاتا تھا۔" آدمی جب تک لوگوں سے میل جول رکھے ریا سے نہیں بچ سکتا۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں جس نے محفل میں اپنے آپ کو بُرا کہا اس نے اپنی تعریف کی اور یہ ریا کی علامت ہے۔

حضرت زبیر بن عوامؓ فرماتے ہیں، اپنی نیکیوں کے لیے پوشیدہ جگہ بناؤ، جیسے برائیوں کے لیے بناتے ہو۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں "جو ظالم کو خندہ پیشانی سے ملے یا مجلس میں جگہ دے یا اس کی دی ہوئی چیز لے لے تو اس نے اسلام کی زنجیر توڑ دی۔ اور وہ ظالموں کے مددگاروں میں شمار ہُوا۔ اے دوست! متکبر لوگوں اور اُمرا کے پاس جانے سے بچ۔ اگرچہ تیرا جانا نصیحت کے لیے ہو۔ کیونکہ نصیحت تجھ سے پوری نہیں ہوگی اور عذابِ قربت تیرے ذمے رہے گا۔"

حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں "قیامت میں سب سے بڑھ کر بدبخت وہ عالم ہے جس کے علم پر لوگ تو عمل کریں مگر خود عامل نہ ہو۔"

حضرت وہب بن ورد فرماتے ہیں "ہنسنا جس میں اسراف نہیں، وہ ہے جس میں دانت نظر آئیں اور آواز نہ ہو اور لباس جس میں اسراف نہیں، وہ ہے جو ستر عورت کے مقدار ہو اور گرمی سردی سے بچائے اور کھانا جس میں اسراف نہیں، وہ ہے جس سے بھوک ٹھہر جائے اور شکم سیری سے کم ہو۔ مومن آواز سے اس وقت ہنستا ہے، جب موت سے غافل ہو۔"

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں "ہم نے ایسے مشائخ دیکھے ہیں جو موت کی تمنا کرتے تھے اور میں اُن کی آرزو کو تعجب سے دیکھتا تھا۔ اور اب میں اُن لوگوں پر تعجب کرتا ہوں جو موت کے خواستگار نہیں ہیں۔"

حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں "میری طرف کسی دوست نے ایسا تحفہ نہیں بھیجا جو مجھے السلام علیکم سے زیادہ پیارا ہو اور نہ مجھے اس کی موت کی خبر سے بڑھ کر کوئی عمدہ خبر ملی ہے۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے مجرموں کو دنیا و آخرت میں ذلیل کرنے کا وعدہ کر لیا ہے۔

انسان رات میں کوئی گناہ بھی کرے صبح کو اس کے چہرے پر ذلت ہوتی ہے۔
حضرت یزید جمیریؒ فرماتے ہیں میں نے ایک راہب سے کہا "تم نے سیاہ لباس کو سفید لباس پر کیوں ترجیح دی"؟ اس نے جواب دیا "کیونکہ یہ اہل مصیبت کا نشان ہے اور ہم گنہگار ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی"۔ اور فرماتے ہیں "اکثر تم میں سے جب گناہ پرانا ہو جاتا ہے تو یہ خیال کرتے ہیں کہ گناہ صاف ہو گیا۔ یہ دھوکا ہے۔ لہٰذا اگر گناہ پرانا ہو جائے تو استغفار سے غافل نہ ہو کیونکہ گناہ کا تو تجھے یقین ہے لیکن مغفرت کا یقین نہیں"۔
حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں "وہ شخص موت کے لیے تیار نہیں ہوا۔ جسے یہ خیال ہو کہ کل زندہ رہے گا"۔ نیز فرمایا "نیکیاں موت کی یاد کی فرع ہیں اور گناہ نسیانِ موت کی شاخ"۔
حضرت حاتم اصمؒ سے کسی نے پوچھا کہ ہم دنیا میں نصیحت یافتہ کب ہو سکتے ہیں؟ فرمایا "جب یہ بات بخوبی سمجھ میں آجائے کہ دنیا کی ہر چیز کا انجام بربادی ہے اور دنیا دار کو انجام کار مٹی میں جانا ہے۔ لہٰذا تعجب ہے اس شخص پر جس کے گھر سے جنازہ نکلے اور وہ اس سے بھی عبرت حاصل نہ کرے"۔
حضرت صالح مریؒ ایک دن فرمانے لگے "جو ہمیشہ دروازہ کھٹکھٹاتا رہے تو ضرور اس کے لیے دروازہ کھلے گا"۔ اس پر ایک عورت بولی "کیا خداوندِ عالم بھی دروازہ بند رکھتے ہیں"؟ صالح کہنے لگے "ایک عورت سمجھ گئی اور بوڑھے آدمی نے نہ سمجھا"۔
حضرت ابو مطیع بلخیؒ نے ایوب بن خلف کے پاس اپنی بیوی کی شکایت کی۔ انہوں نے جواب دیا "جو عورت کی تکلیف پر بھی صبر نہیں کر سکتا وہ اس سے افضل ہونے کا کیونکر مدعی ہے۔ بزرگانِ دین عورتوں کی تکالیف پر اس خیال سے صبر کرتے کہ ان کا فائدہ ان کی مضرت سے زیادہ ہے۔ اور یہ لوگ عورتوں کا پورا حق ادا کرتے۔ عورتوں کی مخالفت ان کو حقوقِ واجب سے نہ روکتی کیونکہ زوجین پر طرفین کے حقوق ہیں۔
حضرت بکر بن عبداللہ مزنیؒ اپنی چھت کا پرنالہ اپنے گھر کے اندر رکھتے، تاکہ کسی راہرو پر یہ پانی نہ گر جائے۔ آپ کے پاس ایک بلی مر گئی۔ آپ نے اسے گھر میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا اور ڈھیر پر نہ پھینکا کہ لوگوں کو اس کی بدبو سے تکلیف پہنچے گی۔
حضرت مغیرہ بن شعبہؒ جب پھیری والوں سے کوئی چیز خریدتے تو راستہ سے ایک طرف کھڑے ہوتے تاکہ راہرووں کو تکلیف نہ ہو۔
قاضی بکار بن قتیبہؒ نے اپنی والدہ سے چادر مانگی تاکہ اسے اوڑھ کر روٹی پکوا لائیں۔ راستہ میں ایک شخص نے آپ سے کلام کیا۔ آپ جواب کے لیے کھڑے نہ ہوئے۔ اس نے پوچھا "آپ کلام کیوں نہیں کرتے"۔ فرمایا "اے دوست! میں نے اس چادر کو روٹی پکوانے کے لیے مستعار لیا ہے نہ اس لیے کہ اسے لے کر بازار میں کھڑا رہوں؟ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو باتیں کرے گا تو میں اس کی اجازت لے لیتا"۔
حضرت یونس بن عبیدؒ چادریں اور اوڑھنیاں وغیرہ فروخت کیا کرتے۔ لیکن جب آسمان ابر آلود ہوتا تو فروخت

نہ کرتے اور نہ بازار سے کر جاتے۔ کسی نے اس کا باعث دریافت کیا تو فرمایا کہ ابر کے دن خریدار کو معیوب شے صاف نظر نہیں آتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے ایام مرض الموت میں حضرت شاہ نصیرؒ چراغ دہلوی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ خادم نے آپ کے آنے کی اطلاع دی، تو حضرت محدثؒ نے خادم سے فرمایا "ان کو کہہ دو کہ چونکہ وہ سماع سے رغبت رکھتے ہیں، اس لیے میں اُن سے ملنا نہیں چاہتا۔" خادم نے یہ پیغام شاہ نصیرؒ کو پہنچایا تو آپ نے فرمایا "اُن سے عرض کر دو کہ وہ آئندہ کے لیے توبہ کرتے ہیں۔" خادم نے حضرت محدثؒ کو یہ جواب سنایا تو خادم کے ہاتھ میں اپنا عمامہ مبارک دے کر فرمایا کہ اُن کے راستے میں بچھا دیا جائے تاکہ وہ اس پر اپنے قدم مبارک رکھ کر اندر تشریف لائیں۔

حضرت بشر حافیؒ بہت کم گفتگو کرتے اور دوستوں کو فرماتے "تم غور کرو، اپنے اعمال نامے میں کیا لکھوا رہے ہو، وہ تمہارے پروردگار کے سامنے پیش ہوگا۔"

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ غیبت کرنے والوں کی سخت سرزنش کرتے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ کو ضیافت میں بلایا۔ جب آپ وہاں گئے تو اُسے کسی کی غیبت کرتے سُنا۔ آپ نے فرمایا "ہم عرصہ سے دیکھتے ہیں کہ لوگ گوشت سے پہلے روٹی کھاتے ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم روٹی سے پہلے گوشت کھاتے ہو" پھر آپ اُٹھ گئے اور کھانا نہ کھایا۔ ؎

آئینۂ خود باش، صفائے بر ازیں نیست عیبِ ہمہ کس پوش، قبائے بہ ازیں نیست

حضرت عبدالعزیز دہلویؒ کو جب معلوم ہو جاتا کہ کسی نے میری غیبت کی ہے تو آپ اس کے مکان پر جاتے اور اسے کہتے "اے دوست! تیرا اور عبدالعزیز کے گناہوں کا کیا تعلق ہے کہ تو اُن کو برداشت کرتا ہے؟"

حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں "آدمی بہت سی نیکیاں کرے گا اور اُسے اپنے اعمال نامے میں نہ دیکھے گا تو دریافت کرے گا کہ اے پروردگار! میری نیکیاں کہاں ہیں؟ حکم ہوگا کہ تُو نے اپنی نیکیاں اُن لوگوں کے پاس پہنچا دی ہیں، جن کی تُو غیبت کیا کرتا تھا۔"

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے کسی دوست نے ملنا چھوڑ دیا۔ پھر چند روز بعد آپ کی ملاقات کو آیا اور ایک شخص کی غیبت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا "بخدا تیرا نہ ملنا ہی بہتر ہے۔ تُو نے میرے دوست کی نسبت میرے دل میں بُغض ڈال دیا اور میرے دل کو غافل کر دیا۔"

روایت ہے کہ امیرالمؤمنین حضرت علیؓ کے پاس ایک شخص پیش ہُوا جس پر حد واجب تھی۔ لوگ اس کے گرد ہجوم کیے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا "میں تم لوگوں کو خداوندِ عالم کی قسم دیتا ہوں کہ جو شخص اس جرم کا مرتکب ہو چکا ہو۔ وہ یہاں سے چلا جائے"۔ تو سب کے سب چلے گئے۔ لہٰذا اس بات سے اجتناب کر کہ جب تجھے مسلمان بھائی کا عیب معلوم ہو تو اپنے عیب کو بھول جائے، بلکہ تجھ پر واجب ہے کہ اس علم کو اپنے عیب کی یاد دہانی تصور کرے۔ کیونکہ اصلیت انسانوں کی ایک ہے۔ جو عیب ایک شخص سے واقع ہوا ہے وہ تجھ سے بھی ہو سکتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ جو اپنے

دوبھت کو کسی گناہ کا طعنہ دے، وہ اس گناہ کا مرتکب ہونے سے پہلے نہیں مرے گا۔
حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں عاقل کی عقلمندی یہ ہے کہ کسی کو گناہ کا طعنہ نہ دے۔ کیونکہ میں نے اگر کسی کو گناہ کا طعنہ دیا ہے تو بیس سال کے بعد بھی اس گناہ میں خود گرفتار کیا گیا ہوں۔ نیز آپ نے فرمایا "مجھے اس شخص پر تعجب ہے کہ جو اس حکم خداوندی سے واقف ہو۔ (ترجمہ) اگر تم اللہ کو اچھا قرضہ دو تو وہ تمہارے لیے اس سے دگنا کر دے، پھر اپنے پاس مال جمع رکھے۔"
ایک عورت امام لیث بن سعدؒ کے پاس چھوٹا سا برتن لے کر شہد مانگنے آئی اور کہا "میرا خاوند بیمار ہے۔" امام موصوف نے اُسے شہد کا بھرا ہوا مشکیزہ دینے کا حکم فرمایا۔ کسی نے کہا وہ تو چھوٹی سی پیالی میں مانگتی ہے۔ آپ نے فرمایا اس نے اپنی قدر کے موافق مانگا اور ہم نے اپنی حیثیت کے موافق دیا ہے۔
حضرت ابوالحسن انطاکی خراسان کے شہر رے میں رہتے تھے۔ ایک دن تیس سے زیادہ مہمان آگئے اور روٹی تھوڑی تھی، تیاری کا موقع نہ تھا۔ رات کا وقت تھا۔ انہوں نے جتنی روٹیاں موجود تھیں۔ سب کے ٹکڑے کیے اور دسترخوان پر ان کو پھیلا کر سب کو بٹھانے سے پہلے چراغ گل کر دیا اور سب نے کھانا شروع کر دیا۔ سب کے منہ چلانے کی آواز آتی تھی۔ جب دیر ہوگئی گویا سب بالکل فارغ ہوگئے تو چراغ جلایا گیا اور دسترخوان اُٹھایا گیا۔ اس میں وہ سارے ٹکڑے بدستور رکھے تھے۔ سب ہی خالی منہ چباتے رہے۔ کسی نے بھی اس خیال سے نہ کھایا کہ اچھا ہے دوسرے ہی کا کام چل جائے گا۔
حضرت شعبہؒ مشہور ترین محدث ہیں۔ بڑے عابد و زاہد اور عالم فاضل تھے۔ ایک سائل ان کے پاس حاضر ہوا۔ دینے کے لیے کوئی چیز گھر میں میسر نہ ہوئی تو اپنے مکان کی چھت میں سے ایک کڑی نکال کر اس کے حوالے کر دی کہ اس کو فروخت کر لینا اور معذرت بھی کی کہ اس وقت میرے پاس دینے کے لیے اور کچھ نہیں۔
حضرت ابوسہل صعلوکیؒ ایک مرتبہ وضو کر رہے تھے کہ اثنائے وضو میں ایک شخص آیا اور کچھ ضرورت کا اظہار کیا۔ دینے کے لیے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ فرمایا "تھوڑی دیر انتظار کر لو میں وضو سے فارغ ہو جاؤں۔" جب وضو کر چکے تو فرمایا "یہ لکڑی کا لوٹا جس سے وضو کر رہے تھے لے جاؤ اور تو کوئی چیز اس وقت ہے نہیں۔"
حضرت عباس بن دہقانؒ کہتے ہیں کہ بشر بن حارث کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو کہ جس حال میں دنیا میں آیا تھا یعنی خالی ہاتھ ننگا بدن، ایسا ہی دنیا سے گیا ہو۔ بشر بن حارثؒ البتہ اسی طرح گئے کہ وہ بیمار تھے۔ وصال کا وقت قریب تھا، ایک سائل آگیا اور اپنی ضرورت کا حال ظاہر کیا۔ جو کرتہ بدن پر تھا نکال کر وہ اس کو بخش دیا اور خود تھوڑی دیر کے لیے دوسرے سے کرتہ مستعار مانگا اور اسی میں وصال فرمایا۔
محمد بن عباد جہبیؒ کہتے ہیں کہ میرے والد ایک مرتبہ خلیفہ مامون الرشید کے پاس گئے۔ اس نے ایک لاکھ درم نذرانہ پیش کیا۔ وہاں سے جب اُٹھ کر آئے تو وہ سب روپیہ اسی وقت فقرا پر تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد پھر جب مامون کے پاس جانے کی نوبت آئی تو اس نے سب روپیہ تقسیم کر دینے پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ اپنے لیے کچھ بھی نہ

رکھا تو والد صاحب نے فرمایا "امیر المؤمنین! موجود کے ساتھ بخل کرنا معبود کے ساتھ بدگمانی ہے کہ اس نے ایک مرتبہ تو دے دیا پھر کہاں سے دے گا۔"

حضرت حسن رضؓ نے ایک مرتبہ ایک لاکھ درہم تقسیم کئے اور اپنا حال یہ تھا کہ اس دن مسجد میں اس وجہ سے جانے میں دیر ہوگئی کہ ان کے پاس جو چادر تھی اس کے دونوں کنارے سینے میں آپ کے اہل خانہ کو دیر لگی۔ یعنی وہی ایک کپڑا تھا اس کے سلنے کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ دوسرا کوئی کپڑا نہ تھا جس کو پہن کر مسجد میں چلے جاتے۔

حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبندؒ کے پاس کوئی غلام باندی یا نوکر نہ تھا۔ سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا "بندگی آقائی کے ساتھ نبھتی نہیں"۔ کسی نے پوچھا کہ آپ کا سلسلہ کہاں تک پہنچتا ہے؟ فرمایا "کوئی سلسلہ سے کہیں بھی نہیں پہنچا۔ اصل چیز معرفت ہے، سلسلہ کوئی چیز نہیں۔" ع

بندگی باید پیمبر زادگی در کار نیست

حضرت خواجہ حسن بصریؒ ہر ہفتہ مجلس وعظ منعقد فرماتے اگر حضرت رابعہؒ بصری حاضر مجلس نہ ہوتیں تو آپ وعظ ہی نہ فرماتے۔ سبب پوچھا تو فرمایا "جو غذا ہاتھیوں کے لیے ہو وہ چیونٹیوں کو نہیں کھلائی جاسکتی"۔ ایک رات اندھیرے گھر میں ان کے ہاتھ سے سوئی گر گئی۔ ڈھونڈنے کے لیے غیب سے ایک روشنی نمودار ہوئی تو آپ نے آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر کہا "نہیں نہیں ہم تو سوئی چراغ ہی ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔"

حضرت معاویہ رضؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے۔ آپ نے ان کو اسی وقت تقسیم کر دیا اور اس شام کے کھانے تک کا بھی ان کے پاس باقی نہ رہا۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؒ ایک دعوت ولیمہ میں مدعو کئے گئے مگر آپ کسی مانع کے باعث حاضر نہ ہوسکے۔ آپ نے صاحبِ ولیمہ کی طرف پانچ سو دینار بھیجے، اور معذرت کی اور عدمِ حضوری کی معافی چاہی۔

ایک آدمی سعیدؒ بن العاص کے پاس کچھ مانگنے کو آیا۔ آپ نے اسے پانچ سو — دینے کا حکم دیا اور کسی چیز کا نام نہ لیا۔ نوکر نے پوچھا درہم دوں یا دینار؟ آپ نے جواب دیا، میرا درہم کا خیال تھا۔ لیکن تجھے اس میں شک ہوا ہے۔ اور اس نے بھی سن لیا ہے۔ اس لیے اسے دینار ہی دے دے۔ سائل بیٹھ کر رونے لگا۔ سعیدؒ نے پوچھا "تو کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا میں اس لیے روتا ہوں کہ تیرے جیسا سخی زمین میں اُترے گا اور مٹی اسے کھائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریمؐ کے بعد معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو سخی نہیں دیکھا۔ آپ امام حسن رضؓ بن علیؓ سے ملے اور فرمانے لگے "مرحبا! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے فرزند! آپ نہایت مبارک ہستی ہیں"۔ پھر ان کو تیس لاکھ درہم دیئے۔ بعد ازاں عبداللہ بن زبیرؓ سے ملاقات ہوئی تو ان کو ایک لاکھ درہم عطا کیے۔

جب عبداللہ بن ربیعہ بیمار ہوئے تو امام لیثؒ ان کی عیادت کو آئے اور ان کو روتے دیکھا۔ امام نے سبب پوچھا، آپ نے فرمایا مجھ پر ایک ہزار دینار قرض ہے۔ امام نے اپنے نوکر کو بھیجا۔ وہ ہزار دینار لے آیا اور آپ کا قرض ادا کیا۔

صحابہؓ کرام کی عادت تھی کہ اگر کوئی دوست اُن کو تحفہ بھیجتا تو وہ اپنے کسی دوست کو بھیج دیتے۔ اسی طرح یہ تحفہ گھومتا پھرتا یہاں تک کہ پہلے ہدیہ بھیجنے والے کے پاس آجاتا۔ حالانکہ ہر ایک کو اس کی ضرورت ہوتی۔ مگر اپنے پر دوست کی ضرورت کو ترجیح دیتے۔

حضرت بکر بن مزنی فرماتے ہیں "مجھے اپنے مال میں سے وہ چیز بہت پیاری ہے جس سے اپنے دوست کی دلجوئی کروں۔ اور سب سے بُری چیز وہ ہے جو پیچھے چھوڑ جاؤں۔"

اسلاف کی عادت تھی کہ اگر کوئی اپنا قرضہ ادا کرنے کو کہتا تو فی الفور ادا کر دیتے اور افسوس کرتے کہ ہم اس کے حالات سے بے خبر رہے کہ اُس کو سوال کی ضرورت پڑی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "بڑا احسان یہ ہے کہ سائل کو تیرے پاس سوال کی ضرورت ہو اور وہ تجھ سے شرم کھائے۔ اس صورت میں تیرا احسان اس کی شرمندگی کی مکافات نہ کرے گا۔ مناسب یہ تھا کہ تو اپنے دوست کے حالات کی خود تفتیش کرتا اور سوال کی نوبت ہی نہ آتی کہ تو اس کی ضرورت پوری کر دیتا۔"

حضرت علیؓ فرماتے ہیں "احسان کرو خواہ ناشکرے پر ہو۔ کیونکہ وزن میں شکر گزار کے احسان سے بڑھ کر ہو گا۔

حضرت مُسلم بن زیادؒ ایک دعوتِ ولیمہ میں مدعو ہوئے۔ آپ کو دیر ہو گئی۔ جب آپ گئے تو صاحب ولیمہ نے آپ کو دیکھ کر کہا "آپ نے دیر کی لوگ کھا کر چلے گئے، اب کھانا نہیں رہا۔" مُسلم نے کہا "پیالوں میں شاید کچھ لگا ہو، میں وہی صاف کر لوں گا۔" اس نے کہا "برتن ہم نے دھو ڈالے ہیں۔" آپ نے فرمایا "شاید دیگ میں کچھ لگا ہو۔" صاحب خانہ نے کہا "وہ بھی دھو چکے ہیں۔" آپ نے کہا "شاید روٹی کا کوئی ٹکڑا بچا ہو۔" مالک نے کہا "وہ بھی فقرا میں تقسیم کیا جا چکا ہے اب ایک لقمہ بھی نہیں ہے۔" مُسلمؒ بن زیاد ہنسے اور واپس چلے گئے۔ لوگوں نے کہا "آپ اس بات سے رنجیدہ نہیں ہوئے بلکہ ہنس رہے ہیں۔" آپ نے فرمایا "اس نے نیک نیتی سے بلایا تھا، اب نیک نیتی سے واپس کیا ہے، خفگی کیوں ہو؟"

ایک دفعہ ایک آدمی نے اوس بن خارجہؒ سے کہا "میں آپ کے پاس ایک معمولی ضرورت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔" آپ نے فرمایا "معمولی ضرورت کے لیے معمولی آدمی تلاش کر، اور میرے پاس کسی بڑی ضرورت کو بیان کر کیونکہ مجھ میں اس کے پورا کرنے کی توفیق ہے۔"

حضرت امام حسنؓ سے جب کسی کا سوال ہوتا تو فی الفور پورا کر دیتے اور فرماتے "مجھے ڈر ہے کہ مبادا اگر میں اس میں تاخیر کروں تو وہ مستغنی ہو جائے اور مجھ سے ثواب جاتا رہے۔"

حضرت مُطرف بن عبداللہ فرماتے ہیں "اگر کسی کو میرے متعلق کچھ ضرورت ہو تو وہ کاغذ پر لکھ کر مجھے بھیج دے میں مسلمان کے چہرے پر سوال کی ذلت کو دیکھ نہیں سکتا۔ کیونکہ سوال کی ذلت بخشش سے بڑھ کر ہے، خواہ بخشش بہت زیادہ ہو۔

حضرت عطا خراسانی فرماتے ہیں "جب میں کسی آدمی سے حدیث یا کوئی اور بات سنتا ہوں، اگرچہ وہ مجھے پہلے سے معلوم ہو اور بارہا اُسے سنا ہو، تاہم خوب کان لگا کر متوجہ ہو کر سنتا ہوں گویا پہلی مرتبہ اسی سے سن رہا ہوں، اس خیال

سے کہ اگر میں اس کو بتلاؤں گا تو وہ شرمندہ ہوگا"۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں" ہر اندر آنے والے پر رعب ہوتا ہے۔ پس تم اُسے مرحبا کہتے ہوئے ملو اور سلام کی ابتدا کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرو"۔

حضرت ربیع بن خیثمؒ کسی سائل کو روٹی کا ٹکڑا یا کوئی ٹوٹی ہوئی چیز یا مستعمل کپڑا نہ دیتے اور فرماتے" مجھے شرم آتی ہے کہ میرا اعمال نامہ اللہ تعالیٰ کے پیش ہو اور ردی اشیا ہوں جو اس کی راہ میں دی گئی ہوں۔

ایک شخص نے بشرؒ بن صالح سے کہا" میں آپ سے للّٰہی محبت رکھتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا" تجھے کس نے جھوٹ بولنے پر آمادہ کیا؟ تو میری محبت کا دعوٰی کرتا ہے۔ حالانکہ تو اپنے گدھے کا پالان میری پگڑی اور دوسرے کپڑوں سے زیادہ عزیز خیال کرتا ہے"۔

حضرت ابو مطیعؒ فرماتے ہیں" ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو آپس میں غلام، گھوڑے، مکان اور بہت سامان تحفہ میں دیا کرتے تھے۔ لیکن آج کل روٹی اور کھانا وغیرہ تحفہ ہو گیا ہے۔ کوئی زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ اس کو بھی ترک کر دیں گے اور اسلاف کی عادت بالکل جاتی رہے گی اور ان کا ذکر کتابوں میں رہ جائے گا"۔

حضرت ابو معاویہ اسودؒ سنگ تراشی کر کے روٹی کھاتے تھے۔ پھر جب عمر رسیدہ ہو گئے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ بوڑھے اور اس کام کے ناقابل ہو گئے ہیں۔ فرمایا" بخدا سنگ تراشی کر کے روٹی کھانا لوگوں سے سوال کرنے کی نسبت بہت اچھا اور آسان ہے"۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں" مہمان کے لیے کشادہ خرچ کرنا اسراف نہیں ہے"۔

حضرت موسیٰ بن طلحہؒ فرماتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے میرے پاس تین توڑے چاندی کے بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اسے فقرا اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دو۔ میں نے لیے اور اس میں سے کچھ ابوذر بن عقیلؒ کے پاس بھیجے۔ آپ فاقہ زدہ رہتے تھے۔ آپ نے ان کو فوراً واپس کر دیا، گویا میں نے توڑوں کی بجائے بچھو بھیجے ہوں اور خود رات بھر بھوکے رہے۔

امیرالمومنین حضرت عثمانؓ نے ابی ذرؒ کے پاس غلام کے ہاتھ کچھ روپیہ ارسال فرمایا اور اُسے کہہ دیا کہ اگر انہوں نے لے لیا تو تو آزاد ہے۔ غلام روپیہ لے کر آپ کے پاس پہنچا۔ آپ نے انکار کر دیا۔ غلام نے عرض کی" یا حضرت! آپ کا اس مال کو قبول کرنا میری آزادی کا باعث ہوگا"۔ آپ نے فرمایا" اگر تیری آزادی ہے تو میری غلامی بھی ہے"۔

حضرت ابراہیم بن یوسفؒ مال اکٹھا کرتے اور فرماتے" میں اسے بھوکوں ننگوں کے لیے جمع کرتا ہوں نہ کہ اظہار امارت یا بنائے عمارت کے لیے۔ اگر انسان ایسا نہ کرے تو مال جمع کرنا چھوڑ دے"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں" صدقہ کو حقیر نہ جانو، کیونکہ اس کا ایک دانہ بھی قیامت میں پہاڑ جتنا وزن رکھتا ہے"۔ آپ نے ایک فقیر کو ایک دانہ انگور کا عطا کیا، اس نے واپس کر دیا، گویا اس نے حقیر جانا تو آپ نے فرمایا، "کیا تو نے قرآن مجید نہیں پڑھا؟ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ (ترجمہ: جو ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا، دیکھ لے گا"۔ تو دیکھ کہ اس انگور میں کتنے ذرّے ہیں۔ پس فقیر نے توبہ کی اور وہ انگور شکریہ کے ساتھ لے لیا۔

حضرت معروف کرخیؒ کے پاس ایک سائل آیا تو اس کو کچھ دینے کے لیے جوتی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا، وہی دے دی۔ بعدازاں آپ کو معلوم ہوا کہ اس نے جوتا فروخت کر کے اس کی قیمت کا کوئی پھل خرید اہے۔ تو فرمایا "الحمدللہ، شاید اس کا دل میوے کو چاہتا ہو۔ پس ہم نے اس کی قیمت دے کر غم خواری کی۔"

حضرت حسن بصریؒ کے پاس کوئی سائل آتا تو اسے دے کر دعا کرتے "یا اللہ! اس نے ہم سے قوت مانگی ہے اور ہم تجھ سے مغفرت مانگتے ہیں تو ہماری خیرات کرنے سے مغفرت کے زیادہ لائق ہے۔"

دوستی کے متعلق حضرت امام شافعیؒ کے چند عربی اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔ "جو دوست مصیبت کے وقت مفید نہیں، وہ عملاً وعقلاً دشمن کے قریب قریب ہے۔ دوست اور برادر غمخواری کے لیے ہوتے ہیں۔ ورنہ وہ ناواقف شخص کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں نے بڑی کوشش سے معتبر دوست کی تلاش کی لیکن نہ ملا۔ اس نے میری کوششوں کو تھکا دیا۔ تمام شہر میرے نزدیک بدل گئے ہیں۔ گویا ان کے اندر کوئی بھی ہم درد و غمخوار انسان نہیں"۔ نیز "صدیق کا صاد اور کیمیا کا کاف یک جا نہیں ملتے۔ پس اپنے دل سے ہر دو کی طمع کو کھو دے۔" (واضح ہو کہ عربی کے کسی لفظ میں صاد کاف کے ساتھ ملا ہوا نہیں) یعنی سچے دوست اور کیمیائی کی تلاش نہ کر۔

حضرت عطا سلمیؒ کے پاس گھر کا کام کرنے کے لیے مخنث ملازم تھے۔ کسی نے کہا، کیا آپ کو اس سے گھن نہیں آتی کہ یہ لوگ آپ کے گھر میں ہوں"؟ آپ نے فرمایا "بخدا میرے خیال میں وہ مجھ سے زیادہ پاکباز، گناہوں میں کم، اور ریا و نفاق میں مجھ سے ادنیٰ درجہ رکھنے والے ہیں، تو میں ان سے کیونکر گھن کروں"؟

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے لوگوں نے مسجد بنانے کو کچھ طلب کیا لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا "بھوکے کے پیٹ میں ایک لقمہ جانا یا کسی محتاج کی حاجت روائی کرنا میرے خیال میں مسجد بنانے سے بہتر ہے۔ اگرچہ میں اکیلا ہی اس کی تعمیر کر سکوں۔"

حضرت مطرفؒ بن عبداللہ کے گھر کی دیوار ایک طرف کو جھک گئی۔ لوگوں نے کہا "آپ اسے مرمت کیوں نہیں کرتے؟" آپ نے فرمایا "گھر والا ہمیں اس میں رہنے نہیں دے گا کہ ہم اس کو مرمت کریں۔ پھر فرمایا "حضرت نوح علیہ السلام نے باوجود اس قدر طویل عمر کے کھجور کی چھال کی ایک جھونپڑی بنا رکھی تھی"۔ لوگوں نے کہا "اگر آپ اپنے لیے گھر بنالیں تو اچھا ہو"۔ آپ نے فرمایا "جو چند روز تک مر جائے گا اس کے واسطے اتنا ہی بہت ہے"۔ فرمایا "لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ دین کو پست کریں گے اور عمارتوں کو بلند بنائیں گے۔"

حضرت عبدالواحد بن زیادؒ فرماتے ہیں "میرے والد کو اپنے باپ سے ایک بڑی حویلی ورثے میں ملی۔ آپ اس کی ایک کوٹھڑی میں رہتے۔ جب وہ گر جاتی تو دوسری میں رہنا اختیار کرتے۔ حتیٰ کہ اس کی آخری کوٹھڑی میں جا کر آپ کا انتقال ہو گیا لیکن کبھی مرمت نہ کرائی۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خبر پہنچی کہ دمشق کی مسجد کے ستونوں کو سرخ رنگ کیا گیا ہے اور ان کو زعفران کی خوشبو دی گئی ہے۔ آپ نے دمشق کے صوبہ دار کی طرف لکھا کہ ان درہموں کے مستحق ان ستونوں سے بڑھ کر مساکین و غربا ہیں

معتمر بن سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا مکان گر پڑا۔ میرے باپ نے اُسے نہ بنوایا اور فرمایا "موت اس سے بہت قریب ہے۔ پھر ہمارے لیے ایک خیمہ لگوایا اور اس میں ہم کو رکھا۔ پس ہم اس میں تیس سال سے ہیں۔

ایک آدمی حسن بصریؒ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا "میں نے ایک مکان بنوایا ہے۔ میری آرزو ہے کہ آپ چلیں اور اس میں برکت کی دعا کریں۔" آپ نے اسے جواب دیا "زمین والوں نے تجھے دھوکا دیا ہے اور آسمان والے تجھ پر ناراض ہیں کہ تو نے مضبوط عمارت بنوائی اور ایک بعید عمر کی امید باندھی۔ حالانکہ چند روز تک تو مر جائے گا۔"

محمد بن سلام بیکندی سے مسجد اور گھروں کو بلند بنوانے میں سنّت کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا بقدر قامت انسان کے کہ جس میں آسانی سے کھڑا ہو سکے۔

حضرت ابو معاویہ اسودؒ فرماتے ہیں "میرے دوستوں میں سے جو مجھے اپنے پر فضیلت دے وہ مجھ سے افضل ہے۔

حضرت ابو سلیمانؒ درانی کے پاس جب کوئی بیٹھتا اور آپ کی طبیعت گھبراتی تو آپ اپنے نفس کو تنبیہ کرتے اور فرماتے "تجھے اپنے سے زیادہ نیک لوگوں کی صحبت پسند نہیں۔ جب اس کو اپنے آپ سے اچھا دیکھا تو اس کے پاس بیٹھنا تجھے مشکل ہو گیا۔"

حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں "خواہشاتِ نفس کی متابعت کرنے والا دنیا و آخرت دونوں میں گرفتارِ عذاب رہتا ہے، دنیا میں بوجہ اس کی تلاش کے اور آخرت میں بوجہ حساب کے۔ یاد رہے جس کی خوراک زیادہ ہے اس کے پیٹ کا گوشت بھی زیادہ ہوگا اور جس کے پیٹ کا گوشت زیادہ ہے اس کی خواہشات بھی بہت زیادہ ہوں گی۔ اور جس کی شہوات زیادہ ہوں اس کے گناہ زیادہ ہوں گے اور اس کا دل بھی سخت ہوگا۔ اور جس کا دل سخت ہوگا وہ معاصی و آفات میں غرق ہوگا۔ وہ آگ میں داخل ہوگا۔"

حضرت حارث بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن کسی عیسائی راہب کے پاس سے گزرے۔ جو جنگل میں رہتا تھا۔ ہم نے اس کی ریاضت و مجاہدہ اور خلوت نشینی دیکھ کر اُسے اپنے نفس پر اس قدر سختی کرنے سے منع کیا۔ اس نے جواب دیا۔ "یہ فعل مقابلۃً اس امر کے جس کو ہم قیامت میں ملیں گے۔ اور جس سے کہ ہم غافل ہیں، کچھ بھی نہیں ہے۔" ہم میں سے ایک نے کہا "ہم تجھ سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں"۔ اس نے کہا "پوچھو، مگر مختصر کرو۔ کیونکہ وقت واپس نہیں آئے گا۔ اور نہ عمر پھر ملے گی۔ اور ڈھونڈنے والا جلدی آ رہا ہے۔" ہم نے اس کے کلام سے تعجب کیا اور پوچھا "قیامت میں اللہ تعالیٰ کے پاس مخلوق کی کیا حالت ہوگی"؟ اس نے جواب دیا "اپنی نیتوں کے مطابق"۔ پھر ہم نے کہا "کچھ نصیحت کرو"۔ اس نے کہا "اپنے سفر کے مطابق زادِ راہ لو، اور اپنی راہ لو میں راہب نہیں ہوں بلکہ میں تو ایک کٹ کھنا کتّا ہوں جس نے اپنے کو یہاں قید کر رکھا ہے تاکہ لوگوں کو نہ کاٹوں"۔ پھر اپنے غار میں گھس گیا اور ہمیں چھوڑ گیا۔

حضرت عمرو بن ادھمؒ جب بازار نکلتے تو آنکھیں باندھ لیتے تاکہ غافلوں اور کافروں کو نہ دیکھیں۔ آپ کا غلام آپ کو پکڑ کر لے جاتا۔ ایک دن اثنائے راہ میں انہوں نے اپنے غلام سے دریافت کیا "اس وقت ہم کہاں پر ہیں"؟ غلام نے کہا "قبرستان میں"۔ یہ سن کر آپ نے آنکھوں سے پٹی کھول دی۔ آپ کی نظر قبروں پر پڑی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ

راجعون کہہ کر گر پڑے اور مر گئے۔

حضرت میمونؒ بن مہران کو جب کسی دعوت میں بلایا جاتا تو غریبوں کے پاس بیٹھتے اور ان کے ساتھ برتن چاٹتے۔

کسی بادشاہ نے کسی فقیر کو اپنے محل کے سائے میں بیٹھا دیکھا جس نے سوکھا ٹکڑا پانی میں ڈال کر کھایا اور پھر سو گیا۔ جب اُٹھا تو بادشاہ نے اُسے بلایا اور پوچھا "جب تُو نے پانی کے ساتھ سوکھا ٹکڑا کھایا اور پھر سو گیا تھا، کیا تو اپنے پروردگار سے خوش تھا؟" فقیر نے کہا "ہاں، لیکن مَیں تجھے وہ شخص بتاتا ہوں جو اس سے بھی کم پر خوش ہو گیا" بادشاہ نے کہا "وہ کون ہے"؟ اس نے کہا "جو آخرت کے بدلے دُنیا پر خوش ہو گیا" یہ الفاظ بادشاہ پر کارگر ہو گئے، اور بادشاہت چھوڑ کر کملی پہن کر رات کے اندھیرے میں جنگل کی طرف چلا گیا اور پھر واپس نہ آیا۔

حضرت سالم بن ابی الجعد کے ہاتھ میں جو کچھ آتا خرچ کر دیتے۔ اس پر ان کی بیوی نے ملامت کی۔ آپ نے فرمایا "مجھے خود نیکی لے کر تمہیں تکلیف میں چھوڑ جانا اس سے زیادہ پسند ہے کہ خود بدی لے جاؤں اور تمہیں خیر یعنی مال و متاع میں چھوڑ جاؤں۔

حضرت مالک بن دینارؒ سے کسی نے کہا "کیا آپ کے پاس قاری کو لائیں جو آپ کو قرآن مجید سنائے"؟ آپ نے کہا "بچہ گم کرنے والی کو نوحہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں"۔

حضرت ابو عمران جونیؒ فرماتے ہیں "قیامت کو جو کچھ انسان کے ساتھ ہو گا، جانور دیکھیں گے تو کہیں گے، شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں انسان نہیں بنایا"۔

حضرت معروف کرخیؒ کے سامنے لوگوں نے اقامت کہی۔ ایک صوفی کو نماز پڑھانے کے لیے آگے کرنے لگے۔ اس نے انکار کر دیا اور کہنے لگا "مجھے خوف ہے کہ میں نماز پڑھا کر مر جاؤں اور لوگوں کی نماز پریشان ہو" لوگوں نے اصرار کیا تو اس نے کہا "میں اس شرط پر پڑھاتا ہوں کہ دوسری نماز نہ پڑھاؤں گا" معروف کرخیؒ نے کہا "اے دوست! پیچھے ہٹ جا، تو دیوانہ ہے۔ پہلے تو تو نماز میں مر جانے سے ڈرتا تھا۔ پھر تیرے دل میں خیال آتا ہے کہ تُو دوسری نماز تک زندہ رہے گا" پھر دوسرے کو امام بنایا۔ اس نے جماعت کرائی۔

ایک دفعہ ایک قوم حضرت معروف کرخیؒ کے پاس سے دریائے دجلہ میں کشتی پر گزری۔ جس کے پاس شراب اور دیگر سامان تعیش رکھا ہُوا تھا۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ ان کے واسطے بددعا کیوں نہیں کرتے؟ تو آپ نے فرمایا "اے اللہ! ان کو آخرت میں بھی ایسا ہی خوش و خرّم رکھ جیسے یہ دُنیا میں خوش ہیں" لوگوں نے کہا "ہم نے بددعا کی گزارش کی تھی۔ آپ نے فرمایا" العیاذ باللہ میں کسی مسلمان پر بددعا کروں۔ بیشک اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو اسی وقت خوش کرے گا، جب دُنیا میں توبہ کی توفیق دے کر اُن کو معاف کر دے گا۔ یہ اس کی حسنِ سیاست میں سے ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی "اے اللہ! جو تجھے مخلوق سے زیادہ پیارا ہے وہ مجھے بتلا" فرمایا "اے موسیٰ مجھے سب سے پیارا وہ ہے جو مومن کے کانٹے لگنے کی خبر پا کر اسی طرح غمگین ہو کہ خود اسی کے کانٹا لگا ہے"۔

ایک شخص نے حضرت مطرف بن عبداللہ پر جھوٹ بولا۔ آپ نے دُعا کی "یا اللہ! اگر یہ کاذب ہے تو اسے اِسی دم ہلاک کر دے"۔ وہ اسی وقت گر کر مر گیا۔ لوگ اس واقعہ کو دیکھ کر مطرف کو چمٹ گئے اور حاکمِ بصرہ کے پاس لائے اور واقعہ بیان کیا۔ نیک دل حاکم نے سُنا تو کہنے لگا یہ نیک مرد کی دُعا ہے جو اس شخص کی موت کے ٹھیک وقت پر صادر ہوئی۔ لہٰذا بے قصور ہیں۔

حضرت معاویہ رضؓ سے جب کوئی کسی ضرورت کو کہتا اور اس میں سے بعض حاجت پوری ہوتی، تو اتنی ہی مقدار اپنے فکر میں کمی محسوس کرتے۔ کیونکہ آپ کی انسانی ہمدردی بہت بڑھی ہوئی تھی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضؓ نے ایک شخص کے پیٹ کا چمڑا لٹکتے ہوئے دیکھا تو اس پر دُرّہ لے کر لپکے اور فرمایا "اس کا پیٹ کافر کے پیٹ کی طرح ہے"۔ نیز آپ جسے اکثر گوشت خریدتے دیکھتے تو اُسے بھی تنبیہ فرماتے کہ کیا تجھے معلوم نہیں، شراب کی طرح گوشت کی بھی عادت ہو جاتی ہے۔

حضرت ربیع بن انس رحؒ فرماتے ہیں۔ مچھر جب تک بھوکا ہے زندہ رہتا ہے۔ سیر ہو جائے تو موٹا ہو جاتا ہے اور جب موٹا ہو جائے تو مر جاتا ہے۔ ایسا ہی انسان کہ جب موٹا ہو جاتا ہے تو اس کا دل مر جاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحؒ جب کسی دعوت ولیمہ میں بلائے جاتے تو روٹی اپنے گھر سے ساتھ لے جاتے۔ صاحب خانہ جب کہتا "یہ کیوں نہیں کھاتے"؟ تو فرماتے "تجھے اپنی روٹی کا حال معلوم ہے مجھے اپنی کا۔ پس ہر ایک اپنے اپنے علم کے مطابق کھانا کھائے"۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحؒ شام تک کام کرتے رہتے، پھر جب انہیں اُجرت دی جاتی تو اس کی طرف دیکھتے اور فرماتے "میں ڈرتا ہوں کہ میں نے پُوری طاقت صرف نہ کی ہو، جیسا یہ شخص چاہتا تھا"۔ پھر اُجرت نہ لیتے اور اکثر بھوکے رہتے۔

حضرت سفیان ثوری رحؒ فرماتے ہیں "میرا جو عملِ نیک ظاہر ہو جائے، میں اس عمل کو شمار نہیں کرتا۔ کیونکہ جب لوگ دیکھ لیں تو ہمارے جیسوں سے اخلاص نہیں ہو سکتا"۔

حضرت ابراہیم تیمی غلاموں جیسے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ ان کے دوستوں کے سوا کوئی ان کو عالم نہ جانتا تھا۔ فرمایا کرتے "مخلص وہ ہے جو اپنی نیکیوں کو بُرائی کی طرح مخفی رکھے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ فرماتے ہیں "جو لوگوں کو مشکل مسائل بغیر توقّف اور تامّل کے بتلائے اس نے اپنے آپ کو دوزخ میں ڈالنا چاہا ہے اور جو لوگوں کی تمام باتوں کا جواب دے وہ دیوانہ ہے"۔

حضرت مکحول رحؒ فرماتے ہیں "جس شخص نے قرآن مجید سیکھا اور اس میں تفقہ بھی حاصل کیا، پھر وہ کسی امیر کے پاس بغیر کسی خاص ضرورت کے جائے تو وہ اپنے قدموں کے مقدار جہنم میں داخل ہُوا۔

حضرت ابو امامہ رضؓ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو سجدہ میں رو رہا تھا تو فرمانے لگے "یہ نہایت اچھا ہوتا اگر گھر میں ہوتا جہاں تجھے کوئی نہ دیکھتا"۔ نیز فرمایا "حضرت عمر رضؓ جب کسی نمازی کو گردن جھکائے دیکھتے تو دُرّے لگاتے اور فرماتے "تیرا بھلا ہو، خشوع تو دل میں ہوتا ہے نہ کہ گردن جُھکانے میں"۔

بصرہ کے ایک حاکم نے مالک بن دینارؒ سے کہا "تجھے معلوم ہے کس بات نے تجھے ہمارے سامنے درشتی اور سخت کلامی کی جرأت دی؟ اور کس وجہ سے ہمیں تیرے مقابلے کی طاقت نہیں؟ اس کا باعث تیرا ہم سے بے طمع ہونا اور دُنیا سے بے رغبتی ہے۔"

ابو عبداللہ سمرقندیؒ کی جب لوگ تعریف کرتے تو فرماتے "واللہ میری اور تمہاری مثال اس لڑکی کی سی ہے جس کی بکارت زنا سے زائل ہوگئی ہو اور اس کے گھر والوں کو معلوم نہ ہو۔ وہ اس کی شبِ زفاف پر خوش ہوں، مگر لڑکی اپنی فضیحت کے خوف سے غمگین ہو۔"

میمونؒ بن مہران فرماتے ہیں کہ بغیر باطن کے صرف ظاہر اچھا ہونا اس پاخانہ کی طرح ہے جس کی بیرونی طرف خوب آراستہ ہو اور اس کی اندرونی طرف بدبُو اور پلیدی ہو۔"

حضرت ابن سماکؒ فرماتے ہیں "جب تم ایسے فعل کرتے ہو جن پر اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے تو جیسا اس وقت عذر کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یونہی مقدر کیا تھا، ایسے ہی تم اپنے حاکموں اور ایذا رساں ظالموں کو بھی معذور خیال کرو۔ کیونکہ اُن کی تقدیر میں بھی تم پر ظلم لکھا ہے۔ کوئی اُن میں سے یہ نہیں چاہتا کہ تم میں سے کسی پر کوئی ظلم کرے یاد رہے کہ تمہارے اعمال ہی تم پر ظلم ہونے کا سبب ہیں جیسا کہ آنحضرت کا فرمان ہے اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ یعنی تمہارے اعمال ہی تمہارے حاکم ہیں۔"

حضرت طاؤس اکثر اپنے گھر میں بیٹھے رہتے۔ جب ان سے اس کا باعث پوچھا گیا تو فرمانے لگے "حاکموں کے ظلم رعیت کی تباہ کاری اور سنت کے جاتے رہنے کے باعث میں نے یہ تنہائی اختیار کی ہے کیونکہ جو حق کے قائم کرنے میں غلام اور اپنے بیٹے میں فرق کرے وہ ظالم ہے۔"

حضرت زیدؒ التمی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی آسمانی کتاب میں دیکھا ہے "اے ابنِ آدم! میں نے تیرے واسطے دو توبڑے بنائے ہیں، ایک آگے ایک پیچھے۔ جو تیرے پیچھے ہے اس میں تیرے عیب ہیں اور جو تیرے آگے ہے اس میں لوگوں کے عیب ہیں۔ اگر تو پیچھے والے کو دیکھے تو آگے والے سے غافل ہو جائے، یعنی ان کی عیب چینی نہ کرے۔"

میمونؒ بن مہران فرماتے ہیں "میرے نزدیک عمر بن عبدالعزیزؒ سے بڑھ کر کوئی پیارا نہ تھا لیکن مجھے اُن کے حاکم ہونے کی حالت میں دیکھنے سے اُن کو مُردہ دیکھنا زیادہ پسند ہے۔"

علم پڑھنا اور اس کا پڑھانا بے فائدہ ہے جب تک کہ اطاعت و خوف بھی ساتھ ساتھ نہ بڑھیں۔

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں "جب لاغر کے بعد حاکم موٹا ہو جائے تو جان لو کہ وہ رعیت اور اپنے رب کی خیانت کرتا ہے۔"

ابو العالیہؒ ایک دفعہ ہارون الرشید کے پاس آئے اور فرمایا "مظلوموں کی دعا سے خائف رہ، کیونکہ ان کی دُعا رد نہیں ہوتی اگرچہ فاجر و گنہگار اور کافر ہی کیوں نہ ہو۔"

حضرت مالک بن دینارؒ کے پاس اگر کتا آ بیٹھتا تو اُسے نہ دھتکارتے اور فرماتے "بُرے دوست سے یہ اچھا

ہے اور آدمی کے بُرا ہونے کو یہی کافی ہے کہ وہ خود نیک نہ ہو اور نیک لوگوں کو بُرا کہے۔"

حضرت حسن بصریؒ کو جو شخص دیکھتا اُسے خیال گزرتا کہ گویا ابھی کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہوئے ہیں۔ کیونکہ اکثر رنج و خوف اُن پر طاری رہتا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں "مجھے نزع کے وقت کم تکلیف کا ہونا پسند نہیں ہے کیونکہ یہ آخری مصیبت ہے جس پر مومن کو اَجر ملے گا۔

حضرت سہل تستریؒ سے عبداللہ بن مبارکؒ نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو پسند ہے کہ آپ کل مر جائیں"؟ فرمایا "نہیں بلکہ ابھی مرنے کو پسند کرتا ہوں۔"

سلطان سنجر شاہ والیٔ مُلک نیمروز نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمتِ مُبارک میں درخواست لکھ کر بھیجی کہ بسلسلۂ خدماتِ دین و اشاعتِ اسلام، مَیں دو سو گاؤں کا معافی نامہ ہمیشہ کے لیے بطور نذرِ حقیر پیش کرتا ہُوں۔ اُمید ہے کہ آپ قبول فرما کر سرفراز فرمائیں گے۔ آپ نے اسی رقعہ کی پشت پر یہ قطعہ لکھ کر واپس بھیج دیا۔ ؎

چوں چترِ سنجری رُخِ بختم سیاہ باد — دَر دِل اگر بود ہوسِ ملکِ سنجرم
زانگہ کہ خبر یافتم از ملکِ نیم شب — من مُلکِ نیمروز بیک جَو نمی خرم

حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص آپ کی سخت غیبت کرتا ہے۔ آپ نے اس شخص کے پاس ایک طبق چھوہاروں کا بہ سبیلِ عذر بھیج دیا اور کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تُو نے اپنی نیکیاں میرے دفترِ اعمال میں منتقل کر دی ہیں۔ میں نے چاہا کہ اس کا کچھ عوض ادا کروں، معاف کرنا مجھ میں پُورے معاوضے کی طاقت نہیں۔"

حضرت مالک بن دینارؒ نے ایک مکان کرائے پر لیا۔ آپ کے ہمسائے میں ایک یہودی رہتا تھا۔ آپ کے گھر کی محراب یہودی کے مکان کے دروازے پر تھی۔ اس نے پائخانہ بنا لیا اور غلاظت آپ کے گھر میں پھینکتا اور محراب کو پلید کر دیتا۔ ایک مدّت تک اس نے ایسا ہی کیا اور آپ نے کسی سے ذکر نہ کیا اور نہ ہی اس سے شکایت کی۔ ایک دن وہ یہودی آپ کے پاس آیا اور کہا "اے مالکؒ! تجھے میرے اس پاخانہ سے تکلیف تو نہیں"؟ آپ نے فرمایا "تکلیف تو ضرور ہے، لیکن میں نے ایک تغار اور جھاڑو بنالی ہے، اس سے صاف کر لیتا ہوں اور دھو لیتا ہوں۔" اُس نے کہا، "یہ تکلیف آپ کس لیے برداشت کرتے ہیں"؟ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کا ایسا ہی حکم ہے۔" "وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ" یہودی نے کہا "افسوس کہ خداؐ کا دوست دشمن کا رنج اُٹھائے اور ہرگز فریاد نہ کرے، اور اس حد تک صبر کرے۔" یہ کہا اور وہ یہودی اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔

سالہا سال گزر گئے کہ آپ شیریں، ترش یا نمکین کوئی چیز نہ کھاتے اور صرف روکھی پھیکی روٹی پر گزران کرتے اور اسی سے تسلّی پاتے۔ ایک مرتبہ آپ بیمار ہو گئے اور آپ کے دل میں گوشت کی خواہش پیدا ہوئی۔ آپ نے صبر کیا، جب تقاضائے نفس حد سے گزر گیا تو آپ قصّاب کی دکان پر گئے اور گوشت کا ایک ٹکڑا خریدا اور آستین میں رکھ کر چل دیئے۔ قصاب نے اپنا شاگرد آپ کے تعاقب میں بھیجا تا کہ معلوم کرے کہ آپ گوشت کو کیا کریں گے؟

تھوڑی دیر کے بعد شاگرد نے واپس آکر بیان کیا کہ جب آپ غیر آباد جگہ پر پہنچے تو گوشت کو آستین سے باہر نکالا۔ اور تین بار سونگھا اور گوشت ایک فقیر کو دے دیا اور کہا کہ "اے جسمِ ضعیف! میں یہ تکلیف جو تجھ کو دیتا ہوں، یہ خیال مت کر کہ کسی دشمنی کی وجہ سے ہے۔ چند روز صبر کر کہ شاید یہ محنت ختم ہو جائے اور نعمت نصیب ہو کہ جسے ہرگز زوال نہ ہوگا۔

ایک دن ایک عورت نے آپ سے کہا " اے ریاکار!" آپ نے جواب دیا " بیس سال ہوئے کہ کسی نے میرا نام لے کر نہ بلایا۔ لیکن تو نے ٹھیک پہچانا کہ میں کون ہوں"۔

حضرت واسعؒ نے ایک دن اپنے بیٹے کو ذرا خراماں چال چلتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا " تجھے کچھ خبر ہے تو کون ہے؟ تیری ماں کو میں نے دو سو درہم کے عوض مول لیا تھا۔ اور میں جو تیرا باپ ہوں، تمام مسلمانوں سے بدتر ہوں۔ پھر یہ تیرا اِترانا کس بات پر ہے"؟

حضرت حبیبؒ عجمی ایک مرتبہ اپنا پوستین راہ میں رکھ کر وضو کرنے چلے گئے۔ حضرت حسن بصریؒ کا گزر اُدھر سے ہوا تو آپ وہاں پر ٹھہر گئے تاکہ کوئی پوستین اُٹھا نہ لے جائے۔ تھوڑی دیر میں جب واپس تشریف لائے اور سلام کہا اور پوچھا کہ آپ یہاں کیسے کھڑے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ آپ پوستین کس کے بھروسے پر چھوڑ گئے تھے، اگر کوئی لے جاتا؟ آپ نے فرمایا " اس کے بھروسے پر جس نے تجھ کو اس کی نگہبانی پر مقرر کیا"۔

حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں "شیطان مجھ سے سوال کرتا ہے تیرا کھانا کیا ہے، لباس کیا ہے اور سکونت کہاں ہے"؟ میں جواب دیتا ہوں کہ "میری غذا موت ہے، میرا لباس کفن ہے اور میرا مسکن قبر ہے"۔

شیخ داؤد فرماتے ہیں " دُنیا میں سب سے زیادہ کمزور وہ شخص ہے جو اپنی شہوت کے ضبط پر قدرت نہ رکھتا ہو اور سب سے زیادہ طاقتور وہ ہے جو ضبط پر قدرت رکھتا ہو"۔

حضرت ابُو حازم ایک روز قصّاب کے قریب سے گزرے۔ آپ نے گوشت کی طرف دیکھا تو قصّاب نے کہا "لے لیجیے۔ اچھا، عمدہ اور فربہ ہے"۔ فرمایا " میرے پاس قیمت نہیں"۔ قصّاب نے کہا " میں مُہلت پر دے دیتا ہوں۔ جب ہوگی، دے دیجئے گا"۔ فرمایا " میں اپنے نفس کو مُہلت دے دُوں گا"۔ قصّاب نے کہا " اسی لیے تمہارے پہلُو کی ہڈیاں نظر آرہی ہیں"۔ فرمایا " قبر کے کیڑوں کے لیے یہ کافی ہیں"۔

حضرت حسن بصریؒ ایک روز حضرت رابعہؒ کے عبادت کدہ میں گئے اور کہا " وہ علوم جو نہ تم نے علم سے حاصل کیے اور نہ کسی سے سُنے، بلکہ جو بلا واسطہ خلق تمہارے دل میں پیدا ہوئے ہوں، مجھ سے کچھ بیان کرو"۔ آپ نے کہا " میں نے چند کُلاہ بنے تھے تاکہ انھیں فروخت کروں اور ان سے قوت حاصل کرلوں، میں نے دو درہم کے عوض بیچ ڈالے۔ ایک درہم کو میں نے ایک ہاتھ میں پکڑا اور دوسرے کو دوسرے ہاتھ میں۔ مجھے خوف ہوا کہ اگر میں دونوں درہموں کو ایک ہی ہاتھ میں پکڑوں گی تو جفت ہوں گے اور مجھ کو راہ سے بدراہ کر دیں گے۔ میری آج کی فتح یہ تھی"۔ اس کے علاوہ طریقت وحقیقت کی گفتگو ہوتی رہی۔ نہ تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں مرد ہوں نہ اس کے دل میں خیال گزرا کہ میں

عورت ہوں۔ آخرالامر جب میں اُٹھا تو اپنے آپ کو مفلس اور اس کو مخلص پایا۔

حضرت احمد حربؒ کے پڑوس میں ایک شخص کے ہاں چوری ہوگئی۔ آپ اپنے احباب کے ساتھ اس کی غمخواری کو گئے۔ پڑوسی نے گمان کیا کہ قحط پڑا ہوا ہے، اس لیے دستر خوان کا حکم دیا۔ حضرت احمدؒ نے کہا "ہم تو چوری کا حادثہ سن کر افسوس کے لیے آئے ہیں"۔ اُس نے کہا" اس واقعہ سے مجھ پر تین شکر واجب ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ دوسروں نے میرا مال چرایا، میں نے نہیں۔ دوسرے یہ کہ ابھی آدھا مال میرے پاس موجود ہے۔ تیسرے یہ کہ" دنیا کو ضرر پہنچا ہے اور دین میرے پاس ہے۔"

حضرت ابُو عباسؒ ٹوپیاں بنا کر گزارہ کرتے اور کمائی کا آدھا حصّہ صدقہ میں دیتے۔ ایک دولت مند نے آپ سے پوچھا" زکوٰۃ کسے دوں"؟ فرمایا" جس پر تمہارا دل مطمئن ہو"۔ اُس نے ایک اندھے کو روپے دیئے۔ اتفاقاً دوسرے دن اس اندھے کو دیکھا کہ خرابات میں شراب پی کر گانا سن رہا ہے اور ان سے بدتر فعل کا مرتکب ہونے کو ہے۔ اس نے شیخ کو یہ ماجرا سنایا۔ انہوں نے ایک روپیہ دیا اور کہا جو شخص سامنے آئے، اُسے دے دینا۔ ایک سید پہلے نظر پڑا، اور اس کے حوالے کیا اور چپکے سے اس کے پیچھے ہولیا۔ وہ ویرانے میں گیا اور ایک مُردہ چکور دامن سے نکال کر پھینک دیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ تین روز سے اپنے بال بچوں سمیت بھوکا تھا اور سوال کی ذلت اپنے اوپر روا نہ رکھتا تھا۔ بحالتِ اضطرار مُردہ جانور اٹھا کر لے گیا تھا۔ اضطرار جاتا رہا تو اُسے پھینک دیا۔ شیخ نے فرمایا" مالِ حلال ایسی ہی جگہ پہنچ جاتا ہے اور جس میں شبہ ہو، مست اندھوں کے ہاتھ پڑتا ہے"

کچھ لوگ امتحان کی غرض سے حضرت رابعہؒ کی خدمت میں آئے اور کہا" اللہ تعالیٰ نے تمام فضائل مَردوں پر نچھاور کئے ہیں اور کرامت بھی مردوں ہی سے مخصوص ہے۔ آج تک کوئی عورت پیغمبر کے درجے پر فائز المرام نہیں ہوئی ہے۔ آپ یہ لاف زنی کس لیے کرتی ہیں"؟ آپ نے جواب دیا" خدائی کا دعویٰ آج تک کسی عورت نے نہیں کیا۔ انبیا بھی آخر عورت ہی کے پیٹ سے نکلتے ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن بغیر ماں کے آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ آج تک کوئی عورت مخنّث نہیں ہوئی۔ یہ صرف مردوں ہی کے حصے میں آئی ہے۔ اس مفہوم کا ایک ہندی دوہا بھی ہے۔ ؎

نَاری نِندا نہ کرو ناری نر کی کھان ناری سے نر اُپجیں، پیر پیغمبر جان

عبدالواحدؒ اور حضرت سفیانؒ ایک روز حضرت رابعہؒ کی عیادت کو گئے لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے باتوں کی ابتدا نہ کر سکے۔ آپ نے سفیانؒ سے کہا" کچھ فرمایئے"۔ انہوں نے کہا" اے رابعہ دعا کرتا ہوں حق تعالیٰ اس رنج کو تجھ پر آسان کردے۔" آپ نے یہ سُن کر اُن کی طرف دیکھا اور کہا" اے سفیانؒ! کیا تم نہیں جانتے کہ یہ بیماری مجھ پر اس کے حکم کی وجہ سے ہے۔" انہوں نے کہا جانتا ہوں"۔ آپ نے کہا" جب تُو جانتا ہے، تب ہی مجھ پر حکم کرتا ہے کہ اس سے درخواست کردں، اور وہ بھی اس کی مرضی کے خلاف، حالانکہ دوست کی مرضی کے خلاف کرنا درست نہیں"۔

ایک شخص امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آپ کے والد کا انتقال ہو چکا ہے"؟ آپ نے فرمایا" ہاں"۔

پھر فرمایا "آپ کی والدہ زندہ ہیں"؟ فرمایا "ہاں زندہ ہیں"۔ وہ کہنے لگا "میں نے سنا ہے کہ آپ کی والدہ بڑی حسینہ وجمیلہ ہیں، اس لیے میں ان سے نکاح کرنے آیا ہوں، آپ ان کا نکاح میرے ساتھ کر دیجیے"۔ فرمایا کہ وہ عاقل و بالغ ہیں اپنے نکاح کا اختیار رہے، میں جبر نہیں کر سکتا۔ البتہ ان سے پوچھ سکتا ہوں"۔ آپ پوچھنے جا رہے تھے، اتفاق سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ تڑپ تڑپ کر جان دے رہا تھا، فرمایا "ابو حنیفہ کے صبر نے اس کی جان لے لی"۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ صبر کی نعمت ایسی ہے جو فرشتوں کو بھی نہیں ملی۔ کیونکہ ان میں نفس اور نفسانی خواہشات بھی نہیں ہیں، تو ان کو ایسی کشمکش بھی پیش نہیں آتی۔

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے امتحان کی غرض سے ایک شخص آیا۔ اس نے سُنا تھا کہ آپ بڑے جوشیلے اور تیز طبع ہیں۔ دہلی کی جامع مسجد میں مولانا تشریف رکھتے تھے۔ وہ آیا اور مجمع میں باآوازِ بلند پوچھا۔ "میں نے سُنا ہے کہ آپ حرامی ہیں"؟ مولانا نے فرمایا "تم سے کسی نے غلط کہا ہے۔ میری ماں کے نکاح کے گواہ ابھی زندہ ہیں۔ اگر یقین نہ ہو تو تصدیق کرا دوں"۔ وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا "میں تو امتحان کرتا تھا کہ آپ کی تیزی تکبر سے تو نہیں ہے لیکن معلوم ہوا کہ سارا غصّہ اور تکبر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے"۔

حضرت امام احمد حنبلؒ بغداد میں رہتے تھے لیکن بغداد کی روٹی نہ کھاتے تھے۔ فرماتے کہ اس زمین کو حضرت عمرؓ نے غازیوں پر وقف فرمایا ہے۔ آپ موصل سے آٹا منگواتے اور اس کی روٹی بنوا کر کھاتے۔ آپ کے بیٹے ایک سال اصفہان میں قاضی رہے۔ یہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ اور رات کو دو ساعت سے زیادہ نہ سوتے تھے۔ اپنے مکان کے دروازے پر ایک عبادت خانہ بنایا ہوا تھا۔ دن رات اسی میں رہتے تھے، اس خیال سے کہ مبادا رات کو کسی شخص کو کام پڑے اور دروازہ بند ہو۔ غرضیکہ یہ اس قسم کے خدا ترس و متقی قاضی تھے۔ ایک دن امام احمد حنبلؒ کے لیے روٹی پکائی جا رہی تھی۔ خادم نے آپ کے صاجزادے قاضی مذکور سے خمیر لے کر پکائی۔ روٹی لائی گئی تو آپ نے پوچھا "اس روٹی کو کیا ہوا"؟ خادم نے کہا خمیر آپ کے صاجزادے صالح کے ہاں سے لے لیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا "اس نے ایک سال اصفہان میں قضا کی ہے۔ اس کی روٹی میرے حلق کے قابل نہیں ہے"۔ خادم نے پوچھا "اس روٹی کو کیا کریں"؟ آپ نے فرمایا "رکھ چھوڑو، جب کوئی سائل آئے تو اس سے کہہ دینا کہ خمیر صالح کا ہے اور آٹا احمد کا، اگر تم پسند کرتے ہو، لے لو۔ وہ روٹی چالیس روز رکھی رہی کوئی سائل نہ آیا۔ اس روٹی میں بُو پیدا ہو گئی۔ خادم نے اُسے دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔ آپ نے اس کے بعد دجلہ کی مچھلی کھانی چھوڑ دی۔ آپ کا تقویٰ اس حد تک پہنچا ہوا تھا۔ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس ایک سرمہ دانی بھی چاندی کی ہو، اس کے پاس بھی بیٹھنا نہ چاہیئے۔

ایک بار آپ (احمد حنبلؒ) مکہ تشریف لے گئے تاکہ حضرت سفیان بن عیینہؒ سے احادیث سنیں۔ آپ ہر روز ان کے ہاں تشریف لے جاتے۔ ایک دن نہ گئے۔ انہوں نے آدمی بھیجا۔ تاکہ معلوم ہو کہ آپ کس وجہ سے تشریف نہیں لائے۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو معلوم ہُوا کہ آپ نے اپنے کپڑے دھوبی کو دیئے ہوئے ہیں اور

آپ برہنہ بیٹھے ہیں۔ اس شخص نے کہا، میں چند دینار آپ کو دیتا ہوں۔ تاکہ آپ انہیں اپنے مصرف میں لائیں۔ آپ نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا میں اپنے کپڑے بطریقِ احسن مُستعار دیتا ہوں۔ آپ نے پھر بھی انکار کر دیا۔ اس نے کہا میں واپس نہ جاؤں گا۔ جب تک آپ اس کی کوئی تدبیر نہ کریں گے۔ آپ نے فرمایا میں ایک کتاب لکھتا ہوں، اس کو فروخت کر کے کپڑا خرید لاؤ۔ اس نے کہا کتان خرید لاؤں"۔ آپ نے فرمایا "نہیں، دس گز ٹاٹ خرید لاؤ۔ پانچ گز کا کُرتہ بناؤں گا اور پانچ گز کا تہ بند"۔

حضرت حارث محاسبی کو اسّی ہزار دینار ترکۂ پدری سے ملے تھے۔ آپ نے فرمایا "انہیں بیت المال میں جمع کرا دو" لوگوں نے کہا" یہ کیوں"؟ آپ نے فرمایا" آنحضرت ؐ کا ارشاد ہے کہ مسلمان آتش پرست کی میراث قبول نہیں کرتا۔ میرا باپ آتش پرست تھا اور میں مسلمان ہوں"۔

حضرت سہل تستری ؒ نے اپنے ایک مرید سے ذکر کیا کہ بصرہ میں ایک نانبائی ہے، جو درجۂ ولایت تک پہنچا ہوا ہے مُرید اُٹھ بیٹھا اور بصرہ روانہ ہو گیا۔ اُس نے وہاں جا کر دیکھا کہ اس نانبائی نے نانبائیوں کی طرح ڈاڑھی کے گرد کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔ جب آپ کے مُرید کی نظر اُس پر پڑی تو اس نے خیال کیا کہ اگر درجۂ ولایت پر ہوتا تو آگ سے احتراز نہ کرتا۔ پھر اس نے سلام کیا اور یہی سوال کیا۔ نانبائی نے کہا کہ تو نے ابتدا میں مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھا ہے اس لیے تجھے میرے سخن سے فائدہ نہ ہوگا۔

حضرت احمد بن حربؒ کی زیارت کے لیے چند ساداتِ نیشاپور آئے۔ آپ کا ایک لڑکا نہایت رِند تھا جو مستی کی حالت میں رباب لیے گھر سے نکلا اور نہایت بے پروائی کی ادا سے اُن سادات کے سامنے سے گزرا اور ان کا کچھ پاس ولحاظ نہ کیا۔ تمام سادات اس بات سے نہایت ملول ہوئے۔ آپ نے جب یہ حالت دیکھی تو ان سادات سے معذرت طلب کی اور کہا ایک دن میں نے ایک پڑوسی کے ہاں کھانا کھایا تھا اور اسی رات گھر میں خلوت کا اتفاق ہوا، اس سے لڑکا پیدا ہوا۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کھانا بادشاہ کے گھر کا تھا"۔

لوگوں نے خلیفہ ہارون الرشید سے کہا کہ حضرت امام شافعیؒ کو قرآن شریف حفظ نہیں ہے اور در حقیقت یہ بات صحیح تھی۔ لیکن ان کی قوّتِ حافظہ نہایت زبردست تھی۔ خلیفہ نے آپ کا امتحان کرنا چاہا۔ اور رمضان المبارک میں آپ کو امام کیا۔ آپ دن بھر میں ایک سیپارہ یاد کر لیتے اور اسی رات تراویح میں سنا دیتے۔ یہاں تک کہ آپ نے ماہِ رمضان میں تمام قرآن مجید حفظ کر لیا۔

حضرت فضیلؒ نے بوقت انتقال اپنی اہلیہ سے وصیت کی کہ جب مجھے دفن کر چکو تو ان دونوں بیٹیوں کو کوہِ قبیس پر لے جانا اور آسمان کی طرف منہ کر کہنا کہ اے خداوندا! فضیلؒ نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں جب تک زندہ رہا ان بے پناہ گزینوں کو اپنی طاقت کے مطابق اپنے پاس رکھا۔ اب جب تو نے قبر کے قید خانے میں محبوس کر دیا تو میں ان پناہ گزینوں کو تجھے واپس دیتا ہوں۔ بعد تدفین آپ کی اہلیہ نے وصیت کے مطابق عمل کیا اور مناجات کر کے اپنی بے بسی پر بہت روئی۔ اسی اثنا میں امیر یمن مع اپنے دو بیٹوں کے اس جگہ پہنچ گیا اور اس نالہ وزاری کو سُنا اور حال پوچھا

آپ کی اہلیہ نے تمام حالت بیان کی۔ امیر یمن نے سب باتیں سن کر کہا کہ میں ان دونوں لڑکیوں کو اپنے دونوں بیٹوں کے بیاہ دیتا ہوں۔ چنانچہ ان کو اپنے ہمراہ یمن لے گیا اور بزرگوں کو جمع کر کے دس دس ہزار مہر پر ان کا نکاح کر دیا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ ایک رات غیر آباد مسجد میں گئے جس کے کواڑ نہ تھے۔ دیکھا کہ تین درویش سو رہے ہیں۔ سردی نہایت سخت تھی۔ آپ صبح تک مسجد کے دروازے ہی میں کھڑے رہے۔ انہوں نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا ہوا سرد تھی۔ میں نے خیال کیا کہ دروازہ روکے رکھوں تاکہ تمہیں سرد ہوا کم لگے۔

ایک عیالدار شام کے وقت گھر کی جانب جا رہا تھا۔ اس روز اس نے کچھ کمایا نہ تھا اور نہایت غمگین اور تہی دست تھا کہ اپنے عیال و اطفال سے کیا کہوں گا؟ راستہ میں حضرت ابراہیم ادہم کو بیٹھے ہوئے دیکھا اور کہا "اے ابراہیمؒ! مجھے آپ کی حالت پر رشک آتا ہے کہ آپ ایسے فارغ و ساکن بیٹھے ہیں اور میں اس طرح عاجز و سرگرداں ہوں۔" آپ نے یہ سن کر کہا "میں نے آج تک جس قدر مقبول عبادت اور پسندیدہ خیرات کی ہے، وہ سب میں نے تجھے بخش دی اور تم اس ایک ساعت کا غم مجھے بخش دو۔"

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت بشر حافیؒ کی خدمت میں تھا۔ سردی زیادہ تھی۔ میں نے آپ کو برہنہ دیکھا اور آپ کانپ رہے تھے۔ میں نے کہا "یہ کیا حال ہے"؟ آپ نے فرمایا "میں نے درویشوں اور غریبوں کو یاد کیا۔ میرے پاس مال نہیں کہ ان کی مدد کر سکوں۔ پھر میں نے چاہا کہ بدن ہی سے ان کی موافقت کروں۔"

ایک جوان ہمیشہ صوفیائے کرام کا انکار کرتا تھا۔ ایک روز حضرت ذوالنونؒ نے اس کو انگشتری دی اور فرمایا "اسے نانبائی کے پاس لے جا اور ایک دینار کے عوض گرو رکھ دو۔" وہ جوان اس انگشتری کو لے گیا۔ نانبائی نے اس کو کہا "میں ایک درم سے زیادہ نہیں دے سکتا۔" وہ واپس لے کر پھر آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا "اسے صراف کے پاس لے جا اور اس کی قیمت دریافت کر۔" وہ جوان انگشتری صراف کے پاس لے گیا۔ صراف نے ایک ہزار دینار اس کی قیمت بتائی۔ وہ پھر آپ کی خدمت میں واپس آیا۔ آپ نے فرمایا "تیرا علم صوفیائے کرام کے متعلق نانبائی کے علم کی طرح ہے، جو اسے انگشتری کے متعلق تھا۔" یہ سن کر اس نے توبہ کی اور تکبر و انکار سے نکل گیا۔

لوگوں نے امام احمد حنبلؒ سے پوچھا کہ آپ ان صوفیائے کرام کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، جو بے علم ہیں۔ اور توکل کیے مسجدوں میں بیٹھے ہیں؟ آپ نے فرمایا "یہ تمہاری غلطی ہے جو تم انہیں بے علم کہتے ہو۔ ان کو علم ہی نے متوکل بٹھایا ہے۔" لوگوں نے کہا اُن کی تمام نیت محض روٹی کے ٹکڑے ہی کے لیے ہے۔" آپ نے فرمایا "میں ان سے بڑھ کر روئے زمین پر کسی قوم کو نہیں دیکھتا جن کی نیت دنیا میں روٹی کے ٹکڑے سے زیادہ نہ ہو۔

منصور حلاج کے متعلق صوفیائے کرام کے ایک بڑے گروہ کو تردد و تذبذب رہا ہے۔ حضرت قشیریؒ نے اس کے متعلق فرمایا "اگر مقبول تھا تو ردِ خلائق سے مردود نہیں ہو سکتا۔ اور اگر مردود تھا تو قبول خلائق سے مقبول نہیں ہو سکتا۔"

امام احمد حنبلؒ پر جب عالم نزع طاری ہوا تو آپ کے بیٹے نے پوچھا "اے باپ! یہ کیا حال ہے"؟ آپ نے فرمایا،

"وقت پُر خطر ہے۔ جواب کی جگہ نہیں ہے۔ دعا سے مدد کرتے رہو۔ کیونکہ جو لوگ میرے دائیں بائیں بیٹھے ہیں۔ ان میں شیطان بھی ہے اور وہ میرے سامنے کھڑا سر پر خاک ڈال کر کہہ رہا ہے کہ اے احمد! تو میرے ہاتھ سے جان سلامت لے گیا۔ اور میں کہتا ہوں کہ جب تک ایک سانس بھی باقی ہے، خطرہ موجود ہے۔"

حضرت شبلیؒ سے قاضی نے دریافت کیا کہ بیس دینار ہوں تو کیا زکوٰۃ دینی چاہیے۔ آپ نے فرمایا ساڑھے بیس دینار۔ قاضی نے کہا یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا "حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے اور باقی ایک بھی نہ رکھا۔ قاضی نے کہا پھر آپ نے یہ آدھا دینار زیادہ کیسے بتلایا؟ آپ نے فرمایا "یہ جرمانہ ہے کہ اس نے بیس دینار اکٹھے ہی کیوں کیے"؟

حضرت ابو عبداللہؒ جب سنِ شعور کو پہنچے تو ذوقِ عبادت کی وجہ سے اپنے ماں باپ سے کہا کہ مجھے خدا کے حوالے کر دیجیے۔ انہوں نے کہا "ہم نے کر دیا"۔ میں ان کے پاس سے چلا گیا اور سالہا بعد گھر واپس آیا جب میں نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو مجھ سے پوچھا "تو کون ہے"؟ میں نے کہا "تمہارا بیٹا"۔ انہوں نے جواب دیا "ہمارا ایک ہی بیٹا تھا، سو اُسے ہم نے خدا کو سونپ دیا ہے اور ہم دینے کے بعد اُسے نہیں لیتے"۔ غرضیکہ انہوں نے دروازہ نہ کھولا اور میں واپس چلا گیا۔

حضرت ابو محمد مرتعشؒ سے لوگوں نے وصیت چاہی۔ آپ نے فرمایا "ایسے شخص کے پاس جاؤ جو تمہارے لیے مجھ سے بہتر ہو اور میرے پاس ایسے شخص کو چھوڑ جاؤ، جو تم میں بہتر ہو"۔

حضرت شقیقؒ سے ایک شخص نے کہا کہ لوگ تمہاری ملامت کرتے ہیں۔ کیونکہ تم لوگوں کی محنت سے کمائی ہوئی روزی کھاتے ہو۔ آؤ تاکہ میں تمہیں کچھ دے دوں۔ آپ نے فرمایا اگر تم میں پانچ عیوب نہ ہوتے تو میں ایسا کر لیتا ایک تو یہ کہ تمہارا خزانہ کم ہو جائے گا۔ دوسرے اس بات کا امکان ہے کہ چور میرے پاس سے لے جائیں گے۔ تیسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تم پشیمان ہو جاؤ۔ چوتھے یہ کہ شاید تم مجھ میں کوئی عیب دیکھو تو کہو کہ میرا مال واپس دے دو۔ پانچویں یہ کہ کیا عجب ہے جو تمہاری اجل آ جائے اور میں بے سرو سامان ہو جاؤں۔ لیکن میرا ایک خدا ہے۔ یہ تمام عیوب جو میں نے بیان کیے ہیں، ان سب سے پاک ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بادشاہوں کے تحفے قبول نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ خلیفہ مستنجد باللہ نے اشرفیوں کے دس توڑے آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے حسبِ معمول انکار فرمایا۔ خلیفہ نے اصرار کیا تو آپ نے ایک توڑا دائیں ہاتھ اور دوسرا بائیں ہاتھ میں لے کر دونوں کو رگڑا تو اشرفیوں سے خون بہنے لگا خلیفہ سے ارشاد فرمایا "شرم نہیں آتی بغداد کا خون کھاتے ہو اور اسے جمع کر کے میرے پاس لاتے ہو"۔ خلیفہ پر اتنا اثر ہوا کہ غشی کی نوبت آ گئی۔

حضرت شقیق کی توبہ کا یہ سبب ہوا کہ آپ بسلسلۂ تجارت ترکستان گئے۔ وہاں پر ایک شخص کو دیکھا جو بُت کی پرستش کرتا تھا۔ اور بُت کے سامنے زاری کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا "تیرا پیدا کرنے والا زندہ قادر ہے۔ کچھ

شرم کر اور بت پرستی سے باز رہ۔ کیونکہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا" اس نے کہا" اگر وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم بیان کرتے ہو تو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ تمہیں تمہارے شہر ہی میں روزی دے تاکہ تمہیں اس شہر میں نہ آنا پڑے؟ تم کو ہوسِ زر اور جلبِ منفعت دربدر اور شہر بشہر پھرا رہی ہے" اس سے متاثر ہو کر آپ نے حقیقی توبہ کی۔

لوگوں نے ایک دفعہ حضرت ادھم بلخیؒ سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں قبول نہیں فرماتا؟ آپ نے فرمایا" اس وجہ سے کہ تم خدا کو جانتے اور مانتے ہو مگر اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہو مگر ان کی پیروی نہیں کرتے۔ قرآن کریم پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کھاتے ہو مگر شکر نہیں کرتے۔ جانتے ہوئے بھی کہ بہشت اطاعت کرنے والوں کے لیے ہے، مگر اس کی طلب نہیں کرتے۔ جانتے ہو کہ دوزخ گنہگاروں کے لیے ہے مگر اس سے نہیں ڈرتے۔ شیطان کو دشمن سمجھتے ہو مگر اس سے نہیں بھاگتے، بلکہ اس سے دوستی کرتے ہو۔ خویش و اقارب کو اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کرتے ہو مگر عبرت نہیں پکڑتے۔ موت کو برحق جانتے ہو مگر عاقبت کا کوئی سامان نہیں پکڑتے، بلکہ دنیا کا سامان جمع کرتے ہو۔ اپنی برائیوں کو ترک نہیں کرتے لیکن دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہو۔ بھلا ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو؟"

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے خیمے میں ایک کبوتر نے گھونسلا بنا لیا۔ کوچ کے وقت فراش کو حکم دیا کہ خیمہ بدستور چھوڑ دیا جائے تاکہ بھولا بھالا جانور بے آرام نہ ہو۔ اس رحمدلی کی یادگار آج تک اس مقام پر "فسطاط" نامی شہر آباد ہے۔ فسطاط عربی میں خیمہ کو کہتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصریؒ نے ایک کُتّے کو پیاسا دیکھا جو پیاس سے ایسا بے تاب تھا کہ کیچڑ کھا رہا تھا۔ آپ نے پاؤں سے موزہ نکالا۔ اوڑھنی پھاڑ کر رسّی بنائی۔ کنواں بہت گہرا تھا کافی نہ ہوئی۔ چوٹی کاٹ کر رسّی بٹی اور اوڑھنی کی رسّی میں ملا کر پانی نکالا اور کُتّے کو پلایا۔

حضرت مولانا رومؒ ایک بار مع معتقدین کے کسی جگہ جا رہے تھے۔ ایک گلی میں آڑے رُخ کُتا سو رہا تھا۔ جگہ ایسی تنگ تھی کہ گزرنے تو کُتّے کے آرام میں خلل پڑتا۔ آپ مع رفقا کے اس وقت تک کھڑے رہے کہ کُتا نیند پوری کر کے اُٹھا اور راستہ صاف ہُوا۔

ایام سرما میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ نمازِ تہجد سے فارغ ہو کر کانپتے ہوئے لحاف میں لیٹنے لگے۔ دیکھا تو ایک بلّی لحاف میں دبکے بیٹھی ہے۔ آپ نے اس کو نکال کر خود لیٹنا گوارا نہ کیا۔ اور بقایا سخت ترین سردی کی رات کھڑے کھڑے گزار دی۔ واضح رہے کہ یہ ہند کی سردی نہ تھی بلکہ افغانستان کے دارالسلطنت کابل کی سردی تھی۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں" تیرا اللہ تعالیٰ سے ایسے ستر گناہ لے کر ملنا جو اللہ ہی کے ہوں، بہت آسان ہے اس گناہ سے جو کسی خاص شخص سے تعلق رکھتا ہے۔"

نصائحِ لقمان

کوئی چیز تیرے نزدیک حصول نعمت آخرت سے زیادہ محبوب تر نہ ہو۔
دنیا کے تھوڑے مال پر راضی رہ۔ رزق مقدر پر قناعت کر اور دوسروں کی روزی پر آنکھ مت ڈال۔ تاکہ رنج نفس سے سلامت رہے۔ کھانے سے بھوکا اور حکمت سے سیر رہ۔
اگر لوگ تجھے اس صفت کے ساتھ موصوف بتلائیں جو کہ تیری ذات میں نہ ہو تو ان کی تعریف سے مغرور مت ہو جا۔ کیونکہ جاہلوں کے کہنے سے ٹھیکری سونا نہیں بن سکتی۔
کمینوں کے مقابلہ میں خاموشی سے مدد و معاونت طلب کر۔
بُری اور شریر عورتوں سے خدا تعالیٰ کی پناہ میں رہ۔ اور نیک عورتوں سے بھی پرہیز رکھ کہ ان کی طرف میلان کا نتیجہ شر ہی شر ہے۔ خاموشی کو اپنا شعار بنا، تاکہ شرِ زبان سے محفوظ رہے۔
بدگمانی کو اپنے اُوپر غالب مت کر کہ تجھ کو دنیا میں کوئی دوست ہمدرد نہ مل سکے گا۔
بزرگوں کو لازم ہے کہ بے خردوں کو خردمندوں اور جاہلوں کو عالموں پر فضیلت میں ترجیح نہ دیں۔ اور ہر شخص کو اس کے ہنر و جوہر کے مطابق جگہ دینی چاہیئے اگر ایسا نہ کیا جائے تو ان کی بے خردی و عدم امتیازی پر دلالت کرتا ہے جس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی سر کے کپڑوں کو پاؤں پہ باندھ لے اور پاؤں کی پوشش کو سر پر رکھ لے۔
کسی ذکر میں بجز ذکرِ خدا اور کسی خاموشی میں بجز فکرِ روزِ جزا کوئی خیر و خوبی نہیں ہے۔
آسائشِ خلق میں کوشش کر اور خلق سے مت ڈر اور اپنی جان کو مصیبت و مشقت کا عادی بنا۔
مصائبِ دنیا کو سہل خیال کر اور موت کو ہر وقت پیش نظر رکھ۔
نماز میں قلب کی، مجلس میں زبان کی، غضب میں ہاتھ کی اور دستر خوان پر شکم کی حفاظت کر۔
نیکی کر اور مخلوق کو طریقہ نیکی سکھلا اور بدی سے دُور رہ اور خلق کو بھی بدی سے دُور رکھنے کی کوشش کر۔
کثیر الفہم اور کم سخن بنا رہ اور حالتِ خاموشی میں بے فکر مت رہ۔
جس طرح آگ کا ایک ذرہ عالم کو تباہ کر دیتا ہے، اسی طرح ایک بدکلمہ انسان کی حالت کو تباہ کر دیتا ہے۔
اگر کسی کے ساتھ رشتہ دوستی قائم کرنا چاہے بایں خیال کہ وہ وقتِ مصیبت تیرے کام آئے، تو پہلے اس کو غصہ میں لا کر آزما۔ اگر بحالتِ غضب اس کو منصف پائے تو اس کی دوستی پر مائل ہو، وگرنہ پُر حذر رہ۔
مردِ کامل تو وہی ہے جو دشمن کو دوست بنا سکے۔ لیکن اگر بوجوہ خاص یہ تیری دسترس سے باہر ہو، تو بحالت مخاصمت فرطِ غضب سے حذر کر کہ تیرا غضب تیرے لیے دشمن سے زیادہ دشمن ہے۔
خدا کے نزدیک عقل سے بہتر کوئی چیز نہیں اور عقل کامل اس وقت ہوتی ہے جب اس میں دس فضیلتیں ہوں۔

(۱) آدمی اس سے بے خوف ہوں (۲) اس سے ہدایت حاصل کریں (۳) جس حالت میں رہے راضی و شاکر ہو (۴) اپنی حاجت سے زائد راہ خدا میں صرف کرے۔ (۵) فروتنی و عجز کو دوست رکھے (۶) دنیا کی خواری کو عزت سے بہتر خیال کرے (۷) اگر کوئی بات دریافت کی جائے تو رنجیدہ نہ ہو اور بتلانے میں دریغ نہ کرے (۸) حاجت مند بشرطِ موجودگی اس کے دروازے سے محروم نہ جائے (۹) اگر اس کے ساتھ تھوڑی نیکی کی جائے تو زیادہ جانے اور اپنی نیکی کو کچھ بھی نہ سمجھے (۱۰) سب کو اپنے سے بہتر جانے۔

جس طرح دشمن احسان کے ساتھ دوست ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے دوست جور و جفا سے دشمن بن جاتے ہیں۔

دوستِ صادق جانِ دوم ہے اور چشم سوم۔

وہ بات جو دشمن سے پوشیدہ رکھے، دوست سے بھی پنہاں رکھ۔ ممکن ہے کہ یہ بھی کسی روز دشمن بن جائے۔

صحت جسمانی سے بہتر کوئی تونگری اور استغنا سے بہتر کوئی نعمت نہیں ہے۔

جس مجلس میں ذکر خدا سنے بیٹھ جا، شاید کہ اس رحمت میں تجھ کو بھی کچھ حصہ مل جائے اور جس مجلس میں کہ غفلت دیکھے، اس سے دُور بھاگ، ایسا نہ ہو کہ تو بھی گرفتارِ عقوبت ہو جائے۔

جو کام کہ برائے خدا کیا جائے اس میں بندوں کا خوف نہ کر۔

اگر کوئی کام کسی کے سپرد کرے تو دانا کے سپرد کر۔ اگر دانا میسر نہ ہو تو خود کر ورنہ ترک کر۔

جہاں تک ممکن ہو لوگوں سے دُور رہ۔ تاکہ تیرا دل سلامت اور نفس پاکیزہ رہے اور تن راحت پائے۔

جس نعمت میں کفران ہے اس کو بقا نہیں ہے اور جس نعمت میں کہ شکر ہے اس کو زوال و فنا نہیں ہے۔

عقلمند کے لیے وہ وقت سخت مشکل ہے، جب کسی بات کا اظہار و اخفا دونوں میں خرابی پیدا ہونے کا خوف ہو۔

عقل ادب کے ساتھ ایسی ہے جیسا کہ درخت ثمر دار۔ اور عقل بغیر ادب کے ایسی ہے جیسا کہ درختِ بے بر۔

جاہلوں کی صحبت سے پرہیز رکھ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے اپنے جیسا بنالیں۔

لوہے کا کلہاڑا لکڑی کے جنگل سے ایک چھلکا تک نہیں اتار سکتا، جب تک اس کے ساتھ خود لکڑی کا دستہ شامل نہ ہو یعنی اپنے ہم جنس ہی سے نقصان پہنچتا ہے۔

صحبتِ علما کو غنیمت شمار کر۔ کیونکہ علم دل کو اسی طرح سے زندہ کرتا ہے جیسے کہ بارش زمین خشک کو۔

دوستی حق کو سرمایہ نجات خیال کر کہ بغیر سرمایہ کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

اصلاح نفس کی فکر میں مشغول رہ تاکہ بجائے صفاتِ بد کے صفاتِ نیک پیدا ہو سکیں۔

کسب نہ کرنا محتاجی لاتا ہے۔ اور محتاجی دین کو تنگ، عقل کو ضعیف اور مروّت کو زائل کرتی ہے۔

نصائحِ سُقراط

جس چیز کا علم نہیں اسے مت کہو۔ جس چیز کی ضرورت نہیں اس کی جستجو مت کرو۔ جو راستہ معلوم نہیں، اس میں سفر مت کرو۔ اور اچھی بات جو کوئی کہے غور سے سنو۔ کیونکہ غوطہ زن کی ذلت سے گوہر کی قیمت کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔

افعالِ خراب پر اظہارِ ندامت نہ کرنا دوسری خرابی ہے۔

آدمی کے حال کا دریافت کرنا سخت مشکل ہے جب تک کہ بارہا آزمائش نہ کی جائے اور جب تک کہ معاملہ نہ پڑے، اعتماد نہ کر۔

خوبصورتی چند روزہ حکومت ہے۔

اربابِ حاجات کی ملتمسات کو کل پر نہ ڈالنا چاہیے۔ نہ معلوم کہ کل تک کیا ظہور پذیر ہو۔

سب سے زیادہ بیوقوف وہ شخص ہے جو فتنہ خفتہ کو بیدار کرے اور جو کام کہ آسانی سے سرانجام پاسکے اس کی لڑائی جھگڑے تک نوبت پہنچا دے۔ خردمند ہر چند کہ اپنے زور و توانائی پر بھروسہ رکھے۔ لیکن اپنی قوت پر اعتماد کرکے دشمن پر متعرض نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ خواہ تریاق موجود ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کی امید پر زہرِ ہلاہل نہ کھانا چاہیے۔

فاضل شریف کے نفس کو حسنِ قبولِ حق سے اور خسیسِ ناقص کے نفس کو میلانِ باطل سے شناخت کرنا چاہیے۔

سقراط سے پوچھا گیا کہ موت سے بھی کوئی سخت تر چیز ہے؟ جواب دیا کہ زندگی، کیونکہ ہر قسم کے رنج و آزار و مصیبتیں زندگی ہی میں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور موت ان سے نجات دلاتی ہے۔

اگر ہم اپنی مصیبتوں کا تبادلہ کرسکتے تو ہر شخص اپنی پہلی ہی مصیبت کو غنیمت جانتا۔

جس شخص کو تیرا دل بُرا خیال کرے یا دشمن جانے اس سے بچتا رہ۔

لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اس قدر حکمت حاصل کرنے سے تجھے کونسا خاص فائدہ پہنچا؟ کہا "اس سے زیادہ اور کیا فائدہ ہوگا کہ میں بحرِ زندگی کے کنارے سلامتی و عافیت کے ساتھ بیٹھا ہوں اور جاہلوں کو اس میں غرق ہوتے دیکھتا ہوں"۔

اس حکیم نے تحمل و بُردباری کی عادت حاصل کرنے کے لیے قصداً ایک تُندخُو اور شعلہ مزاج عورت سے شادی کی تھی جو ہمیشہ بلا وجہ بھی لڑتی رہتی تھی۔ اس سے اس کی صرف یہ غرض تھی کہ مجھ میں غصہ نہ رہے۔

ایک روز اس کی بیوی پہلے تو بہت کچھ بُرا بھلا کہتی اور لڑتی جھگڑتی رہی۔ پھر غصہ میں آکر پانی کی بھری ہوئی دیگچی اس کے سر پر دے ماری تو اس نے کہا "گرجنے کے بعد برسنا بھی ضروری تھا"۔

عورت خود ہی فتنہ ہے اور اس کا لکھنا سیکھنا سخت ترین فتنہ ہے۔

تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔

بچپن میں شرم وحیا، نوجوانی میں اعتدال اور پیری میں کفایت شعاری اور عاقبت اندیشی ضروری ہے۔

تجرد ہو یا ازدواجی زندگی، انسان خواہ کچھ جتن کرے ایک نہ ایک دن اس پر بار ضرور ثابت ہوں گے اور اسے کفِ افسوس ملنا ہوگا۔

نیک انسان کو زندگی میں یا موت کے بعد کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

زندگی کا وقفہ نہایت قلیل ہے لیکن اگر مصیبت ہو تو یہ کافی طویل ہے۔

کامل انسان وہ شخص ہے جس سے اس کے مخالف بھی بے خوف ہوں نہ کہ وہ جس سے اس کے دوست بھی خائف ہوں۔

خوبی اور نیکی دولت سے نہیں پیدا ہوتی بلکہ دولت خوبی اور نیکی سے وجود میں آتی ہے۔ یاد رکھو فتح طاقت کی نہیں بلکہ صداقت کی ہوتی ہے۔

جب انسان کسی کے ساتھ کسی طرح کی نیکی نہ کر سکے تو اس کی برائیوں ہی سے اسے مطلع کرتا ہے۔

جو خدا سے نہیں ڈرتا وہ سب سے ڈرتا ہے۔ جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔

لوہا صرف لڑائی کے وقت سونے سے بہتر سمجھا جاتا ہے مگر عقل ہر جگہ اور ہر وقت سونے سے زیادہ قیمتی ہے۔

جو شخص اچھے اور برے میں تمیز نہ کر سکے، کا شمار مردوں میں ہے۔

دوسرے لوگوں کی تحریروں سے اپنی اصلاح و ترقی شروع کرو۔ اس طرح تم زندگی کے ایسے مدارج و منازل بآسانی طے کر لو گے جن تک پہنچنا بڑی ہمت اور قربانی طلب کرتی ہیں۔

سقراط سے دریافت کیا گیا کہ تجھے کبھی رنجیدہ اور غمگین نہیں دیکھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں اپنے پاس کوئی چیز نہیں رکھتا جس کے تلف ہونے کا مجھے غم ہو۔

عالم دین کا طبیب ہے اور مال دین کا مرض۔ جب طبیب خود مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس سے دوسروں کا علاج نہیں ہو سکتا۔ جنہیں تھوڑی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں دیوتاؤں کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

نیک خو ہونا تمام حکمت کا خلاصہ ہے اس سے امن اور سلامتی حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کے دل میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

نامعلوم اور پیچیدہ راستوں کی کوتاہی پر فریفتہ مت ہو اور سیدھے راستوں کی درازی سے اندیشہ نہ کر۔

بیشک عقل سب سے اچھی چیز ہے اور تمام امور کا انحصار اسی پر ہے۔ مگر بعض اشیا ایسی ہیں جنہیں ہم روزمرہ دیکھنے کے باوجود بھی ان کے وجوہ کی غرض و غایت نہیں سمجھتے۔

ہر فضیلت کی ایک حد متعین ہے۔ جب اس سے تجاوز ہوگا خواہ افراط کی طرف خواہ تفریط کی طرف، تو وہ فضیلت رذیلت اور نیکی برائی بن جاتی ہے۔

زمانۂ پیری نہایت مسرّت ناک ہے بشرطیکہ صحّت اور سچا دوست میسّر ہو۔
دوستی کی شیرینی کو ایک دفعہ کی رنجش کی یاد ہمیشہ زہر آلود کرتی رہتی ہے۔
اگر کوئی شخص اپنی دولت پر فخر کرے تو اس کی تعریف نہ کرو جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ دولت کو کس طرح کام میں لاتا ہے۔
ایتھنز میں سقراط نے اپنا چھوٹا سا مکان بنوایا تھا۔ ایک شخص نے اس سے کہا "آپ جیسا بڑا آدمی ایسا چھوٹا سا مکان کیوں بنواتا ہے؟ اپنی شان کے لائق مکان تعمیر کرنا چاہیئے"۔ سقراط نے کہا "میں اس تنگ مکان کو بڑا عالیشان اور باسامان سمجھوں گا اگر وہ سچے اور اصلی دوستوں سے معمور رہو گا"۔ یعنی اس کو سچے اور اصلی دوستوں کے ملنے کی اتنی بھی توقع نہ تھی کہ وہ تنگ تعمیر اِن سے معمور ہوتی۔
اثنائے سفر میں سقراط سے کسی نے پوچھا "تم کس ملک کے رہنے والے ہو"؟ تو اس نے بجائے ایتھنز کہنے کے یہ کہا کہ میں دنیا کا رہنے والا ہوں۔ اس کے خیالات اتنے وسیع اور معمور تھے کہ وہ ساری دنیا کو اپنا وطن اور تمام دنیا کے آدمیوں کو اپنا ہموطن اور دوست خیال کرتا تھا۔
دوستی وہیں ترقی کر سکتی ہے جب فریقین کے دولت و اقبال میں مشارکت خیالات میں مطابقت اور حالت میں موافقت ہو۔
طامع کی دولت کا حال آفتاب کا سا ہے کہ غروب ہو کر کسی کو خوش نہیں کرتا۔
بعض دیوتاؤں نے یہ چاہا تھا کہ خوشی اور رنج کو آپس میں ایسا ملا دیں کہ وہ ایک ہو جائیں۔ مگر جب وہ ایسا نہ کر سکے تو انہوں نے ان کو دُموں کی طرف سے جوڑ دیا۔ اس لیے خوشی اور رنج ایک دوسرے کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔
اس کے شاگرد اس کو ایک مشہورِ زمانہ قیافہ شناس کے پاس لے گئے۔ اس نے اس حکیم کو دیکھ کر کہا کہ یہ شخص شہوت پرست، مغلوب الغضب اور نہایت عیش پسند ہے۔ شاگردوں نے قیافہ شناس سے کہا آج ہمیں تمہارے کمال قیافہ شناسی میں شبہ ہوگیا، اور گزشتہ کی نسبت بھی یہ یقین ہوگیا کہ تم اٹکل پچو بیان کر دیتے ہوگے، جو اتفاقاً صحیح نکل آتے تھے۔ حکیم نے کہا اس شخص کے کمال میں کوئی شبہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بیان کردہ عیوب مجھ میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ لیکن میں نے اپنے ضبطِ نفس اور حکمت اور دانائی سے ان سب پر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔
سقراط اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتا کہ تم کتابوں کی باتیں نہ بیان کیا کرو، بلکہ اپنے نفس کی اصلی باتوں اور حرکات کو بیان کیا کرو۔
یہ حکیم ۶۹ سال قبل مسیح پیدا ہوا تھا۔ نہایت محنتی جفاکش اور صابر ہونے کے علاوہ نہایت سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ تحقیق حق اور علمِ اخلاق کی وعظ گوئی میں اس کی تمام عمر بسر ہوئی۔ غور و فکر میں اس درجہ محو و مستغرق ہو جاتا کہ کسی مسئلہ کو سوچنے کے لئے گھنٹوں ایک ہی جگہ دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہو کر کھڑا رہتا۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی مسئلے پر غور کرتے کرتے ایک دن اور ایک رات برابر چوبیس گھنٹے تک کھڑا رہا۔

اپنے معتقدوں اور شاگردوں سے کبھی کوئی نذرانہ، فیس یا اور کسی قسم کی امداد نہ لیتا۔ وعظ گوئی کی یہاں تک عادت تھی کہ ہر وقت اسی میں مصروف رہتا خواہ مجمع ہو یا صرف دو آدمی۔ ہر شخص کی قابلیت کا اندازہ لگا کر اسی کے حسبِ حال وعظ کہتا۔ اور انسانوں کی صحبت کا ہر وقت متلاشی رہتا۔

ساٹھ سال کی عمر میں سینیٹ کا ممبر منتخب ہوُا۔ ایک معاملے میں جو صریح بے انصافی پر مبنی تھا، اس نے دوسرے ممبروں سے اختلافِ رائے کا اظہار کیا اور کہا کہ میں ہزار بیماریوں کو اپنے برداشت کر سکتا ہوں، لیکن دوسرے شخص کے ساتھ بے انصافی ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔

ستّر سال کی عمر میں اس حکیم پر بت پرستی کے خلاف وعظ گوئی اور حکومتِ وقت کے خلاف تقریریں کرنے کا الزام لگایا گیا۔ اس زمانے میں حکام سلطنت ووٹوں کے ذریعے سے منتخب ہوتے تھے۔ سقراط کہتا تھا کہ یہ رسم نہایت نامعقول اور بیہودہ ہے۔ اگر ملاح، معمار اور بڑھئی کی ضرورت ہو تو کوئی شخص ووٹ نہیں لیتا۔ بلکہ جو شخص ان کاموں کے لیے مناسب ہوتا ہے، اسے مقرر کیا جاتا ہے۔ اگر ایسے انتخاب میں غلطی ہو جائے تو انفرادی حیثیت کی وجہ سے چنداں مضر نہیں ہوتی۔ لیکن جہاں ہزارہا انسانوں کے حکام منتخب کرنے میں ووٹ لیے جائیں وہاں بلاشبہ یہ سخت حماقت ہے۔ غرضیکہ حکومت کی طرف سے سماعتِ مقدمہ کی تاریخ مقرر ہو گئی لیکن سقراط بدستور اپنی تعلیم و تدریس اور وعظ گوئی میں مصروف رہا۔ ایک شخص نے کہا "سقراط! تم عجیب آدمی ہو۔ تم پر جو سخت ترین الزام حکومت کی طرف سے لگایا گیا ہے، اگر خدانخواستہ وہ ٹھیک ہو جائے تو تمہاری جان کے لالے پڑ جائیں۔ تم ایسی مخدوش حالت میں بے فکر بیٹھے ہو۔ جواب دہی کے لیے تمہیں تیاری کرنی چاہیے"۔

سقراط نے بے پروائی سے کہا "میں اسی کو کافی تیاری سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی تمام عمر میں کوئی گناہ اور فریب نہیں کیا۔ اس وقت تک میری عمر نہایت اطمینان سے گزری ہے اور میں لگاتار اخلاقی ترقی کرتا رہا ہوں اور لوگوں کو بھی اخلاقی تعلیم دیتا رہا ہوں۔ تمام لوگ میری عزت کرتے رہے ہیں۔ اگر میری زندگی منقطع نہ ہو تو بڑھاپا مجھے ستائے گا۔ میرے حواس کام نہیں کریں گے۔ میری فراست میں کمی آجائے گی۔ ایسے حالات میں زندگی کی مجھے چنداں خواہش نہیں۔ اب اگر مجھے مجرم گردان کر مار ڈالا جائے گا تو لوگ ججوں کے فعل کو قابلِ نفرت خیال کریں گے اور میرے خلاف کوئی اتہام نہ لگائیں گے بلکہ ممکن ہے کہ میری موت کی وجہ سے میری عزت پہلے سے بڑھ جائے"۔

میرے ہم وطنو! سنو۔ اگر میں خود غرض ہوتا تو کیا میں اپنی ذات کی طرف سے اتنا بے پروا ہوتا؟ جن لوگوں نے مجھ پر تہمتیں تراشی ہیں، ان سے پوچھ کر دیکھو۔ وہ بھی کہیں گے کہ میں نے کسی شخص سے کسی شکل میں کوئی حق الخدمت قبول نہیں کیا۔ میری مفلسی، بے زری اور ناداری میری صداقت کا ثبوت اور میری سچائی پر گواہ ہے۔ مقدمہ کی تاریخ مقررہ پر جو جو سوالات عدالت نے کیے، ان کا نہایت متانت، دلیری اور استقلال سے اس نے جواب دیا۔ اس کی آواز اور الفاظ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ خوفزدہ ہے یا اپنے آپ کو مجرم سمجھتا،

اور مہربانی کا خواستگار رہے۔ آخر عدالت نے ووٹ لینے کے بعد اس کی موت کا فتویٰ صادر کیا۔ اس عہد حکومت میں پھانسی یا گردن کاٹنے کی بجائے زہر کا پیالہ دیا جاتا تھا۔ اس وقت کے قانون کے مطابق ایسے جرائم کے لئے کچھ جرمانہ لے کر مجرم کو معاف کر دیا جاتا تھا۔ اس کے دوستوں نے سقراط سے کہا کہ وہ اس قانون سے فائدہ اٹھائے۔ ہم جرمانہ کی بھاری سے بھاری رقم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ وہ جرمانہ دے کر معافی حاصل کرے۔ سقراط نے کہا روپیہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ میں بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھتا ہوں۔ میں نفرت سے اس کو نامنظور کرتا ہوں۔ جب اس کو موت کا فتویٰ دیا گیا تو اس نے ایک نہایت پُرتاثیر آخری تقریر کی جس کو سن کر لوگ رونے لگ گئے۔ اس نے پوچھا "کیوں روتے ہو؟" لوگوں نے کہا "آپ کی بے گناہی کی موت کا ہمیں سخت رنج اور افسوس ہے، اس نے کہا کیا تمہارے خیال میں میں گنہگار ہو کر مرتا؟"

سزائے موت کے بعد حکومت کی ایک خاص مذہبی رسم کی ادائیگی کی وجہ سے سقراط کو تیس دن قید خانے میں رہنا پڑا۔ بعض دوستوں نے اس کو صلاح دی کہ وہ قید خانے سے فرار ہو جائے۔ وہ ہنس پڑا اور کہا "پہلے کوئی ایسی جگہ بتاؤ جہاں موت نہیں پہنچ سکتی"۔

تیسویں دن اس کی عورت اور ننھے بچے اس کے پاس آئے۔ سقراط نے انہیں کچھ آخری کلمات کہہ کر رخصت کر دیا۔ اتنے میں قید خانے کا ایک ملازم آیا اور کہا "اے سقراط! میں جب کسی مجرم کو زہر کا پیالہ دیتا ہوں تو وہ مجھے کوسنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن تم معقول پسند ہو اور جانتے ہو کہ میں افسروں کے حکم کا پابند ہوں۔ اگر تمہیں کوئی شکایت ہے تو ان سے ہونی چاہیے، مجھ سے نہیں۔ اب زہر پینے کی تیاری کرو"۔ یہ کہہ کر اس ملازم کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ سقراط نے کہا "بہت بہتر، میں تیار ہوں۔ لیکن میرے خیال میں مجھے زہر کا پیالہ پینے سے پہلے نہا لینا چاہیے۔ تاکہ غسال کو میری نعش کو دھونے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے"۔ اور بعد غسل زہر کا پیالہ لے کر پی لیا۔

افلاطون نے کہا کہ دنیا میں یہ سب سے عقلمند، سب سے منصف اور سب سے نیک شخص کا انجام تھا۔

سسرو لکھتا ہے کہ جب کبھی میں اس واقعہ کو پڑھتا ہوں تو بے اختیار رو دیا کرتا ہوں۔

اس حکیم کا زمانہ ۴۷۰ تا ۳۹۹ قبل مسیح تھا۔ ۷۱ سال کی عمر پائی۔

نصائح افلاطون

طلب علم میں شرم مناسب نہیں کیونکہ جہالت شرم سے بدتر ہے۔

بدنفس وہ ہے جو لوگوں کی بدی ظاہر کرے اور نیکی چھپانے کی کوشش کرے۔

عقل جس جگہ کامل ہوگی، حرص و شر ناقص ہوگا۔

نیکی میں اگر تجھے رنج پہنچے تو رنج نہ رہے گا، فعلِ نیک رہ جائے گا۔ گناہ میں اگر لذّت حاصل ہو تو لذت تو نہ رہے گی، فعل بد البتہ باقی رہ جائے گا۔
عمر کوتاہ و کارہائے دراز۔ عاقل وہ ہے کہ عمر کو ضروری کاموں میں صرف کرے۔
بات کو دیر تک سوچو پھر منہ سے نکالو اور پھر اس پر عمل کرو۔
جو شخص لوگوں کو عملِ صالح کی ہدایت کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے دوسروں کو روشنی دکھلانے کے لیے چراغ اپنے ہاتھ میں رکھا ہو۔
حاکمِ وقت ایک بڑے دریا کی مانند ہے جس کا پانی چھوٹی ندیوں میں جاتا ہو۔ اگر بڑے دریا کا پانی شیریں ہے تو ندیوں کا بھی شیریں ہوگا اور اگر دریا کا پانی تلخ ہوگا تو لامحالہ ندیوں کا پانی بھی تلخ ہوگا۔
حسن ایک قدرتی قانونِ مخصوص انسان کے فائدے کے لیے ہے جس سے زیادہ کوئی محسن نہیں۔
دوست کے ساتھ ایسا سلوک کر کہ حاکم تک نوبت نہ پہنچے۔ اور دشمن سے اس طرح برتاؤ کر کہ اگر حاکم تک نوبت پہنچے تو تم کو کامیابی ہو۔
غربت اور امارت دونوں سے انسان کی استعدادِ کار میں کمی آجاتی ہے۔
اچھی بات کے حاصل کرنے میں بُری بات کو ذریعہ اور وسیلہ نہ بنانا چاہیے۔
وہ شخص عقلمند نہیں ہے جو دنیاوی لذتوں سے خوش اور مصیبتوں سے مضطرب ہو۔
خُدا سے ایسی چیزیں مت چاہو جن کا نفع دیرپا نہ ہو، بلکہ باقیات الصالحات کے خواہاں رہو۔
ہر روز اپنا منہ آئینے میں دیکھا کرو۔ اگر بُری صورت ہے تو بُرا کام نہ کرو تاکہ دو برائیاں جمع نہ ہوں۔ اگر اچھی صورت ہے تو اس کو بُرا کام کر کے خراب نہ کرو۔
جوانی میں خدا کے وجود سے انکار کرنے والوں میں سے آج تک میں نے ایک بھی ایسا نہیں دیکھا جو بڑھاپے میں اپنی بات پر قائم رہا ہو۔
خدا کا بندے سے انتقام لینے کا یہ مطلب ہے کہ خدا اسے ادب سکھاتا ہے نہ کہ اپنا حصہ نکالتا ہے۔
غصہ کی مقدار بات چیت میں اتنی ہونی چاہیے جیسے کھانے میں نمک، کہ جب تک انداز پر رہتا ہے تو ملائم، ورنہ فاسد ہے۔
جمہوریت کی دلکشی سے انکار نہیں مگر اس کی بوقلمونیاں اُن انسانوں کو مساوی سطح پر لانا چاہتی ہیں، جنہیں قدرت نے بھی مساوی پیدا نہیں کیا۔
عالِم کا امتحان اس کی کثرتِ علم سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ فتنہ انگیز باتوں سے کیسے بچتا ہے۔
بدترین حاجت وہ ہے جو ایک کریم شخص لئیم الطبع کے آگے پیش کرے اور پوری نہ ہو۔
انسان کا فخر اس میں ہے کہ فخر نہ کرے اور باوجود بڑا ہونے کے اپنے آپ کو کمتر خیال کرے۔

بہت سے نقصانات انسان کو اس وجہ سے پہنچتے ہیں کہ وہ لوگوں سے مشورہ نہیں لیتا۔

جو شخص لوگوں سے کنارہ کشی کرتا ہو تو اس سے مل اور جو شخص لوگوں سے ملنے کا عادی ہو تو اس سے کنارہ کشی کر۔

انسان کی طبیعت کا حال اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں سے معلوم ہوتا ہے، بڑے کاموں سے نہیں، کیونکہ ان کو وہ بہت سوچ بچار کر کے کرتا ہے اور بعض اوقات وہ اس کے میلانِ طبع کے بالکل برخلاف ہوتے ہیں۔

فرمایا تین باتوں سے میرے نفس کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ دولتمند جو کہ محتاج ہو جائے۔ وہ عزیز جو ذلت و خواری میں مبتلا ہو۔ وہ عالم جس پر جاہل افسوس کریں۔

جب تو کسی کی طبیعت کا اندازہ لگانا چاہے تو بعض اُمور میں مشورہ طلب کر، تاکہ اس کے جور و عدل اور خیر و شر سے تھوڑے سے اشارہ سے واقف ہو جائے۔

ضعیف ترین شخص وہ ہے جو کہ اپنے راز کو چھپانے سے عاجز ہو، اور قوی ترین شخص وہ ہے کہ جو اپنے غصے کو تسکین میں تبدیل کر دینے پر قادر رہو اور صابر ترین وہ شخص ہے جو درویشی میں صبر کر سکے، اور قانع ترین وہ شخص ہے جو روزی مقدّر پر راضی و شاکر رہے۔

ایسے شخص کی فریاد رسی کر کہ جو گرفتارِ بلا ہو، بشرطیکہ وہ اپنے فعلِ بد کے نتیجے میں گرفتارِ بلا نہ ہُوا ہو۔

متکلم کا کلام جب اس کی نیّت کے مطابق ہو، سامع کو حرکت میں لاتا ہے۔ اور مخالفِ نیت ہو تو کان سے تو سنتا ہے لیکن قلب اس کو قبولیت کا موقع نہیں دیتا۔

کسی شخص کی رائے جو علم و معرفت میں تیرے مساوی ہو تیرے حق میں تیرے سے اچھی ہوگی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ تیری ہوائے نفس سے خالی ہے۔

عدل کی ایک ہی صورت ہے اور جور کی بہت سی صورتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہ نسبت عدل کے جَور آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال غلط اور صحیح نشانہ اندازی کی مانند ہے کہ صحیح نشانہ کے لیے تعلیم کی احتیاج ہے اور غلط نشانہ کسی تعلیم کا محتاج نہیں ہے۔

ہَوائے نفس پر عقل کو اس وجہ سے شرف حاصل ہے کہ عقل روزگار کو تیرا بندہ بناتی ہے اور ہوائے نفس تجھ کو بندۂ روزگار بناتی ہے۔

عوام اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک شخص کو اپنے اوپر مسلّط کر کے اُسے مافوق البشر ہستی بنا ڈالتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے استبداد کے ؎ پھوٹتے ہیں۔ ایک آمر مستبد پہلے پہل محافظ ہی کے رُوپ میں ظاہر ہُوا کرتا ہے۔

کسی نے پوچھا فلاں شخص کی موت کا باعث کیا ہُوا؟ حکیم نے کہا، اس کی زندگی۔

جو شخص کہ خوبصورت گھوڑے اور قیمتی لباس سے فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ جاہل ہے۔ کیونکہ گھوڑے کی فضیلت دوسرے گھوڑوں پر اور لباس کی فضیلت دوسرے لباسوں پر ہوگی نہ کہ خود اس کی۔

کسی پوچھا، تو نے اتنا علم کس طرح حاصل کیا؟ کہا رات کو جب لوگ مصروف مے نوشی ہوتے تھے، میں روغن زیتون کے ساتھ اپنا اپنا خون بھی جلاتا تھا۔

افراطِ نصیحت بھی موجب تہمت ہے۔

کسی نے پوچھا کہ انسان حالتِ پیری میں کیوں اتنا حریص ہو جاتا ہے۔ کہا، اس لئے کہ مر جانا اور دشمنوں کے لیے چھوڑ جانا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ حالتِ حیات میں دوستوں کا محتاج ہو۔

جس شخص میں غور و فکر کرنے کی عادت ہے وہ اپنی روح سے دُوبدُو کلام کرتا ہے۔

دنیا کو چوروں کی کمین گاہ تصور کر کے ہوشیاری اور آگاہی کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیے۔

ایک شخص نے اس سے کہا کہ آج فلاں آدمی تیری بہت تعریف کرتا تھا۔ حکیم نے یہ سنتے ہی سر نیچے کر لیا اور نہایت اندیشے میں گیا۔ تب اس نے کہا اے حکیم! تجھے کیا اندیشہ پڑا؟ میں نے تو کچھ بُری بات نہیں کی۔ جواب دیا، تیری بات کی مجھے کچھ فکر نہیں۔ لیکن میں سوچتا ہوں کہ مجھ سے ایسی کیا بیوقوفی ہوئی جو اس جاہل کے پسند آئی۔ کیونکہ جب تک نادانی نہ ہو، نادان پسند نہیں کرتا۔

حالتِ نزع میں اس کے دنیا میں زندگی گزارنے کے متعلق سوال کیا گیا۔ جواب دیا کہ بحالتِ اضطرار شکمِ مادر سے باہر آیا۔ تحیّر میں زندگی بسر کی اور بجبر و اکراہ اس سے باہر جاتا ہوں اور اس قدر معلوم ہُوا کہ کچھ معلوم نہ ہُوا۔

زندگی جب تک نیک کاموں کا ذریعہ نہ ہو، شائستہ نہیں کہی جا سکتی۔

یاد رکھ کہ خدائے کریم کے سارے عطیّوں میں سے حکمت سب سے بڑھ کر ہے اور حکیم وہ شخص ہے کہ جس کے قول اور فعل دونوں یکساں ہوں۔

اس حکیم کا زمانہ ۴۲۷ تا ۳۴۷ قبل مسیح تھا۔

نصائحِ ارسطاطالیس (ارسطو)

دنیا ایک خس پوش کنواں ہے۔ عقلمندوں کو ہوشیاری کے ساتھ قدم رکھنا چاہیے۔

مرگ ایک چیتا ہے کمین گاہ میں کہ جس کے پنجے سے رہائی نہیں ہو سکتی۔

حرص کو دل میں جگہ نہ دے کہ تیری قوت دوسروں سے زیادہ نہیں ہے۔

اپنے اعضا کو محنت و مشقت کا عادی بنا۔ ہر چند کہ خدمتگار و پرستندگان موجود ہوں۔ اتفاق آ پڑے کہ وہ نہ رہیں اس وقت تو بے دست و پا رہ جائے گا اور ایسا ہو جانا آئینِ زمانہ سے کچھ بعید نہیں۔ ۵

دوش میکائیل را دیدم بدستش دفترے | نامِ شخصے می نوشت و نامِ شخصے می سُترد
چوں نظر کردم بہ دفتر پادشاہے می گزشت | بادشاہی را بہ فرزندِ گدائے می سپرد

(ترجمہ) میں نے کل میکائیل کو ایک دفتر ہاتھ میں لیے دیکھا کہ ایک شخص کا نام کاٹ رہا تھا اور دوسرے شخص کا نام لکھ رہا تھا۔ جب میں نے دفتر پر نظر کی تو ایک بادشاہ گزر رہا تھا اور اس کی بادشاہی ایک فقیر زادہ کے نام پر لکھی جا رہی تھی۔

لوگوں نے اس حکیم سے کہا، بعض شخص تم کو بُرا کہتے ہیں۔ اس نے کہا، ان کو اور زیادہ بُرا کہنے دو۔ وہ مجھ پر تازیانہ زنی کرتے ہیں جہاں میں نہیں ہوتا۔

زیادہ گفتگو کرنا ہر چند کہ اچھی باتیں ہوں، دلیلِ دیوانگی ہے۔

ظالموں اور ستمگاروں کے ساتھ تعلقات مت رکھ کہ بروزِ جزا ان کی باز پُرس تجھ سے ہوگی۔

جملہ امور میں آہستگی پسندیدہ ہے، سوائے ان کاموں کے جو غم سے نجات بخشیں۔

کارہائے گزشتہ پر افسوس مت کر۔ افسوس ہوگا کہ افسوس بے فائدہ کے لیے وقتِ گرامی کو ضائع کیا جائے۔

اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو دانایانِ مشکل کشا کی رائے سے امداد طلب کر۔

صرف تعلیم سے شرافتِ انسانی کا حاصل کرنا ایسا ہی مہمل خیال ہے جیسا علم کیمیا کے ذریعے سے تانبے کا سونا بنانا۔ ذہنی تکمیل مفہومات اور خیالات سے نہیں ہوتی بلکہ ان مفہومات کے حاصل کرنے میں جو کوششیں کی جاتی ہیں، اس سے ہوتی ہے۔ تعلیم کے ذریعے سے شریر بھی اخیار میں سے ہو سکتا ہے۔

جو چیز ہماری عادت سے دُور ہے وہ عقل سے بھی دُور ہے۔

جب کسی کے طالع یاور دیکھے، اُس کے ساتھ جنگ کو خلافِ مصلحت جان۔

نا اُمّید نہ ہو کہ اس کا نتیجہ کم عمری ہے۔

کوئی سفارش نامہ حُسن سے زیادہ انسان کے واسطے نہیں ہے۔

اگر کوئی تیرے حق میں بدی کرے اور تو کسی کے حق میں نیکی کرے، دونوں کو فراموش کر۔

ایسے شخص کی صحبت کے لیے رغبت ظاہر کرنا جو تجھ سے پہلوتہی کرے، ذلّتِ نفس کا موجب ہے۔ اور ایسے شخص کی صحبت سے پہلوتہی کرنا جو تیری صحبت کی طرف مائل ہو، قصورِ ہمّت ہے۔

ملک و دولت کو حکام بدطینت کی ذات سے زیادہ کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

جو شخص تحصیلِ علم کی مشکلات کا متحمل نہیں ہو سکتا، اسے جہل کی سختیاں عمر بھر برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

ہر ایک نئی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے۔ مگر دوستی جتنی پرانی ہو اتنی ہی عمدہ، مضبوط ہوتی ہے۔

وہ غنا حاصل کرنا چاہیے جو فنا نہ ہو، وہ زندگی جس کو تغیر نہ ہو، وہ ملک جو بے زوال ہو، وہ بقا جس میں اضمحلال نہ ہو۔

کسی کے عیب مت تلاش کر تاکہ دوسرا تیرے عیبوں کی جستجو نہ کرے۔

رشک سے انسان کو بچنا چاہیے مگر جس رشک سے اصلاح کی امید ہو، اسے بالضرور اختیار کرنا چاہیے۔

شر کو شر سے رفع کرنا اگرچہ اچھی بات ہے، مگر شر کو خیر سے رفع کرنا نسبتہً احسن ہے۔

جو بات معلوم نہ ہو، اس کے اظہار میں شرم نہ چاہیے۔
انسان کے اسباب ظاہری میں عزت کا مرتبہ سب سے اول ہے۔
صاحب اقبال اُوپر چڑھتا ہے اس لیے اس کی حرکتِ رفتار تیز نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے صاحبِ ادبار چونکہ مائل بہ پستی ہوتا ہے، اس لیے اس کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ جیسے پتھر جو اوپر کی طرف سے نیچے آرہا ہو۔
جواب دینے میں جلدی نہ کر، تاکہ بعد میں خفت و شرمندگی نہ ہو۔
بخیل خواہ دولت مند ہو، اُسے ذلت حاصل ہوگی۔ سخی خواہ مفلس ہو، لوگ اس کی عزت ہی کریں گے۔ یہ بھی سخاوت و کرم میں داخل ہے کہ لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے اور ان کے عیبوں کے معلوم کرنے کی خواہش نہ کی جائے۔
خاموشی سب سے زیادہ آسان کام اور سب سے زیادہ نفع بخش عادت ہے
سخاوت اس کو کہتے ہیں کہ حاجتمندوں کو ان کی ضرورت کے موافق دیں۔ اس سے بڑھ کر افراط کی حد تک پہنچنا سخاوت نہیں بلکہ اسراف میں داخل ہے۔
خود باعمل ہونا چاہیے کیونکہ بغیر عمل کے دوسرے پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں پڑ سکتا۔
حُسنِ اخلاق سے زندگی راحت اور آرام سے بسر ہوتی ہے۔ اس کو سب شعائر پر مقدم رکھنا چاہیے۔
ایک اجنبی نووارد شخص اس حکیم کی مجلس میں بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ حکیم نے اس سے کہا، تو میرے ساتھ کچھ گفتگو کر، تاکہ میں تجھے دیکھ سکوں، کیونکہ کسی شخص کی گفتار ہی اس کی شناخت کردار اور اس کے حُسنِ اخلاق کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔
صورت بغیر سیرت کے ایک پھول ہے جس میں کانٹے زیادہ ہوں اور خوشبو بالکل نہ ہو۔
زندگی کی سب سے بڑی فتح نفس پر فتح پانا ہے۔ اگر نفس نے دل پر فتح پائی تو سمجھو کہ وہ دل مردہ ہے۔
عادت طبیعت کو بھی ضعیف کر دیتی ہے اور اس کے خلاف کام کراتی ہے۔
ایک روز اس حکیم نے ایک شخص کو دیکھ کر کہا جس کے ہاتھ چوری کے جرم میں کاٹے ہوئے تھے کہ اگر انسان زینتِ ادب سے آراستہ ہو تو ایسی بدحرکات کا اقدام ہرگز نہ کرے جن کا نتیجہ ایسی خوفناک صورت میں انسان کو برداشت کرنا پڑے۔ ؎

چہ آری ز نیک و بد ایں جا بجا بد از خویشتن بین و نیک از خدا ؎

مختلف ممالک کے شہزادگان اس حکیم کے زیرِ تعلیم تھے۔ ایک روز ایک شہزادے سے اس نے سوال کیا کہ اگر بادشاہی تم کو پہنچے تو میری خدماتِ تعلیمی کا صلہ تم کس صورت سے ادا کرو گے؟ شہزادے نے جواب دیا کہ میں تمام تر مہماتِ سلطنت میں آپ کے مشورے کو مقدم رکھوں گا۔ اور آپ کی رائے سے سرِمُو انحراف نہ کروں گا۔ یہی سوال دوسرے شہزادے سے پوچھا گیا اس نے کہا کہ میں آپ کو اپنا برابر کا شریکِ سلطنت رکھوں گا۔ جب سکندر کی باری آئی تو اس نے عرض کیا "اے استادِ محترم! مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے، کیونکہ اس کا فاعلِ حقیقی میں خود

نہیں، بلکہ خدا اُسے برتر ہوگا۔" ارسطو اس جواب سے نہایت خوش ہؤا اور کہا "تیری اس دانائی کا جواب سب پر سبقت لے گیا ہے، اور مجھے اس سے تیرے فاتح عالم ہونے کی بُو آتی ہے۔

جو شخص اتنی روزی حاصل کرنے پر قادر ہو جو اس کی زندگی کی گزران کے لیے کافی ہو تو اس کو اس سے زیادہ کی طلب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کی انتہا تو ہے نہیں، لیکن اس کے طالب کو کافی مکروہات کا سامنا ہوتا ہے۔

نصائح حکیم بقراط

جو شخص کہ سلاطین و اُمرا کی خدمت و قربت اختیار کرے، اسے چاہیے کہ ان کی طرف سے جو ذلّت و اہانت اس کو حاصل ہو اس پر فریاد نہ کرے، کیونکہ غوطہ زن کو آبِ شور کے چکھنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

جو کوئی شخص حسد کو دوست رکھتا ہے، اس کا نفس دائم قائم نہیں رہتا اور اس کو مرنے سے پہلے مار دیتا ہے۔

فرمایا کہ میری فضیلت کا حاصل یہی ہے کہ میں نے اپنے جہل سے اطلاع پائی۔

دنیا کو سرائے مہمان اور قضا کو میزبان شمار کرو۔ اگر کھانے کو کچھ دیا جائے کھا لو، اگر واپس لے لیا جائے طلب نہ کرو۔

رحمدل انسان جب مصیبت زدگان کی مصیبت کو دُور نہیں کر سکتا تو اس کا حال مصیبت زدوں سے بدتر ہو جاتا ہے۔

عورتوں کے کہنے پر کبھی عمل نہ کر تمام آفاتِ زمانہ سے محفوظ رہے گا۔

ہر بدن کا معالجہ پانچ طریقوں پر ہے۔ فاسد مادہ جو کہ سر میں ہے غرغرہ سے۔ جو کچھ فمِ معدہ میں ہے، قے سے اور جو کچھ معدے میں ہے، اسہال سے۔ جو کچھ جلد میں ہے، عرق یعنی پسینہ سے اور جو کچھ عروق میں ہے، فصد سے۔ لیکن دل پر جو میل جم چکا ہو، اس کا زائل کرنا دشوار ہے۔

چھ چیزیں آنکھوں کے نور کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ زیادہ گرم طعام کھانا، گرم پانی سر پر ڈالنا، چشمۂ آفتاب کی طرف دیکھنا، دشمن کا منہ دیکھنا، کثرتِ گریہ اور استعمال منشّیات۔

کسی نے کہا وہ شخص آ رہا ہے جو تم کو گالیاں دیتا ہے۔ فرمایا "اگر اس میں اس کا کچھ فائدہ ہو تو منع نہ کرنا چاہیے۔

زمین و آسمان کے درمیان فاصلے میں اتنے گز نہیں جتنے انسانوں کے طبائع اور ذہنوں کے مختلف درجے ہیں۔

بیوقوف جس کی کہ اپنے عیب پر نظر نہیں پڑتی، وہ کسی کی نصیحت نہیں سُنتا۔

خلقِ خدا کے معاملہ کو از روئے حق و حساب فیصلہ کر، تاکہ دوست زیادہ ہوں اور شرِ دشمناں سے محفوظ رہے۔

جھوٹ تمام گناہوں کی ماں، اور سچ سب بُرائیوں کا علاج ہے

کسی کو ایسے فعل سے جو خود تیری ذات میں ہے منع نہ کر جب تک کہ تو خود اس کو ترک نہ کر دے۔

دوستوں کے ساتھ اس قدر اخلاص رکھنا چاہیے جو تھوڑے سے تغیر پر زوال پذیر نہ ہو۔

انسان کی تمام خوشیوں میں وہ خوشیاں سب سے بدتر اور نفرت کے قابل ہیں جو اوروں کی پسند پر موقوف ہوں۔

دنیاوی عروج و تنزل کو مذہب سے کچھ تعلق نہیں۔
جس شخص کو عبرت حاصل کرنے کا شوق ہو، اس کے لیے ہر ایک نئی چیز موجب عبرت ہے۔
آنکھیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔ جسمانی آنکھ جو انسان و حیوان دونوں کو حاصل ہے، اس کا فعل صرف دیکھنا ہے۔ عقلی آنکھ بصیرت کہلاتی ہے جو صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایمانی آنکھ خدا پرستوں کی ملکیت ہے جو دنیا کے علاوہ عالمِ بالا کا بھی نظارہ کرتی ہے۔
مفلس کو تھوڑی چیزوں کی ضرورت ہے، آسودہ حال کو بہت کی، اور طامع کو کُل چیزوں کی۔
انسان کو لازمی ہے کہ وہ اپنے دل کو ایسا سخت پتھر بنائے جس پر رنج و اندوہ کی جونک نہ لگ سکے۔
قدرت نے دماغ کو دل سے اونچی جگہ دی ہے اس لیے جذبات کو ہر حالت میں تمیز کے تابع رکھنا لابدی ہے۔
جب تمہیں وراثت میں مفلسی و تنگدستی ملیں، تو نیکی اور شرافت کو اپنا سرمایہ بنا لو۔
پوچھا گیا کہ جوانوں کو کیا سیکھنا چاہیے؟ فرمایا "ہر وقت وہ بات کہ جس کے نہ جاننے سے شرمندگی حاصل ہو۔"

نصائح دیو جانس کلبی

جب تو دیکھے کہ کوئی کُتّا اپنے مالک کو چھوڑ کر تیرے پیچھے چلا آ رہا ہے تو بھاری پتھروں کے ساتھ اس کو اپنے پیچھے سے لوٹا دے کہ کسی روز تجھ کو بھی چھوڑ کر دوسروں کے پیچھے روانہ ہو جائے گا۔
ایک جوان سے کہ جس کا چہرہ پیرایۂ جمال سے مزیّن تھا لیکن نفس حلیۂ ادب سے خالی، مخاطب ہو کر کہا "اے پسر! تو نے فضائلِ نفس کو محاسنِ چہرہ بنا لیا ہے۔"
اس سے پوچھا گیا کہ کھانے پینے کے لیے کونسا وقت بہتر ہے؟ فرمایا "جن لوگوں کو کہ دسترس اور اسباب مہیّا ہیں، اُن کو جب بھوک لگے اور جن لوگوں کو یہ حاصل نہیں ہیں، اُن کو جس وقت مل جائے۔
انسان کی احتیاج اس کی عقل سے بہت زیادہ ہے۔
سوال کیا گیا کہ دوست کیا چیز ہیں؟ جواب دیا کہ "ایک نفس اجسامِ متفرقہ ہیں۔"
پوچھا گیا کہ تجھ کو کلبی کیوں کہا جاتا ہے؟ (یعنی کتّوں والا) کہا "اس لیے کہ کلمہ حق کو سختی کے ساتھ اہلِ باطل کے منہ پر کہتا ہوں اور جاہلوں پر آوازے کستا ہوں۔"
اس کے محبّوں نے کہا "کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر تیری آسائش کے واسطے مکان بھی ہوتا۔" فرمایا "میری آسائش اس میں ہے کہ میرا کوئی گھر نہیں ہے۔"
دو شخصوں کو دیکھا، جو عرصہ دراز سے باہم یک جا رہتے تھے اور محبت ان ہر دو کے درمیان پورے طور پر مستحکم ہو گئی تھی۔ آپ نے ان سے حالات و تعلقات دریافت کیے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم دوست ہیں۔ فرمایا

سچ سچ کہو کیونکہ تم میں سے ایک تونگر ہے اور ایک مفلس۔

ایک روز جنگل میں اسے ایک رہزن ملا۔ اس نے کہا جو مال تیرے پاس ہے دے دے۔ حکیم نے کہا مال تو میرے پاس بہت ہے لیکن میں دے نہیں سکتا۔ رہزن نے اس کی جامہ تلاشی لی تو کچھ نہ نکلا اور پوچھا کہ وہ مال کہاں ہے؟ اس نے اپنا سینہ کھول کر دکھایا کہ اس میں وہ بیش قیمت خزانہ ہے کہ رہزنوں اور چوروں کو اس پر امکانِ دسترس نہیں ہے۔

پوچھا گیا کہ دائیں ہاتھ میں انگشتری کیوں پہنی ہے؟ کہا اس لیے کہ فضول آدمیوں کی شناخت کر سکوں۔

یہ حکیم کتوں کے ساتھ بہت پیار کرتا تھا، اس وجہ سے اسے کلبی کہتے ہیں۔ اس کا خطاب ٹب فلاسفر تھا۔ اس نے جنگل میں کسی کا پھینکا ہوا ایک ٹب رکھ لیا تھا۔ رات کو اسی کے نیچے سو رہتا۔ صرف یہی اس کی جائداد تھی۔

ایک روز سکندر اپنے وزیر کے ہمراہ اس حکیم کی ملاقات کو آیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سکندر کا خیال تھا کہ حکیم اس کی تعظیم کو اُٹھے گا، مگر اس نے مطلق پروا نہ کی۔ یہ حالت دیکھ کر وزیر نے کہا "جناب سکندرِ اعظم فاتح دنیا مالکِ جہان آپ سے ملنے آیا ہے"۔ حکیم نے سر اُونچا کیا اور مسکرا کر کہا "جس سکندر کو دنیا کی ہوس جابجا بھگائے پھرتی ہے، کیا وہ بادشاہ ہے؟ وہ دنیا کا غلام ہے۔ اس کے دلی جذبات اختیار میں نہیں ہیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں اسے لے جاتے ہیں، اور طرح طرح کے ناچ نچاتے ہیں۔ اس کے دل کو اُلٹ کر دیکھو، اس میں غلامی کے زبردست نشانات ملیں گے۔ بادشاہ میں ہوں جو اپنے دل کو اختیار میں رکھتا ہوں"۔

سکندر اس بے پروا حکیم کی حالت دیکھ کر متعجب ہوا۔ وزیر نے کہا "سکندر بہت کچھ مال و اسباب لایا ہے۔ آپ قبول کیجیے"۔ اس نے کہا میرے پاس سب کچھ ہے۔ مجھ کو کچھ بھی ضرورت نہیں ہے"۔ آخر سکندر نے عاجزانہ لہجے میں کہا "مجھ سے کچھ تو خدمت ضرور لیجیے"۔ حکیم نے ہنس کر کہا "تو میری دھوپ روکے کھڑا ہے اس کو چھوڑ دے۔ یہی تیری خدمت ہے"۔ سکندر نے پوچھا "ثواب کس طرح سے حاصل ہوتا ہے"؟ اس نے کہا "افعالِ خیر سے، کہ تجھ کو اس کی اس قدر قدرت ہے جو رعیت سے تمام عمر میں ناممکن ہے"۔

لوگوں نے اس سے ترکِ تزویج یعنی شادی نہ کرنے کی وجہ دریافت کی۔ کہا "میں حدتِ شہوت کو صبر کے ساتھ برداشت کرنا آسان تر خیال کرتا ہوں بجائے مشقتِ عیال کے"۔

ایک روز ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر پکارا "اے مَردو! انبوہِ خلقت بنا بر اعتقادِ خوش اس کے گرد جمع ہو گیا۔ اس نے کہا "میں نے مَردوں کو بلایا تھا مُردوں کو نہیں"۔

ایک روز سکندر کے پاس آیا ایک شاعر کو دیکھا کہ اس کی خدمت میں کھڑا قصیدۂ مدح پڑھ رہا تھا۔ حکیم نے روٹی کا ایک روکھا ٹکڑا اپنی جیب سے نکالا اور بے پروا ہو کر کھانے لگ گیا۔ درباریوں نے کہا کہ تم نے مدح بادشاہ سننے کی بجائے کھانے کو کیوں ترجیح دی؟ کہا کہ بوقتِ اشتہا خشک روٹی کھانا کذبِ بے حاصل سننے سے بہتر ہے۔

(واضح رہے کہ یہ کوئی دوسرا سکندر ہے)۔

لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ تو سب کو کیوں دشمن رکھتا ہے؟ کہا کہ امرا کو ان کی سیرتِ نامحمود کے باعث اور اخیار کو اس لیے کہ وہ اشرار کی اصلاح یا اُن کو اپنے دیار سے دفع کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔
لوگوں نے پوچھا کہ تو بذاتِ خود دشمنانِ دین کے مقابلے میں جنگ کیوں نہیں کرتا۔ کہا کہ سب سے قریبی دشمن میرے جسم میں موجود ہے۔ جب تک اس کو مغلوب نہ کر لوں، دوسری جنگ میں کس طرح شریک ہو سکتا ہوں۔

نصائح رفاعیہ

ہمارا طریق ہے نہ مانگیں، نہ پھیر دیں اور نہ جمع کر رکھیں۔
دعویٰ تکبر کا نتیجہ ہے دل اس کی برداشت نہیں کر سکتا اور اُسے زبان کی طرف پھینک دیتا ہے۔ احمق زبان اسے کہہ بیٹھتی ہے۔
تھوڑا ادب اچھا ہے اس علم و عمل سے جس کے ساتھ ادب نہ ہو۔
تیرا بھائی وہ ہے کہ تیرا نفس اس پہ بھروسہ کرے، تیرے دل کو اس سے آرام ہو، اور تجھ کو خدا سے باز نہ رکھے۔
اللہ تعالیٰ کے ساتھ بصورتِ موافقت، خلق کے ساتھ بہ خیر خواہی، لیکن نفس کے ساتھ بر سرِ پرخاش رہ۔
امّید کا کوتاہ کرنا زہد ہے نہ کہ کملی پہننا اور کھانا۔
جس نے صبر کی زرہ پہنی وہ شتاب کاری کے تیروں سے بچ گیا۔
اعمال کے محرابوں کی مرمّت خیال کے ہاتھوں سے نہیں ہو سکتی۔
بندۂ زر نہ خدا کا بندہ ہو سکتا ہے نہ خلقِ خدا کا دوست۔
مروّت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے نفس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالے۔
خوش خلقی فائدہ مند تجارت ہے۔ قناعت خزانہ ہے۔ دنیا کی محبت میں گرفتار نہ رہنا آبرو ہے۔ توکّل پناہ اور عقل کشتیٔ نجات ہے۔
عذاب کی تلخی گناہ کی شیرینی کو بھلا دیتی ہے۔
جو زیادہ گو ہوتا ہے وہ غصّہ ور ہوتا ہے، اور جو غصّہ ور ہوتا ہے، وہ کم لحاظ ہوتا ہے جو کم لحاظ ہوتا ہے وہ پرہیزگار کم ہوتا ہے اور جو پرہیزگار نہیں ہوتا اس کا دل مُردہ ہوتا ہے۔
جب آدمی اپنے علم و اخلاق کو اچھی طرح جان لیتا ہے اس کو جاہلوں کی ملامت سے کوئی رنج یا کسی طرح افسوس نہیں ہوتا۔
ایک عالم کی موت جو اللہ کے حرام و حلال کو جانتا ہو، ہزار عابد قائم اللیل و صائم النّہار کی موت سے زیادہ

افسوسناک ہے۔ مَوت العالِم موت العالَم۔
جس عہدہ اور خدمت کی قابلیت موجود نہ ہو، اسے منظور نہ کرنا چاہیے۔
بدوں کے ساتھ جس قدر نیکی کی جائے گی اسی قدر اُن کا فتنہ و شر زیادہ ہوگا، اور ان پر جتنا احسان کیا جائے اتنا ہی وہ بُرائی کرنے پر آمادہ ہوں گے۔ ؎

ترحّم بر پلنگِ تیز دنداں ستمگاری بُوَد بر گوسفنداں

جس شخص کو علم نے معاصی اور فواحش سے باز نہ رکھا، اس سے زیادہ بدبخت اور زیاں کار کوئی نہ ہوگا۔
اگر علما خدا کے دوست نہیں، تو عالم بھر میں کوئی خدا کا دوست نہیں۔
دولت شریف نہیں بنا سکتی اور اسی طرح افلاس کمینہ نہیں بنا سکتا۔
اگر دولتِ قارون ہو اور نیک کاموں میں صرف نہ کی جائے تو کنکر اور پتھر سے بھی کم ہے۔
کمینوں کا احسان لینا اپنے کو ہر وقت اور ہمیشہ کے لیے ہدفِ تیرِ ملامت بنانا ہے۔
جو شخص تنہائی پسند ہوتا ہے اُسے دنیا کے دوسرے غیر متعلق اور غیر ضروری تردّدات و تفکرات سے کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ ؎

عُزلت گزیں کہ آب بایں سہل قیمتے در دامنِ صدف چو شد پا گہر شود

علما کی صحبت اور کتبِ حکمت کے مطالعے سے مسرت بخش زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔
عالِم و عابد دونوں بزرگ ہیں۔ لیکن عالِم اپنے ساتھ دوسروں کو بھی منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ برخلاف اس کے عابد کو اپنی ہی کامیابی کی دھن لگی رہتی ہے۔
جو کلمہ نہیں کہا گیا وہ تمہارا غلام ہے، لیکن جو کہا جا چکا ہے وہ آقا ہے۔
جب آدمی اکیلا ہو تو اپنے خیالات کو قابو میں رکھے اور مجلس میں اپنی زبان کو۔
دولت و نعمت کے زوال کے لیے ظلم سے زیادہ کوئی چیز محرک نہیں۔
آدمی چاہتا ہے کہ اپنے نقصان میں دوسرے کو بھی شریک کرے۔ مگر یہ نہیں پسند کرتا کہ اس کے نفع میں غیر شامل ہو جائے۔
اکثر مصائب و تکالیف جو دولتمندوں کو اٹھانی پڑتی ہیں، ان سے غریب لوگ محفوظ رہتے ہیں۔
انصاف راحت ہے، صحت بضاعت، کاہلی اضاعت، راستی امانت اور دروغگوئی خیانت ہے۔
دنیا میں چار چیزیں وبالِ جان ہیں۔ کثرتِ عیال، کمی مال، ہمسایہ بد اور زن خائنہ۔
علم جان ہے، عمل تن ہے۔ علم اصل ہے، عمل فرع ہے۔ علم باپ ہے اور عمل اس کا بیٹا۔
تین کام فاضل ترین ہیں۔ فاسق و فاجر کو راہِ راست پر لانا، تعلیم و تربیت سے جاہل کو عالم بنانا اور دشمن کو دوست بنانا۔
انسان کا سب سے بڑا دشمن فعلِ بد ہے، اور سب سے بڑا خیرخواہ کارِ نیک ہے۔

نصائح دلپذیر

جو شخص علمی مذاق نہ رکھتا ہو، اس کے سامنے علمی باتیں کہنا اسے اذیت پہنچانا ہے۔

کہیں صرف سوراخ پیٹنے پر سانپ مر سکتا ہے؟ کہیں صرف جسمانی تکلیف سہنے پر نجات مل سکتی ہے؟

بہادر کا امتحان میدانِ جنگ میں، دوست کا امتحان مصیبت کے وقت اور عقلمند کا امتحان غیظ و غضب کی حالت میں ہوتا ہے۔

ایک کڑی کے ٹوٹ جانے سے تمام زنجیر ناکارہ ہو جاتی ہے۔

خاندانی تعلقات کس کام کے، انسان تنہا پیدا ہوتا اور تنہا مرتا ہے مصیبت میں کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔

اخلاص اس کو کہتے ہیں کہ نیک اعمال کے عوض دنیا و دین دونوں سے کچھ نہ چاہے۔

دستر خوان کے دوست بدلنے کے لائق ہیں۔ ؎

دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت
آ رہی ہے چاہِ یوسفؑ سے صدا

جو کبھی سوچنا ختم نہیں کرتا، کبھی کام شروع نہیں کرتا۔

بزرگی کی نشانیاں تین ہیں اوّل دوسرے لوگ اُسے بزرگ سمجھیں۔ دوم وہ خود اپنے تئیں بزرگ نہ جانے۔ سوم جب مصیبتوں میں گھر جائے تو سچائی کو نہ چھوڑے۔ (زرتشت)

دشمن سے ایک بار تو دوست سے ہزار مرتبہ ڈر۔ کیونکہ دوست اگر دشمن ہو جائے تو اُسے گزند پہنچانے کے ہزاروں طریقے معلوم ہیں۔ (ابن معروفؒ)

کم گو، کم خور، کم آزار ہمیشہ سلامت، خوش اور مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ (حکیم بزرجمہر)

دوسروں کی محنت اور مشقت کو ضائع نہ کرنا چاہیئے تاکہ تمہاری سعی و کوشش بھی ضائع نہ جائے۔

دلی قوی کو بیکار چھوڑ دینا سب سے بڑی کاہلی ہے۔ (سر سید مغفور)

خوبصورت و بدصورت سب مخلوقِ خدا ہیں۔ سب کا باوا آدم ایک ہے اور سب کی اصل خاک ہے۔ پھر بدصورت سے نفرت کرنا انسانیت سے بعید ہے۔ ؎

جس گلستاں کے ہو گلِ تر تم، خار اس بوستاں کے ہم بھی ہیں
وجہ بیگانگی نہیں معلوم، تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں

اسلام اگر تصویر کشی کو جائز رکھتا تو بت پرستی اپنی اصلی صورت پر قائم رہتی۔

خواہ کوئی عمدہ خیال عملی صورت میں نہ آئے، تاہم اس کی تائید سے باز نہ رہنا چاہیے۔

ایک اچھا قانون دان ایک برا ہمسایہ ہے۔

غمگین خشمگین ہوتا ہے۔

ہمارا امیر وغریب ہونا ہماری روح پر منحصر ہے۔

وقت کا غلام بن جانا بہترین دانائی ہے۔

علم کا دشمن تکبر، عقل کا دشمن غصہ، صبر کا دشمن لالچ اور راستی کی دشمن دروغ گوئی ہے۔

دولت بمقابلہ عزت، شوکت بمقابلہ حکمت، سلطنت بمقابلہ عبادت، صورت بمقابلہ سیرت اور شجاعت بمقابلہ سخاوت، ہیچ ہے۔

دل ایک بچہ ہے۔ جو دیکھتا ہے وہی مانگتا ہے۔

گھر بھر میں ایک ہی بیوقوف کافی ہے۔

بعض اوقات دولتمندی سے بھی بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو مفلسی کے نقصانات سے بدرجہا بدتر ہوتی ہیں۔

جب تم آہرن ہو تو صبر کرو۔ جب ہتھوڑا ہو تو خوب کوٹو۔

دنیا میں سب سے عجیب بات یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو باقی اور باقی سب کو فانی سمجھتا ہے۔ یا خدا ہر ایک مرنے کو اور بہتیرے۔

ہر شخص صرف اپنے لیے نہیں پیدا کیا گیا، بلکہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے۔

انسان اپنے بُرے فعل کرنے کا ایک نہ ایک بہانہ ڈھونڈ لیتا ہے۔

ایک روز ایک نعمت دوسرے روز ایک دوائی۔

انسان اپنی مصیبت کو اس وقت بہت آسانی کے ساتھ سہتا ہے جب وہ اپنے دشمنوں کو اپنے سے بدتر حالت میں پاتا ہے۔

کسی بے گناہ شخص کو دل آزار کلمات کہہ کر اس کی ایذا رسانی کے بعد پھر یہ کہنا کہ "میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں" ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی کو پتھر مار کر زخمی کر دینے کے بعد یہ کہہ دے کہ "میں اپنا پتھر واپس لیتا ہوں یا معافی چاہتا ہوں۔"

اگر گائے کھیت میں چرتی ہے تو کیا بچھڑا کنارے پر چرے گا؟

تمہارا دشمن خواہ مچھر سے بھی چھوٹا ہو مگر اُسے ہاتھی سے بھی بڑا سمجھو۔

مصیبتوں کے درمیان رہ کر اگر انسان ان کو سہنا اور صبر کرنا نہ سیکھے تو گویا اس نے صحبت کا حق ادا نہ کیا۔

اس چیز کے لیے طلبِ دعا بے سُود ہے، جس کے حصول کے لیے تم خود دل وجان سے ساعی نہیں ہو۔

ماضی کی حسرتیں کیا کم ہیں جو حال و مستقبل کے متعلق آرزوئیں وابستہ کر کے انہیں بھی مایوسیوں میں تبدیل کرتے ہو۔

جو شخص کسی عورت سے اس کی خوبصورتی کے لیے شادی کرتا ہے، وہ احمق ہے۔ جو روپے کے لیے کرتا ہے وہ لالچی

ہے۔ اور جو کوئی اس کے حُسنِ سیرت کی وجہ سے کرتا ہے، وہی حقیقی شوہر ہے۔

دولت پر علم کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ علم سے دولت حاصل ہوسکتی ہے مگر دولت سے علم حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔

مرد صرف نصف مرد ہے جب تک اس کی بیوی نہ ہو اور وہ گھر سنسان یا شمشان ہے جس میں بچے نہ ہوں۔

نوجوانی کی بیوقوفیاں بڑھاپے میں توبہ کے لیے خوراک ہوتی ہے۔

عقلمند کے سامنے زبان کو، حاکم کے سامنے آنکھ کو اور بزرگوں کے سامنے دل کو قابو میں رکھنا چاہیے۔

ایک باپ سات بیٹوں کی پرورش کرتا ہے۔ لیکن سات بیٹے ایک باپ کی خدمت نہیں کرسکتے۔

انسان بحالتِ موافقت کہتا ہے جو کچھ ہیں، ہم ہیں اور بوقت مصیبت کہتا ہے جو کچھ ہے، سو خدا ہے۔

کسی شخص نے اپنے نام کی مناسبت سے مکان کے دروازے پر "حیات منزل" کندہ کرایا تھا۔ ایک صاحبِ دل نے دیکھ کر کہا کہ از روئے حقیقت "فنا منزل" لکھنا مناسب تھا کیونکہ ؎

ہے یہ سرائے فانی، نہیں "منزل حیات" جس میں قیام مثلِ مسافر ہو ایک رات

خواہشات رفتہ رفتہ ضروریات کا درجہ اختیار کرلیتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بغیر مہمان کبھی کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک روز ایک گبر مہمان نے بسم اللہ نہ پڑھی تو آپ اس پر ناراض ہوئے۔ ندا آئی کہ "اے ابراہیم! ہم اس قدر عرصہ دراز سے بے شمار مخلوق کو بلا امتیازِ مومن و کافر ہر ایک نیک و بد کو رزق پہنچاتے ہیں۔ تم ایک وقت میں ایک آدمی کو کھانا کھلانے پر ناراض ہوتے ہو۔" ؎

اگر روزی بمذہب بر فزودے زکافر تنگ تر روزی نبودے

بہ کافر آنچناں روزی رساند کہ مومن اندر آں حیران بماند

دنیا اگر تیرے ہاتھ نہیں آسکتی تو خدا کو تو ہاتھ سے مت کھو۔

اگر دنیا میں عورت نہ ہوتی تو مرد ریاضت کے بغیر ہی اولیا بن جاتا۔

عورت کے دل پر بے زبان جواہرات، مرد کی فصیح و بلیغ تقریروں سے بھی زیادہ اثر کرسکتے ہیں۔

دنیا کی مثال اندھوں کے ہاتھی کی سی ہے کہ جس اندھے کا ہاتھ ہاتھی کے جس عضو کو لگ گیا اس کے خیال میں ہاتھی کی وہی شکل ہے۔ اسی طرح ہر ایک شخص اپنے اپنے تجربات و مشاہدات کی بنا پر اپنے تصور کی آنکھوں سے دنیا کو مختلف طور پر دیکھتا اور خیالی گھوڑے کو بنوع دگر ایڑ لگاتا ہے۔ ؎

ہر کسے دارد دریں بازار سودائے دگر ہر یکے بندد بآئین دگر دستار را

میر مغفور نے اہل دنیا کے متفرق المذاہب اور مختلف العقائد ہونے کے مفہوم کو اس مختصر سے شعر میں کس خوبی سے ادا کیا ہے۔ ؎

یہ توہم کا کارخانہ ہے یاں وُہی ہے جو اعتبار کیا

دنیا میں ذلت کی ہزاروں صورتیں ہیں۔ لیکن ان میں ذلتِ قرض سب سے سخت تر ہے۔ ؎

نشستہ بگوشہ اے از خوفِ قرض خواہ قہر خدا بصورتِ انساں ندیدہ

ایک ہندی مقولہ ہے:

جس نے نہ دیکھا ہو شیر وہ دیکھے بلاؤ جس نے نہ دیکھا ملک الموت وہ دیکھے قرضاؤ (قرضخواہ)

ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں نے پچاس سال میں پانچ ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا، اور ان میں سے صرف پانچ باتوں کو اپنے عمل کے لیے منتخب کیا۔

۱۔ اے نفس! خدا کے دیئے ہوئے پر راضی رہ، ورنہ دوسرا مالک تلاش کرے جو اس سے بھی زیادہ دے۔

۲۔ اے نفس! جن باتوں سے خدا نے منع کیا ہے ان سے بچ، ورنہ اس کے ملک سے باہر چلا جا۔

۳۔ اے نفس! اگر تو گناہ کرنا چاہے تو کوئی ایسی جگہ تلاش کر جہاں خدا نہ دیکھے، ورنہ گناہ مت کر۔

۴۔ اے نفس! تو اپنے خداوند کی عبادت کرتا رہ، ورنہ اس کا دیا ہوا رزق مت کھا۔

۵۔ اے نفس! خلق خدا کے ساتھ خوش خلقی اور ہمدردی سے پیش آ، ورنہ اپنی زبان بند رکھ اور کسی کے ساتھ تعلق نہ رکھ۔

مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیئے ہیں۔ اگر دونوں پہیے ایک طرف لگا دیئے جائیں تو گاڑی کا چلنا ناممکن ہے۔ یعنی عورتیں مردوں کے کام کرنے لگ جائیں تو انتظام خانہ داری میں خللِ عظیم واقع ہو۔

جب مومن پر ہیبتِ الٰہی جم جاتی ہے تو اس کی عبادت و اطاعت کو دوام ہو جاتا ہے۔

تورات کا ماحصل یہ ہے کہ جو کوئی راضی ہوا اللہ کے دیئے پر، آرام پایا اس نے دنیا و آخرت میں۔

زبور کا ماحصل یہ ہے کہ جس نے کنارہ کشی کی آدمیوں سے، اس نے نجات پائی دنیا و آخرت میں۔

انجیل کا ماحصل یہ ہے کہ جس نے ڈھایا خواہشوں کو، عزت پائی اس نے دنیا و آخرت میں۔

قرآن شریف کا ماحصل یہ ہے کہ مطیعِ خالق و شفیقِ مخلوق رہ کر نگاہ رکھا جس نے زبان کو، وہ سلامت رہا دنیا و آخرت میں۔

خیرات دے جس کو چاہے کہ تو امیر ہے اس کا، اور مانگ جس سے چاہے کہ تو اسیر ہے اس کا۔ (علیؓ)

بدصورت عورت نے خوبصورت شوہر سے کہا کہ تم مجھ کو دیکھ کر صبر کرتے ہو اور میں تم کو دیکھ کر شکر کرتی ہوں۔ پس میں اور تم دونوں بہشتی ہیں۔

بیشک جو دنیا میں غنی ہیں، وہ آخرت میں فقیر ہوں گے۔ (ادھمؒ)

اگر نماز باجماعت پڑھنے کا حکم نہ ہوتا تو میں مرتے تک اپنے دروازے سے کبھی باہر نہ نکلتا۔ (مسلم عابدؒ)

ریاکاری درحقیقت کفر کی سخت قسموں میں سے ہے۔ (شاہ عبدالعزیزؒ)

وہ لوگ بہت بری طرح سے منکرِ خدا ہیں جو ایک خدا کو مانتے ہوئے عارضی تفریق و ظاہری تفاوت اور مذہبی اختلافات میں مبتلا ہو کر ہم جنسوں سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ بخلاف ان مخالف مزاج جانوروں کے جو محض ایک

مالک کی ماتحتی میں آنے کی وجہ سے اپنے طبعی جذبات کو ترک کر دیتے ہیں۔

حق ہے ہر جا جلوہ گر خواہ کفر یا اسلام ہے | اختلافاتِ مذاہب فتنۂ اوہام ہے
کاسۂ شیخ و برہمن ہے تعصب سے جُدا | ورنہ میخانے میں بس اک ساقی ہے اک جام ہے

ہر شخص کی قطع و وضع، روش و خیال اور صورت و سیرت مختلف ہے۔ لہٰذا اختلافِ خیالات جبکہ بلحاظِ تعلیم و تربیت اور صحت و سرشت ہم میں طبعی و قدرتی ہے تو پھر ناحق کا بغض و عناد اور کینہ و دشمنی کس بات پر؟

سونی کا مذہب مختصر سب سے کھرا سب سے جُدا | ہم تم کے جھگڑے لغو ہیں، یا کچھ نہیں یا سب خدا
کفر است در طریقتِ ما کینہ داشتن | آئینِ ماست سینہ چو آئینہ داشتن

تمہارا ہر ایک کام ایسی گہری توجہ اور محنت سے ہونا چاہیے کہ گویا تمہیں اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ لیکن عبادت کے وقت اس کو اپنی زندگی کا آخری دن سمجھنا زیبا ہے۔ (حضرت علیؓ)

ایمان کے بعد سب سے اچھی چیز نیک، خلیق، محبت کرنے والی اور صاحب اولاد عورت ہے۔

زنِ نیک فرمانبر و پارسا | کند مردِ درویش را پادشاہ

کفر کے بعد سب سے بُری چیز بدخلق اور زبان دراز عورت ہے۔

زنِ بد در سرائے مردِ نکو | ہم دریں عالم است دوزخِ او

نہیں ہے کوئی شریف نہ عالم نہ کوئی صاحبِ فضل مگر یہ کہ اس میں ایک عیب ہوتا ہے۔

تمام دنیا کی بادشاہت پیاسے کے ایک گھونٹ کی قیمت اور ایک قطرۂ پیشاب بند ہونے کی دوا نہیں ہو سکتی (ہاروں رشید)

تین دن سے زیادہ غصہ رکھنے والے کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی جب تک وہ صلح نہ کر لیں۔ (حدیث)

تیرے لیے اسبابِ جہنم تیرے ہی ہاتھ، پاؤں، آنکھ، دل اور خصوصاً زبان ہے۔ (شاہ احمد کاشانیؒ)

غمزدہ کے شریکِ رنج ہونا عین طاعت و عبادت ہے (معین الدینؒ)

ضد، ہٹ دھرمی اور ایذا رسانی کی عادت سخت مُضر ہے۔ خواہ وہ شاہ میں ہو یا اولیاء اللہ میں۔ کیونکہ ایسے اشخاص اڑیل ٹٹو کی مانند اپنا سفر دراز کرتے ہیں۔

بیماری جسم کے اندر سے نمودار ہو کر جسم ہی کو گلا دیتی ہے، اور دوا باہر سے آ کر اس کو شفا دیتی ہے پس بدخواہ یگانہ سے خیر خواہ بیگانہ بہتر ہے۔

ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ میں اگر رات غفلت میں گزارتا ہوں تو صبح کو میرا گدھا بھی میرے کام سے غافل و سست ہوتا ہے۔

اس شخص سے زیادہ کوئی بدبخت نہیں جو وقتِ مصیبت بھی رجوع الی اللہ نہیں ہوتا۔

خاصانِ خدا کے ہر نفس میں ذکرِ خدا ہے۔ دست بکار، زباں بہ گفتار، دل بہ یار۔

ہم کو تقدیر سے کیا بحث وہ تو خدا تعالیٰ کی لکھت ہے۔ اس کا واسطہ اُسی سے ہے۔ ہم کو تو چاہیے کہ کمر باندھیں، کوشش کریں، کام میں لگیں، قیل وقال، چوں وچراں نہ کریں اور اَلسَّعِیُ مِنِّی وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ پر عمل کریں۔ ؎

فریدا موت سے بھوک بُری اِت کو کھائی دن کو پھر کھڑی

لوگوں کو سیاست کرنا سیاستِ دواب سے بھی دشوار تر ہے۔ (امام شافعیؒ)

جب کسی سے مناظرہ کرتا ہوں تو یہ چاہتا ہوں کہ اللہ حق کو اسی کے ہاتھ پر ظاہر کرے۔ (امام شافعیؒ)

علم کثرتِ روایات سے نہیں۔ وہ تو ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں رکھ دیتا ہے۔ (امام مالک)

گناہ کا مکروہ رکھنا بہتر ہے اس بہت سی عبادت سے، جس میں دل گناہ کی طرف رغبت رکھتا ہو۔ (وہبؒ)

ہزار دوست کی دوستی کو ایک شخص کی عداوت کے بدلے نہ خریدو۔ (امام شافعی)

حضرت موسیٰؑ نے دعا کی "اے خداوند تعالیٰ! زبانِ خلق کو مجھ سے روک دے"۔ فرمایا "اگر میں ایسا کرتا تو اپنے ہی لیے کرتا"۔

اگر گناہ میں بُو ہوتی تو کوئی شخص میرے پاس نہ بیٹھ سکتا۔ (محمد بن سیرین)

یہ روشن ظلم ہے کہ تو اپنے بھائی کا شر بیان کرے اور غصہ کے وقت اس کی نیکی کو چھپائے۔

فقیہ کو چاہیے کہ اس کے ساتھ ایک سفیہ بھی ہو جو سفاہت کرے۔ (محمد بن سیرین)

مال زمانۂ گزشتہ میں مکروہ تھا۔ آج کے دن مومن کے لیے ڈھال ہے سوالِ ملوک و اغنیا سے۔ (سفیان ثوریؒ)

اس زمانہ میں گمنام امن میں نہیں رہ سکتا۔ مشہور کا کیا ٹھکانا ہے۔ (سفیان ثوری)

مطالعہ کرنا کتبِ اخلاق و احوالِ اہلِ طریق کا ایک طرح کی صحبتِ معنوی اور یار آور عمل صالح ہے۔

ہم جس قدر آنکھ سے سیکھتے ہیں، اس قدر کان سے نہیں سیکھتے۔ کتابِ قدرت ہر وقت ہر کسی کے مطالعہ کے لیے کھلی ہوئی ہے۔ اس کو غور سے پڑھو اور عبرت و تجربہ حاصل کرو۔ ع

برخوانش سر بسر کہ نہ حرفے ست سرسری

اولاد کی تاخیرِ نکاح کے سبب جو گناہ ان سے سرزد ہوتا ہے، وہ ماں باپ کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہے۔ (حدیث)

ایماندار تاجر عابد سے بہتر ہے۔ کیونکہ تجارت میں امانت سخت مشکل کام ہے۔ (امام شافعیؒ)

فرمایا رسولِ خدا نے، کہ مجھ کو حد سے مت بڑھاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریمؑ کو نصاریٰ نے حد سے بڑھا دیا ہے۔

نہیں کافر ٹھہراتے ہم کسی مسلمان کو گناہ کے سبب سے اگرچہ کبیرہ ہو جب تک کہ اس کو حلال نہ جانے۔

نجاست کی بدبُو سے ناک بند کرنے والے! یہ نجاست تیری ہم نشینی سے اس درجہ کو پہنچی ہے (امام غزالی)

اذان کے بعد صحابہ کرامؓ دو آدمیوں کے آجانے پر تیسرے کا انتظار نہ فرماتے تھے۔

علم وہ ہے جس سے دنیا نظروں میں حقیر ہو جائے اور عقبیٰ کی رغبت دل میں بڑھے۔ جس سے آدمی دنیا کی بُرائی سے واقف ہو جائے۔ اور بُرے اخلاق دُور کر سکے۔

مکتوبات و عرائض میں کلمات مثل عبودیت کیش، غلام خانہ زاد، جہاں پناہ، عالم پناہ، خداوندِ نعمت شہنشاہ غریب پرور لکھنا شرک ہے۔ (امام غزالی)

ڈر اللہ سے اس قدر کہ اس سے زیادہ تجھے کسی کا خوف نہ رہے۔ امید رکھ اللہ سے اس قدر کہ اس سے زیادہ تجھے کسی سے امید نہ رہے۔ دوست رکھ اللہ تعالیٰ کو اس قدر کہ اس سے زیادہ تجھے کسی سے محبت نہ رہے (طاؤس)

دعا کے وقت آسمان کی طرف دیکھنا گناہ اور بے ادبی ہے۔

ہر چیز کی ایک علامت ہے اور ایمان کی علامت نماز ہے۔

نابالغ بچوں کی عبادت کا ثواب والدین کے لیے ہے۔

حج مبرور کی نشانی یہ ہے کہ حاجی کی حالت پہلے سے بہتر ہو جائے۔

پہلی صف میں جگہ ہونے پر دوسری میں بیٹھنا مسجد کی بے ادبی ہے۔

بچھو سے کسی نے پوچھا کہ تم میں سے سخت قسم کون سی ہے؟ اس نے کہا سخت اور نرم تو میں جانتا نہیں، ڈنک البتہ ہر ایک چلائے گا، کسی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر دیکھ لو۔ اسی طرح انسان بھی گو مختلف الطبائع ہوتے ہیں لیکن تعلقات قائم ہو جانے یا معاملہ پڑ جانے پر سب متحد الطبائع معلوم ہوں گے۔ ہمدردی اور رحمدلی کا مادہ بہت کم لوگوں میں پاؤ گے اور وہ بھی بہت کم مقدار میں۔ دستگیری تو درکنار، بحالتِ درماندگی ان کی پامالی سے بچنا بھی مشکل ہے۔ ؎

راحتے کہ نشہ سرخوش بہ عزلت یافتم ۔۔۔ دانشتم تصدیع گر با خضر صحبت یافتم

؎ نیک ہیں گلشنِ ایجاد میں کم، بد ہیں بہت ۔۔۔ خار پھولوں سے کہیں ہوتے ہیں افزوں پیدا

؎ باہر کسے کہ دوستی اظہار می کنم ۔۔۔ خوابیدہ دشمنے ست کہ بیدار می کنم

ایک عابد بنی اسرائیل کا گزر ایک ریت کے ٹیلے پر اس زمانہ میں ہوا جب کہ سخت قحط سالی تھی۔ اس نے تمنا کی کہ اگر یہ ٹیلہ آٹا ہوتا تو میں بنی اسرائیل کا پیٹ بھرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کو وحی بھیجی کہ تم عابد سے کہہ دو کہ ہم نے تیرے لیے اس ٹیلہ کے برابر آٹا صدقہ کرنے کا ثواب واجب کر دیا ہے۔

جس نے نماز میں خشوع نہ کیا اس سے بہتر موقع اور کونسا پائے گا۔

تو اس کی لکھت پر مطمئن و مشوش مت ہو، کیونکہ جس نے اس کو لکھا ہے وہ اس کے مٹانے پر بھی قادر ہے۔

جب آدمی گناہ کرنے پر آمادہ ہوتا ہے، تو اس کے خیالات کے سامنے سینکڑوں بچاؤ کی صورتیں خیر خواہی کے لباس میں آکر اسے گناہ پر ابھارتی ہیں۔ مگر جونہی کہ گناہ کر چکتا ہے، وہ سب جھوٹے معاون دفعتہً غائب ہو جاتے ہیں اور ہر طرف اسے زنجیر کی آواز سنائی دیتی ہے۔

پوشاک میں آرائش سے زیادہ آسائش کو مقدم رکھو۔

بدعادات کا بنانا آسان، نباہنا مشکل اور چھوڑنا ناممکن ہے۔

اخلاقی جواہر پارے

جو بات کان میں سنائی جاتی ہے، وہ اکثر سو سو میل کے فاصلے سے سُنی جاتی ہے۔
اگر چاہتے ہو کہ دھوکا نہ کھاؤ تو تین دکانوں سے قیمت دریافت کرو۔
ایک خوشی سے ایک سو غم منتشر ہو سکتے ہیں۔
ہماری خوشیاں پائمال اور ہمارے رنج عمیق ہیں۔
قرضہ کا روپیہ وقت کو تھوڑا بنا دیتا ہے اور دوسروں کا کام وقت کو لمبا کر دیتا ہے۔
اگر غریبی کے بعد دولت ملے تو وہ اچھی ہوتی ہے، بہ نسبت اس کے کہ دولت کے بعد غریبی ہو۔
اگر کوئی شخص نیک کام کرے تو صرف گھر والوں کو معلوم ہوتا ہے مگر بُرے کام دور دراز تک پہنچ جاتے ہیں۔
آسمان کے جالے سے کہیں پناہ نہیں ملتی۔
اپنے لیے مقامِ رہائش پسند کرنے سے ہمسائگت کو دیکھ بھال لو۔
دولت ایک معشوق ہے بے وفا۔ عُمر ایک حریف ہے گریز پا۔ نہ اس کو قیام نہ اس کو دوام۔
دُنیا میں جھکنے کے سوا کہیں کھڑا نہیں ہُوا جاتا۔
جسم مُنہ کے ذریعے سے تباہ ہو جاتا ہے۔
جس کو عقل نہیں وہ پچھلی باتوں پر فکر کرتا ہے۔ آگ لگ جانے پر کنواں کھودنا بے فائدہ ہے۔
افراط سے پیا جائے تو آبِ حیات بھی زہر ہے۔
دُکھ بھاگا رب بسرا۔
جب تک مچھلی نظر نہ آئے بگلا بھگت ہے۔
اگر تم چاہتے ہو کہ دشمن تم پر قابو نہ پائیں، تو ان کی دسترس سے بہت اونچے نکل جاؤ۔ ۵

دوستی دشمن کی مژدہ ہے، اجل کے خواب کا — برہمن بننا غضب ہے گاؤ کے قصّاب کا

شکر میٹھی ہوتی ہے خواہ اندھیرے میں ہو۔
جب میں بہو تھی تو ساس اچھی نہ ملی۔ جب ساس ہوئی تو بہو اچھی نہ ملی۔
اندھے آدمی کی جورو خدا کی حفاظت میں ہے۔
غریب کے بیل پر دُگنا بوجھ لادا جاتا ہے۔ زبردست کا ہاتھ چلتا ہے غریب کی زبان۔
اس شخص کے گھر کو کیوں آگ لگاتے ہو جس کے یہاں دو عورتیں ہیں۔
کسی کو دفن کرتے دیکھ کر خیالات کو اس وقت تک عبرت رہتی ہے جب تک کہ ہر شخص قبرستان سے گھر کو

ٹوٹ نہ پڑے۔

ہر ایک صابر ایک جابر متعین ہوتا ہے جو جبر کر کے اس کو ستاتا رہتا ہے اور منازل صبر طے کراتا رہتا ہے۔

اگر کوئی بُری خواہش دل میں پیدا ہو تو اسے روکو۔ اگر اس خواہش پر ایک دفعہ فتح پالی تو اس سے بڑی فتوحات کے لیے راستہ صاف ہو جائے گا۔

جو بلّی مندر میں رہتی ہے، وہ دیوتا سے نہیں ڈرتی۔

تمہارا قرضخواہ تمہاری صحت چاہے گا، تمہارا مقروض تمہاری موت۔

چھاچھ مانگنے کو آنا اور پیالے کو چھپانا۔

اعتقاد دوا کو زیادہ مؤثر کر دیتا ہے۔

جو مَن میں بسے سو سپنے دِسے۔

ہر شخص کے لیے اپنی ہی سمجھ بادشاہ ہے۔

جس شخص کے ہاتھ میں لاٹھی نہیں اُسے بھیڑ بھی کاٹنے دوڑے گی۔

کیا بَیل کا زخم کوّے کے لیے رحم کا مقام ہے۔

مہربانی سے ملنا دعوت دینے کی نسبت اچھا ہے۔

اندھا لاٹھی ایک بار کھوتا ہے۔

غرض کا باوا اپنی گا وے۔

گدھا بوڑھا ہو گیا مگر مالک کے گھر کا راستہ نہ آیا۔

خواہ تمہارا دشمن ربڑ کی رسّی ہو مگر تم اُسے سانپ کہہ کر پکارو۔

مرد ہر دفعہ عورت سے ایک نئی ادا مانگتا ہے، اور اپنے لیے صرف ایک ہی اندازِ حیوانیت کافی سمجھتا ہے۔

منحوس خبر کے پَر ہوتے ہیں۔

دولت اس کی ہے جو اس کو کھاتا ہے، نہ اس کی جو اس کو کماتا ہے۔

ایک لمبی زبان زندگی کو چھوٹا بنا دیتی ہے۔

جو لوگ کچھ کام نہیں کرتے وہ سب سے زیادہ مصروف رہتے ہیں۔

اگر تم مُرغا ہو تو بانگ دو، اور اگر مرغی ہو تو انڈے دو۔

جتنی زیادہ اُمید رکھو گے اُتنی ہی تکلیف اٹھاؤ گے۔

زندگی کا ہر ایک دن تمہاری تاریخ کا ورق ہے۔

کفرانِ نعمت پر زوالِ نعمت لازمی ہے۔

جہالت سب سے بڑا افلاس ہے۔

مجھو کا سو رہنا مقروض کے اُٹھنے سے بہتر ہے۔
ہر شخص کچھ نہ کچھ عقل و فراست رکھتا ہے۔ لیکن ہر شخص عقل و فراست سے کام لینا نہیں جانتا۔
سب سے بڑی حکومت نفس کا محکوم کرنا ہے۔
ایک پرہیز سو علاج ایک برابر ہے۔
بیمار تو سو رہتا ہے مگر مقروض کو نیند بھی نہیں آتی۔
دوستی کی قربت بہ نسبت رشتہ کی قرابت کے بہتر ہے۔
جاہل طلب کرتا ہے مال کو اور عقلمند کمال کو۔
کھانا اتنا کھاؤ کہ بدن کی غذا ہو، نہ کہ بدن اس کی غذا ہو جائے۔
جس وقت دوپہر کا کھانا کھاؤ لیٹ جاؤ اور جس وقت شام کا کھانا کھاؤ چہل قدمی کرو۔
کسی بلا کے واقع ہونے سے اس کا خطرہ زیادہ سخت ہے۔
حسد محسود تک پہنچنے سے پہلے حاسد کو مار ڈالتا ہے۔
لڑائی اور محبت میں سب کچھ جائز سمجھ لیا جاتا ہے۔
آگ اور پانی دو کارآمد غلام ہیں، لیکن اپنے وقت پر خوفناک آقا۔
دھوئیں سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو آگ میں مت پھینکو۔
وقت پر کا ایک ٹانکا بے وقت کے سو ٹانکوں کی مصیبت سے بچاتا ہے۔
جلدی پکا سو جلدی سڑا۔
جھوٹے کے آگے سچا رو مرے۔
غریبوں کو قانون پیستا ہے اور امیر قانون کو پیستے ہیں۔
حسن اور حماقت اکثر ساتھ ہوتے ہیں۔
خوف ہوشیاری کا ایک جزو ہے۔
عام عیب، عیب نہیں رہتا۔
غلطی کرنا انسانی اور معاف کرنا خدائی صفت ہے۔
سدا کی ہائے ہائے کوئی نہیں سنتا۔
دنیا کا کام کس نے کیا تمام۔
جو اپنی زبان کو اپنے اختیار میں رکھتا ہے، وہ اپنا سر بچا لیتا ہے
روشنی بجھا دو سب عورتیں یکساں ہو جائیں گی۔
رات کا وقت شریروں کے لیے دن ہے۔

مرے ہوئے کو مت روؤ بلکہ بیوقوفوں پر گریہ کرو۔
صرف ایک بیوقوف ہی ایک گڑھے میں دو مرتبہ گرتا ہے۔
ابتدا اچھی ہو تو خوب ہے مگر انتہا اچھی ہو تو اور بھی خوب ہے۔
کوئی اچھا سا وعدہ بیوقوف کو باندھ لینے کے لیے کافی ہے۔
ٹوٹی ہوئی دوستی جڑ سکتی ہے مگر ثابت نہیں ہو سکتی ہے۔ ؎

رشتہ بگسست میتواں بست لیک درمیانش گرہ بماند

ایک جھوٹ سے بہت جھوٹ لازم آتے ہیں۔
جس گناہ سے عذر کیا جائے اس کو گویا دوبارہ سرزد کیا۔
بوڑھے کُتے" بلاوجہ نہیں بھونکتے۔
خودکشی قتل کی نہایت بھیانک صورت ہے۔ اس طرح توبہ کا موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے
حق وسط میں ہے اور افراط و تفریط ہر دو مذموم

؎ افسوس ہم چلے نہ سلامت روی کی چال یا بے خودی کی چال چلے یا خودی کی چال

سُست آدمیوں کو بالکل فرصت نہیں ملتی۔
دولت کی طمع بڑے بڑے ایمانداروں کو بے ایمانی کی ترغیب دیتی ہے اور وہ موقع ملنے پر نہیں چوکتے۔
جس کے پاس زیادہ ہوتا ہے اس کو اور بھی زیادہ کی خواہش ہوتی ہے۔ ؎

نہیں پنج انگشت یکساں کبھی مگر وقتِ خوردن ہیں یکساں سبھی

تلافی کرنے میں کبھی خیال نہ کرو کہ اب بہت دیر ہو گئی ہے۔
لفظوں کی بوچھاڑ اور مطلب کا بگاڑ۔ غرضی دو حرفی بجالی یا برطرفی۔
ایک بیوقوف اور اس کا روپیہ جلد ہی جدا ہو جاتے ہیں۔
جہاں محبت پتلی ہو عیب موٹے نظر آتے ہیں۔
سوراخ سے پیوند اچھا ہوتا ہے۔
خوش لباس سے شکم سیر زیادہ اچھی تقریر کرتا ہے۔
سب لوگ جو ایک شخص کو اچھا کہتے ہیں، اس کے دوست ہی نہیں ہیں۔
کبھی کبھی بیوقوف بھی عقلمندوں کو صلاح دے سکتے ہیں۔
بُرے بہانوں کی نسبت بہانے نہ کرنا ہی اچھا ہے۔
بند منہ میں کبھی مکھیاں نہیں پڑتیں۔
کوئی قاعدہ نہیں جس میں استثنا نہ ہو۔

ضعیف تعریف ہجو کے برابر ہے۔
تکلیفوں کو خاک پر مگر مہربانیوں کو سنگِ مرمر پر لکھو۔
گل کی خوشبو کا زمانہ بہت جلد گزر جاتا ہے، اور اس کی جگہ کانٹا رہ جاتا ہے۔
نہ ہونے کی نسبت بد بہ ہونا بہتر ہے۔
اچھی ابتدا کرنے سے آدھا کام ہو جاتا ہے۔
جو اپنی تھیلی سے قرض ادا نہیں کرتا اس کو اپنی کھال سے ادا کرنا پڑتا ہے۔
جس چوہے کا ایک ہی سوراخ ہو وہ آسانی سے پکڑا جا سکتا ہے۔
جو خطرہ پہلے ہی نظر آئے اس سے آدھا بچاؤ ہو سکتا ہے۔
شباب خود شراب ہے۔ ؎ مئے رنگین تھا سادہ پانی بھی ہائے کیا چیز تھی جوانی بھی
جو تھوڑا جانتا ہے وہ جلد کہہ دیتا ہے۔ دارم چرا نگویم دارم چرا نپوشم۔
بوڑھی گائے کا خیال ہے کہ وہ کبھی بچھیا نہیں تھی۔
سمندر کی تعریف کرو مگر کنارے ہی پر رہو۔
ماضی گزشتہ واقعات کی لکیر، مستقبل خوش آئند تصویر اور حال خوفناک تعزیر، لہٰذا اس کو بہتر بناؤ۔
تلوار کی نسبت شکم پری نے زیادہ خون کیے ہیں۔
جب لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ زندگی کیا چیز ہے تو یہ آدھی خرچ ہو چکتی ہے۔
بدقسمتی گھوڑے پر سوار ہو کر آتی ہے اور پیدل جاتی ہے۔
بھوکا پیٹ کسی کی نہیں سنتا۔ ڈھول کی آواز اسی لیے ہے کہ اس کا پیٹ خالی ہے۔
جو کسی چیز پر شبہ نہیں کرتا وہ کچھ نہیں جانتا۔
شکاری پرند گایا نہیں کرتے۔
جھوٹ خواہ تیز ہی ہو مگر سچ اس کو جا پکڑتا ہے۔
دو دفعہ پوچھنا ایک دفعہ غلط راہ اختیار کرنے سے بہتر ہے۔
جو قصور وار ہے وہ سمجھتا ہے کہ سب لوگ اسی کی بُرائی کرتے ہیں۔
ہر شخص خیال کرتا ہے کہ جتنی عقل اس کے حصے میں آتی ہے، اس کو اس سے زیادہ مل گئی ہے۔
جس شخص کو تم اپنا راز بتلا دیتے ہو، اپنی آزادی اس کے ہاتھ میں دیتے ہو۔
بھلا کرو مگر یہ پروا نہ کرو کہ کس کے ساتھ کرتے ہو۔
بہت زیادہ تھیلے کو پھاڑ دیتا اور بہت کم اُسے گرا دیتا ہے۔
دوسری مرتبہ کے خیالات بہتر ہوتے ہیں

بیوقوف آبپاشی کے بغیر ہی بڑھتے پھولتے ہیں۔
گھوڑ دوڑ کے گھوڑے ہل میں نہ جوتو۔
ایک بیوقوف اس سے بھی زیادہ سوال پوچھ سکتا ہے کہ جس کا سات عقلمند بھی جواب نہ دے سکیں۔
ضمیر صرف حق و راستی کا دوسرا نام ہے۔
خدا بیوقوفوں کو سلامت رکھے کیونکہ ان کے بغیر تو عقلمندوں کو روٹی بھی نہ ملے گی۔
اس دنیا میں بدمعاشوں کی نسبت بیوقوف زیادہ گزر کرتے ہیں۔
ہر شخص بوڑھا ہونا چاہتا ہے لیکن اپنے آپ کو بوڑھا سننے کے لیے تیار نہیں۔
عالم جانتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ جاہل سمجھتا ہے کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔
سچا ایمان وہ ہے جس کو ہم خود سچ جانیں اور اس پر بھروسہ رکھیں۔
ایک عورت بھید نہیں چھپا سکتی بلکہ اسے چھپانے کے لیے دوسرے کو دے دیتی ہے۔
خاوند اور بیوی کا نباہ چنداں مشکل نہیں۔ لیکن ساس اور بہو کا نباہ سخت کٹھن ہے۔

نکاتِ دانش

جاہل کے خیال اور عمل میں بہت کم وقفہ ہوتا ہے۔
افلاطون نے موسیٰؑ سے پوچھا کہ اگر آسمان کمان بن جائیں، حوادث تیر ہو جائیں اور خدا تعالیٰ تیر انداز ہو تو تُو کہاں جائے؟ کہا کہ تیر انداز سے قریب ہو جائے۔
نصف عمر امیدوں کے پالنے میں اور بقیہ نصف نامرادی کے ماتم میں کٹ جاتی ہے۔
روزِ قیامت کے سوال و جواب اور عذاب و ثواب سے مجھے کوئی خطر نہیں۔ بلکہ رنج ہے تو اس بات کا کہ دنیا کے آدمیوں کی شکلیں پھر دیکھنی پڑیں گی۔
بد عادات میں اگر زوال نہ ہو سکے تو اعتدال ہی غنیمت ہے۔
جسم پاکستان میں رہے اور دل مکّہ میں تو بہتر ہے اس سے کہ جسم مکّہ میں رہے اور دل پاکستان میں۔
دو سادھوؤں کی آپس میں ملاقات ہوئی۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ آپ کس پنتھ کے چیلے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ پنتھ وغیرہ تو میں جانتا نہیں۔ البتّہ آٹا دیکھ لو کہ کس کے پاس زیادہ ہے۔ مطلب یہ کہ خاندانی شرافت اور علم و ہنر کو کوئی نہیں پوچھتا۔ جس کے پاس مال ہو وہ خواہ ہزار عیب دار ہو لیکن اسی کا بول بالا ہے اور اہل دنیا اسی کی قدر کرتے ہیں۔
بیٹے کی شادی جب چاہو۔ بیٹی کی جس وقت کر سکو۔

جانِ پدر ! تیرے طالع کا ستارہ کب تک تیری مُرادوں کے موافق چمکتا رہے گا۔ آخر کو تُو فلک کا بھائی تو نہیں۔
جوانی کے جانے سے پہلے اس کی قدر کر ورنہ جلد وہ وقت آئے گا کہ اس کی قدر کرنے کی آرزو تو ہوگی۔ لیکن وہ واپس نہ آئے گی۔
جس طرح شبنم سے کنوآں نہیں بھر سکتا، اسی طرح حریصوں کی آنکھ کا کاسہ نعمتِ دنیا سے نہیں بھر سکتا۔
روایت ہے کہ کسریٰ کے خزانے میں ایک تھیلی ملی جس میں کھجور جتنے بڑے بڑے گندم کے دانے تھے۔ اُن پر لکھا ہُوا تھا، جس زمانے میں بادشاہوں کی عدالت اپنے کمال پر تھی برکت بھی اسی مرتبے پر تھی۔
خداوند کریم کے در پر ساکن ہو کر بے خانہ بن۔ شمع کا دعویٰ نہ کر، بلکہ پروانہ بن۔
ایّامِ غنچگی میں اس قدر جفائے باغباں دیکھی بعد گل بننے کے خدا جانے کیا کیا گل کھلیں گے۔
حباب اپنی سربلندی کی وجہ سے پائمالِ موج ہوتا ہے اور غبار اپنی خاکساری کی وجہ سے اوجِ آسمان تک پہنچ جاتا ہے۔
اگر الحمد چاہو ابنائے زمانہ سو بار پڑھ دیں گے، لیکن لِلّٰہ ایک درہم بھی صد بار یعنی سو بوجھ معلوم ہوتا ہے۔
امیر کے در پر فقیر بُرا ہے لیکن فقیر کے در پر امیر بھلا ہے۔
جو شخص ہر چیز کو بے یقینی کی نظر سے دیکھتا ہے، وہ موقع ملنے پر بھی ہیرے کو پتھر سمجھ کر پھینک دیتا ہے۔
گوشت و پوست کی زیادتی ہی سے اگر تو اپنا شرفِ امتیاز چاہتا ہے تو بیل اور گدھے تجھ سے اس شرف میں زیادہ ممتاز ہیں۔
اعتدال پر نگاہ رکھ کہ اس کی ہر دو اطراف میں افراط و تفریط حائل ہے۔
مہر و ماہ کی مانند تمام دنیا کو پھر کر دیکھا، لیکن منزلِ آسائش کہیں نہ پائی۔
عُذر و توبہ کے ساتھ عذابِ خالق سے رہائی ہو سکتی ہے لیکن خلق کے حلق سے کوئی نہیں بچ سکتا۔
صنعتِ صانع پر آنکھ کھول اور لب بند کر کیونکہ استاد کے خط کو دیکھنا پڑھنے کی نسبت زیادہ مفید ہے۔

ع
مبتلائے بحث کو رازِ خدا کی کیا خبر — معنیِ بے لفظ و لفظِ بے صدا کی کیا خبر
پا یا اک ہنگامہ ہم بھی ہو گئے اس میں شریک — ابتدا کا علم کیسا انتہا کی کیا خبر

نوکر اپنے آقا کی جسمانی اور عقلی کمزوروں سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔
عہدِ ماضی آئینے کی طرح روشن ہے مستقبل قبر کی طرح تاریک ہے، اس لیے فکر و تردّد بیکار ہے۔
بنیادی اینٹ اگر ٹیڑھی رکھی جائے تو آسمان تک دیوار ٹیڑھی بنے گی۔
وہ شخص جس کا ستارہ اقبال پر نہ ہو اُس کے تمام ہنر خلق میں نامقبول ہوتے ہیں۔ اس کی شجاعت دیوانگی کہلاتی اس کی فصاحت حشو، اس کی کریمی فساد و نمود، اس کا فضل فضول اور اس کا ہر کام بے اصول شمار ہوتا ہے ایک مفلسی و صد ہزار عیب۔

تیری گفتار اگر موتی بھی بکھیرے، خاموشی اس سے پھر بھی بہتر ہے۔ خردمند صدف کی مانند خاموش رہتا ہے۔ ہر چند کہ اس کے اندر موتی بھرے ہیں۔ ؎

دیوانہ خاموش ہے عاقل کے برابر — دریائے پُرسکون ہے ساحل کے برابر

جبکہ تو آنکھ رکھتا ہے اور ایک عالم تیرے سامنے جلوہ گر ہے، پھر تجھے کسی معلّم یا کتاب کی کیا ضرورت ہے۔

اُس وقت غم کرنا چاہیئے جب مسرت حد سے بڑھ جائے۔

کنج خرابات میں موافق ہونا خرقہ میں منافق ہونے سے بہتر ہے اور صوفیِ خام سے میخوارِ پختہ ہونا اچھا۔

گناہ اسی وقت تک دلچسپ نظر آتا ہے جب تک وہ سرزد نہ ہو جائے۔

دانت نعمت کھاتے کھاتے گھس گئے لیکن زبان شکایت کرتے کرتے نہ گھسی۔

زاہدانِ ریاکیش کی مسواک اس لیے کہ وندانِ طمع تیز کریں اور تسبیح اس لیے کہ لوگوں کے عیب شمار کریں۔

اگر قراضِ زبان ہر وقت چلتی رہے تو دامانِ وفا تار تار ہو جاتا ہے۔

ایک دانہ خرمن کو پُر نہیں کرتا۔ لیکن ان دانوں کی مدد کرتا ہے جو خرمن کو پُر کرتے ہیں۔

دَیر و حرم نیک لوگوں سے خالی ہو گئے، نہ اس میں خلیل رہا نہ اس میں زردشت۔

جلدی کے ساتھ دوزخ میں جانا جنّت کے زیادہ انتظار سے بہتر ہے۔

غائب کا اثر حاضر کی نسبت کم ہوتا ہے۔ سگِ حضوری بہ از متصدّیانِ دُوری۔

اہلِ جماعت کا امام سے پہلے اٹھ جانا مکروہ ہے۔

تیری زبان پر دو دروازے دانت اور ہونٹ اس لیے لگائے ہیں کہ تو ناگفتنی بات سے زبان کو بند رکھے۔

؎ بہ بدگفتن زبانِ خود مگرداں — زبانِ خود زیانِ خود مگرداں

اپنی بیٹی کے لیے شادی کے دونوں امیدواروں میں سے اس نے عقلمند کو دولتمند پر ترجیح دیتے ہوئے کہا کہ بغیر دولت کے انسان کے ساتھ تو گزارہ ہو سکتا ہے، مگر بغیر انسان کے صرف دولت کے ساتھ کیسے نباہ ہو سکتا ہے۔

؎ کھائے پر کھانے کی لذّت نہیں چاہے کھا کے دیکھ — بِن بلائے گئے کی عزّت نہیں، چاہے جا کے دیکھ

دل کیا ہے سینے کے اندر سوز و تف۔ تن کیا ہے غم و رنج و بَلا کا ہدف۔ القصّہ میری جان لینے کے قصد سے زندگی ایک طرف ہے اور موت ایک طرف۔

اپنی نظر کو قابو میں رکھ کہ یہ ایسا دزدِ تیز دست ہے کہ جوہری کے ہاتھ سے بزور گوہر کو اُڑا لے جاتا ہے۔

مُرید نے شاہ صاحب سے پوچھا، اتنے موٹے کیوں ہو؟ کہا نفس کتّا ہے ہم اس کو مار چکے ہیں اور کتّا مرنے کے بعد پھولتا ہے۔ مُرید نے کہا کہ مُردار کو کوڑے میں پھینکو، ساتھ کیوں لیے پھرتے ہو۔

نیک ہمسایہ دُور کے بھائی سے اچھا ہے۔

بڑھاپا گویا مزارِ زندگی کا کتبہ ہے۔

دیوار نے کیل سے کہا "تو مجھے کیوں پھاڑتا ہے"؟ وہ بولا "اس سے پوچھ جو مجھے گاڑتا ہے"۔ ؎

خس کی یہ معذرت ہے موجوں کے ساتھ ہم ہیں ۔۔۔ موجوں کا ہے یہ کہنا قدرت کے ہاتھ ہم ہیں

جس شخص پر نیکی کا گمان کیا گیا، غور سے دیکھا تو اس میں کوئی پوشیدہ عیب ضرور پایا گیا۔

عمر بھر باغِ جہاں کی گلگشت کی لیکن جس میوے کو دیکھا اس کے اندر سختی ضرور پائی۔

جو لوگ دولت کے ساتھ محبت رکھتے ہیں درحقیقت ان کو نہ موت ہی یاد ہے نہ خدا ہی پر اعتماد ہے۔

وقت، ہوا، اور دولت ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔

معافی بدمعاش کو زیادہ بدمعاش اور شریف کو زیادہ شریف بنا دیتی ہے۔

فقیر کی صدا سخی کے لیے نغمہ ہے جو شخص کسی پر مروّت و احسان کر کے جتلاتا ہے، اس کا گناہ اس کے ثواب سے بڑھ جاتا ہے۔

خوش کلامی بہترین نعمتِ خداداد ہے۔ سخن دُرست دُراست ہر کہ دَریافت دُریافت۔

؎ فہمِ سخن گر نہ کند مستمع ۔۔۔ قوّتِ طبع از متکلم مجو

بہتے پانی کو دیکھو، چلتی ہوا کو ملاحظہ کرو، گزرتے وقت پر نظر ڈالو، نظامِ فلکی کی گردش کا مطالعہ کرو کسی کو اپنی جگہ پر قرار نہیں۔ اسی طرح ساری دُنیا میں ہر ایک چیز کوچل چلاؤ لگ رہا ہے حتیٰ کہ ایک ذرہ تک بھی اس سے محفوظ نہیں ہے۔ پس کسی کے پیدا ہونے کی خوشیاں کیا اور مرنے کا غم کیا۔ ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ۔۔۔ ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں

نکتہ: جلّن جاٹ پنجاب میں ایک مشہور ہندو عارف شخص گزرا ہے جس کی اولاد میں صرف ایک بیٹی تھی۔ جب وہ جوان ہوگئی تو اس کی بیوی نے کہا کہ لڑکی کی شادی کے سلسلے میں قریبی قصبہ کے ایک پنڈت سے اس کی شبھ لگن یعنی ساعتِ سعید کے متعلق تاریخ دریافت کر آئیں۔ بیوی کے حکم کی تعمیل میں جلّن اس قصبہ میں پہنچا تو وہاں ایک جگہ بہت سے آدمی جمع دیکھے اور اندرونِ خانہ سے رونے پیٹنے اور چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں کے ایک مشہور بید حکیم کا اکلوتا نوجوان فرزند فوت ہو گیا ہے۔ جلّن یہ سن کر سخت حیران ہوا کہ جو حکیم زندگی سے نا امید مریضوں کو شفا بخشتا تھا خود اپنے نوجوان اکلوتے فرزند کو مرضِ الموت سے نہ بچا سکا۔ اسی حیرانی کے عالم میں وہ تلاش کرتا ہوا پنڈت جی کے گھر پہنچا۔ پنڈت جی اس وقت روزانہ معمول کے مطابق دریا پر اشنان کرنے گئے ہوئے تھے۔ جلّن ان کے انتظار میں پنڈت خانہ میں بیٹھ گیا۔ جہاں اور بھی اس قسم کے حاجت مند بیٹھے ہوئے تھے۔ اثنائے انتظار میں وہاں تین چار بچے کھیلتے نظر آئے۔ جلّن نے دریافت کیا کہ کیا یہ پنڈت جی کے بچے ہیں؟ حاضرین میں سے ایک نے جواب دیا کہ یہ بچے پنڈت جی کے نواسے ہیں۔ چونکہ پنڈت جی کی اکلوتی لڑکی جوان عمری ہی میں بیوہ ہو گئی تھی، اس لیے اب وہ اپنے باپ کے پاس ہی رہتی ہے۔ جلّن اس جواب کو سن کر بہت متعجب ہوا کہ جس پنڈت سے میں اپنی لڑکی کا شگون اور شبھ لگن

دریافت کرنے آیا ہوں، خود اس کی بیٹی بیوہ ہے تو وہ کسی دوسرے کو کیا شبھ لگن بتا سکے گا۔ وہ پنڈت جی کا مزید انتظار کیئے بغیر چلنے کو تیار ہو گیا کہ اس اثنا میں پنڈت جی بھی تشریف لے آئے اور جلّن سے بغیر کسی مطلب کے اُن کے پاس آنے اور واپس چلے جانے کی وجہ دریافت کی۔ جلّن نے کہا کہ جس مطلب کے لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا تھا، وہ آپ کے آنے سے پہلے ہی حل ہو چکا ہے۔ پھر جلّن نے مختصر طور پر اپنے آنے کی کیفیت بیان کی اور مندرجہ ذیل دوہا حسبِ حال خود پنڈت جی کو سنا کر واپس اپنے گھر کی راہ لی۔ ؎

بیدوں کے گھر بیٹیا برہمنوں کے گھر میں رنڈ　　مڑ چل گھر کو جلّنا اور ساہا کر نسنگ
حکیموں " " " " " " بیوہ　　واپس جا " " " " شاہی " بے دھڑک

اس مضمون پر کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

علمِ غیبے کس نمی داند بجز پروردگار　　گر کسے گوید کہ من دانم ازو باور مدار
مصطفیٰ ہرگز نگفتہ تا نگفتہ جبرئیل　　جبرئیلش ہم نہ گفتہ تا نگفتہ کردگار

حضرت سعدیؒ نے ایک حکایت میں لکھا ہے کہ کسی شہر میں ایک نجومی گلی کوچوں اور بازاروں میں پھر کر لوگوں کو ان کی قسمت کا حال بتاتا اور اسی پیشہ سے اپنی روزی کماتا تھا۔ اتفاقاً ایک روز خود اس کے گھر میں اس کی بیوی علّتِ زنا میں پکڑی گئی۔ جس پر انہوں نے اِن جھوٹے غیب دانوں کی پوری تشریح اس مختصر سے شعر میں بیان کر دی ہے۔ ؎

تو بر اوجِ فلک چہ دانی چیست　　چوں ندانی کہ در سرائے تو کیست

ایک درویش نے اپنے مرشد سے عرض کیا کہ لوگوں کے ہجوم سے میں تنگ آ گیا ہوں۔ وہ میری زیارت کے لیے بہت زیادہ آتے ہیں۔ ان کے تردّد میں میرے اوقات پریشانی میں گزرتے ہیں اور عبادت میں خلل ڈالتے ہیں۔ مرشد نے فرمایا کہ تیرے پاس آنے والوں میں سے جو درویش اور مفلس ہیں، ان کو قرض دے اور جو لوگ امیر ہیں، ان سے کچھ قرض یا ہدیہ مانگ۔ اس کے بعد کوئی تیرے پاس نہیں آئے گا۔

چار نیکیاں افضل ترین ہیں غصہ کے وقت درگزر۔ تنہائی میں پارسائی۔ تنگدستی میں سخاوت اور طاقت کے باوجود انکساری۔

ایک شہزادہ اپنے محلّات کی ایک کنیز پر فریفتہ ہو گیا۔ شہزادے کا اصرار اور کنیز کا انکار جب حد سے بڑھ گیا تو کنیز نے شہزادے سے پوچھا "آپ کو میری کونسی چیز زیادہ پسند ہے"؟ شہزادے نے کہا اگرچہ تم سرتاپا مجموعۂ خوبی اور مجسمہ حسن ہو۔ لیکن مجھے سب سے زیادہ تمہاری آنکھیں پسند ہیں۔ کنیز شہزادے کو یہ کہہ کر اندر چلی گئی کہ "میں ابھی حاضرِ خدمت ہوتی ہوں"۔ کنیز نے اندر جا کر چھری سے اپنی دونوں آنکھیں نکال کر ایک طشت میں شہزادے کے رُوبرُو پیش کر دیں۔ کنیز کو اپنی حفاظتِ عفت کے لیے اس قدر دلیرانہ کارگزاری کو دیکھ کر شہزادہ سخت نادم اور متالم و متاثر ہُوا اور آئندہ کے لیے ایسی ہوس رانی سے تائب ہو گیا۔

عبداللہ طاہر نے ایک دن اپنے بیٹے سے کہا کہ ہمارے خاندان میں سلطنت کب تک رہے گی۔ بیٹے نے کہا جب تک عدالت رہے گی۔

نوشیرواں نے بزرجمہر سے پوچھا کہ شجاعت کیا ہے۔ اس نے کہا قوتِ دل۔ کہا قوتِ بازو کیوں نہیں کہتا۔ کہا اگر دل قوی نہیں تو قوت بازو بیکار ہے۔

سفید رنگ تمام رنگوں پر فضیلت رکھتا ہے۔ کسی بادشاہ کا قول ہے کہ سفید اگر کوئی رنگ ہوتا تو اُسے میں صرف اپنے لیے مخصوص رکھتا اور کسی کو اس کے استعمال کی اجازت نہ دیتا۔ البتہ یہی سفیدی جب بالوں میں جلوہ گر ہوتی ہے تو سب سے بدترین رنگ ثابت ہوتی ہے۔ دوہا ہ

دھولے دھولے سب بھلے دھولے بھلے نہ کیش　　　تریا ڈرے نہ رپ مرے نہ آدر کرے نریش

سفید سفید ،، اچھے سفید ،، ،، بال　　　بیوی ،، ،، دشمن ،، ،، چاہت ،، حاکم وقت

خطرناک غلطیاں

اس خیال میں مست رہنا کہ میں ہمیشہ تندرست، خوبصورت اور تونگر ہی رہوں گا۔

اس نیت سے عیب کرنا کہ صرف دو چار مرتبہ کرکے چھوڑ دوں گا۔

اپنا راز کسی دوسرے کو بتا کر اس کے پوشیدہ رکھنے کی درخواست کرنا۔

ہر ایک انسان کے متعلق ظاہری صورت دیکھ کر رائے قائم کرنا۔

کسی کام کو ادھورا چھوڑ کر دوسرے وقت پر مکمل کرنے کی امید رکھنا۔

اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرنا اور کسی خدائی "عطیہ" کا امیدوار رہنا۔

اپنے ماں باپ کی خدمت نہ کرنا اور اولاد سے اس کی توقع رکھنا۔

جو کام اپنے سے نہ ہو سکے اسے سب کے لیے ناممکن خیال کرنا۔

لوگوں کی تکلیف میں حصہ نہ لینا اور پھر ان سے ہمدردی کی اُمید رکھنا۔

ہر ایک سے بدی کرنا اور خود آرام میں رہنے کی توقع رکھنا۔

بغیر کافی ذریعۂ اطمینان کے محض کسی کی قسم پر اعتبار کر لینا۔

بیکاری میں آئندہ کے لیے خیالی پلاؤ پکانا اور خوش رہنا۔

تمام انسانوں کو اپنے خیال پر لگانے کی کوشش کرنا۔

اپنے آپ کو سب سے زیادہ عقلمند اور لائق آدمی تصور کرنا۔

تمام نوجوانوں کو تجربہ کار خیال کرنا۔

آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمانا اور ہر ایک شیریں زبان کو دوست سمجھ لینا۔
دوسروں کی موت کو دیکھتے ہوئے اپنے آپ کو اس سے بری سمجھنا۔
بُرا کام کرتے وقت، بُرا کلام کہتے وقت ہر دیوار کو کان اور ہر دروازے کو آنکھ نہ سمجھنا۔
ادائیگی قرض کے متعلق دلفریب ذرائع آمدنی کا تصور باندھ کر غیر ضروری اخراجات کے لیے بے دھڑک قرض لینا۔

سلکِ مروارید

فضول باتوں کا سُننا خطراتِ نفسانی کا تخم ہے۔
ہر دشمنی کے زائل ہو جانے کی اُمید کی جا سکتی ہے، سوائے اس دشمنی کے جس کی بنا حسد پر قائم ہو۔
بدگمانی کرنا تیرے باطن کے ناپاک ہونے کا نشان ہے۔
عقلمند سوچ کر بولتا ہے اور بیوقوف بول کر سوچتا ہے۔
روزی کی وسعت آدمی کے لیے دین کی سلامتی اور دل کی فراغت کا سبب ہے۔
وہ جانور روزِ حشر داد طلب ہوگا جس کو بے سبب مارا یا جس پر زیادہ بوجھ لادا ہوگا۔
لعنت ہے اس پر کہ مظلوم کی مدد نہ کرے، جب ظلم ہوتا دیکھے اور ہٹانے کی قدرت رکھے۔
خدا کی تقسیم پر راضی ہونا سچا ایمان ہے۔ (اویس قرنی)
فاصلہ کی واقفیت نزدیک کی دوستی سے اچھی ہے۔
مرد مرے نام کو نامرد مرے نان کو۔
ضرورت اپنا راستہ کھولنے پر مجبور ہے۔
عالمِ بے عمل کی صحبت دل سے عظمتِ اسلام نکال دیتی ہے۔
زبان کو سوچنے سے پہلے دوڑنے نہ دو۔
انسان تنہائی میں فرشتے سے برتر یا حیوان سے بدتر ہے اور یہ اس کے علم و عقل پر منحصر ہے۔
تنہائی سے زیادہ کسی حال میں امن نہیں اور قبروں کی زیارت سے زیادہ کوئی ناصح نہیں۔
خاص بندے عوام کے ساتھ جب ہی عذاب کیے جاتے ہیں جب وہ گناہ دیکھ کر منع کرنے کے خاموشی اختیار کرتے ہیں
اپنی زندگی محبت کے بغیر ہی گزار دے کیونکہ اس کی ابتدا تکلیف، درمیانی حالت بیماری اور انجام قتل یا موت ہے۔
پاک دامن پلید کے ساتھ باندھ دیا جائے تو پاک بھی پلید ہو جائے گا۔
جو شخص کوئی گناہ پردے سے کرتا ہے اس کی ٹوہ لگانا تجسس کہلاتا ہے۔ اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔
انکساری یہ ہے کہ آدمی کو غصہ ہی نہ آئے۔

علم سیکھے بغیر گوشہ گیری موجب تباہی ہے۔
تکبّر کا ادنیٰ نشان یہ ہے کہ غصّہ ضبط نہ کر سکے۔
کھوپڑیوں کے پیالے ہوس کی بنا پر کبھی پُر نہیں ہوتے کیونکہ اُلٹا پیالہ کبھی نہیں بھرتا۔
بدخوئی ایسا بڑا گناہ ہے کہ کوئی عبادت سودمند نہیں ہوتی۔
خوش خو کبھی غمزدہ نہیں ہوتا اگرچہ مبتلائے مصیبت ہی ہو۔ بدخو کبھی خوش نہیں رہتا اگرچہ ہر طرح کی راحت ہو۔
مرد بننا مشکل ہے۔ مُردہ بننے میں تو کسی مردانگی کی ضرورت نہیں۔
محض لباس سے مردم شناسی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ آدمی کا بنانے والا خدا ہے اور لباس کا درزی
مالدار کو بخل، حاکم کو طمع، جوان کو سُستی، عابد کو غرور اور سخی کو افسوس خراب کرتا ہے۔
زندگی میں انسان کی ناکامیابی پر غور نہ کرو۔ کیونکہ بہت سے انسان اس وجہ سے بھی ناکامیاب رہتے ہیں کہ وہ دیانتداری کا خیال زیادہ رکھتے ہیں۔
اپنی ضروریات کا اپنے ذرائعِ آمدنی سے اندازہ لگاؤ۔
احمق اور دانا کی، امیر اور غریب کی، تندرست اور بیمار کی، جوان اور بوڑھے کی، شریف اور شریر کی، ظالم اور عادل کی دوستی ہو سکتی ہے، مگر قیام پذیر نہیں۔
یہودی اور نصرانی کسی بات پر جھگڑ پڑے۔ نوبت حلف تک پہنچی۔ یہودی نے کہا "اے خدا! اگر میرا بیان غلط ہے تو مجھے نصرانی بنا کر ماریو"۔ نصرانی نے کہا کہ "اے خدا اگر میرا بیان غلط ہے، تو مجھے یہودی کر کے ماریو"۔ مذہب کے متعلق ہر شخص کا ایسا ہی عقیدہ ہے لیکن حقیقتِ حال یہ ہے۔ ؎

دوست کیا جانیے یہ چرخِ کہن کس کا ہے مطمئن اس سے مسلماں نہ مسیحی نہ یہود

بے احسان سخاوت، قدرت میں عفو، دولت میں تواضع اور عادت میں نیکی جوانمردی ہے۔
زبان اگرچہ تلوار نہیں پر تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ بات اگرچہ تیر نہیں مگر تیر سے زیادہ زخمی کرتی ہے۔ غصّہ اگرچہ شیر نہیں لیکن شیر سے زیادہ خوفناک ہے۔ نشہ اگرچہ سانپ نہیں مگر سانپ سے زیادہ خطرناک ہے۔ گناہ اگرچہ زہر نہیں لیکن زہر سے زیادہ مہلک ہے۔
ہر آنے والا دن جانے والے سال سے بھاری ہے۔
بدوں کے ساتھ موافقت مصلحتِ وقت کے تحت ہے۔ سگِ گزندہ آشنا بہتر۔
کُلُوْا وَاشْرَبُوْا لیکن یہ گُلُوْا تا گُلُوْا نہ ہو۔
کیونکر وہ شخص آپ کو پیار کر سکتا ہے جس کو آپ پیار نہیں کرتے کیونکہ دونوں انسان ہیں۔
جبکہ آپ دوسروں کو تعصب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیوں دوسرے بھی آپ کو اسی نظر سے نہ دیکھیں۔ کیونکہ کمزوری ہر انسان میں موجود ہے۔ بے گناہ درّہ عمرؓ سے نہیں ڈرتا۔

جس حال میں آپ کو دوسروں کی بھلائی کا خیال نہیں ہے کیوں دوسرے بھی آپ کی بھلائی کے خواہاں ہوں۔ کیونکہ یہ تقاضائے بشریت ہے۔

بدبختوں کے خصائل رذیلہ میں سے کوئی خصلت بھی کفرانِ نعمت سے بُری نہیں۔ اور نیک بختوں کے اوصافِ حمیدہ میں شکرِ نعمت سے بڑھ کر کوئی خصلت ممدوح نہیں۔

عالمِ بے عمل، موم بے عسل۔ سخی بے زر، درختِ بے ثمر۔ ہرزہ گو آدمی، بولتا ہُوا جانور۔ احمق انسان، ناطق حیوان۔ تیغ بے جوہر، بے مصرف و ناچیز۔ عالم بدکار، سوتا ہُوا اسوار۔ جاہل پرہیزگار، پیادہ تیز رفتار۔ حاکم بے عدل، اندھا کنوآں۔ مالدار بخیل، ابرِ بے باراں۔ منعم بے کرم، دونوں جہاں میں رُوسیاہ۔

تیرا دشمن تیرے دوستوں میں سے جدا ہُوا کرتا ہے۔ لہٰذا تو دوستوں کی تعداد نہ بڑھا۔ کیونکہ اکثر بیماریاں کھانے پینے کی زیادتی کی وجہ سے ظہور پزیر ہوتی ہیں۔

با ہر کسے کہ دوستی اظہار می کنم
خوابیدہ دشمنے ست کہ بیدار می کنم

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے کسی نے حقیقتِ نکاح دریافت کی۔ آپ نے فرمایا۔

۱۔ لزُومِ مہر	یعنی مہر لازم ہو جاتا	سائل نے سوال کیا ثُمَّ مَاذَا یعنی پھر کیا؟ فرمایا۔
۲۔ سُرورِ شہر	یعنی ایک ماہ کی خوشی	سائل نے پوچھا ثُمَّ مَاذَا پھر کیا؟ فرمایا۔
۳۔ غمُومِ دہر	یعنی عمر بھر کے غم	سائل نے پوچھا ثُمَّ مَاذَا پھر کیا؟ فرمایا
۴۔ کسُورِ ظہر	یعنی کمر ٹوٹ جاتی ہے	سائل نے پوچھا ثُمَّ مَاذَا پھر کیا؟ فرمایا
۵۔ نزولِ قبر	یعنی قبر میں اُترنا	

اعمالُ الصّالحین

حضرت بایزید بسطامیؒ ایک رات گورستان سے آرہے تھے کہ راہ میں ایک بسطام کا شریف زادہ بربط بجا رہا تھا۔ جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ جوان نے یہ سنا تو بربط آپ کے سر پہ دے مارا۔ بربط بھی ٹوٹ گیا اور آپ کے سر پر بھی چوٹ لگی۔ جب آپ اپنے گوشہ میں پہنچے تو صبح کے وقت بربط کی قیمت اور ایک طباق حلوے کا اس جوان کے پاس بھیج دیا اور خادم کی زبانی عذر بھی کیا کہ بایزیدؒ تم سے معذرت چاہتا ہے، اور کہتا ہے کہ کل تم نے بربط میرے سر پہ توڑا، اس کی قیمت لے لو اور دوسرا خرید لو۔ اور یہ حلوہ کھالو تاکہ اس کے ٹوٹنے کا غصہ اور تلخی تمہارے دل سے جاتی رہے۔ جب جوان نے یہ دیکھا تو خدمتِ مبارک میں حاضر ہوکر توبہ کی۔ اور بہت رویا۔ چند دوسرے جوانوں نے بھی اس کی موافقت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر توبہ کی۔

آپ کا ہمسایہ ایک گبر تھا۔ اس کے ایک شیر خوار لڑکا تھا۔ وہ تمام رات اندھیرے کی وجہ سے روتا رہتا تھا۔ کیونکہ اس کے گھر میں چراغ نہ تھا۔ آپ ہر روز چراغ اس گبر کے گھر لے جاتے اور وہ لڑکا چراغ کی روشنی میں خاموش ہو جاتا۔ جب وہ گبر سفر سے واپس آیا تو اس لڑکے کی ماں نے آپ کے متعلق ہر شب چراغ کا لانا بیان کیا۔ اس گبر نے کہا "جب شیخ بایزیدؒ کی روشنی آگئی تو افسوس کہ ہم اپنی تاریکی میں رہیں۔ وہ گبر آپ کی خدمت میں آیا اور مسلمان ہو گیا۔

آپ نے فرمایا ایک بار میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حق تعالیٰ مجھے نان و نفقہ کی مصیبت سے بچائے۔ پھر دل میں خیال ہوا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بوجھ کے اٹھانے کو ترک نہیں کیا۔ تو میں بھلا کس طرح آپ کی سنت کے خلاف کروں۔ پھر جب میں نے اس بوجھ کو اُٹھا لیا تو حق تعالیٰ نے میرے لیے سہولتیں پیدا کر دیں۔ اور میرے نزدیک عورت اور دیوار دونوں یکساں ہو گئیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں، مہمان کے لیے کشادہ خرچ کرنا اسراف نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ بن طلحہؒ فرماتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے میرے پاس تین توڑے چاندی کے بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اسے فقرا اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دو۔ میں نے لے لیے اور اس میں سے کچھ ابی ذر بن عقیلیؒ کے پاس بھیجے۔ آپ مصیبت زدہ رہتے تھے تو گویا آپ پر بچھو ڈال دیئے۔ پس آپ نے اُسے واپس کر دیا اور رات بھر بھوکے رہے۔

حضرت ابراہیم بن یوسفؒ مال اکٹھا کرتے اور فرماتے "میں اسے بھوکوں کے لیے جمع کرتا ہوں نہ کہ اظہار امارت یا بنائے عمارت کے لیے۔ اگر انسان ایسا نہ کرے تو مال جمع کرنا چھوڑ دے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ: آپ کی توبہ کا یہ باعث ہوا کہ آپ ایک کنیز پر فریفتہ ہو گئے اور بے قرار رہنے لگے۔ ایک دفعہ نہایت سردی کی رات میں اپنی محبوبہ کی زیرِ دیوار صبح تک کھڑے رہے اور تمام رات آپ پر برفباری ہوتی رہی۔ جب صبح کی اذان ہوئی تو آپ نے اسے عشا کی اذان تصور کیا۔ جب دن چڑھا تو آپ نے خیال کیا کہ میں نے تمام رات محبوبہ کے انتظار میں بسر کر دی۔ لیکن اگر امام نماز میں کوئی لمبی سورۃ پڑھتا، تو تُو دیوانہ ہو جاتا اور شور و فغاں کرتا۔ تیری فطرت سے فریاد بلند ہوتی۔ اے مبارک کے بیٹے! تجھے شرم آنی چاہیے۔ کہ ایسی مبارک رات تو نے نفس کی خاطر پاؤں پر بسر کر دی۔ اسی وقت آپ کے دل میں ایک درد پیدا ہُوا۔ آپ نے توبہ کی اور مشغولِ عبادت ہو گئے اور اس درجہ تک پہنچ گئے جو خاص خاص بندگانِ خدا کو نصیب ہوتا ہے۔

آپ حد درجہ کے متقی تھے۔ ایک دفعہ آپ ایک منزل پر اُترے۔ آپ کے پاس ایک نہایت قیمتی گھوڑا تھا۔ آپ جب نماز میں مشغول ہوئے تو گھوڑا ایک کھیت میں جا کر چرنے لگ گیا۔ جب آپ نے یہ حالت دیکھی تو گھوڑے کو وہیں چھوڑ دیا۔ بایں خیال کہ غیر حلال چارہ اس کے پیٹ کے اندر چلا گیا۔ اور پیادہ پا روانہ ہوئے۔

ایک دفعہ آپ مرو سے شام گئے تھے اور سفر محض ایک قلم دینے کے لیے اختیار کیا جو آپ نے ایک شخص سے لیا تھا اور اس کو واپس نہ کیا تھا۔

ایک سال آپ جب حج سے فارغ ہوئے تو حرم شریف میں ایک ساعت کے لیے سو گئے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ امسال کس قدر لوگ حج کو آئے ہیں۔ دوسرے نے جواب دیا، چھ لاکھ۔ پھر اس نے کہا "کس قدر لوگوں کا حج قبول ہوا ہے؟" اس نے کہا "کسی کا بھی حج قبول نہیں ہوا ہے۔" آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میرے دل میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا اور میں نے کہا اس قدر لوگ جو اطراف و اکناف سے اس قدر رنج اٹھا کر صحراؤں اور بیابانوں کو طے کر کے آئے ہیں، ان کی تمام تکالیف و مصائب رائیگاں گئیں۔ پھر اس فرشتے نے کہا کہ دمشق میں ایک موچی ہے۔ اس کا نام علی ابن الموفق ہے وہ حج کو نہیں آیا ہے۔ لیکن اس کا حج قبول ہے اور حق تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو اس کے طفیل بخش دیا۔ جب میں نے یہ سنا تو خواب سے بیدار ہو گیا اور خیال کیا کہ مجھے دمشق جا کر اس شخص کی زیارت کرنی چاہیئے۔ جب میں دمشق پہنچا تو اس کا گھر تلاش کیا اور مکان کے دروازے پر آواز دی۔ اندر سے ایک شخص نکلا۔ میں نے اس سے اس کا نام دریافت کیا۔ اس نے کہا علی ابن الموفق۔ میں نے کہا کہ مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ اس نے کہا، "ہاں کہو"۔ میں نے کہا "آپ کیا کام کرتے ہیں"؟ اس نے جواب دیا، میں پارہ دوزی کرتا ہوں۔ پھر میں خواب کا تمام واقعہ اس سے بیان کیا۔ اس نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے کہا عبداللہ بن مبارک۔ اس نے ایک نعرہ لگایا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو میں نے کہا مجھے اپنی حالت سے آگاہ فرمائیے۔ انہوں نے کہا مجھے تیس سال سے حج کی آرزو تھی۔ میں نے اس مدت دراز میں تین ہزار درم جمع کیے اور اس سال حج کا ارادہ کیا۔ ایک دن میری بیوی نے جو حاملہ تھی مجھ سے کہا کہ ہمسایہ کے گھر سے آج طعام کی بو آ رہی ہے، جاؤ اور میرے لیے کچھ طعام ان سے مانگ لاؤ۔ میں گیا تو ہمسایہ نے مجھ سے یہ ذکر کیا کہ تین دن رات سے میرے بچوں نے کچھ نہ کھایا تھا۔ آج اتفاقاً میں نے ایک مردار گدھا دیکھا تو اس سے ایک ٹکڑا گوشت کا کاٹ لیا۔ اور طعام بنایا وہ تمہارے لیے حلال نہیں۔ جب میں نے یہ سنا تو میری جان کو ایک آگ سی لگ گئی۔ میں تین ہزار درم گھر سے اٹھا لایا اور اس کو دے دیئے کہ اس سے اپنے بال بچوں کا گزارہ کرو کہ میرا حج یہی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ میرے خلوصِ نیت کو دیکھ کر بغیر ادائیگی مراسمِ حج اس نے میرے اس فعل کو قبولیت حج کا درجہ عطا فرما لیا۔

ایک دن ایک جوان آپ کی خدمت میں آیا اور آپ کے پاؤں پر گر کر زار زار رویا اور عرض کیا "میں نے ایک ایسا گناہ کیا ہے کہ میں اسے شرم کے مارے بیان نہیں کر سکتا۔" آپ نے فرمایا بتلا تو سہی تو نے کیا کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "میں ڈر گیا تھا کہ شاید تو نے کسی کی غیبت کی ہے۔"

آپ نے اپنی زندگی ہی میں تمام مال درویشوں کو تقسیم کر دیا تھا۔ ایک دن آپ کے پاس ایک مہمان

آیا۔ آپ کے پاس جو کچھ بھی تھا، اس کی تواضع پر خرچ کر دیا اور کہا ”مہمان حق تعالیٰ کا بھیجا ہُوا ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس کی خدمت کرنی چاہیے“۔ آپ کی اہلیہ اس بارے میں آپ سے جھگڑنے لگی۔ آپ نے فرمایا ”ایسی عورت جو نیک کام میں مجھ سے جھگڑا کرے، اُسے گھر میں نہ رکھنا چاہیے“۔ آپ نے اس کے حقِ مہر کا انتظام کر کے اُسے طلاق دے دی۔ حق تعالیٰ کا کرنا ایسا ہُوا کہ ایک سردار کی لڑکی آپ کی مجلسِ وعظ میں آئی۔ اس کو آپ کی باتیں ایسی اچھی معلوم ہوئیں کہ گھر آکر اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میرا آپ سے نکاح کر دیا جائے۔ باپ نے اپنی بیٹی کو پچاس ہزار دینار دے کر اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔ پھر آپ نے خواب دیکھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ”تو نے عورت کو ہمارے لیے طلاق دی۔ اب یہ عورت تجھ کو اس کے عوض میں عطا کی گئی ہے تاکہ تو جانے کہ کسی کو ہمارے ساتھ معاملہ کرنے میں زیاں نہیں ہوتا“۔

جب آپ کا وقتِ وفات قریب پہنچا، تو آپ نے اپنا تمام مال درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک مرید آپ کے سرہانے تھا۔ اس نے کہا ”اے شیخ! آپ کی تین بیٹیاں ہیں اور آپ دُنیا سے آنکھیں بند کر رہے ہیں۔ ان کے لیے بھی کچھ چھوڑ دیجیے“۔ ان کی تدبیر آپ نے کیا فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا ”میں نے ان سے کہہ دیا ہے، هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۔ یعنی اہلِ صلاح کا کارساز وہی ہے۔ پس جب کسی کا کارساز اللہ ہو، وہاں عبداللہ کی کیا ضرورت ہے“؟

ایک دفعہ بلخ میں نہایت زبردست قحط پڑا۔ یہاں تک کہ لوگ ایک دوسرے کو کھاتے تھے۔ حضرت شقیق بلخیؒ نے ایک غلام کو بازار میں نہایت شاداں اور خنداں دیکھا۔ آپ نے فرمایا ”اے غلام! خوشی اور مسرت کا کون سا موقع ہے؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ مخلوقِ خدا کی بھوک کی وجہ سے کیا حالت ہو رہی ہے“؟ غلام نے کہا ”مجھے کیا ڈر ہے میں تو کسی کا غلام ہوں۔ اس کے بہت سے گاؤں ہیں اور بکثرت غلّہ ہے۔ وہ ہرگز مجھے بھوکا نہ رکھے گا“۔ یہ سن کر آپ کی حالت متغیر ہو گئی اور کہا ”الٰہی یہ غلام اپنے مالک کی وجہ سے جس کے پاس چند انبار غلّے کے ہیں، اس قدر شاد ہے تُو مالک الملک ہے اور ہمیشہ روزی دینے والا ہے پھر میں کیوں غم کھاؤں“۔ اسی وقت آپ نے شغلِ دنیا سے منہ پھیر لیا۔ اور توبہ نصوح کی اور حق تعالیٰ کی درگاہ کی طرف متوجّہ ہوئے اور توکّل میں حدِّ کمال تک پہنچ گئے اور ہمیشہ فرماتے ”میں ایک غلام کا شاگرد ہوں“۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے کہا ”ہمیں کیا ہو گیا کہ جب ہم پاخانے بیٹھتے ہیں تو آنکھوں کو اس سے روک نہیں سکتے اور اس کو دیکھتے ہیں“۔ آپ نے فرمایا ”اس لیے کہ فرشتہ اس وقت آدمی کو حکم دیتا ہے کہ دیکھ! جس چیز میں تو بخل کرتا ہے، اب کیا ہو گئی ہے۔ اور تیری اصلیت یہ غلاظت و نجاست ہے جس پر تو نازاں ہے۔ اس معاملے میں حیوانات تجھ سے بدرجہا افضل و برتر ہیں۔ جس کا گوبر بھی کار آمد اور کم نجس ہے“۔

خلیفہ ہارون رشید نے آپ (شقیقؒ) سے نصیحت چاہی۔ آپ نے فرمایا ”اگر تمہیں کسی بیابان میں پیاس لگے، یہاں تک کہ تم ہلاک ہونے کے قریب ہو جاؤ، اس وقت تمہیں ایک گھونٹ پانی ہاتھ لگے تو اسے کتنی قیمت میں خرید

کرو؟ خلیفہ نے کہا "جس قیمت پر بھی ملے"۔ آپ نے فرمایا "اگر وہ نصف ملک سے کم قیمت پر فروخت نہ کرے"؟ خلیفہ نے کہا "میں یہی قیمت دے دوں"۔ پھر آپ نے فرمایا "جب وہ پانی پیو تو اس کے پینے سے تمہارا پیشاب بند ہو جائے یہاں تک کہ خوف ہلاکت ہو، اور کوئی تم سے کہے میں تمہارا علاج کرتا ہوں لیکن اس کے عوض میں تمہارا نصف ملک لوں گا تو پھر تم اس حالت میں کیا کرو گے"؟ خلیفہ نے کہا "دے دوں گا تاکہ مجھے شفا نصیب ہو"۔ آپ نے فرمایا کہ بھلا ایسی بادشاہت پر پھر کیوں نازاں ہو جس کی قیمت صرف پانی کا ایک گھونٹ ہو اور جو باہر بھی نہ نکلے۔ پھر فرمایا "ہوش کر حق تعالیٰ تجھے صدیقؓ کی جگہ پر بٹھایا ہے اور وہ تجھ سے صدق طلب کرتا ہے۔ اور فاروقؓ کی جگہ پر بٹھایا ہے، وہ تجھ سے حق و باطل کا فرق چاہتا ہے۔ اور تجھ کو عثمانؓ غنی کی جگہ پر بٹھایا ہے، وہ تجھ سے جود و کرم چاہتا ہے۔ اور تجھ کو مرتضیٰؓ کی جگہ پر بٹھایا ہے وہ تجھ سے علم و عدل چاہتا ہے" پھر فرمایا "تو چشمہ ہے اور تیرے حاکم بمنزلہ نہر ہیں۔ اگر چشمہ روشن نہ ہو تو پھر کسی طرح بھی نہروں کے روشن ہونے کی اُمید نہیں ہوتی"۔ ہارون رشید یہ سُن کر رو دیا اور آپ کو اعزاز و اکرام سے رخصت کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ہمیں ایسی دعوت کرنے سے روکا گیا ہے جس میں ریا اور فخر کے نشانات ہوں۔

یونس بن عبیدؒ کا رہ کا فوت ہو گیا۔ ابن عونؒ نے آپ کی تعزیت نہ کی۔ کسی نے آپ سے کہا کہ ابن عونؒ نے آپ کی تعزیت نہیں۔ آپ نے فرمایا "جب ہمیں ایک شخص کی دوستی پر وثوق ہے۔ پھر اس کا ہمارے پاس نہ آنا مضر نہیں"۔

مکہ شریف میں ایک دن حضرت ابراہیم ادھمؒ آپ شقیقؒ کے پاس تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا "اے ابراہیم! معاش کے بارے میں تم کیا کرتے ہو"؟ فرمایا اگر کوئی چیز مل جاتی ہے تو شکر کرتا ہوں، اگر نہیں ملتی تو صبر کرتا ہوں"۔ آپ کہنے لگے "ہماری گلی کے کتے بھی یہی کرتے ہیں۔ اگر کوئی چیز انہیں مل جاتی ہے تو اظہار شکر میں دُم ہلاتے ہیں اور اگر نہیں ملتی تو صبر کرتے ہیں"۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا "بھلا پھر تم کیا کرتے ہو"؟ آپ نے فرمایا "اگر ہمیں کوئی چیز مل جاتی ہے تو ایثار کرتے ہیں اور اگر نہیں ملتی تو صبر کرتے ہیں"۔ حضرت ابراہیمؒ اُٹھے اور آپ کا سر چوم لیا۔

فرمایا میں نے سات سو علما سے دریافت کیا کہ عقلمند کون ہے، دولتمند کون ہے، دانا کون ہے، درویش کس کو کہتے ہیں اور بخیل کون ہوتا ہے؟ اُن سب یعنی سات سو نے ایک ہی جواب دیا کہ عقلمند وہ ہے جو دنیا کو دوست نہ رکھے اور دانا وہ ہے کہ دنیا اس کو فریب نہ دے سکے اور وہ دولتمند وہ ہے جو خدا کی تقسیم پر راضی ہو اور درویش وہ ہے جس کے دل میں زیادتی کی طلب نہ ہو اور بخیل وہ ہے جو حق تعالیٰ کے مال کا حق ادا نہ کرے۔

حضرت حامد لفاف فرماتے ہیں "بناوٹی زاہد کی یہ علامت ہے کہ اگر کوئی اس کی ضیافت کرے تو حضرت ابراہیمؑ کی سخاوت کا بیان سنائے۔ اگر وہ کسی کی ضیافت کرے تو حضرت عیسیٰؑ کے زہد کا ذکر سنائے"۔

حضرت حاتم اصم نے آپ سے وصیت چاہی۔ ایسی وصیت جو نہایت ہی نافع ہو۔ آپ نے فرمایا "اگر

عام وصیت چاہتے ہو تو زبان کو نگاہ میں رکھو اور اس وقت تک جواب نہ دو جب تک کہ اپنی عقل کے ترازو میں اس کا جواب نہ دیکھو۔ اور اگر خاص وصیت چاہتے ہو تو اس وقت تک بات نہ کہو جب تک کہ دیکھ نہ لو کہ تم نہ کہو گے تو چل جاؤ گے یا اس کے نہ کہنے سے کوئی زبردست فتنہ اُٹھ کھڑا ہو گا۔" آپ کی وفات مبارک ۱۵۳ھ میں ہوئی۔

امام ابوحنیفہؒ کا ایک شخص مقروض تھا۔ جس محلے میں وہ رہتا تھا، وہاں آپ کا ایک شاگرد فوت ہو گیا۔ آپ اس کی نمازِ جنازہ کے لیے تشریف لے گئے۔ تمازتِ آفتاب زوروں پر تھی اور وہاں پر کوئی سایہ نہ تھا۔ صرف اسی ایک شخص کے مکان کی دیوار تھی جو آپ کا مقروض تھا۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ ایک ساعت اس دیوار کے سائے میں آرام فرمایئے۔ آپ نے فرمایا اس صاحب دیوار پر میرا کچھ قرض ہے۔ اس واسطے میرے لیے اس دیوار سے فائدہ حاصل کرنا روا نہیں۔ اگر میں اس سے کچھ منفعت حاصل کروں تو وہ ربٰو یعنی سُود میں شمار ہو گا۔

نقل ہے کہ محمد بن حسنؒ نہایت صاحبِ جمال تھے۔ جب امام ابوحنیفہؒ نے اس کو دیکھا تو پھر اس کے بعد کبھی نہ دیکھا۔ جب آپ اس کو درس دیتے تو دیوار کے پیچھے بٹھاتے کہ کہیں اس پر نظر نہ پڑ جائے۔ فرمایا کہ عورت کے پاس ایک شیطان ہوتا ہے۔ لیکن بے ریش مرد کے ساتھ اٹھارہ شیطان ہوتے ہیں جو اسے لوگوں کی نظروں میں آرائش دیتے رہتے ہیں۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بیس سال امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر رہا اور اس مدت میں میں نے خیال رکھا کہ آپ کبھی خلاؤ ملا میں سر برہنہ ہو کر نہ بیٹھے اور نہ کبھی استراحت کے لیے پاؤں دراز کیے میں نے آپ سے عرض کیا "اے امامِ دین! اگر خلوت میں پاؤں دراز کریں تو کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا "خلوت میں حق تعالیٰ کے ساتھ مؤدب رہنا نہایت اچھا ہے۔"

ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ حمام کو تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے ایک شخص ننگا دیکھا۔ بعض لوگوں نے اس کو فاسق کہا۔ بعض نے کہا ملحد ہے۔ آپ نے یہ دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اسی مرد نے کہا "اے امام! آپ کی آنکھوں کی بینائی کب سے جاتی رہی"؟ آپ نے فرمایا "جس وقت سے تمہاری حیا جاتی رہی۔

ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ کہیں جا رہے تھے۔ راہ میں ایک لڑکے کو کیچڑ میں چلتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے فرمایا اے لڑکے ذرا ہوش سے چل، کہیں پھسل نہ جائے۔ لڑکے نے جواب دیا، اگر میں گروں گا تو تنہا گروں گا۔ لیکن آپ ہوش کریں کہ آپ کا پاؤں پھسل گیا تو تمام مسلمان بھی پھسل جائیں گے جو آپ کی متابعت کرتے ہیں اور پھر سب کا اُٹھنا دشوار ہو گا۔ موت العالِم موت العالَم۔ آپ کو اس لڑکے کی عقلمندی پر تعجب ہوا اور آپ رو پڑے اور اپنے مریدوں سے فرمایا "اگر تم کو کسی مسئلہ پر شبہ ہو اور کوئی روشن دلیل موجود نہ ہو تو اس میں میری متابعت نہ کرو۔ اور میری تقلید کی وجہ سے اپنی تحقیق سے باز نہ رہنا۔" یہ شان کمالِ انصاف ہے۔ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے بہت سے مسائل میں باوجود شاگرد ہونے کے آپ سے اختلاف کیا ہے۔

حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں "ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو گویا ملائم پتے ہیں اور کانٹا نہ تھا۔ اب سب کانٹے ہو گئے ہیں پتا کوئی نہیں رہا"۔

حضرت ابو حنیفہؒ بازار میں جا رہے تھے۔ ایک ناخن بھر مٹی آپ کے جامے پر آ پڑی۔ آپ اسی وقت دجلہ کے کنارے پر گئے اور جامہ کو دھو ڈالا۔ لوگوں نے کہا "اے امام! آپ نے نجاست کی ایک معین مقدار کو جائز رکھا ہے۔ پھر اس قدر مٹی کو آپ کیوں دھوتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا "ہاں، وہ فتویٰ ہے اور یہ تقویٰ ہے۔

حضرت داؤد طائیؒ نے بیس دینار میراث میں پائے تھے۔ اُن کو آپ بیس سال تک کھاتے رہے۔ آپ نے فرمایا میں اس پر اس لیے نگاہ رکھتا ہوں کہ یہ میری فراغت کا سبب ہے۔ تاکہ مرنے تک اس سے سامان کروں۔ آپ روٹی کو چبا کر نہ کھاتے تھے بلکہ پانی میں گھول کر پی لیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ روٹی چبا کر کھانے میں جس قدر وقت صرف ہوتا ہے۔ اتنی دیر میں قرآن شریف کی پچاس آیتیں پڑھ سکتا ہوں۔ کیا ضرورت ہے کہ وقت کو ضائع کروں۔

ایک شخص آپ (داؤد طائیؒ) کی خدمت میں گیا۔ اس نے دیکھا کہ پانی کا ایک کوزہ دھوپ میں رکھا ہوا ہے اس نے کہا "اسے سائے میں کیوں نہیں رکھتے"۔ آپ نے فرمایا "جب میں نے اس جگہ رکھا تھا تو اس وقت سایہ تھا۔ اب مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ نفس کی خاطر تنعم کروں"۔

ایک شخص نے حضرت ابراہیم ادھمؒ کی عبادت دیکھ کر خواہش کی کہ میں ویسا ہو جاؤں۔ یہ خبر ابراہیم ادھمؒ کو بھی مل گئی۔ آپ نے فرمایا "اے فلاں! تیری وہ گھبراہٹ جو بوجہ عیال کے تجھے پہنچتی ہے میری تمام مقبول عبادت سے بڑھ کر ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشعؑ کی طرف وحی فرمائی کہ میں تیری قوم سے چالیس ہزار نیک آدمی ہلاک کر دوں گا۔ اور ساٹھ ہزار بدمعاش"۔ حضرت یوشعؑ نے عرض کی "بدمعاش تو ہلاک ہوئے مگر نیکوں کا کیا قصور"؟ جواب ملا کہ وہ میری ناراضگی کے موقع پر ناراض نہیں ہوتے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔

آپ (داؤد طائیؒ) کا مکان بہت بڑا تھا۔ اس کا ایک حصہ خراب ہو گیا۔ آپ دوسرے حصہ میں جا بیٹھے۔ لوگوں نے کہا، مکان کیوں نہیں بنواتے؟ آپ نے فرمایا، میں نے حق تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا ہے کہ دنیا کی عمارت نہ بنواؤں گا۔ دوسرے دن مکان کا وہ حصہ بھی گر گیا اور صرف ایک دہلیز باقی رہ گئی۔ جس رات آپ نے وفات پائی اس رات وہ دہلیز بھی گر پڑی۔ ایک شخص نے کہا "مکان کی چھت ٹوٹی ہوئی ہے اور امروز و فردا گرا چاہتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "بیس سال میں نے اس چھت کی طرف نہیں دیکھا"۔ ؎

حشر تک زیرِ زمیں دو روز بالائے زمین | جز لحد دُنیا میں کچھ تعمیر کی حاجت نہیں
زندگانی ہے علامت مرگ کی اے غافلو! | اور کچھ اس خواب کو تعبیر کی حاجت نہیں

خلیفہ ہارون رشید نے ایک روز امام ابو یوسفؒ سے کہا "مجھے حضرت داؤد طائیؒ کی زیارت کے لیے لے چلو"۔ جب خلیفہ اور امام یوسفؒ دونوں آپ کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ خلیفہ

خلیفہ نے آپ کی والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ ہماری باریابی کی سفارش کیجیے۔ انہوں نے سفارش کی، لیکن آپ نے اپنی والدہ کی سفارش کو بھی قبول نہ فرمایا اور کہا "مجھے ظالموں اور دنیاداروں سے کیا غرض۔ میں ہرگز ظالم کو نہ دیکھوں گا۔" پھر آپ کی والدہ نے کہا کہ "الٰہی! کیا تیرا حکم ہے کہ ماں کے حقوق کو نگاہ میں نہ رکھا جائے؟ اور میری رضامندی اس میں ہے کہ خلیفہ کو اندر آنے دیا جائے۔ ورنہ مجھے بھی ایسے لوگوں سے کچھ غرض نہیں جو اپنی والدہ کی رضا کے طالب نہیں"۔ آپ نے جب اپنی والدہ کے یہ کلمات سُنے تو خلیفہ کو اندر آنے کی اجازت دی۔ خلیفہ کچھ دیر آپ کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ جب واپس جانے لگا تو ایک اشرفی نذر گزاری اور عرض کی "یہ حلال ہے قبول فرمائیے"۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اسے اٹھا لیجیے، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنا مکان حلال روپوں کے عوض میں فروخت کیا ہے۔ اور میں اسی روپے کو خرچ کرتا ہوں اور میں نے حق تعالیٰ سے دُعا کی ہے کہ جس وقت یہ روپے خرچ ہو جائیں تو مجھے بھی موت دے دے۔ تاکہ میں مخلوق کا محتاج نہ ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ حق تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی ہوگی"۔ پھر دونوں واپس ہو گئے۔ امام ابو یوسفؒ نے پوچھا کہ آپ کا نفقہ کس قدر رہ گیا ہے۔ فرمایا دس درہم چاندی کے رہ گئے ہیں۔ اور ایک درہم روزانہ خرچ ہے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ امام یوسف محراب سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا کہ آج داؤد طائیؒ نے وفات پائی ہے۔ جب دریافت کیا گیا تو درست نکلا۔ لوگوں نے پوچھا، آپ نے کس طرح جانا؟ ابو یوسف نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے نفقے کی مقدار سے حساب کیا ہے کہ اب نہیں رہا ہے اور یہ کہ آپ کی دُعا قبول ہوگی۔

حضرت داؤد طائی حالتِ علالت میں دہلیز میں سوتے ہوتے تھے۔ گرمی نہایت تھی اور آپ نے ایک اینٹ سرہانے رکھی ہوئی تھی۔ آپ اس وقت قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ ایک بزرگ نے آپ سے درخواست کی کہ میں آپ کو کسی اور اچھی جگہ لے چلوں۔ آپ نے فرمایا "مجھے شرم ہوتی ہے کہ نفس کے لیے درخواست کروں میں آج تک نفس کا مغلوب نہیں ہوا اور اس آخری حالت میں تو بدرجۂ اولیٰ نہ ہونا چاہیے۔ پھر آپ نے اسی رات وفات پائی اور وصیت کی کہ مجھے دیوار کے نیچے دفن کیا جائے تاکہ کوئی میرے سامنے سے نہ گزرے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کی وصیت پر عمل کیا اور آج تک ایسا ہی ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں، دنیا میں سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسجد میں سوال کرنا ہے۔ کیونکہ سائل اللہ کے گھر میں غیر سے مانگتا ہے۔ اور ان کے نہ دینے کے باعث ان پر غضب الٰہی کا موجب ہوتا ہے۔

یزید بن عبدالملک کو مرض الموت میں خبر پہنچی کہ ہشام اس کے مرض پر خوش ہے اور اس کی موت کی آرزو کرتا ہے تو اس نے یہ اشعار پڑھے۔ (ترجمہ) "لوگ میرے مرنے کی آرزو کرتے ہیں۔ اگر میں مر گیا تو تعجب نہیں۔ کیونکہ اس راہ میں میں اکیلا نہیں ہوں۔ جو اس قدیمی قانون کی مخالفت چاہتا ہے، اُسے کہہ دو تو بھی اس جیسے کے لیے تیار ہو جا۔ اس طرح کہ گویا ابھی آئے گی۔"

حضرت امام شافعیؒ کے ہمعصروں نے جب ان کی موت کی خواہش کی تو آپ نے بھی یہی اشعار پڑھے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں خواہ خود اس پر کاربند ہوں یا نہ ہوں؟ آپ نے فرمایا "ہاں امر بالمعروف کرو، خواہ خود اس پر کاربند نہ ہو۔ اور نہی عن المنکر کیا کرو خواہ خود پورے پورے باز نہ رہ سکو۔"

حضرت لقمان فرماتے ہیں "یہ جھوٹ ہے کہ بُرائی بُرائی سے رُکتی ہے بلکہ بُرائی نیکی ہی سے رُکتی ہے۔ جیسے آگ پانی سے۔"

حضرت حاتم اصمؒ نے ایک دن اپنے مریدوں سے کہا کہ ایک مدت سے میں تمہارا رنج کھینچتا ہوں۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ تم میں سے کوئی بھی جیسا کہ چاہیئے شائستہ ہُوا ہے۔ ایک نے کہا "فلاں شاگرد نے اس قدر جہاد کئے ہیں" آپ نے فرمایا "وہ تو غازی ہوگا اور میں تو شائستہ چاہتا ہوں۔" دوسرے نے کہا کہ فلاں شاگرد نے اس قدر مال خدا کی راہ میں دیا ہے۔ آپ نے فرمایا "وہ سخی ہے۔" مریدوں نے کہا کہ فلاں شخص نے اس قدر حج کیے ہیں۔ آپ نے فرمایا "وہ حاجی ہے۔" مریدوں نے کہا کہ فلاں مُرید شب و روز عبادت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا، "وہ عابد ہے مگر مجھے شائستہ درکار ہے۔" مریدوں نے کہا "بھلا آپ ہی فرمایئے کہ آدمی شائستہ کیسے ہوگا"؟ آپ نے فرمایا "شائستہ وہ ہے جو حق تعالیٰ سے ڈرے اور بغیر اس کے کسی پر اُمید نہ رکھے۔

حضرت حاتم اصمؒ اس حد تک کریم تھے کہ ایک عورت آپ کے سامنے آئی اور آپ سے مسئلہ دریافت کیا۔ اس کی ہَوا نکل گئی اور وہ شرمندہ ہوگئی۔ آپ نے فرمایا بلند آواز سے کہو مجھے سنائی نہیں دیتا۔ میرے کان بہرے ہیں۔ آپ کا یہ کہنا اس لیے تھا کہ وہ شرمندہ نہ ہو۔ آپ نے اس مسئلے کا جواب دیا اور عورت کو یہی معلوم ہُوا کہ آپ نے ہوا کی آواز کو نہیں سُنا ہے اور جب تک وہ عورت زندہ رہی، آپ نے اپنے آپ کو بہرہ بنائے رکھا اور اسی سبب سے آپ کو اصم کہتے ہیں۔

ایک شخص آپ (حاتم اصمؒ) کی خدمت میں حاضر ہُوا اور کہا کہ میرے پاس بہت سامال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اور آپ کے مریدوں کو اس میں سے دوں۔ آپ نے فرمایا "میں ڈرتا ہوں کہ جب تو مر جائے گا تو مجھے کہنا پڑے گا کہ اے آسمان کے روزی دینے والے! زمین کی روزی دینے والا مَر گیا۔"

ایک شخص نے حاتم اصمؒ سے کہا کہ فلاں شخص نے بہت سامال جمع کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "کیا اس نے زندگانی بھی اس کے ساتھ جمع کی ہے"؟ لوگوں نے کہا "وہ کیسے"؟ آپ نے فرمایا "مال مُردے کے کس کام آئے گا"؟

جب حاتم اصمؒ بغداد میں تشریف لائے تو لوگوں نے خلیفہ کو خبر دی کہ خراسان کا زاہد آیا ہے۔ خلیفہ نے آپ کو بلایا۔ جب آپ دروازے میں داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا "السلام علیکم اے زاہد"! خلیفہ نے کہا میں زاہد نہیں ہوں۔ کیونکہ تمام ملک میرے زیرِ فرمان ہے۔ زاہد آپ ہیں۔" آپ نے فرمایا "حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ۔ تم نے اس تھوڑی سی شے پر قناعت کر لی ہے۔ لہٰذا زاہد تم ہوئے نہ کہ مَیں۔"

محمد بن سیرینؒ کی ایک خچر دہلیز میں بندھی رہتی تھی۔ جب کسی کو سواری کی ضرورت ہوتی، اس کو کھولتا اور

بلا اجازت سوار ہو کر چلا جاتا۔ کیونکہ لوگ اس پر ان کی رضا جانتے تھے۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ سے کسی نے کہا "آپ نے وہ دانائی جو آپ کے کلام سے ٹپکتی ہے، کیونکر حاصل کی؟ آپ نے فرمایا "قِلَّۃُ الطَّعَامِ یعنی کم کھانا، قِلَّۃُ الْمَنَامِ یعنی کم سونا، قِلَّۃُ الْکَلَامِ یعنی کم بولنا اور دوسرے دن کے لیے کوئی چیز جمع نہ کرنا۔"

حضرت فضیلؒ بن عیاض فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں محمد بن واسعؒ اور یوسف بن اسباطؒ کو جنت کے دروازے پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ اور میں نے غور سے دیکھا کہ کون پہلے جنت میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ یوسف بن اسباطؒ تھے میں نے ایک فرشتے سے پوچھا "وہ پہلے کیوں داخل ہوئے"؟ اس نے کہا "کیونکہ ان کے لیے ایک کرتہ تھا اور ان کے دو۔"

حضرت سفیان ثوریؒ کی مجلس میں فقرا امیروں کی طرح ہوتے۔ ایک دفعہ ایک مفلس آدمی آپ کے پاس آیا اور دور ہٹ کر بیٹھ گیا۔ تو آپ نے فرمایا "اے دوست قریب آجا۔ اگر تو غنی ہوتا تو میں تجھے اپنے پاس نہ بٹھاتا۔"

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ایک عجیب بات "تکبر" اور غرور کے متعلق فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اور تو جتنے گناہ ہیں اُن کی سزا میں تو دیر ہو جاتی ہے مگر "تکبر" ایسا گناہ ہے کہ متکبر کو فوراً سزا مل جاتی ہے، کیونکہ متکبر فوراً مخلوق کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ یہ سخت ترین سزا ہے۔ اس لیے تکبر سے بچنے کی سخت ضرورت ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی ایک روز اس مضمون پر وعظ فرما رہے تھے کہ انسان کے لیے تکلیف بھی نعمتِ خداوندی ہے۔ دورانِ وعظ میں ایک شخص پھوڑے کی تکلیف سے زار و قطار روتا ہوا مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اس تکلیف سے مرا جاتا ہوں۔ میرے لیے دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ آرام بخشے۔ آپ نے دعا فرمائی کہ "اے اللہ تُو نے اس کو بہت بڑی نعمت سے نوازا۔ مگر اس نعمتِ خداوندی کو یہ اٹھا نہیں سکتا۔ اس لیے اس نعمتِ تکلیف کو نعمتِ صحت سے بدل دے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آئی "اگر دنیا کو اپنی طرف دیکھے تو یقین کر لے کہ تجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے۔ جس کی سزا جلد مل گئی ہے۔"

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں "تین آدمی جنت میں فی الفور داخل ہوں گے۔ اوّل وہ شخص جو اپنے کپڑے دھونا چاہے تو اُسے کوئی پرانا کپڑا نہ ملے، جس کو پہن کر دھوئے۔ دوم وہ شخص جس نے اپنے چولہے پر دو ہانڈیاں نہ چڑھائی ہوں۔ تیسرے وہ جو اپنے بال بچوں کو اُن کی خوشی کے لیے کسی چیز کے خریدنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتا ہو۔"

کسی نے حضرت سفیان ثوریؒ سے سوال کیا کہ کیا وہ شخص بھی امر بالمعروف کرے، جسے یقین ہو کہ اس کی بات مقبول نہ ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا "ہاں تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ معذور ہو جائے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں اللہ کے نزدیک بڑا گناہ یہ ہے کہ ایک شخص بطور نصیحت دوسرے کو کہے "تو اللہ سے ڈر" اور وہ اس کا جواب دے "تو اپنے آپ کو سنبھال۔"

حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ متکبر کو دنیا سے نہیں نکالتا یہاں تک کہ ادنیٰ خدمتگار اور ہمسایوں سے اس کو ذلت نہ دکھائے اور اپنے پاخانے پیشاب میں ٹوٹتا نہ پھرے۔"

حضرت جعفر بن محمدؒ فرماتے ہیں "بُرا دوست وہ ہے جس کا دوست اسی کی غیر حاضری میں اتنی جرأت نہ کر سکے کہ روپوں کی تھیلی کھول کر اپنی حاجت کے مقدار بلا اجازت لے لے۔

حضرت سعدیؒ اپنے باپ کے ہمراہ سفر میں تھے۔ دوران سفر میں ایک رات اپنے باپ کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے۔ تہجد کے وقت آپ نے نماز پڑھی، جب کہ دوسرے اہلِ قافلہ سو رہے تھے۔ بعد ادائے نماز آپ نے باپ سے کہا کہ یہ لوگ کیسے بے خبر سو رہے ہیں۔ کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اُٹھ کر دو رکعت نماز پڑھ لے۔ باپ نے کہا "جانِ پدر! اگر تم بھی سو رہتے تو اس سے بہتر تھا، بجائے اس کے لوگوں کی غیبت کر رہے ہو۔"

حضرت حمدون قصارؒ کا تقویٰ اس قدر تھا کہ آپ ایک رات ایک دوست کے سرہانے بیٹھے تھے اور دوست نزع کی حالت میں تھا۔ جب آپ کا دوست وفات پا چکا تو آپ نے چراغ بُجھا دیا۔ لوگوں نے کہا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا "اس وقت تک تو ہمارے دوست کا مال تھا، لیکن اب یتیموں کا مال ہے۔ ہمیں تیل جلانا نہ چاہیئے۔

حضرت جُنید بغدادیؒ فرماتے کہ میں نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا ہے۔ جب میں مکہ معظمہ میں تھا، ایک حجام ایک خواجہ کی حجامت بنا رہا تھا۔ میں نے کہا "کیا میرے بال بھی خدا کے لیے کاٹ دو گے؟" اُس نے کہا "ہاں"۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ ابھی تک اس خواجہ کی حجامت پوری نہ بنی تھی کہ حجام نے کہا "آپ اب اُٹھ جائیے کیونکہ جب خدا کا نام درمیان میں آگیا، میں نے سب کچھ پالیا۔" پھر مجھ کو بٹھایا۔ میرے سر کو بوسہ دیا اور میرے بال مُونڈ دیئے۔ اس کے بعد مجھے ایک کاغذ دیا اس میں ریزگاری تھی۔ مجھ سے کہا "اسے اپنی ضرورت پر خرچ کرنا۔" میں نے جب اُس کی یہ حالت دیکھی تو نیت کی کہ اول جو کشائش مجھے نصیب ہوگی، میں اس کے ساتھ مروّت کروں گا۔ ابھی بہت دن نہ گزرے تھے کہ لوگوں نے مجھے بصرہ سے ایک اشرفیوں کی تھیلی بھیج دی۔ میں اُسے لے کر اسی حجام کے پاس گیا۔ جب میں نے وہ تھیلی اُس کو دی تو اس نے کہا "یہ کیا ہے"؟ میں نے کہا "میری نیت یہ تھی کہ جو کشائش اول ہوگی وہ میں تمہیں دوں گا۔" اس نے کہا "تجھے خدا سے شرم نہیں آتی؟ تو نے مجھے کہا تھا کہ خدا کے لیے میری حجامت بنادے، اور اب یہ کیا لے کر آیا ہے؟ کیا یہ اس کا عوض ہے؟ بھلا تو نے کہیں یہ دیکھا ہے کہ کوئی شخص خدا کے لیے کام کرے اور اس کا عوضانہ طلب کرے"؟

حضرت جنیدؒ کی صحبت نہایت خاموش اور ادب کی صحبت تھی۔ اور جس شخص کو تھوڑی سی بھی یہ نعمت صحبت ہوئی۔ اس نے ہمیشہ فخر کیا ہے۔ حضرت رویمؒ کا ایک واقعہ ہے کہ خلیفۂ بغداد نے ایک دفعہ انہیں بے ادب کہا آپ نے جواب دیا کہ مجھے آدھا روز حضرت جنیدؒ کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔ پس میں کیونکر بے ادب ہو سکتا ہوں۔"

حضرت ابو جعفر حداد فرماتے ہیں "اگر عقل کسی انسان کی شکل میں متشکل ہوتی تو وہ حضرت جنیدؒ کی صورت ہوتی" مثالِ ذیل سے آپ کی فراستِ بزرگانہ کا اندازہ لگ سکتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے پاس ہزار دینار لایا اور حضرت کے سامنے رکھ کر کہنے لگا کہ ان کو اپنے لوگوں میں تقسیم کر دیجیے۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس ان کے سوا اور دینار بھی ہیں؟ اس نے کہا "ہاں"۔ آپ نے پھر پوچھا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے ان میں اضافہ بھی چاہتے ہو؟ اس نے کہا "ہاں"۔ آپ نے فرمایا ان دیناروں کو تم ہی لے جاؤ کیونکہ ہم سے زیادہ تم کو ان کی احتیاج ہے۔

ایک شخص نے لوگوں کی دعوت کی۔ اس کا بیٹا اپنے باپ کو اطلاع کیے بغیر حضرت جنیدؒ کو دعوت کہہ آیا آپ اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ باپ نے روک دیا۔ آپ واپس ہو گئے۔ لڑکا پھر بلا لایا۔ آپ پھر آ گئے۔ باپ نے پھر روک دیا۔ آپ پھر واپس ہو گئے۔ اسی طرح چار بار ہوا۔ آپ ہر بار لڑکے کی خوشی کے لیے ساتھ جاتے اور باپ کی خوشی کے لیے واپس ہو جاتے اور ہر دو امور من جانب اللہ خیال کرتے اور آپ اس سے عبرت حاصل کرتے۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ نے شاہی چھوڑ کر فقیری اختیار کی اور ہمیشہ کسبِ حلال سے روزی کمائی۔ ایک دن امام اوزاعیؒ نے آپ کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ پوچھا کب تک آپ کا یہ کسب ہوا کرے گا آپ کے مسلمان بھائی آپ کے اس رنج کو خوشی رفع کر سکتے ہیں۔" فرمایا "چپ رہ۔ حدیث شریف ہے کہ جو کوئی طلب حلال کے لیے ذلیل جگہ کھڑا ہوگا، اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔"

بہلول رحمۃ اللہ علیہ قبرستان میں رہتے تھے۔ ایک دن حضرت سری سقطیؒ نے کہا۔ آپ شہر میں کیوں نہیں قیام فرماتے؟ جواب دیا "میں ایسے لوگوں کے پاس رہتا ہوں کہ اگر ان کے پاس بیٹھتا ہوں تو مجھے تکلیف نہیں پہنچاتے اور اگر ان سے غائب ہوتا ہوں تو غیبت نہیں کرتے۔"

حضرت بشر حافیؒ اپنے زمانہ لہو و لعب میں ایک دفعہ اپنے دوستوں کے ساتھ مشغولِ عیش و طرب تھے۔ ایک مردِ صالح دروازے پر تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ لونڈی باہر آئی۔ دریافت کیا کہ اس مکان کا مالک آزاد ہے یا غلام؟ لونڈی نے جواب دیا "آزاد"۔ فرمایا تو نے سچ کہا۔ اگر غلام ہوتا تو بندہ ہونے کے آداب نہ چھوڑتا اور لہو و لعب و عیش و طرب میں مشغول نہ ہوتا۔ آپ نے یہ بات سن لی اور سچی توبہ اختیار کر لی۔

عتبہ نباتیؒ کا گزر ایک راہب پر ہوا جس کے دائیں ہاتھ میں سفید اور بائیں ہاتھ میں سیاہ کنکریاں تھیں۔ دریافت کیا، ان کو کیا کرتا ہے؟ جواب دیا، جب میں کوئی نیکی کرتا ہوں تو ایک سفید کنکری سیاہ کنکریوں میں ڈال دیتا ہوں۔ اور جب گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو ایک سیاہ کنکری سفید کنکریوں میں ڈال دیتا ہوں۔ اور رات کو ان میں نظر کرتا ہوں۔ اگر نیکیاں گناہوں پر بڑھ جاتی ہیں تو روزہ افطار کر لیتا ہوں۔ اور عبادت کے لیے کھڑا ہو جاتا ہوں اور اگر گناہ نیکیوں پر بڑھ جاتے ہیں تو نہ کچھ کھاتا ہوں نہ پیتا ہوں۔ یہ میرا حال ہے۔ والسلام علیک۔"

ربیع بن خثیمؒ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھودی ہوئی تھی۔ ہر روز کئی بار اس میں لیٹتے اور فرماتے کہ اگر ایک

ساعت میں موت کو بھلا دوں تو میرا دل سیاہ ہو جائے۔
شیخ ابو الحسن مغربیؒ اور آپ کے بھائی کے پاس فقط ایک عمامہ وقمیض تھی۔ ایک باہر جاتا تو دوسرا برہنہ گھر میں بیٹھا رہتا۔
ایک شخص نے غلام خریدا۔ وہ غلام نہایت دیندار تھا۔ آقا نے دریافت کیا "اے غلام تو کیا چیز کھانا چاہتا ہے"؟ کہا "جو آپ کھلائیں"۔ پھر پوچھا "کیا پہننا چاہتا ہے"؟ کہا "جو آپ پہنائیں"۔ پھر پوچھا "کہاں قیام کرنا چاہتا ہے"؟ کہا "جہاں حضور بٹھائیں"۔ پھر پوچھا "کیا کام کرنا چاہتا ہے"؟ کہا "جو آپ کہیں"۔ آقا صاحبدل شخص تھا، رو پڑا۔ اور کہنے لگا "جو حالت تیری میرے ساتھ ہے، کاش میری حالت اپنے رب کے ساتھ ہوتی، تو کس قدر مبارک ہوتا"۔ غلام نے کہا "وہ غلام نہیں جو اپنا اختیار آقا کے سامنے باقی رکھے"۔ پس آقا نے کہا "میں نے تجھے آزاد کیا۔ جہاں چاہے چلا جا۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تو میرے پاس ہی میرا مخدوم بن کر رہے اور میں تیری خدمت کروں"۔
حضرت سعد بن کدامؒ فرماتے ہیں "آج کل ہم یہ پروا نہیں کرتے کہ یہ حلال ہے"۔ لیکن نہر سے چلو پانی پینے پہ اعتراض کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حلال کمائی ایک پہاڑ کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے"۔
کسی نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا "حضرت علقمہؓ صحابی افضل ہیں یا حضرت اسودؓ"؟ کہا "خدا کی قسم ہم تو اس لائق بھی نہیں کہ ان کا ذکر کریں۔ پھر ان میں تفاضل کس طرح کر سکتے ہیں"۔
امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں "میں پچاس برس لوگوں میں بیٹھا۔ میں نے ایک شخص بھی ایسا نہ پایا جو بعد قطع کے مجھ سے وصل کرتا اور میرا گناہ بخشتا یا میرا عیب چھپاتا، یا غصہ کے وقت میں اس سے امن میں ہوتا۔
حضرت امام حسنؓ کا لنگر خانہ ہر خاص وعام کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا اور اس میں نہایت نفیس ولذیذ کھانے پکائے جاتے تھے جس کی وجہ سے لنگر کا خرچ بہت بڑھ گیا تھا ان اخراجات کثیر کو دیکھ کر کسی نے آپ سے کہا لَا خَیْرَ فِی الْاِسْرَافِ یعنی فضول خرچی میں کوئی نیکی نہیں ہے"۔ آپ نے فی البدیہہ جواب میں فرمایا "لَا اِسْرَافَ فِی الْخَیْرِ یعنی نیکی میں کوئی فضول خرچی نہیں ہے"۔
سلطان ملک ناصر الدینؒ قرآن شریف لکھ کر فروخت کیا کرتے اور اسی آمدنی پر بمشکل تمام گزارہ کرتے تھے۔ شاہی خزانہ سے کبھی ایک پیسہ تک زندگی بھر نہ لیا۔ ایک دفعہ ایک قرآن شریف نہایت اہتمام اور بڑی محنت سے لکھا۔ امرائے دربار نے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ آپ نے دکھایا۔ سب نے بہت تعریف کی۔ ایک اہلکار نے کہا کہ اس لفظ پر فتح یعنی زبر ہونا چاہیے۔ سلطان نے کہا "نہیں، اسی طرح درست ہے"۔ اس نے اصرار کیا۔ آپ نے قلم سرمہ سے اس پر نشان لگا دیا اور کہا کہ اس کو درست کروں گا۔ سب لوگ رخصت ہو گئے اور فقط ایک معتمد باقی رہ گیا۔ سلطان نے اس نشان کو مٹا دیا۔ معتمد نے کہا کہ اگر اس کو مٹانا ہی تھا تو اس وقت نشان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سلطان نے فرمایا "مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اہلکار غلط کہہ رہا ہے اور دوسرا قرآن شریف لا کر میں اس کی غلطی کو ثابت بھی کر سکتا تھا لیکن میں نے اس کی شرمندگی اور دل شکنی کو گوارا نہ کرتے ہوئے نشان لگا کر اس کی حوصلہ افزائی کر دی۔ اس سے میرا کچھ حرج نہ ہوا، لیکن وہ شرمندگی سے محفوظ رہا"۔

حضرت وہب بن منبہؒ اپنے شاگردوں کو فرمایا کرتے "کہ ہم اس گناہ سے توبہ کریں جس سے توبہ کرنا لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔" دریافت کیا جاتا "وہ کیا ہے"؟ فرماتے "دنیا کی محبت۔ عنقریب لوگ دنیا کو اچھا جانیں گے یہاں تک کہ اس کی اور اہل دنیا کی پرستش کریں گے۔"

شاہ اسمٰعیل سامانی اپنی رعایا پروری اور رحمدلی کے باعث نہایت نیک نام گزرا ہے۔ ایک دفعہ کسی کسان نے ایک ککڑی شاہ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کی۔ سلطان نے اس کو چکھا اور نہایت تکریم کے ساتھ اپنے پاس رکھ لی اور بعد اظہار شکرگزاری کسان کو مناسب انعام دے کر عزت سے رخصت کیا۔ ندیموں نے پوچھا "پہلے آپ ہر ایک تحفہ کو حاضرین میں تبرکاً تقسیم فرمادیا کرتے تھے، اس ککڑی کو کیوں تقسیم نہ کیا؟ شاہ نے کہا "میں نے ککڑی کو چکھا تو وہ کڑوی نکلی۔ اگر آپ لوگوں میں تقسیم کردیتا تو ہر ایک اس کو چکھ کر تھوک دیتا اور کسان اس تحفہ کے کڑوا ہونے سے شرمندہ ہوتا۔ لہٰذا میں نے اس کے تقسیم نہ کرنے ہی میں مصلحت سمجھی تاکہ کسان کی دل شکنی نہ ہو۔"

حدیث شریف میں آیا ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ان میں مروت اور دیگر اخلاقِ حمیدہ بہت کم رہ جائیں گے اور مرد مردوں کے باعث اور عورتیں عورتوں کے باعث ایک دوسروں سے مستغنی ہوں گے۔

حضرت منصورؒ نے تختہ دار پر چڑھ کر اپنے معتقدین سے کہا کہ تمہیں ایک ثواب ہے اور مخالفوں کو دو۔ کیونکہ تمہیں حسن ظن ہے جو کہ فرع ہے، اُن کو توحید کی قوت اور شریعت کی ہیبت مطلوب ہے اور یہ اصل ہے۔ حضرت عبد الجلیلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت منصورؒ کی نسبت مجھے سزا دینے والوں پر زیادہ اعتقاد ہے، جو شریعت کا لحاظ رکھنے میں سست نہ ہوئے۔

حضرت امام احمدؒ کو معتزلیوں نے بڑھاپے میں اس قدر شدید اذیتیں دیں، جن سے آپ نزع کی حالت کو پہنچ گئے۔ اس وقت کسی نے پوچھا کہ ان ظالموں کی بابت آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا "وہ اپنے کو حق پر سمجھتے ہیں اور مجھے باطل پر۔ اپنے زعم میں انہوں نے مجھے خدا کے لیے مارا ہے۔ اس لیے میں ان کے ساتھ دشمنی نہیں رکھتا۔"

ایک زاہد نے حلوہ کھانا ترک کر رکھا تھا، صرف اس خیال سے کہ مجھ سے اس نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ خواجہ حسن بصری نے سن کر کہا "وہ شخص احمق ہے۔ کیا وہ سرد پانی کا شکر ادا کر سکتا ہے"؟

حضرت محمد بن کعبؒ لنگڑے تھے۔ فرمایا کرتے "اے لنگڑے! میں تجھے دیکھتا ہوں کہ جب قیامت کے دن ہر خطاوار کے گروہ کو جُدا جُدا ندا دی جائے گی کہ کھڑے ہو جاؤ فلاں گناہ کرنے والو! اس وقت تجھ کو ہر خطاوار گروہ کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا اور تیرا کوئی عُذرِ لنگ قابل قبول نہ ہوگا۔

حضرت مسعر بن کدامؒ سے اگر کوئی کہتا کہ میرے لیے دعا کرو تو فرماتے دعا تو خود کر، میں آمین کہوں گا۔ کیونکہ دُعا حاجتمند ہی کو کرنی چاہیئے۔

مرزا مظہر جانِ جاناں دہلویؒ تمام عمر کرایہ کے مکان میں رہے۔ ایک دفعہ کسی نے کہا "آپ اپنا گھر کیوں نہیں بنا لیتے"؟ فرمایا "چھوڑ جانے کو اپنا گھر اور غیر کا گھر دونوں برابر ہیں۔"

امام زین العابدینؒ کی شان میں کسی نے کلماتِ بے ادبی کہے۔ آپ نے فرمایا "اگر میں ایسا ہی ہوں جیسا تو کہتا ہے، تو میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ اور اگر ایسا نہیں ہوں جیسا تُو نے کہا تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ تیری مغفرت فرمائے۔"

ایک شاعر کسی درویش کی خدمت میں گیا۔ ایک مُرید نے حسبِ ہدایت درویش اس کو روکا۔ آخر کار ملاقات کی اجازت مل گئی۔ شاعر نے پہنچتے ہی یہ مصرع چست کیا۔ ع

در درویش را درباں نباید

درویش نے فی البدیہ جواب دیا ع

بباید تا سگِ دُنیا نیاید

حضرت جُنیدؒ ایک روز مسجد میں تھے۔ ایک شخص آیا اور کہا کہ حضرت آپ کا وعظ شہر ہی میں کام کرتا ہے یا جنگل میں بھی کچھ تاثیر بخشتا ہے۔ آپ نے حال پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ چند اشخاص فلاں مقام پر جنگل کے اندر مصروفِ رقص وسرود اور دورِ شراب سے مخمور ہیں۔ آپ نے اسی وقت منہ لپیٹ کر جنگل کی راہ لی۔ جب آپ قریب پہنچے تو وہ لوگ بھاگنے لگے۔ فرمایا "بھاگو مت۔ میں بھی تمہارا ہم مشرب ہوں، ہمارے لیے بھی لاؤ۔ شہر میں تو پی نہیں سکتے۔ پوشیدہ طور پر یہاں آئے ہیں۔" اُن لوگوں نے کہا "افسوس ہے کہ اس وقت شراب نہیں رہی۔ فرمائیں تو شہر سے منگوا دی جائے۔"

حضرت جنیدؒ نے فرمایا "کیا تمہیں کوئی ایسی بات نہیں آتی کہ شراب خود بخود آجایا کرے۔" وہ بولے "صاحب یہ کمال تو ہم میں نہیں"۔ فرمایا کہ آؤ تم کو ایک ایسی بات سکھا دوں کہ شراب خود بخود آجائے۔ پھر شراب کا مزا دیکھو۔ وہ سب مشتاق ہوئے کہ یہ کمال تو ضرور بتا دیجئے۔ کہا کہ اچھا اوّل نہاؤ، پھر کپڑے بدل کر میرے پاس آؤ۔ سب نے غسل کیا، کپڑے دھوئے اور پاک وصاف ہو کر آموجود ہوئے۔ تب فرمایا کہ سب دو رکعت نماز پڑھو۔ جب وہ نماز میں مشغول ہوئے تو آپ نے دُعا مانگی کہ خدایا! میرا تو اتنا ہی کام تھا کہ تیرے حضور کھڑا کر دیا۔ اب تجھے اختیار ہے، خواہ اُن کو گمراہ کر، خواہ ہدایت بخش۔ چنانچہ حضرت کی دُعا منظور ہوئی اور وہ سب ہدایت کامل سے مستفیض ہوئے۔

امام الشہداء حضرت حسینؓ کا دستور العمل تھا کہ آپ اکثر اپنے ہاتھ سے سودا خرید کر بازار سے لایا کرتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ ترازو کے دونوں پلڑوں میں ہر چیز کو وزن کرا لیتے تھے۔ ایک دن ایک سبزی فروش عورت سے سبزی خرید کر دونوں پلڑوں میں وزن کرایا۔ سبزی فروش عورت نے بطور اعتراض عرض کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں فرمایا "تیرا حق میری جانب اور میرا حق تیری جانب نہ آجائے۔" میں تجھ کو بھی پاک کرتا ہوں اور خود بھی پاک ہوتا ہوں۔ کیونکہ دوسرے کا حق عالمِ بقا میں بڑی خرابی پیدا کرتا ہے۔" وہ عورت قدم بوس ہوئی اور آئندہ احتیاط رکھنے لگی

حضرت سلمان فارسیؓ کسی شہر کے حاکم تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ نت کمبل پہنے رہتے۔ گھر کا سودا سلف اپنے ہاتھ سے لاتے۔ کسی امیر نے ایک بوری آٹے کی خریدی اور اس انتظار میں تھا کہ کسی کو بیگار میں پکڑے۔ سلمانؓ کو جاتے

دیکھ کر بیگار میں پکڑ لیا اور نہ پہچانا کہ یہ حاکم شہر ہے۔ بوری اُن کے سر پر رکھی اور لے چلا۔ ایک شخص نے راہ میں دیکھ کر کہا "اے امیر و حاکم شہر! یہ بوجھ کہاں لے جاتے ہیں"؟ وہ یہ کلام سنتے ہی قدموں پر گر پڑا اور عذر کرنے لگا کہ بندے سے یہ نادانستہ حرکت ہوئی۔ معاف کیجئے اور یہ بوجھ سر سے اتار ڈالیے۔ آپ کے قدم کی خاک جو سُرمہ کروں تو بجا ہے۔ سلمان نے کہا "کیا میں نے یہ قبول نہیں کیا ہے کہ یہ گٹھڑی تیرے گھر تک پہنچا دوں"؟ آخر نہ اتاری اور اس کے گھر پہنچا کر کہا "میں نے تو تیرا کام کر دیا۔ اب تُو بھی مجھ سے عہد کر کہ پھر کسی کو بیگار میں نہ پکڑے گا اور اتنا لے جو اُٹھا سکے اور کسی سے بے مروّت نہ ہونا پڑے گا۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی خدمت میں ایک طالبِ معرفت بہت دُور دراز کا سفر کر کے حاضر ہُوا۔ دیکھا، تو ملک التجار ہیں۔ نوابوں کے سے کارخانے ہیں۔ امیروں کی سی بارگاہ۔ نوکر چاکر حشم و خدم۔ تزک و احتشام۔ اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ یہاں خدا پرستی کا کیا مذکور ہے۔ لیکن چونکہ دُور سے آیا تھا، چندے قیام کیا۔ دونوں وقت شیخ کی خدمت میں جاتا۔ ایک روز شیخ کے نام کسی گماشتے کی چھٹی آئی کہ فلاں جہاز جس پر لاکھ روپے کا مالِ تجارت مصر کو جاتا تھا، ڈوب گیا۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا "الحمد للہ"۔ پھر چند روز کے بعد اسی گماشتے کی چھٹی آئی کہ وہ جہاز جو مالِ تجارت لے کر ڈوبا تھا نکل آیا اور مال کو بھی کچھ گزند نہیں پہنچا۔ شیخ نے سن کر فرمایا "الحمد للہ"۔ تب تو اس طالب سے رہا نہ گیا۔ اور پوچھا "اگر ارشاد ہو تو ایک شُبہ عرض کروں"۔ فرمایا "کہو"۔ اس نے عرض کیا کہ یا حضرت! یہ مالِ تجارت دو حال سے خالی نہیں۔ مال حلال ہے یا مالِ حرام۔ اگر حلال ہے تو اس کے تلف پر الحمد للہ کہنا کیا معنی؟ اور اگر حرام ہے تو اس کی بازیافت پر شکر کیسا؟ شیخ نے مسکرا کر فرمایا "مال تو حلال و طیّب ہے۔ لیکن شکر نہ تلف پر تھا نہ بازیافت پر۔ جب مجھ کو تلف کی خبر ہوئی تو میں نے اپنے دل کی حالت پر نظر کی کہ دیکھوں اس نقصان نے کیا اثر پیدا کیا۔ غور کیا تو معلوم ہُوا کہ دل پر مطلق اثر نہیں ہُوا۔ پھر بازیافت کے وقت بھی دل کا وہی حال پایا۔ پس میں نے دونوں حالتوں میں اس بات کا شکر کیا کہ الحمد للہ دنیا کا سود و زیاں میری نظر میں ہیچ ہے۔ بے شک دنیا کے تعلقات میں آلودہ رہ کر بے تعلق رہنا مردانِ حق کا کام ہے۔

حضرت عبداللہ درزی رح سے ہمیشہ ایک گبر کپڑے سلواتا اور ہر بار کھوٹا روپیہ سلائی میں دیتا۔ آپ لے لیتے اور کبھی انکار نہ کرتے اور نہ ہی جتاتے۔ ایک دفعہ آپ کی غیر حاضری میں شاگرد نے اس گبر سے کھوٹا روپیہ نہ لیا۔ جب آپ آئے تو شاگرد سے کہا کہ تو نے کھوٹا روپیہ کیوں نہ لیا؟ برسوں گزر گئے، وہ میرے ساتھ اسی طرح کرتا ہے اور میں نے کبھی اس پر ظاہر نہ کیا اور ہمیشہ اس خیال سے کھوٹا روپیہ لیتا رہا کہ اگر میں نے نہ لیا تو کسی اور مسلمان کو فریب دے گا۔

حضرت رباح قیسی رح کی بیوی اوّل شب بعد نمازِ عشا عمدہ کپڑے پہن کر شوہر سے کہتیں "کیا آپ کو میری حاجت ہے"؟ اگر وہ کہتے کہ نہیں تو وہ لباس اتار کر اور دوسرا لباس بدل کر تمام رات قیام میں مشغول رہتیں۔

حضرت ابراہیم ادھم رح اپنا دروازہ باہر کے رُخ سے بند کرتے کہ لوگ دیکھ کر چلے جاتے۔

حضرت ذوالنون رح فرماتے ہیں کہ میں نے جب کبھی سیر شکم ہو کر کھایا تو کوئی گناہ کیا یا گناہ کا ارادہ

شکم را چو پُر کرد انسان زِناں شود بے گماں رغبتش با زناں

حضرت سنائی رح فرماتے ہیں۔ ؎

آدمی را دو بلا کرده رہی داند از ہر دو بلا روزِ بہی
یا کُند پُر شکم خویش زناں یا کُند پُشتِ خود از آبِ تہی

احمد بن ابی الحسین جس کو دیکھتے پہلے سلام کرتے، یہاں تک کہ حیوانات اور کتّے سؤر پر بھی۔ راہ میں کھڑے ہوکر اندھوں کا انتظار کرتے۔ جب کوئی آجاتا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر جہاں اُسے جانا ہوتا پہنچا دیتے۔ ایک دفعہ سؤر کو دیکھ کر کہا "اَنعِم صباحاً" صبح کا جامِ محبت بخشیے، کسی نے کہا "یہ کیا کہتے ہو؟" فرمایا "اچھی بات بولنے کی عادت ڈالتا ہوں"۔

شیخ محمد عُمری کے وقت میں غلّہ سخت گراں ہوگیا۔ جس قدر غلّہ آپ کے ذخیرے میں جمع تھا نکال کر سابقہ ارزاں نرخ پر فروخت کردیا۔ پھر جس طرح اور لوگ جس نرخِ گراں سے خریدتے تھے، آپ بھی خرید کر گزارہ کرتے رہے۔

شہنشاہ ہمایوں ہمیشہ باوضو رہتے تھے۔ اگر کبھی بے وضو حالت میں اپنے ملازم نامی عبداللہ کی کسی کام کے لیے ضرورت پڑتی تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ادب کی وجہ سے صرف عبدل کہہ کر پکارتے۔ ایسے رفیع المرتبت اور وسیع المملکت شہنشاہ کی یہ مثال عام درجہ کے انسانوں کے لیے کس قدر سبق آموز ہے۔

دِلّی کی جامع مسجد کا سنگِ بنیاد رکھے جانے کے موقع پر شاہجہاں بہ نفسِ نفیس تشریف لائے۔ لاکھوں آدمی اس تقریبِ سعید پر بادشاہ کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے جمع ہوگئے۔ بادشاہ نے مجمعِ عام میں منادی کرائی کہ جس شخص کی نمازِ تہجد کبھی قضا نہ ہوئی ہو، وہ مجمع عام سے باہر آئے اور مسجد کا سنگِ بنیاد رکھے۔ لیکن کوئی شخص نہ نکلا۔ آخر خود بادشاہ نے اپنے دستِ مبارک سے سنگِ بنیاد رکھا۔ یعنی آپ کی نمازِ تہجد کبھی قضا نہ ہوئی تھی۔ خداوند کریم جن کو سعادت بخشتا ہے، اُن کو دنیاوی ذمہ داریاں، کثرتِ کار اور حالاتِ گردوپیش کسی حالت میں بھی مانعِ عبادت نہیں ہوتے۔

ایک دفعہ بغداد شریف کے بازار میں آگ لگ گئی۔ دو رومی غلام جو نہایت صاحبِ جمال تھے، آگ میں گر گئے۔ ان غلاموں کا مالک کہتا تھا کہ جو کوئی ان کو آگ سے نکالے گا، میں اُسے دو ہزار دینار مغربی انعام میں دوں گا لیکن کوئی شخص یہ جرأت نہ کرتا تھا۔ ناگاہ محمد عُمری وہاں جانکلے اور آپ نے یہ معاملہ بچشم خود مشاہدہ کیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر آگ میں سے صحیح وسالم دونوں غلاموں کو باہر نکال لائے۔ ان غلاموں کے مالک نے دو ہزار دینار آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے فرمایا کہ ان دیناروں کو اٹھالے اور اس حق تعالیٰ کا شکر ادا کر جس نے ہمیں یہ مرتبہ کسی سے کچھ نہ لینے کے عوض عطا فرمایا، کیونکہ ہم نے دُنیا کو آخرت سے تبدیل کردیا ہے۔

حضرت عثمان الحیری رح ایک نہایت مالدار شخص کے صاحبزادے تھے۔ ایک دن آپ مکتب جارہے تھے۔ چار غلام آپ کے ہمراہ تھے۔ سونے کی دوات تھی سر پر زربفت کی پگڑی اور نہایت قیمتی پیراہن پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے

ایک کارواں سرائے میں ایک گدھا دیکھا جس کی پیٹھ زخمی ہو رہی تھی اور کوّے اس کی پیٹھ کو نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ اور اس میں طاقت نہ تھی کہ ان کو دفع کر سکے کیونکہ اس کا منہ پیٹھ تک نہ پہنچتا تھا۔ آپ کو اس کی حالت پر رحم آیا۔ آپ نے غلاموں سے فرمایا کہ تم میرے ساتھ کس لیے ہو؟ انہوں نے کہا کہ جو خیال آپ کے دل میں گزرے، ہم اس کی تعمیل کریں آپ نے اسی وقت اپنا پیراہن اتار ڈالا اور اس گدھے کی پیٹھ پر ڈالا اور اپنی ریشمی پگڑی بجائے تنگ کے اوپر سے باندھ دی اور چلے گئے۔ گدھے نے آپ کے اس حسنِ سلوک پر حق تعالیٰ کے حضور زبانِ حال سے آپ کے لیے دعا کی آپ ابھی گھر نہ پہنچے تھے کہ آپ پر بیہوشی کی سی حالت طاری ہو گئی۔ حالتِ شوریدگی میں آپ یحییٰ بن معاذ کی مجلس میں گئے۔ ان کی باتوں سے آپ پر تصوّف کی راہ کشادہ ہو گئی اور اپنے ماں باپ سے علیحدہ ہو کر انہی کی خدمت میں رہ کر ریاضت کرتے رہے۔

ایک روز آپ چلے جا رہے تھے کہ کسی نے ایک خاک کا ٹوکرا کوٹھے پر سے آپ کے سر پر ڈال دیا۔ آپ کے مرید غصّے میں آ گئے اور چاہا کہ پھینکنے والے کو بُرا بھلا کہیں۔ آپ نے فرمایا "ہزار ہزار شکر کرنا چاہیے کیونکہ جس کی سزا ہو کہ اس کے سر پر آگ ڈالی جائے مگر صرف خاکستر ہی پر اکتفا کریں"۔

ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ میں زبان سے حق تعالیٰ کا ذکر کرتا ہوں لیکن دل متوجہ نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا "شکر کر کہ ایک عضو تو مطیع ہو گیا۔ اور ایک جزو میں تجھ کو راستہ دے دیا گیا۔ اُمّید ہے کہ ایک دن دِل بھی موافقت کرے گا"۔

جب آپ کا وقتِ وفات قریب آیا اور مرض الموت کی علامت ظاہر ہوئی، آپ کے بیٹے نے کپڑے چاک کر ڈالے۔ آپ نے جب یہ دیکھا تو فرمایا "اے بیٹا! تو سنت کے خلاف عمل کرتا ہے اور یہ نفاق کی علامت ہے۔ جیسا کہ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ برتن میں جو ہوتا ہے وہی ٹپکتا ہے۔

حضرت ابو عبداللہ جلاد فرماتے ہیں "میں نے ایک ترسا زادہ صاحبِ جمال کو دیکھا۔ میں اُسے دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ حضرت جُنید میرے پاس سے گزرے۔ میں نے ان سے کہا "یا استاد! ایسا حسین چہرہ آگ میں جلے گا"۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا "یہ فریبِ نفس ہے اور شیطان کا جال ہے جو تجھ کو اپنی طرف مائل کر رہا ہے اور یاد رکھ کہ نظّارہ شہوت ہے نہ کہ نظّارہ عبرت۔ اگر عبرت سے دیکھتا تو اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ تو ان میں بہت سے عجائبات ملاحظہ کرتا۔ یہ کچھ بھی نہیں، صرف مکر و فریب ہے۔ عنقریب تو اس نزاہت کی سزا میں مبتلا ہو گا"۔ جب حضرت جنیدؒ یہ کہہ کر چلے گئے تو مجھے قرآن مجید بھول گیا۔ اور مدت تک حق تعالیٰ کے حضور میں زاری کرتا رہا۔ تب کہیں جا کر مجھے قرآن شریف یاد آیا۔ اب مدت سے میں کسی شے کی جانب التفات نہیں کرتا۔ کیونکہ کسی شے کی جانب دیکھنا بھی وقت کو ضائع کرنا ہے۔

لوگوں نے آپ سے فقر کے بارے پوچھا۔ آپ چپ ہو گئے۔ باہر گئے اور پھر اندر آئے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا بات تھی۔ آپ نے فرمایا "میرے پاس چار دانگ چاندی تھی۔ میں اسے خیرات کر آیا ہوں۔ کیونکہ مجھے شرم

معلوم ہوتی تھی کہ میرے پاس چار دانگ چاندی ہو اور میں اس حالت میں فقر کا بیان کروں۔"

حضرت یوسف اسباطؒ نے حذیفہ مرعشی کو خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنے دین کو دو حبہ کے عوض فروخت کر ڈالا ہے۔ وہ اس طرح کہ تم بازار میں ایک چیز خریدنے کے لیے گئے۔ اس چیز کے مالک نے تم سے دو دانگ قیمت طلب کی اور تم اس کی تہائی دینے پر رضامند تھے، چونکہ وہ تم کو پہچانتا تھا۔ اس لیے تمہاری نیکوکاری کی وجہ سے وہ بول نہ سکا اور تم کو وہ شے اس نے تھوڑی قیمت ہی پر دے دی۔

حضرت ابن سیرینؒ نے ایک شخص سے پوچھا کہ کیسے ہو؟ تو اس نے جواب دیا "کیا حال ہو سکتا ہے اس شخص کا جو پانچ سو درہم کا قرضدار ہو اور عیال کثیر رکھتا ہو اور ایک پیسہ اس کے ہاتھ میں نہ ہو"۔ یہ بات سن کر ابن سیرین اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور ایک ہزار درہم لا کر اس کے حوالے کیے کہ پانچ سو درہم قرضہ میں دے دو اور پانچ سو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو۔ اس کے بعد آپ نے عہد کیا کہ آئندہ کسی کا حال نہ پوچھوں گا مبادا کوئی ایسی بات ظاہر ہو جائے جس کا علاج میرے قبضۂ قدرت سے خارج ہو۔ تو پھر بلاوجہ احوال پرسی کر کے کیوں منافقوں میں شامل ہوں، کیونکہ دریافتِ حال کے بعد عملی طور پر غمخواری نہ کرنا سخت منافقت ہے۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ کی ابتدائی حالت یہ ہے کہ آپ علاقہ نہاوند کے امیر یعنی حاکم تھے۔ ایک دفعہ دربارِ خلافت سے تمام اُمرا کے نام پروانے جاری ہوئے۔ آپ بھی بحیثیت امیر ہونے کے دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ خلیفہ نے تمام اُمرا کو خلعت عطا کیے۔ اس اثنا میں ایک امیر کو چھینک آگئی۔ اس نے خلعت سے اپنا منہ اور ناک صاف کر لیا۔ لوگوں نے یہ بات خلیفہ سے کہی کہ فلاں شخص نے ایسا کیا ہے۔ خلیفہ نے اس سے خلعت چھین لینے کا حکم دیا۔ اور امارت سے بھی معزول کر دیا۔ جب آپ اس حال سے آگاہ ہوئے تو آپ نے سوچا کہ جو شخص مخلوق کے دیئے ہوئے خلعت کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے، وہ معزول و استخفاف کا مستحق ٹھیرتا ہے اور اس کا خلعت و رتبہ چھین لیا جاتا ہے پس وہ شخص جو بادشاہ عالمین کی بے ادبی کرے، خدا جانے اس کی کیا حالت ہوگی؟ آپ اسی وقت خلیفہ کی خدمت میں واپس آئے اور کہا "یا خلیفہ! تم جو کہ مخلوق ہو، اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ لوگ تمہارے خلعت کے ساتھ بے ادبی کریں معلوم ہے کہ تمہارے خلعت کی قدر و قیمت کیا ہے؟ بادشاہِ عالمین نے مجھے اپنی دوستی و معرفت کا خلعت دیا ہے۔ کیا وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ میں اس کے دیئے ہوئے خلعت کو مخلوق کے خلعت سے ناپاک کروں۔ پس آپ خلعت واپس کر کے باہر آگئے اور حضرت خیر نساج کی مجلس میں حاضر ہو کر توبہ کی۔

ایک دن حضرت جنیدؒ کی خدمت میں چند اصحاب نے حضرت شبلیؒ کی تعریف فرمائی۔ آپ بھی اس جگہ موجود تھے حضرت جنیدؒ نے فرمایا "تم غلط کہتے ہو وہ تو مردود و مخذول ہے"۔ پھر فرمایا "شبلی کو یہاں سے نکال دو"۔ جب آپ باہر نکل گئے تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تم نے جو شبلی کی تعریف کی تھی، اس مدح کی نسبت میرا اس طرح راندہ دینا بدرجہا بہتر ہے۔ تم تو اس مدح سے اس پر تیغ لگاتے تھے۔ اور میں نے سپر کھڑی کر دی تاکہ وہ ہلاک نہ ہو جائے۔

حضرت ابواسحٰق ابراہیم سے ایک درویش نے درخواست کی کہ میں سفر میں آپ کے ہمراہ رہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے

منظور فرمالیا اور کہا کہ ہم دونوں میں ایک امیر ہونا چاہیئے تاکہ تمام کام اچھی طرح سرانجام پائیں۔ درویش نے کہا "پھر آپ ہی حاکم بن جایئے"۔ آپ نے فرمایا "اب تم مطیع بنو" درویش کہتا ہے کہ جب ہم ایک منزل پر پہنچے تو آپ نے مجھے بیٹھنے کو کہا اور خود پانی لائے۔ چونکہ سردی کا موسم تھا اس لیے آپ نے لکڑیاں اکٹھی کیں اور آگ جلائی۔ پھر راہ میں جو کام بھی ہوتا، آپ خود اُسے کرلیتے اور مجھے کرنے کی اجازت نہ دیتے اور فرماتے شرط یہ ہے کہ میں امیر ہوں اور تم مطیع رہو۔ راستہ میں سخت بارش ہوئی تو آپ نے اپنا لبادہ اتار کر مجھ پر ڈال دیا اور تمام رات لبادہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر مجھ پر سایہ کیے رہے تاکہ میں بارش سے محفوظ رہوں۔ میں یہ دیکھ کر نہایت شرمسار ہوا لیکن ازروئے شرط کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے کہا کہ آج میں امیر بنوں گا آپ نے فرمایا "بہتر"۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو آپ نے تمام خدمت اپنے ذمے لے لی۔ میں نے کہا "امیر کے فرمان کے خلاف کیوں عمل کرتے ہیں"؟ آپ نے فرمایا "نافرمانی وہ ہوتی ہے کہ امیر کو اپنی خدمت کے لیے کہا جائے"۔ آپ مکہ معظمہ تک کے طویل سفر میں میرے ساتھ یہی سلوک فرماتے رہے۔ جب اس جگہ پہنچے تو میں آپ کے حسنِ سلوک سے شرمندہ ہو کر بھاگ گیا۔ آپ نے مجھ کو منیٰ میں دیکھا تو فرمایا "بیٹا دوستوں سے اس طرح محبت رکھنی چاہیے جس طرح میں نے تم سے رکھی"۔

حضرت ممشاد دینوری رح اپنی خانقاہ کا دروازہ بند رکھتے۔ جب کوئی مسافر آتا تو اس سے آپ دریافت فرمالیتے کہ مسافر ہے یا مقیم؟ اگر مقیم ہے تو اس خانقاہ میں آجاؤ اور اگر مسافر ہو تو یہ خانقاہ تمہاری جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ جب تم چند روز یہاں رہو گے اور مجھے تم سے اُنس ہو جائے گا اور اس وقت تم جانا چاہو گے تو مجھے اس سے تکلیف ہوگی اور مجھ میں تمہارے فراق کی طاقت نہیں۔ ؎

نہیں بھولتا مجھ کو قولِ عراقی — کہ صحبت نفاقی ہے یا اتفاقی
اگر ہے نفاقی تو جاں کو گھٹائے — وگر اتفاقی تو ہجراں ستائے

حضرت ابوعلی الدقاق رح فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن جنازہ دیکھا جسے تین مرد اور ایک عورت اُٹھائے لیے جارہے تھے۔ جس طرف سے اس عورت نے اُٹھایا ہوا تھا میں نے اُٹھالیا، یہاں تک کہ قبرستان پہنچ گئے اور نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد اس کو دفن کردیا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ہمسائے وغیرہ نہ تھے جو تمہاری مدد کرتے۔ انہوں نے کہا یہ میت مخنث کی ہے۔ اور وہ اس کو حقیر جانتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں "مجھے ان کی حالت دیکھ کر رحم آگیا۔ میں نے کچھ گندم اور چند درہم اُن کو دیئے۔ اسی شب میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا، جس کا چہرہ منور اور نہایت قیمتی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس نے تبسم کیا اور کہا کہ میں وہی مخنث ہوں۔ اس سبب سے کہ لوگ مجھے حقیر جانتے تھے، حق تعالیٰ نے مجھ پر رحمت کی"۔ ؎

اے تُرا با ہر دلے رازے دگر — ہر گدا را بر درت نازے دگر
در ربابِ عشق تارے بیش نیست — ہست ہر جا نغمہ و سازے دگر

حضرت امام حسین رض نے ایک شخص کو غلط طریقہ پر وضو کرتے دیکھا۔ آپ نے اس کو فرمایا کہ میں تمہارے سامنے وضو

کرتا ہوں، اگر کہیں غلطی ہو تو مجھے بتلا دینا۔ اس شخص نے نہایت غور سے آپ کے طریقِ وضو کو دیکھا اور کہا کہ کوئی غلطی نہیں ہے۔ چنانچہ اس خوشگوار طریق اصلاح سے وہ آئندہ ہمیشہ کے لیے صحیح وضو کرنے کے قابل ہو گیا اور دلشکنی و شرمندگی سے بھی محفوظ رہا۔ اسی کا نام تالیفِ قلوب ہے۔

حضرت یحییٰ معاذ رازیؒ کے ایک بھائی تھے جنھوں نے مکہ معظمہ میں مجاوری اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے ایک دفعہ لکھا کہ میرے دل میں تین آرزوئیں تھیں۔ ان میں سے دو تو پوری ہو چکی ہیں اور ایک باقی ہے پہلی آرزو یہ تھی کہ میں اپنی عمر کا آخری حصہ کسی مقدس جگہ پر گزاروں۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ کعبہ مکرمہ میں۔ جو تمام مقامات سے بزرگ تر ہے۔ میں نے اقامت اختیار کی۔ دوسری آرزو یہ تھی کہ میرے پاس ایک خدمتگار ہو جو میری خدمت کرے اور وضو کے لیے پانی تیار کر دیا کرے۔ خداوند کریم نے اپنا فضل کیا اور مجھے ایک سلیقہ شعار و خدمت گزار کنیز مل گئی اب تیسری آرزو یہ ہے کہ مرنے سے پہلے ایک بار آپ کو دیکھ لوں۔"

حضرت یحییٰ معاذؒ نے اس خط کا جواب لکھا۔

"پہلی آرزو کے متعلق یہ ہے کہ تم خود مقدس بننے کی کوشش کرو، اور پھر جہاں چاہو رہو۔ مکین سے مکان کی عزت ہوتی ہے نہ کہ مکان سے مکین کی۔ تمہاری دوسری آرزو کے متعلق یہ ہے کہ اگر تم میں ہمت و جوانمردی ہوتی تو ایک بندۂ خدا کو اپنا خادم نہ بناتے اور اُسے خدا کی خدمت سے باز رکھ کر اپنی خدمت میں مشغول نہ کرتے۔ تم کو دنیا میں خادم بن کر رہنا چاہیے۔ لیکن تم مخدوم بننے کی تمنا کرتے ہو، حالانکہ مخدومی خدا کی صفت ہے اور خادمی بندہ کی صفت ہے۔ بندہ کو بندہ ہی رہنا چاہیے۔ اور خدا کی صفت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔ تمہاری تیسری آرزو کے متعلق یہ ہے کہ تم کو خدا سے وابستگی ہوتی تو تمہیں میرا خیال بھی نہ آتا۔ تم خدا کی یاد میں ایسے مشغول ہو جاؤ کہ بھائی اور تمام ماسوا کو فراموش کر دو۔ پس راہِ خدا میں اولاد کو قربان کر دینا چاہیے۔ وہاں بھائی کیا چیز ہے۔

ابتلائے اہل اللہ: حضرت بایزید بسطامیؒ سات دفعہ شہر بدر کیے گئے۔ حضرت ذوالنونؒ مصر سے قید کر کے بغداد بھیجے گئے۔ حضرت سمنون محبؒ پر تہمتِ زنا لگائی گئی اور گردن مارنے کا حکم دیا گیا۔ ابوسعید خرازؒ پر تہمت لگائی گئی، اور فتویٰ کفر لگایا گیا۔ سہل بن عبداللہ کو بصرہ جلا وطن کیا گیا اور فتویٰ کفر لگایا گیا۔ حضرت منصور حلاج پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ ہزار کوڑے مارے گئے پھر ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی دیا گیا۔ پھر آگ میں جلائے گئے۔ حضرت جنید بغدادیؒ پر فتویٰ کفر لگایا گیا۔ حضرت امام غزالیؒ پر فتویٰ کفر لگایا گیا اور احیاء العلوم جلائی گئی۔ امام ابوالقاسمؒ بن قسیمی، ابن مرجانؒ، خوئیؒ و مرجانی قتل کیے گئے۔ ابراہیم تیمی کو ۹۲ھ میں حجاج نے قید کیا اور وہیں مر گئے۔ پھر مزبلۂ بول و براز پر ڈلوا دیئے گئے۔ امام ابوبکرؒ خابلسی قید کر کے مصر روانہ کیے گئے۔ کفر کا فتویٰ دیا گیا اور کھال کھینچی گئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حجاج نے قتل کرایا اور دروازۂ کعبہ پر سولی دیئے گئے۔ انھوں نے حجاج کی بیعت نہیں کی تھی۔ حضرت حسنؓ کو زہر دیا گیا۔ حضرت حسینؓ کو انتہائی اذیت کے بعد شہید کیا گیا۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی شہید ہوئے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام پیغمبروں کے مجموعۂ مصائب سے زیادہ تکلیف پہنچائی گئی۔ ان کے علاوہ اور

بے شمار واقعات گزر چکے ہیں۔ اور تاریخ ان خونی داستانوں سے پُر ہے۔ ؎

فرعون را نہ دادہ ایم اے دوست دردِ سر — زیرا کہ اُو نداشت سر دردہائے ما
بیگانہ را چہ کار بُود از بلائے غم — آں را رسد کہ خاص بود آشنائے ما

سردارِ جنت حضرت آسیہؓ زوجہ فرعون کو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے کی سزا میں کھولتے ہوئے تیل کی کڑاہی میں ڈال کر جلایا گیا۔ حضرت عمرؓ بن عبداللہؓ کو زہر دیا گیا۔ حضرت امام بخاریؒ ملک بدر کیے گئے۔ پھر کسی جگہ پناہ نہ ملی۔ آخر بے کسی میں بعالم غربت وفات پائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیزؒ کو حجاج نے زہر آلود نیزہ پاؤں پر مار کر قتل کروایا۔

ذرائع کامیابی

دُنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو ہر چیز کے روشن پہلو رکھتے ہیں۔ وہ ہر کام کو اس یقین کے ساتھ شروع کرتے ہیں کہ ہم اس میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ وہ پیش آمدہ مشکلات اور عارضی رکاوٹوں کے ساتھ بہادرانہ جنگ کرتے ہیں اور بالآخر ضرور کامیاب ہو جاتے ہیں۔ قانونِ قدرت ہمیشہ سے اس نتیجہ کی تائید کرتا چلا آیا ہے۔ اور خداوند کریم بھی انہی لوگوں کی مدد فرماتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

دُوسری قسم ان بودے اور کمزور دِل لوگوں پر مشتمل ہے، جو کام شروع کرنے سے پہلے کئی ماہ یہ سوچتے رہتے ہیں کہ کیا ہم اس میں کامیاب ہو جائیں گے؟ تذبذب و تزلزل، دو دِلی اور پس و پیش و کم و بیش کا خیال ان کے دامن گیر رہنا اُن کا طبعی خاصہ ہوتا ہے۔ ناکامی کا خطرہ اُن کے دل سے کبھی نہیں نکلتا۔ خیالی مشکلات کے بھوت ہر وقت ان کے سر پر سوار رہتے ہیں۔ ایک دفعہ کی ناکامی کا تجربہ ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہتا ہے اور بالآخر انہی کمزوریوں کی بدولت ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔ اور قعرِ مذلت میں گرے رہتے ہیں۔ قانونِ قدرت ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتا۔ اور نصرت خداوندی بھی اُن کے شاملِ حال نہیں ہوتی۔

کسی دیہاتی ملازم سے کہا جائے کہ اس میز کو ہر روز صاف کرنا لیکن خیال رکھنا کہ چینی کے گلدان نہ ٹوٹ جائیں۔ تو یقین جانیے کہ گلدان ضرور ٹوٹ جائیں گے۔ کیونکہ آپ کی تنبیہ کی وجہ سے جو وہم اس کے دل میں پیدا ہو گیا ہے، اس کی وجہ گلدان اُٹھاتے وقت ہاتھ کانپنے لگیں گے اور گلدان گر جائیں گے۔

اسی طرح ایک شخص کسی دیوار کی مُنڈیر پر چلتا ہُوا اگر اس خوف میں مبتلا ہو جائے کہ میں گر جاؤں گا، تو ضرور گر جائے گا۔ حالانکہ دیوار پر چلنے کی حالت میں بھی اس کے پاؤں کے نیچے اُتنی ہی زمین تھی جتنی کہ زمین پر چلنے کی حالت میں ہوتی۔

ایک شخص معمولی مرض میں مبتلا تھا لیکن ڈاکٹر نے اُسے ایک مُہلک بیماری کے وہم میں مبتلا کر دیا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ

میری موت یقینی ہے۔ چنانچہ وہ کچھ عرصہ کے بعد مر گیا۔

سوا سو سال کے ایک بوڑھے سے اس کی طوالتِ عمر کا راز دریافت کیا گیا تو اس نے ہنس کر کہا کہ میں نے کبھی اس خیال کو اپنے نزدیک پھٹکنے نہیں دیا کہ میں بوڑھا ہوں۔ میں نے ہمیشہ یہی سمجھا کہ میں جوان ہوں اور جوان ہی رہوں گا۔ چنانچہ واقعی اب تک جوان ہوں۔

یہ سب مثالیں خیالات اور ارادوں کی طاقتِ عظیم کو واضح کرتی ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ جب کوئی کام شروع کیا جائے تو کمزور اور بودے خیالات کو دل سے نکال کر آہنی عزم سنگین، استقلال اور روشن اُمید دل کے ساتھ شروع کیا جائے۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ آپ پوری سرگرمی و انہماک اور دلی توجہ کے ساتھ اپنے کام کو انجام دیں گے اور بفضلہٖ اس میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

وہی لوگ پاتے ہیں عزّت زیادہ　　جو کرتے ہیں دنیا میں محنت زیادہ

امریکہ کے ایک عالی ہمّت اخبار نے وہاں کے بڑے بڑے آدمیوں کی خدمت میں اپنے خاص نمائندے بھیج کر یہ سوال دریافت کیا کہ کاروبار میں کامیابی کے لیے جو شرائط ان کے ذاتی خیال اور تجربہ کے موافق نہایت ضروری ہوں، اُن کو وہ تین مختصر اور جامع الفاظ میں بیان کر دیں۔ چنانچہ اس طریقہ سے جو آرا جمع کی گئیں، ان کا خلاصہ درجِ ذیل ہے۔

۱۔ دیانتداری اور عزم بالجزم۔ (مارک ہاکنز ایل۔ ایل۔ ڈی)

۲۔ کامل یک سوئی یعنی ایک ہی مقصد پر تمام قوتوں کا اجتماع۔ (فرنیکلن کارٹر)

۳۔ صحیح قوّتِ فیصلہ، دنیا اور اہلِ دُنیا کے متعلق مکمل معلومات اور اپنے کاروبار کے ساتھ ذوق شوق (اینڈریو ڈی)

۴۔ راستی، ذہنِ رسا۔ موقع شناسی۔ (چارلس، پریذیڈنٹ ہاورڈ یونیورسٹی)

۵۔ خدائے بزرگ و برتر کی پوری متابعت اور خیالات کی پاکیزگی۔ (جوزف لگ آرچ بشپ)

۶۔ ایمانداری، محنت اور آہنی استقلال۔ (جے۔ ایچ سٹینلے)

۷۔ نیک زندگی، منشیات سے پرہیز، افسروں، ماتحتوں اور خریداروں سے حسنِ سلوک (جوزف میڈل)

۸۔ اَنتھک محنت اور غیر مختتم جوش و خروش۔ (جنرل کلمگ)

۹۔ کام کے ہر پہلو پر پوری توجہ، مؤثر اور وسیع اشتہار، خود کو قابلِ اعتبار ثابت کرنا۔ (جان داہنا)

۱۰۔ ایمانداری اور مسلسل پیش قدمی۔ (تھیوڈور روز ولیٹ پریذیڈنٹ)

۱۱۔ نیک مقصد، خریداروں سے ہمدردی، مکمل تجربہ اور فوری ادائیگی۔ (ولیم نائب صدر امریکہ)

۱۲۔ ہر چھوٹے بڑے کام پر ذاتی توجہ۔ سولہ گھنٹے روزانہ مستعدی، وعدہ کی سچائی۔ (جے اِنز)

۱۳۔ جو شخص زیادہ مصائب برداشت کر سکتا ہے، وہی اہم کام سر انجام دے سکتا ہے۔ (ملٹن)

۱۴- الفاظ کم کام زیادہ۔ (جنرل نیل ڈائر)

۱۵- تمام دنیا سے ایک دن آگے۔ (ہنری فورڈ)

۱۶- محنت، استقلال، دیانت، خیرات اور خدا پر بھروسہ۔ (راک فیلر)

۱۷- تاجر کے پاس اگر ہزار روپیہ ہے تو ایک سو کا راس المال خریدے اور باقی نو سو روپے اشتہارات پر خرچ کرے۔ (السپ)

اشتہار فی زمانہ کامیابی کا سب سے بہترین اور آسان ذریعہ ہے بشرطیکہ مسلسل بہت سی اشاعتوں میں چھپوایا جائے۔ ورنہ ایک دو مرتبہ اشتہار چھپوانا بھی نقصان دہ ہے۔ ناظرین اخبار کسی چیز کے پہلے اشتہار پر نگاہ بھی نہیں ڈالتے۔ دوسری مرتبہ اُسے دیکھتے ہیں، تیسری مرتبہ پڑھتے ہیں، چوتھی اشاعت پر وہ اس اشتہار کا بیوی سے تذکرہ کرتے ہیں۔ پانچویں چھٹی یا اس سے زیادہ مرتبہ کی اشاعت انہیں خریدنے پر آمادہ کرتی ہے۔ آٹھویں دسویں مرتبہ کی اشاعت پر جاکر وہ اس کے خریدار بنتے ہیں۔ اگر تم زیادہ مرتبہ اشتہار کو نہ چھپواؤ گے تو جو روپیہ تم نے چند مرتبہ اشتہار دینے میں صرف کیا ہے۔ وہ سب اکارت جائے گا۔ اس معاملہ میں اس شخص کی تمثیل پر غور کرنا چاہیئے۔ جس نے ایک جنٹلمین سے کہا تھا "اگر آپ مہربانی کرکے چار آنے عنایت کریں تو بندہ کا ایک روپیہ بچ سکتا ہے۔" جنٹلمین نے متعجب ہوکر پوچھا۔ وہ کس طرح؟ اُس نے جواب دیا کہ میں گھر سے مے نوشی کے لیے ایک روپیہ لے کر چلا تھا مگر افسوس کہ پورے روپے کی شراب پی کر بھی مجھے کامل سرور نہیں ہوا۔ اس لیے اگر آپ چار آنے عنایت کریں تو میں اپنا نشہ پورا کرلوں۔ اس طرح میرا ایک روپیہ بیکار نہ جائے گا۔

اشتہار دینے میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ اس کے الفاظ مؤثر و دل نشین ہوں معقول دلائل سے اپنی سچائی دیانتداری اور مال کی عمدگی کو ظاہر کرکے خریدار کو اطمینان دلایا جائے۔ ایک شخص کی ترقی کا موجب صرف یہ چار الفاظ ہوئے۔ یعنی اس نے سائن بورڈ کی ایک طرف یہ لکھوایا "دوسری طرف مت پڑھو" دوسری طرف مفصل اشتہار تھا، جس کو ہر شخص "دوسری طرف مت پڑھو" کے الفاظ سے متاثر ہوکر ضرور پڑھتا۔ اس طرح لوگوں کو راغب کرنے کے بعد خریداروں سے خوش اخلاقی و خوش معاملگی سے پیش آنے کی بدولت انہیں مستقل دائمی خریدار بنالیا اور اس کے کاروبار میں بیحد ترقی ہوئی اور جلد اس شہر کے متمول و کامران سوداگروں میں شمار ہونے لگا۔

واضح رہے کہ تجارت میں بدخلقی اور گراں فروشی دو کلہاڑے ہیں جو اس کی جڑ کو کاٹتے ہیں۔

کامیابی کی منزل پر پہنچنا دشوار نہیں بشرطیکہ صحیح راستہ تلاش کیا جائے۔ ورنہ غلط راستہ اختیار کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بساطی ایک گاؤں میں سودا بیچنے کے بعد دوسرے گاؤں کی طرف جو وہاں سے تین چار کوس کے فاصلہ پر مغرب کی طرف تھا، چل دیا۔ لیکن راستہ بھول کر دوسری طرف کو ہولیا۔ کوئی ایک میل راستہ طے کرنے کے بعد اس نے ایک آدمی سے دریافت کیا کہ فلاں گاؤں یہاں سے کتنی دُور ہے؟ اس نے ہنس کر جواب دیا کہ جس

طرف تم جا رہے ہو، اس طرف سے وہ گاؤں پورے پچیس ہزار میل کے فاصلے پر ہے۔ یعنی تمام روئے زمین کا چکر کاٹ کر تم اس جگہ پہنچو گے۔ لیکن اگر سیدھا راستہ اختیار کرو تو گاؤں صرف پانچ کوس ہے۔

جو شخص مناسب حالات اور بہتر موقع کا منتظر رہتا ہے وہ اپنی قبر آپ کھودتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں جتنے بڑے آدمی گزرے ہیں، وہ باوجود مخالفت و مزاحمتِ زمانہ کے کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ گویا کامیابی کا واحد راستہ ناکامی ہے زندگی میں کامیابی کا راز یہ ہے کہ انسان مواقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار رہیں۔

ناکامی و محرومی کا باعث کوئی بداختری یا شومئ قسمت نہیں ہے بلکہ بے تدبیری و تلون مزاجی ہے۔ ؎

در لباسِ آدمی کارِ خدائی می کند　　آدمی را ظرفہ ایں جاد ستگاہ و قدرت است

جو لوگ آج کے کام کو کل پر اُٹھا رکھتے ہیں، وہ یہ نہیں سوچتے کہ آج ہم نے کیا کیا جو کل کر سکیں گے۔

کامیابی کے محل میں داخل ہونے کے لیے کوئی مقررہ شاہراہ نہیں۔ جو کوئی اس محل میں داخل ہونا چاہتا ہے، وہ اپنا دروازہ آپ بناتا ہے۔ جونہی وہ اندر داخل ہو جاتا ہے یہ دروازہ فی الفور مسدود ہو جاتا ہے اور اس میں سے کسی کو بھی گزرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ اس کی اولاد بھی اس دروازہ سے داخل نہیں ہو سکتی۔ ؎

وقتِ ہر کار نگہدار کہ نافع نبود　　نوشدارو کہ پس از مرگ بہ بیمار دہند

کام جتنا اچھا ہے، اتنی ہی زیادہ دقتیں اس کی تکمیل میں اُٹھانی پڑتی ہیں۔

درحقیقت مشکل کاموں ہی کی انجام دہی میں کچھ لطف حاصل ہوتا ہے، ورنہ آسان کام کو ہر شخص کر سکتا ہے۔

وہ فتوحات جو آسانی سے حاصل ہو جائیں کم قیمت ہوتی ہیں۔ قابل قدر فتوحات وہ ہیں، جو سخت کش مکش کا نتیجہ ہوں۔ ؎

وائے آں قافلہ کز دونئ ہمت می خواست　　رہگذارے کہ در و ہیچ خطر پیدا نیست

کمزور انسان موقعوں کی انتظار میں رہتے ہیں، لیکن باہمت انسان خود موقعے پیدا کر لیتے ہیں۔

موقع کی دیوی کے سامنے بال ہیں اور پیچھے سے وہ گنجی ہے۔ سامنے والے بالوں سے تم اُسے پکڑ سکتے ہو۔ لیکن اگر وہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے تو پھر مشتری (جو نہایت تیز رفتار سیارہ ہے) بھی اُسے نہیں پکڑ سکتا۔

قربانی اور کامیابی لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ جہاں قربانی نہیں وہاں کامیابی کا وجود بھی عنقا سمجھو۔

عمدہ اور صاف و شفاف چشموں کی تلاش نہ کرو، اپنا ڈول جہاں سے بھر سکتے ہو بھر لو۔

جفاکشی کے سمندر کی تہ کامیابی کے موتیوں سے بھری پڑی ہے۔

ہر تاجر کو دو منافع کمانے چاہئیں، ایک خریدتے وقت دوسرا بیچتے وقت۔

جس کے پاس صحت، قابلیت، دیانت، محنت، استقلال اور ہمتِ عالی ہو اس کی ترقی یقینی ہے۔ ؎

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے　　زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

جو لوگ اپنی ہستی سے خوشی حاصل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے وہ ناجائز خواہشوں کے لیے ہر وقت اپنی جان کو

عذاب میں رکھتے ہیں۔

بہت سے زندہ انسان اپنے لیے آپ کھودی ہوئی ذلّت کی گور میں پڑے ہوئے چلا رہے ہیں اور کاہلی وسستی کے وہ پتھر جو انہوں نے شروع سے اپنے اُوپر دھر لیے ہیں، ہٹا نہیں سکتے۔

مایوسی اور کامیابی کبھی اکٹھی نہیں رہ سکتی ہیں۔ آزادی وکامیابی کے محل میں داخل ہونے کے لیے ہمّتِ عالی پہلا دروازہ ہے۔ ؎

بہ کیش زندہ دلاں زندگی جفا طلبی ست سفر بکعبہ نہ کردم کہ راہ بے خطر است

کورانہ تقلید اور مسئلہ تقدیر نے ایک عالم کو معذور وغمزدہ بنا رکھا ہے۔ ؎

بہ ہمّت شو بہ ہمّت ناتوانی وگرنہ چوں خرے درگل بمانی

ثروت وآسودگی، دولت اور فارغ البالی ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھنے، قسمت پر تکیہ کرنے، منادر ومساجد میں دعائیں مانگنے یا منّتیں ماننے سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ محنت ومشقت اور ہمّتِ عالی کو باقاعدہ کام میں لانے سے حاصل ہوتی ہے۔ ؎

اے ننگِ اعتبار دُعا پر نہ رکھ مدار او بیوقوف ہمّتِ مردانہ چاہیے

مَردوں کے چہرے کا غازہ خود اُن کا خون ہوتا ہے، اور قوم کے پودے کو قوم ہی کے پاک خون سے سینچنے کی ضرورت ہے۔ ؎

جو مرد ہیں غیروں کا سہارا نہیں لیتے جو شیر ہیں صَید اَوروں کا مارا نہیں لیتے

کوئی شخص اعلیٰ درجہ حاصل نہیں کر سکتا، جب تک اُسے اپنے موجودہ درجے سے نفرت نہ ہو۔ اربابِ ہمّت بے پروبالی کا غم نہیں کرتے۔ اس طائفہ کے پر وبال اُن کی ہمّتِ عالی ہے۔ ؎

سعی خدمات وفرائض زیست کی پہچان ہے جس نے حرکت چھوڑ دی سمجھو کہ وہ بے جان ہے

پست ہمّت نامرادی کی حد تک پہنچ کر اپنے اعضا اور دماغ کو معطّل کر بیٹھتے ہیں۔ مگر عالی ہمّت خدا کی بخشی ہوئی طاقتوں سے کام لیتے ہیں۔ ؎

ڈوبنا شرط ہے دریائے تجسّس میں رضاؔ ورنہ کچھ مُنہ کا نوالہ دُرِ نایاب نہیں

؎ افعی سے کہا میں نے، مجھے تو نے ڈسا کیوں؟ بولا کہ بل لاٹھی کے تو بَن میں بسا کیوں؟

زندگی میں بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں جو برسوں سے زیادہ قیمت رکھتے ہیں اور گزر جانے کے بعد ہم قیمت دے کر بھی انہیں دوبارہ حاصل نہیں کر سکتے۔

اکثر لنگڑا آدمی بھی وہ کام کر سکتا ہے جس کو وہ اپنے نقص کے باعث کرنے سے قاصر ہے مگر ذرا سی ہمّت درکار ہے سچ ہے ہمّت ایک دفعہ تو گڈریے کو بھی نادر شاہ اور تیمور لنگ بنا دیتی ہے۔ ؎

نہ شاخِ گُل ہی اُونچی ہے نہ دیوارِ چمن بلبل تری ہمّت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

اگر پہاڑ کو سرکانے کی خواہش ہے تو پہلے ذرّوں کو سرکانا سیکھو۔
اپنی تمام طاقتوں کو جمع کرکے ایک مرکز پر لگاؤ۔ یک در گیر محکم گیر۔
دُنیا اُن لوگوں کو انعام میں ملے گی جو مستعد، محنتی اور سرگرم ہیں۔
محنتی کے سامنے پہاڑ کنکر ہیں اور سست کے سامنے کنکر پہاڑ۔
شرمیلا پن انسانیت کی زینت ہے لیکن کاروباری آدمی کے لیے عیب ہے۔
کامیابی کا زینہ ناکامیوں کے ڈنڈوں سے تیار ہوتا ہے۔
جس کام پر ہاتھ ڈالو مضبوط اور مردانہ وار ڈالو۔ دریا کی پیروی کرو، سمندر میں پہنچ جاؤ گے۔
تذبذب اور دو دلی سے کوئی کام نہیں ہوتا۔ ؎

کام محنت سے لیا کب دلِ ناداں تو نے　　اپنی ناکامیوں پہ اشک بہانا بے سود

زیادہ بلندی پر جانا چاہو تو پہلے بنیاد مضبوط کرلو　ع　تقدیر کے محل کا معمار خود بشر ہے۔
ہر کام میں دوسروں کا سہارا ڈھونڈنے کے برابر کوئی بے عزّتی نہیں۔
خطرات و مشکلات کا اطمینان کے ساتھ مقابلہ کرنا حقیقی مردانگی ہے۔ ؎

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا سیلِ حوادث میں　　اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

جو معاملہ اختیار سے باہر ہو جائے اُسے جیسے بن پڑے نپٹانا چاہیے۔
آدمی صرف اُسی وقت مغلوب ہوتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو مغلوب سمجھ لے۔ ؎

یہ کہتا تھا رستم فرامرز کو　　کہ مت توڑ دل، توڑ البرز کو

جو آدمی چانس یعنی اتفاقی موقع سے فائدہ نہیں اُٹھاتا، وہ بلند رُتبہ حاصل نہیں کرسکتا۔
تمہارا کام یہ ہے کہ پہلے کھو دو اور پھر بو دو۔ خدا ضرور کامیابی دے گا۔ ہندی مقولہ ہے۔

اُلٹے سیدھے اُگ آئیں گے کھیت پڑیں جو بیج

مشکلات کا مقابلہ کرنے کا نام زندگی اور اُن پر غالب آجانے کا نام کامیابی ہے۔
دولت کی دیوی دیانتداری کے مندر میں رہتی ہے۔
دُکھ، سُکھ، غم و شادی، بیماری، تندرستی، ناکامی، کامیابی، زندگی کے ناہموار راستے پر سفر کرنے والے کے لیے مختلف منزلیں ہیں جو چار و ناچار سب کو پیش آتی ہیں۔ پس جس شخص کا دل دُنیا میں رہنے کو چاہتا ہے۔ اسے یہاں کی تکالیف بھی برداشت کرنی ہوں گی۔ ؎

ہمّت سے کام کرتا رہ اور دیندار رہ　　اُمیدوارِ رحمتِ پروردگار رہ

انسان دُنیا کے سمندروں میں تنکے کی طرح بہا چلا جانے کے لیے پیدا نہیں ہُوا بلکہ اس لیے بھیجا گیا ہے کہ ملاح کی طرح موجوں کا مقابلہ کرتا ہُوا اوروں کو پار اتارنے کی کوشش کرے۔

پہاڑوں کے خلاف تیر کر مصائب کے چشمے کو بند کرنا کسی پیراک ہی کا کام ہے۔ ورنہ کوڑا کرکٹ تو دھار کے ساتھ بہہ کر تباہی کے غلیظ گڑھے میں جا ہی گرتا ہے۔

بزدل اور ڈرپوک اپنے غیر معمولی نرم برتاؤ سے زیردست کو دلیر اور زبردست کو گستاخ کر دیتا ہے۔ ؎

ترحّم بابدت لیکن نہ چنداں　　کہ گردد خیرہ گرگِ تیز دنداں

جس طرح پست گدھے پر سب کوئی چڑھ جاتا ہے اسی طرح نالائق، نرم مزاج شخص پر سب حکومت کرتے ہیں۔

ع　گر بہ پستی بر سی پست نہ گردی مردی

دُنیا میں وہی پست ہیں جن کے دل پست ہیں۔ ورنہ ؎

گر پڑے ہے آگ میں پروانہ ساکرم ضعیف　　آدمی سے کیا نہ ہو لیکن جو ہمت ہو تو ہو

ترقی کی راہ میں سرپٹ دوڑنے والے ٹھوکر کھا کر گر جاتے ہیں یا دم اُکھڑ کر پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس میدان میں وہی سمجھ کر چلنے والے آگے بڑھتے ہیں جو آہستہ آہستہ استقلال کے ساتھ منزلِ مقصود تک چلے جاتے ہیں۔ کامیابی کی دوڑ میں وہ گھوڑا نہ بنو جو میدان جیت کر وہیں سرد ہو جائے۔

زیادہ نرم ہو کر کسی کے مُنہ کا نوالہ نہ بنو۔ دیکھو نرم لکڑی ہی کو کرم کھا جاتے ہیں۔

کسی حالت میں بھی اپنے دل کو مت گراؤ۔ دیکھو لوگ گرے ہوئے مکان کی اینٹیں بھی اُٹھا کر لے جاتے ہیں سیدھی کھڑی ہوئی عمارت کو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔

یاد رکھو جس شخص کو اُمید ہے اور خوف نہیں، اس کے پاس سب کچھ ہے گو کچھ بھی نہیں اور جسے خوف ہے اُمید نہیں، اس کے پاس کچھ نہیں اگرچہ سب کچھ ہے۔ ؎

دُرِ مقصد کی خواہش اور غمِ جاں کیا حماقت ہے　　کسی کو ہاتھ آئے ہیں کبھی موتی بھی ساحل سے

؎　اگر ہمے نداری بحر صحرا است　　وگر ترسی بہر موجش نہنگ است

سکندر سے پوچھا گیا کہ بادشاہِ دلیر کا نشان کیا ہے؟ کہا کہ جو یہ نہ پوچھے کہ دشمن کس قدر ہیں بلکہ یہ پوچھے کہ کہاں ہیں؟

مجھے سخت کام پر بے حد اعتماد ہے۔ مَیں جتنا سخت کام کرتا ہوں، اتنا ہی کامیاب ہوتا جاتا ہوں۔

وہ بھی انسان تھے جو سرِ ایجاد و تکوین کے مالک تھے۔ آج تک لوگ انہیں اوتار اور پیغمبر سمجھ کر تعظیم کرتے ہیں۔ افسوس ہم بھی انسان ہیں جنہیں اپنی ذات پر کل کی روٹی حاصل کر لینے تک کا بھی بھروسہ نہیں اور رات دن اُمید و بیم کے گرداب میں غوطے کھا رہے ہیں۔ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا　　ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

سکندرِ اعظم نے جب یونان کو فتح کیا تو بہت سی نایاب اور گراں بہا اشیا دے کر فیثاغورث کو اپنے دامِ ملازمت میں پھنسانا چاہا۔ حکیم نے جواب دیا "اگر فی الحقیقت سکندر میری قدر کرتا ہے تو میری آزادی میرے

پاس رہنے دے۔

اس میں شک نہیں کہ آزادی کی بھوک سیری کی اسیری سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

اگرچہ تکبر بری صفت ہے مگر اپنے تئیں بڑا سمجھنا اور خودداری کو ہاتھ سے نہ دینا ایسا برا نہیں، جیسا کہ اپنے تئیں گرانا اور ذلیل کرنا۔ کیونکہ گرا ہوا انسان کبھی اعلیٰ کام کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ ؎

کمالِ بزدلی ہے پست ہونا اپنی آنکھوں میں — اگر تھوڑی سی ہمت ہو تو پھر کیا ہو نہیں سکتا

حکیم طالیس نے ایک دفعہ کہا کہ دولت جیسی حقیر و ذلیل چیز کے لیے لوگ کیوں اتنی محنت و مشقت اٹھاتے ہیں۔ اس پر ایک شخص نے طنزاً کہا کہ آپ کی حالت بھی اس لومڑی کی سی ہے کہ جب انگور ہاتھ میں نہ آئے تو اُن کو کھٹے بتلائے۔ اس طعن آمیز سخن کو سن کر اس حکیم نے اپنی ساری توجہ اور ہمت اس طرف مصروف کی کہ کسی طرح دولت پیدا کرکے اس شخص کے قیاس کو غلط ثابت کرے۔ پھر اس نے اس سلیقہ سے تجارت کی کہ کوئی دوسرا شخص دولت کمانے میں اس کی برابری نہ کرسکتا تھا۔ غرض معاملاتِ دنیا خواہ کسی قسم کے ہوں علم و حکمت، کوشش و محنت اور ہمت عالی کی آمیزش سے وہ نہایت خوبصورتی سے سرانجام پا سکتے ہیں۔

جذبات کا غلام حقیقی غلام ہے خواہ وہ کتنا ہی آزاد اور دنیا کا مالک کیوں نہ ہو۔ واضح رہے کہ نمود و نمائش کی خواہش تمام جذبات کی حاکم ہے۔ یہ بھوت جس کے سر چڑھا مشکل سے اُترتا ہے۔ انسان دوسرے جذبات کو دبا سکتا ہے مگر اس کا دبانا اس کی دسترس سے باہر ہے۔

جن لوگوں نے اپنی ضروریاتِ زندگی اپنی حیثیت سے زیادہ بڑھا رکھی ہیں، مانو کہ انہوں نے طوقِ غلامی انہی جذباتِ نمود و نمائش کے ماتحت خود اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے ورنہ جو شخص اپنے رُتبے اور حیثیت کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عادی ہے وہ کبھی محتاج نہیں ہوسکتا۔

تمہارا دل ایسا ہونا چاہیے کہ کسی سے کچھ لینا گوارا نہ کرے اور تمہاری ذات ایسی ہونی چاہیے کہ کم از کم اپنی ضروریات کو جائز طور پر مہیا کرسکے۔ ؎

کمائی پہ اوروں کی تھوکے دلیر — کہ گیدڑ کا جُھوٹا نہ کھائے گا شیر

جس شخص کو اپنی روزی حاصل کرنے کے لیے کسی دوسرے کو خوش رکھنا ضروری ہے۔ وہ آپ کیسے خوش رہ سکتا ہے؟ ؎

غلامی بُری، گو ہو توقیر بھی — کہ بھاری ہے سونے کی زنجیر بھی

احسانات سے دبی ہوئی زندگی انسان کے شایانِ شان نہیں ہے اور جس دل میں خودمختاری کی تمنا نہیں ہے، وہ انسان نہیں ہے۔ ؎

ہے آزادگی اک ثواب عظیم — غلامی جہاں کا گناہِ قدیم

جو شخص اپنی ادنیٰ ضرورت کے لیے بھی غیر کا محتاج ہے خواہ وہ شے بڑی عزت و توقیر سے اسے مل سکے۔ اس پر بھی

وہ درجہ انسانیت سے گرا ہوا ہے۔

اولوالعزم وہی شخص ہے جو خوشحالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں یکساں رہے اور مر جائے مگر احتیاج کا ہاتھ کسی کے آگے نہ پھیلائے۔ ؎

جو خود دار انسان ہے عالی خیال — کرے جام کا وہ نہ جم سے سوال

سامنا لاکھ مصیبت کا پڑے، پر کوئی — آسرا غیر کا مردانِ خدا لیتے ہیں

رنج و غم محنت و مشقت اور فاقہ کشی برداشت کرنا بہتر ہے، اس سے کہ تو کسی کمینے کے پاس حاجت لے جائے

؎ کیوں شکارِ غیر کا ہے منتظر — شیر ہو کر تو سگِ منزل نہ بن

بلندوں کو پستی سے ہے اجتناب — پکڑتا نہیں مکھیوں کو عقاب

بُری کوشش میں کامیاب ہو جانا باعثِ عزّت نہیں۔ برخلاف اس کے اچھی کوشش میں شکست کھا جانا بھی موجبِ عزّت ہے۔

راستے میں پڑا ہوا بھاری پتھر کمزور آدمی کے لیے رکاوٹ بن جاتا ہے۔ لیکن طاقتور انسان اس پر پاؤں رکھ کر دوسری طرف کو کود جاتا ہے۔ یہی مثال مشکلات کی ہے۔ محنت پسند طبائع کے لئے تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

؎ باندھو کمر کہ دُوریِ منزل کا غم نہیں — ہے بادباں درست تو ساحل کا غم نہیں

سر پہ خدا ہے پھر کسی مشکل کا غم نہیں — باقی ہے وقتِ زرع تو حاصل کا غم نہیں

سکندر کی ابتدائی فوج پیادہ بیالیس ہزار، سوار چار ہزار اور نقد ایک کروڑ روپیہ تھے لیکن ہمّت عالی سے تمام دنیا میں اپنا ڈنکا بجا دیا۔

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ ضروری ہے کہ سب چیزیں اس کی مغلوب ہوں۔ لیکن اگر معاملہ برعکس ہے اور وہ ان کی خواہش میں اپنی عزّت و توقیر کی پروا نہیں کرتا، سمجھو کہ وہ انسان نہیں بلکہ دو ٹانگوں کا حیوان ہے۔

فرض ایک ایسا قرض ہے جس کو سوائے اپنے کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا۔

درحقیقت مرد وہ ہے جس کے دل میں کسی چیز کا خوف نہ ہو۔ نہ اُسے آسمان کا ڈر ہو نہ زمین کا، نہ جنگل کا نہ بیابان کا، نہ حاکم کا نہ ٹھاکر کا، نہ قسمت کا نہ موت، نہ سُکھ کا نہ دُکھ کا، ڈر ہو تو صرف خدا کا۔

دریا کو عبور کرنا مردانگی کا کام ہے۔ ورنہ اس کے بہاؤ کے ساتھ تو مُردہ لاش بھی بہی چلی جاتی ہے۔ ؎

مُوجیم کہ آسودگیٔ ما عدمِ ماست — ما زندہ بآنیم کہ آرام نہ گیریم

اپنی ہمّت کو نگاہ میں رکھو کہ ہمّت ہی ہر شے کا مقدّمہ ہے۔ ؎

کریں گے اُسے اہلِ عالم پسند — جو ہو عزم و ہمّت میں ان سے بلند

متابعت صرف اس کی کرو، جس سے بڑا کوئی نہیں۔

حکومت اپنے حواس پر کرو تاکہ انسانی عظمت نصیب ہو۔ ؎

کوئی ہے معزز کوئی خوار ہے ہر اک اپنی قسمت کا معمار ہے

جس شخص کا دل قسمت کے رحم کا محتاج ہو وہ غلام ہے، نامرد ہے، نکمّا ہے۔ اس کی زندگی کبھی خوشحال اور کامیاب زندگی نہیں ہو سکتی۔

اپنے ہی دست و بازو کی ہمت سے لے مدد تختِ شہی کے شوق میں ظلِّ ہما نہ مانگ

مَیں نے یہ سیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کی وسیع زمین پر کوئی شخص کسی دوسرے کی مدد کرنے کا خواہشمند نہیں اور نہ کوئی اس قابل ہے کہ کسی دوسرے کی مدد کر سکے۔

وہ اعتماد جس سے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹایا جا سکتا ہے، انسان کا اپنی ذات پر بھروسہ کرنا ہے۔

اگر تم سچی خوشی اور حقیقی راحت سے زندگی گزارنی چاہتے ہو تو اپنی ذات میں خودداری اور خود اعتباری اور خودمختاری کی قابلیت پیدا کرو۔

عُقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

سُست ہو کر گھر میں پڑے پڑے مر جانے سے باہر نکل کر محنت کرتے کرتے تھک کر مر جانا بہتر ہے۔

اگر کامیابی نہ ہو جی نہ چھوڑ گرے بھی جو سو بار ہمّت نہ توڑ

راجہ رنجیت سنگھ جب دریائے اٹک پر پہنچا تو آگے پار ہونے کا سامان یعنی کشتی وغیرہ کچھ نہ تھی۔ اس نے بلا تامّل گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ کسی نے کہا، جناب یہ معمولی دریا نہیں بلکہ اٹک ہے۔ رنجیت سنگھ نے فوراً کہا، جس کے دل میں اٹک، اس کے لیے اٹک۔ چونکہ ہمّت عالی اور اعتماد کامل تھا، پار ہو گیا۔

جستجو یار کی آساں ہے پر مشکل یہ ہے کہ مجھے عارضۂ ذوقِ تن آسانی ہے

وصلِ بُت ہوتا نہیں یا خدا ملتا نہیں ڈھونڈنے پر آدمی آئے تو کیا ملتا نہیں

نپولین سے اس کے سپہ سالار نے کہا کہ کوہ الپس پر چڑھنا ناممکن ہے۔ نپولین نے کہا کہ ناممکن کا لفظ پست لوگوں کی لغات میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی ہمّت عالی نے اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا اور اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا۔ ہندی مقولہ ہے۔

مَن کے جیتے جیت ہے، مَن کے ہارے ہار مَن کو ڈھارس دے کے کر و سمندر پار

دلاور اور جانباز آدمی کے دل پر سے جب کوئی مصیبت کی رَو گزرتی ہے تو اس کی کشتِ اُمید کو بہالے جانے کے خلاف اس میں اُولوالعزمی کی ایسی گھٹا چھوڑ جاتی ہے۔ جس سے وہ پہلے سے بھی زیادہ طاقت کے ساتھ نشوونما پانے لگتی ہے۔ مصیبت لیاقت کو اس جگہ سے باہر نکال لاتی ہے جہاں وہ بحالتِ خوش حالی چھپی رہتی ہے

اُولوالعزمانِ دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں سمندر چیرتے ہیں، کوہ سے دریا بہاتے ہیں

کشکولِ اخلاق

بتلازمۂ اعداد

بندہ جس وقت گناہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر چار احسان فرماتا ہے (۱) نہیں بند کرتا رزق کو (۲) نہیں موقوف کرتا تندرستی کو (۳) نہیں ظاہر کرتا گناہ کو (۴) نہیں عذاب کرتا فی الحال۔

(۱) ڈھونڈا ہم نے دولت مندی کو مال میں مگر پایا اس کو قناعت میں (۲) ڈھونڈا ہم نے راحت کو کثرتِ مال میں مگر پایا اس کو قلتِ مال میں (۳) ڈھونڈا ہم نے لذت کو نعمتوں میں مگر پایا اُس کو تندرستی میں (۴) ڈھونڈا ہم نے رزق کو زمین میں مگر پایا اس کو آسمانوں میں۔ (حاتم لقاف)

چار چیزیں سخت ترین اعمال سے ہیں (۱) بخشنا خطا کا وقت غصے کے (۲) سخاوت کرنا وقت مفلسی کے۔ (۳) پاک دامن رہنا وقتِ خلوت میں (۴) سچی بات کہنا بوقتِ خوف یا اُمید کے۔

سچ بولنے کے لیے ہمیشہ دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک وہ جو سچ بولے، دوسرا وہ جو سچائی کو سنے۔ اگر سچ سننے والے نہ ہوں تو بولنے سے کیا فائدہ؟

دنیا آٹھ چیزوں سے قائم ہے (۱) خدائے رحیم کی رحمت سے (۲) رسول کریمؐ کی رسالت سے (۳) حکما کی عقل و حکمت سے (۴) عابدوں کی عبادت سے (۵) عالموں کی پند و موعظت سے (۶) بادشاہوں کی سیاست و عدالت سے۔ (۷) بہادروں کی شجاعت و شہادت سے (۸) کریموں کی سخاوت سے۔

حُسن بہترین نعمتِ خداداد ہے۔ یک طلعتِ زیبا بہ از ہزار خلعتِ دیبا۔

نیک کام کرنے سے دل کو دو مرتبہ راحت ملتی ہے (۱) جب وہ کام کیا جاتا ہے (۲) جب اس کا اجر ملتا ہے۔

دو گیدڑ ایک شیر پر غالب آسکتے ہیں۔

جلدی کرنا چھ کاموں میں سنّتِ رسول اللہ ہے۔ ان کے علاوہ سب کاموں میں جلدی شیطان سے ہے۔ (۱) مہمان کو کھانا کھلانے میں (۲) مُردے کی تجہیز و تکفین میں (۳) لڑکی کی شادی کرنے میں (۴) قرض ادا کرنے میں (۵) گناہ سے توبہ کرنے میں (۶) اذان سُن کر مسجد کو جانے میں۔

چار چیزوں کو تھوڑا نہ سمجھو (۱) قرض (۲) مرض (۳) دشمنی (۴) آتش۔ (لقمان)

پانچ چیزیں قساوتِ قلب کا نشان ہیں (۱) توبہ کی اُمید پر گناہ کرنا (۲) علم سیکھنا اور عمل نہ کرنا (۳) عمل کرنا اور اخلاص نہ ہونا (۴) رزق کھانا اور شکر نہ کرنا (۵) دفن کرنا مُردوں کا اور عبرت نہ پکڑنا۔ (حسن بصری)

تین چیزوں کی قلت ہی بہتر ہے (۱) قلّتِ الطعام (۲) قلّتِ المنام (۳) قلّتِ الکلام۔

غلطی کے تین درجے ہیں۔ (۱) سہواً (۲) عمداً (۳) خطاءً

یقین کے تین درجے ہیں۔ (۱) علم الیقین (۲) حق الیقین (۳) عین الیقین۔

محبت کے چھ درجے ہیں۔ (۱) رجحان (۲) میلان (۳) دلچسپی (۴) محبت (۵) عشق (۶) جنوں۔

زنانہ لباس میں دو باتوں کا خیال رکھو۔ (۱) نہ اس قدر باریک ہو کہ جسم کی جھلک نظر آئے (۲) نہ اس قدر تنگ ہو کہ جسم کی ہیئت ظاہر ہو۔

مظلوم کی آہ سے ڈرنا چاہیے۔ وہ آہ کے ذریعے اللہ کو پکارتا ہے اور لفظ اللہ میں آہ شامل ہے۔

سو بیوقوفوں کا گروہ ایک عقلمند آدمی بن سکتا۔

ایک باپ سات بیٹوں کی پرورش کر سکتا ہے۔ لیکن سات بیٹے ایک باپ کی خدمت نہیں کر سکتے۔

بیٹے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پُوت، سپُوت، کپُوت۔ پُوت وہ ہے جو باپ دادا کی جائداد کو قائم رکھے۔ سپُوت وہ جو اس میں ترقی کرے۔ کپوت وہ جو اس کو برباد کر ڈالے۔

نمازی چار قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) ٹھاٹھ کے (۲) آٹھ کے (۳) کھاٹ کے (۴) تین سو ساٹھ کے۔ ٹھاٹھ کے وہ جو پنجگانہ پڑھتے ہیں۔ آٹھ کے وہ جو آٹھویں دن صرف جمعہ پڑھتے ہیں۔ کھاٹ کے وہ جو مجبوراً نماز جنازہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تین سو ساٹھ کے وہ جو عید کے دن شامل نماز ہوتے ہیں۔

کسی نبی یا پیغمبر کو چالیس سال سے قبل نبوت و رسالت کا شرف عطا نہیں ہوا۔

سچی بات آدھی لڑائی ہوتی ہے۔ حتّٰی کہ اندھے کو بھی اگر اندھا کہہ دیں تو وہ سر کو آتا ہے۔

چار چیزیں چاہئیں از بہر زن ؎ چکّی، چولہا، چرخا، چادر پیرہن (یعنی برقع)

یہ چار الفاظ طوالتِ کلام کا باعث ہوتے ہیں۔ (۱) کیا (۲) کیسے (۳) کیوں (۴) کہاں۔

تین قسم کے نشے بہت تیز ہیں۔ (۱) نشۂ دولت (۲) نشۂ حُسن (۳) نشۂ علم۔ ان میں سے پہلے دو زوال پذیر اور نشۂ علم ترقی پذیر ہے۔

دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں۔ (۱) نیکی بدی کو (۲) تکبر علم کو (۳) توبہ گناہ کو (۴) جھوٹ رزق کو (۵) عدل ظلم کو (۶) غم عمر کو (۷) صدقہ بلا کو (۸) غصہ عقل کو (۹) پشیمانی سخاوت کو (۱۰) غیبت نیک اعمال کو۔

کمالِ شاعری کا بہترین نمونہ:- ؎

سر خوش عجب ایں کہ ز اتفاق بے حد ۔۔۔ اُفتاد موافق بہ بحساب ابجد
ناز و محبوب و عاشقی و آفت ۔۔۔ بے عقل و دراز و فتنہ و کوتہ قد

۵۳۵ ۵۳۵ ۲۱۳ ۲۱۳ ۵۸ ۴۸۱ ۴۸۱

اس ضمن میں حضرت امیر خسرو کا یہ شعر بھی اعجازی حیثیت رکھتا ہے۔ جو اگرچہ بے معنی سا ہے لیکن انتہائی طور پر غور طلب ہے کہ اُلٹنے کی صورت میں بھی یہ ربطِ حروف کس خوبی کے ساتھ بغیر کسی نقص یا بلا سکتہ قائم رہ گیا اور اعراب تک میں فرق نہ آیا۔ ؎

شکر بترازوی وزارت برکش ۔۔۔ شوہمرہ بلبل بلب ہر مہوش

پانچ حروف والے چھ الفاظ ایسے ہیں کہ اُلٹنے سے وہی لفظ بنتا ہے۔ داماد۔ نادان۔ موہوم۔ موسوم۔ شتابات۔ ایشیا۔

نیک خصلت، خوش روئی اور میانہ روی نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے۔ (حدیث شریف)

ماہ صیام کی رفتار تین قسم کی ہے۔ (۱) پہلے دس روزے رواں یعنی چلنے والے (۲) درمیانی دس روزے دواں یعنی دوڑنے والے (۳) آخری دس روزے پرّاں یعنی اُڑنے والے۔

پانچ چیزیں بنیادِ فساد ہیں۔ ؎

زنِ زشت و زبانِ زور و زمینِ زر یہ ہیں پانچوں فسادِ تازہ کا گھر

چار چیزیں جب تک بہم نہ ہوں، تحریری کام نہیں ہو سکتا۔ ؎

ذرا غور سے سُن لے اے مشفقم نہیں حرف ہوتا ہے اِک بھی رقم
نہ ہوں چار "دالیں" یہ جب تک بہم دماغ و دل و دیدہ و دست ہم

حضرت آدمؑ کی ۹۳۰ سال تھی۔ حضرت نوحؑ ۹۵۰ سال۔ حضرت شیثؑ ۹۱۲ سال۔ حضرت ابراہیمؑ ۱۹۵ سال، حضرت اسمٰعیلؑ ۱۳۷ سال۔ حضرت یعقوب ۱۴۷ سال۔ حضرت اسحٰقؑ ۱۸۰ سال۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ نبوت ۱۴۹۱ سال قبل مسیحؑ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ۳۲۰۷ سال قبل مسیحؑ۔

دس خصلتیں دس شخصیتوں سے اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ (۱) بُخل مالداروں سے (۲) تکبر فقیروں سے (۳) طمع عالموں سے (۴) بے شرمی عورتوں سے (۵) حبِ دنیا بوڑھوں سے (۶) سُستی جوانوں سے (۷) ظلم بادشاہوں سے (۸) نامردی غازیوں سے (۹) خود پسندی زاہدوں سے (۱۰) ریاکاری عابدوں سے۔

آدمی کی سعادتمندی پانچ باتوں میں ہے (۱) زنِ موافق (۲) اولادِ نیک (۳) متقی دوست (۴) ہمسایہ نیک (۵) اپنے شہر میں روزی۔ (حضرت علیؓ)

پانچ چیزیں تکلیف دہ ہیں۔ (۱) جذام کا مرض (۲) بُرے کا قرض (۳) حاکم ستمگار (۴) بگڑا گنوار۔ (۵) جاہل عہدیدار اور ہمسایہ بدکار۔

نصف راہ سے واپس آجانا گمراہ ہونے سے بہتر ہے۔

پانچ باتیں بیوقوفی کی علامت ہیں۔ جاہلوں کو مونس و دمساز کرنا۔ عقلمندوں سے پرواز کرنا۔ عورت کو ہمراز کرنا۔ دوسروں کی کمائی پر ناز کرنا اور بے تمیز کو ممتاز کرنا۔

کم از کم دو گھنٹے روزانہ تیز رفتاری سے چلنا بقائے صحت کا بہترین راز ہے۔ تجربہ شرط ہے۔

کسی ہندی کے شاعر نے ایک دوہے میں اپنے دوست کی جدائی کو نہایت عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ جس کے آخری مصرع کا ترجمہ یوں ہے "پہلے تجھے ترلیسٹھ نواب ہوگئے چھتیس" ہندی میں ترلیسٹھ کا عدد اس طرح لکھا

جاتا ہے۔ ۳۴/۶۳ اور ۳۶ اس طرح ۳۴/۳۶ یعنی ۶۳ کے عدد کے عدد میں دونوں ہندسوں کا رُخ ایک دوسرے کی طرف ہی ہے اور ۳۶ میں دونوں ہندسے ایک دوسرے کے خلاف پشت کیے ہوئے ہیں۔ یعنی جدائی۔

جب تک دو چراغ روشن نہ ہوں، ایک چراغ کے نیچے اندھیرا رہے گا
آدمی کے ہاتھ، کان، آنکھ، ٹانگیں کام کے تمام اعضا دو دو ہیں } یعنی جماعت میں کرامت ہے۔

بے لطف ہے سیرِ بوستاں بغیرِ دوستاں۔ عمر بے شباب۔ شربت بے گلاب۔ زین بے رکاب۔ ریش بے خضاب۔ طبیعت بے جودت۔ سخن بے حکمت۔ مال بے تجارت۔ دل بے سخاوت۔ مرد بے جرأت۔ زن بے عصمت۔ زورِ بے علم۔ دوائے بے پرہیز۔ زندگی بے پسر۔ عملِ بے علم اور علمِ بے عمل۔

افعال کی آواز ایسی صاف ہے جیسی الفاظ کی۔ جس کے افعال کچھ اور ہیں الفاظ کچھ اور۔ وہ دو چند خطا کا مرتکب ہے۔

ہیں گرمی کے پانچوں مہینے ستمگر مئی جون و جولائی اگست و ستمبر

شہد کی ایک بوند کئی مکھیوں کو پکڑ لیتی ہے۔ من بھر سرکہ میں ایک بھی نہیں ڈوبتی۔

دس درویش ایک کمبل میں رہ سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک ولایت میں نہیں رہ سکتے۔

آٹھ چیزیں سیر نہیں ہوتیں (۱) آنکھ دیکھنے سے (۲) زمین بارش سے (۳) عورت مرد سے (۴) عالم علم سے (۵) سائل سوال سے (۶) حریص جمع مال سے (۷) دریا پانی سے (۸) آگ لکڑیوں سے۔ (حدیث)

ابتدائے آفرینش کی مدت آٹھ ہزار سال کے قریب ہے۔

زرع میں ½ حصہ زر ہے اور باقی عین بھی زر ہے۔ (زرہ کو عربی میں عین کہتے ہیں۔

نکاح سے نو فوائد حاصل ہوتے ہیں (۱) اولاد ہونا، کہ بقائے نسل کا سبب ہے اور خدا تعالیٰ کو محبوب ہے (۲) اتباعِ سنت اور امتِ محمدیہ کا بڑھنا ہے (۳) اولاد کا مابعد مرنے کے دعائے خیر سے یاد کرنا ہے (۴) اولاد کا سامنے مرجانا اور صبر کرنے سے درجات کا ملنا (۵) خورد سال بچوں کا روبرو مرجانا اور صبر پر ان کا شفیع بننا ہے (۶) آدمی کا دین حصار میں ہوتا ہے (۷) زندگیِ دنیا کی راحت ہے (۸) عورت دین کی مددگار ہے اور دوزخ کے مقابل آڑتی ہے اور فواحش سے روکتی ہے (۹) اہل و عیال کے لیے معاش پیدا کرنا عبادت میں داخل ہوتا ہے۔

اُن چار ماہ میں مچھلی کھانا مضر ہے جن میں "ر" کا حرف نہیں آتا۔ یعنی مئی، جون، جولائی اور اگست۔ واضح رہے کہ یہی چار وسطی مہینے انتہائی طور پر گرم ہوتے ہیں۔ باقی اوّل و آخر کے آٹھ مہینوں میں "ر" کا حرف بالالتزام آتا ہے یعنی جنوری۔ فروری۔ مارچ۔ اپریل۔ ستمبر، اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر۔

بادشاہ کے کہنے سے پانچ کو جفت ماننا پڑتا ہے۔

چاند کے عروج و زوال میں قریباً پینتالیس منٹ ہر شب فرق پڑتا ہے۔

تمام ستاروں کی روشنی پورے چاند کی روشنی کا سولہواں حصہ ہے اور پورے چاند کی روشنی سورج کی روشنی

کا سولہواں حصہ ہے۔

سورج کے طلوع و غروب میں روزانہ اسّی (۸۰) سیکنڈ یعنی ۱⅓ منٹ کا فرق پڑتا ہے۔ ۲۵ دسمبر سے ۲۵ جون تک یہ بڑھتا ہے۔ حتیٰ کہ دن چودہ گھنٹے کا اور رات صرف دس گھنٹے کی ہو جاتی ہے۔ ۲۱ جون سے ۲۲ دسمبر تک اسّی (۸۰) سیکنڈ روزانہ کے حساب سے گھٹتا ہے۔ حتیٰ کہ رات ۱۴ گھنٹے کی ہو جاتی ہے اور دن صرف دس گھنٹے کا رہ جاتا ہے۔ اس بڑھاؤ گھٹاؤ میں ۲۱ مارچ اور ۲۳ ستمبر کو دن اور رات برابر بارہ بارہ گھنٹے کے ہو جاتے ہیں۔ ترجمہ آیت شریف "نہ آفتاب کی مجال کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں"۔

کلمۂ پاک کے دو حصے ہیں۔ یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، ان دونوں حصوں میں برابر بارہ بارہ حروف ہیں۔ پھر خوبی یہ کہ تمام کے تمام بے نقط ہیں۔

ے

راگ میں آگ ہے پوشیدہ اگر ½　　　نام ہے جس کا بشر اس میں ہے شر ½
مُنحصر قوتِ بازو پہ ہے دولت مندی　　　دیکھ لو زور میں موجود ہے زر ½
مُلکُ الموت سے دنیا میں ہراساں نہیں کون　　　جس کو کہتے ہیں نڈر اس میں ہے ڈر ½
ظالمو خوف کرو آہ کو سمجھو نہ حقیر　　　لفظ اللہ میں ہے اس کا اثر ½
فیصدی زیادہ امیدوں کا نتیجہ ہے صفر　　　دیکھ لو سَو کے عدد میں ہے صفر ½
فخر کرتا ہے جو، انسان نہیں خر ہے وہ　　　جس طرح لفظِ فخر میں بھی ہے خر ½
صبر گرچہ ہے تلخ ہے برِ شیریں دیتا　　　جس طرح لفظِ صبر رکھتا ہے بَر ½
کھوئی منزل تو کیے دیتی ہے اے شامِ شباب　　　راہرو کا ابھی باقی ہے سفر ½
خصلتِ بشر میں خیر پہ ہے شر ہی غالب　　　صاف ظاہر ہے کہ ہے بشر میں شر ½

مخلوقات چھ قسم کی ہے۔ بندے، پرندے، چرندے، درندے، گزندے، پیرندے یعنی تیرنے والے۔

ے　چار قاف اند بے مروت بشنو از من اے عزیز　　　قاضی و قصیاتی و قصاب و قانون گوئے نیز
ے　ہے مشکل بہت چار "چ" چھوٹنا　　　چلم اور چائے چغل اور چنا

انسان کی شناخت خصائل کے تین درجے ہیں۔ عقلمند انسان رفتار ہی سے کسی انسان کی خصلت کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ ان سے کم عقل، گفتار سے اور بیوقوف کردار سے نیکی بدی کا نتیجہ نکالتے ہیں۔

بال زیر بغل اور بال زیر ناف صاف کرنے کا حکم مقیم کے لیے بیس روز اور مسافر کے لیے چالیس روز ہے۔

اِن تین چیزوں کا خوف اس قدر غالب ہوتا ہے کہ ان کو دیکھ کر انسان کے اوسان بجا نہیں رہتے۔ یعنی سانپ، شیر اور چور۔

قہرِ الٰہی کا نزول ان تین صورتوں میں ہوتا ہے۔ قحط۔ وبا۔ جنگ۔

انسانی فضیلت کے پانچ درجے ہیں۔
اوّل درجہ نبوّت کا ہے اور نبی وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہو۔
دُوسرا درجہ صدیقیّت کا ہے۔ صدّیق وہ ہے جس کا دل آپ ہی وحی اللہ پر گواہی دے۔
تیسرا درجہ شہادت کا ہے۔ شہید وہ ہے جو حکمِ نبی پر جان نثار کرے۔
چوتھا درجہ صالحیت کا ہے۔ صالح وہ ہے جس کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے۔
پانچواں درجہ اطاعت کا ہے۔ مطیع وہ ہے جو حکم برداری میں لگا رہے۔ یہ بھی صلحا کے ساتھ شمار ہوں گے۔

یاالٰہی رحم کر رحمت سے اپنی چار پر بیکس و مجبور پر مزدور پر بیمار پر

بلحاظِ اعتقاد انسان چار قسم کے ہیں۔ مُوحّد، مُشرک، مُتشکّک، مُنکر۔

سات اشخاص قیامت کے دن سایہ عرش کے نیچے ہوں گے جس دن اَور سایہ نہ ہوگا۔ (۱) بادشاہِ عادل (۲) نوجوانِ عابد (۳) لِلّٰہ دوستی رکھنے والا (۴) خوبصورت عورت کے طلب کرنے پر صرف خوف خدا سے زنا سے بچنے والا (۵) تنہائی کے اندر خدا سے ڈرنے والا (۶) مسجد کے ساتھ دل لگانے والا (۷) چھپا کر خیرات دینے والا۔

دو آوازیں بدترین ہیں۔ (۱) راگ کی (۲) نوحہ کی۔

آدمی تین ہی اچھے ہیں۔ ایک وہ جو مر گیا ہے (۲) دوسرا وہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا (۳) تیسرا وہ جس سے تعلق نہیں۔

چائے میں تین خوبیاں ہونی چاہئیں۔ لب ریز ہو۔ لب دوز ہو۔ لب سوز ہو۔

تین شخص سب سے زیادہ مغضوب ہیں۔ (۱) فقیر متکبّر (۲) بڈھا زانی (۳) بدکار عالم۔ (حضرت علیؓ)

تین قسم کے دوست ہیں۔ (۱) نانی (۲) جانی (۳) زبانی۔

دُنیا میں دو مذہب ہیں۔ (۱) نیک (۲) بد۔

دُنیاوی راحت کے چھ درجے ہیں۔ (۱) پہلی راحت صحتِ جسمانی (۲) دوسری راحت دولت کی فراوانی۔ (۳) تیسری راحت زنِ فرمانبردار (۴) چوتھی راحت پسرِ خدمت گزار (۵) پانچویں راحت حکومت میں عہدیدار (۶) چھٹی راحت شہر میں قیام و قرار۔ مدارجِ راحت کی یہ ترتیب اس قدر مکمل ہے کہ اس میں کسی اور درجے کی مطلق گنجائش نہیں۔

عمرِ طبعی کے دس حصّے ہیں۔ جو کسی پنجابی بزرگ نے دس کے پہاڑے کی صورت میں ترتیب دیئے ہیں۔ چونکہ ان کی تشریح دلچسپ اور مفید ہے۔ اس لیے باوجود ثقالتِ الفاظ اس کا درج کرنا مناسب خیال کیا گیا (۱) ایک داہا داہا، کھیلنے کا ماہا۔ یعنی دس سال کی عمر تک کھیل کود میں رہتا ہے۔ (۲) دو داہا بیس، پتھر دلوے پیس (۳) تین داہا تیہ، جنگل گرجے شینہ (۴) چار داہا چالی، گلے پڑی پنجالی (۵) پانچ داہا پچاس ٹھنڈے بھرے ساس (۶) چھ داہا سٹھ، ہاتھ میں پکڑی لٹھ (۷) سات داہا ستّر، عقل گئی کوس بہتّر (۸) آٹھ داہا اسّی، بوڑھا ہوگیا خصّی (۹) نو داہا نوّے، جہاں کھائے وہیں ہگّے (۱۰) دس داہا سو، جینے کی خوشی نہ مرنے کا مجھو۔ (خوف)

اقبال کی ایک رتی سیر بھر دانش کے برابر ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا گیا کہ کس عمل نے آپ کو خلیل اللہ بنایا۔ فرمایا تین اعمال نے۔ (۱) مقدم رکھا میں نے اللہ کے امر کو غیر اللہ کے امر پر (۲) نہیں کیا میں نے اہتمام اس چیز کا جس کا ضامن ہوا اللہ میرے واسطے (یعنی رزق کا)۔ (۳) نہیں کھایا میں نے طعام صبح و شام مگر ساتھ مہمان کے۔ عدالتوں سے انصاف حاصل کرنے کیلئے درکار ہے (۱) عمر نوح (۲) گنج قارون (۳) صبر ایوب۔

جو دو مسجدوں کی اذان کا انتظار کرتا ہے، وہ نماز پڑھنا نہیں چاہتا۔

قومی ترقی کے چار اسباب ہیں۔ (۱) اتحاد (۲) علم (۳) دولت (۴) طاقت۔

مومن کے اوقات تین حصوں پر منقسم ہوتے ہیں۔ (۱) ایک حصے میں اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے (۲) دوسرے حصے میں اپنے نفس کا جائزہ لیتا ہے (۳) تیسرے میں حقوق انسانی کو حلال و مباح طریقوں سے پورا کرتا ہے۔ (حضرت علیؓ)۔

حضرت جبریلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ یہ چھ وصیتیں فرماتے رہتے تھے۔

۱۔ ہمسایہ کے حق میں اس قدر گمان گزرتا تھا کہ شاید فرض ہو جائے گا۔

۲۔ عورتوں کے بارے میں اس قدر گمان گزرتا تھا کہ شاید حرام ہو جائے گا طلاق دینا ان کو۔

۳۔ لونڈی غلاموں کے بارے میں اس قدر کہ گمان گزرتا تھا کہ شاید مقرر ہو جائے گی اُن کے لیے میعاد اور اس کے بعد وہ آزاد ہو جائیں۔

۴۔ مسواک کے بارے میں اس قدر کہ گمان گزرتا تھا کہ شاید فرض ہو جائے گا اس کا کرنا۔

۵۔ نماز با جماعت کے بارے میں اس قدر کہ گمان گزرتا تھا کہ شاید نہ قبول ہوگی نماز بغیر جماعت کے۔

۶۔ یاد اللہ کرنے کے حق میں اس قدر کہ گمان گزرتا تھا کہ شاید کوئی چیز نفع نہ دیا کرے گی بغیر یاد اللہ کے۔ ؎

اے خالق ہر بلند و پستی شش چیز عطا بکن ز ہستی ایمان و امان و تندرستی علم و عمل و فراخ دستی

عورت کی خوبی دو باتوں میں ہے۔ (۱) اس کو کوئی نامحرم نہ دیکھے (۲) وہ کسی نامحرم کو نہ دیکھے۔ (خاتون جنت)

ماں کا حق باپ سے تین گنا زیادہ ہے۔ ؎

جنت کہ رضائے مادر آنست زیرِ کفِ پائے مادر آنست

ادب سکھاؤ اپنی اولاد کو جب چھ برس کی ہو جائے۔ حکم کرو اپنی اولاد کو نماز کا جب سات برس کی ہو جائے۔ بچھونا جدا کر دو اپنی اولاد کا جب وہ نو برس کی ہو جائے۔ نگاہ رکھو اپنی اولاد کی حرکات و سکنات کو جب وہ بارہ برس کی ہو جائے۔ نکاح کر دو اپنی اولاد کا جب وہ سولہ برس کی ہو جائے۔

انسان شب و روز میں اوسطاً چوبیس ہزار سانس لیتا ہے۔

ایک شخص نے مکان تبدیل کیا۔ ایک گاڑی میں اسباب خانہ داری لدوایا۔ دوسری میں اہل و عیال۔ راستے میں ایک دوست نے پوچھا، گاڑیوں میں کیا ہے؟ وہ بولا ایک میں مال دوسری میں ایمان۔

دو چیزیں فرعون کی یادگار ہیں۔ ۱۔ پختہ اینٹ ۔ ۲۔ خضاب سیاہ

دو چیزوں کی زیادتی قیمت کا خیال نہ کرو۔ ۱۔ کتاب اگر دل پسند ہو۔ ۲۔ دوا اگر فائدہ مند ہو۔

نسلِ انسانی تین جنسوں پر منقسم ہے۔ ۱۔ جنسِ اَبیَض یعنی گوری رنگت جس کی ابتدا فارس قدیم اور یورپ سے ہوئی۔ جنسِ اَصفَر یعنی زرد رنگت جس کی ابتدا چین سے ہوئی۔ (۳) جنسِ اَسود یعنی سیاہ رنگت جس کی ابتدا افریقہ سے ہوئی۔ اِن ہر سہ اجناس کے اختلاط سے بہت سی متوسط و مخلوط اجناس پیدا ہوگئی ہیں۔

تین نعمتیں ایسی ہیں جو یک جائی طور پر بہت کم لوگوں کو میسّر ہیں۔ (۱) صحت (۲) فراغت (۳) اطمینان قلب۔

؎ چار چیز است تحفۂ لندن	؎ چار چیز است تحفۂ ملتان
خمر و خنزیر و خبر نامہ و زن	گرد گرما گدا و گورستان

مصیبت کی تین قسمیں ہیں (۱) بلاء التعذیب گنہگاروں کے لیے (۲) بلاء التادیب فرمانبرداروں کے لیے۔ (۳) بلاء التقریب محبّوں کے لیے۔

آواز کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو گلے سے نکلے دوسری وہ جو دل سے نکلتی ہے۔ ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اَثر رکھتی ہے پَر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

فقر کی جڑ دو چیزیں ہیں۔ (۱) ترک المال (۲) ترک السّوال۔

مالدار کے لیے چھ نقصان ہیں۔ (۱) ہمیشہ مغموم و بے قرار رہتا ہے (۲) عبادت میں ہمیشہ کمی اور نقصان رہتا ہے (۳) نافرمانیٔ خدا زیادہ کرتا ہے (۴) حساب زیادہ دینا پڑے گا (۵) عدم ادائیگیِ حقوق کے لیے سخت عذاب دیا جائے گا۔ (۶) ثواب و اَجر کم پاتا ہے۔

تین چیزیں سمجھ کر اُٹھانا چاہئیں۔ قسم ۔ قَلَم ۔ قدم۔

غریب کو چھ فائدے حاصل ہیں۔ (۱) ہمیشہ بے غم اور مطمئن رہتا ہے (۲) یادِ خدا میں زیادہ لگا رہتا ہے (۳) عداوت و دشمنی سے محفوظ رہتا ہے (۴) حساب کی تخفیف رہتی ہے (۵) عذاب سے محفوظ رہتا ہے (۶) اعمالِ صالحہ کا ثواب زیادہ پاتا ہے۔

حکما کا قول ہے کہ جو غذا انسان کھاتا ہے پہلے اس سے رس بنتا ہے۔ رس سے خون، خون سے گوشت، گوشت سے چربی، چربی سے ہڈیاں اور ہڈیوں سے مغز تیار ہو کر کہیں ۲۶ دن کے بعد تخم انسانی پیدا ہوتا ہے۔ پس کون سی عقلمندی ہے کہ ایسے جوہر ہفت آتشہ کو جسے قدرت نے اتنی محنتوں سے تیار کیا ہو، ایک دم میں حظِّ نفسانی کی خاطر ضائع کر دیں۔

بہشت میں سردار عورتیں چار ہیں۔ (۱) مریمؑ (۲) آسیہؓ زوجۂ فرعون (۳) خدیجۃ الکبریٰؓ (۴) فاطمۃ الزہراؓ۔

دو خسر، دو جنوائی، جو نہ مانے سمجھ سودائی۔ یعنی صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ خسر اور حضرت عثمانؓ و علیؓ داماد تھے۔

صحابہ کرام رضؓ کے عہد مبارک میں نماز باجماعت کے لیے تین آدمی جمع ہو جانے پر چوتھے کا انتظار نہ کرتے تھے اور تدفین میّت کے لیے چار آدمی جمع ہو جانے پر پانچویں کا انتظار نہ کرتے تھے۔

محلّہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس نماز کا ثواب رکھتی ہے۔ جامع مسجد میں پانچ سو کا۔ مسجد بیت المقدس میں پانچ ہزار کا۔ مسجد نبویؐ میں پچاس ہزار کا اور مسجد بیت الحرام ایک لاکھ نماز کا ثواب رکھتی ہے۔

شادی بھی ایک لاٹری ہے کہ چالیس ٹکٹ خالی نکلنے پر ایک ٹکٹ مال کا نکلتا ہے۔ یعنی حسب منشا فرمانبردار، نیکو شعار اور خدمت گزار بیوی ملتی ہے۔

اکبر کے عہد میں (چار سو سال پیشتر) گندم ۵ من، شکر ۱/۶ ۱، تیل دس آنے اور گھی ۲ ۱/۲ من تھا۔ اوسط خرچ ماہانہ ایک مزدور طبقہ شخص کا ۸ آنے تھا۔ باقی چالیس خالی ہے۔

عورت سے ہم چار چیزیں چاہتے ہیں۔ (۱) اس کے دل میں نیکی ہو (۲) اس کے چہرے میں حیا ہو (۳) اس کی زبان میں شیرینی ہو (۴) اس کے ہاتھ کام میں لگے رہیں۔

انسان ایک نعمت کے زائل ہو جانے پر تمام بے شمار نعمتوں کی ناشکری کرنے لگتا ہے۔

لوگوں سے کنارہ کش رہ، تین برکتیں حاصل ہوں گی۔ (۱) راحتِ جسمانی (۲) قوتِ روحانی (۳) حفاظتِ ایمانی

دو آدمی مُلک و دین کے دشمن ہیں۔ بادشاہِ بے حلم اور زاہدِ بے علم۔

مکارمِ اخلاق تین اشیا میں ہے۔ (۱) عفو بوقت قدرت (۲) تواضع بحالتِ ذلّت (۳) عطائے بغیر منّت۔

شیخ کے فیض سے محروم رہنے والے تین شخص ہیں۔ (۱) فرزندِ شیخ (۲) زوجۂ شیخ (۳) خادمِ شیخ۔

مُرسلانِ اولوالعزم آٹھ ہیں (۱) حضرت آدمؑ (۲) حضرت نوحؑ (۳) حضرت ابراہیمؑ (۴) حضرت موسیٰؑ (۵) حضرت داؤدؑ (۶) حضرت سلیمانؑ (۷) حضرت عیسیٰؑ (۸) حضرت محمد مصطفیٰ علیہم الصّلوٰۃ والسلام خاتم النبیینؐ۔

زیادہ نہیں تو دو چیزوں ہی پر عمل کرو۔ (۱) ماتحت کو ایذا نہ دو۔ (۲) مافوق پر حسد نہ کرو۔

طبقاتِ بہشت (۱) خُلد (۲) دار السّلام (۳) دار القرار (۴) جنّتِ عدن (۵) جنّت الماویٰ (۶) جنّت النعیم (۷) علیّین (۸) فردوس۔

طبقاتِ دوزخ۔ (۱) سَقر (۲) سَعیر (۳) لظیٰ (۴) حطمہ (۵) جحیم (۶) جہنّم (۷) ہاویہ۔

ایک کاف اور تین گاف کسی کو نہ دینا چاہیے۔ کتاب، گھڑی، گھوڑا اور گاڑی۔

شیطان ایک سجدے کے انکار سے مردود ہوا ہے۔ بے نماز بہتّر سجدوں کا ہر روز نافرمان ہے۔ ؎

شیطان ہزار مرتبہ بہتر ز بے نماز — اُو سجدہ پیشِ آدمؑ و ایں پیش حق نہ کرد

دو چیزیں عجیب و غریب ہیں۔ ایک توبہ، دوسرے نیّت۔ اور یہ دونوں عجیب و غریب اس لیے ہیں کہ نیّت کا کام ہے معدوم چیز کو موجود بنا دینا۔ مثلاً ہم نے کوئی عمل نہیں کیا مگر نیّت نے اُسے موجود کر دیا۔ اور دوسری چیز توبہ ہے جو موجود کو معدوم کر دیتی ہے۔ کیونکہ انسان خواہ ستّر برس تک گناہ کرتا ہے بلکہ شرک و کفر میں مبتلا

رہے جب بارگاہِ الٰہی میں صدقِ دل سے ایک سجدہ کیا اور معافی مانگی، سب یک قلم موقوف - گناہوں کا ایک بے شمار ذخیرہ جو موجود تھا - اس کو ایک مخلصانہ توبہ نے یک دم معدوم کر ڈالا - یہ وہ بہترین نعمتیں وہی اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو عطا کی ہیں - نِیَّتُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ -

اجمیر کے جیل میں ایک بزرگ قیدِ فرنگ میں تھے - جیل کے باہر ایک مسجد کچھ فاصلے پر تھی جب اذانِ جمعہ کی آواز ان کو سنائی دیتی تو وہ بے تحاشا باہر والے پھاٹک کی طرف دوڑتے اور پھر واپس آجاتے - اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، خداوند کریم کا یہی حکم ہے کہ جب جمعہ کی اذان سنو تو اپنے سب کام چھوڑ کر مسجد میں چلے جاؤ اور نماز جمعہ ادا کرو - اگرچہ میں باہر تو شرکتِ نماز کے لیے نہیں جا سکتا - لیکن میری نیّتِ نیک کے نتیجہ میں خداوند کریم مجھے شرکت جمعہ کا ثواب عطا فرمائے گا - اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ -

اہلِ دنیا پر قہر خداوندی عموماً پانچ صورتوں میں نازل ہوتا ہے - قحط - وبا - جنگ - نا اتفاقی - ظالم حاکم -

خدارسیدہ بزرگوں کی چھ علامات ہیں - ؎

عارفاں را شش نشانی سر بسر — رنگ زرد و آہ سرد و چشم تر
کم خورش کم گفتنی خوابش حرام — غیر ازیں عارف نہ باشد والسلام

انسان کی ایک آرزو پوری ہو جائے تو فوراً ہی دوسری بہت سی آرزوئیں اس کی جگہ آموجود ہوتی ہیں - اور یہ سلسلۂ لامتناہی زندگی بھر جاری رہتا ہے اور ناگہانی موت اُن سب کو ختم کر ڈالتی ہے - ؎

روزِ ازل سے مانگ کے لائے تھے چار دن — دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

اسلامی ممالک کی آبادی

دُنیا کے آزاد اسلامی ممالک کا رقبہ قریباً ۹۵ لاکھ مربع میل اور آبادی ۴۷ کروڑ سے زیادہ ہے - ان میں وہ علاقے شامل نہیں، جو اشتراکیوں یا سامراجیوں کی محکومی میں ہیں - اسلامی ممالک کو ہم ذیل کے چار بڑے ہم خیال گروپوں تقسیم کر سکتے ہیں -

۱ - عرب ممالک ۴۴ لاکھ مربع میل - آبادی دس کروڑ ۳۳ لاکھ -

۲ - زنگی نژاد ملک ۱۹ لاکھ ۸۲ ہزار مربع میل - آبادی ۷ کروڑ ۵۰ لاکھ - ان میں سنیگال، مالی - گیمبیا - گنی، نائیجیر یا نائیجیر اور شاد شامل ہیں -

۳ - معاہدہ استنبول کے ملک ۱۲ لاکھ ۹۰ ہزار میل - آبادی ۱۵ کروڑ ۷۰ لاکھ - یہ میثاق پاکستان، ایران اور ترکی پر مشتمل ہے -

۴ - انڈونیشیا اور ملائیشیا ۸ لاکھ ۶۳ ہزار مربع میل - آبادی گیارہ کروڑ ۱۳ لاکھ -

دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش ½ ۵۰ کروڑ ہے۔ تفصیل یہ ہے۔

آزاد اسلامی ممالک : ۴۲ کروڑ

دوسرے ممالک : بھارت ۵ کروڑ۔ چین ۵ کروڑ۔ روس ۳ کروڑ۔ یوگوسلاویہ ۲۴ لاکھ۔ البانیہ ½ ۱۲ لاکھ۔ بلغاریہ ½ ۷ لاکھ۔ یونان ایک لاکھ ۱۲ ہزار۔ متفرق ½ ۲ کروڑ۔

متفرق کی تفصیل یہ ہے۔

فلپائن ۸۰ لاکھ۔ تھائی لینڈ ۷ لاکھ۔ برما ۵ لاکھ۔ لنکا ۶ لاکھ۔ جزائر قمر ۲ لاکھ۔ قبرص ایک لاکھ۔

قریباً پونے دو کروڑ مسلمان افریقہ کے ان ملکوں میں ہیں جہاں وہ اقلیت میں ہیں۔ ان میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد حبشہ، تنزانیہ، موزنبیق اور سیرالیون میں ہے۔

یورپ میں فرانس، برطانیہ اور جرمنی میں سے ہر ملک میں کم و بیش دو دو لاکھ ہیں۔ فرانس میں زیادہ تر شمالی افریقہ کے مسلمان ہیں۔ برطانیہ میں پاکستان و ہند اور دولت مشترکہ کے اور جرمنی میں ترکی کے اور روس کے تاتاری النسل مسلمان۔

امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش دو لاکھ ہے۔ ان میں وہ نیگرو مسلمان شامل نہیں ہیں جو خود کو کالے مسلمان کہتے ہیں اور جن کی تعداد کئی لاکھ بتائی جاتی ہے۔

جنوبی امریکہ میں گیانا میں مسلمان سب سے زیادہ ہیں یعنی ایک لاکھ۔ اور یہ زیادہ تر پاکستان و ہند کے باشندے ہیں۔ اس کے علاوہ ترینی داد میں بھی پچاس ہزار مسلمان ہیں۔

مذکورہ بالا اعداد و شمار زیادہ تر مردم شماری پر مبنی ہیں لیکن چین اور روس کے مسلمانوں کی تعداد مختلف غیر سرکاری اندازوں پر ہے۔ افریقہ کے بعض ملکوں کے اعداد و شمار بھی اندازوں پر مبنی ہیں۔ چین اور روس کے علاوہ باقی تخمینے اتنی معمولی نوعیت کے ہیں کہ ان کے غلط اور صحیح ہونے سے دنیا میں مسلمانوں کی مجموعی آبادی کے اعداد و شمار پر کوئی بڑا اثر نہیں پڑ سکتا۔

آزاد اسلامی ممالک میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ تناسب افغانستان، ایران۔ ترکی سعودی عرب یمن، کویت اور صومالیہ میں ہے۔ جہاں ۹۹ فیصدی سے زیادہ آبادی مسلمان ہے۔ مصر میں ۹۲ فیصد۔ انڈونیشیا میں بھی قریباً اتنی ہی اور پاکستان میں ۸۸ فیصد ہے۔ مغربی پاکستان میں ۹۷ فیصد اور مشرقی پاکستان میں ½ ۸۰ فیصد۔ شام اور عراق میں ۸۰ فیصد۔ شمالی افریقہ کے ملکوں میں قریباً ۹۵ فیصد مسلمان ہیں۔ حبش نژاد ملکوں میں سینیگال اور نائیجر میں مسلمانوں کا تناسب سب سے زیادہ ہے یعنی قریباً ۸۵ فیصد۔ ملائشیا، لبنان اور نائیجیریا وہ تین ملک ہیں جن میں مسلمانوں کا تناسب نصف کے قریب ہے۔ ملائشیا میں ان کو سیاسی برتری حاصل ہے۔ لبنان ثقافتی لحاظ سے دنیائے عرب کا ایک حصّہ ہے اور نائیجیریا میں سب سے بڑے واحد گروہ ہیں اور ان کو سیاسی اور ثقافتی برتری بھی حاصل ہے۔ ان سب اسباب کی بنا پر یہ تینوں ملک اسلامی دنیا کا ایک حصہ سمجھے جاتے ہیں۔

اشتراکی ممالک: ذیل میں ان ملکوں کا رقبہ اور آبادی پیش کی گئی ہے۔ جہاں موجودہ اشتراکی غلبہ سے پہلے مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ لیکن اب غیر مسلم آبادکاروں کی وجہ سے یہ اکثریت کم ہوتی چلی جارہی ہے۔

ملک	رقبہ (مربع میل)	آبادی
ترکمانیہ	ایک لاکھ ۸۰ ہزار	۱۹ لاکھ
تاجیکستان	۵۴ ہزار	۲۴ لاکھ
ازبکستان	ایک لاکھ ۵۰ ہزار	ایک کروڑ ایک لاکھ
کرغیزیہ	۷۶ ہزار	۲۶ لاکھ
قازقستان	دس لاکھ ۴۶ ہزار	ایک کروڑ ۱۰ لاکھ
آذر بائیجان	۳۳ ہزار	۴۵ لاکھ
سنکیانگ	۶ لاکھ ۳۳ ہزار	۶۰ لاکھ
البانیہ	۱۱ ہزار	۱۹ لاکھ
کل	۲۲ لاکھ ۱۰ ہزار مربع میل	۴ کروڑ ۱۲ لاکھ

آزاد مسلم ممالک: ذیل میں ان آزاد مسلمان ملکوں کا رقبہ اور آبادی درج کی جارہی ہے جو اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔

ملک	رقبہ (مربع میل)	آبادی	دارالحکومت
انڈونیشیا	۷ لاکھ ۳۵ ہزار	۱۰ کروڑ ستّر لاکھ	جکارتہ
ملائشیا	ایک لاکھ ۲۸ ہزار	۹۳ لاکھ	کوالالمپور
پاکستان	۳ لاکھ ۶۵ ہزار	۱۰ کروڑ ۲۰ لاکھ	اسلام آباد
افغانستان	۲ $\frac{1}{2}$ لاکھ	ایک کروڑ ۵۲ لاکھ	کابل
ایران	۶ لاکھ ۲۸ ہزار	۲ کروڑ ۴۳ لاکھ	تہران
ترکی	۲ لاکھ ۹۶ ہزار	۳ کروڑ ۴۱ لاکھ	انقرہ
عراق	ایک لاکھ ۷۲ ہزار	۸۲ لاکھ	بغداد
کویت	۶ ہزار	۵ لاکھ	کویت
شام	۷۲ ہزار	۵۴ لاکھ	دمشق
لبنان	۴ ہزار	۲۲ لاکھ	بیروت
اردن	۳۷ $\frac{1}{2}$ ہزار	۲۰ لاکھ	عمان
سعودی عرب	۸ لاکھ ۷۰ ہزار	۸۰ لاکھ	ریاض

یمن	۷۵ ہزار	۵۰ لاکھ	صنعا
مصر	۳ لاکھ ۸۶ ہزار	۲ کروڑ ۹۶ لاکھ	قاہرہ
سوڈان	۹ لاکھ ۶۷ ہزار	ایک کروڑ ۳۵ لاکھ	خرطوم
لیبیا	۶ لاکھ ۷۹ ہزار	۱۶ لاکھ	طرابلس
تونس	۵۰ ہزار	۴۷ لاکھ	تونس
الجزائر	۹ لاکھ ۱۷ ہزار	ایک کروڑ ۱۵ لاکھ	الجزائر
مراکش	ایک لاکھ ۷۲ ہزار	ایک کروڑ ۳۳ لاکھ	رباط
ماریتانیا	۴ لاکھ ۱۶ ہزار	دس لاکھ	نواکشوط
سنیگال	۷۶ ہزار	۳۵ لاکھ	داکر
مالی	۴ لاکھ ۶۵ ہزار	۴۶ لاکھ	باماکو
گیمبیا	۴ ہزار	۳½ لاکھ	باتھرسٹ
گنی	۹۶ ہزار	۳۵ لاکھ	کوناکری
نائیجر	۴ لاکھ ۹۰ ہزار	۳۳ لاکھ	نیامی
نائیجیریا	۳ لاکھ ۶۵ ہزار	۵ کروڑ ۴۶ لاکھ	لاگوس
شاد	۴ لاکھ ۹۵ ہزار	چالیس لاکھ	فورٹ لامی
صومالیہ	۲ لاکھ ۶۲ ہزار	۲۵ لاکھ	مغادوث
مالدیپ	ایک سو بارہ	ایک لاکھ	مالے

رقبہ میں سوڈان سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اس کے بعد الجزائر۔ آبادی میں انڈونیشیا سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اس کے بعد پاکستان۔ مالدیپ رقبہ اور آبادی دونوں کے اعتبار سے سب سے چھوٹا اسلامی ملک ہے۔

عدن اور حضرموت (عرب)	ایک لاکھ ۱۲ ہزار	دس لاکھ	عدن
مسقط و عمان (عرب)	۸۲ ہزار	۷½ لاکھ	مسقط
بحرین	۲½ سو	ایک لاکھ ۸۵ ہزار	منامہ
قطر (عرب)	۸ ہزار	۵۵ ہزار	دوحا
شیوخ کی امارتیں (عرب)	۳۲ ہزار	۸۶ ہزار	
برونئی	۲¼ ہزار	ایک لاکھ	برونئی
فرانسیسی صومالیہ	۹ ہزار	۸۶ ہزار	جیبوتی
جزائر قمر (رودبار موزمبیق)	۸½ سو	۲ لاکھ ۷ ہزار	موروتی

وفائے عہد

ایک دن حضرت فاروق اعظم رضؓ کا سادہ دربارِ خلافت سرگرم انصاف و عدل تھا۔ اکابر صحابہ رضؓ موجود تھے۔ اور مختلف معاملات پیش ہو ہو کر طے ہو رہے تھے کہ اچانک ایک خوش رُو نوجوان کو دو نوجوان پکڑے ہوئے لائے اور فریاد کی "یا امیر المومنینؓ! اس ظالم سے ہمارا حق دلوائیے۔ اس لیے کہ اس نے ہمارے بوڑھے باپ کو مار ڈالا۔"

حضرت عمرؓ نے اس نوجوان کی طرف دیکھ کر فرمایا "ہاں دونوں کا دعویٰ تو سُن چکا۔ اب تبا تیرا کیا جواب ہے۔"

اُس نے نہایت ہی فصاحت و بلاغت سے پورا واقعہ بیان کیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "ہاں مجھ سے یہ جُرم ضرور ہُوا ہے۔ اور میں نے طیش میں آکر ایک پتھر کھینچ مارا جس کی ضرب سے وہ پیرِ ضعیف مر گیا۔"

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا تو تجھے اعتراف ہے لہذا اب قصاص کا عمل لازمی ہوگیا اور اس کے عوض تجھے اپنی جان دینی ہوگی۔" جوان نے سر جھکا کر عرض کیا "مجھے امام کے حکم اور شریعتِ اسلام کا فتویٰ ماننے میں کوئی عذر نہیں لیکن ایک بات کی درخواست ہے۔" ارشاد ہُوا وہ کیا؟ عرض کیا "میرا ایک چھوٹا نابالغ بھائی ہے۔ جس کے والد مرحوم نے کچھ سونا چھوڑا تھا اور میرے سپرد کیا تھا کہ وہ بالغ ہو تو اس کے سپرد کروں۔ میں نے اس سونے کو ایک جگہ زمین میں دفن کر دیا اور اس کا حال سوائے میرے کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اگر وہ سونا اس کو نہ پہنچا تو قیامت کے دِن میں ذمہ دار ہوں گا۔ اس لیے اتنا چاہتا ہوں کہ تین دن کے لیے ضمانت پر چھوڑ دیا جاؤں"۔ جناب عمر رضؓ نے اس بارے میں سر جھکا کر ذرا غور فرمایا اور پھر سر اُٹھا کر ارشاد کیا "اچھا کون ضمانت کرتا ہے کہ تو تین دن کے بعد تکمیلِ قصاص کے لیے چلا آئے گا؟"

فاروقِ اعظم کے اس ارشادِ فیض بنیاد پر اس نوجوان نے چاروں طرف دیکھا اور حاضرین کے چہروں پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر ابوذر غفاریؓ کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا "یہ میری ضمانت کریں گے۔" حضرت عمر رضؓ نے پوچھا "ابوذرؓ! تم ضمانت کرتے ہو؟" انہوں نے فرمایا "بیشک میں ضمانت کرتا ہوں کہ یہ نوجوان تین دن بعد حاضر ہو جائے گا۔"

یہ ایسے جلیل القدر صحابی کی ضمانت تھی کہ حضرت عمرؓ بھی راضی ہوگئے۔ ان دونوں مدعی نوجوانوں نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کی اور وہ شخص چھوڑ دیا گیا۔

اب تیسرا دن تھا، حضرت عمر رضؓ کا دربار بدستور قائم ہُوا۔ تمام جلیل القدر صحابہ رضؓ جمع ہوئے۔ وہ دونوں نوعمر مدعی بھی آئے۔ حضرت ابوذر رضؓ بھی تشریف لائے اور وقت مقررہ پر مجرم کا انتظار ہونے لگا۔ اب وقت گزرتا جاتا تھا اور اس مجرم کا پتہ نہیں۔ صحابہ رضؓ میں ابوذرؓ کی نسبت تشویش پیدا ہو چلی ہے۔ دونوں نوجوانوں نے بڑھ کر کہا "اے ابوذرؓ! ہمارا مجرم کہاں ہے"؟ انہوں نے کمال استقلال اور ثابت قدمی سے جواب دیا کہ اگر تیسرے دن کا وقت مقررہ گزر گیا اور وہ نہ آیا تو خدا کی قسم میں اپنی ضمانت پوری کروں گا۔" عدالت فاروقی بھی

جوش میں آئی۔ حضرت فاروق رضؓ سنبھل بیٹھے اور فرمایا "اگر وہ نہ آیا تو ابوذر رضؓ کی نسبت وہی کارروائی کی جائے گی جس کی شریعتِ اسلامی متقاضی ہو گی"۔

یہ سنتے ہی صحابہ رضؓ میں تشویش پیدا ہو گئی۔ بعض آبدیدہ اور بعض کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ مجبور ہو کر لوگوں نے دونوں مدّعیوں سے کہنا شروع کیا کہ "تم خوں بہا قبول کر لو"۔ انہوں نے قطعی انکار کیا کہ ہم خون کے بدلے خون ہی چاہتے ہیں"۔ غرض لوگ اسی پریشانی میں تھے کہ ناگہاں وہ مجرم نمودار ہوا۔ مگر اس حالت میں کہ پسینے میں ڈوبا ہوا اور سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی حضرت فاروق رضؓ کے سامنے آیا۔ خندہ جبینی سے سلام کیا اور عرض کیا "میں نے اس بچے کو اس کے ماموں کے سپرد کر آیا ہوں اور اس کی جائداد انہیں بتا دی۔ اب آپ جو خدا تعالیٰ اور رسول صلعم کا حکم ہو بجا لائیں"۔

اب حضرت ابوذر رضؓ نے فرمایا "امیر المومنین! خدا کی قسم! میں جانتا بھی نہ تھا کہ یہ کون ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟ اور نہ اس روز سے پہلے کبھی اس کی صورت دیکھی تھی۔ مگر اور سب کو چھوڑ کر مجھے اس نے اپنا ضامن بنایا تو مجھے انکار کرنا مروّت کے خلاف معلوم ہوا اور اس کے بشرے نے یقین دلایا کہ یہ شخص اپنے عہد میں سچا ہو گا۔ اس لیے ضمانت کر لی"۔

اس کے آ پہنچنے سے حاضرین میں ایسا غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا تھا کہ دونوں مدّعی نوجوانوں نے خوشی میں آ کر عرض کیا "امیر المؤمنین! ہم نے اپنے باپ کا خون معاف کر دیا"۔

سب کی طرف سے ایک نعرۂ مسرت بلند ہوا اور حضرت عمر فاروق رضؓ کا چہرہ مارے مسرت کے چمکنے لگا اور فرمایا "مدعی نوجوانو! تمہارے باپ کا خوں بہا میں بیت المال سے ادا کر دوں گا اور تم اپنی اس نیک نفسی کے ساتھ فائدہ بھی اٹھاؤ گے"۔

انہوں نے عرض کیا "امیر المومنین! ہم اس حق کو خالص خدا کی خوشنودی کے لیے معاف کر چکے۔ لہٰذا اب ہمیں کچھ لینے کا حق نہیں ہے ورنہ لیں گے"۔

غرض اس عجیب و غریب وفائے عہد کا واقعہ اس مسرت و شادمانی پر ختم ہوا۔

جذبۂ انتقام

انسان کی فطرت بھی عجیب ہے۔ اگر اس کے ساتھ کوئی نیکی کرے تو اس کے معاوضے کے لئے سالہا سال میں بھی تیار نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اس کے ساتھ برائی کی جائے تو جلد از جلد انتقام لینا چاہتا ہے۔ بدی کی مکافات کا جذبہ اس کے دل میں بہت جلد پیدا ہوتا ہے اور بُری طرح پیدا ہوتا ہے۔ انتقام کا جن اس کے حواس باطل کر دیتا ہے۔ آسمانی فرشتے "وَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا" کی صدا بلند کرتے ہیں اور "وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ" کے نعرے لگاتے ہیں، لیکن اُسے

کچھ سنائی نہیں دیتا۔ شیرازہ کا ایک مرد اُسے ع
"اگر مردی اَحْسِنْ اِلیٰ مَنْ اَسَا"
کا جلی کتبہ دکھاتا ہے۔ لیکن اُسے ایک حرف نظر نہیں آتا۔
بارگاہِ ایزدی کا آئین ہے کہ بدی کی سزا بدی کے بقدر، اور نیکی کی جزا دس گنا دی جاتی ہے لیکن انسانی فطرت کا قانون اس کے برعکس ہے۔ ایک انسان نیکی کا بدلہ اگر دیتا ہے تو نیکی کے بقدر لیکن بدی کا بدلہ وہ دس گنا زیادہ لینا چاہتا ہے۔ پس اگر کوئی اُسے "تم" کہتا ہے تو وہ اُسے "تو" کہتا ہے اور جو اُسے "تو" کہتا ہے تو اس کا جواب گالی سے دیتا ہے۔ پھر اس کا جواب زبان کی بجائے ہاتھ سے دینا چاہتا ہے۔ موقع ہو یا نہ ہو لیکن اس کا عمل ع
"کلوخ انداز را پاداشش سنگ است"
پر ہوتا ہے۔
انتقام لینے کی طرف انسان کو بالطبع میلان ہے۔ اور میلان بھی ایسا ہے کہ کوئی دوسرا میلان اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ اس لیے اس کی روک تھام میں سب سے زیادہ اہتمام چاہیئے۔ انتقام ایک وحشیانہ عدل ہے۔ قانونی نہیں۔ قانون کا کام یہ ہے کہ انتقام کی راہ کو بند کرے۔ جو شخص کسی کے ساتھ بُرائی کا مرتکب ہوتا ہے وہ قانون سے تجاوز کرتا ہے لیکن جو شخص اس کا عوض لیتا ہے وہ قانون کو معطل کرتا ہے دشمن سے انتقام لینے میں آدمی اس کے برابر بلکہ اس سے بدتر ہوجاتا ہے مگر معاف کرنے میں اس سے برتر ہوتا ہے۔ کیونکہ بزرگوں اور بادشاہوں ہی کا کام ہے معاف کرنا۔ حضرت سلیمانؑ کا قول ہے کہ آدمی کی دانائی غصّے کو ٹالتی ہے اور یہ اس کی عظمت ہے کہ خطا سے آنا کانی کرے۔" دانشمند حال اور استقبال کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ ماضی کی باتوں کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہو چکیں۔ گزشت آنچہ گزشت۔ گزشتہ را صلوٰۃ۔ "معاف کرو اور فراموش کرو" کے زرّیں مقولے پر ان کا عمل ہے۔ کسی نے بُرائی کی تو کی، قصّہ تمام ہوا ؎

دِلے بے کینہ دارم کہ جُز اُلفت نمی داند بُو دریک سُورۂ اخلاص قرآنے کہ من دارم

واضح رہے کہ کوئی شخص برائی کو برائی کی خاطر نہیں کرتا بلکہ اس میں اپنی منفعت یا کوئی خوشی یا عزت یا کوئی اور بات اسی طرح کی دیکھ کر برائی کرتا ہے۔ بُرائی کرنے میں ہر شخص اپنے تئیں دوسرے سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اس لیے ہمیں غصہ نہ ہونا چاہیے کہ کوئی شخص اپنے تئیں دوسرے سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اپنے نفع کے واسطے ہمیں ضرر پہنچاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بدسرشتی کے اقتضا سے بُرائی کرے تو اس کا حال کانٹے کا سا ہے جو چبھتا ہے اور پھیلتا ہے۔ کیونکہ اس کے سوا وہ اور کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ جن برائیوں کی سزا قانوناً نہیں مل سکتی۔ اگر ان کا خفیف سا عوض لے لیا جائے تو خیر کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر وہ کہیں اس حد تک نہ پہنچ جائے جو قانوناً تم کو مجرم بنائے اور سزا کا مستحق کرے۔ جس سے ایک اور دشمن قانون پیدا ہو جائے اور ایک

کے دو دشمن ہو جاتے ہیں "یک نہ شد دو شد" دشمن کے واسطے ایسی بھٹی گرم نہیں کرنی چاہیے کہ جس کی گرمی سے خود اپنا منہ جھلس جائے۔ جس کے لیے یہ پنجابی مثل مشہور ہے کہ "ہرکد دغصہ کا مارا نرک (دوزخ) کو جاتا ہے" بعض آدمی دشمن کو جتلا کر انتقام لیتے ہیں خوش ہوتے ہیں۔ وہ نامردِ کمینوں کی طرح اس کو چھپاتے نہیں اور کمین میں بیٹھ کر تیر نہیں لگاتے۔ گو یہ اُن کی فراخ حوصلگی ہے۔ لیکن اس کے عوض جو قانونی سزا خود اُن کو بھگتنی پڑے گی، اس کے مقابلے میں یہ طریق انتقام اور جوشِ غضب نہایت گراں پڑتا ہے۔ بالفاظِ دیگر وہ اپنے آپ سے انتقام لیتے ہیں۔

ایک شخص نے اپنے بے وفا دوستوں کی نسبت کہا کہ دوست جو برائی کریں، وہ معاف نہیں ہو سکتی کیونکہ حکم یہ ہے کہ دشمنوں کی خطائیں معاف کرو نہ دوستوں کی۔ لیکن اس قول میں بھی ہمیں افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کو کام میں لانا چاہیے۔ حضرت ایوبؑ کا فرمان ہے کیا ہم خدا سے اچھی اچھی چیزیں لیں اور بُری نہ لیں۔ لہٰذا اسی فرمان کے پیشِ نظر دوستوں کے ساتھ ایک مناسب انداز پر برتاؤ کرو یعنی جن دوستوں سے فائدہ اٹھاتے ہو ان سے نقصان بھی اُٹھاؤ۔

یہ امر تحقیق ہے کہ جو شخص انتقام کے درپے رہتا ہے وہ اپنے زخموں کو ہرا رکھتا ہے۔ اگر وہ درپے انتقام نہ رہتا تو یہ زخم بھر کر خود بخود اچھے ہو جاتے۔ بہترین اور سخت ترین انتقام یہ ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے ساتھ نرمی اور شیریں کلامی کے ساتھ اُن کی ہڈیاں توڑ دو اور ان کے سر پر کوئلے جلا کر اُن کی رُوح کو مجروح کرو اور ان کی خطائیں معاف کر کے اپنی رُوحانی خوشیوں کی پرورش کرو۔

انتقام استسقائے روح ہے کہ اس سلسلہ میں ہم جو کچھ کرنا چاہتے ہیں، اس سے خود ہم ہی کو زیادہ تکلیف پہنچتی ہے۔ جو شخص انتقام لیتا ہے، وہ بُرائی کرنے والے سے زیادہ بُرا ہوتا ہے۔ اسی جذبۂ انتقام کی بدولت سلطنتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ خاندان برباد ہو جاتے ہیں۔ زندگی کے تمام پروگرام زیر و زبر ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ سے انتقام اور کینے کے تمام کمینے خیالات کو نکال کر پھینک دے۔ انتقام لینا ایک پہلی شیطانی حرکت ہے جو شیطان نے آدمؑ سے کی۔ لہٰذا انسان سے شیطان کے کام کرانے والا انتقام سے زیادہ اور کام کوئی نہیں۔

انتقام میں اپنے ہی مزاج کا زہریلا مادہ اپنے اُوپر اثر کرتا ہے۔ اگر تم پورا انتقام نہیں لے سکتے تو فی الحال رنج و تکلیف میں مبتلا رہو گے۔ اور اگر پورا عوض لے سکتے ہو تو آئندہ خود سخت ترین رنج اُٹھاؤ گے۔ انسان کو انتقام سے زیادہ کوئی چیز گزند رساں نہیں جو کہ اس کو خود اپنے ہاتھ پہنچتا ہے۔ انتقام غصہ کی سب قسموں سے زیادہ سخت قسم ہے جو شخص کسی کو ضرر پہنچاتا ہے وہ برائی کو شروع کرتا ہے جو برائی کا انتقام لیتا ہے۔ وہ اس کو بے انتہا بڑھاتا ہے اور ایک ایسی مستقل بے عزتی اور بے آرامی خریدتا ہے جس کو نیک دلی اور خوش چلنی بھی الگ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اپنے ہی فائدے کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہمیں چاہیے کہ جو شخص ہمیں ضرر پہنچائے ہم اس کی مثل بلکہ اس سے بدتر نہ بنیں۔

آپ نے کبھی غور کیا کہ انتقام کا جذبہ کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ صرف ذاتی مفاد کی مخالفت پر یہ جذبہ اُبھرتا ہے

خواہ یہ مفاد مال سے تعلق رکھتا ہو خواہ آبرو سے اور خواہ جان سے ۔مثلاً کوئی شخص کسی کو مالی نقصان پہنچائے، یا اس کی توہین کرے یا اس کے جسمانی آزار کا باعث ہو تو فوراً انتقام کے لیے آمادہ ہو جائے گا۔

جب انتقام کی آگ بھڑکتی ہے ،اور کوئی شخص بدلہ لینے کے لیے آمادہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی قوتوں کا جائزہ لیتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کے اندر کون سی ایسی طاقت موجود ہے ،جسے وہ اپنے حریف کے خلاف کامیابی سے استعمال کر سکتا ہے ۔پس انسان میں جو خاص طاقت ہوتی ہے وہ اُسے استعمال کر کے اپنے حریف کو نقصان پہنچاتا ہے اور انتقام کے جذبے کو تسکین دیتا ہے۔

چنانچہ ایک تنومند اور طاقتور انسان جب کسی سے انتقام لینا چاہتا ہے تو اس کی رگوں میں خون کھولنے لگتا ہے اس کے بازوؤں کو جنبش ہوتی ہے اور وہ اپنے حریف کو زدوکوب کی دھمکی دیتا ہے یا بالکل مغلوب الغضب ہو کر اسے جسمانی آزار پہنچاتا ہے اور اس طرح اپنے دل کا بخار نکالتا ہے ۔

جب کسی شخص میں طاقتِ جسمانی نہیں ہوتی تو وہ اپنی دوسری قوتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے ۔مثلاً اگر وہ ذہین چالاک اور قانونی نکات سے واقف ہے تو وہ اپنے حریف کو کسی آفتِ ناگہانی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اُسے بدنام و رسوا کرتا ہے اور اس کی عزت و شہرت کو خاک میں ملا دینے کی تدبیریں سوچتا ہے۔

اگر کوئی شخص دولت یا حکومت رکھتا ہے تو حریف کو طرح طرح کے جانی اور مالی نقصان پہنچاتا ہے ۔روپے میں بڑی طاقت ہے ۔اس کے ذریعے سے ناخداترس شوریدہ پشتوں اور قاتلوں کو مول لیا جا سکتا ہے اور پھر انہیں مخالفین کی ایذا رسانی پر مامور کیا جا سکتا ہے ۔جب ایک شخص کسی اور طریقے سے انتقام نہیں لے سکتا تو وہ روپیہ خرچ کر کے اس طرح اپنے اشتعالِ طبع کو فرو کرتا ہے ۔ارباب حکومت اگر کسی سے بدلہ لیتے ہیں تو حوالات اور جیل کے دروازے اس کے لیے کھول دیتے ہیں یا جرمانے وغیرہ کے ذریعے سے اُسے مالی نقصان پہنچاتے ہیں ایک وکیل کسی سے بدلہ لیتا ہے تو اس کے برخلاف ایک مقدمہ کھڑا کر دیتا ہے اور قانون کی مدد سے اُسے موردِ الزام ٹھہرا کر سزا دلواتا ہے ۔

ایک شاعر کسی سے انتقام لینا چاہتا ہے تو اس کی دماغی قوتیں فوراً بیدار ہو جاتی ہیں اور وہ ایک ہجو تیار کر کے اور اپنے حریف کو منظوم گالیاں دے کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیتا ہے۔

ایک اخبار نویس کسی سے بگڑتا ہے تو اپنے اخبار کے صفحات اس کے سامنے آجاتے ہیں ۔جن کے ذریعے سے وہ جس کے دامنِ شہرت کو چاہے داغدار ثابت کر سکتا ہے ۔وہ اپنی انشا پردازی کی مشق کو ایک بڑی طاقت سے تعبیر کرتا ہے اور غرور اس کے کان میں کہتا ہے کہ تمہارا قلم اصفہان کی تلواروں اور جرمنی کی توپوں سے کم قوت نہیں رکھتا۔

آقا کسی نوکر سے بدلہ لیتا ہے تو معمولی حالت میں اُسے فوائد سے محروم کر دیتا ہے اور زیادہ جوش کی حالت میں وہ اس کے علاوہ نقصان بھی پہنچاتا ہے ۔یعنی صرف اُسے برخواست کر دینے سے اس کے جذبۂ انتقام کو تسکین

نہیں ہوتی بلکہ اُسے متہم کر کے جیل بھجوانے کی بھی کوشش کرتا ہے۔

بہر حال انتقام کا جذبہ بہت خوفناک ہے اور دُنیا میں ہر طرف اس کی آگ مشتعل نظر آتی ہے۔ انسان اپنے مفاد کے خلاف کسی کو دیکھنا ہی نہیں چاہتا۔ ایک فقیر سے لے کر ایک امیر تک بلکہ ایک بادشاہ تک میں انتقام کا جذبہ موجود ہے۔ رشتہ دار، رشتہ دار سے اور دوست، دوست سے اس کی بدی کا انتقام لینے کے لیے آمادہ ہے۔ جب انتقام لینے میں طاقت موجود ہے تو وہ اپنے حریف کے خلاف اس طاقت کو استعمال کرتا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو اپنے ستانے والوں سے انتقام لینے کے لیے کسی قسم کی طاقت نہیں رکھتے۔ نہ ان کے پاس زورِ بازو ہے۔ نہ دولت وحکومت ہے۔ نہ ان کے منہ میں زبان ہے اور نہ ہاتھ میں قلم ہے۔ ایسے بیکسوں کا جب دل دکھتا ہے اور کوئی ان کے ساتھ بدی کرتا ہے تو وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، ان کے مُنہ سے ایک آہ نکلتی ہے۔ آہ! یہ وہی آہ ہوتی ہے۔ جس کے متعلق حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

یہ انتقام بہت سخت ہوتا ہے۔ اس کا مقابلہ دُنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔ یہ آہیں کبھی بجلیاں بن کر اہلِ ظلم کے خرمن حیات پر گرتی ہیں اور کبھی سیلاب بن کر زندگی کی تعمیر کو فنا کرتی ہیں۔ ؎

چوبِ خدا صدا ندارد وقتیکہ زند دوا ندارد

اس کی وجہ یہ ہے کہ انتقام کا کام قدرتِ الٰہی اپنے ذمّے لے لیتی ہے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان صبر وضبط کے ساتھ اپنے معاملات عدالتِ ایزدی کے سپرد کر دے اور سچے دل سے کہے کہ "میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا بندوں سے خوب آگاہ ہے۔" ؎

تو مشو مغرور از حلمِ خُدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

اگر لوگوں کو صبر و تحمل کی عادت ہو جائے اور وہ واقف ہو جائیں کہ ع

در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست

تو انسانی زندگی ہزارہا تلخیوں اور نامرادیوں سے پاک ہو جائے۔ اگر صبر کی تکلیف نہ اُٹھائی جائے تو کم از کم غور وفکر ہی سے مدد لے کر معاملات کو آسان بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً جب کسی شخص سے بدی سرزد ہو تو اس کے اسباب پر غور کریں اور جب انتقام کا جذبہ ہمارے دل میں پیدا ہو تو اس کے انجام و عواقب کو پہلے سوچ لیں۔ صرف ان دو باتوں پر عمل کرنے سے بڑی خذنک انتقام کی آگ فرو ہو جائے گی اور ہمارے قلوب بغض و عداوت کی آلودگیوں سے نجات پا جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو جسمانی، مالی، اجتماعی یا علمی طاقت یا حکومت عطا کی ہے تو اس عطیۂ خداوندی کو انتقام اور ایذا دہی میں صرف کرنا اس کی بدترین توہین ہے۔ جس سے ہر شکر گزار بندے کو اجتناب کرنا چاہیے۔ ایک جنگ میں حضرت علیؓ اپنے دشمن کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ قریب تھا کہ اُسے خنجر سے قتل کر دیں کہ دشمن نے آپ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اس کے سینے سے اتر آئے۔ دشمن نے اس غیر متوقع اور بے محل مہربانی کی وجہ

دریافت کی تو آپ نے فرمایا "پہلے تم سے خدا کے لیے دشمنی تھی، اب ذاتی غصہ وانتقام کا نتیجہ ہوگی۔" عفو اسلامی کی اس مثال سے وہ شخص مسلمان ہوکر کفّار کے ساتھ لڑتا رہا۔

حکایت: ایک نیک دل شخص نے اپنے اکلوتے فرزند کو ایک سو اشرفی دے کر بسلسلہ تجارت سفر پر روانہ کیا۔ قضا کار پہلی ہی منزل میں ایک ڈاکو نے قتل کرکے اس کا تمام مال لوٹ لیا۔ چند راہروؤں نے ہر چند کہ قاتل کا تعاقب کیا۔ لیکن وہ بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہوگیا۔ اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاکر وہ مقتول کے گاؤں میں اس کے باپ ہی کے گھر پہنچ گیا اور تمام وارداتِ قتل وغارت سناکر اس سے چند روز کے لیے پناہ مانگی۔ تاکہ خطرے کا وقت گزر جائے اور اسے اس خدمت کے عوض میں مال غنیمت میں سے نصف حصے کا لالچ بھی دیا۔ نیک دل باپ نے تھیلی اور مقدارِ رقم سے صحیح اندازہ لگالیا کہ یہ میرا بیٹا ہی قتل ہوا ہے۔ مقتول کے باپ نے تین روز تک اس کی نہایت خاطر تواضع کی۔ چوتھے روز اس نے قاتل سے باچشم پُرآب دست بستہ عرض کیا کہ جس نوجوان کو تم قتل کرکے اس کا مال لوٹ کر لائے ہو، فی الحقیقت میرا ہی اکلوتا بیٹا تھا۔ بہتر ہے کہ آپ اب یہاں سے تشریف لے جائیں کیونکہ خطرے کا وقت گزر چکا ہے۔ لیکن اب مجھے یہ خطرہ ہے کہ مبادا شفقتِ پدری وفطرتِ انسانی سے مجبور ہوکر کسی وقت میرے جذباتِ انتقام جوش میں آجائیں اور میں مغلوب الغضب ہوکر تمہیں قتل کر ڈالوں اور ثواب صبر سے محروم رہ کر اُلٹا گرفتارِ عقوبت ہو جاؤں"۔ چنانچہ قاتل فرزند کو مع مال غنیمت کے بغیر کسی قسم کے اظہارِ رنج کے رخصت کر دیا گیا۔ ؎

سنا ہیں نے مردانِ راہِ خدا ۔ نہ قتلِ پسر کا بھی لیں انتقام
جو ادنیٰ خطا پہ بھی ہو منتقم ۔ تجھے کب میسّر بھلا یہ مقام

انتقام کُتّے کو صرف اس لیے کاٹنا ہے کہ اس نے تمہیں کاٹا ہے۔

بہترین خوبی معاف کرنا اور فراموش کرنا ہے اور یہ خوبی پیدا کرنا بیحد مشکل ہے۔ انتقام خاصّۂ بشریت ہے؟

شاہ ہناطلہ اور شاہ خراسان کے درمیان جنگ ہوئی۔ شاہ ہناطلہ کے ارکانِ دربار شاہ خراسان کو اس مضمون کے خطوط بھیجتے تھے کہ ہم تمہاری ہر طرح کی امداد کریں گے۔ تم بے خطر ہوکر شاہ ہناطلہ پر فوج کشی کردو۔ شاہ خراسان نے وہ تمام خطوط سربمہر کرکے خزانے میں رکھوا دیئے۔ اتفاقاً شاہِ ہناطلہ غالب آیا جب خزانے پر قبضہ کرلیا، وہ تھیلی بھی ملی۔ شاہ ان خطوط کو دیکھ کر حقیقتِ حال اور امرواقعہ سمجھ گیا اور انہی ارکان دربار کو بلاکر کہا کہ یہ خطوط مجھے ملے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ لوگوں نے حفظِ ماتقدّم کیا ہو۔ لہٰذا اب ان کو جلا دیں۔ چنانچہ اپنے سامنے ان تمام خطوط کو جلوا دیا۔ اور اُن ارکانِ دربار سے کوئی باز پُرس نہ کی اور ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رکھ کر مطیع وفرمانبردار بنالیا۔ عفو درگزر کی ایسی مثال کم ملے گی۔

اَلدُّنیا زُورٌ

ایک مولوی صاحب ہرچند کہ علم و فضل کے لحاظ سے شبلیؒ دوراں اور زہد و عبادت کی رُو سے جُنیدؒ زماں تھے۔ لیکن افلاس و تنگدستی، جو کہ طبقہ علما و فضلا کا موروثی ہے، وراثت کے اس کُلیے سے وہ بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ دائمی افلاس و تنگدستی سے تنگ آکر ایک روز بیوی صاحبہ نے کہا "بیشک دینداری افضل ترین نعمت ہے لیکن کیا ہی خوب ہوتا کہ اگر آپ دینداری کی حفاظت کے ساتھ ساتھ دنیاداری کا بھی کچھ خیال رکھتے۔ کیونکہ فقر اور کفر ایک دوسرے کے بہت نزدیک ہیں" کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا "حقوق نفس کی ادائیگی ہر انسان پر فرض ہے اور جائز صورتوں میں زندگی قائم رکھنے کے واسطے حصولِ دنیا کسی طرح اُصولِ دین کے خلاف نہیں ہے۔ اس تنگدستی نے میرے تو اعتقاد کو متزلزل کر دیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ دنیا کی درستی کے لیے بھی آپ بنقاضیِ دین ممکن العمل جائز تدابیر اختیار کریں"۔

مولوی صاحب نے فرمایا "یہ دُنیا چند روزہ ہے مشکل یا آسان کسی نہ کسی طرح سے گزر ہی جائے گی ہر حال میں وطیرہ صبر و شکر اختیار کرنا چاہیے اور اس عارضی فائدے کو حاصل کرنے کے لیے دینداری کو ترک کر کے ابدی راحت سے محروم رہنا نہایت خسارے کا سودا ہے نیز "اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَّطَالِبُھَا کِلَابٌ" (دُنیا ایک مُردار ہے اور اس کے چاہنے والے کُتّے)۔ بیوی نے کہا کہ دینداری کے ساتھ بھی دنیا کمائی جاسکتی ہے"۔ مولوی صاحب نے کہا "یہ بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ دنیا ایک مکر ہے اور بغیر مکر و فریب حاصل نہیں ہوسکتی" "اَلدُّنْیَا زُوْرٌ وَلَا یُحْصَلُ اِلَّا بِالزُّوْرِ" (مکر و فریب اور دینداری ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے) اگر تیری یہی خواہش ہے تو تجربہ کے طور پر میں تجھ کو اس کا نتیجہ بھی دکھلا دیتا ہوں تاکہ تجھے پختگیِ اعتقاد حاصل ہوسکے"۔

مولوی صاحب گھر سے رخصت ہوگئے اور چند روز کے بعد کسی دوسرے شہر میں پہنچ گئے۔ چونکہ زورِ علم کی وجہ سے زورِ عقل کافی رکھتے تھے۔ داڑھی منڈوا، پیشانی پر قشقہ لگا، زنّار گلے میں پہن کر ایک مسجد میں تشریف لے گئے اور نمازیوں کے بھرے مجمع میں اپنے مسلمان ہونے کی خواہش کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا "میں ایک متموّل برہمن خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرے میلانِ اسلام کو دیکھ کر تمام اہل خاندان مجھ سے مخالفت رکھتے اور ہر وقت درپے ایذا رہتے تھے۔ اُن کے جور و ظلم سے تنگ آکر اور ان کے وجود کو اپنی اس مبارک خواہش کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھ کر اپنی بیوی، بال بچوں اور لاکھوں کی جائیداد چھوڑ کر نورِ اسلام سے روشنی حاصل کرنے اور شرف ایمان سے مشرف ہونے کے لیے اپنی جان بچا کر وطن سے سینکڑوں کوس دُور یہاں پر حاضر ہوا ہوں۔ آپ مجھے مسلمان بنا لیجیے"۔ اُن کی اس درخواست پر تمام مسلمان نہایت خوش ہوئے اور شوقِ اسلام میں اس بے نظیر قربانی و ایثار کا اس شہر میں گھر گھر چرچا ہونے لگا۔ مصنوعی برہمن یعنی نومسلم صاحب اس مسجد میں ہر وقت جاروب کشی کرتے۔ نمازیوں کے وضو کے واسطے پانی بھرتے، چراغ وغیرہ جلاتے۔ غرضیکہ ہر قسم کی خدمت متعلقہ مسجد کو

نہایت اہتمام اور تندہی سے انجام دیتے اور روکھی سوکھی کھا کر فاضل اوقات میں شب و روز مصروفِ عبادت و مشغول طاعات رہتے۔ چند روز اسی طرح گزر گئے اور لوگوں کے دلوں پر ان کے زہد و ریاضت کا کافی اثر ہو گیا تو ایک دن جمعۃ الوداع کی نماز کے بعد ہزارہا نمازیوں کے مجمع میں آپ نے کھڑے ہو کر باآوازِ بلند فرمایا "الحمدللہ کہ گزشتہ شب خواب میں حضرت خضرؑ نے میرے عقائدِ اسلامی پر سچے طور سے عمل پیرا ہونے کے نتیجے میں مجھے اپنے سینۂ مبارک سے لگا کر علوم دین کے تمام دروازے مجھ پر کھول دیئے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں بھی اپنے رحمتِ خدا سے مرحمت شدہ علم و وعظ سے لوگوں کو مستفیض کروں۔ شہرت تو اُن کی بہت ہو چکی تھی، اس غیر معمولی بات نے سب لوگوں کو متعجب کر دیا۔ اور بے ساختہ تمام لوگ اشتیاقِ وعظ اعجاز نما میں ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"نومسلم صاحب" نے منبر پر چڑھ کر اس قدر پُر زور اور رقت خیز وعظ فرمایا کہ فرطِ تاثیر سے ہر ایک شخص گریۂ بے اختیار پر قدرتِ ضبط نہ رکھ سکا۔ سینکڑوں اشخاص نے اسی وقت مُرید بننے کی درخواست کی۔ آپ نے سب کو اپنی سلکِ ارادت میں منسلک کر کے مُرید بنا لیا۔ اور مریدانِ زود اعتقاد و خوش عقیدہ نے حسبِ توفیق خود معقول نذرانے چڑھائے۔ اس کے بعد ہر روز نئے نئے مُرید بنائے جانے کا سلسلہ بکثرت جاری رہا۔ "مصنوعی پنڈت" بعد میں نومسلم اور حال کے پیر جی صاحب نے مُریدوں کی ایک فہرست مرتب کی۔ جس میں مرید کا نام و مقام اور رقومِ نذرانہ کا نہایت باقاعدگی کے ساتھ اندراج ہوتا رہا۔ جب کافی رقم جمع ہو گئی تو ایک موقع پا کر رات کی تاریکی میں مولوی صاحب کافی دولت ہمراہ لے کر بغیر کسی کو اطلاع دیئے اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔ چند روز بعد گھر پہنچے تو بیوی صاحبہ اسی دولتِ کثیر کو اس قلیل عرصہ میں اپنے غریب خانہ میں دیکھ نہایت خوش ہوئی۔ جو کہ حقیقی معنوں میں اب دولت خانہ بن گیا تھا۔

اے دیانت بر تو لعنت کز تو رنجے یافتم اے خیانت بر تو رحمت از تو گنجے یافتم

مولوی صاحب نے حصولِ دولت کے تمام پُر فریب ذرائع کو بیان کر کے کہا کہ اے نیک بخت! ایک طرف تو یہ بیان کردہ مذموم طریقوں سے حاصل شدہ دولت کا یہ ڈھیر پڑا ہے اور ایک طرف غیر مرئی دولتِ ایمان ہے ان دونوں میں سے جس چیز کو تو چاہے قبول کر لے۔ بیک وقت دونوں چیزوں کا اجتماع ناممکن ہے۔ سعادت مند اور ایمان پسند بیوی کے ضمیر تربیت پذیر نے اس کلام پُر تاثیر کو سننے کے بعد دولتِ ایمان کو دولتِ دُنیا پر ترجیح دے کر اپنی موجودہ حالت افلاس و فقر میں صابر و شاکر رہنا بہزار رضا و رغبت قبول کیا اور مولوی صاحب نے وہ تمام دولت جو بطور زرِ امانت اُن کے پاس چند روز کے لیے تھی، اسی شہر میں جا کر فہرست مرتب شدہ کی رُو سے اُن تمام مریدوں کو بجنسہٖ نام بنام واپس کر دی۔ وہاں کے لوگوں نے مولوی صاحب کے اس طرح غائب ہو جانے کو کراماتِ غیبی پر محمول کیا تھا۔ جب انہوں نے دوبارہ مولوی صاحب کے آنے اور رقومِ نذرانہ کی نام بنام واپسی کا حال دیکھا اور مولوی صاحب نے اس تمام مکر و فریب کا سچا واقعہ اور اس کے کارناکردنی کی وجوہات بیان کیں، تو ان کے حسنِ عقیدت میں مزید تقویت ہو گئی اور بدستور ان کے حلقۂ ارادت میں رہنے کی خواہش ظاہر کی

یہ مخلصانہ درخواست تو مریدوں کی چار و ناچار مولوی صاحب نے قبول فرمالی۔ لیکن نذرانہ وغیرہ کسی صورت میں بھی قبول نہ کیا۔ اور اپنے گھر واپس آکر اپنی رفیق زندگی کو اپنے جیسا پختہ اعتقاد بنا کر نہایت صابرانہ اور رضا لحانہ زندگی بسر کی۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو ایسی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

بہلولؒ کا یہ قول سنا تھا کبھی ہم نے
جو دین کو رکھتے ہیں وہ دنیا نہیں رکھتے

یعنی کہ جو دیندار ہیں وہ دین کے آگے
دنیا کی کسی شے کی تمنا نہیں رکھتے

کرنے کو تو کرتے ہیں وہ دنیا کے بکھیڑے
پر اُنکا ہوا اُن میں دل اپنا نہیں رکھتے

محنت سے مشقت سے کماتے ہیں کمائی
دامانِ طلب حد سے زیادہ نہیں رکھتے

حاصل یہ کہ دنیا میں گزر کرتے ہیں دیندار
اس شکل سے جیسے کہ وہ دنیا نہیں رکھتے

خاکساری

چھوڑ کر اپنی تعلّی کر تواضع اختیار
رتبہ مسجد کے منارے کا ہے کم محراب سے

ایک مجمع میں کسی بزرگ کا تذکرہ تھا۔ بعض تو کہتے تھے، سبحان اللہ قطب وقت ہیں۔ ایسا با خدا آدمی اس زمانے میں کہاں ہے؟ بعض کہتے تھے، بھائی ہم تو معتقد نہیں۔ دنیا میں رہ کر خدا پرستی معلوم۔ سامانِ دنیا کیا وہ نہیں رکھتے۔ بی بی، بچے، مکان، کھانا پینا سبھی کچھ ہے۔ نماز روزہ کون نہیں کرتا: بزرگی کا اور ہی رُتبہ ہے۔

ایک شخص نے ارادہ کیا کہ امتحان لیں۔ یہ ٹھہرا کر اُن بزرگ سے جا کر کہا کہ آج بندے کے یہاں آپ کی دعوت ہے۔ گرمی کے دن ہیں۔ ایسا کیجیے کہ نمازِ مغرب وہیں پڑھیے۔ غریب خانے کے قریب مسجد بھی ہے۔ بڑی بھاری جماعت ہو جاتی ہے۔ ان بزرگ نے دعوت کو بلا تامّل قبول کیا اور نمازِ مغرب سے پہلے مسجد میں جا حاضر ہوئے۔ نمازِ مغرب کے بعد وظیفہ پڑھتے پڑھاتے رہے اور یہاں میزبان نے گھر سے نکل کر صورت نہ دکھلائی میزبان صاحب منتظر تھے کہ مہمان صاحب دِق ہو کر خود متقاضی ہوں گے۔ یہاں تقاضے کا کیا ذکر۔ جب نمازِ عشا کا وقت ہوا تو دروازے پر ایک مہترانی رہتی تھی۔ یہ بزرگ اس سے کہہ گئے کہ نیک بخت میں نماز کو جاتا ہوں۔ اگر میزبان صاحب پوچھیں تو مہربانی کر کے کہہ دینا کہ وہ شخص نماز کو گیا ہے۔ ان بزرگ نے نمازِ جماعت تو مسجد میں پڑھی اور سلام پھیرتے ہی پھر چلے آئے اور کچھ پڑھنے کو باقی تھا میزبان کے دروازے پر آکر پڑھا۔ یہاں تک کہ آدھی رات ہونے کو آئی۔ تب میزبان نکلا۔ مہمان کو دیکھا تو موجود۔ دیکھتے ہی بولا "آہا آپ آئے اور مجھ شامت زدہ کو دعوت کا خیال بھی نہ رہا۔ اب اس وقت کیا ہو سکتا ہے۔" مہمان نے کہا "کیا مضائقہ معمولی بات ہے" یہ کہہ کر بہت ادب سے رخصت طلب کی۔ میزبان نے کہا "اچھا تو ٹھہریئے میں گھر میں جا کر دیکھوں کچھ بچا کچا یا ہو تو لے آؤں"۔ گھر میں گیا تو پھر گھنٹوں کا غوطہ لگایا۔ بڑی دیر کے بعد نکلا تو پھر کہا "کچھ موجود نہیں ہے۔ معاف کیجیے"۔

مہمان ہشاش بشاش رخصت ہونے لگا۔ تو پھر اس نے کہا "آپ جاتے تو ہیں مگر میراجی چاہتا ہے کہ آپ بھوکے نہ چلے جائیں۔ ذرا صبر کریں تو کچھ تدبیر کروں"۔ بزرگ نے فرمایا کہ "کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ میں چلا جاتا ہوں"۔ میزبان نے کہا، نہیں ذرا ٹھہریے، یہ کہہ کر پھر گھر میں گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اندر ہی سے کہا "شاہ صاحب تشریف لے جائیے"۔ شاہ صاحب نے پکار کر سلام کیا اور چلنے لگے۔ گلی کے باہر ہو گئے تھے کہ پھر اس نے پکارا تو شاہ صاحب پھر آ گئے۔ اس شخص نے کہا "اور تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک پیسہ حاضر ہے۔ شاہ صاحب نے بڑی خوشی سے لے لیا اور خوش و خرم پھر چلے۔ پھر اس شخص نے بلایا اور کہا "میاں فقیر تو بڑا طماع اور حریص ہے۔ ایک وقت کے کھانے کے واسطے تو نے میری تمام رات ضائع کی"۔ شاہ صاحب رونے لگے اور ہاتھ جوڑے "بھائی خدا تعالیٰ کے لیے میری خطا معاف کر دو۔ واقعی میرے سبب سے تم کو آج تکلیف ہوئی۔ وہ شخص بولا "جی چاہتا ہے کہ اس قصور کے بدلے تیرے سارے کپڑے اُتروا لوں"۔ شاہ صاحب کپڑے اتارنے لگے تو اس نے شاہ صاحب کے قدموں پر سر رکھ دیا اور کہا درحقیقت آپ بڑے بزرگ آدمی ہیں اور اس امتحان لینے میں مجھ سے بڑا قصور ہوا للہ معاف فرمائیے"۔ شاہ صاحب نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور کہا میاں یہ تمہارا خیال ہے کیسی بزرگی اور کہاں کی خدا پرستی۔ میں تو پیٹ کا کتا ہوں۔ سب کتے ایسے ہی کرتے ہیں۔ جو میں نے کیا۔ ٹکڑا دکھلاؤ یا بلاؤ تو دوڑ آئے ذرا دھمکاؤ تو قدم دو قدم پیچھے ہٹ جائے۔ یاد رکھو کہ خاکساری خدا رسیدہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس شخص میں یہ نہیں، وہ کتنا ہی عالم و فاضل، عابد و زاہد اور ہمہ صفت موصوف کیوں نہ ہو، ہیچ ہے"۔ ھ

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں — اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

با سفلگاں طریقہ تسلیم حکمت است — پیش آیدت اگر در پستی خمیدہ رو ھ

ایک سرد مزاج بُردبار شخص نے ایک سادھو کی جانچ کرنی چاہی کہ دیکھوں یہ سادھو کیسے ہیں؟ اور پھر اُن کا چیلا بن جاؤں۔ چنانچہ وہ ان مہاتما جی کے پاس گیا۔ دیکھا تو وہ اپنی کٹیا میں بیٹھے ہیں۔ اس شخص نے کہا "مہاراج! تھوڑی سی آگ دے دو"۔ سادھو نے کہا "بھائی آگ میری کٹیا میں نہیں"۔ دراصل آگ تھی بھی نہیں۔ لیکن اس شخص کا مقصود تو انہیں معلوم کرنا تھا۔ اس لیے اس نے پھر کہا "مہاراج! آگ تھوڑی ہی سی دے دیجیے"۔ تب سادھو نے اور منہ بنایا اور غضبناک ہو کر کہا کہ "چلا جا۔ کیسا آدمی ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ آگ نہیں ہے، یہ مانتا ہی نہیں اور مانگے چلا جاتا ہے"۔ اِس پر اُس شخص نے کہا "مہاراج دھواں تو اُٹھتا ہے، تھوڑی ہی دے دیجیے"۔ اب تو سادھو کو اس قدر غصہ آیا کہ مارے غضب کے منہ اور آنکھیں سرخ ہو گئیں اور سونٹا اُٹھا کر مارنے کو دوڑا۔ اس شخص نے ہاتھ جوڑے اور پاؤں پر پڑ گیا۔ اور کہنے لگا "مہاراج! اب تو آگ اچھی طرح سے جلنے لگی، چھما کیجیے اور میری گستاخی معاف فرمائیں"۔ سادھو نے کہا "تو مجھ سے بار بار کیوں آگ مانگتا تھا؟" اس شخص نے کہا "مہاراج! میں نے آپ کی خاکساری کی جانچ کی تھی۔ جو کرودھ آپ کو پہلے آیا تھا، وہ آگ کا سُلگنا اور دھوئیں کا اُٹھنا تھا۔ اور جو کرودھ بعد میں پیدا ہوا۔ وہ گویا آگ کا پورے طور پر بھڑک اُٹھنا تھا۔ یہ آگ آپ کے دل سے پیدا ہوئی اور منہ کے راہ نکلی۔ پہلے یہ اپنے

آپ کو، پھر دوسرے کو جلاتی ہے۔ آپ میں اگر خاکساری ہوتی۔ تو غصہ کی آگ آپ کو ہرگز نہ جلاتی۔ جیسا کہ آگ کا خاک پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔" ؎

ہر کہ شد خاک نشیں برگ و برے پیدا کرد	سبز شد دانہ چو با خاک سرے پیدا کرد
؎ خاک میں بھی ڈھونڈنے پر نہ ملے اپنا نشاں	خاکساری خاک کی جب خاک ساری رہ گئی
؎ غبارِ راہ ہو کر چشمِ مردم میں محل پایا	نہالِ خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا

حضرت سعدیؒ نے خاکساری کی فضیلت کو اِس قطعہ میں ظاہر فرمایا ہے۔ ؎

در خاکِ بیلقاں رسیدم بہ عابدے	گفتم مرا بہ تربیت از جہل پاک کن
گفتا برو چو خاک تحمّل کن اے فقیہہ	یا ہر چہ خواندۂ ہمہ در زیر خاک کن

جس طرح خاکساری سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ اسی طرح دل آزاری سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ ؎

ہزار گنج قناعت ہزار گنج کرم	ہزار طاعتِ شب ہا ہزار بیداری
ہزار روزہ و ہر روز دہ ہزار نماز	قبول نیست اگر خاطرے بیازاری

حقیقی نیکی

ایک بوڑھے نے اپنے تینوں بیٹوں کو روبرو بلا کر اپنی تمام نقدی جائیداد کو بحصہ رسدی مساوی طور پر تقسیم کر دیا اور ایک بیش قیمت جواہر دکھلا کر کہا کہ اس کا مستحق وہ بیٹا ہوگا جو میری زندگی کے بقیہ چند ایّام میں سب سے اچھا کوئی نیکی کا کام کرے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک لڑکے نے آکر کہا کہ اب وہ جواہر مجھے دیجیے۔ بوڑھے نے پوچھا کہ کس نیکی کے عوض تم یہ جواہر طلب کرتے ہو؟ لڑکے نے کہا کہ ایک شخص نے پانچ ہزار روپے میرے پاس بطور امانت رکھے جس کے متعلق نہ کوئی نوشت تھی اور نہ ہی گواہ شاہد تھا۔ اس شخص کے واپس آنے اور امانت طلب کرنے پر میں نے اس کی پانچ ہزار روپے کی امانت اس کو واپس کر دی۔ حالانکہ اگر میں انکار کر دیتا تو وہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ اس سے بڑھ کر نیکی کا کام اور کیا ہو سکتا ہے؟ بوڑھے نے ہنس کر کہا کہ نیکی کا یہ ایک معمولی کام ہے جس کو کچھ اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ تم ایک گناہ سے بچ گئے۔ اگر دوسرے دونوں لڑکوں نے میری زندگی میں اس سے زیادہ اچھا کام نہ کیا تو مرتے وقت یہ جواہر تم کو دے دیا جائے گا۔

چند روز کے بعد دوسرا لڑکا بوڑھے باپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور وہ جواہر طلب کیا۔ بوڑھے نے پوچھا کہ کس نیکی کے عوض؟ لڑکے نے جواب دیا کہ دریا نہایت طغیانی پر تھا۔ اتفاقاً ایک لڑکا پل پر سے دریا میں گر گیا۔ اس کے ماں باپ اور دیگر سینکڑوں اشخاص میں سے کسی کو اس کے نکالنے کا حوصلہ نہ ہُوا۔ میں نے اپنی جان کو صریح خطرے میں ڈال کر بڑی مشکل کے ساتھ اس لڑکے کو زندہ نکالا۔ اس سے بڑھ کر نیکی اور قربانی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

بوڑھے نے ہنس کر کہا کہ ہمدردی اور انسانیت کا یہ ایک معمولی فعل ہے اور اگر تیسرے بیٹے نے اس سے بہتر کوئی کارنامۂ نیکی نہ دکھلایا تو یہ جواہر تم کو دے دیا جائے گا۔

چند روز کے بعد تیسرا لڑکا باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بخلاف دونوں بھائیوں کے جواہر تو طلب نہ کیا۔ البتہ اپنی کارگزاری یوں بیان کی کہ میرا ایک جانی دشمن نشہ شراب سے مخمود پہاڑ کے ایک غار کے مُنہ پر اس طریقے سے بے ہوش پڑا تھا کہ اِدھر اُدھر ذرا سی حرکت کرنے پر وہ اس قدر بلندی سے گر کر ضرور مرجاتا۔ باوجود اپنا دشمنِ جانی جاننے کے میں نے اُس کو اٹھایا اور اپنے مُنہ کو میں نے کپڑے سے ڈھانپ لیا۔ تاکہ اگر وہ جاگ جائے تو میری صورت پہچان کر شرمندہ نہ ہو۔ اور رات کی تاریکی میں اپنی پشت پر اٹھا کر اس کے گھر چھوڑ آیا۔ بوڑھے نے بلا تامل وہ جواہر اس کے حوالے کیا اور کہا کہ درحقیقت تیری نیکی قابل صد ہزار ستائش اور حقیقی نیکی ہے اور اس جواہر کا تیرے سے زیادہ کوئی مستحق نہیں ہوسکتا۔ نتیجہ یہ کہ نیکی وہی ہے جو دشمنوں اور بُرے لوگوں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ورنہ ؎

اگر مردی اَحْسِنْ اِلیٰ مَنْ اَسَا بدی را بدی سہل باشد جزا

مُسَبِّبُ الْاَسْبَاب

؎ دولتِ تقدیر کو تدبیر کی حاجت نہیں معدنِ زر ہے جہاں اکسیر کی حاجت نہیں

نظام الملک وزیر شاہ پہلے نہایت مُفلس تھا۔ باورچی خانہ کے داروغہ کے پاس جا کر نوکر ہُوا تھا۔ وہ اُسے حساب کرنے کے واسطے دیوان کے ہاں بھیجا کرتا تھا۔ دیوان نے جب اس کی چال ڈھال اچھی دیکھی، اپنے نزدیک پیشکاری پر رکھا۔ پھر چند روز میں اُسے اپنا نائب بنایا۔ اتفاقاً دیوان سخت بیمار پڑا کہ بادشاہ کو سفر درپیش ہُوا فرمایا کہ اس کا نائب اس کے بدلے ہمارے ساتھ چلے۔ نظام الملک کے پاس کچھ لوازمہ سفر کا مہیا نہ تھا۔ اور نہ دیوان سے اس کی حالتِ علالت کی وجہ سے کچھ کہہ سکتا تھا۔ نہایت متحیّر ہُوا۔ اس حیرانی میں ایک مسجد میں جا کر نماز پڑھ کے ایک ستون سے لگ کر سر زانو پر دھرے سوچ میں بیٹھا تھا کہ ایک اندھا لاٹھی ٹیکتے ہوئے مسجد میں آیا اور پکارا کہ مسجد میں کون ہے؟ یہ چپ رہا۔ اسی طرح اس نابینا نے کئی مرتبہ آواز دی۔ لیکن اس نے زبان نہ ہلائی۔ پھر اندھے نے لاٹھی پھرا کر ساری مسجد ٹٹولی۔ لیکن یہ اپنے تئیں بچاتے ہوئے اِدھر اُدھر کھسک جاتا۔ جب وہ خوب احتیاط کر چکا اور سمجھ کہ اب تو یہاں کوئی بھی مسجد میں نہیں، مسجد کا دروازہ بند کر دیا اور محراب کے نزدیک سے فرش اُلٹ کر اور اینٹ سرکا کر ایک لوٹا زمین میں سے نکالا۔ اس میں ہزار اشرفی تھی۔ انہیں اُنڈیل کر تھوڑی دیر ان سے کھیلتا رہا۔ پھر اسی لوٹے میں وہ اشرفیاں ڈال کر اسی جگہ رکھ اس پر اینٹ جما اور بوریے سے چھپا کر باہر چلا گیا۔ نظام الملک وہ تمام زر نکال کر باربرداری، اونٹ، گھوڑے، خیمہ و دیگر سامان

تجمل درست کر کے سلطان کی رکاب سعادت میں روانہ ہوا اور سر وقت کی حضور باشی سے روشناس ہو گیا جب سفر سے مراجعت کی، دیوان کی رحلت ہو چکی تھی۔ اسی کے نام دیوانی مقرر ہو گئی۔ اس میں کچھ خیر خواہی بن پڑی تو درجۂ وزارت کو پہنچا۔ ایک روز شہر کے بازار میں چلا جاتا تھا کہ اسی اندھے کو رستے میں گدائی کرتے ہوئے شکستہ حال میں دیکھا۔ اپنے ساتھ لا کر خلوت میں اُسے پوچھا کہ تیرا مال جو جاتا رہا تھا، تو نے پایا یا نہیں؟ اندھے نے یہ سنتے ہی کود کر وزیر وزیر کا دامن پکڑ لیا۔ اور کہا "ہاں! ہاں!! ابھی پایا"۔ پوچھا "کیونکر"۔ وہ بولا "اس لیے کہ میں نے یہ بھید کسی سے نہ کہا تھا۔ تو نے جو ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کام تیرا ہی ہے"۔ تب وزیر نے وہ زر اُسے دلوایا اور اپنی طرف سے ایک گاؤں اس کی ملک کر دیا۔ نتیجہ یہ کہ جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی کو دولت بخشے تو اس کے اسباب بے رنج وسعی میسر کر دیتا ہے۔ ع

بختِ خنداں ہو اگر دنداں سے سنداں توڑ دے   بختِ خواب آلودہ میں فالودہ دنداں توڑ دے

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

با ہر کہ راست آید   از چپ و راست آید

حاضر جوابی

جنگِ صلیب وہلال زوروں پر تھی اور سلطان صلاح الدین رحمہ اللہ مجاہد اعظم کو روپے کی ضرورت تھی۔ لیکن روپیہ کہیں سے فراہم نہ ہوتا تھا۔ ایک افسر نے سلطان کی توجہ ایک بہت بڑے یہودی دولت مند کی طرف مبذول کرائی۔ جو دار السلطنت میں کاروبار کرتا تھا۔ سلطان نے فوراً یہودی کو طلب کیا۔ اس یہودی کی فہم و فراست بھی مشہور عوام تھی۔ سلطان نے اس یہودی سے سوال کیا "بتاؤ یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں سے تمہاری رائے میں کون سا مذہب حق پر ہے"؟

یہودی اس سوال سے بہت سٹ پٹایا اور سوچنے لگا کہ اگر وہ یہ جواب دیتا ہے کہ اسلام صحیح مذہب ہے تو سلطان سوال کرے گا کہ جب تم اسلام کو سب سے سچا مذہب تسلیم کرتے ہو تو خود اسلام کیوں قبول نہیں کرتے۔ اگر عیسائیت یا یہودیت کو افضل قرار دیتا ہے تو سلطان بُرا مانے گا اور نہیں معلوم کیا سزا دے۔ یہودی نے سوال سن کر لمحہ بھر تامل کیا اور نہایت ادب و عجز کے ساتھ عرض کیا۔

اے سلطان! اس سوال پر مجھے ایک حکایت یاد آگئی ہے۔ ایک بے حد دولتمند باپ تھا۔ اس کے کئی بیٹے تھے، جو سب کے سب نہایت مطیع و فرمانبردار خدمت گزار اور نیکو شعار تھے۔ باپ کو قدرتی طور پر سب سے بےحد محبت بھی تھی۔ لیکن ایک بیٹے پر اس کی زیادہ توجہ تھی۔ لیکن باپ مناسب نہ سمجھتا تھا کہ یہ بھی ظاہر نہ ہونے دیتا تھا کہ کونسا بیٹا اس کی نگاہ میں دوسروں سے فائق تر ہے اور اس بیٹے کو وہ اپنی ایک خاص انگوٹھی دینا چاہتا تھا۔ مگر یہ بھی نہ

چاہتا تھا کہ دُوسرے بیٹوں کو پتہ چل جائے اور اس سے حسد کرنے لگیں۔ اس لیے اس نے اصل انگوٹھی کے نمونے کی کئی ایک انگوٹھیاں سب بیٹوں کے لیے بنوائیں اور وہ خاص انگوٹھی علیحدہ رکھی اور چپکے سے اس بیٹے کو دے دی۔ جس پر اس کی خاص توجہ تھی اور ساتھ ہی باقی انگوٹھیاں سب بیٹوں میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ کوئی نہ جان سکا کہ وہ خاص انگوٹھی کس کے پاس ہے۔ لہٰذا مذہب کے متعلق بھی ہر ایک شخص کا یہی خیال ہے۔"

سلطان یہ حکایت سن کر بہت مسرور ہوا اور یہودی کو خلعتِ فاخرہ دے کر رخصت دیا۔ جب یہودی کو دوسرے ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ سلطان کی طلبی قرض روپیہ حاصل کرنے کے لیے تھی۔ تو وہ اشرفیاں خچروں پر لدوا کر دربار میں آیا اور خدمت سلطان میں پیش کر دیں۔ سلطان نے دستاویز لکھوا کر اپنی مہر لگا دی۔ جب معرکہ صلیب و ہلال سے کامیاب واپس آیا تو یہودی کو بلا کر تمام قرضہ مع مزید انعامات کے ادا کر دیا اور جب تک یہودی زندہ رہا، اس پر ہمیشہ عنایاتِ سلطانی جاری رہیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں فقیر عزیز الدین وزارت خارجہ کے اہم ترین عہدے پر مامور تھا۔ مہاراجہ کو آپ کی ذات پر بے حد اعتماد تھا۔ آپ کے سوا محل خاص کوئی دوسرا شخص بلا اجازت نہ جا سکتا تھا۔ فقیر موصوف ایک دن حسب معمول تسبیح بدست محل خاص میں مہاراجہ کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ مہاراجہ بھی اس وقت جواہرات کی مالا لیے رام نام جپ رہے تھے اور اہل ہنود کے طریق پر مالا کے دانے باہر سے اندر کی طرف کھینچے جاتے تھے اور فقیر صاحب مسلمانوں کے دستور کے مطابق تسبیح کے دانے اندر سے باہر کی طرف پھینکتے جاتے تھے۔ مہاراجہ نے فقیر صاحب سے دریافت کیا کہ مالا کے دانوں کا باہر سے اندر کی طرف کھینچنا بہتر ہے یا اندر سے باہر کی طرف پھینکنا بہتر ہے؟

یہ ایک ایسا بے ڈھب اور پیچیدہ سوال تھا جس کا جواب بہر دو صورت فقیر صاحب کو مضر پڑتا تھا یعنی اگر مہاراجہ کے طریقے کی تائید کریں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ خود کیوں اس کے خلاف کر رہے ہیں، اور اگر اپنے طریق سبحہ گردانی کو اچھا کہیں تو اس میں مہاراجہ کی صریح توہین تھی۔ فقیر صاحب نے کہا "حصول خیر کے لیے باہر سے اندر کو کھینچنا اچھا ہے۔ اور رفع شر کے لئے اندر سے باہر کو پھینکنا اچھا ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ، ان کے ولی عہد کھڑک سنگھ اور ولی عہد کھڑک سنگھ کے بیٹے کنور نونہال سنگھ محلِ خاص میں اکٹھے بیٹھے تھے۔ مہاراجہ نے فقیر صاحب سے دریافت کیا، ہم تینوں میں سے زیادہ خوش نصیب کون ہے؟ اب جس کے لیے بھی فقیر صاحب خوش نصیبی کا جواب دیتے ہیں تو باقی دونوں کی ناراضگی کا موجب ضرور تھا۔ فقیر صاحب نے کہا "مہاراجہ صاحب! میں تو ولیعہد کھڑک سنگھ کو خوش نصیب خیال کرتا ہوں۔ جن کو ایسا با اقبال باپ اور ایسا اسم با مسمیٰ ہونہار "نونہال" ملا ہے۔" اس جواب سے تینوں نسلیں خوش ہو گئیں اور فقیر صاحب کی حاضر جوابی اور تدبر و دانائی کا اعتراف کیا۔

عبرت: اب ان کی خوش نصیبی کا انجام بھی سن لیجیے: کھڑک سنگھ نے جو رنجیت سنگھ کا جانشین تھا، حکم دے دیا کہ فصیل شہر سے باہر جتنے مکان ہیں، سب گرا دیے جائیں۔ چنانچہ حضرت شاہ محمد غوثؒ کی خانقاہ بھی اس زد میں آ گئی

چونکہ مسلمانوں میں اضطراب پھیلنے کا اندیشہ تھا، اس لیے کنور نونہال سنگھ خود سپاہیوں کو لے کر خانقاہ کو منہدم کرنے کے لیے آیا۔ ابھی بیرونی دیواریں ہی گرائی گئی تھیں کہ کھڑک سنگھ مرگیا۔ نونہال سنگھ باپ کی لاش کو جلاکر واپس آرہا تھا کہ راستے میں ہلاک ہوگیا۔ اور اس قدر وقفۂ قلیل ہی میں سب کی خوش نصیبی ختم ہوگئی۔ ؎

بہ یک گردشِ چرخِ نیلوفری نہ نادر بجا ماند و نے نادری

تیز ہرکہ بندگانِ خدا تنگ کند، با خدائے خویش جنگ کند۔

امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید نہایت حاضر جواب شخص تھا۔ ایک روز اس نے کہا کہ میری تمام عمر میں تین شخصوں نے گفتگو میں مجھ پر غلبہ حاصل کیا۔ اوّل مادرِ فضل سہیل، جوکہ اس کے ماتم میں نہایت گریہ وزاری کرتی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ اس کے بجائے میں تیرا بیٹا ہوں اور تجھ کو اس سے زیادہ عزت و احترام اور آسائش و آرام کے ساتھ رکھوں گا اس نے کہا، ایسے فرزند کی موت پر جس کے باعث مجھے تیرے جیسا با اقبال و فرمانبردار فرزند ہاتھ آئے، کیوں گریہ زاری نہ کروں۔ دوسرے ایک سیاح نے مصر میں دعوائے پیغمبری کیا اور کہا کہ میں موسیٰ بن عمران ہوں۔ اس کو میرے پاس لایا گیا۔ میں نے کہا کہ موسیٰ بن عمران کے پاس تو معجزات تھے، ید بیضا اور عصا وغیرہ۔ تو بھی کوئی معجزہ دکھلا۔ اس نے کہا کہ موسیٰ نے معجزات اس وقت دکھائے تھے، جب فرعون نے دعوائے خدائی کیا اور کہا "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" تو بھی یہ دعویٰ کر، تاکہ مَیں معجزات دکھاؤں۔ تیسرے ایک علاقہ کے ایک دہقان میرے پاس اس علاقہ کے حاکم کی شکایت لائے۔ میں نے کہا، وہ شخص تو عالم و عادل اور پارسا و امین ہے۔ انہوں نے کہا، واجب ہے کہ اس کے عدل کا فائدہ تمام خلق کو پہنچایا جائے نہ کہ صرف ہم ہی اُس کے فائدے کے ساتھ مخصوص رکھے جائیں اور دوسرے لوگ اس کے عدل و امانت اور علم و پارسائی کے فوائد سے محروم رہیں۔

ایک دن احمد شاہ قاچار والیٔ ایران نے اپنے وزیر حاجی مرزا آقاسی سے پوچھا کہ بتاؤ سامنے والے بڑے حوض میں کتنے پیالے پانی ہے۔ وزیر نے جواب دیا کہ یہ سوال آپ کسی طالب علم سے پوچھیں جو اس علم کے متعلق کچھ اندازہ رکھتا ہو۔ چنانچہ ایک طالب علم کو بلایا گیا۔ احمد شاہ نے اس سے بھی وہی سوال کیا۔ لڑکے نے دریافت کیا، جناب وہ پیالہ کتنا بڑا ہوگا۔ اگر پیالہ نصف حوض کے برابر ہوگا تو دو پیالے پانی حوض میں ہوگا۔ اگر پیالہ حوض کا تہائی ہوگا تو تین پیالے۔ اگر چوتھائی ہوگا تو چار پیالے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر پیالہ ہزارواں حصہ ہوگا تو ہزار پیالے۔ احمد شاہ اس برجستہ حاضر جوابی سے بہت خوش ہوا اور معقول انعام و اکرام سے نوازا۔

کسی بادشاہ نے ایک ماہی گیر کو آٹھ ہزار اشرفی انعام میں دی۔ اشرفیوں کے بھاری وزن کو اٹھاکر جب وہ چلنے لگا، تو ایک اشرفی گر گئی جس کو اس نے پشت پر زیادہ وزن ہونے کی وجہ سے بڑی مشکل سے اُٹھایا۔ بادشاہ نے یہ نظارہ دیکھ کر نہایت خفا ہوکر کہا کہ آٹھ ہزار اشرفیوں کا گراں قدر انعام پالینے کے بعد بھی ایک اشرفی کے لالچ میں اس قدر تکلیف اُٹھا رہے ہو۔ ماہی گیر نے عرض کیا "جہاں پناہ! اشرفی کا لالچ نہیں، بلکہ اشرفی پر حضور کا نامِ مبارک ہونے کی وجہ سے اس کی بے ادبی کا خیال ہے کہ پاؤں کے نیچے نہ روندا جائے۔" بادشاہ نے انعام مزید سے سرفراز اور زرہ فراز فرمایا۔

فقیر: بابو جی مَیں اندھا ہوں مجھے راہِ مولا ایک روپیہ دے دو۔
بابو: لیکن ایک آنکھ تو تمہاری بالکل ٹھیک ہے۔
فقیر: تو پھر آپ آٹھ آنہ ہی دے دو۔

اثنائے شکار میں ایک بادشاہ ہرن کے تعاقب میں بہت دور نکل گیا۔ ہرن تیر کھا کر گھنے جنگل میں غائب ہو گیا۔ بادشاہ اپنی ضد کی وجہ سے چاہتا تھا کہ تیر خوردہ زخمی ہرن کا شکار ضرور کرے۔ وہاں پر ایک خدا رسیدہ درویش درخت کے سائے میں مصروفِ عبادت تھا۔ بادشاہ گھوڑے سے اُترا اور درویش کی خدمت میں پہنچ کر پوچھا کیوں بابا صاحب! ادھر کوئی ہرن تو نہیں آیا۔ درویش نے سوچا، اگر ہرن کا پتہ دوں تو ہرن کی جان جاتی ہے اور اگر یہ کہوں کہ میں نے ہرن کو نہیں دیکھا تو خواہ مخواہ جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ درویش نے سوچا کہ کس طرح ہرن کی جان بچائی جائے اور بادشاہ کو ہرن کے شکار سے باز رکھا جائے۔ تھوڑی دیر سوچ کر درویش نے کہا کہ بادشاہ سلامت دیکھنا آنکھ کا کام ہے لیکن وہ بول نہیں سکتی۔ بولنا زبان کا کام ہے لیکن وہ دیکھ نہیں سکتی۔ آنکھوں نے ہرن کو دیکھا ہے۔ لیکن وہ کیسے بتا سکتی ہیں۔ بتانا زبان کا کام ہے مگر زبان نے دیکھا نہیں۔ لہٰذا وہ کیسے بتا سکتی ہے۔ بادشاہ درویش کا جواب سن کر لاجواب ہو گیا اور آئندہ شکار کھیلنے سے توبہ کر لی اور درویش کے اس نکتہ نے ہرن کی جان بچالی۔

کریم خاں ولی عہد ایران ایک روز ہجومِ داد خواہاں اور فیصلہ مقدمات سے بہت تھک گیا۔ جب اُٹھنے لگا تو ایک شخص نے فریاد کی کہ میرا مال چوری ہو گیا ہے۔ انصاف فرمایا جائے۔ کریم خاں نے کہا "جب مال چرایا جا رہا تھا، تو اس وقت کیا کر رہا تھا۔" اس نے کہا "میں سو رہا تھا" کریم خاں نے کہا "تو کیوں سو رہا تھا۔" اس نے کہا "میں اس غلطی میں رہا کہ تو جاگ رہا ہو گا (یعنی حفاظت رعایا کا مکمل انتظام ہو گا)" کریم خاں اس برمحل حاضر جوابی سے خوش ہوا اور اس کے مال کی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا اور کوتوال سے کہا کہ چور سے مال برآمد کر کے اُسے سزا کو پہنچانا تمہارا کام ہے۔

سلیمان بن عبدالملک ایک دن شکار کھیلنے کے لیے نکلا۔ وہ بہت ہی شگون کے وہم میں مبتلا تھا۔ جب وہ راستہ پر گزرا تو اُسے ایک کانا آدمی ملا۔ اس نے حکم دیا کہ اسے گرفتار کرو اور اس ویران کنوئیں میں ڈال دو۔ اگر ہمیں آج شکار مل گیا تو اس کو چھوڑ دیں گے۔ ورنہ قتل کر دیں گے۔ کیونکہ یہ شخص اس علم کے باوجود کہ ہم شگون لیا کرتے ہیں، ہمیں کیوں ملا۔ پس اس کو ویران کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ سلیمان نے اس دن اپنی زندگی میں سب سے زیادہ شکار پایا۔ اور واپسی پر اس شخص کو کنوئیں سے نکالنے کا حکم دیا۔ جب وہ اس کے سامنے آیا تو سلیمان نے کہا "اے شیخ میں نے تجھے بہت مبارک و مسعود پایا۔" بوڑھے شخص نے کہا "آپ نے سچ کہا ہے۔ لیکن میں نے آپ کے چہرے سے زیادہ منحوس چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔" سلیمان ہنس پڑا اور اُسے انعام دے کر رہا کرنے کا حکم دیا۔

حضرت اقبال مغفور سے کسی نے کہا کہ ایک شخص نے آپ کے کلام میں کئی غلطیاں نکالی ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "تو مَیں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ میرا کلام کلام مجید ہے جس میں کوئی غلطی نہیں۔"

علامہ موصوف کو جب "سر" (ناٹ ہڈ) کا خطاب گورنمنٹ کی طرف سے پیش کیا گیا تو انھوں نے اس خطاب کو قبول کرنے میں یہ شرط رکھ دی کہ ان کے اُستاد مولانا میر حسنؒ کو بھی شمس العلماء کے خطاب سے سرفراز فرمایا جائے۔ حاکم نے کہا کہ ان کی تو کوئی تصنیف ہی نہیں۔ پھر کس بنیاد پر اُن کو یہ خطاب دیا جائے۔ علامہؒ نے فرمایا کہ اُن کی یعنی مولانا کی سب سے بڑی تصنیف خود میں ہوں۔ چنانچہ اس شرط کو پورا کیا گیا۔

بچپن میں اُستاد نے اِملا لکھائی تو علامہ اقبالؒ نے "غلط" کو ط کی بجائے ت سے لکھا۔ استاد نے کہا "غلط کا لفظ ط سے لکھا جاتا ہے"۔ علامہ موصوف نے کہا غلط کو غلط ہی لکھنا چاہیے۔

"اَل" نامہ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ : تم پر سلامتی ہو۔

اَلْجَھْلُ مَوْتُ الْاَحْیَاءِ : جہالت زندوں کی موت ہے۔

اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ : عقلمند کو اشارہ کافی ہے۔

اَلْعُجْبُ اٰفَۃُ اللُّبِّ : غرور عقل کے لیے آفت ہے۔

اَلْاَدَبُ جُنَّۃٌ لِّلنَّاسِ : ادب، لوگوں کے لیے ڈھال ہے۔

اَلْحِرْصُ مِفْتَاحُ الذُّلِّ : حرص، ذلّت کی کنجی ہے۔

اَلْقَنَاعَۃُ مِفْتَاحُ الرَّاحَۃِ : قناعت، آرام کی کنجی ہے۔

اَلدِّیْنُ نَصِیْحَۃٌ : دین خیر خواہی کا نام ہے۔

اَلصُّوْرَۃُ نِصْفُ الرِّزْقِ : حسنِ صورت نصف رزق ہے۔

اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ : صبر کشائش کی کنجی ہے۔

اَلْفَضْلُ مَا شَھِدَتْ بِہِ الْاَعْدَاءُ : فضیلت وہ ہے جس کی دشمن بھی شہادت دیں۔

اَلْعِلْمُ لَا یُضْبَطُ اِلَّا بِالتَّدْرِیْسِ : علم ضبط میں نہیں رہتا جب تک درس جاری نہ رہے۔

اَلنَّقْدُ خَیْرٌ مِّنَ النَّسِیْئَۃِ : نقد ادھار سے بہتر ہے۔

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی : اوپر والا ہاتھ (یعنی دینے والا) نچلے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے۔

اَلْجَاھِلُ یَرْضٰی عَنْ نَفْسِہٖ : جاہل اپنے نفس سے راضی ہوتا ہے۔

اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَیْرِہٖ : نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت پکڑے۔

اَلنَّاسُ بِاللِّبَاسِ : انسان لباس سے انسان ہے۔

اَلتَّکَبُّرُ مَعَ الْمُتَکَبِّرِ صَدَقَۃٌ : متکبّر کے ساتھ بہ تکبّر پیش آنا صدقہ ہے۔

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ: لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں۔
اَلْقَرْضُ مِقْرَاضُ الْمَحَبَّۃِ: قرض محبت کی قینچی ہے۔
اَلْحِلْمُ سَجِیَّۃٌ فَاضِلَۃٌ: حلم اچھی خصلت ہے۔
اَلْقَلَمُ شَجَرَۃٌ ثَمَرُھَا الْمَعَانِیْ: قلم ایک درخت ہے۔ معانی اس کا ثمر ہے۔
اَلدُّنْیَا بِالْوَسَائِلِ لَا بِالْفَضَائِلِ: دنیا وسیلہ سے حاصل ہوتی ہے۔ فضیلت سے نہیں۔
اَلنَّاسُ اَعْدَآءٌ لِّمَا جَھِلُوْا: لوگ اس چیز کے دشمن ہوتے جس سے واقفیت نہیں رکھتے۔
اَلْعَاقِلُ الْمَحْرُوْمُ خَیْرٌ مِّنَ الْجَاھِلِ الْمَرْزُوْقِ: عاقل محروم اچھا ہے، امیر جاہل سے۔
اَلْقَلِیْلُ مَعَ التَّدْبِیْرِ خَیْرٌ مِّنَ الْکَثِیْرِ مَعَ التَّبْذِیْرِ: تدبیر کے ساتھ قلیل، فضول خرچی کے ساتھ کثیر سے بہتر ہے۔

اَلْمَوْتُ تُحْفَۃُ الْمُؤْمِنِ: موت مومن کا تحفہ ہے۔
اَلطَّامِعُ: گرسنہ بہ جہانے۔ اَلْقَانِعُ: سیر بہ نانے۔
اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَۃِ نِصْفُ الْمَعِیْشَۃِ: اخراجات میں میانہ روی نصف خوش عیشی ہے۔
اَلْعَفْوُ عَنِ الظَّالِمِ جَوْرٌ عَلَی الْمَظْلُوْمِ: ظالم کو معاف کرنا، مظلوم کے ساتھ ظلم ہے۔
اَلْحِمْیَۃُ رَأْسُ کُلِّ دَوَاءٍ: حمیت تمام دواؤں کا سر ہے۔
اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ: آدمی اپنے نفس پر قیاس کرتا ہے۔
اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ: ہم جنس، ہم جنس کی طرف رجوع کرتا ہے
اَلْکَرِیْمُ اِذَا وَعَدَ وَفٰی: سخی جب وعدہ کرتا ہے پورا کرتا ہے۔
اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔
اَلْحَقُّ یَجْرِ اللِّسَانَ: حق بر زبان جاری۔
اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ: جس سے منع کیا جائے، انسان اس پر زیادہ حریص ہوتا ہے۔
اَلْکَفَرَۃُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ: تمام کافروں کا ایک ہی مذہب ہے۔
اَلْمَرْءُ یُعْرَفُ بِالْمُعَامَلَاتِ لَا بِالصَّوْمِ وَالصَّلٰوۃِ: انسان معاملات سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ روزہ نماز سے۔

اَلنَّوْمُ اُخْتُ الْمَوْتِ: نیند موت کی بہن ہے۔
اَلدَّرَاھِمُ مَعَ الدَّرَاھِمِ تُکْتَسَبُ: پیسہ پیسے کے ساتھ کمایا جاتا ہے۔
اَلْاَدَبُ خَیْرٌ مِّنَ الذَّھَبِ: ادب سونے سے اچھا ہے۔
اَلتَّانِیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ: آہستگی رحمٰن سے ہے اور جلدی شیطان سے۔

اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ : انسان، احسان کا غلام ہے۔

اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِّنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْیَان : انسان، سہو ونسیان کا پتلا ہے۔

اَلْاِنْسَانُ ضَعِیْفُ الْبُنْیَانِ : انسان ضعیف البنیاد ہے۔

اَلْاَقَارِبُ کَالْعَقَارِبِ : قریبی بچھوؤں کی مانند ہیں۔

اَلْغِنَاءُ مِفْتَاحُ الزِّنَاءِ : راگ زنا کی کنجی ہے۔

اَلزِّنَاءُ یُخْرِجُ الْبِنَاءَ : زنا بنیاد کو اکھاڑ دیتا ہے۔

اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ : پیشہ ور خدا کو پیارا ہے۔

اَلصُّحْبَۃُ مُؤَثِّرٌ : صحبت اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔

اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ : بیٹا اپنے باپ کا راز ہے۔

اَلْعَالَمُ یَتَّحِدُ وَالْمُسْلِمُوْنَ مُتَفَرِّقُوْنَ : تمام دنیا متحد ہوتی جاتی ہے اور مسلمان متفرق ہوتے جاتے ہیں۔

اَلْاَمِیْنُ اٰمِنٌ وَالْخَائِنُ خَائِفٌ : پاک رہ۔ بے باک رہ۔

اَلدَّارُ ثُمَّ الْجَارُ : اول خویش بعدہٗ درویش۔

اَلْجَمَالُ فِی اللِّسَانِ : زبان شیریں ملک گیری۔

اَلْجَارُ قَبْلَ الدَّارِ : سکونتِ مکان سے پہلے پڑوسی کو دیکھ لو۔

اَلْعِیَانُ لَا تَحْتَاجُ اِلَی الْبَیَانِ : عیاں را چہ بیان۔

اَلْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ : یک مشت نمونہ خروار۔ یا دال میں سے دانہ۔

اَلْقَاصُ لَا یُحِبُّ الْقَاصَ ع بود ہم پیشہ با ہم پیشہ دشمن۔

اَلتَّجْرِبَۃُ عِلْمُ الْعَقْلِ : تجربہ عقل کا علم ہے۔

اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ : جو پہلے تھا سو اب بھی ہے۔

اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ النَّسَبِ وَاَشْرَفُ اللَّقَبِ : علم بہترین نسب اور بڑا اچھا لقب ہے۔

اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرِ : علم بہت بڑا پردہ ہے۔

اَلْعَادَۃُ طَبِیْعَۃٌ ثَانِیَۃٌ : عادت، طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔

اَلْبُخْلُ کَرِیْہٌ۔ اَلْکِبْرُ شَنِیْعٌ۔ اَلْکِذْبُ قَبِیْحٌ : بخل قابل نفرت، کبر سخت گناہ اور کذب سخت برائی ہے

اَلْحَقِیْقَۃُ مُؤَثِّرَۃٌ مِّنَ الْحِکَایَاتِ : حقیقت افسانوں سے زیادہ مؤثر ہے۔

اَلصَّمْتُ زِیْنَۃُ الْعَالِمِ وَسِتْرُ الْجَاهِلِ : خموشی عالم کی زینت اور جاہل کی پردہ پوشی ہے۔

اَلْجُوْعُ خَیْرٌ مِّنَ الْخُضُوْعِ : بھوک بہتر ہے عاجزی کے ساتھ مانگنے سے۔

اَلصَّمْتُ خَيْرُ الْحِكْمَةِ : خموشی بہترین حکمت ہے۔
اَلْخَطُّ لِلْفَقِيْرِ مَالٌ وَّلِلْاَمِيْرِ جَمَالٌ : خوشخطی فقیر کے لیے مال اور امیر کے لیے جمال ہے۔
اَلشَّاذُ كَالْمَعْدُوْمِ : شاذ ایسا ہے جیسے معدوم۔
اَلْاَكْثَرُ فِيْ حُكْمِ الْكُلِّ : کثرت، کل کا حکم رکھتی ہے۔
اَلْعَالِمُ بِلَا عَمَلٍ كَالْقَوْسِ بِلَا وَتَرٍ : عالم بے عمل مانند بغیر تانت والی کمان کے ہے۔
اَلزَّكٰوةُ اَفْضَلُ الْخَيْرَاتِ : زکوٰۃ بہترین خیرات ہے۔
اَلْعُدَّةُ لِيَوْمِ الشِّدَّةِ : مصیبت کے دن کے لیے پیشگی سامان کر لینا چاہیے۔
اَلصَّلٰوةُ اَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ : نماز بہترین عبادت ہے۔
اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ : خبیث خبیثوں ہی کے لائق ہیں۔
اَلْعَوَامُ كَالْاَنْعَامِ : عوام چوپاؤں کی مانند ہیں۔
اَلْحِمَارُ يَعْرِفُ طَرِيْقَ الْعَلَفِ : گدھا بھی چراگاہ کے راستے سے واقف ہے۔
اَلسَّفَرُ وَسِيْلَةُ الظَّفَرِ : سفر، فتح کا وسیلہ ہے۔
اَلنَّاسُ اَتْبَاعٌ لِمَنْ غَلَبَ : لوگ غالب آنے والے کے پیچھے چلتے ہیں۔
اَلسَّفَرُ سَقَرٌ : سفر ایک عذاب ہے۔
اَلرِّضَاءُ بِالْقَضَاءِ بَابُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ : راضی رہنا قضا سے بڑا دروازہ خدا کا ہے۔ (علیؓ)
اَلدِّيْنُ يُسْرٌ : دین (اسلام) آسان ہے۔
اَلْاِسْتِشَارَةُ عَيْنُ الْهِدَايَةِ : مشورہ صحیح ہدایت ہے۔
اَلْقَاسِمُ مَحْرُوْمٌ : بانٹنے والا محروم رہتا ہے۔
اَلْمَقْرُوْضُ مَذْبُوْحٌ : قرضدار ذبح کیا ہوا ہے۔
اَلْمَاْمُوْرُ مَعْذُوْرٌ : محکوم معذور ہے۔
اَلْمَاْمُوْلُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاْكُوْلِ : اُمید کھانے سے بہتر ہے۔
اَلْحَيَاءُ يَمْنَعُ الرِّزْقَ : بے موقع شرم مانع رزق ہے۔
اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ : آدمی اپنے محبوب کے طریق پر ہوتا ہے۔
اَلْعَالِمُ مُتَغَيِّرٌ : دُنیا بدلنے والی ہے۔
اَلرِّزْقُ بِالْجِدِّ لَا بِالْكَدِّ : رزق کوشش سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ پریشانی سے۔
اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالنُّطْقِ : مصیبت بولنے کی وکیل ہے۔
اَلسَّلَامَةُ فِي الْوَاحِدَةِ وَالْاٰفَاتُ فِي الْكَثْرَةِ : سلامتی تنہائی میں ہے اور آفات مجمع میں۔

اَلْوَحْدَۃُ خَیْرٌ مِّنَ الْجَلِیْسِ السُّوْءِ: تنہائی بہتر ہے بُرے ہم نشین سے۔
اَلزِّنَاءُ اُمُّ الْعِصْیَانِ: زنا گناہوں کی ماں ہے۔
اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ: حیا ایمان سے ہے۔
اَلْکَلَامُ یَجُرُّ اِلَی الْکَلَامِ: بات سے بات نکلتی ہے۔
اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ: میری کوشش ہے اور تکمیل اللہ کی طرف سے ہے۔
اَلْاِنْتِظَارُ اَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ: انتظار موت سے سخت ہے۔
اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ: فتنہ، قتل سے بھی سخت ہے۔
اَلْوَقْفُ لَا یُمْلَکُ: وقف کسی کی ملکیت نہیں۔
اَلْمَالُ ظِلٌّ ذَائِلٌ: مال ڈھلتی چھاؤں ہے۔
اَلْقَبْضُ دَلِیْلُ الْمِلْکِ: قبضہ ملکیت کی دلیل۔
اَلْقَلِیْلُ النَّافِعُ خَیْرٌ مِّنَ الْکَثِیْرِ الضَّارِ: تھوڑا نفع بخش، بہتر ہے زیادہ نقصان دہ سے۔
اَلْمَوْتُ فِیْ طَلَبِ النَّارِ خَیْرٌ مِّنَ الْحَیَاۃِ فِی النَّارِ: آگ کی طلب میں مرنا بہتر ہے آگ میں زندگی بسر کرنے سے
اَلْبَادِیْ اَظْلَمُ: پہل کرنے والا ظالم تر ہے۔
اَللِّسَانُ تَرْجُمَانُ الْقُلُوْبِ: زبان دل کی ترجمان ہے۔
اَلْاِحْتِیَاجُ اُمُّ الْاِخْتِرَاعِ: حاجت ایجاد کی ماں ہے۔
اَلْقَنَاعَۃُ اَفْضَلُ الْغِنَاءِ: قناعت بہترین تونگری ہے۔
اَلدَّرَاھِمُ جُنَّۃُ الْعُقَلَاءِ: درہم سفید روز سیاہ کے لیے ہے عقلمند کو۔
اَلْکِذْبُ اَعْظَمُ الْخَطَایَا: جھوٹ تمام گناہوں سے بڑا ہے۔
اَلْحُکَمَاءُ الْجُھَّالُ رُسُلُ عِزْرَائِیْلَ لِلْاِسْتِعْمَالِ: جاہل حکیم عزرائیل کے فوری قاصد ہیں۔
اَلتَّوَکُّلُ بِالْعَقْلِ: توکل میں عقل سے کام لو۔ ع با توکل زانوئے اُشتر بہ بند۔
اَلْحَاسِدُ مَھْمُوْمٌ: حاسد مبتلائے اَلم رہتا ہے۔
اَلْعَبْدُ یُدَبِّرُ وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ: بندہ تدبیر کرے، تقدیر رَد کرے۔
اَلْمُؤْمِنُ فِی الْمَسْجِدِ کَالسَّمَکِ فِی الْمَاءِ: مومن مسجد میں ایسا ہے جیسے مچھلی پانی میں۔
اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ: نماز مومنین کی معراج ہے۔
اَلْمِزَاحُ فِی الْکَلَامِ کَالْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ: کلام میں ظرافت طعام میں نمک کی مانند ہے۔
اَلنُّقُوْدُ تَحِلُّ الْعُقُوْدَ: نقد روپیہ عقدہ کشا ہے۔
اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْکَافِرِ الصَّلٰوۃُ: مومن اور کافر میں فرق نماز ہے۔

اَلْمُنَافِقُ فِی الْمَسْجِدِ كَالطَّيْرِ فِی الْقَفَصِ : منافق مسجد میں ایسا ہے جیسے پرندہ پنجرے میں۔
اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ : مرد عورتوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔
اَلْاِسْلَامُ تَعْظِيْمٌ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَشَفَقَةٌ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ : "اسلام" احکام خدا کی تعمیل اور خلق اللہ پر شفقت ہے۔
اَللِّسَانُ جِرْمُهٗ صَغِيْرٌ وَّجُرْمُهٗ كَبِيْرٌ : زبان کا جِرم چھوٹا اور جُرم بڑا ہے۔
اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ : نماز بہتر ہے نیند سے۔
اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِی الدَّارَيْنِ : تنگ دستی دونوں جہانوں کی رُوسیاہی ہے۔
اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمُ الْاَبْدَانِ وَعِلْمُ الْاَدْيَانِ : علم دو ہی ہیں، ایک بدنوں کا دوسرا دینوں کا۔
اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ : سبقت کرنے والے اوّلین سے ہیں۔
اَلْعَادَةُ لَا يُرَدُّ اِلَّا بِالْمَوْتِ : عادت موت سے پہلے نہیں چھوٹتی۔
اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ : بات کرنے سے پہلے سلام کرو۔
اَللَّحْمُ سَيِّدُ الطَّعَامِ : گوشت کھانوں کا سردار ہے۔
اَلْمُعَاصَرَةُ سَبَبُ الْمُنَافَرَةِ : ہمعصری موجب منافرت ہوتی ہے۔
اَلْخَمْرُ اُمُّ الْخَبَائِثِ : شراب بُرائیوں کی ماں ہے۔
اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ : عالم لوگ انبیا کے وارث ہیں۔
اَلنَّصِيْبُ يُصِيْبُ وَلَوْ كَانَ تَحْتَ الْجَبَلَيْنِ : نصیب مل کر رہے گا خواہ پہاڑوں کے نیچے ہو۔
اَلْجِهَادُ الْاَكْبَرُ كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ السُّلْطَانِ الْجَائِرِ : بڑا جہاد ہے کلمۂ حق کہنا ظالم بادشاہ کے رُوبرُو۔
اَلصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ : روزہ نصف صبر ہے اور صبر نصف ایمان۔
اَلْاِيْمَانُ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ : ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ہے
اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ : نیکی پر دال کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا نیکی کرنے والا۔

اَلنّامعقول

ضمیمہ

اَلُ نامہ

اَلْحَاکِم : رہزن بے رحم۔　　اَلْمُلّا : دائم گرسنہ۔

اَللّومڑ: روباہِ چرب زبان۔
اَلجلوس: لشکرِ سیاست۔
اَلمریض: تختۂ مشق طبیباں۔
الواعظ: آنکہ بر گفتارِ خود عمل نکند۔
اَلمُمسِک: رسوائے دنیا و عقبیٰ۔
اَلغضبِ خدا: ہمسایۂ بد۔
اَلرّشوت: دستگیرِ درماندگان۔
اَلصّاحبِ غرض: مجنون۔
اَلراست گو: دشمن ہمہ کس۔
اَلبیوہ: مدّاحِ شوہرِ پیشینہ۔
اَلناقابل: جدّ فروش۔
اَلہردیوانہ: بکارِ خود ہوشیار۔
المرض: پیغامِ مرگ۔
اَلمکتوب: نصف الملاقات
المعلّم: جلادِ المتعلمان
اَلعبادت: تکبر با متکبراں۔
اَلملازمت: اختیارِ خود فروختن۔
اَلمطیع الکافر: ریش تراشیدہ نماز گزار۔
اَلوزیر: ہدفِ تیرِ آہِ بیچارگاں۔
اَلشاعر: گدائے متکبر۔

اَلمُفتی: نوشت ہر چہ گفتی
اَلخاموشی: نیم رضا۔
اَلخوشنویس: غلط نویس
اَلرّومال: نصف الخادم۔
اَلابتر: دختر در ہمسائگی مادر۔
اَلحماقت: خود را دانا تر شمردن۔
اَلخوشامد گو: تازہ روزگار۔
اَلطبیب: پیکِ اجل۔
اَلمبلغات۔ قاضی الحاجات۔
اَلخانہ خراب: زنِ مسرف در خانہ
اَلبے تعظیم: داماد بے خوش دامن۔
اَلفربہ: خواہ مخواہ مردِ معقول۔
اَلکاتب: نصف العالم۔
اَلپشتِ خم: رہنمائے ملکِ عدم۔
اَلپسر: منتظرِ میراثِ پدر۔
اَلمرتد: برادر در خانۂ خواہر
القرض: مقراض المحبت۔
المقروض: خر در گل۔
اَلقرضخواہ: ملک الموت بے اجل۔
اَلضرورت: اُمّ الایجاد۔

"بُل" نامہ

بے اعتبار وہی شخص نہیں ہے جو کسی کی امانت کو مار لیتا ہے۔ بلکہ وہ بھی ہے جو کسی کی بات کو دوسروں پر ظاہر کر دیتا ہے۔

صرف نیک ہی نہ بنیے بلکہ کسی کے ساتھ نیکی کیجیے۔ (تصویریں)

مصیبتیں ہمیں آزار پہنچانے کے لیے نہیں بلکہ بیدار کرنے کے لیے آتی ہیں۔
گائے اپنی پوجا سے خوش نہیں ہوتی بلکہ چارے کی خواہشمند ہے۔
اپنے آپ کو دانا نہ سمجھو۔ بلکہ اس بات کا اندازہ لگاکہ تجھ میں کیا کیا نادانیاں ہیں؟
چور وہی نہیں جو کسی کی چیز چرائے۔ بلکہ وہ بھی ہے جو جھوٹ بولتا ہے۔ کیونکہ وہ جانی اور سمجھی ہوئی بات کو چھپاتا ہے۔
بلی چوہے کو ثواب کی خاطر نہیں بلکہ سواد کی خاطر مارتی ہے۔
چور کو مال کھاتے نہ دیکھو، بلکہ اس کو مار کھاتے دیکھو۔ ؎

آہستہ خرام بلکہ مخرام زیرِ قدمت ہزار جان است

قیامت کے روز یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کچھ پڑھا ہے۔ بلکہ یہ کہ تم نے کیا کچھ کیا ہے۔
دولتمند وہی نہیں جس کے پاس دولت ہے بلکہ وہ بھی دولتمند ہے جو قانع ہے۔
دوست وہ نہیں جو صرف حالتِ بد دیکھ کر متاسف ہو بلکہ دوست وہ ہے جو مصیبت کے وقت کام آئے۔
اگر پیٹ کا دھندا نہ ہوتا تو کوئی جانور جال میں نہ پھنستا بلکہ خود شکاری بھی جال نہ بچھاتا۔
آدمی کو صرف باتوں ہی سے مت پرکھو۔ بلکہ زیادہ تر اس کے اعمال و خواہشات سے اس کی انسانیت کا اندازہ لگاؤ

؎ اے بسا ابلیس آدم رُوئے ہست پس بہر دستے نہ باید داد دست
اعتمادے نیست بر کارِ جہاں بلکہ بر گردُونِ گردان نیز ہم

ناتعلیم یافتہ ہی بیوقوف نہیں ہوتے بلکہ وہ تعلیم یافتہ بھی بیوقوف ہوتے ہیں، جو علم کا صحیح استعمال نہیں جانتے
پڑوسی کا حق صرف یہی نہیں کہ اس کو ستایا نہ جائے بلکہ اس کی تکلیف برداشت کرنا بھی ہے۔
بیوقوف کے گلے میں گھنٹی باندھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ وہ خود ہی بہت جلد اپنے آپ کو واضح کردے گا۔ ؎

دادِ اُو را قابلیت شرط نیست بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اُوست

ترجمہ: خدا کی دین کے لیے قابلیت شرط نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی دین شرطِ قابلیت ہے۔
بادشاہوں کے جاہ و جلال و شان و شوکت، اُمراء کے دولت و مال و حشمت و ثروت اور حسینوں کے حُسن و جمال اور زیب و زینت ہی کو نہ دیکھو، بلکہ بنظرِ عبرت یہ دیکھو کہ کتنی جلدی جلدی چلے جاتے ہیں۔
بے تدبیر وہی نہیں ہے جو تدابیر سوچنے کی عقل نہیں رکھتا بلکہ وہ بھی ہے جو صرف اپنی ہی تدبیر سے کام کرتا ہے۔ اور کسی کی صلاح نہیں لیتا۔ گنہگار خالق و مخلوق دونوں کا بلکہ اپنا بھی دشمن ہے۔
لباس میں آرائش کا نہیں بلکہ آسائش کا خیال رکھو۔
دروغگو کو صرف یہی سزا نہیں ملتی کہ اس کی بات پر کسی کو یقین نہیں ہوتا بلکہ اصل سزا یہ ہوتی ہے کہ خود اُسے کسی پر بھروسہ نہیں ہوتا
اس بات کا خیال نہ کرو کہ کون کہتا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے۔

بیوقوف وہی نہیں ہے جو جاہل ہے بلکہ وہ بھی ہے جو روپے کے لیے جان دیتا ہے اور جان کے لیے روپیہ صرف نہیں کرتا۔

کام نہ کرنے سے انسان کو آرام نہیں ملتا بلکہ بیکار دماغ زیادہ پریشانی اور تکان محسوس کرتا ہے۔

دنیا میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی اپنے سے بہتر حالت کو کسی صورت میں بھی بغیر رشک وحسد نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ ہمسروں سے بھی کینہ رکھتا ہے۔

زندگی محض افسانہ ہی نہیں بلکہ مجموعہ تضادات ہے۔

غریب وہ نہیں جس کے پاس دولت نہ ہو بلکہ وہ ہے جس کا کوئی دوست نہ ہو۔

بہادر وہی نہیں جو دوسروں کو مغلوب کر سکے، بلکہ وہ بھی ہے جو اپنے آپ کو بچا سکے۔

عابد وہی نہیں جو شبانہ روز عبادت کرے بلکہ وہ بھی ہے جو خدمتِ خلق میں مصروف رہے۔

زندہ وہی نہیں جس کے جسم میں جان ہو بلکہ وہ بھی ہے جس نے دوسروں کے لیے جان دے دی۔ ؎

مرنا بھلا ہے اس کا جو اپنے لیے جیے — جیتا ہے وہ جو مر چکا ہو غیر کے لیے

؎ چند روزہ زیست کیوں کہتا ہے یار — کل کا بلکہ پل کا بھی کیا اعتبار

صرف مجرم کو سزا دینا کافی نہیں بلکہ راز دان کو بھی سزا ملنی چاہیے۔

ملک الموت جان کنی کے واسطے صرف ایک مرتبہ ہی نہیں آتے بلکہ بحالتِ زندگی بصورت قرضخواہ بھی نمودار ہوتا رہتا ہے۔ ؎

ننشستہ بگوشہ از خوفِ قرض خواہ — مُلکِ اَجل بصورت انساں ندیدۂ

جو شخص مقروض نہیں ہے اُس کو طبقۂ غربا میں نہیں، بلکہ زمرۂ اُمرا میں شمار کرو۔

ہزار دوستوں کی موجودگی سے خوش نہ ہو بلکہ ایک دشمنِ غائب سے خائف رہ۔ (امام شافعیؒ)

دوست سے اپنے حقوق کا خواہاں نہ ہو بلکہ دوست کے حقوق خود بخود پورے کر۔ (امام شافعیؒ)

وہ شخص احمق نہیں جو ہل چلاتا ہے بلکہ وہ احمق ہے جو احمقوں والے کام کرے۔ (فرنیکلن)

انسان صوم وصلوٰۃ سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ معاملات سے پہچانا جاتا ہے۔ (حضرت عمرؓ)

یہ غلط خیال ہے کہ مفلسوں کو مفلسی بے قرار رکھتی ہے بلکہ دولت مندوں کو ہوسِ دولت اُن سے بھی زیادہ بے قرار و پریشان رکھتی ہے۔ ؎

ہفت اقلیمے از بگیر د بادشاہ — ہمچناں در فکرِ اقلیمے دگر

نفس کی خواہش پوری کرنے سے اطمینان نہیں ہوتا بلکہ یہ آگ پر گھی ڈالنے کی مانند ہے۔ جو بجھانے کی بجائے اُلٹا اس آگ کو تیز کرتا ہے۔

سچی خوشی کوئی پالتو پرندہ نہیں ہے جو ہر وقت ہمارے پنجرے میں بند رہے بلکہ وہ عنقائے بلند پرواز ہے جس کے

قابو میں لانے کے لیے بہت کچھ نفس شکنی کی ضرورت ہے۔
یتیم وہ نہیں جو والدین کے سائے سے محروم ہوگیا ہے بلکہ یتیم درحقیقت وہ ہے جو اخلاق کی نگرانی سے محروم ہے۔ (حضرت علی)
غم و غصہ اتنا نہ کرو کہ وہ تمہیں کھا جائے بلکہ اتنا کرو کہ تم اسے کھا جاؤ۔
ایک اور ایک دو نہیں بلکہ گیارہ ہو جاتے ہیں۔
غیبت صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ قلم سے بھی ہوتی ہے۔ اور اشارہ و کنایہ سے بھی۔
صرف باتوں ہی کا حکیم نہ ہو بلکہ قول و عمل دونوں کا حکیم ہو کہ قولی حکمت دنیا میں اور عملی حکمت آخرت میں کام آئے گی (افلاطون)
صرف زبان ہی شکر کافی نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی ظاہر کرو۔

ہم نہیں وہ جو کریں قتل کا دعویٰ تم پر بلکہ پوچھے گا خدا بھی تو مکر جائیں گے

باتیں بنانا اور کام کچھ نہ کرنا طلب نہیں کہلاتی بلکہ سراسر ہوس ہے۔
دانا لوگ دوسروں کے متعلق بری باتیں فوراً نہیں مان لیتے بلکہ کان بھی نہیں دھرتے۔
شرافت و نجابت کوئی ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آتا۔ بلکہ سب ایک سے ہوتے ہیں۔ لیکن جو اپنے اخلاق و عادات اور دل و دماغ کی حالت کو اچھا کر لیتا ہے۔ وہی اصلی شریف و نجیب ہو جاتا ہے اور خراب کر لیتا ہے وہ کمینہ و رذیل بن جاتا ہے۔
لوگ اپنی برائی سے نہیں بلکہ برائی کے نتائج بد سے بچنا چاہتے ہیں۔
کسی سے اپنے استقبال کا خواہاں نہ ہو بلکہ خود موت کے استقبال کے لیے تیار رہ۔
عیب کرنے والا ہی بد نہیں بلکہ عیب کو ظاہر کرنے والا بھی بدترین ہے۔
یہ ضروری نہیں کہ برے آدمی سے کسی کو نقصان پہنچے، بلکہ اس کا برا نمونہ ہی نظام قدرت میں خلل انداز ہے۔
ہر شخص صرف اپنے لیے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے۔
اپنی بہتری کا خیال نہ کرو بلکہ دوسروں کی خوشنودی کو افضل سمجھو۔
ظالم وہی نہیں جو کسی پر ظلم کرے بلکہ وہ بھی ہے جو باوجود قدرت کے اس کو ظلم سے نہیں روکتا۔
احسان نہ رکھ کہ خدمتِ سلطان کرتا ہوں بلکہ خواہشات کے روکنے میں ہے۔
دلی سکون خواہشات کے پورا ہونے میں نہیں بلکہ خواہشات کے روکنے میں ہے۔
خوش خلقی کا اجر صرف قیامت ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی انسان کے لیے ذریعہ راحت ہے۔

ہجر کی رات بری روزِ وصال اچھا ہے بلکہ جس سال میں یہ دن ہو وہ سال اچھا ہے

دنیا نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ کسی قوم کی دولت سیم و زر نہیں بلکہ اس کے افراد ہوتے ہیں۔
تنگدستی کی شکایت نہ کر بلکہ تندرستی کا شکر گزار رہ جس کے مقابلے میں تمام نعمائے دنیوی ہیچ ہیں۔
دکھ خود بخود پیدا نہیں ہو جاتا بلکہ عموماً یہ گناہ کی پیداوار ہے۔ گناہ چھوڑ دو دکھ خود بخود دور ہو جائے گا۔

اے دلہن! لباسِ شادی پر ناز نہ کر بلکہ اس تکلیف پر غور کر جو تجھے آئندہ پیش آنے والی ہے
پردۂ مستورات کے مخالفین کے ساتھ مباحثہ مت کر، بلکہ ان کی اس غیر فطرتی بے غیرتی پر اظہارِ ماتم کے طور پر
"اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھ کر خاموش ہو جا۔ ؎

جب تک ہم میں ہے قومی خصلت باقی | بے شک ہے پردے کی ضرورت باقی
چالیس برس کی بات ہے یہ شاید | بعد اس کے رہے گی پھر نہ حجت باقی
؎ بے پردہ دختراں سے یہ امید ہے ضرور | ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

مَردوں کی نظر میں عورت کا صرف چہرہ ہی ننگا نہیں بلکہ وہ مادر زاد برہنہ نظر آتی ہیں اور چشم زدن کے عرصۂ قلیل میں تصوّر اُن تمام مراحل کو طے کر لیتا ہے جس کو آنکھ کا زنا کہا جاتا ہے۔ شرع پاک میں اسی لیے عورت پر قصداً نظر ڈالنے کو حرام قرار دیا ہے۔

بخت و دولت، شادمانی و کامرانی صرف محنت و کوشش اور ہنر مندی ہی پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ زیادہ تر اس کا دارومدار پانسے پر ہے جس کا دوسرا نام تقدیر ہے یہی وجہ ہے کہ بیشمار اہلِ کمال، ہُنر مند مدت العمر مبتلا ئے افلاس و فلاکت رہتے ہیں اور محنت و کوشش کرنے والے بھی بعض اوقات ناکام رہتے ہیں۔ ؎

محنتیں خاک میں مل جاتی ہیں | دعائیں افلاک میں مل جاتی ہیں

برخلاف اس کے بعض لوگ نہ کچھ محنت و کوشش ہی کرتے ہیں نہ ہی اہل ہُنر ہوتے ہیں بلکہ عقل و خرد سے بھی عاری، نہایت خوشحالی و شادمانی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ ؎

بخت و دولت بہ کاردانی نیست | جز بہ تائیدِ آسمانی نیست
؎ کیمیا گر بہ غصّہ مُردہ رنج | ابلہ اندر خرابہ یافتہ گنج

کِتاب کا مطالعہ کرتے وقت زباندانی اور انشاپردازی پر خاص توجّہ دینے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف خیالات پر توجّہ دی جائے۔

نہ قرض خواہ بنیئے نہ مقروض۔ کیونکہ قرضہ اکثر نہ صرف خود بھی ضائع ہو جاتا ہے بلکہ دوستوں کو بھی جدا کر دیتا ہے (شیکسپیئر)

عادات انسان کے ماتحت نہیں بلکہ انسان عادت کے ماتحت ہو جاتا ہے۔

مَوت سے خوف نہ کر بلکہ زندگی سے ڈرتا رہ جس میں ہزارہا آفات پوشیدہ ہیں۔

کھانے کی لذّت اس کی عمدگی پر نہیں بلکہ بھوک کی شدت پر منحصر ہے۔ ؎ گر نانِ خشک دیر خوری گل شکر بود۔

اچھّا وہی نہیں ہے جس کے ہم صحبت اچھے ہوں بلکہ سب سے اچھا وہ ہے جس کا کوئی ہم صحبت ہی نہ ہو۔

عورت صرف نصف جان ہی نہیں بلکہ نصف الایمان بھی ہے۔

فقیر وہ نہیں ہے جو خلق سے مانگے اور خالق کی عبادت کرے بلکہ فقیر وہ ہے جو خالق سے مانگے اور خلق کی

یہ شعر ۶۹ سال پہلے کا ہے۔ سنہ ۱۹

خدمت کرے۔

حضرت آدمؑ انسان تھے۔ انہوں نے دانہ گندم اس لیے نہیں کھایا کہ یہ انہیں مرغوب تھا بلکہ اس لیے کھایا کہ اس کا کھانا ممنوع تھا۔ اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ۔

شرک ظاہر بتوں کی پرستش ہی نہیں بلکہ شرکِ باطن مخلوق پر بھروسہ رکھنا بھی ہے۔

سلطنت کفر سے نہیں بلکہ ظلم سے جاتی ہے۔

گناہ اس لیے نقصان دہ نہیں ہے کہ اس کی ممانعت کردی گئی ہے بلکہ ممانعت ہی اس لیے کی گئی کہ یہ نقصان دہ ہے۔

تکبر خوش پوشی اور اچھی حالت رکھنے کا نام نہیں بلکہ لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔

عورت سے خلوت کرنا ہی معصیت ہے اگرچہ زنا نہ کرے بلکہ ایسی جگہ کھڑا ہونا بھی گناہ ہے جو عورتوں کی گزرگاہ ہے۔

اطاعت کے لیے صرف گردن جھکانا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ بخشش کا ہاتھ بھی شریک کر۔

دوستی کے لیے کسی شخص کا ہم خیال ہونا ہی کافی نہیں بلکہ موافق الحال ہونا بھی ضروری ہے ورنہ یگانگت وموافقت معلوم۔

جوانی عمر کے کسی مخصوص حصہ کا نام نہیں بلکہ محض ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے۔

بھائی بہن یا قریبی رشتہ دار جو صاحب نصاب نہ ہوں، ان کو زکوٰۃ دینا درست بلکہ افضل ہے۔

جوانمردی اپنا بوجھ دوسروں پر نہ رکھنا ہی نہیں بلکہ جو کچھ اپنے پاس ہو، اُسے بھی خرچ کرنا ہے۔ (جنید)

سخاوت یہ نہیں کہ اپنے بہت سے مال میں سے تھوڑا سا مستحق کو دے دیا جائے بلکہ سخاوت کا مطلب اپنی استطاعت سے زیادہ دینا ہے اور فخر ضرورت سے کم لینے میں ہے۔

اُمیدِ فردا کے موہوم خیالات سے اپنا دل خوش نہ کرتے رہو بلکہ ناگہانی اور غیر متوقع مصائب فردا سے بھی ڈرتے رہو جو ہمیشہ اور ہر وقت انسان کے سر پر منڈلاتی رہتی ہے۔ ؎

مصروف طائرانِ چمن ہیں کلیل میں
صیّاد تانت باندھ رہا ہے غلیل میں

اَلَم آباد دنیا

؎ قیدِ حیات وبند وغم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

ایک شخص اس امر کا جویا تھا کہ آیا دنیا میں کوئی بندۂ خدا بے فکر و بے غم بھی ہے۔ جا بجا جستجو کرتا ہوا ایک شہر میں جا پہنچا۔ وہاں ایک باغ نظر آیا۔ صحن چمن میں ایک کم سن نوخیز امیر زادہ کے گرد وپیش غلامانِ خوش اندام

کمر بستہ کھڑے ہیں۔ مطربانِ خوش الحان گاتے ہیں اور وہ امیر زادہ جڑاؤ جھولے کے اندر جھول رہا ہے۔ انواع واقسام کا سامان عیش و طرب مہیّا ہے۔ یہ سماں دیکھ کر اس کی سمجھ میں آیا کہ اب مدّعا پایا۔ یہ خوش نصیب ضرور بے فکر و بے غم ہے۔ اس نے امیرزادے سے کہا ماشاء اللہ! تمام جہان میں ایک آپ کو دل شاد پایا ہے"۔ امیر زادے نے کہا "میاں صاحب! کس خیال میں ہو۔ آج شب میرے پاس ٹھہرو اور احوال واقعی سنو۔" ؎

جب سے اس عالم فانی میں ہوئے ہم پیدا　　کشورِ دل میں اسی دن سے ہُوا غم پیدا

؎ آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں　　گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

المختصر رات کو امیر نے پوچھا کہ میاں صاحب! کیا کہتے تھے؟ اب کہیے۔ اُس نے کہا مُدّت سے اس تجسّس میں صحرانوردی اختیار کی ہے کہ الٰہی! اس عالم میں بے فکر و بے غم آدمی بھی ہے؟ لیکن افسوس کسی کو نہ پایا۔ البتہ آپ کو دیکھ کر شکرِ خدا بجالایا کہ بھلا ایک تو بے فکر و بے غم پایا۔

امیر نے یہ سُن کر آہ بھری اور کہا "میاں صاحب! مجھ جگر خستہ و دل شکستہ کا حال نہ پوچھیے۔ والدین نے بڑے ناز سے مجھے پرورش کیا۔ بچپن میں شادی کر دی۔ بیوی بھی خوبصورت و نیک سیرت ملی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ لڑکے جو کھیل رہے ہیں، عطا فرمائے۔ قضارا وہ نیک بخت مرضِ مہلک میں مبتلا ہو کر مر گئی۔ چند روز درد و غم رہا، آخر صبر آگیا۔ پھر نکاح ثانی کیا۔ دوسری بیوی پہلی سے بھی زیادہ حسین، نیک سیرت اور وفادار پائی۔ نہایت خوشی سے زمانہ گزرنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد دفعتہً وہ بیمار پڑ گئی۔ اُمیدِ زیست باقی نہ رہی۔ میں رونے لگا۔ اس نے کہا "کیوں روتے ہو؟ اگر میں مر جاؤں گی تو اپنی جان سے جاؤں گی، تم اور لے آؤ گے۔ آخر مجھ سے پہلی بیوی پر بھی تو تم عاشق تھے۔" جب میں نے یہ بات سُنی تو غصّے میں آکر اسی کے رُوبرو اُس بیخ فساد کو دُور کر کے کہا کہ بس اب تو دوسری بیوی نہ لا سکوں گا۔ اب نیرنگِ قدرت دیکھیے کہ ادھر تو میں نے یہ حرکت کی، اُدھر اس کو صحت ہونا شروع ہو گئی، آخر وہ اچھی ہو گئی۔ اب ہم دونوں عجیب حسرت و افسوس میں گرفتار ہیں کہ جس کا بیان محال ہے۔ آپ ہی انصاف فرمائیں کہ مجھ سا کوئی اور بھی دُنیا میں دکھی ہے۔

؎ دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد　　اگر باشد بنی آدم نہ باشد

؎ حسابِ آب و دانہ حشر میں ہو گا تو کہہ دوں گا　　پیا ہے عمر بھر خونِ جگر غم میں نے کھایا ہے

؎ اگر غم را چو آتش دُود بُودے　　جہاں تاریک گشتے جاودانہ

سراسر گردِ گیتی گر بگردی　　نیابی ہیچ کس را شادمانہ

؎ تعلّی کی نہیں لیتے ہم ایسے ہیں ہم ایسے ہیں　　مگر ہم جلتے ہیں بیزار دُنیا سے کم ایسے ہیں

مِری ہر وقت کی افسردگی ہے یار یاروں پر　　مگر میں کیا کروں اس کو خدا شاہد غم ایسے ہیں

؎ شکلِ اطمینان کب اس عالم فانی میں ہے　　کامیابی بھی جہاں ہے اک پریشانی میں ہے

حکماء و فلسفی اور دانایانِ روزگار کی اکثریت نے انسانی زندگی میں رنج و الم کے حصّے کو خوشی و مسرّت سے

کئی گنا زیادہ بتایا ہے۔ تجربات و مشاہدات بھی اس مقولے کے شاہدِ عادل ہیں۔ اسی نکتہ اور اسی فلسفہ کی طرفداری میں قدیمی باشندگانِ تھریس بچے کی پیدائش پر آہ و زاری کیا کرتے تھے۔ اسی احساس و جذبہ نے بہت سے عقلمند انسانوں کو اس قاعدے کا پابند بنا دیا تھا کہ وہ اپنی پیدائش کے دن کو بجائے سالگرہ کی تقریب منانے کے "یوم حزن" قرار دیتے تھے۔ افلاطون اپنے مکالمے میں سقراط کی زبان سے کہلاتا ہے: "اگر موت ہمیشہ کے لیے فقدانِ شعور و عدمِ احساس کا نام ہے تو یہ ایک نعمتِ بے بہا ہے"۔ ہومر نے بھی ہم آہنگی کے طور پر یہ نعرہ لگایا تھا کہ "دنیا میں انسان سے زیادہ کوئی مغموم و محزون و محتاج ہستی نہیں"۔ کسی فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

در عالمِ بے وفا ہیچ کس خرم نیست　　شادی و نشاط در بنی آدم نیست
آں کس کہ دریں جہاں اُو را غم نیست　　یا آدم نیست یا اندریں عالم نیست

؎ وہی الم وہی سوزِ جگر فغاں بھی وہی　　وہی زمیں کا چلن دورِ آسماں بھی وہی
بھرا ہوا ہے مضامینِ غم سے مکتبِ دہر　　فلک کا کورس بھی وہی میرا امتحاں بھی وہی

شیکسپیر کہتا ہے کہ "اگر انسان اپنے نوشتۂ تقدیر کو پڑھے اور زمانے کی گردش کو دیکھے کہ کس طرح اتفاقاتِ زمانہ اس کا مضحکہ اُڑاتے ہیں اور تغیرات گردش کے پیالے مختلف رنگوں میں کیسے اِسے بھر بھر کے دیئے جاتے ہیں تو مسرور ترین نوجوان بھی اپنی کتابِ زندگی کو بند کرنے پر مائل ہو جائے۔ ؎

اس انجمن میں آ کر راحت نصیب کس کو　　پروانہ بھی جلے گا اور شمع بھی جلے گی
؎ حادثے اپنے طریقوں سے گزرتے ہی رہے　　کیوں ہوا ایسا، یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے
؎ حدیثِ عافیت کیسی، امیدوں کا محل کیسا　　ہجومِ یاس میں دل کے لیے طولِ اَمل کیسا
؎ فلک سے شکوۂ جور و ستم کیا　　زمیں چکر میں جب خود ہے تو ہم کیا

تسلّطِ الم

گُل گریباں چاک ہیں گلشن میں شبنم اشکبار　　کس پریشانی میں ہے سنبل کا جامہ تار تار
قمریٔ گلزار کی گردن میں ہے کیوں طوقِ غم　　نرگسِ بیمارِ گلشن کو کس کا انتظار
دن کا چہرہ کس کے دردِ عشق سے ہے زنگ زرد　　کی سیہ پوشی یہ کیوں لیلائے شب نے اختیار
عشق اس غم میں کہ ہوں دنیا میں محرومِ اثر　　حُسن کو یہ فکر بس دو دن کی ہے میری بہار
بر پڑیں دُنیا میں نالوں سے زمیں کی ندیاں　　اشک ہائے کوہ جاری ہیں بشکل آبشار
ٹکڑے ہوتا ہے جگر سُن کر پپیہے کی صدا　　اللہ اللہ کتنی غم افزا ہے گلبانگ ہزار
باغ میں ہے کس قدر کوئل کی کُو کُو درد ریز　　کس کا دردِ جستجو رکھتا ہے اُس کو بے قرار
گل نظارہ ملتے ہیں کرتے ہیں لیکن زہر خند　　اپنی ہستی دیکھ کر گلزار میں نا پائدار

دل کی آنکھوں سے ذرا خمخانۂ عالم کو دیکھ
غم کی اک تصویر ہے ہستی کی یہ ساری بہار
خندۂ عشرت ہے اے دل گریۂ غم کا پیام
بس خزاں کی مختصر تمہید ہے فصلِ بہار
عیشِ کامل گلشنِ ہستی میں ہے عنقا صفت
پھول ہنستے ہیں تو ہو جاتی ہے شبنم اشکبار
غم کی بے باکی نہیں مخلوق پر کچھ منحصر
ہے خدا غمخوار بھی بندوں کا گر ہے قہر بار
غم کی یہ ہر دلعزیزی عام ہے اے تاجور
غم کے دلدادہ ہیں سب پروردۂ پروردگار
غم کی عالمگیریاں چھائی ہوئی ہیں چار سُو
ہے بس اس غم کی جہانگیری کا سب پر اقتدار

صحت کی قیمت

ایک بادشاہ کو ریاح خارج نہ ہونے کے باعث سخت تکلیف رہتی تھی، شکم ہمیشہ اُبھرا رہتا تھا۔ شاہی طبیبوں نے ہر چند علاج معالجہ میں بہت کوشش کی۔ لیکن بجائے تخفیف کے مرض تقویت پکڑتا گیا۔ آخر کار اطبائے دربار سے مایوس ہو کر ایک گراں قدر انعام اس مرض کے دفیعہ کے لیے عوام میں مشتہر کر دیا۔ رعیت کے طبیبوں نے بہت کچھ اپنی اپنی حکمت آزمائی کی۔ لیکن سب بے سُود۔ جُوں جُوں مرض بڑھتا جاتا تھا۔ موعودہ و مشتہرہ رقمِ انعام بھی بڑھتی جاتی تھی۔ حتّٰی کہ انعام کی یہ مقدار نصف سلطنت تک مقرر کر دی گئی۔ لیکن پھر بھی اس انعام کے حاصل کرنے میں کوئی شخص کامیاب نہ ہو سکا۔ "دردِ سر کا علاج تاج سے نہیں ہوتا"۔ ایک خدا رسیدہ فقیر کو بھی یہ حال معلوم ہُوا۔ اس نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ پوری سلطنت دے دے تو میں علاج کرنے کو تیار ہوں"۔ بادشاہ نے ایسے تکلیف دہ مرض کی موجودگی میں بادشاہت کے مقابلے میں بحالت صحت محنت مزدوری کرنے کو بدرجہا ترجیح دی۔ اس لیے کہ بیمار بادشاہ سے تندرست گُدا اچھا ہے اور پوری سلطنت دینے پر رضامند ہو گیا۔ فقیر نے دُعا کی اور بظاہر کوئی دوا بھی دے دی۔ بادشاہ کو ریاح خارج ہونے سے شفائے مطلق حاصل ہو گئی اور اس موذی مرض سے کلّی طور پر نجات پالی، تو حسبِ وعدہ فقیر کو تاج و تخت سنبھالنے کے واسطے بلایا۔ فقیر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اے بادشاہ! یہ تاج و تخت تجھی کو مبارک ہو۔ میں ایسی بے حقیقت اور ناکارہ چیز کو لینا نہیں چاہتا کہ جس کی قیمت صِرف "ہوائے شکم" کا اخراج ہونا ہے۔ ؎

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
ہے اوّلین نعمتِ دنیا ہو تن درست

ایک مفلوک الحال کثیر العیال شخص جو کہ ایک آنکھ سے بھی محروم تھا ہمیشہ اپنی تنگیٔ معاش اور زبوں حالی کا شاکی رہتا تھا۔ آخر کار لاچار ہو کر وہ تلاشِ معاش کے سلسلہ میں ایک ایسی ولایت میں پہنچا جہاں کے بادشاہ کی ایک آنکھ کسی صدمے سے ضائع ہو گئی تھی۔ حکمائے بادشاہی نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر کسی ایسے شخص کی آنکھ دستیاب ہو سکے، جو کہ ہر پہلو سے آپ کی آنکھ کے عین مشابہ اور ہم جسامت ہو تو ہم آپ کی اصلی آنکھ کے مطابق اس کو

صحیح طور پر نصب کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جس کی بینائی اصلی آنکھ کے مطابق ہوگی۔ لیکن باوجود تلاش بسیار ایسی آنکھ دستیاب نہ ہو سکی، جو اس سے مطابقت کھا سکے۔ بادشاہ نے اپنے حکیم خاص کو دروازہ شہر پر متعین کر دیا تاکہ ایسی مشابہ آنکھ والا اگر کوئی شخص نظر آئے تو حضور شاہ میں پیش کیا جائے۔ اتفاق سے وہی یک چشم تنگ حال شخص جب دروازہ شہر سے گزرا تو حکیم کو اس کی آنکھ مطلوبہ پیمانے کے مطابق نظر آئی۔ اس کو بادشاہ کے رُوبرو پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے لاکھوں روپے پیش کر کے اس شخص سے آنکھ طلب کی۔ لیکن اس نے یہ کہہ کر قطعی انکار کر دیا، کہ آپ کا اپنی ایک آنکھ کے عوض لاکھوں روپے دے کر دوسرے شخص کو کلیتہً بینائی سے محروم کر دینا سراسر بعید از انصاف ہے۔ نیک دل بادشاہ جبر کو نامناسب اور بے انصافی خیال کرتے ہوئے اپنے ارادے سے درگزرا اور اپنی ایک آنکھ کو ہی غنیمت خیال کیا۔ اور اس شخص کو انعام دے کر رخصت کیا اور وہ شخص شکوہ و شکایت چھوڑ کر اپنی صحت و بینائی کی نعمتِ عظمیٰ کی صحیح قدر و قیمت سمجھ کر ہمیشہ کے لیے شکرگزار بندہ بن گیا۔ دنیا میں بہت کم ایسے لوگ ہیں جو کہ صحت و وقت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہوں۔

دل جوئی

امیر مامون کے عہد کا ذکر ہے کہ ایک اعرابی ریتلے تھل میں رہا کرتا تھا۔ اس نواح کے سب کنوئیں کھاری تھے۔ پانی آسمان سے بھی برستا تو شور زمین کے سبب کھاری ہو جاتا۔ وہاں کی خلقت نے میٹھے پانی کا مزا بالکل نہ چکھا تھا۔ قضا کار وہاں قحط پڑا۔ ہر کوئی کہیں کا کہیں نکل گیا۔ اس اعرابی نے بھی اس علاقے سے مسافرت اختیار کی۔ اس خیال سے کہ امیر کے پاس التجا لے جائے۔ امیر اُن دنوں کوفہ کے قرب و جوار میں لبِ آبِ فرات شکار کھیل رہا تھا جب یہ اعرابی اپنے علاقے کی حدود سے باہر کسی گاؤں کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ ایک گڑھے میں بارش کا پانی جمع ہے۔ اس نے اس میں سے کچھ پیا تو تعجب کیا کہ دنیا میں ایسا میٹھا پانی بھی ہوتا ہے۔ ہو نہ ہو یہ بہشت کا پانی ہے۔ جو پروردگار نے میری خاطر جنت سے اُتارا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے مشک بھر کر امیر کے پاس لے جاؤں تو وہ خوش ہو کر مجھے انعام دے گا۔ آخر چند روز کے بعد وہ پانی لے کر امیر کی خدمت میں پہنچا۔ امیر نے پوچھا تو کہاں سے آیا؟ کہا فلاں علاقہ سے، اور ایک تحفہ بھی لیتا آیا ہوں۔ جو کسی بادشاہ کو میسر نہ ہوگا۔ یہ پانی خلد کا خوش ذائقہ ہے۔ امیر عقل سے دریافت کر کے کہا، اچھا دے جو ئیں ہیں۔ اعرابی نے وہ مشک آگے رکھ دی۔ امیر نے ایک چُلّو اس میں سے پیا اور باقی کو کوزوں میں بھروا لیا اور کہا، تیری کیا حاجت ہے۔ بولا، اے امیر! قحط نے مجھے بے وطن کر کے دربدر کر دیا ہے۔ اب تیرے امن کا آسرا لیا ہے۔ امیر نے کہا، میں تیری حاجت روائی کرتا ہوں۔ بشرطیکہ تو یہیں سے پلٹ جائے اور آگے نہ بڑھے۔ وہ اس بات پر راضی ہُوا۔ پھر امیر نے وہ مشک زر سے پُر کر دی اور بدرقہ ہمراہ دے کر اُسے رخصت کر دیا۔ تب مقربوں نے پوچھا کہ اُسے یہیں سے واپس کر دینے میں کیا حکمت تھی؟ فرمایا،

کہ اگر وہ چند قدم اور بڑھتا، فرات کا پانی پیتا تو ایسا تحفہ لانے سے خجالت کھینچتا۔ مجھے حیا آئی کہ کوئی میرے پاس تحفہ لاکر شرمندہ نہ ہو۔ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبرست — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

؎ گولاکھ بار سبحہ و زنّار توڑیے — پر دل کسی بشر کا نہ زنہار توڑیے

؎ از پا شکستگان طلبِ کعبہ مشکل است — واں کعبۂ کہ دست دہد کعبۂ دل است

قضائے آسمانی

کہتے ہیں کہ امیر مہدی کے عہد میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا۔ ہر چند کہ امیر نے خزانے کا مُنہ فی سبیل اللہ کھول دیا اور غلّہ کے انبار وقفِ عام کر دیئے۔ لیکن قحط کی مصیبت کم نہ ہوئی۔ اس سبب سے امیر کو خلقت کی یہ حالت دیکھ کر اپنی جانِ شیریں بھی تلخ معلوم ہوتی۔ نہ پیٹ بھر کر کھانا کھاتا، نہ چَین سے بچھونے پر سوتا۔ ایک روز بستر پر حیرت و حسرت زدہ سا لیٹا ہُوا تھا۔ خادم پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ فرمایا کہ کوئی کہانی کہہ کہ دل بہلے اور کچھ غم غلط ہو۔ خادم نے کہا کہ غلام کی کہانی شہنشاہ کی سماعت کے کب لائق ہے؟ فرمایا مضائقہ نہیں۔ جیسے تجھے یاد ہو، بیان کر۔

خادم کہنے لگا کہ ہند کی سرزمین کے کسی بیابان میں ایک شیر ژیاں رہا کرتا تھا اور سب درندے جنگل کے اس کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ایک دن لومڑی نے اس شیر سے کہا کہ تو ہمارا بادشاہ ہے اور ہم تیری رعیت۔ بادشاہ پر رعیّت کی رعایت بہر صورت لازم و واجب ہے۔ اب مجھے ایک ضروری سفر درپیش ہے بغیر جانے کے بن نہیں پڑتی۔ مشکل یہ ہے کہ میرا ایک بچہ ہے، میں چاہتی ہوں کہ وہ تیرے سپرد کروں تاکہ تو اس کو اپنی پناہ میں رکھے اور کسی دشمن کا چُنگل اُس تک نہ پہنچنے پائے۔ شیر نے یہ بات قبول کی۔ لومڑی اپنا بچہ اس کے حوالے کر کے سفر پر روانہ ہوگئی۔ شیر نے اس بچّے کو اپنی پیٹھ پر بٹھالیا۔ تاکہ کوئی درندہ اسے گزند نہ پہنچا سکے۔ ناگاہ ایک عقاب اپنا طعمہ تلاش کرتا ہُوا اُڑتا پھر رہا تھا۔ اس کی نگاہ لومڑی کے بچے پر پڑی اور شیر کی پیٹھ پر سے جھپٹّا مار کر اس کے بچّے کو لے اُڑا۔ جب لومڑی سفر سے واپس آئی تو بچے کو نہ دیکھ کر شیر سے بولی "کیا تم نے یہ عہد نہ کیا تھا کہ میں تیرے بچّے کی حفاظت قرار واقعی کروں گا"۔ شیر نے کہا "البتّہ میں نے ذمّہ لیا تھا کہ کوئی جانور زمین کا اس کا قصد نہ کرنے پائے۔ لیکن جو بلائے ناگہانی آسمان کی طرف سے نازل ہو تو میرا کوئی ذمّہ نہ تھا"۔ امیر نے جب یہ کہانی یہاں تک سُنی اُٹھ بیٹھا اور رو رو کر جنابِ کبریائی میں التجا کرنے لگا کہ الٰہی جو کچھ فتنہ و فساد زمین سے اُٹھے تو اُسے دفع کروں۔ مگر قضائے آسمانی قدرتِ یزدانی میں بندۂ ناچیز سے کیا ہو سکتا ہے۔ آخر خدا کے فضل و کرم سے وہ قحط چند روز میں دفع ہوگیا۔ ؎

۵ قفلِ درِ قبول نہ کھولے بعید ہے — انسان کے پاس دستِ دعا سی کلید ہے
کیوں دعا اپنی نہ ہو بابِ ظفر کی کنجی — گریہ ہے قفلِ درِ گنجِ اثر کی کنجی

ضرب الامثال

اَلْمَثَلُ فِی الْکَلَامِ کَالْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ

ضرب الامثال	مفہوم
کال کے ہاتھ کمان، بچہ بچے نہ جوان۔	موت کسی کو نہ چھوڑے گی۔
ہری کھیتی گابھن گائے، تب ہی جانے منہ میں آئے۔	ہزار آفت کا احتمال ہے، قبضہ ہی میں آجائے تو اطمینان ہوتا ہے
ہاتھ میں پیا کانسہ تو روٹی کا کیا سانسہ۔	جب گدائی اختیار کی تو روٹیوں کی کیا کمی۔
لاٹھی کو لاکھ گھن کھا جائے، ہنڈیا توڑنے کو کافی ہے۔	زبردست کتنا ہی ہارا ہو، زیردست کے ستانے کو کافی ہے
کوٹھی اناج کو توالی راج	غریب کو یہی تونگری ہے۔
بھیڑ بھی کالی بھینس بھی کالی۔	ادنیٰ و اعلیٰ سب کی قدر و قیمت یکساں۔
آدمی آدمی انتر، کوئی ہیرا کوئی کنکر۔	آدمی ہر قسم کا ہوتا ہے کام کا اور نکما، نیک و بد۔
بال ہٹ، راج ہٹ، تریا ہٹ نہیں ٹلتے۔	بچہ، راجہ اور عورت جس بات پر اڑ جاتے ہیں کم کے چھوڑتے ہیں
زبردست کی جورو سب کی دادی، غریب کی جورو سب کی بھابی	غریب کو ہر کوئی دبا لیتا ہے۔
کھانے کو بسم اللہ کام کو استغفر اللہ۔	کام چور، حرام خور۔
بھوک نیامت (نعمت) قرض قیامت۔	ذلتِ قرض سے فاقہ کشی کی مصیبت اچھی۔
جیتا سو ہارا جو ہارا سو مارا۔	قمار بازی اور مقدمہ بازی کا یہی انجام ہے۔
چلتی کا نام گاڑی، نہیں تو ابدھن۔	کام دے تو چیز ورنہ کچھ بھی نہیں۔
حمائتی گدھی عراقی گھوڑے کے لات مارتی ہے۔	مدد پاکر کمزور بھی بڑے کا مقابلہ کرتا ہے۔
جس کی پت چلے اس کے لاکھ پلے	نیک چلنی اعتبار بڑھا دیتی ہے۔
پانچ پوت پندرہ پوتے اب بھی بابا گھاس کھودے	اولاد خدمت گزار نہیں یا بابا لالچی ہے۔
دریا میں رہنا مگر مچھ سے بیر۔	کسی کے قابو میں ہو کر اسی سے کینہ رکھنا
ڈوم بجاوے چلینی ذات بتاوے اپنی۔	آدمی کی اصل اس کے افعال و حرکات سے معلوم ہوتی ہے
آگ لگا پانی کو دوڑی	فساد برپا کر کے اس کو رفع کرنے کی بظاہر کوشش کرنا۔

ضرب الامثال	مفہوم
مارے نہ کوٹے، اندر کی رگیں گھونٹے۔	عورتیں اس خاوند کی نسبت کہا کرتی ہیں جو واجبی خرچ سے بھی تنگ رکھے
جلتوں کو جلائیں گے نت کڑھائی چڑھائیں گے۔	دشمنی میں ایسے خیالات فاسد ہی سوجھتے ہیں خواہ نقصان ہی ہو۔
قاضی کی لونڈی مری سارا شہر آیا، قاضی مرا کوئی بھی نہ آیا۔	جب حکومت کا خوف تھا، اب وہ خوف گزر گیا۔
گھر کہ گھر کرستر بلا سر پر دھر۔	قبیلہ داری میں پریشانی ہوتی ہے۔
ڈوم کے آگے ڈوم گائے کیا انعام پائے۔	ہم پیشہ سے فیض نہیں ہوتا مکے میں حاجی کی کیا قدر۔
گرُوؤں کی تسبیح ڈھلی بی بلّی حج کو چلی۔	ظالم کی پارسائی سے بھی ظلم ظاہر ہوتا ہے۔
کنوئیں میں بھنگ پڑی ہے۔	ایک دو نہیں سب بیوقوف ہیں۔
کھانے کے گال نہانے کے بال چھپے نہیں رہتے۔	عیش و آرام کی حالت نہیں چھپتی۔
چور گٹھڑی لے گئے بیگاریوں کو چھٹی ہوئی۔	باربرداری سے بچے بے فکری حاصل ہوئی۔
خدا لگتی کوئی نہیں کہتا، منہ لگتی سب کہتے ہیں۔	حق بات کوئی نہیں کہتا، خوشامد کی سب کہتے ہیں۔
چوہا بل میں سماتا نہیں دُم سے بندھ گیا چھاج۔	تنگ تر حالات میں مزید اخراجات پڑ گئے۔
جو نہ بھائے آپ کو وہ دے بنّو کے باپ کو	ناپسند چیز اور کو دی جاتی ہے۔
مرتی بھیڑ خواجہ خضر کی نیاز۔	ہاتھ سے جاتا دیکھا تو خیرات کر دیا۔
پاپی پاپ کا بھائی نہ باپ کا۔	بدکو بدی سے کام بھائی ہو یا باپ۔
مرغوب کبھی مرعوب نہیں ہوتا۔	محبوب پر دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا۔
آٹے کے چراغ، اندر چوہے باہر کاغ (کوّا)۔	ہر حال میں خطرہ درپیش، کوئی جائے پناہ نہیں۔
آپا نچے تو ہر کو بھجے۔	خود پرستی چھوڑ کر خدا پرستی ہو سکتی ہے۔
اوچھے کی پیت، ریت کی بھیت (دیوار)	کم ظرف کی دوستی کا کیا اعتبار۔
اُونٹ کی پکڑ کتے کی جھپٹ۔	یہ دونوں خطرناک ہیں۔
آٹا بیچ کے گاجر کھائیں	ضروری چیز ضائع کرکے غیر ضروری چیز لینا۔
ایک میاں موج کا، ایک ساری فوج کا۔	زبردست کا حصہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔
جس کے پاس آس ہے سب کچھ اس کے پاس ہے۔	دُنیا بہ اُمید قائم لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔
جس کے پاس یاس ہے اس کا ستیاناس ہے۔	اَلْیَاسُ مِنَ الْکُفْرِ ناامیدی کُفر ہے۔
یک لقمہ صباحی، بہتر ز مُرغ و ماہی۔	ناشتہ تھوڑا سا بھی مفید صحت ہوتا ہے۔
حاکمی گرم کی، دکانداری نرم کی، قبیلداری دھرم کی،	قبیلداری محافظ ایمان ہے۔ باقی سب کا مطلب
ناری شرم کی، دَولت کرم کی، ریاکاری بے شرم کی۔	ظاہر ہے۔

ضرب الامثال	مفہوم
حکم نشانی بہشت کی جو مانگے سو پائے۔	مطلب ظاہر ہے، ہر آرزو پوری ہوتی ہے۔
پل میں پرلے گھڑی میں گھڑیال۔	مستقبل کو ہمیشہ خطرات سے پُرخیال کرو۔
عمر جوانی دو کٹ چلے، ایسی تیسی جھک کر چلے۔	انسان متکبر و بدکار ہو جاتا ہے۔
ہم تمہاری دعائیں مانگیں، تم ہمارے مصلے پھاڑو۔	نیکی کے عوض بُرائی کرنا۔
نائیوں کی برات میں سبھی راجے۔	سب یکساں ہیں خدمت کون کرے۔
تالاب میں مُوتنے کا کون گواہ۔	بعض خفیہ برائیوں کا ثبوت بہم نہیں پہنچ سکتا۔
آدھا سواہی نانھ کا آدھا سارے سانتھ کا۔	تقدس کی آڑ میں فائدہ اُٹھانا۔
بے دل چاکر دشمن برابر۔	نوکر اگر دل سے راضی نہ ہو تو دشمن کی طرح کام خراب کرتا ہے
ایک طشت میں حلوا ایک میں گوبر۔ اندھے کے آگے دونوں برابر۔	جو اصلیت ہی نہ سمجھے، وہ قدر دانی کیا کرے۔
جُتّی لا مُتّی	جھگڑالو بے دین ہوتا ہے۔
آج کے تھپے آج ہی نہیں جلتے۔	کام اتنی جلدی نہیں یا اعمال کی سزا ترت نہیں ملتی۔
لکھتم آگے بکتم نہ چلے۔	تحریر کی موجودگی میں کوئی عذر نہیں چلتا۔
چڑھ جا بیٹا سُولی رام بھلی کرے گا۔	مُشیر نافہم کا قول ہے یا بڑے متوکّل کا۔
بی بی نیک بخت، چھٹانک دال دو وقت۔	نیک بخت کفایت شعار عورتیں اسی طرح گذر کرتی ہیں۔
گھر رہے نہ تیرتھ گئے، مونڈ منڈا کر جوگی بھئے۔	کسی طرف کے نہ رہے، محنت ضائع ہوگئی۔
پٹھان کا پُوت۔ گھڑی میں اولیا گھڑی میں بھوت	جلد متغیر ہو جاتا ہے۔ اس کی دوستی دشمنی کا کچھ اعتبار نہیں۔
مُردے پر جہاں سو مَن مٹی وہاں سوا سو مَن سہی۔	جہاں اتنی مصیبت ہے اور بھی کاٹ لیں گے۔
کبھی گھی گھنا، کبھی مٹھی بھر چنا، کبھی اس سے بھی منع۔	یہ زمانے کا رنگ ہے کبھی عیش کبھی تکلیف۔
باندی کے آگے باندی، مینہ دیکھے نہ آندھی۔	سفلے کی حکومت ایسی ہوتی ہے۔ وقت بے وقت کا خیال نہیں کرتا۔ کام سے کام۔
کوس نہ چلی بابا پیاسی۔	کام کے شروع ہی میں عاجز ہونا یا تھک جانا۔
گدھے کو گدھا ہی کھجلاتا ہے۔	ہمجنس کی خدمت، ہمجنس ہی کرتا ہے۔
کبڑے کو لات گُن آگئی۔	بظاہر سختی بعض اوقات مفید ثابت ہو جاتی ہے۔
آگ کو دامن سے ڈھانکنا۔	نہ چھپنے والی بات کو چھپانے کی کوشش کرنا۔
آنسو ایک نہیں کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے۔	مکاری سے کسی کی ظاہری ہمدردی کرنا۔

ضرب الامثال	مفہوم
انٹری میں روپ بنچی میں چھپ۔	کھانے سے رنگ روپ اور کپڑے سے زینت ہوتی ہے
اپنا ہاتھ جگن ناتھ۔	اپنے ہاتھ کی کمائی ہی سے روزی ملتی ہے۔
مرگ کے بعد ہی سورگ ملتا ہے۔	محنت کے بعد ہی پھل ملتا ہے۔
اناج کال نہیں راج کال ہے۔	یعنی گرانی سلطنت کی پیدا کردہ ہے۔
پیٹ نہ جانے ذات کذات، بھوک نہ جانے باسی بھات، پیاس نہ جانے دھوبی گھاٹ، نیند نہ جانے ٹوٹی کھاٹ۔	محبت، بھوک، پیاس اور نیند میں ان باتوں کی کوئی پروا نہیں۔
بتوے کی لوٹ میں برچھی کا گھاؤ۔	فائدہ نہایت کم ایذا نہایت زیادہ۔
آنکھ سے اندھا نام نین سکھ۔	حالات سے برعکس معاملہ۔
مرنے جائیں ملار گائیں	مصیبت کی کچھ پروا نہیں۔
دل کا گھاؤ، رانی جانے یا راؤ۔	پوشیدہ بات کی کسی دوسرے کو کیا خبر۔
رام رام دو گنے گلے مل چوگنے۔	دکاندار واقفوں سے دوگنا اور دوستوں سے چوگنا نفع لیتا ہے
بنیا مارے جان کو (واقف کو) ٹھگ مارے انجان کو (ناواقف کو)،	یعنی بنیا ٹھگ سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔
مفت کے گھوڑے کے دانت کیا پوچھنا۔	مفت ہاتھ آئے تو عیب و ثواب کیا دیکھنا۔
ابر کو دیکھ کر گھڑے پھوڑ دیئے۔	آئندہ کی امید پر موجودہ کو تلف کرنا۔
ٹوٹے کو جو پھر جوڑے گانٹھ گٹھیلی ہو۔	جس سے رنج ہو جاتا ہے پھر پوری صفائی نہیں ہوتی۔
ہن برسے تو کیوں ترسے۔	موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔
آنکھ پھوٹی پیڑ گئی۔	گو نقصان ہوا لیکن یکسوئی حاصل ہو گئی۔
سب کُتّے کاشی گئے تو ہنڈیا کس نے چاٹی؟	سب سعادت مند ہیں تو بدمعاشی کس نے کی؟
آنکھیں ہوئیں چار، دل میں آیا پیار۔	رو برو ہونے سے خواہ مخواہ لحاظ آجاتا ہے۔
رانڈ کا سانڈ سوداگر کا گھوڑا، کھائے بہت چلے تھوڑا۔	کام چور کاہل الوجود ہوتے ہیں۔
ایک وقت جوگی، دو وقت بھوگی، تین وقت روگی، اس سے زیادہ سوگی۔	ایک وقت پاخانے جانے والا تندرست، دو وقت والا عیاش و بسیار خور اور تین وقت والا بیمار اس سے زیادہ والا سوگوار سمجھنا چاہیے
پھوہڑ چھوڑا ساگ میں شوربا	بے وقوف بیوی کے ایسے ہی کام ہوتے ہیں۔
ٹھنڈا لوہا گرم لوہے کو کاٹتا ہے۔	نرم مزاج آدمی، تند مزاج آدمی پر غالب آجاتا ہے۔
ذات پات نہ پوچھے کو، ہر کو بھجے سو ہر کا ہو	خدا تعالیٰ کو عبادت پسند ہے، ذات سے تعلق نہیں۔
بنج کریں گے بانیے اور کریں گے ریس، بنج کیا تھا جاٹ نے رہ گئے سو کے بیس	جس کا کام اسی کو ساجے اور کرے تو ڈھینگا باجے۔

ضرب الامثال	مفہوم
بڑھا تو امیر گھٹا تو فقیر مرا تو پیر۔	سب حال میں اچھا ہے۔ ہندو لوگ مسلمانوں کے حق میں کہا کرتے ہیں
آنکھیں ہوئیں اوٹ، دل میں آیا کھوٹ۔	پس پشت بدلحاظی ہوتی ہے، از دیدہ دور از دل دور۔
پتھر پر جونک نہیں لگتی۔	بدکار کو نصیحت اثر پذیر نہیں ہوتی۔
اَن اور رَن کا کیا نام رکھنا۔	روٹی اور بیوی بری بھلی جیسی مل جائے غنیمت سمجھو۔
باڑ لگائی کھیت کو باڑ کھیت کو کھائے راجہ ہو چوری کرے نیاؤ کون چکائے	بد دیانت حکام جو بجائے فائدہ کے رعایا کو لُوٹیں
بہو رہی کنواری ساس رہی اری، بہو آئی گھر ساس کہے مرے	جب بیاہ کے بعد آئی تو دشمنی۔
جتنا چھانو اتنا ہی کرکرا۔	جتنا آزماؤ اتنا ہی نقص۔
بہرے آگے گاؤنا گونگے آگے گل اندھے آگے ناچنا تینوں اُلل پُلل	فضول و خلافِ توقع کام کا کچھ نتیجہ نہیں۔
پیش ملا حکیم و پیش حکیم ملا۔ پیشِ ہیچ ہر دو و پیشِ ہر دو ہیچ	ہر جگہ اپنی فضیلت جتلانا۔ جہاں موقع نہ ملا وہاں ہیچ بن جانا۔
راجے کی بیٹی، قسمت کی ہیٹی۔	بلند مرتبہ ہو کر بے اقبال ہونا۔
مَن بھائے منڈیا ہلائے۔	دِل میں آرزو رکھنا اور ظاہر میں انکار کرنا۔
کوئے گھڑے میں چوہا۔	نہ کچھ کھا سکے نہ نکل سکے، مفت میں گرفتار۔
معزول ہو کر معقول بنتے ہیں۔	مصیبت میں عقل ٹھکانے آجاتی ہے۔
کندھے ڈالی جھولی، چمار چھوڑا نہ کولی۔	بے شرم بن کر گداگری اختیار کی۔
سب باتیں کھوٹی پہلے دال روٹی۔	پیٹ کا فکر سب کاموں پر مقدم ہے۔
پہلے پیٹ پوجا پھر کام دوجا۔	پیٹ کا فکر سب کاموں پر مقدّم ہے۔
نیّت کھوٹی، رزق نہ روٹی۔	بدنیتی کا نتیجہ بُرا ہی ہوتا ہے۔
کنواں بیچا ہے کنوئیں کا پانی نہیں بیچا۔	بدمعاملہ کے قول و فعل ایسے ہی ہوتے ہیں۔
سَو تک گنتی پیر تک منتی	سَو کے آگے شمار نہیں، پیر پکڑنے سے زیادہ منّت سماجت نہیں
خدا امیر کے پاس قبر بھی نہ کرے۔	امیر کا پڑوس زحمت کا باعث ہے۔
ایک ٹکا گانٹھی، لڈوں کھاؤں یا ماٹھی۔	شیخی خورہ اِترانے والا۔
جب آیا اس دیہہ کا انت، جیسے گدھا ویسے سنت۔	موت سب کو برابر کر دیتی ہے۔
سِکھائے پوت دَکھن نہیں جاتے۔	کم ہمتوں کی ہمّت بندھانے سے کچھ کام نہیں چلتا۔
مَن امراؤ کرم دلدّری۔	دِل میں امارت مگر اقبال یاور نہیں۔

ضرب الامثال	مفہوم
سستا گیہوں گھر گھر پوجا۔	پیٹ بھرے سے تو خدا بھی یاد آتا ہے بھوکے بھجن نہ ہو۔
عقل بغیر کنوئیں خالی۔	تدبیر ہی سے کام چلتا ہے یا کنویں سے پانی نکلتا ہے۔
میاں بیوی دو جنے، کس کے لیے پیسیں جَو چنے۔	کُنبہ نہ ہو تو محنت بے فائدہ ہے۔
صِفت بھی ہو مُفت بھی ہو، بڑے پتھے کا بھی ہو۔	بغیر خرچ کیے اچھی چیز مانگنا۔
یا سوئے راجہ کا پوت یا سوئے جوگی اُبدھوت۔	یا امیر کو راحت ہے یا فقیر کو (کسی کو بھی نہیں)
نوکری یک طرف، روزی ہر طرف۔	خدا رزّاق ہے۔
گھی بھی کھا، اور پگڑی بھی رکھ۔	اتنے خوش خوراک رہو کہ عزت بھی برقرار رہے۔
گاڑی بیل سرکاری، یاروں کی ٹٹکاری۔	بے پروائی سے پرایا کام کرنا۔
جتنا قریب اُتنا رقیب۔	قرابتی کو حسد زیادہ ہوتا ہے۔ الاقارب کالعقارب۔
پیٹ میں پڑا چارہ کودنے لگا بیچارہ۔	کھایا تو شرارت سُوجھی۔
تو میرا بالک، کِھلاؤں تیری کھچڑی کھاؤں۔	احمق کو ایسا دم دے کر ہی راضی کر لیتے ہیں۔
بے فیض سے مُرغی بھلی جو انڈے دیوے بیس سانگ رام سے چکّی بھلی جو دنیا کھاوے پیس	مطلب ظاہر ہے کہ سانگ رام نام بُت جو چکّی جیسا گول ہوتا ہے۔
رمضان کے نمازی محرّم کے غازی۔	ظاہر دار ریا کار کی نسبت بولتے ہیں۔
تم رُوٹھے ہم چھوٹے۔	تم خفا ہوئے ہم کام کرنے سے بچے۔
جس کا بنیا ہووے یار اُس کو دشمن کیا درکار؟	بنیا یار بن کر اور سود پر قرض دے کر فقیر کر دیتا ہے۔
بوڑھی گھوڑی لال لگام۔	پیری میں جوانی کی آرائش۔
باؤلے کو آگ بتائی اُس نے لے گھر کو لگائی۔	بیوقوف فائدے کی بجائے نقصان کر لیتا ہے۔
جہاں مُرغ نہیں ہوتا وہاں کیا صبح نہیں ہوتی۔	کوئی کام ہو، کسی پر موقوف نہیں، ہو ہی جاتا ہے۔
کوئی مرے کوئی مَلار گائے۔	زمانے میں کسی کو رنج کسی کو خوشی۔
دل کو ہو قرار، سب سوجھیں تیوہار۔	خاطر جمع بے فکری ہو تو سب باتیں سوجھتی ہیں۔
بات جو چاہے اپنی، پانی مانگ نہ پی۔	عزت جب ہی ہے کہ صبر کرے، سوال نہ کرے۔
جس کے سر ہتھیار اس کا کیا اعتبار۔	شاخ دار حیوان سے بچنا چاہیے مار بیٹھے گا۔
کٹے کاؤ کا سیکھے ناؤ کا۔	نقصان کسی کا اور تجربہ کسی کا بڑھے۔
بارہ برس کے کو بید کیا۔ اٹھارہ برس کے کو قید کیا۔	خود صاحب فہم اور صاحب اختیار ہو جاتا ہے۔
گھر میں نہیں نُور، بیٹا مانگے موتی چُور	مقدور سے زیادہ کی ہوس کرنا۔

ضرب الامثال	مفہوم
چیونٹیوں کے گھر بہت ماتم۔	ناتواں ہمیشہ مبتلائے مصیبت رہتے ہیں۔
جب تک رکابی بھات، میرا تیرا ساتھ۔	فائدے کا لالچ ساتھ رکھتا ہے۔
اوچھے کے گھر کھانا، جنم جنم کا طعنہ۔	کم ظرف کا ادنیٰ سلوک عمر بھر کا طعنہ ہوتا ہے۔
بیٹی سلکھنی، دونوں جانب رکھنی۔	نیک بخت بیٹیاں میکے اور سسرال دونوں کو خوش رکھتی ہیں۔
تنگ جوتی سے ننگا اچھا، بُری عورت سے رنڈا اچھا۔	مطلب ظاہر ہے۔
آئیں پرائی جائیاں، وچھوڑیں سگے بھائیاں۔	سگے بھائیوں میں پھوٹ ڈلوا دیتی ہیں۔
ایک بوٹی اتیک کتے۔	تھوڑی شے کے بے شمار خواستگار۔
ایک ڈر دو طرف ہوتا ہے۔	خصومت کا خوف جانبین کو یکساں ہوتا ہے۔
آٹھویں پہر کھاہ، سوکھی روٹی بھی کرڑوا۔ (حلوہ)	ع گر نانِ خشک دیر خوری گل شکر بود
آٹھویں دن جاہ سمجھو نیا بیاہ۔	کثرت مجامعت کمی عمر کا موجب ہے، مکمل رغبت نہیں ہوتی۔ ے زبے رغبتی شہوت انگیختن برغبت بود خونِ خود ریختن
بھیڑیا کھائے یا نہ کھائے منہ لہو بھرا۔	بد بھلا بدنام بُرا۔
قبر پہ قبر نہیں بنتی۔	یعنی قرض پر قرض نہیں دیا جاتا۔
گئے بیچارے روزے رہ گئے ایک کم تیس۔	بہت بڑے کام میں سے تھوڑا سا کرکے فراغت سمجھنا۔
چاہت کے نام سے گدھی نے بھی کھیت کھانا چھوڑ دیا تھا۔	جس سے اظہارِ تعشق کیا جائے، وہ بدشکل بھی مغرور ہو جاتا ہے۔ مرغوب کبھی مرعوب نہیں ہوتا۔
بھجن بھوجن بھوگ اکانت بھلا۔	تینوں کام تنہائی میں ٹھیک ہیں۔
قرآن پر قرآن رکھنے کا مضائقہ۔	ہم مرتبہ ایک دوسرے کو جو چاہے کہہ سکتا ہے یا ہم قوم میں شادی کرے
بھلی میں بھائی بگڑی میں جنوائی	خوشحالی میں سب دوست ہیں۔
جیب میں نہیں کھلی کی ڈلی، چھیلا پھرے گلی گلی۔	مفلسی میں نمود۔
دانتوں کا کام آنتوں سے نہ لو	کھانا خوب چبا کر کھاؤ ورنہ آنتوں پر یہ عمل دشوار ہوگا۔
چنے ہی چبالو، یا بانسری بجالو۔	بیک وقت دو کام نہیں ہو سکتے۔
کاسا دیجیے، یا سانہ دیجیے۔	کسی کے ساتھ سلوک کر دینا پاس رکھنے سے زیادہ مناسب ہے
نو من تل کھلائے پھر تلیر کا تلیر۔	اتنا خرچ کرنے پر بھی بے حقیقت کم قیمت۔
بھوکا بیچے جورو، مالدار کہے اُدھار لوں۔	غرض مند عزیز چیز فروخت کرے، لینے والا لیت ولعل کرے
بیاہ پیچھے پتل بھاری	بڑے مصارف کے بعد ادنیٰ خرچ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔

ضرب الامثال	مفہوم
چمار کا پوت نام جگ رتن۔	حیثیت کے برعکس امیرانہ نام۔ نامِ زنگی کافور۔
دوست کا ڈگا پاؤں، دشمن کا لگا داؤں۔	ذرا چوک جانے سے دشمن کو انتقام کا موقع مل جاتا ہے۔
کلیل میں غلیل لگا۔	خوشی میں ناگہانی رنج۔
ناتہ نہ گوتا، کھڑا ہو کے روتا۔	پرائے رنج میں حصہ لینا خواہ مخواہ ٹسوے بہانا۔
کچی سرسوں پیل، کھلی ہوئی نہ تیل۔	خام کار کے تمام ادھورے۔
گوشت گاؤ گاہ بگاہ، گوشت ماہی ماہ بماہ گوشت بز شام و پگاہ۔	حفظِ صحت کے متعلق قولِ حکما ہے۔
جٹی نے بھگوئی اَٹی، کراڑ نے ماری بٹی۔	اس نے سوت بھگو کر بھاری کیا، بنیے نے کم وزن کا باٹ رکھا۔ جیسے کو تیسا مل جاتا ہے۔
مہر تو بہت چھاتیوں میں دودھ نہیں۔	زبانی مہربانی لینا دینا کچھ نہیں۔
آن (ناز) سے ماروں، تان (دگانا) سے ماروں، نہ مرے ران سے ماروں۔	عورتوں کا مقولہ اور کردار ہے۔ خدا اُن کی آن، تان اور ران سے سب کو محفوظ رکھے۔
کم کھائے غم نہ کھائے۔	کم کھانا قرض لے کر کھانے سے بہتر ہے۔
جیسی مائی ویسی جائی، گندی بوٹی کا گندا شوربا۔	بدوں کی اولاد بھی عموماً بد ہی ہوتی ہے۔
پوری سے پوری پڑے تو سب نہ پوری کھائیں	فضول خرچی سے جلد دیوالہ نکل جاتا ہے۔
پہلے لکھ کے پیچھے دے، بھول پڑے تو مجھ سے لے۔	بہی کھاتہ حساب میں اچھا ہے۔
چور کا مال سب کوئی کھائے، چور کی جان اکارت جائے۔	بدوں کا انجام ضرور برا ہوگا۔
خدا واسطے بلی بھی چوہا نہیں مارتی۔	خدا کے واسطے کوئی بھی کسی کا کام نہیں کرتا، اپنا فائدہ مقدم جانتے ہیں
سانپ سے سانپ لڑے، زہر کس کو چڑھے	برابر کی چوٹ ہے کسی پر اثر نہیں ہوتا۔
دیا باتی بلے، بھلے مانس گھر بھلے	زن مرید کی نسبت بولتے ہیں۔
سنی نہ شیعہ جی میں آیا سو کیا۔	زمانہ ساز ابن الوقت کے قول و فعل کا کچھ اعتبار نہیں۔
جاہ کارن مونڈ منڈایا، وہی دکھ آگے آیا۔	فقیر بننے میں بھی مشقت پیش آتی ہے۔
رات تھوڑی سوانگ بہت۔	وقت کم کام زیادہ۔
رانڈی کے گھر ہانڈی عاشقوں کے گھر کڑاکا (فاقہ)۔	مطلب ظاہر ہے۔
ماں مارے، ماں ماں پکارے۔	بچہ ماں کی سختی کو بھی محبت خیال کرتا ہے۔ یا خدا مصیبت دیتا ہے تو اسی پکارا جاتا ہے۔

ضرب الامثال	مفہوم
بڑی فجر، چولہے پر نظر	جو شخص تمام دن کھانے ہی سے کام رکھے۔
حاکم کے تین، شحنہ کے نو۔	بہ نسبت حاکم کے اُس کے کارندے زیادہ ظلم کرتے ہیں
میلے میں جھمیلا ہُوا ہی کرتا ہے۔	جہاں آدمیوں کی کثرت ہوگی وہاں جھگڑا ضرور ہوگا۔
خرس در کوہ بُوعلی سینا۔	بیوقوفوں میں کم عقل بھی سردار ہے۔
جن گلیوں میں پھینکے پھول، اُن میں پھینکوں کیسے دھول۔	یعنی مروّت توڑنے کو جی نہیں چاہتا۔
بنی تو بھائی نہیں تو دشمنائی۔	فائدہ نہ ہُوا تو دشمن۔
چڑھا سو اُترا بھجو (خوف)	قرض لینے میں دیر ہوتا جاتا ہے۔
چور لاٹھی دو جنے، ہیں اور چچا اکیلے۔	بُزدلوں کا قول ہے یا بنیوں کا۔
چھپّر پر پھوس نہیں ڈیوڑھی نقّارہ۔	مفلسی میں نمُود۔
گینجی پنہاری گوکھرو کا ابنڈوا (گوکھرو بھکھڑا)	بے وقوف آرام کی بجائے تکلیف اُٹھاتا ہے۔
نیتی اور بیتی۔	نیّت کر لی جائے تو کام پُورا ہو ہی جاتا ہے۔
سَو سیانے ایک موت۔	دانشمند بہت سے بھی ہوں تو اختلافِ رائے نہیں ہوتا۔
نہ گنّا دے نہ بھیلی دے۔	کسی سے تھوڑی چیز لی جائے پھر وہ بڑی چیز مانگے تو انکار نہیں ہو سکتا
اچھے ہیں پر خدا کام نہ ڈالے۔	ظاہر کے اچھے کام پڑنے پر بُرے۔
سَستا اُونٹ مہنگا پٹّہ۔	اصل چیز کی نسبت متعلّقہ سامان پر زیادہ لاگت آنا
دَر پر آئی جانٹ، بیندھو دُلہن کے کان۔ (براٹ)	بہت بڑے اہتمام کی بجائے ابتدائی تیاری بھی نہیں۔
پانی پی کر ذات کیا پوچھنا	جو بات گذر چکی ہے پھر اس کی تحقیق بے فائدہ۔
ملنگ اور برہمن کا کیا ساتھ۔	دو ناجنسوں میں فساد کا احتمال ہوتا ہے۔
لکڑی کے چور کو پھانسی نہیں دیتے۔	ادنیٰ خطا پر اتنی سخت سزا نہیں ملتی۔
گالی دینے سے گنگا بولی۔	ناسزا بات کا تحمّل کسی کو نہیں ہوتا۔
اندھا ہاتھی اپنی ہی فوج کو کچلے	نافہم آدمی اپنے ہی رفیقوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔
کماؤ آوے ڈرتا نکھٹّو آوے لڑتا۔	نالائق نکمّے اسی طرح دباؤ ڈالتے ہیں۔
مل گئی تو روزی نہیں تو روزہ۔	روزگار پر ہی سب کچھ منحصر ہے۔
آیا تو نوش، نہیں تو فراموش۔	توکّل پر گزارہ ہے۔
ایک جان ہزار ارمان۔	انسان خواہشوں سے کبھی خالی نہیں۔
کھرے سکّے ساتھ کھوٹا، ایسے کو سراسر ٹوٹا۔	بھلے کے ساتھ بُرائی کا نتیجہ خراب ہی ہوتا ہے۔

ضرب الامثال	مفہوم
فتح شکست تو خدا کے ہاتھ، مار مار تو کیے جاؤ۔	کوشش میں قصور نہیں کرنا چاہیے جو ہونا ہے سو ہو کے رہے گا۔
راستہ پڑے جانیے یا واسطہ پڑے جانیے۔	انسان کی حقیقت تعلقات سے کھلتی ہے، بلا تعلق سب شریف ہیں
جیتے تھے تو لیکھوں بھرے، مر گئے تو موتیوں جڑے۔	باکمال کی قدر زندگی میں نہیں ہوتی۔
مچھلی کے جائے کِن تیرائے۔	تعلیم کی ضرورت نہیں سرشت خود سکھاتی ہے۔
سانبھر جائے اَلونی کھائے۔	نمک کی کان میں بے نمک کھانا۔ فائدہ کی جگہ محروم رہنا۔
بِن بُلائے جائیے نہ، کھائیے پر کھائیے نہ۔	بے طلب جانا خودداری کے خلاف اور بار بار کھانا مضرِ صحت
سوار کا جنازہ سوا گز آگے۔	سواری خواہ کسی چیز کی ہو خطرے سے خالی نہیں۔
ہَرکھ کا مارا نرک (دوزخ) کو جاتا ہے۔	غُصّے کا انجام نہایت خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے۔
گئے تھے پُوت دکھن، قسمت کے وہی لکھّن۔	بدقسمتی کہیں پیچھا نہیں چھوڑتی۔
سرائے کا کُتّا ہر مسافر کا یار۔	ہوشیار غرض مند ہر ایک سے گٹھ جاتا ہے۔
گُڑ سے مَرے تو زہر کیوں دے۔	آسانی سے کام ہو تو مشکل کیوں اختیار کرے۔
اُونی سِل چٹورا کُتّا۔	لالچی ناکام کچھ حاصل نہیں ہوتا۔
باوا بھلا نہ بھیّا، بہن بھلی نہ مَیّا، سب سے بھلا روپیّہ۔	زردار کے سب آشنا اور رشتے دار ہیں۔
اپنی کانٹھ نہ پیسا، پرایا آسرا کیسا۔	بے زر کا کوئی مددگار نہیں۔
کھائیں تو گھی سے، نہیں تو جائیں جی سے۔	عادت بگڑی ہوئی تکلیف دیتی ہے۔
بھرا روٹی کی پَٹ پَٹ سُنتا ہے۔	اپنے مطلب کی ہر کوئی سمجھ لیتا ہے۔
روز روز چنگی، عید کے دن ننگی۔	ہر روز آرائش، ضرورت کے دن خالی۔
خَر باش خُرد مباش	چھوٹوں کو ہر کوئی دبا لیتا ہے۔
جس کی زبان چلے اس کے ستّر ہل چلیں۔	باتونی شخص باتوں ہی سے مطلب حاصل کر لیتے ہیں۔
آنکھوں سے دیکھ کر جیتی مکھی نگلتے ہیں۔	جان بوجھ کر نقصان یا تکلیف اٹھاتے ہیں۔
سوچ کرنا پڑ کھا ہارے، مَرد وہی جو پہلے مارے۔	سوچنے میں اکثر موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔
شاکر کو شکّر، موذی کو ٹکّر۔	شکر کا نتیجہ نیک ہوتا ہے اور موذی کو سزا ہوتی ہے۔
سپوتی روئے ٹکڑوں کو، نپوتی روئے پُتروں کو۔	دنیا میں رنج و شکایت سے کوئی خالی نہیں۔
جس کے ہاتھ ڈوئی، اس کا ہر کوئی۔	کھانے کے سب یار ہیں۔
جس کی تیغ اس کی دیگ۔	زبردست ہر جگہ کامیاب ہے۔
چمڑی جائے دَمڑی نہ جائے۔	تکلیف دہ بُخل۔

ضرب الامثال	مفہوم
خوش نصیب کو صلاح کیا درکار، خوشنویس کو اصلاح کیا درکار۔	خود بخود سب کام درست ہوتے جاتے ہیں۔
سوئی ٹوٹی، کشیدہ سے چھوٹی۔	بلا سے نجات پائی۔
دانہ نہ گھاس گھوڑے تیری آس	دینا نہ دلانا اور فائدے کی اُمید رکھنا۔
تم کاٹو ناک اور کان، میں نچھوڑوں اپنی بان۔	کیسی تکلیف دو، میری عادت نہ جائے گی۔
دھرم چھوڑ دھن کوئی کھائے۔	دین فروشی کر کے حصول دُنیا لعنت ہے۔
دودھیل گائے کی دولات بھلی۔	جس سے فائدہ ہو اس کی بُری بات بھی سہی جاتی ہے۔
ہِل میری چپنی ہِل میری ڈوئی کھائے کوئی دِن پھر دن اوئی	فضول خرچی اور چٹوڑاپن کا بُرا انجام ہے۔
ساس نہ نندی، اکیلی آپ انندی۔	کوئی روک ٹوک والا نہیں۔ اکیلی انند کرتی ہے۔
دیمک کے دانت، سانپ کے پاؤں اور چیونٹی کی ناک کسی نے نہیں دیکھی۔	مگر وہ کام وہ کرتے ہیں جو ان اعضا والوں سے نہیں ہوتا۔
سر کالا منہ بالا، سر گالا منہ کالا۔	جوانی میں قدر تھی، سر سفید ہو گیا تو منہ کالا یعنی بے قدری ہے۔
دیوانی بیوی خالی گھر، من میں آئے سو کچھ کر۔	ہر طرح نقصان کا احتمال ہے۔
سَوکن کیا سہیلی کیا۔	مستقل وجہ مخالفت میں موافقت مشکل سے ہوتی ہے
سُونا گھر، بھڑوں کا راج۔	کسی کا خطرہ نہیں ہے۔ خانۂ خالی را دیو میگیرند۔
رَب نہ مارے لاٹھیاں، اُلٹی کر دے مَت۔	انسان اپنی بربادی کے اسباب خود پیدا کر لیتا ہے۔
راجہ جوگی اگن جل ان کی اُلٹی ریت.... راجہ کس کے یار ہوئے اور جوگی کس کے مِیت	کسی کے مطیع نہیں ہوتے اُن سے جتنا قرب اتنا ہی فرق ان کے راہ و رسم پر ہرگز اعتبار نہ کرے۔
سَوت بھلی سَونیلا بُرا۔	سَوکن کی اولاد زیادہ تر دشمن ہوتی ہے۔
رانڈ گیی سگائی کو، آپ لائے یا بھائی کو۔	ایک چیز کے کئی حاجت مند، کس کس کو ملے۔
سپوت کے لیے نہ جوڑ، کپوت کے لیے نہ چھوڑ۔	سپوت خود جوڑ لے گا، کپوت جوڑا ہوا برباد کر دے گا۔
راست گو مفلس مجلس میں جھوٹا۔	غریب مفلس کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔
گدھے ہل چلیں، تو بیل کون خریدے۔	کمینوں میں کام چلے تو شریفوں کی کون قدر کرے۔
چاندی کی ریت نہیں، سونے کی توفیق نہیں۔	نہ یہ کر سکتے ہیں نہ وہ کر سکتے ہیں۔
زَردار کا سودا ہے بے زر کا خدا حافظ پَردار تو اُڑتے ہیں بے پَر کا خدا حافظ	روپیہ سب مشکلیں حل کرتا ہے۔

مفہوم	ضرب الامثال
شکل سے نصیب غالب ہوتا ہے۔	رُوپ کی روئے بھاگ کی کھائے۔
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات نہیں پا سکتا۔	جب تک دم ہے تب تک غم ہے۔
دیر طلب اُمیدِ موہوم۔	رکھ رہی کُتیا میری آس، میں آؤں کاتک ماس۔
محنت زیادہ فائدہ کم۔	ساری رات ممیائی ایک بچہ بیائی۔
نیت خراب ہو تو ایسے ہی بیہودہ عُذر کیے جاتے ہیں	میں گھر نہ بسوں گی، تیری ڈاڑھی ہلتی ہے۔
نیند اور بھوک سے انسان لاچار ہے۔	نیند سولی پر آئے، بھُوک میّت پڑی پر کھلائے۔
سفر میں بہت تکلیف ہوتی ہے۔	سفر اور سقر میں ایک نقطے کا فرق ہے۔
محنت کے مقابلے میں فائدہ کم ہوُا۔	رات بھر پیسا، چپنی بھر اُٹھایا۔
کیسا ہی فائدہ ہو، جان خطرے میں ڈال کر کوئی نہیں لیتا	سونے کی کٹاری کسی نے اپنے پیٹ میں نہ ماری۔
بے وقت کام شروع کیا۔	بدلی میں دن دیئے، پھُوہڑ بیٹھی پیسے
دینے کو نہیں تو شیریں زبانی میں کیا خرچ ہوتا ہے۔	گڑ نہ دے تو گڑ کی سی بات تو کہے۔
بے وقت کی کوشش بے سُود ہے۔	بوند کا چُوکا گھڑا ڈھلکائے پھر بھی کام راس نہ آئے۔
رزق ہاتھ آئے باقی خواہ کچھ ہی ہو۔	روٹی پڑی مُنہ میں ذات پڑی گُوںہہ میں۔
بچّے کی خصلتوں میں ماں باپ کا عکس ہوتا ہے۔	جیسی مائی، ویسی جائی، دُودھ پہ بُودھ۔
ملازمت میں خودداری نہیں رہ سکتی۔	چاکری میں آکری کیا۔
جوشِ مستی میں بیہوش ہو کر مالک کی پرَوا نہیں کرتی	کاتک کی کُتیا کا کیا اعتبار۔
دُنیا کی بے وفائی کی نسبت کہا جاتا ہے۔	
تینوں باعثِ ضرر۔	جھگڑے کے تین دَر، زَن زمین زر۔
کوئی بڑے سے بڑا ہو کام نہ آئے تو نکما ہے۔	چودھری ہو یا راؤ، کام نہ آئے تو بھاڑ میں جاؤ۔
تینوں کا نتیجہ تکلیف دہ ہے، مالک لاج رکھے۔	چلنا بھلا نہ کوس کا بیٹی بھَلی نہ ایک دینا بھلا نہ باپ کا مالک راکھے ٹیک
عمر بھر مزدوری کرنا اور کھانا۔	جب تک جینا، تب تک سِینا۔
دونوں یکساں ہیں، محبوب کی حرکات پسند۔	سہاتے کی لات اَن سہاتے کی بات۔
مخلِ صحبت ہو تو ناگوار معلوم ہوتا ہے۔	دو میں تیسرا، آنکھوں میں ٹھیکرا۔
نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہے۔	چاتر تو بیری بھَلا، مُورکھ بھَلا نہ دوست۔
ضعیف سہارے سے مطلب حل نہیں ہوتا۔	دُم پکڑے بھیڑ کی وار ہوئے نہ پار۔

ضرب الامثال	مفہوم
گھر میں بانس پھیرو تو کہیں نہ اٹکے۔	کچھ سامان نہیں مفلسی کی دلیل ہے۔
کہیں چور سُونے کہیں ڈھور سُونے۔	کہیں چوروں کو بیل نہیں ملتے، کہیں بیل ہوتے ہیں تو چور نہیں ہوتے۔
رجیب (زبان) دیوانی اپنے کاموں سیانی۔	اپنے مطلب کی ہر ایک کو خوب سُوجھتی ہے۔
جتنا لہو دیکھتے ہیں، اُتنی ہی جونک لگتے ہیں۔	حسب حیثیت نذرانہ وصول کرتے ہیں۔
چار دن کی کوتوالی، پھر وُہی کُھرپا جالی۔	چند روزہ حکومت ہے۔
سر سہلائے بھیجا کھائے۔	محبت جتلا کر نقصان پہنچائے۔
کمائی بھلی یا مائی۔	جہاں سے فائدہ ہو وُہی سب کچھ ہے۔
چنا میں تم پڑو، پیٹنے والے ہم بہت ہیں۔	دوسروں کو مصیبت میں ڈال کر آپ آسائی میں رہنا۔
نوکری نہ کیجیے میاں گھاس کھود کھائیے اور جائیں آس پاس، آپ دُور جائیے	آزادی کی تکلیف غلامی کے آرام سے بہتر ہے۔
دانہ خواہ کم ملے لیکن ٹٹو کوئی نہ کہے۔	فائدہ خواہ کم ہو، بے قدری نہ ہو۔
کبھی پکے گھڑے میں بھی مٹی لگی ہے۔	بڑی عمر میں نصیحت کم مؤثر ہوتی ہے۔
کیسہ خالی ہو کر خواہش پُر ہو سکتی ہے۔	خواہش جبھی پوری ہو سکتی ہے جب روپیہ خرچ کیا جائے۔
ایک بچہ کی ماں کیا، سو روپے کی پونجی کیا۔	ان کی کوئی وقعت نہیں۔
جانے والا اور مرنے والا کیا رُک سکتا ہے۔	جس نے ٹھان لی کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔
کوٹھے والا روئے اور چھپر والا سوئے۔	اہل دولت زیادہ حاجتمند اور شاکی ہیں۔
دیگ ہوئی دَم حاضر ہو گئے ہم۔	مطلب پرست ہر جگہ آموجود ہوتا ہے۔
جائے جس کا پُوت، کاتے جس کا سُوت۔	غیر اولاد اپنی نہیں ہو سکتی۔
مصیبت پیغمبری درجہ کافری۔	دین و دنیا دونوں سے محروم۔
پرایا دُکھ دیکھ کر اپنا دُکھ بھُولتا ہے۔	سہارا ہو جاتا ہے۔
بندھ گیا سو موتی رہ گیا سو کنکر۔	جو کام بن گیا سو غنیمت ہے۔
پہلے سال چٹی، دوسرے سال ہٹی، تیسرے سال کھٹی۔	دکانداری رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہے۔
بیوی خیلا، دو چٹے ایک میلا۔	بے تمیزی کی علامت۔
گیہوں کھیت، لڑکی پیٹ، آ جوائی مانڈے کھا جا۔	خیالی پلاؤ پکانا، ہوائی قلعے بنانا۔
چھلنی میں دوہنا کرم کو کوسنا۔	دیدہ و دانستہ نقصان رساں طرز عمل اختیار کرنا۔
بات کی بات لات کی لات۔	بظاہر ایک بات ہے، در اصل رمز رنجدہ ہے۔

ضرب الامثال	مفہوم
بھیڑ جہاں جائے مونڈ منڈائے۔	غریب بدنصیب کمزور کو ہر جگہ خسارہ ہے۔
زر ہے تو نر ہے ورنہ خر ہے۔	سب عزت زر کی ہے، بے زر بے پر ہے۔
صندل کی لکڑی کو نہیں جلاتے۔	ہنرمند کو کوئی تکلیف نہیں دیتا۔
ایک نے کہی دوسرے نے مانی، دونوں جانو بڑے گیانی۔	عقلمند ہمیشہ اتفاق سے رہتے ہیں۔
اندھوں میں کانا سردار۔	مفلسوں میں کم سرمائے والا ہی تونگر ہے۔
مکھن مکاراں، چھاچھ ٹلوانیاں، دھکے ان کو جنھوں نے رب پہچانیاں۔	دنیا میں بدکار، کامگار اور نکوکار گرفتارِ ادبار ہیں۔
عورت ایمان، دولت گزران، بیٹا نشان۔	بغیر عورت ایمان نامکمل، بغیر دولت گزران مشکل، بغیر فرزند نشان معدوم۔
کیڑی کو کن، ہاتھی کو من پہنچتا ہے۔	رزاق سب کو حصہ بقدرِ جثہ دیتا ہے۔
دونوں جہاں سے گئے پانڈے، حلوا ملا نہ مانڈے۔	دونوں طرف سے ناکامی۔
عرضی دو حرفی بحالی یا برطرفی۔	طویل تحریر خبطِ مطالب کا موجب ہوتی ہے۔
میں اور میرا بنا سبھی لوگ رونا	خود غرض کو فائدے میں کسی دوسرے کی شرکت گوارا نہیں ہے
کیا جوؤں کے پیچھے گھاگھرا پھینک دیں۔	تھوڑی تکلیف کی وجہ سے بڑا فائدہ نہیں چھوڑا جاسکتا۔
قبر کا حال مردے ہی کو معلوم ہے۔	کسی کے اندرونی حالات کی کس کو خبر ہے۔
ہگنا موتنا ماں کا، ہنسنا کھیلنا باپ کا	بچے کی غلاظت ماں ہی برداشت کرتی ہے۔
عشق کے بھوت کو بھوک کا بھوت پچھاڑے۔	شکم سیری ہی سے نفس سر اٹھاتا ہے۔
ناکردن یک عیب و کردن صد عیب۔	بعض وقت کا انکار بہت سی مصیبتوں سے بچاتا ہے۔
ایک بیچارہ مرے دوسرا اس کی بیٹی مانگے۔	خودغرضی کی انتہا۔
پنڈت جی میرا ہاتھ دیکھنا، بیٹا ماتھا ہی دکھتا ہے۔	خوش بختی آثار ہی سے نظر آجاتی ہے۔
رانڈ کے پاؤں لاگی سہاگن، ہوجا بائی میری ساتھن۔	انسان اپنے سے بہتر کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔
ریتر بھائی بھاگتے کیوں ہو، تانت زور ڈالے ہے۔	مجبوری سب کچھ کراتی ہے۔
تر ہوئی آنت بجنے لگی تانت۔	شکم سیر ہو تو راگ رنگ سوجھتا ہے۔
من کے کھانے والے کو کن سے کیا ہو۔	زیادہ کی ضرورت میں تھوڑی سے کام نہیں چلتا۔
منہ لگائی ڈومنی گنبے سمیت آئی۔	اوچھے کو منہ لگانے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔
پانچ پیر ہی رہیں گے یا امام ناصرؒ ہی رہیں گے۔	حکومت ایک ہی کی ہوگی ورنہ جنگ و جدل۔

ضرب الامثال	مفہوم
جورو زور کی نہیں اور کی۔	عورت طاقت ہی سے قابو میں رہتی ہے۔
بھوک میں بھجن بھی نہ ہو، بھرے آتما سوجھے پرماتما۔	شکم سیر ہی کو سب کچھ سوجھتا ہے۔ ع پراگندہ روزی پراگندہ دل
پتھر پوجے ہر ملیں تو میں پوجوں پہاڑ۔	کامیابی یقینی ہو تو سختی بھی برداشت ہو جاتی ہے۔
پرکی موئی ساسو آج کیوں آئے آنسو۔	گئی گزری بات کو تازہ کرنا۔
بھٹ بھٹیاری، بیسوا تینوں ذات کُذات آٹے کی آدر کریں جاوت نہ پوچھیں بات	مطلب کے آشنا ہوتے ہیں۔
پنچوں کا کہنا سر ماتھے پر، پرنالہ یہیں رہے گا۔	ضدّی اَڑیل جو اپنی بات مسلّم رکھے۔
توے کی تیری، تغاری کی میری۔	زیادہ فائدہ اپنا، تھوڑا سا غیر کا۔
تمہارا مال سو ہمارا مال، ہمارا مال اِہیں اِہیں اِہیں۔	یہ بنیوں کا قول ہے اپنا ہی فائدہ مناتے ہیں۔
دن کھویا آلے بالے، کاتنے بیٹھی دیا بالے۔	اچھا وقت ضائع کرکے بے وقت کام کرنا۔
کنواری کو ارمان، بیاہی پشیمان، رانڈ کو حرمان۔	کنواری کو ہوس کہ عیش کروں۔ بیاہی کو پچھتاوا کہ بلا میں پھنسی، بیوہ کو رانڈپن کا افسوس۔
ایک اہاری، دُکھ نہ بیماری	کم کھانے والا تندرست رہتا ہے۔
گوہوں میں گوہ، جیسی یہ ویسی وہ۔	سب یکساں ہیں۔
صبر والا سہے، بے صبر ڈھے	مصیبت میں بے صبری دوسری مصیبت ہے۔
ایک ٹکا پلّے نہ تھ گھر ٹاؤں یا چھلّے	بے سرمائگی میں بڑی آرزو رکھنا۔
بیاہی بیٹی پردیسن داخل۔	بہت کم تعلق رہ جاتا ہے۔
قرضخواہ کی رام رام ملک الموت کا پیغام۔	قرضخواہ کا سلام بھی تقاضا ہے۔
پانسہ پڑے سو داؤں، راجہ کرے سو نیاؤں۔	حاکم کے منہ سے جو نکلے وہی انصاف ہے۔
لاڈلا پوت، کٹوری میں موت۔	زیادہ لاڈلی اولاد خراب کرتی ہے۔
تھوکوں ستو نہیں سنتے۔	مال خرچ کرنے کی جگہ باتوں سے کام نہیں نکلتا۔
ساجھے کی ناؤ گنگا پار نہ اترے۔	شراکت کے کام کا انجام ناتمام رہتا ہے۔
کرے سو کام، بھجے سو رام۔	جو کچھ کرتا ہے وہ جلد کر لیجیے۔
سونی سال سے مرکھنا بیل اچھا۔	رانڈ رہنے سے بدمزاج خاوند ہی اچھا، یا بے اولاد رہنے سے نالائق لڑکا ہی اچھا ہے۔
کر ہلا جو بھرے پلّا۔	محنت ہی سے نفع ہوتا ہے۔

ضرب الامثال	مفہوم
سَو گز وارُوں، گز بھر نہ پھاڑوں۔	دینا لینا کچھ نہیں، زبانی جمع خرچ سے ٹالنا۔
جگن ناتھ کا بانٹا، جھگڑا نہ جھانٹا۔	مقسوم پر شاکر و قانع رہنا چاہیے۔
نند کا نندوئی گلے لگ لگ روئی۔	بہت دُور کے رشتہ دار سے اظہارِ محبت کرنا۔
آٹھ ہاتھ ہاتھی سے، سات ہاتھ سینگ والے سے، بیس ہاتھ ناری سے تیس ہاتھ متوالے سے۔	اِن سے دُور رہنا ہی بہتر ہے۔ نزدیکی میں خطرہ ہے۔
بوڑھی بھیڑ بھیڑیے سے ٹھٹھا۔	کمزور کا زور آور سے چھیڑ چھاڑ کرنا اچھا نہیں۔
قبلہ اُدھر قطب اِدھر میاں مسیتا موتے کدھر۔	یعنی ہمیں دونوں کا لحاظ و ادب ہے۔
گھر دُور گٹھڑی بھاری۔	سخت مصیبت ہے۔
وہی چکی کا ہتّھا اور بندی کا متّھا۔	مصیبت بدستور قائم ہے۔
گھر کی جلی بن میں گئی بن میں لاگی آگ۔	کہیں جائے پناہ نہیں، سخت بدقسمتی ہے۔
جلتی جھونپڑی میں سے جو نکلا سو لابھ	زیادہ نقصان کے موقع پر جو کچھ بھی بچ جائے وہ غنیمت جانئے
گور پر گور نہیں ہوتی۔	ایک کے قابض ہوتے ہوئے دوسرا دخیل نہیں ہوسکتا۔
کچھ گیہوں سیلے، کچھ جندر ڈھیلے	تمام اسبابِ کاربرآری خراب و ناقص ہیں۔
آس پاس برسے، دِلّی پڑی ترسے	غیروں کو فائدہ پہنچائے، اپنے محروم رہیں۔
کانا مجھے بھائے نہیں، کانے بن سہائے نہیں۔	ایک شے سے نفرت کرنا پھر اس کے بغیر گزارہ بھی نہ ہونا
میرے لالے کی اُلٹی ریت، ساون ماس اُٹھاویں بھیت۔	بے وقت کام کرنا (بھیت بمعنی دیوار)۔
ہوت کی جوت ہے، انہوت پڑا روت ہے۔	ساری رونق، روشنی روپے سے ہے۔
چور کی ماں، کوٹھی میں مُنہ۔	بدکار اولاد کی ندامت والدین کو ہوتی ہے۔
ہنستے ٹھاکر کھانستے چور، ان دونوں کا آیا اور خاتمہ	حاکم کا تمسخر سے رُعب جاتا رہتا ہے، چور کی کھانسی اس کی آفت ہے
اصیل مرغی ٹکے ٹکے۔	قابلیت کی بے قدری۔
نام کیا شکر پارہ، روٹی کھائی دس بارہ۔ پانی پیا مٹکا سارا، کام کرنے کو ننھّا بیچارہ۔	حرام خور کام چور کی نسبت بولتے ہیں۔
گود کا چھوڑ کر پیٹ کی آس۔	موجودہ کو چھوڑ کر موہوم کی آس یا ادھار کے بھروسے نقد کو کھونا
آگ بن دھوآں کہاں۔	ہر بات کی بنیاد ضرور ہوتی ہے، ہر علت کا معلول ضرور ہے
سرے سے ہی بھیڑ کانی	شروع سے ہی بگاڑ۔
رام چھوڑی اجودھیا، من بھاوے سو لے۔	قطع تعلق کے بعد جس کا جی چاہے لے لے۔

ضرب الامثال	مفہوم
مَن بھائی تو کھائی نہیں تو پھینکے دھر اُٹھائی۔	جو معاملہ حسبِ دلخواہ نہ دیکھا اس کو ترک کر دیا۔
ڈوبتا بھانڈ چلائے، لوگ سمجھیں گائے۔	بُرے پیشے والا مستحق امداد بھی محروم رہتا ہے۔
جائے نیپال، ساتھ جائے کپال۔	بدقسمتی ہر جگہ ساتھ ہے۔
کلہ چلے، سَو بلا ٹلے۔	کھانے ہی سے صحت برقرار رہتی ہے۔ یہ چھُٹا تو بیمار ہے
خربوزہ چاہے دھوپ کو آم چاہے مینہ ناری چاہے زور کو بالک چاہے نیہنہ	عورت طاقتور سے اور بچے محبت سے خوش رہتے ہیں
حلال میں حرکت، حرام میں برکت۔	زمانے کی نیرنگی یا ناروا نفع کے وقت کہتے ہیں۔
کانی کے بیاہ کو سَو سَو جوکھوں۔	عیب دار کو ہر جگہ مشکل پیش آتی ہے۔
گٹھڑی حلال بقچہ حرام۔	تھوڑے میں راستبازی زیادہ ملے تو بے ایمانی۔
سستی بھیڑ کی دُم اُٹھا کر دیکھتے ہیں۔	سستی چیز کی بے قدری، یا غریب کا کوئی اعتبار نہیں کرتا
چُرا بھی اور مجُرا بھی۔	متقی بن کر عیش اُڑانا۔
پیٹ میں پڑی بوند، نام رکھا محمود۔	دُور کی اُمید پر خوش ہونا یا موہوم کی تعریف۔
کایا بڑی کہ مایا۔	صحت دولت سے بڑھ کر ہے یا دولت کے آگے طاقت بیکار ہے
آسا مرے، نرآسا جیے۔	زحمتِ انتظار کی نسبت نا اُمیدی میں سکونِ قلب ہے ع نا امیدی تیرے قربان تو نے راحت دی مجھے ایک ارماں کم ہُوا جب کہ ایک دشمن کم ہُوا
مُلّا کی داڑھی تبرک میں گئی۔	ظاہر میں عزت افزائی درحقیقت تکلیف اور ذلّت۔
لاگ گئی تب لاج کہاں۔	جب کہیں دل لگ جاتا ہے تو شرم کا پاس نہیں رہتا ہے
بن بھائے پیت نہیں، بن پرچے پرتیت نہیں۔	موافقت نہ ہو تو محبت نہیں اور بغیر آزمائش اعتبار نہیں
گھڑا ملا ہے تو کوڑا بھی مل جائے گا۔	بڑا کام ہو گیا ہے تو چھوٹے کی کیا فکر ہے۔
گھر ابا ناگ نہ پوجئے، بانبی پوجن جائیں۔	موجودہ بالفعل کو فوت کر کے پھر اسی کی تلاش۔
یکھ پرائی چوپڑی نہ للچائیے جی ھی سوکھی کھا کے ٹھنڈا پانی پی	اپنے حال پر قناعت کرنا بہتر ہے۔
پ ہارے بہو کو مارے۔	اپنی خفّت دوسرے پر اُتارے۔
خلق کا حلق کس نے پکڑا۔	زبانِ خلق سے کوئی محفوظ نہیں۔
گھی گرا تھالی، نہ غصہ نہ گالی۔	درحقیقت کوئی نقصان نہیں ہُوا۔

ضرب الامثال	مفہوم
اُوچھے کو ملا تیتر، باہر باندھوں یا بھیتر۔	کمینے ایسی ہی شیخیاں مارتے ہیں۔
سانپ لمبا گوہ چوڑی۔	حساب برابر ہو جاتا ہے۔
تولہ بھر کی روٹی، کیا پتلی کیا موٹی۔	تھوڑی چیز نہ ہونے کے برابر ہے۔
دُنیا کا کام کس نے کیا تمام	کبھی ختم نہیں ہوتا، سلسلہ شروع رہتا ہے۔
آئی صورت سے راضی رَہ، مُنہ سے اللہ اکبر کہہ نہ کہہ۔	خوش اخلاقی بہترین عبادات سے ہے۔
کان میں تِنکا، ناک میں اُنگلی مَت کر مت کر	بُرا معلوم ہوتا ہے خاص کر مجلس میں۔
آنکھ میں انجن، دانت میں منجن نِت کر نِت کر	حفظ صحت کی تدبیر ہے۔
نائی، دائی، دھوبی، قصائی، اُن کی سُوتک کبھی نہ جائی۔	ہمیشہ غلاظت سے کام پڑتا ہے۔
ٹھوس اور کھو کھلا بانس نظر آجاتا ہے۔	خواہ کوئی لباس پہن لو، امیری غریبی نہیں چھپتی۔
گھر والے کا ایک گھر، بے گھر کے سو گھر۔	بدمعاشوں کا ہر جگہ ٹھکانا ہو جاتا ہے۔
ایک اور ایک دو نہیں گیارہ ہو جاتے ہیں۔	اتفاق میں بڑی برکت ہے۔
سر سے اُترے بال، چاہے کھائی میں ڈال۔	جب تعلق نہ رہا خواہ کچھ ہوتا رہے۔
سیاہ رنگ پر کوئی رنگ نہیں چڑھتا۔	دلِ سیاہ پر کوئی نصیحت مؤثر نہیں ہوتی۔
پہلے شاستر پھر شستر (ہتھیار)	پہلے علم و حلم سے سمجھاؤ نہ سمجھے تو ہتھیار سے کام لو۔
جورو ٹٹولے پھینٹ، ماں ٹٹولے پیٹ۔	عورت کو زر کا لالچ، ماں کو سچی محبت۔
ٹیکے والا بنیا، مالا والا جٹ۔ گُنڈے والا بُرہ تینوں چور چپٹ	تینوں خطرناک ہوتے ہیں۔
جَٹ محصّل برہمن شاہ، بنیا حاکم قہر خدا۔	ان کاموں سے مناسبت نہیں رکھتے۔ ظلم کرتے ہیں
نزدیک میکے سدا خواری، گھر نہ بیٹھے کرموں ماری جب دیکھو جندری ماری، یونہی ساری عمر گزاری	بیوی کے ماں باپ کا اپنے شہر یا قرب و جوار میں بڑی خرابیوں کا موجب ہوتا ہے۔
کانٹا بُرا کریل کا بُرا بدری کا گھام سَوکن بُری ہے چُون کی اور ساجھے کا کام	یہ کانٹا جسم میں ٹوٹ کر سخت تکلیف دیتا ہے۔ بادل میں گرمی سے حبس ہوتا ہے۔ سَوکن آٹے کی بھی بُری ہے دیگ شرکت بہ جوش نمی آید یا ساجھے کی ہنڈیا چورا ہے میں پھوٹے۔
سَوکن سے سُولی بھلی جو تُرت نکالے جی سُولی سے سَوکن بُری جو آدھا بٹاوے پی	مطلب ظاہر ہے۔

اندھے اندھلے آگ نہ لگا دینا، اچھا ہُوا یاد کرا دیا۔
شیطان ہر جگہ موجود ہے۔
فکر بُرا فاقہ بھلا۔
صبر کر من میں تو سُکھ رہے تن میں ۔
لاگی نہیں چھُوٹے راجہ چاہے جیارا جلاؤ۔

پھٹا دُودھ نہیں جم سکتا۔
ایڑیاں اُٹھا کر پھانسی چڑھنا۔
خون پانی سے زیادہ گاڑھا ہوتا ہے۔
قرضِ حسنہ، جب مانگو تو ہنسنا۔
پڑوسی نزدیک، بھائی دُور، ہمسایہ ماں جایا۔
مچھّر، مکھی، کھٹمل، جُوں، اِن کو مالک گھڑیا کیوں۔
سخی کی ہی بانچھ سُوکھتی ہے۔
ناک سے نکال کر مُنہ پر لگانا۔
یار آئیں تو چھیچھڑے بکائیں۔
جس کا باپ اُسی کا باپ۔
عقلِ خود بہ کمال، فرزندِ خود بہ جمال
نائی، کُتّا اور باج، بھرے پیٹ نہ کرتے کاج۔
سرہانے سوؤ یا پائنتی کر تو درمیان ہی رہے گی۔
فریادِ شغال وبالِ شغال۔
زندگی سے دُونہ موت سے نزدیک۔
تو کو نہ مو کو، چولھے میں جھو کو۔
نہ شیرِ شتر نہ دیدارِ عرب۔
یک مویز چہل قلندر
حرام کھانا اور شلغم
بلاؤ گے تو کیا کھلاؤ گے، آؤ گے تو کیا لاؤ گے۔
جو چوری کرتا ہے وہ موری بھی رکھتا ہے۔

پہلے تو خیال نہ تھا اب ضرور لگاؤں گا۔ بے وجہ تاکید کرنا بُرا ہے
گناہ کے سامان ہر جگہ تیار ہیں۔
ہَول کھانا مصیبت سے بھی بدتر ہے۔
صبر کے فوائد کے بے شمار ہیں ورنہ خرابی ہی خرابی ہے
جَورِ محبوب مانعِ محبّت نہیں ہوسکتا یا عادتِ بد نہیں
چھوٹ سکتی۔
دلی کدُورت دُور نہیں ہوسکتی۔
خواہ مخواہ مداخلت کر کے مبتلائے مصیبت ہونا۔
غیر اتنی ہمدردی نہیں کر سکتے۔
مطلب نکال کر مقروض ہنس کر ٹال دیتا ہے۔
ہر وقت تعلق رہتا ہے۔
اِن کی ایذا رسانی سے کوئی محفوظ نہیں۔
نیکوکار عموماً مبتلائے مصیبت رہتے ہیں۔
چھوٹا عیب رفع کر کے بڑا عیب پیدا کر لینا۔
لحاظ کے مارے اعتراض نہیں کر سکتے۔
ظُلم ضرور ظالم کے آگے آتا ہے۔
ہر ایک بہتر خیال کرتا ہے۔
کام نہیں دیتے۔
کوئی صورت اختیار کرو انجام ایک ہی ہے۔
بعض وقت کی گفتگو باعثِ مصیبت بن جاتی ہے۔
بڑی عمر والے کو کہا جاتا ہے۔
مُتنازعہ چیز رائیگاں جاتی ہے۔
مطلب پرستوں کے متعلق کہا جاتا ہے۔
ایک انار سو بیمار، تھوڑی چیز زیادہ خواستگار۔
تھوڑی چیز پر ایمان کھو دینا۔
ہر حالت میں اپنا ہی مطلب مدِّ نظر رکھو۔
ہر شخص انجام کی فکر پہلے کر لیتا ہے۔

جہاں کا نسہ وہاں بجلی کا سانسہ ۔
یورپ ہو یا پچھّم اپنا گھر سب سے اُتم ۔
نامِ بلند بہ از بامِ بلند ۔
جہاں بیری بھاگو جائے نھاگ وہاں سے بھاگا جائے ۔
کم بختی جو آئے اُونٹ چڑھے کُتا کاٹ کھائے ۔
شکم سیر کتّا حلوا تُرش ۔
جٹ پڑیا اور رنٹ بدیا مشکل سے آتی ہے ۔
گھر سے گھاؤ کا گہرا علاج ۔
پیس موئی، پکا موئی، آپ رہی بھوکی کھا گئے کوئی ۔
سَاٹھا پاٹھا بیسی گھیسی ۔

ماں نے جائے سات پوت، کرموں نے دیئے بانٹ
ایک کریں بادشاہی ایک کھائیں ٹکڑا مانگ
گھر کی کھانڈ کِرکِری چوری کا گڑ میٹھا ۔
مالِ عرب پیشِ عرب ۔
مرضیٔ رَب چہ کُند عرب ۔
ہاتھ میں لانا پات میں کھانا ۔
گیدڑ گرا گڑھے میں آج یہیں رہیں گے ۔
نیا سپاہی ہرن کے سینگ اُکھاڑے ۔
ماں اچھی پسنہاری، باپ نہ اچھا ہفت ہزاری ۔

طیش میں عیش کہاں ۔
مُونگ مُونگ میں چھوٹا بڑا کون
نیا حکیم دے افیم ۔
واہ میاں کاٹے خوب رنگ نکالے ۔
آگ تلے کی پھوہڑ آم تلے کی چتر ۔
مایا تیرے تین نام، دُولو، دُولا، دولت رام ۔

جہاں مال وہاں چور اُچکّا ۔
مطلب ظاہر ہے ۔
نیک نامی بلند نامی سے بہتر ہے ۔
بدبخت کو ہر کام میں ناکامی ہوتی ہے ۔
بدقسمتی میں ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے ۔
پیٹ بھرے کو کسی نعمت کی قدر نہیں ۔
کھیتی اور بازیگری ہر کوئی نہیں کر سکتا ۔
بڑی مصیبت زیادہ کوشش ہی سے رفع ہوتی ہے ۔
کسی محنت سے کوئی فائدہ اُٹھائے ۔
مرد ساٹھ سال کا بھی جوان رہتا ہے عورت بیس سال ہی میں گھس جاتی ہے ۔
اپنے اپنے نصیب جدا جدا ہیں، ماں نے جنم دیا ہے کرم نہیں دیا ۔
بیگانہ مُفت کا مال بہت پسند آتا ہے ۔
اپنی چیز اپنے پاس ہی محفوظ رہتی ہے ۔
تقدیر سے چارہ نہیں ۔
غریبانہ مختصر روزی پر قناعت ۔
قابو نہ چلا، ناچار رہنا ہی پڑا ۔
بہت کار گزاری ظاہر کرتا ہے ۔
ماں غریب بھی اولاد کی پرورش کر لیتی ہے، باپ امیر ہو کر بھی خبر نہیں لیتا ۔
غصّہ ور ہمیشہ مبتلائے رنج رہتا ہے ۔
برادری میں سب یکساں ہیں ۔
ناتجربہ کار کا یہی حال ہوتا ہے ۔
ایسی اُمید نہ تھی ۔
خوش نصیب بیوقوف بھی عقلمند شمار ہوتا ہے ۔
دَولت سے خواہ مخواہ مرتبہ بڑھتا ہے ۔

نردھن تیرے تین نام لچا، غنڈا، بے ایمان۔
گیدڑ کو کھاتیرا گوہ چاہیے وہ پہاڑ پر ہگنے لگا۔
آگ لگی پر مینہ برسا۔
ساجھا جورو خصم کا ہی بھلا
بھتیجا تیجا (تیسرا)
کاٹنے والے کُتے سے آشنائی ہی بہتر ہے۔
کُتا راج بٹھایا، چکی چاٹنے آیا۔
کھائی مغل کی ظاہری، کہاں جائے گی باہری۔
نٹنی بانس پر چڑھی تو پردہ کیسا۔
چور جاتے رہے کہ اندھیاری۔
جو بلاؤ اپنے بچے نہ چھوڑے وہ چوہا کب چھوڑے گا۔
گز گز بڈیا سیر سیر عقل
گڑ کھائے گی تو اندھیرے میں آئے گی۔
لاٹھی ٹوٹے نہ باسن پھوٹے۔
کسی نے پیا دودھ کسی نے پیا پانی، سب کو ایک رین گنوانی۔
رہے تو آپ سے نہ رہے تو سگے باپ سے۔
نیکوں کو سُول (کانٹا) بدوں کو پھول
مہری تیری چھاچھ چھوڑی تو کتوں سے چھڑا۔
وہی ڈوبیں منجدھار جن پر بھاری بوجھ۔
موری کی اینٹ چوبارے لگی۔
مَن اٹکا تن جھٹکا۔
مت کر ساس برائی، تیرے آگے بھی جائی۔
موت بھلی کہ جاں کندنی۔ ہانڈے سے ڈانڈا بھلا۔
غریب کی جوانی، گرمی کی دھوپ، جاڑے کی چاندنی
تینوں اکارت جائیں۔
حساب جوں کا توں، کنبہ ڈوبا کیوں؟
سسکتی گئی بلکتی آئی۔

مُفلسی بے عیب کو عیب دار بناتی ہے۔
جس سے کام پڑجائے وہ ایسے ہی قدر کرتا ہے۔
عین وقت پر ضرورت پوری ہوئی۔
دوسرے کے ساتھ شرکت نہیں نبھتی۔
غیروں کے برابر بلکہ بعض اوقات دشمن ہوتا ہے۔
بُروں کے ساتھ بگاڑنی نہ چاہیے۔
جبلّی خصلت نہیں جا سکتی۔
لذیذ کھانوں کی چاٹ جانے نہیں دیتی۔
بے حیائی اختیار کی تو شرم کیسی۔
کبھی تو قابو میں آؤ گے۔
جو اپنوں پر رحم نہیں کرتا وہ غیروں پر کب رحم کرے گا
انسان مختلف الطبائع اور مختلف العقل ہوتے ہیں
لالچ تکلیف بھی برداشت کرا دیتا ہے۔
نرمی سے کام نکالنا چاہیے۔
غریب امیر بھلے بُرے سب کی گزر جاتی ہے۔
عورت اگر خاوند سے متنفر ہو تو کوئی سعی کارگر نہیں ہوتی
نیکو کار عموماً مبتلائے مصائب رہتے ہیں۔
فائدے سے درگزرے اذیت سے بچا۔
کثرتِ تعلقات لبریزِ خطراتِ گوناگوں ہے۔
کمینے کو بڑا رتبہ مل گیا۔
دل لگا کر سوکھ کر کانٹا ہو گئے۔
بدی کا نتیجہ بُرا ہی نکلتا ہے۔
روز ستائے جانے سے مر جانا بہتر ہے۔

مطلب ظاہر ہے۔

جہاں نقصان کا سبب کچھ معلوم نہ ہو۔
ابتداء انتہا دونوں خراب۔

ہلدی لگی نہ پھٹکڑی، پٹاخ بہو آن پڑی۔
سسکتی نے دیا بھسکتی نے لیا۔
جب آوے پرسن کا چاؤ بھرِ واگتے نہ چھوا باڑ۔
اللہ غنی پھر کاہے کی کمی۔
نیتی اور بیتی۔
ایک اہاری سدا برتی (روزہ دار) ایک ناری (عورت)
سدا جتی (مجرّد)
ایک نار جب دو سے رسی، جیسے ایک ویسے اسّی۔
جو کوئی کھیلے جُوا، آج نہیں تو کل مُوا
جُوا بڑا بیوہار، جو نہ ہوتی ہار
بھوے باہمن گاٹے کھائی، اب کے کھاؤں رام دوہائی۔
جب وہ صاحب کرنا لوڑے (چاہے) سو سب اک پل میں جوڑے
بیاہ رچا کے دیکھ، مکان بنا کے دیکھ۔
پنچوں شامل مر گئے سمجھو گئی برات۔
بھاگتے پر آئے لگائی، توڑے کوٹ کودے کھائی۔
جیسے دیکھ مجھے تاپ آئے، وہی شوہر بیاہنے آئے یا
اک تو موا آن بھاتا تھا، دوسرے سمی سانجھ آتا تھا
جن کو لاڈ گھنیرے، ان کو دکھ بہتیرے۔
جنم کے اندھے نام نین سکھ، جنم کی دکھیا نام چین سکھ۔
جو درخت سامنے آئے وہی اونٹ کا چارہ۔
چاکر ہے تو ناچاکر، نہ ناچے تو ناچاکر۔
چھتیس بھوجن بہتّر روگ۔
خوان بڑا، خوان پوش بڑا، اندر دیکھا آدھا بڑا۔
دمڑی کے پان بنیائی کھائے کہو لالہ گھر رہے یا جائے
دور کے ڈھول سہاوتے پاس کے پھوڑیں کان۔
سب کے داتا رام، سب کی میّا شام۔
باسی قورمہ بھی تازہ دال سے اچھا۔

بے مشقت غیر متوقع طور پر کسی خوشی کا حاصل ہو جانا
نہ لینے والا خوش نہ دینے والا خوش۔
فضلِ خداوندی یا مشیت ایزدی ظاہری اسباب کی محتاج نہیں
متوکل باللہ کی ہر ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔
پختہ ارادہ تکمیل کار تک پہنچا دیتا ہے۔
ایک وقت کھانے والا گویا روزہ دار۔ ایک عورت
والا بمنزلہ مجرد ہے۔
عورت کی پارسائی اس کے شوہر تک محدود ہے
قمار بازی کا انجام بُرا ہے۔
انسان فریب کھا کر ہوشیار ہو جاتا ہے۔
فضلِ خدا ہو تو سب اسباب بہتری خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں
اندازے سے زیادہ خرچ در خرچ نکل آتا ہے۔
سب کے ساتھ مصیبت بھی راحت ہے۔ مرگ انبوہ جشنے دارد
کوئی رکاوٹ مانع نہیں ہو سکتی۔
باوجود نفرت کے اسی سے سابقہ پڑنا۔
نازپروردگان کو زیادہ مصیبت آتی ہے۔
برعکس نام زنگی کافور۔
جو شخص ہر بھلے بُرے کو لوٹ لے۔
مالک کا ہر بھلا بُرا حکم ماننا پڑتا ہے۔
مختلف اقسام کی متضاد اثر غذائیں بیماریاں پیدا کرتی ہیں
ظاہر آراستہ باطن خراب۔
بخیل کو ادنیٰ خرچ بھی ناقابل برداشت ہے۔
جب تک معاملہ نہ پڑے ہر شخص اچھا ہے۔
خدا سب کا رازق ہے اور شام سب کو آرام پہنچاتی ہے
شریف کنگال بھی کمینے امیر سے بہتر ہے۔

جس جگہ جاؤ گے اپنا پیسہ کھاؤ گے۔
مینہ آئے بھاگ جائے، آندھی آئے بیٹھ جائے۔
گھڑے کی مچھلی ہے۔
بھیڑ کی لات ٹخنوں تک۔
اوجھ بڑھے نہ روگ بڑھے۔
ایک آوے کے برتن ہیں۔
باپ بھکاری پوت بھنڈاری۔
اونٹ مکے ہی کی طرف بھاگتا ہے۔
اونٹ کا ٹھکانا اِملی۔
بندھی مٹھی لاکھ برابر۔
مینہ برستے میں آگ لگی۔
ساس گئی گاؤں بہو کہے میں کیا کیا کھاؤں۔
پانی کا ہگا ہُوا اوپر ضرور آئے گا۔
چندن کی چُٹکی بھلی گاڑی بھرا نہ کاٹھ۔
کیمیا کا عمل سکھاؤں گا لیکن بندر کا خیال دل میں نہ لانا۔
تولہ بھر کی آرسی نانی بولے فارسی۔
تین ٹانگ کی گدھی نو مَن کی لادی۔
حلق سے نکلی خلق میں پڑی۔
دُبلی بلّی چوہوں سے کان کٹائے۔
شرم کی بہوئیت بھوکی مرے
سانچی بات سعد اللہ کہے سب کے من سے اُترا ہے۔
منسا رام بھانجا، من ہی میں جان جا۔
بھائی بھاؤ کا، ورنہ اپنے داؤ کا۔
حلوے میں ہڈی آ گئی۔
دلوں کی میل پیشانی پر آئے بغیر نہیں رہتی۔

بغیر محنت کے کہیں گزارہ نہیں۔
چھوٹی مصیبت جھیل جائے بڑی ہو تو چمپت ہو جائے
ہر وقت قابو میں ہے۔
کمزور کا غصہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔
کم کھانے سے بیماری کم ہوتی ہے۔
سب کے اطوار یکساں ہیں۔
مفلس کی اولاد تونگر بھی ہو جاتی ہے۔
ہر شے اپنے اصل ہی طرف رجوع کرتی ہے۔
جہاں کچھ ملے وہیں تعلق رہتا ہے۔
رازداری سے اعتبار بنا رہتا ہے۔ اتفاق اچھا ہے
بدنصیبی کی انتہا۔
کوئی سر پر نہ ہو تو ہاتھ مارنے کا خوب موقع مل جاتا ہے
بُرائی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔
تھوڑی اچھی چیز، زیادہ خراب سے بہتر ہے۔
حصولِ مقصد کے لیے ناممکن العمل شرائط پیش کرنا
تھوڑے سلوک پر بہت احسان جتانا۔
بساط سے زیادہ بکھیڑا کرنا۔
منہ سے نکلی اور عوام میں مشہور ہوئی۔
دباؤ کی جگہ زبردست بھی زیر دست ہو جاتا ہے
حد سے زیادہ شرم بھی نقصان کا باعث ہے۔
سچی بات سب کو بُری معلوم ہوتی ہے۔
دل ہی سمجھ جاؤ بیان کی ضرورت نہیں۔
مطلب ہو تو رشتہ دار ورنہ مُردار خوار۔
کسی غیر کا مخلِ صحبت ہونا۔
تیوروں سے دلی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔

حقیقت دُنیا

؎ چہ می پُرسی عزیزم من حقیقت حالِ دُنیا را "کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمّا را

دُنیا ایک طوُر ہے جو ہزاروں مُوسیٰ دیکھ چکا ہے۔ یہ ایک دَیر ہے جو ہزاروں عیسیٰ دیکھ چکا ہے۔ یہ ایک قصر ہے جس میں ہزاروں قیصر رہ چکے ہیں۔ یہ ایک طاق ہے جو ہزاروں کسریٰ دیکھ چکا ہے ؎

آنچہ دیدی برقرار خود نماند آنچہ بینی ہم نہ ماند برقرار

دُنیا ایک خواب ہے اور عدم اس کی تعبیر ہے۔ صید اجل ہے خواہ جوان ہے یا پیر ہے، روئے زمین اور زیر زمین انسانوں سے پُر ہے۔ گویا یہ صفحۂ خاک دورویہ تصویر ہے۔

دُنیا کی ماتم سرائے میں کسی دل کا خوش ہونا ایسا ہی عجب ہے جیسے کہ شور زمین سے زعفران پیدا ہونا ؎

یہ دنیا رنج و راحت کا غلط اندازہ کرتی ہے خدا ہی خوب واقف ہے کہ کس پر کیا گزرتی ہے

دُنیا کو اعتبار ظاہری سے دیکھنا دلالت کرتا ہے کہ تیرے چہرے پر آنکھیں نہیں بلکہ آئینہ بر دیوار ہے۔

دُنیا اپنے پرستاروں کے ساتھ کچھ رحم و رعایت نہیں کرتی۔ آگ آتش پرست کو بھی جلائے بغیر نہیں چھوڑتی ؎

طبیبوں سے میں کیا پوچھوں علاج دردِ دل اپنا مرض جب زندگی خود ہو تو پھر اس کی دوا کیا ہے

دُنیائے فانی میں ہر شخص کی حیرت بقدر اس کی بینائی کے ہے جو کہ یہاں بینا تر ہے وہ حیران تر ہے ؎

رازِ ہستی کو کوئی آج تک پا نہ سکا پا گیا کچھ تو کسی غیر کو سمجھا نہ سکا

اسرارِ ازل را نہ تو دانی و نہ من ایں حرف معمّہ را نہ تو خوانی و نہ من

ہست از پس پردہ گفتگوئی من و تو چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

دُنیا کا کرۂ گِل ایک مقبرے کی مثال ہے۔ گردُوں لوحِ مقبرہ اور گیتی اس کی لحد ہے۔ ہم سب اُس میں مُردہ اور خورشید چراغ مقبرہ ہے۔

دُنیا میں محشر بپا ہے۔ اے خدا صُور و اسرافیل اور طوق ادب جہر عزازیل بھیج۔ خرابی بیت اللہ کے قصدے فیل تو نمودار ہو گئے۔ اب ابابیل بھیج۔

دُنیا کا غم اور خوف عقبیٰ ہر وقت باعثِ پریشانی ہیں۔ سب لوگ مرنے سے ڈرتے ہیں۔ مگر میں زندگی سے ڈرتا ہوں ؎

دیں آخرت کا واعظ دنیا ہوس کی بانی جھگڑے میں پڑ گئی ہے انساں کی زندگانی

آسودگی بگوشۂ ہستی ندیدہ ایم ما جاں دادہ ایم و کنج مزارے خریدہ ایم

سراسر ہیچو مہر و ماہ گر دیدیم دنیا را نہ دارد منزلِ آسائشے دیدیم دُنیا را

دُنیا ایک صید گاہ ہے۔ انسان و حیوان اور ہر ایک ذی جان خواہ پیر ہو یا جوان اس میں بمنزلہ صید ناتواں ہیں گوناگوں حوادثِ ناگہانی امراض جسمانی اور صدہا قسم کے نقصان و زیاں اس میں مانند صیاد بیدرد ہیں۔ جو اس صیدگاہ میں ہر چہار طرف ان شکاران ناتواں کو بھگائے پھرتے ہیں۔ میر شکار ملک الموت اس میں تیر و کمان لئے بیٹھا ہے۔ ناگاہ اس کی زد میں آکر سب کے سب ایک ایک کرکے ہلاک ہو جاتے ہیں ؎

بحرِ ہستی بجز سراب نہیں | چشمۂ زندگی میں آب نہیں

رکھ مرگ کو محبوب تامل نہیں اچھا! | اس ہستی ناقص کا تسلسل نہیں اچھا

دُنیا ایک پل ہے راہگذر دارِ عاقبت کا۔ صاحب تمیز پل پر خانہ تعمیر نہیں کرتے۔

دُنیا کو عشرت کدہ قرار دینے والو! اس ماتم کدے کی حقیقت کو تم از خود تسلیم کر لوگے۔

دُنیا میں شعر ایک نوحۂ ماتم، موسیقی ایک فغان یاس، پھول ایک منجمد قطرۂ گریاں، روشنی ایک امید گریزاں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ؎

کیا حرج ہے پڑھوں جو یہ مصرع میں برملا | دِین خدا حسینؓ ہے دنیا ہے کربلا!

؎ با سکندر خضرؑ در ظلمات گفت | مرگ مشکل زندگی مشکل تر است

دُنیا کی حلاوتیں جاہلوں کے لئے اور تلخیاں عاقلوں کے لئے ہیں ع

آں را کہ عقل بیش غم روزگار بیش

؎ اپنی مرضی کے موافق دہر کو کیونکر کروں | بیجد آتا ہے مجھے غصہ مگر کس پر کروں

دُنیا کی ایک ایک ساعت عاقبت کے ہزارہا سال کے برابر بلکہ بہتر ہے۔ کیونکہ دنیا سرائے خدمت ہے اور عاقبت سرائے قربت، اور قربت جبھی میسّر ہو سکتی ہے جب کہ خدمت کی جائے۔

دُنیا ایک گلزار ہے جس کا ہر ایک گل پر خار ہے۔ طرفہ یہ کہ اس گُل کو بھی نہ ثبات ہے نہ قرار ہے۔

دُنیا ایک مسافر خانہ ہے لیکن بدبختوں نے اسے اپنا وطن بنا رکھا ہے ؎

دنیا ہے ایک میکدۂ بے خودی اثرؔ | سب مست ہیں کسی کی کسی کو خبر نہیں

دُنیا کا لفظ دنایت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ذلت و کمینگی۔ پس نام ہی سے اندازہ لگا لو کہ یہ کیا چیز ہے ؎

علم ابتداء کا ہے نہ خبر انتہا کی ہے | دور انقلاب کا ہے حکومت فنا کی ہے

دُنیا میں اگر کوئی محنت کا قدردان ہوتا تو گدھا سب سے زیادہ قابل قدر تھا۔

دُنیا کی مثال اندھوں کے ہاتھی کی سی ہے کہ جس اندھے کا ہاتھ ہاتھی کے جس عضو کو لگ گیا اس کے خیال میں ہاتھی ویسا ہی ہے ؎

جیسی حالت پیش آتی ہے زمانے میں جسے | ذہن انسانی میں ویسا ہی اتر آتا ہے عکس

یہ توہم کا کارخانہ ہے | یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

دُنیا ایک عورت ہے عشوہ گر و دل ستاں، لیکن یہ کسی کے ساتھ حقوق شوہری نہیں ادا کرتی۔ یہ ایک زن حاملہ ہے جو ہزاروں فرزند جنتی ہے اور مار ڈالتی ہے۔ پھر اس سے مہر مادری کی توقع کون رکھ سکتا ہے ؎

نہیں جیفۂ دُنیا پر یک قرار — کہ کاتک کی کتیا کا کیا اعتبار

دُنیا پرست شاعر کا قول ہے ؎

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے — چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

لیکن حقیقت حال یہ ہے ؎

دنیا کے جو الم ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے — صدمے یہی رہیں گے صد شکر ہم نہ ہوں گے

دُنیا میں اگر تیرا کوئی بھی گناہ نہ ہو تو اس کی محبت ہی ہزاروں گناہوں کا ایک گناہ ہے۔

دُنیا ایک خس پوش کنواں ہے۔ عقلمندوں کو احتیاط سے قدم رکھنا چاہئے۔

دُنیا تیرے اجزائے جسمانی کو منتشر کرنے کی فکر میں ہے اور تو دُنیا کو جمع کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے ؎

قبر پر کر اک تعمق کی نظر — بحر ہستی کی یہیں پر تھاہ ہے

دُنیاوی دولت کا ہونا یا نہ ہونا ہر دو وبال جان ہیں۔ اگر ہو تو اس کی محبت کے پابند اور اگر نہ ہو تو گزارہ مشکل ؎

غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا نکہ ناں ہو کر — امیروں کے مقابل ہوتی ہے حسنِ بتاں ہو کر

دُنیا اور خوشی دو متضاد الفاظ ہیں جن کے اجتماع کے لئے دل ناداں کے سوا کوئی جگہ نہیں۔

دُنیا کے مال اور اپنے جمال پر غرور مت کر، کیونکہ یہ ہر دو ایک شب و تب میں لئے جا سکتے ہیں۔

دُنیا ایک خواب ہے جس میں زندگانی خواب میں خواب دیکھنے کی مانند ہے۔

دُنیا میں ہر شخص کا یہی خیال ہے، خداوندا! ہم تیرے، مرنے کو اور بہتیرے۔

دُنیا کی خوشیاں آگ میں کانٹوں کا چٹخنا ہے ؎

اک مرض بن کر مسلط ہے بلائے زندگانی — درد ہی سے ہوتی رہتی ہے دوائے زندگانی

دُنیا کو جو ذلیل سمجھتا ہے وہ دنیا کا مالک ہے ؎

چشم بینا تو نے پائی ہے تو یہ دُنیائے دُوں — اک نہ اک دن تیری نظروں سے اُتر ہی جائے گی

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں — بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

دُنیا کے عیبوں میں تیرے لئے یہی کافی ہے کہ تو باقی نہیں رہے گا۔

دُنیا میں مرض تکلیف دہ ہے لیکن قرض جاں ستاں۔

دُنیا میں جھکنے کے سوائے کھڑا ہونے کی کوئی جگہ نہیں ہے ؎

یہ دُنیا رنج و راحت کا غلط اندازہ کرتی ہے — خدا ہی خوب واقف ہے کسی پر کیا گزرتی ہے

دُنیا کی گاڑی کے تقدیر و تدبیر دو پہیئے ہیں، دونوں کی موجودگی ہی گاڑی کو چلا سکتی ہے۔

دُنیا میں رنج والم کو لازمی اور خوشی کو اتفاقیہ و عارضی خیال کرو ؎

آپڑا کچھ وقت ایسا گردشِ ایام سے　　زندگی شرما رہی ہے زندگی کے نام سے

دُنیا انسان کے لئے ہے اور انسان دنیا کے لئے، مگر ہم ایسے انسان ہیں جو سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ہمارے لئے ہے اور ہم کسی کے لئے نہیں۔

دُنیا ایک بحرِ عمیق اور پُر نہنگ ہے جس میں آسودہ وہی رہ سکتے ہیں جو کنارے پر رہیں۔

دُنیا میں کوئی چیز خاموش نہیں ہے۔ اگر آپ کی رائے میں کوئی چیز خاموش ہے تو آپ بہرے ہیں۔

دُنیائے تاریک میں ٹھوکر کھانے کا اندیشہ اسی شخص کو ہو سکتا ہے جس کی عقل و دانش کا چراغ گل ہے۔

دُنیا کی مصیبتوں کو وہی شخص بآسانی برداشت کر سکتا ہے جس کو خدا پر اعتقاد اور موت ہر وقت یاد ہو ؎

رضائے حق پہ راضی رہ یہ حرفِ آرزو کیسا　　خدا خالق، خدا مالک، خدا کا حکم، تو کیسا

دُنیا فی الاصل اُن کی ہے جو ہمارے بعد پیدا ہوں گے۔

دُنیا میں دِل نعرہ زناں ملکِ جہاں اور وجُود فانی زندگی جاوداں طلب کرتا ہے۔ بیچاروں کو کیا خبر کہ صیّادِ اجل بھی جاں طلب کرتا ہے ؎

صیّادِ اجل در طلبِ بردنِ جانت　　تو در طلبِ خواجگیٔ ملکِ سمرقند

دریں باغِ دُنیا درختے نہ رُست　　کہ ماند از جفائے تبرزن درست

دُنیا میں مانا کہ تُو سو سال شادکام و باآرام زندگی بسر کرے بلکہ یہ بھی مانا کہ سو سال ایسے تجھے اور بھی مل جائیں لیکن اے عزیز! آخر کیا ہے، فنا۔ لہٰذا فانی چیز کی قلت و کثرت یکساں ہے ؎

ہو عمرِ خضرؑ بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ　　ہم اس جہاں میں آئے تھے کیا آئے کیا چلے

رفتیم و صد ہزار تمنا گذاشتیم　　دنیا برائے مردم دنیا گذاشتیم

دُنیا میں انسانوں کے ہاتھ سے تجھے بہت کچھ ذلت و خستگی برداشت کرنی پڑے گی۔ اگر تو آدمی ہے، تو انہی آدمیوں سے موافقت پیدا کر، ورنہ اگر فرشتہ ہے تو آسمان پر جا ؎

با ہمیں مردماں باید ساخت　　چہ کنیم کہ مردماں ایں اند

از صحبتِ نااہل دلم گرچہ نفور است　　امّا چہ تواں کرد کہ ایں "جائے ضرور" است

ترجمہ:۔ نااہل کی صحبت سے اگرچہ میرا دل نفرت کرتا ہے۔ لیکن کیا کر سکتے ہیں کہ یہ بھی "جائے ضرور" یعنی "حاجت کی جگہ" ہے۔

دُنیا میں ابھی تجھے بہت کچھ خونِ جگر پینا ہے۔ کیونکہ تیرے چند نفس باقی ہیں۔ اس ہستیٔ آفت بنیاد کی کشمکش سے نجات معلوم کر عجب کہ مرنا ابھی باقی ہے ؎

مطلبے گر بُود از ہستی ہمیں آزاد بُود　　ورنہ در کُنجِ عدم آسودگی بسیار بُود

دُنیا میں جس کسی کے ساتھ دوستی کا اظہار کرتا ہوں گویا ایک خوابیدہ دشمن ہے جسے بیدار کرتا ہوں۔
دُنیا تو درکنار چشمۂ حیوان میں بھی اگر تیری اجل آجائے تو اتنی مہلت نہ دے گی کہ پانی کوزہ میں ڈال سکے۔
دُنیا میں فارغ البال وہی ہے جو دنیا سے بے خبر ہے۔ پرندہ انڈے میں فریاد نہیں کرتا۔ ہر چند کہ انڈا قفس سے تنگ تر ہے ؎

دنیا کی بے وفائی سے اکبر ملول ہے   لیکن زیادہ اس کا تصوّر فضول ہے

دُنیا میں مرگ کا خوف اور رزق کا غم نہ کر، کیونکہ ہر دو ناچار اپنے وقت پر ضرور پہنچیں گے۔
دُنیا کے وہ قصر جس میں بہرام مے نوشی و عیش پرستی کرتا تھا، وہ اب خرگوشوں کی آرام گاہ ہے۔ وہ بہرام جو ہمیشہ گورخر کا شکار کرتا تھا، وہ اب خود شکار گور ہے ؎

کجا رفت بہرام و گورش کجاست   بہ صحرا نظر کن کہ گورش کجاست

دُنیا میں سائل کے آنے کو غنیمت شمار کر کہ تیری کل کی منزل کے لئے بار برداری ثابت ہوں گے۔
دُنیا دراصل خود غرضی کا نام ہے، جو اس میں خود غرض تر ہے وہ کامیاب تر ہے۔
دُنیا میں خدا کے سوا سب خود غرض ہیں حتیٰ کہ پیغمبر بھی پہلے اپنی بہتری اور سلامتی کی دعا مانگتا ہے ؎

آدمی بھی ہے فرشتہ بے گماں   گر نہ ہووے غرض اس کے درمیاں

دُنیا بحالت نامرادی و بے اختیاری تیرے مظالم کا یہ عالم ہے؛ بامراد و صاحب اختیار ہو کر خدا جانے کیا ستم ڈھائے ؎

اس جبر پہ تو ذوقِ بشر کا یہ حال ہے   کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

دُنیا میں مردانِ مصاف سب جگہ پائے گئے۔ لیکن مردِ تحمل کسی میدان میں نہ دیکھا گیا۔
دُنیا کی زینت ظاہری دلِ افسردہ کے کس کام آسکتی ہے۔ دیوارِ زنداں پر نقش و نگار کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔

روزِ محشر کو لئے پھرتا ہے شیخ   داخلِ دنیا ہیں محشر سینکڑوں

دُنیا میں بے کاری و توکل مروّت سے نہایت بعید ہے ع

زنہار دوشِ خلق پر اپنا نہ بار ڈال!

دُنیا میں گزرنے والی عمر کے ساتھ دل بستگی غلط ہیچ ہے۔ آبِ رواں میں عکس کبھی قرار نہیں پاتا۔
دُنیا میں بے دردوں سے علاج درد طلب کرنا نیشِ عقرب سے خارِ پا نکالنے کے برابر ہے۔
دُنیا کے لوگوں کو آفاتِ دولت معلوم نہیں۔ لقمہ چونکہ موٹا ہے استخواں محسوس نہیں ہوتی۔
دُنیا میں منہ کھولنا (یعنی بولنا)، دامِ گرفتاری ہے۔ ماہی لب بستہ کانٹے کی گرفت میں نہیں آسکتی۔
دُنیا میں ناتوانوں کے ساتھ دوستی سرمایۂ روشن دلی ہے۔ موم دھاگے کے ساتھ مل کر شمع بن جاتی ہے۔
دُنیا کے گلزار میں دل نہ لگا، کیونکہ اس نونہال کو کسی دوسری زمین کے لئے سرسبز کیا گیا ہے۔

دُنیا میں بارانِ بے محل زراعت کے لئے مفید نہیں۔عمر عزیز ضائع کر کے اشک ندامت بہانا بے سود ہے۔
دُنیا میں ہر ایک انسان قدرتاً ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہے۔جو شخص قدرت کے اس اصول کی پروا نہیں کرتا، وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا مجرم ہے اور دنیا کا نمک حرام۔کیونکہ جس اصول پر اس نے دنیا میں پرورش پائی ہے، اسی کا منکر و منحرف ہے ؎

اندریں رہ جزو و کل محتاج یکدیگر شدند عنکبوتے می شود پیغمبرے را پردہ دار

دُنیا میں بہت سے عبرتناک واقعات ایسے ہیں جن سے بیمار دلوں کو شفا حاصل ہوتی ہے۔بشرطیکہ ان کے دل قابل قبولیت ہوں۔کانوں میں سماعت کی صلاحیت ہو اور عقل ایسی قابلیت رکھتی ہو کہ ان کو یاد اور محفوظ رکھ سکے۔
حضرت علیؓ فرماتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ اہل دنیا کی صبح و شام مختلف حالتیں بدلتی رہتی ہیں۔کوئی تو مرتا ہے اور اس پر لوگ روتے ہیں۔کوئی زندہ کہ اس کی عیادت ہو رہی ہے۔کوئی مبتلائے مصیبت ہے کوئی بیمار پرسی کر رہا ہے۔کوئی جان دے رہا ہے۔کوئی دنیا کا طلب گار ہے اور موت اسے ڈھونڈ رہی ہے۔کوئی غافلِ نادان غفلت میں پڑا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے حساب لینے والا غافل نہیں ہے اور پچھلے لوگ پہلوں کے کھوج پر جا رہے ہیں۔
دُنیا میں ہر ایک شخص امید فردا کے دل خوش کن تصورات میں مگن رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کل کا دن بہت جلد آئے تاکہ اس کے حق میں کوئی زیادہ بہتری کی صورت ظہور پذیر ہو۔وقت گذرنے اور عمر کم ہونے کا اسے مطلق خیال نہیں ہے ؎

دنیا بزرگ باشد در دیدہ غلط بیں اندک بہ چشم آنول بسیار می نماید
اڑتا ہے شوق راحت منزل میں اسپ عمر مہمیز کس کو کہتے ہیں اور تازیانہ کیا

دُنیا میں میں اس کا ممنون ہوں جو میری طرف نظر کج سے دیکھے جیسا کہ تیر کج نشانہ کے لئے نشان رحمت ہے۔
دُنیا کے باغ میں ایک پتا بلکہ کانٹا بھی بیکار نہیں ہے۔بڑے سے بڑا آدمی بھی کسی نہ کسی غرض کے لئے بنایا گیا ہے یہ الگ بات ہے کہ یہ راز تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔
دُنیا میں یاد حق سے غافل دل فرماں پذیر تن ہو جاتا ہے۔لہذا سوارِ خواب آلودہ کو گھوڑا جہاں چاہے لے جاتا ہے ؎

کہا بقراط سے دُنیا میں کیوں آیا تو اے دانا کہا اس نے کہ میں لایا گیا مجھ کو پڑا آنا
کہا کیونکر بسر کی عمرؔ بولا ساتھ حیرت کے کہا کیا جانتا، بولا کچھ نہیں جانا یہی جانا

دُنیا میں چھوٹے گناہ کو بھی بہت بڑا گناہ خیال کر۔گندم کے ایک دانے نے آدمؑ کو فردوس سے باہر نکال دیا۔
دُنیا کی شاہراہ میں صراط مستقیم شرع سے پاؤں باہر نہ رکھ کہ سوزنِ بے رشتہ جلد گم ہونے کا احتمال ہے ؎

مثل پر کاریم یک پا در شریعت مستقیم — پائے دیگر سیر ہفتاد و دو ملت مے کنُد

دُنیا میں کوئے حیات سے درِ مرگ تک چند نفس کی مسافت ہے۔ لیکن طرُفہ یہ کہ اس مختصر مسافت میں کوئی قدم ایسا نہیں جس میں ہزار ہا آفات نہ ہوں ؎

میں کیا کہوں شکایت کل کیا تھی آج کیا ہے — جینا ہی رنجدہ ہے اس کا علاج کیا ہے

اے مادرِ شفیق قضا کا ہو گئے نیر!! — مت مرگ نوجواں سے تو دل فگار ہو

اس صید گاہ میں سے وہی بچ کے نکلا صاف — جو صید سب سے پہلے اجل کا شکار ہو

دُنیا میں انسان ہی اپنی کفرانِ نعمت کے باعث شکر منعم سے غافل ہے۔ ورنہ ہر مرغ ایک ایک دانہ کے لئے زمین پر سر جھکاتا ہے ؎

از کفر ہیچ چیز بتر نیست در جہاں — کفران نعمت است کہ بدتر ز کافری ست

عجب محفل ہے یہ دنیا جہاں ہر ایک بیدل ہے — مگر طرفہ یہ ہے پھر دیکھئے ہر ایک مائل ہے

عجب عالم ہے یہ جس میں سفر بھی ہے حضر بھی ہے — یہ دنیا راستہ کا راستہ منزل کی منزل ہے

جہاں کل ابتدا کی تھی وہیں آج انتہا دیکھی — مآلِ زندگی میرے لئے تحصیل حاصل ہے

دُنیا فنا کی جا ہے فنا ہی سمجھ اسے — پی جامِ مرگ و آبِ بقا ہی سمجھ اسے

حالِ دُنیا را بپرسیدم ز یک فرزانۂ — گفت یا بادیست یا خوابیست یا افسانۂ

یا مثالِ تودۂ برف است در فصلِ بہار — ہیچ عاقل در چنیں جائے نسازد خانۂ

باز گفتم حالِ آنکس گو کہ دل دروے ببست — گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانۂ

دُنیا میں ذلت کی ہزاروں صورتیں ہیں۔ لیکن ذلتِ قرض ان سب سے سخت تر ہے۔

دُنیا میں طبقہ امرا اس وجہ سے قابل نفرت ہے اور بزرگانِ دین سے لے کر عوام تک اس لئے ان سے متنفر ہیں کہ وہ فرائض معبود اور حقوق عباد کی مطلق پروا نہیں کرتے۔

دُنیا ایک مجمع جہلا ہے لیکن اس میں سب کی حالتِ جہالت یکساں نہیں ہے۔ بے وقوف گدھے تو تمام کے تمام ہیں۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ کوئی ان میں خرِ عیسٰی ہے تو کوئی خرِ دجّال ہے۔

دُنیا میں موت انسان کا ایک بے خبر ساتھی ہے۔ نہ معلوم کس وقت ہلاک کر ڈالے ؎

حقیقت حالِ دنیا کی اگر معلوم ہو جاتی — طبیعت محفلِ عشرت میں بھی مغموم ہو جاتی

دُنیا کی تمام آبادی میں فی ثانیہ یعنی ہر ایک سیکنڈ میں دو آدمی اوسطِ اموات ہے۔

اس قدر خوفناک تناسب مرگ سے انسان کیسے بے فکر رہ سکتا ہے۔ طرفہ یہ کہ اس اوسطِ مہیب میں بچے جوان یا بوڑھے کی تخصیص نہیں۔ نصیحت کامل اور حقیقت عبرت انگیز و لرزہ خیز ہے۔ لیکن غفلت پرلے درجے کی ہے کہ آگے والا مرتا ہے اور پیچھے والا مطلقاً بے خبر ہے ؎

پیامِ مرگ سے لے دل ترا کیوں دم نکلتا ہے
مسافر روز جاتے ہیں یہ رستہ خوب چلتا ہے
عبث اس زندگی پر غافلوں کا فخر کرنا ہے
یہ جینا کوئی جینا ہے کہ جس کے ساتھ مرنا ہے

ایک نوجوان نے ایک ضعیف العمر بوڑھے کو جس کا جسم رعشہ سے کانپ رہا تھا اور بینائی بھی کم تھی از راہ سعادتمندی سلام کیا۔ بوڑھے نے جوان کو درازیٔ عمر کی دعا دی۔ جوان اس دُعا کو سُن کر کانپ اُٹھا۔ کیونکہ درازیٔ عمر کا لرزہ خیز و عبرت انگیز مجسم نظارہ اُس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

تمثیل:۔ ایک شخص کو بھوت بس میں کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ بیچارے نے بہت جنتر منتر سیکھے۔ مگر بھوت بس میں نہ آیا۔ لاچار وہ جنگل میں رہنے والے ایک مہاتما کے پاس گیا اور کہنے لگا "بھگوان! مجھے کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ بھوت میرے قبضے میں آجائے، اور میرا کام دھندا سب کچھ کر دیا کرے"۔ مہاتما عقلمند انسان تھا۔ کہا "بھوت بہت برے ہوتے ہیں۔ اس خیالِ خام سے باز آجاؤ۔ تم اس کو کام کاج نہ بتا سکو گے۔ آخر میں وہ تم کو چٹ کر جائے گا"۔ اس نے کہا "میرے پاس بہت کام کاج ہیں۔ جن سے وہ کبھی فرصت نہ پا سکے گا"۔ آخر اس مہاتما نے منتر بتا دیا۔ یہ گھر میں آکر منتر سدھ کرنے لگا۔ جب میعاد مقررہ پر منتر سدھ ہو گیا بھوت ظاہر ہو کر کہنے لگا "بتاؤ کیا کروں"؟ اس نے کہا "ایک عمارت شاندار بنا دے"۔ ایک پل میں عالی شان عمارت تیار ہو گئی۔ اس نے کہا "کھیت بوت آؤ"۔ اور کھیت بوتا ہوا تیار تھا۔ اس نے کہا "بہت سا روپیہ لاؤ"۔ خزانہ وہیں حاضر۔ غرضیکہ جو مشکل اور مختلف کام اس کو بتائے گئے سب کچھ کیا کرایا تیار۔ اب کوئی کام نہ رہا بھوت نے کہا "کام بتاؤ ورنہ میں تم کو کھا جاؤں گا"۔ یہ ڈرا اور دوڑ کر مہاتما کے پاس گیا اور کہا "بھگوان بھوت کو جو کچھ کہتا ہوں، وہ جھٹ پٹ کر دیتا ہے۔ اب میرے پاس کوئی کام نہیں ہے۔ بتاؤ اب کیا کروں ورنہ وہ مجھ کو کھا جائے گا"۔ اتنے میں بھوت بھی کھاؤں کھاؤں کرتا پہنچ ہی تو گیا۔ مہاتما کے پاس ایک کتا بیٹھا ہوا تھا۔ آدمی کے ہاتھ میں خنجر دے کر اس نے کہا "اس کی دم کاٹ لے اور بھوت سے کہہ کہ سیدھی کر دے"۔ بھوت نے کتے کی دم ہاتھ میں لے لی۔ ایک مرتبہ سیدھی کر دی۔ پھر جب اس کو چھوڑ دیا تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی۔ ایک دن گذرا دو دن گذرے تین دن گذرے۔ بھوت نے ہزار کوشش کی مگر کتے کی دم سیدھی نہ ہوئی تب وہ بہت گھبرایا اور کہنے لگا "بھائی جو کچھ میں نے دھن دولت، روپیہ پیسہ تجھ کو دیا وہ سب کچھ تیرا، اب مجھ کو چھٹی دے دے۔ یہ فوراً راضی ہو گیا۔ بھوت اپنے ٹھکانے گیا اور یہ اپنے گھر چلا گیا اور دونوں کی چھٹی ہو گئی ؎

شکلِ اطمینان کم اس عالمِ فانی میں ہے
کامیابی بھی جہاں ہے اک پریشانی میں ہے

اے عزیز! یہ دنیا بھی کتے کی دُم ہے۔ کوئی ہزار کوشش کرے یہ کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔ حضرت انسان نے بہت کچھ تدبیریں اس کے سیدھا کرنے میں کیں۔ شفاخانے بنائے۔ لیکن مریض اسی طرح مرتے ہی رہے۔ مکتب اور مدرسے لوگوں کی تعلیم و اصلاحِ اخلاق کے لئے جاری کئے۔ لیکن گنہگاریاں اور بدکاریاں اسی طرح جاری رہیں عدالتیں اور کچہریاں جاری کی گئیں۔ لیکن جرائم، ظلم و ستم، قتل و غارت، لوٹ مار اور جبر و تشدد اپنی سابقہ رفتار سے

بھی روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ قومیں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں۔ ملک آباد ہو کر ویران ہوتے ہیں۔ کبھی سمندر کے عمق میں ہمالیہ کی چوٹیاں نمودار ہو کر آسمان سے باتیں کرنے لگ جاتی ہیں۔ کبھی ہمالیہ کی جگہ سمندر لہرانے لگتا ہے۔ دنیا میں کیسے کیسے طلسم وایجادات ہوئے۔ آج وہ کہاں ہیں۔ غرضیکہ یہ خیال کرنا کہ ہم دنیا کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور اچھا بنا سکتے ہیں بالکل فضول خیال اور بے معنی بات ہے۔ البتہ ان تغیراتِ گوناگوں اور نیرنگی زمانۂ بوقلموں سے عبرت ونصیحت حاصل کر کے اپنی زندگی کو سدھارنے کی کوشش کرو۔ اس کو سدھارنے کی فقط یہی ایک تدبیر ہے۔ باقی سب ہیچ ہے ؎

ایک جمتا ہے اک پگھلتا ہے — کام دنیا کا یونہی چلتا ہے
دل تعلق بڑھا کے پچھتایا! — پاؤں پھیلا کے ہاتھ ملتا ہے
جنت بنا سکے گا ہر گز نہ اس کو کوئی — دُنیا یونہی چلی ہے اے دل یونہی چلے گی
گر ما بگذشت وایں دلِ زار ہماں — سر ما بگذشت وایں دل زار ہماں
القصہ ہزار گرم وسرد عالم! — بر ما بگذشت وایں دل زار ہماں
اک دفترِ الم ہے میری کتاب ہستی — ہر حرف زندگی کا دیباچہ فنا ہے

تمثیل:۔ دنیا کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص جنگل میں چلا جاتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ میرے پیچھے ایک شیر آرہا ہے۔ یہ بھاگا۔ جب تھک گیا تو دیکھا کہ آگے ایک گڑھا ہے۔ چاہا کہ گڑھے میں گر کر جان بچائے۔ لیکن اس میں اژدہا نظر آیا اب آگے اژدہے کا خوف اور پیچھے شیر کا ڈر کہ ایک درخت کی ٹہنی نظر پڑی اور اس کو ہاتھ ڈال دیا۔ مگر ہاتھ ڈالنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس درخت کی جڑ کو دو سیاہ وسفید چوہے کاٹ رہے ہیں۔ بہت خائف ہوا کہ اب تھوڑی دیر میں درخت کی جڑ کٹ جائے گی تو میں گر جاؤں گا اور شیر و اژدہا کا شکار بن جاؤں گا۔ اتفاقاً اس کو اوپر کی طرف ایک چھتا شہد کا نظر پڑ گیا۔ یہ اس شہد شیریں کے حاصل کرنے اور پینے میں مصروف ہو گیا کہ نہ خوف شیر رہا نہ اندیشۂ اژدہا اور نہ فکرِ موشہائے کہ دفعتہً جڑ کٹ گئی اور یہ گر پڑا۔ شیر نے پھاڑ کر گڑھے میں گرا دیا اور اژدہے کے منہ میں جا پھنسا۔ اے عزیز من! جنگل سے مراد دنیا ہے۔ اور شیر موت ہے کہ پیچھے لگی ہوئی ہے اور گڑھا قبر ہے جو اس کے آگے ہے۔ اور اژدہا اعمال بد ہیں کہ قبر میں ڈسیں گے اور دو چوہے سیاہ وسفید دن اور رات ہیں اور درخت گویا عمر ہے اور شہد کا چھتہ دنیائے فانی کی غافل کر دینے والی لذات وخواہشات ہیں کہ انسان دنیا کی فکر میں موت، قبر، اعمال بد اور جواب دہی وغیرہ سب کو بھول جاتا ہے اور پھر اچانک موت آ جانے پر بجز حسرت وندامت کچھ ساتھ نہیں لے جاتا ہے۔

چند مسافر ہمراہ تھے۔ راستے میں ایک جگہ تیتر بولا۔ مسلمان نے کہا سبحان اللہ کس قدر صاف لہجے میں "سبحان تیری قدرت" الاپ رہا ہے۔ ہندو نے کہا۔ بھلا تیتر بھی کوئی عربی خوان ہے جو سبحان کا لفظ بولے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے ملک کے بزرگوں کے نام جپتا ہے۔ یعنی رام، لچھمن، دسرت۔ پہلوان نے کہا دنیا میں طاقتور سب پر غالب ہے۔ ہمارے یعنی پہلوانوں کے خیال کے مطابق یہ تلقین کرتا ہے یعنی کھا گھی کر کسرت۔ بنیے نے کہا آپ سب غلطی پر ہیں

ہیں، یہ کہہ رہا ہے۔ لُون مل ادرک جن سے دنیا میں ہمیشہ انسان کا کام پڑتا ہے۔ برہمن نے کہا یہ رام نام امرت کا جاپ کرتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ دنیا میں ہر ایک شخص آپ کو روشن خیال اور صحیح العقیدہ تصور کرتا ہے۔ جیسا کہ اس مثال سے بھی ظاہر ہے۔

ایک مسلمان اور یہودی میں نزاع ہوگیا۔ یہودی نے قسم کھائی کہ اگر میرا بیان غلط ہو تو خدا مجھے مسلمان کر کے مارے۔ جواباً مسلمان نے بھی یہی کہا کہ اگر میرا بیان غلط ہو تو خدا مجھے یہودی کر کے مارے۔ غرضیکہ دنیا میں تمام انسانوں کا متحد الخیال اور متفق العقائد ہونا ناممکن العمل ہی ہے ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

تمثیل: ایک شریف النفس صالح نوجوان امیر کو کسی ضرورت کے ماتحت بازار حُسن فروشاں میں پہلی مرتبہ گزرنے کا اتفاق ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ہر ایک دکان پر ہر چراغ کے نیچے ایک ایک عورت زیب وزینت کے ساتھ بناؤ سنگار کئے بیٹھی ہے۔ اس نے نہایت حیرانی کے ساتھ ایک شخص سے دریافت کیا کہ یہ عورتیں سینکڑوں کی تعداد میں یہاں کس لئے بیٹھی ہیں جب کہ کوئی سامان خرید و فروخت بھی یہاں نظر نہیں آتا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ یہ پیشہ ور کسبیاں ہیں اور اپنی جسم فروشی اور کسب زناکاری کو وہ "الکاسِبُ حَبِیبُ اللّٰہ" خیال کرتی ہیں۔ امیر نوجوان یہ سُن کر حیران رہ گیا کہ اس قسم کی سخت گنہگاری و بدکاری جس کی سزا اسلام میں سنگ ساری ہے۔ بغیر کسی شرم اور جھجک کے کھلے بندوں ہورہی ہے اور راعی یا رعایا میں سے کوئی ان کو روکنے والا نہیں ہے۔ اسی حیرانی کے عالم میں وہ بازار سے گذرتا گیا جو ختم ہونے ہی میں نہ آتا تھا۔ آخر میں اسے ایک ایسی عمر رسیدہ طوائف نظر پڑی جو میلے کچیلے لباس میں ایک مدھم چراغ کے نیچے بیٹھی تھی۔ امیر کو اس کی حالت پر رحم آیا اور اس سے جاکر پُوچھا کہ تم اس گھناؤنے پیشے میں روزانہ کیا حاصل کر لیتی ہو؟ اس نے کچھ مبالغے کے ساتھ پانچ روپے روزانہ آمدنی بتلائی۔ امیر نے کہا آج سے میں ہر روز بلاناغہ بذات خود شام کے وقت پانچ روپے تمہیں دے جایا کروں گا۔ لیکن آئندہ تم باہر چراغ جلا کر ہرگز نہ بیٹھنا۔ وہ نہایت خوشی سے اس معاہدے پر رضامند ہوگئی۔ کیونکہ یہ مقرر کردہ رقم اس کی روزانہ آمدنی سے کافی زیادہ تھی۔ چنانچہ اس نیک تجویز پر اسی روز عمل درآمد شروع ہوگیا۔ اور کسبی نے چراغ جلا کر باہر بیٹھنا ترک کر دیا اور امیر مذکور روزانہ اس کو پانچ روپے سالہا سال تک بلاناغہ شام کے وقت مقررہ پر دے جاتا اور بذات خود اس کی تصدیق و تحقیق کرتا رہا کہ اب اس نے یہ پیشہ چھوڑ دیا ہے۔ قضا کار ایک روز اس امیر کو کسی ضروری کام کی وجہ سے وقتِ مقررہ پر پہنچنے میں تھوڑی سی دیر ہوگئی۔ وہاں پہنچنے پر امیر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ کسبی بغیر کسی مزید انتظار کے چراغ جلا کر مثل سابق پھر باہر بیٹھ گئی ہے۔ امیر کو اس پر سخت غصہ آیا اور اسے بہت لعنت ملامت کی کہ سالہا سال کے بعد ایک دن تھوڑی سی تاخیر کو بھی تو برداشت نہ کر سکی اور پھر فوراً وہی ناروا پیشہ اختیار کر لیا۔ طوائف نے بھی سب کچھ سُن چکنے کے بعد رنجیدہ لہجے میں امیر کو جواب دیا "بے شک میں تمہاری اس مہربانی اور کوشش اصلاح کی شکرگزار ہوں۔ لیکن مجھے ذرا یہ تو بتلائیے کہ آپ نے پانچ روپے روزانہ کی معقول

رقم دے کر صرف میری اصلاح تو کر دی، اور مجھے اس بدکاری سے بچا لیا۔ لیکن یہ دوسرے سینکڑوں چراغ ہر شہر اور ہر قصبہ میں جو جل رہے ہیں، آپ کہاں تک دس بیس یا سو پچاس روپے علی قدر حسن ہر ایک کو روزانہ دے کر ان کو گنہگاری سے بچا سکتے اور ان چراغوں کو ہمیشہ کے لئے بجھا سکتے ہیں۔ یہ دنیائے دوں روز اول ہی سے یونہی چلتی آئی ہے اور یونہی چلتی رہے گی۔ لاکھوں پیغمبر اور مصلحان بنی نوع انسان دنیا میں آئے اور اپنی اصلاحی کوششوں کو تا حدِ امکان ہر زمانے میں جاری رکھا۔ لیکن بدکاری اور گنہگاری نہ صرف برابر جاری رہی بلکہ ہر دور میں روز افزوں ترقی کرتی گئی۔ شیطان لعین نے ابو البشر حضرت آدمؑ کے ساتھ دشمنی کر کے ان کو بہشت سے بدر کروایا۔ ان کے بیٹے قابیل نے ہابیل کو بے گناہ محض حسد کی بنا پر قتل کر ڈالا۔ آدمِ ثانی حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال کے عرصہ دراز تک وعظ و نصیحت کی۔ لیکن خود ان کا بیٹا کنعان بھی اس وعظ و نصیحت سے اثر پذیر نہ ہوا۔ اور صرف گنتی کے چند انسان ان پر ایمان لا کر طوفان سے اپنی جان بچا سکے۔ حضرت لوطؑ کے زمانے میں جو کچھ ہوا وہ ہماری اس بدکاری کے مقابلے میں بدرجہا سخت ترین گناہ تھا۔ جس سے تمام کی تمام قوم غضب الٰہی میں آگ اور گندھک کے عذاب سے تباہ و ہلاک ہوئی۔ لیکن آج تک وہی گناہ خفیہ طور پر نہایت شد و مد کے ساتھ جاری و ساری ہے اور گناہوں کی مختلف اقسام نے یہاں تک زور پکڑا کہ پیغمبروں کی موجودگی میں انسانوں نے خدائی کے دعوے تک کر دیئے اور سینکڑوں مدعیان نبوت پیدا ہوتے رہے۔ سوائے میرے محسن امیر کارخانۂ قدرت اور اسرار ازلی میں آپ کی انفرادی کوشش کہاں تک کارگر ہو سکتی ہے ؎

کوئی تجھ کو پکارتا جاتا ہے — کوئی ہمت نہیں ہارتا جاتا ہے
کوئی تہ کو سدھارتا جاتا ہے — دریا ہے کہ موج مارتا جاتا ہے
اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من — ایں حرفِ معما نہ تو خوانی و نہ من

امیر یہ جواب لاجواب سُن کر چپکے سے اپنے گھر کو روانہ ہو گیا۔ اور پھر اس طوائف کا چراغ حسب دستور سابق جلنے لگ گیا۔ جہاں کہ اور بھی سینکڑوں چراغ جل رہے تھے ؎

آخرِ گل اپنی خاکِ درِ میکدہ ہوئی — پہنچی وہیں پہ مٹی جہاں کا خمیر تھا
ہے یہ رفتارِ جہاں کونسی حالت کی طرف — بس جواب اس کا یہی ہے کہ قیامت کی طرف

حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ نے جب ان بدکار پیشہ وروں کی بندش کا حکم دیا تھا تو انہوں نے اس کے عذر میں اپنے بچاؤ کے لئے حضرت حافظؒ کا یہ شعر بھی اپنی درخواست میں درج کیا تھا ؎

در کوئے نیک نامی مارا گزر نہ دادند — گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

آج سے تقریباً دو ہزار سال قبل انجیل میں بھی ان پیشہ ور کسبیوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ تابایں زمانہ چہ رسد۔ دنیا میں اگر بدی کا وجود نہ ہوتا تو نیکی کی کیا قدر رہ جاتی۔ چراگاہوں میں جہاں بھیڑیں خدا کے توکل پر چر رہی ہیں وہیں پر بھیڑیئے بھی خدا کے توکل پر پھر رہے ہیں۔ دنیائے دوں میں جن برائیوں کو ہم آج بکثرت دیکھ

رہے ہیں۔ ان کا وجود ہر زمانے میں قائم رہا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

جب سے جہاں ہے تب سے خرابی یہی ہے میرؔ | تم دیکھ کر زمانے کو حیران کیا رہے
دُنیا کے واقعات ہیں دُنیا کے ساتھ ساتھ | جو آج ہو رہا ہے یہی بارہا ہُوا!
دُنیا میں ہے بروں ہی سے اچھوں کا اعتبار | قدرِ بہار بھی نہ ہو گر خزاں نہ ہو

عزازیل یعنی معلم الملکوت یعنی فرشتوں کا استاد تھا لیکن خلقت آدمؑ پر وُہ بھی شیطان کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ گویا نیکی اور بدی ایک ساتھ برابر پیدا ہو گئیں اور ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہو گیا۔ سوائے انسان ضعیف البنیان تو اپنی اصلاح ہی میں کوشش کے ساتھ مصروف رہ۔ تمام دنیا کی اصلاح آج تک نہ کسی سے ہو سکی ہے نہ آئندہ ہو سکے گی برائیاں کسی نہ کسی صورت سے ظہور پذیر ہوتی رہیں گی ؎

خدا گواہ کہ منشا ہے یہ مشیت کا! | کہ ہر نظام کے ہمراہ ابتری بھی رہے
موحدوں کو رہے اختیار بت شکنی | برہمنوں کے لئے اذنِ آذری بھی رہے
طلسم کوثر و تسنیم بھی نہ ہو باطل | شراب ناب کی موج فسونگری بھی رہے
حدیث طاعت و آیات حق کے دوش بدوش | زمیں پہ کفر و بغاوت کی شاعری بھی رہے
شعارِ عجز و سر انکسار کے ہمراہ | سرشت حضرت انساں میں خودسری بھی رہے
مذاقِ بندگی و ذوقِ سجدہ کے باوصف | مزاج آدم خاکی میں داوری بھی رہے
غرض کہ حکم مشیت یہ ہے کہ دُنیا میں! | پیمبری بھی رہے اور کافری بھی رہے
نسخہ مخلوطِ عالم قابل اصلاح نیست | وقتِ خود ضائع مکن برطاق نسیانش گذار
کوئی ہنس رہا ہے کوئی رو رہا ہے | کوئی پا رہا ہے کوئی کھو رہا ہے
کہیں ناامیدی نے بجلی گرائی | کوئی بیج امید کے بو رہا ہے
اسی فکر میں ہوں میں دن رات اکبرؔ | یہ کیا ہو رہا ہے یہ کیوں ہو رہا ہے
اپنی مرضی کے موافق دہر کو کیونکر کروں | بیحد آتا ہے مجھے غصہ مگر کس پر کروں

دلچسپ و عبرت خیز واقعہ :- نواح لکھنؤ میں سندیلہ ایک قصبہ ہے۔ وہاں کے علاقے میں ایک مرتبہ امساک باراں سے سخت قحط ہو گیا۔ لوگ پریشان تھے۔ استسقا کی نماز کئی روز پڑھی گئی۔ بارش نہ ہوئی۔ وہاں کی زنان بازاری جمع ہو کر وہاں کے ایک رئیس کے پاس آئیں کہ ہم جنگل میں جا کر بارش کے لئے دعا کرنا چاہتی ہیں۔ نماز استسقا تو ہمیں آتی نہیں۔ آپ صرف اس بات انتظام کر دیں کہ وہاں کوئی جا کر ہمیں دیکھے نہیں۔ ورنہ بجائے رحمت کے کہیں قہر کا نزول نہ ہو۔ رئیس مذکور نے کافی انتظام کر دیا۔ یہ گروہ جنگل میں پہنچا اور سجدے میں سر رکھ کر رونا شروع کر دیا اور توبہ استغفار کی اور کہا کہ یا اللہ! سب سے زیادہ ہم ہی گنہگار و سیہ کار ہیں ہماری نحوست سے تیری مخلوق پریشان ہے۔ اب فضل و رحم فرما۔ سر نہ اٹھایا تھا کہ موسلا دھار بارش شروع

ہوگئی۔ دنیا میں کس کو ذلیل و حقیر سمجھے؟ نماز استسقا میں بڑے بڑے بزرگ اور عابد و عالم و فاضل تھے۔ لیکن درجۂ قبولیت کس ذلیل طبقہ کی دعاؤں کو حاصل ہوا ؎

اے ترا با ہر دلے رازے دگر ہر گدا را بر درت نازے دگر
ما بروں را ننگریم و قال را ما دروں را بنگریم و حال را

دُنیا کی کہانی سلاطین عالم کی زبانی

؎ رہنے دے جام جم مجھے انجام جم سنا کھل جائے جس سے آنکھ وہ افسانہ چاہیے

شاہی محلات میں دم توڑتے ہوئے بادشاہوں کے الفاظ ہمیں درس عبرت دیتے ہیں کہ اس دنیا کی حقیقت کیا ہے اور اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ یہ دنیا کس قدر بے ثبات، اس کی ثروت کس درجہ عارضی، اس میں قیام کس قدر مختصر اور اس کا انجام کتنا حسرت ناک، عبرت انگیز، تاسف خیز اور یاس و حرماں سے لبریز ہے۔ و ہو ہذا:۔

سلطان عبدالرحمٰن سوم والی اُندلس کا قول ہے کہ میں نے فتح و نصرت کا پھریرا لہراتے ہوئے پچاس سال حکومت کی، میرے ماتحتوں نے ہمیشہ مجھ سے محبت کی، میرے دشمن میرے خوف سے ہمیشہ لرزہ براندام رہے میرے ساتھیوں نے ہمیشہ میرا احترام کیا۔ دولت میری باندی، عزت میری خادمہ، طاقت میری لونڈی اور خوشی میری کنیز تھی۔ اس کے باوجود ان پچاس سالوں میں جو دن سچی راحت اور حقیقی مسرت میں بسر ہوئے وہ صرف چودہ روز ہیں۔ بہ نظر غور دیکھا تو یہ بھی خلش سے خالی نہ تھے۔

سکندر اعظم جس نے ساری دنیا کو ہلا دیا تھا اور جس نے لاکھوں انسانوں کا خون بہا دیا تھا اور بے شمار ہستیوں کو بے گناہ بیوہ و یتیم بنا دیا تھا۔ جب عروس مرگ سے ہم آغوش ہوا تو اس نے کہا میں دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا، مگر موت نے بہت جلد عین عالم جوانی میں مجھے فتح کر لیا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اس دن کے لئے میں نے کتنے انسانوں کا خون بہایا اور بقیہ السیف کو کس قدر زیر و زبر کیا ہے اور آج میں کیا لے جا رہا ہوں۔ افسوس کہ مجھے زندگانی کا وہ سکون بھی حاصل نہ ہو سکا۔ جو ایک معمولی انسان کو بھی حاصل ہے۔ اچھا ہوا کہ میں دنیا کو فتح نہ کر سکا۔ اگر میں دنیا کو فتح کر لیتا تو اس سے زیادہ کچھ نہ حاصل ہوتا کہ اپنے گناہوں میں مزید اضافہ کر کے دنیا سے جاتا۔ مجھے فوجی لباس میں دفن کرنا۔ کیونکہ میں سپاہی تھا اور سپاہی جا رہا ہوں ؎

قوی شدیم چہ شد ناتواں شدیم چہ شد چنیں شدیم چہ شد چناں شدیم چہ شد
بہ ہیچ گونہ دریں گلستاں قرارے نیست تو بہار شدی چہ شد ما خزاں شدیم چہ شد

نپولین جس نے جزیرہ ہلینا میں بحالت قید و تنہائی جان دی۔ مرتے وقت کہا "مایوسی میرے ہاں گناہ تھی۔ مگر مجھ سے زیادہ مایوس انسان دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں دنیا میں دو چیزوں کا بھوکا تھا۔ ایک حکومت کا

اور دوسرے محبت کا۔ حکومت بڑی جدوجہد سے مجھے ملی۔ لیکن میرا ساتھ نہ دے سکی۔ اگر ساتھ بھی دیتی تو کتنے دن کے لئے۔ جس کا انجام آج میرے پیش نظر ہے۔ محبت کو میں نے بہت تلاش کیا۔ مگر میں اسے حاصل نہ کرسکا۔ میں نے جس سے محبت کی، اس نے مجھے دغا دی۔ شاید محبت کا جواب دغا ہی ہوتا ہوگا۔ اگر کسی انسان کی زندگی کا مقصد یہی ہے، جو میری زندگی کا رہا ہے تو وہ زندگی بے معنی ہے۔ میرے نزدیک دنیا" مایوسی" ہے اور "مایوسی ہی کا نام دنیا ہے" ؂

نزع کے پیکِ اجل سے کہہ رہا تھا اک حسیں　　　تو قضا لایا ہے سر پر اب ادا میں کیا کروں

خلیفہ ہارون الرشید طوس میں بستر علالت پر پڑا ہوا تھا۔ موت اسے گھیرے ہوئے تھی۔ اس نے اُسی مکان میں جس میں کہ وہ ٹھہرا ہوا تھا اپنی قبر کھُدوائی۔ جب قبر کھُد گئی تو چند محافظوں نے قبر میں اتر کر قرآن مجید ختم کیا۔ ہارون الرشید نے کہا" لوگو! گواہ رہنا کہ میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں اور رسُول اللہ کی رسالت کا سچے دل سے قائل ہوں۔ میں ایک معصیت اور گناہ کا پیکر ہوں جس نے ساری عمر غم غلط کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں پھر بھی غم غلط نہ کرسکا۔ میں نے بے حد مغموم اور فکر کی زندگی گذاری ہے۔ حکومت کے کاموں اور حکومت کی لعنتوں نے مجھے اکثر خدا اور مذہب سے غافل رکھا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ مجھے زندگی کا کوئی دن ایسا یاد نہیں ہے جو میں نے بے فکری کے ساتھ گزارا ہو۔ اب میں موت کے کنارے ہوں۔ موت تم سب سے مجھے جدا کر دے گی۔ اور یہ قبر جو اس وقت منہ کھولے سامنے ہے، میرے جسم کو نگل لے گی۔ یہی ہر انسان کا مآل ہے۔ لیکن انسان اپنے مآل سے میری طرح غافل رہتا ہے"۔ اس کے بعد خلیفہ نے حکومت کے انتظامی معاملات کے متعلق کچھ مشورے دیئے اور اس کی زندگی کا چراغ گل ہوگیا ؂

دنیا ابھارتی ہے آج اپنے عاشقوں کو　　　مر جائیں گے تو ان کا کل نام بھی نہ لے گی

عبدالملک کو جب اپنے مرنے کا یقین ہوگیا تو اس نے کہا "جب سے میں پیدا ہوا ہوں، مجھے یہ آرزو رہی کہ میں کسی طرح اپنے آپ کو مسرور کرسکوں۔ لیکن مجھے کبھی سچی مسرت حاصل نہ ہوئی۔ میں نے حکومت کا بوجھ اس لئے اپنے سر لیا تھا کہ بادشاہت انسان کی ترقی کی معراج ہے۔ لیکن مجھے دھوکا ہوا۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس پر سخت نادم و متاسف ہوں۔ مگر ندامت و تاسف کا وقت گزر چکا ہے اور میں ناکام و نامراد و بارگناہ دُنیا سے لئے جا رہا ہوں۔ میں نے جو راستہ اپنے لئے منتخب کیا وہ سراسر غلط تھا۔ میرے حال و مآل سے عبرت حاصل کرو"۔ یہ ہیں الفاظ عبدالملک کے جس کی خلافت میں حجاج نے خانہ کعبہ گرا دیا تھا۔

مامُون الرشید کی نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا۔ کسی جانور کی کھال کا بچھونا بچھا تھا۔ بچھونے پر ریت پڑی تھی اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا اور یہ الفاظ زبان پر تھے:۔

"اے وہ کہ جس کی بادشاہی کبھی زائل نہ ہوگی اُس پر رحم فرما جس کی بادشاہی جا رہی ہے۔ اے وہ جو کبھی نہیں مرے گا اس پر رحم فرما جو مر رہا ہے"۔ جاحظ نے کہا" خدا امیرالمومنین کا جاہ و جلال زیادہ کرے

اور تندرستی بخشے"۔ مامون نے کہا "میری تندرستی کی دعا نہ کرو بلکہ میرے لئے مغفرت کی دُعا کرو"۔ پھر کہا خدایا تُو نے ہمیں حکم دیئے اور ہم نے نافرمانی کی۔ تُو مجھے بخش دے کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہے"۔ اس کے بعد رُوح پرواز کر گئی۔ ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۳ء میں وفات پائی۔

خلیفہ واثق باللہ نے مرتے وقت یہ اشعار پڑھے (ترجمہ) "موت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ نہ بازاری لوگ بچیں گے نہ بادشاہ ہی زندہ رہیں گے۔ غریبوں کو ان کی قبر میں غربت نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ امیروں کو ان کی امیری بھی کوئی نفع نہ پہنچائے گی"۔ پھر حکم دیا فرش اٹھا دیا جائے۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ خلیفہ نے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور چلایا۔ "اے وہ جس کی بادشاہی لازوال ہے اس پر رحم کر جس کی بادشاہی ختم ہو گئی"۔ یہ کہتے ہی انتقال کیا (وفات ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۶ء)

خلیفہ منتصر باللہ ایک روز دیبا کے فرش پر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اس کی نظر ایک فارسی عبارت پر پڑ گئی جو فرش پر کندہ تھی۔ خلیفہ نے اسے پڑھوایا تو اس پر لکھا تھا "مجھ شیرویہ بن کسریٰ نے اپنے باپ کو قتل کیا۔ لیکن اس کے بعد بادشاہی سے کوئی تمتع حاصل نہ کر سکا"۔ خلیفہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ فوراً ہی مجلس سے اٹھ گیا۔ چند ہی روز بعد بیمار پڑ گیا اور زندگی سے مایوس ہو گیا۔ ماں عیادت کو آئی تو خلیفہ نے کہا "دنیا اور آخرت دونوں میرے ہاتھ سے نکل گئیں۔ میں نے اپنے باپ کی موت میں جلدی کی۔ لہٰذا میری موت میں بھی جلدی کی گئی۔ دنیا کے حاصل ہو جانے سے میری رُوح کو کوئی خوشی نصیب نہ ہوئی۔ اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں"۔ (۲۴۹ھ مطابق ۸۶۳ء میں وفات پائی)، ؎

سعدی اگر فلک ترا پرورده باشکر — چوں می کشد بہ زہر ندارد تفضلے

دُنیا میں کسی کو کوئی سُود ایسا حاصل نہیں ہوتا جس میں کسی دوسرے کا زیاں نہ ہو۔ یہ قدرت کا کلیہ قاعدہ ہے کہ جب تک ایک چیز فنا نہ ہو دوسری کی تخلیق نہیں ہو سکتی۔ غذا نشوونما نہیں پاتی جب تک وہ دوسری چیزوں کو تحلیل و فنا نہیں کرتی۔ ایک کی فنا دوسرے کی بقا اور ایک کے فائدے میں دوسرے کا زیاں مضمر ہے ؎

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں — ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

بغیر موت و مصیبت کے چل نہیں سکتا — عجیب راز یہ دنیا کے انتظام میں ہے

دُنیا میں کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھ کر خوش نہیں ہو سکتا۔ قدرت کے اس قاعدہ کلیہ سے اگر کوئی شخص مستثنےٰ ہے تو وہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔ جیسا کہ ایک شریف نے ایک شخص کو افسردہ خاطر دیکھا تو اس سے پوچھا کہ کیا آج تم پر خود کوئی مصیبت د آفت آئی ہے یا تم نے کسی اور کی اچھی حالت دیکھ پائی ہے جو تم پر یہ افسردگی چھائی ہے؟ اسی طرح ایک کبڑی بڑھیا سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ تمہاری کمر بیٹھ سیدھی ہو جائے یا تمام اہل دنیا کو کبڑا دیکھنے کی خواہش ہے؟۔ اس نے بے ساختہ جواب دیا کہ میں تمام دنیا کے انسانوں کو کبڑا دیکھنا چاہتی ہوں، تاکہ میں بھی ان سب کو اسی حقارت کی نظر سے دیکھوں، جس

نظر حقارت سے کہ وہ مجھے دیکھتے تھے ؎

بنی آدم اعدائے یک دیگر اند ۔ کہ در مال دنیا برابر نبید

جو پہنچے ہاتھ تجھ تک چرخ گردوں ۔ تو پوچھوں تجھ سے یہ کیوں اور وہ کیوں

کسی کو تونے دی صد گونہ نعمت ۔ کسی کو نان جو دی وہ بھی پُر خوں

دُنیا کے سفر دشوار گزار میں زندگی کے خارزار تعلقات میں الجھنا مسافر کو گرانبار اور سفر کو دشوار تر بنا دیتا ہے۔ اور موت اس شخص کے لئے اتنی ہی پُر آزار ستمگار و جفا کار ہو جاتی ہے جتنا زیادہ کہ وہ تعلقات دُنیوی میں گرفتار ہوگا۔ لہٰذا اس سفر کو سبکبار رہ کر آسانی سے طے کرنے کی کوشش کرو ؎

سمجھو پہلے ہی سے دنیا کو مسافر خانہ ۔ جیو اس طرح کہ مرنا تمہیں دشوار نہ ہو

دُنیا میں اگر بنظر غور دیکھا جائے تو کم و بیش ہر ایک شخص چور ہے۔ لیکن ان چوروں کا طریق کار اور چوری کی مقدار البتہ مختلف ہے۔ شاذ و نادر اگر کوئی شخص اس چوری کے عیب سے بری ہے تو وہ "الشاذ کالمعدوم" کی حیثیت رکھتا ہے۔

دُنیا میں درحقیقت ہر ایک شخص مردہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی مزار کے اندر اور کوئی مزار کے باہر ہے۔ جو مزار سے باہر ہیں ان میں کثیر التعداد ایسے اشخاص ہیں جو مصائب و آلامِ زندگی اور حوادث غیر مختتم سے تنگ آکر اندرونِ مزار والوں کو بنظرِ حسرت دیکھتے ہیں ؎

عجب روزگارے گراں محنت است ۔ کہ بر مردگاں زندہ را حسرت است

دُنیا کی تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا ہے جس میں اہل ہنر ناقدر دانی کا شکار اور پنجۂ افلاس میں گرفتار اور بے ہنر و نااہل ممتاز و سرفراز نہ رہے ہیں۔ اگرچہ یہ قاعدہ کلیہ تو نہیں ہے۔ لیکن بہت کم حالات میں اس کے برعکس دیکھنے میں آیا ہے۔ زہر ہر چند کہ مستلزم الممات ہے لیکن قیمتی ہے۔ پانی ہر چند کہ سرمایۂ حیات ہے لیکن کم بہا ہے ؎

قدرت کے سارے کام تصور سے دور ہیں ۔ فہم و خرد کو ان میں چنان و چنیں نہیں

دُنیا کی حقیقت کے متعلق مشہور روسی مدبر و ادیب کاؤنٹ ٹالسٹائی کہتا ہے کہ "میں باوجود انتہائی کوشش و عرصۂ دراز کی جستجو کے زندگی کے معمے کا ایک شمہ بھی حل نہیں کر سکا۔ حقیقت کی جستجو فضول ہے۔ حقیقت کس مصرف کی حقیقت معلوم ہو یا نہ ہو آخر مر جانا ہے۔ ایک مرتبہ انسان فکر کرنے کا عادی ہو جائے۔ پھر وہ خواہ کسی مسئلے پر ہی غور کیوں نہ کرے، درحقیقت وہ موت کے مسئلے پر غور کرتا ہے۔ ہر فلسفی جب مختلف مسائل پر غور کرتا ہے تو دراصل وہ موت پر غور کرتا ہے اور جہاں موت ہے وہاں حقیقت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے" پھر ایک موقع پر ٹالسٹائی نے کہا "خلیفہ عبد الرحمٰن کا قول ہے کہ باوجود ایک وسیع سلطنت پر مدت دراز تک خود مختار حکمران رہنے کے تمام زندگی میں اس کے صرف چودہ دن خوشی سے گزرے۔ زیادہ غور کیا گیا تو وہ بھی خلش سے خالی نہ تھے۔ لیکن میرے اتنے دن بھی خوشی سے نہیں گزرے۔ اور اس کی یہ وجہ ہے

کہ میں کبھی اپنے لئے زندہ نہیں رہا۔ ریاکاری اور خود نمائی کے لئے زندہ رہا ہوں"۔
دُنیا میں جو شخص گرفتار مصیبت نہیں ہوا۔ اس نے دنیا کا صرف ایک ہی رخ دیکھا اور دوسرے رخ کے تماشے سے محروم رہا۔ تم مصیبت اٹھاؤ جس سے تم کو راحت و عافیت کا اصلی لطف آئے۔ جب تک انسان مصیبت نہ اٹھائے، راحت کے سچے معنے ہی سمجھ میں نہیں آتے (سینیکا)

دُنیا میں ہر ایک بات ایک المناک افسانے کی صورت میں انجام پذیر ہوتی ہے۔ لیکن انسان بجائے اس کے کہ المناک افسانوں سے عبرت حاصل کرے۔ ان کو خواب اور کہانیاں خیال کرکے ہمیشہ مبتلائے غفلت رہتا ہے ؎

وہ کون سا غم ہے جو دُنیا میں نہیں ہے — تس پر بھی یہ دلکش الم آباد غضب ہے
محو ہو جاتا ہوں پھر بھی گرچہ دشمن ہوں ترا — دلفریبی کس قدر دنیا تری صورت میں ہے

دُنیا میں ہر انسان کی ہوس اس قدر دراز اور امیدیں اس قدر طویل ہیں کہ اس کے لئے گنج قارون اور عمر نوحؑ بھی قلیل ہے۔ شاہ پرہیس نے جب ملک اطالیہ فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے ایک مشیر نے پوچھا کہ آپ فوج کشی کی تیاریاں کن ارادوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ ملک اٹلی کے فتح کے ارادے سے۔ اس نے کہا پھر اس کے بعد کیا ارادہ ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا" پرتگال اور ہسپانیہ فتح کرنے کا"۔ اس نے کہا پھر اس کے بعد؟ بادشاہ نے کہا" افریقہ کے تسخیر کرنے کا"۔ اس نے کہا پھر اس کے پیچھے؟ بادشاہ نے کہا" ممالک مفتوحہ کا اپنے حسب منشا انتظام کرنے کا تاکہ وہ پھر بغاوت اختیار نہ کر سکیں"۔ اس نے کہا پھر اس کے بعد؟ بادشاہ نے کہا" امن و عافیت کے ساتھ بیٹھ رہنے کا اور یاد خدا کرنے کا"۔ اس مشیر عاقل نے کہا کہ یہ آخری کام جو اس قدر عرصہ دراز، اتنی جفاکشی، خون ریزی اور محنت شاقہ اٹھانے کے بعد کریں گے، پہلے ہی سے کیوں نہیں کرتے؟ ؎

گفت چشم تنگِ دنیا دار را — یا قناعت پُر کند یا خاکِ گور

دُنیا میں ہر ایک انسان کا متلون المزاج اور بے استقلال ہونا ایک ایسا ظاہری عیب ہے کہ سوائے خاص بندگانِ خدا کے تمام انسان کم و بیش اس میں مبتلا ہیں۔ وہی تیمور جس نے لاکھوں بے گناہ انسانوں کا خون بہایا، کہا کرتا تھا کہ میرے پاؤں تلے جب کوئی چیونٹی آتی ہے تو دل دکھنے لگتا ہے۔ وہی نیرو جو ستم مجسم تھا، جب ایک شخص کے قتل کا فتوی دستخط کے لئے اس کے سامنے پیش ہوا تو آہ سرد بھر کر کہنے لگا کہ مجھے لکھنا نہیں آتا۔

دُنیا کی ہر ضرورت کا خاتمہ ایک نئی ضرورت پر ہوتا ہے اور اس کا خاتمہ دُوسری ضرورت پر حتیٰ کہ عمر تمام ہو جاتی ہے ؎

خزاں آتی ہے اور خاک میں ملنا ہی پڑتا ہے — مگر گلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہے

اجل کو دیکھ کے زیر فلک قرار آیا
مصیبتوں کی بالآخر اک انتہا تو ہے

دُنیا میں خوشی کی نسبت غم بہت زیادہ ہے گریۂ شمع تمام شب، خندہ صبح دم بھر۔ عید کا صرف ایک دن اور محرم کا عشرہ ہے ؎

عمر دراز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

بر نامۂ حیات دو روزے نہ بود بیش
آں ہم کلیم با تو بگویم چساں گذشت!

یک روز صرف بستن دل شُد باین واں
روزے دگر بہ کندن دل زین وآں گذشت

وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست
رُو پس نہ کرد ہر کہ ازیں خاکداں گذشت

پاؤں پھیلاؤ نہ اتنا بے خطر اے خود سرو
خوف حق کم ہے تو قانون فنا ہی سے ڈرو

دُنیا میں بغیر سختی کے کامیابی مشکل ہے۔ پتھر میں سے آگ نکالنا لوہے ہی کا کام ہے۔

دُنیا میں بے زر اگر اولاد رسُول ہے تو بھی نامقبول ہے ؎

دنیا کو خوب دیکھا جتنی محبتیں ہیں!
موقع کی سازشیں ہیں مطلب کی ساعتیں ہیں

دُنیا میں آلام سے بچنے اور آرام حاصل کرنے کے لئے خاموشی بہترین ذریعہ ہے ؎

لب خاموش کا دونوں جہاں میں بول بالا ہے
وہی محفوظ رہتا ہے کہ جس کے در پہ تالا ہے

دُنیا میں اگر مردانہ زندگی میسّر نہ ہو تو مردوں کی طرح جان دینا ہی زندگی ہے۔

دُنیا بمنزلہ ایک چکّی کے ہے جو ہمارے لئے آٹا پیستی رہتی ہے اور ایک دن یہ ہم کو بھی پیس ڈالتی ہے ؎

مزا بھی آتا ہے دنیا سے دل لگانے میں
سزا بھی ملتی ہے دنیا سے دل لگانے کی

دنیا باہل خویش ترحّم نمی کند
آتش اماں نمی دہد آتش پرست را

چلتی چکّی دیکھ کر دیا کبیرا روئے
دو پاٹوں کے بیچ میں ثابت رہا نہ کوئے

دُنیا کی تمام نعمتوں کا ماحصل ناپاک فضلہ ہے۔ ایسی ناپاک اور ناپائدار چیز پر خدا کے پاک کو نہ بھول ؎

دیدۂ تحقیق سے دنیا کی حالت دیکھیے
نفس کی ہر لذت اور آخر نجاست دیکھیے

دُنیا اگر آنے لگے تو آتی ہی رہتی ہے۔ اور اگر پیٹھ پھیرلے تو چلی ہی جاتی ہے (حضرت علیؓ)

دُنیا ایسی مصیبتوں اور موتوں کا مجموعہ ہے جو سخت تکلیف دہ اور غیر مختتم ہیں (حضرت علیؓ)

دُنیا کی خوشی وسرور محض دھوکا اور غرور، اس کے ساز و سامان اور محل وقصور سب کے سب زوال پذیر اور چکنا چور ہیں۔ (حضرت علیؓ) ؎

تبسم کی سزا کتنی کڑی ہے
گُلوں کو کھل کے مرجھانا پڑا ہے

مسرت مجھ کو اب دشوار ہے دنیا کی محفل میں
خوشی کی قابلیت ہی نہیں باقی رہی دل میں

دُنیا کی خواہشیں اکاش بیل کی طرح انسانی درخت کو اپنے جال میں پھنسائے رکھتی ہیں۔ جس سے اس کا

بڑھنا پھولنا پھلنا بند ہو کر اس کی زندگی کی جڑ کاٹ دیتی ہیں۔

دُنیا پرستو! تم کو دُنیا کی کس چیز نے مغرور بنا رکھا ہے؟ حالانکہ یہ ایسا گھر ہے کہ اس میں بھلائی بہت قلیل، اس میں طرح طرح کے شر موجود۔ اس کی نعمتیں سریع الزوال اور مسلوب، اس سے صلح رکھنے والا مغلوب اس کا مالک درحقیقت مملوک اور اس کا سامان آخر کار متروک ہے (حضرت علیؓ) ؎

حادثے اپنے طریقوں سے گزرتے ہی رہے　　کیوں ہوا ایسا یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے

دُنیا ایک ایسا گھر ہے جس کا اول تکلیف اور اس کا آخر فنا ہے۔ اس کی حلال چیزوں پر حساب اور حرام پر عذاب ہو گا۔ جو شخص اس میں غنی ہے وہ اکثر فتنے میں مبتلا ہے۔ اور جو محتاج ہے، وہ غم میں گرفتار بلا ہے (حضرت علیؓ) ؎

عمر بھر پیش نظر طوفان کا منظر رہا　　حیرت افزا کس قدر نکلا سراب زندگی

دنیا نے تیری یاد سے بے گانہ کر دیا　　تجھ سے بھی دل فریب ہیں غم روزگار کے

دُنیا جب کسی آدمی کی طرف متوجہ ہو تو اسے دوسروں کی خوبیاں پہنا دیتی ہے۔ اور جب کسی سے پیٹھ پھیرلے اس سے اپنی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔

دُنیا مشرق ہے اور آخرت مغرب۔ یعنی جس قدر ایک سمت نزدیک ہو گی، دوسری دور ہوتی جائے گی (حضرت علیؓ)

دُنیا میں اگر صرف یہی عیب ہوتا کہ وہ عارضی ہوتی تو بھی صاحبان ہمت اس کے قریب نہ جاتے چہ جائیکہ یہ خطرات گوناگوں اور ہزارہا آفات ناگہانی کا مجموعہ ہو اور پھر بھی اسے چاہا جائے۔

دُنیا میں ہنرمندی ہمیشہ ناقدردانی کا شکار رہی ہے اور کمال و اقبال بہت کم ایک جگہ پر جمع ہوتے ہیں ؎

دنیا میں چوب سوختنی و عود ایک ہے　　ہم رُتبۂ خلیل اور نمرود ایک ہے

ان لوگوں کو جو سادے سے دُنیا کے مست ہیں　　آواز خر و نغمۂ داؤد ایک ہے

دُنیا میں قدر گوہر و خارا ہے برابر!　　سرگین گاؤ عنبر سارا ہے برابر

دست ستم ہو یا ید بیضا ہے برابر　　باد سموم یا دم عیسےٰ ہے برابر

عاقل از سرمایۂ دنیا ندارد بہرہ　　ہر کرا مغز نیست در سر نسبت پشمش در کلاہ

دُنیا ایک مسافر خانہ ہے۔ مسافر کو حالت سفر میں کسی چیز اور کسی جگہ سے دلبستگی نہیں ہوتی ہے ؎

دنیا سے قطع خوب اگر نوش نہ رکھ سکے　　آنکھوں کو بند کر جو نظر نوش نہ رکھ سکے

دُنیا کو اگر کوئی شخص اس غرض سے چاہے کہ آئندہ مجھے دولت دنیا کی ضرورت نہ رہے اور گوشہ قناعت میں بیٹھ کر یاد خدا کروں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آگ کو پھوس سے بجھانا چاہے ؎

دُنیا داری و عاقبت می طلبی　　این ناز نخانۂ پدر باید کرد

دُنیا کے عبرت انگیز و لرزہ خیز مناظر کو اگر انسان ذرا بھی بنظر عبرت دیکھے تو اس کے دل میں کبھی اور کسی

عمر میں بھی خوشی کا دخل نہ ہو ؎

مُردوں پہ روتے نہیں روتے ہیں اپنے حال پر "رہ گیوں" پر ہے مصیبت ہو گئے اچھے گئے
دُنیا یونہی ناشادیوں میں شاد رہے گی برباد کیے جائے گی آباد رہے گی
وقتِ گلم تمام باہ و فغاں گذشت چوں بگذرد خزاں کہ بہارم چناں گذشت

دُنیا کا ذرہ ذرہ لحظہ بہ لحظہ تغیر پذیر ہے اور تو یہاں قرار و سکون کی امیدیں باندھے بیٹھا ہے ؎

گہ روز باشد گاہ شب گہ عیش و گہ رنج و تعب گاہے عیاں گاہے نہاں گاہے چنیں گاہے چناں

دُنیا ہے دُوں حوادثِ گُوناگُوں مصائب بوقلموں، جگر خراش اور سینہ پاش مشاہدات اور محیر العقول واقعات کی آماجگاہ ہے۔ جس میں ہر روز، ہر ساعت، ہر لحظہ اور ہر آن ہر ایک انسان کو بلا تفریق مراتب و مذاہب اور بغیر نیک و بد ایسے ایسے لرزہ خیز، عبرت انگیز، حسرت آمیز مناظر دیکھنے میں اور عجیب و غریب ناگہانی اور غیر متوقع حالات خود اس کے پیش آتے ہیں کہ جن کو دیکھتے ہوئے اعتقادی طور پر تو مصلحتِ خداوندی خیال کر کے انسان خاموش ہو جاتا ہے۔ ورنہ ان کی حقیقت سمجھنے میں عقلِ انسانی دنگ، ان کے دفعیہ میں پائے تدبیر لنگ اور ہوش و خرد کا قافیہ تنگ ہے اور بے اختیار کہنا پڑتا ہے ؎

خانۂ ہستی کی ترکیبوں میں کیا دخل خرد حکم ہے تقدیر کا تدبیر اک مزدور ہے
انکشافِ رازِ ہستی عقل سے ممکن نہیں متصل ہو سطحِ ظاہر سے یہ وہ باطن نہیں
ترسم کہ ہمی رانی۔ زورق بہ سراب اندر زادی بہ حجاب اندر۔ میری بہ حجاب اندر
ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے!
خداشناس تو ہونا نہیں ہے سہل اکبرؔ یہی بہت ہے جو دُنیا شناس ہو جاؤں
یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم

دُنیا میں ایک نیک انسان کو راہِ نیکی پر گامزن ہونے کے لئے بھی سخت دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ایک حکیم کا قول ہے "انسان کے نیک رہنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ہم معاملہ بھی نیک ہوں۔ ورنہ اس کی نیکی نبھ نہیں سکتی ؎

ہر کس و ناکس سے دنیا میں تملق کیجئے یا جہاں تک ہو سکے ترکِ تعلق کیجئے

دُنیا ایک مکر ہے اور یہ بغیر مکر کے حاصل نہیں ہو سکتی ؎

دنیا جنت ہے بدوں کے واسطے قید خانہ ہے یہ مومن کے لئے!
ہے منتظم جہان کا پروردگار خود! حیرت میں ہیں حوادث بے اختیار خود

دُنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ بعض تو ان میں سے مثل غذا کے ہیں کہ جن کے ساتھ موافقت کئے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اور بعض مثل دوا کے ہیں کہ کبھی کبھی ان سے بھی کام پڑتا ہے اور اکثر مثل درد کے ہیں، جو کبھی کسی

کے کام آتا تو درکنار لباسِ دوستی میں ایسے نقصان رساں سلوک کرتے ہیں جو کہ لباسِ دشمنی میں ناممکن تھے ؎

ستایا اس قدر اِن مردم ابلیس خصلت نے
کہ ڈر کر آدمیت چھُپ رہی تربت میں آدم کی

بادشوند از چراغے رسند
دود شوند از بدماغے رسند

اے عزیز! جہاں تک ہو سکے ان کی صحبت سے گریز کر اور اپنے دین و دُنیا کو ان کے گزند سے محفوظ رکھ۔ آئندہ تو مختار ہے ؎

مرا ز روز قیامت غمے کہ ہست ایں است
کہ رُوئے مردم عالم دوبارہ باید دید

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

تنہانشین وصحبت دیو اختیار کن
کآثارِ اُنس در گہر آدمی نماند

بگریز کہ دوران فلک عربدہ خیز است
آئینِ حریفاں ہمہ گجد و مریز است

حضرت آدمؑ کا بہشت سے بدر کیا جانا اور ان کے بیٹے قابیل کا اپنے بھائی ہابیل کو قتل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ خراب آبادِ جہان کی بنیاد ہی رنج و الم، قتل و غارت اور ظلم و ستم پر قائم ہے۔ جب ابتدا ہی کی یہ کیفیت ہو تو اس زمانے کی انتہا کا آپ خود اندازہ لگالیں یہ وہ نامبارک دور ہے کہ جس میں حرام بہزار فخر حلال پر خندہ زنی کرتا ہے۔ یہ وہ منحوس زمانہ ہے کہ گناہ نیکی پر خوردہ گیری کرتا ہے۔ یہ وہ وقت بد ہے کہ جہل علم پر فوقیت چاہتا ہے۔ یہ وہ بدانجام صدی ہے کہ بیوقوفی عقل پر فضیلت ڈھونڈتی ہے۔ یہ وہ روزگار الم انگیز ہے کہ مصیبت عافیت پر غلبہ رکھتی ہے۔ یہ وہ عہد نامراد ہے کہ غم سایہ کی مانند ہمراہ و ہمزاد ہے نہ کوئی دل شاد ہے۔ نہ کوئی گھر عافیت سے آباد ہے۔ اے عزیز! جب یہ حالت ہے تو دنیا کے چاہ شور سے آب شیریں کی امید نہ رکھ بلکہ اس گڑھے کو صبر و قناعت کی مٹی سے پاٹ کر دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کرلے ؎

فریب ہستی کا کھل گیا ہے نگاہ دنیا کو پا گئی ہے
عمل کی توفیق بھی خدا دے سمجھ تو کچھ مجھ کو آگئی ہے

نازاس ظاہر طہارت پر نہ اے مغرور کر
حرص دُنیا خود نجس ہے یہ نجاست دور کر

کارِ دُنیا سے ہماری دل کشی مقصود ہے
جدّت اس شے میں کہاں سے آئے جو محدود ہے

قسمت اپنی عنایات دونوں ہاتھوں سے تقسیم نہیں کرتی وہ غریبوں کو معدہ دیتی ہے لیکن خوراک نہیں دیتی۔ نتیجۃً اُن کی صحت کمزور رہتی ہے۔ امیروں کو خوراک دیتی ہے لیکن معدہ نہیں دیتی۔ تمام لوازمات زندگی موجود ہوتے ہوئے وہ ان سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔ ایسی ہزاروں مثالیں ملتی ہیں۔ واقعہ ذیل ان میں سے ایک ہے :۔

واقعہ:۔ مستری محمد حسین معمار لاہور میں اپنی بسیار خوری کے لئے مشہور تھا۔ جو چھ نوجوان آدمیوں کی خوراک یک وقت اکیلا ہی کھا جاتا تھا۔ اپنے گھر میں تو اس پیشۂ مزدوری میں اس کو اتنا کھانا میسّر نہیں آسکتا تھا۔ البتہ بیاہ شادیوں کے موقع پر کبھی کبھی اس کی بسیار خوری کا امتحان ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ اس کو لالہ لال چند

جج ہائی کورٹ پنجاب کی کوٹھی پر مرمت کے سلسلے میں کام کرنا پڑا۔ ایام مرمت کے دوران میں ایک روز جج مذکور کوٹھی میں ٹہلتے ٹہلتے اس طرف آنکلے، جہاں یہ مستری مصروفِ کار تھا۔ خوش طبعی کی حالت میں جج صاحب نے اُس سے پوچھا "مستری جی! تم نے کھانا کھا لیا ہے یا نہیں"؟ مستری نے کہا "حضور! کھانا تو ہر روز کھایا ہی جاتا ہے، لیکن پیٹ بھر کر کھانا سالہا سال میں کبھی کبھی ہی نصیب ہوتا ہے"۔ جج صاحب نے فوراً حلوا کچوری پکانے کا حکم دیا۔ تیار ہو جانے پر دو تین آدمیوں کی خوراک پیش کر دی گئی۔ جب وہ کھا چکا تو جج صاحب نے پوچھا کہ "آج تو پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے یا نہیں"؟ مستری نے جواب دیا "حضور! ابھی تو آدھا پیٹ بھی نہیں بھرا۔ چنانچہ کڑھائی پھر چڑھا دی گئی، یہاں تک کہ وہ چھ جوان آدمیوں کی خوراک اکیلا کھا گیا۔ جج صاحب اس کی غیر معمولی بسیار خوری سے سخت متعجب و متاسف اور متالم و متاثر ہوئے تو مستری سے بے ساختہ آہ سرد بھر کر کہا۔ "مستری جی! اپنی خوراک کا بارواں حصہ یعنی صرف ایک انسان کی آدھی خوراک مجھے فروخت کر دیں اور میری آدھی تنخواہ دو ہزار روپے ماہوار مجھ سے لے لیا کریں۔ کیونکہ میری خوراک صرف دو چھٹانک سے زیادہ نہیں اور وہ بھی مقررہ پرہیزی، ایک ہی قسم کی غیر مرغوب غذا ہے۔ باقی دنیا کی تمام نعمتوں سے میں ہمیشہ کے لئے محروم ہوں"۔ مستری نے جواب دیا۔ حضور! اس قسم کی خرید و فروخت تو امکانِ انسانی سے باہر ہے۔ ورنہ میں اپنی تمام خوراک آپ کو فروخت کر دیتا"۔ یہ متوقع جواب سُن کر جج صاحب نے نہایت حسرت آمیز لہجہ میں اپنے قانونی دماغ سے یہ بے نظیر نکتہ بیان کیا۔ "اس دُنیائے دُوں آماجگاہ مصائب بوقلموں و نیرنگی گوناگوں میں نعمائے دنیوی میں سے ہر ایک انسان کے لئے سو نمبر قدرت کی طرف سے مقرر ہو گئے ہیں۔ ان سو نمبروں میں ہر ایک شخص کے حصے میں کسی نہ کسی صورت سے کم و بیش صرف پچاس نمبر ہی آتے ہیں۔ جس کی زندہ مثال میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں کہ باوجود اس قدر عہدۂ جلیلہ پر ممتاز ہونے اور اس قدر کثیر دولت بطور تنخواہ پانے کے میں صحت اور خوراک کے لحاظ سے ایک آٹھ آنے روزانہ پانے والے مزدور سے بھی بدرجہا بدتر حالت میں زندگی بسر کر رہا ہوں اور دنیا کی ہر قسم کی نعمتوں سے یکسر محروم و بے بہرہ ہوں۔ اگر کوئی شخص مکمل تندرستی سے فائز المرام ہے تو تنگ دستی نے اس کی زندگی کو مبتلائے آلام کر رکھا ہے۔ جس کسی کو تندرستی اور دولت ہر دو نعمتیں میسر ہیں وہ کسی عزیز و اقارب کی بے وقت جوانا مرگ سے زندہ درگور ہے۔ کہیں مفلسی میں کثرت اولاد کی گراں باری نے غریب کی کمر توڑ رکھی ہے تو کہیں دولت مند اپنی بے اولادی کی وجہ سے نعل در آتش کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔

میجر ممتاز محمد خان مرحوم ضلع سرگودھا کے بہت بڑے معزز رئیس و زمیندار تھے۔ سرگودھا میں ان کی کوٹھی کے ایک گوشہ میں کتیا نے سات بچے دے رکھے تھے۔ اتفاقاً ایک روز میجر موصوف کی نگاہ اِن پلّوں پر پڑ گئی تو اس نظارے کو دیکھ کر بھرے مجمع میں دھاڑیں مار کر رونے لگ گئے کہ "یا اللہ العالمین خالق کائنات کتوں بلّوں میں یہ کثرت اولاد ایک حاجت مند طلب گار انسان اس سے قطعاً محروم۔ کہیں کسی غریب کو دو درہم سیم میسر کر دیتی ہے کہیں فریدوں، ملک عجم سے بھی نیم سیر ہے۔ کہیں کسی غریب کو نانِ شام مُیسّر آجاتی ہے تو وہ سلطان

شام سے زیادہ راحت و آرام میں رات کو خواب شیریں کے مزے لے رہا ہے جبکہ سلطان ہفت اقلیم بھی فکرِ ہشت اقلیم میں اضطراب اور بے چینی سے رات بسر کرتا ہے ؎

اسکندر و تنعّمِ ملک و دورو زگار — خضر و شعارِ مفلسی و عمرِ جاوداں

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

اگر دُنیا نہ باشد دردمندیم — وگر باشد بمہرش پائے بندیم!

بلائے زیں جہاں آشوب تر نیست — کہ رنج جان ہست از ہست و نیست

کسی بادشاہ نے اثنائے سیر و شکار میں ایک نہایت غریب الحال لیکن صحت مند نوجوان کو دیکھا جو عالم شباب کی مستی میں قہقہے لگاتا، گاتا اور ناچتا جا رہا تھا۔ بادشاہ نے اس کو بلا کر پوچھا تم کون ہو۔ اس نے جواب دیا میں نہ کسی کا حاسد ہوں اور نہ ہی کسی کا محسود۔ میں باوجود اپنے افلاس کے امیروں پر حسد نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی میری غریبی کی وجہ سے میرے ساتھ حسد رکھتا ہے۔ بادشاہ نے کہا تو غلط کہتا ہے۔ میں تیرا سب سے بڑا حاسد ہوں۔ کیونکہ مجھے اپنی عمر بھر میں ایسی مسرت و شادمانی اور ایسی صحت مند جوانی کبھی میسر نہ آئی جو اس وقت تجھے حاصل ہے۔ یہ تمثیل ہی نہیں بلکہ دنیاوی مشاہدات ذاتی تجربات اور عام واقعات ہمیشہ سے اس نظریے کی تائید کرتے آئے ہیں۔

غرضیکہ ہر ایک انسان کی زندگی کے ہر ایک پہلو کو اگر جمع کیا جائے تو مجموعی طور پر ہر ایک شخص کے حصے میں کم و بیش یہ پچاس نمبر ہی آتے ہیں۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ اگر دنیا کی خوشیوں اور غموں کا الگ الگ انبار لگا کر پھر ان کی بحصہ رسدی مساوی طور پر ہر ایک انسان میں تقسیم کر دیا جائے تو ہر ایک انسان اپنی سابقہ بُری بھلی حالت ہی کو بہتر سمجھے گا اور اسے غنیمت خیال کرے گا۔ سرِ ہلنے سو ٹیا پانتی مگر بہرحال درمیان ہی میں رہے گی ؎

انسان نے انسان سے کی جنگ ہمیشہ — دُنیا کے نظر آئے یہی ڈھنگ ہمیشہ!

اک اٹھا کشور کشائی کے لئے — اک اٹھا حق کی صفائی کے لئے

جنگ میں دنیا رہی القصہ غرق — ہاں سکندر اور موسیٰؑ کا ہے فرق

دُنیا دارالغرور ہے

ہر شمع اپنے زعم میں یاں برق طور ہے — ہر کنکری کو ہمسری کوہ نور ہے!

عالم میں کبر و عجب کا ہر سو ظہور ہے — دُنیائے انکسار جو ہے یاں سے دور ہے

ہم کو تو اس جہاں سے شکایت ضرور ہے

دُنیا ہے جس کا نام وہ دارالغرور ہے

شاہوں کو اپنی صولت شاہی پہ ہے گھمنڈ
نعمت پہ عیش و عشرتِ شاہی پہ ہے گھمنڈ
جاہ و حشم پہ دولتِ شاہی پہ ہے گھمنڈ
طبل و علم پہ شوکت شاہی پہ ہے گھمنڈ
ہر شخص ان کو دیکھ کے کہتا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دارالغرور ہے

زاہد کو دیکھیے تو الگ اس کی شان ہے
خلق خدا پہ طعن ہے طاعت کا مان ہے
حضرت کو زُہد خشک پہ کتنا گمان ہے
بگڑا ہوا مزاج سرِ آسمان ہے
جو اس کے ڈھنگ دیکھ لے کہتا ضرور ہے
دُنیا ہے جس کا نام وہ دارالغرور ہے

عالم جو اپنے علم پہ پھولا ہوا نہیں
ہم کو تو اس جہاں میں ابھی تک ملا نہیں
جاہل پہ کون عالم دانا ہنسا نہیں
رونا تو یہ ہے کوئی بھی عجز آشنا نہیں
نشہ شراب علم میں ہے اور ضرور ہے
دُنیا ہے جس کا نام وُہ دارالغرور ہے

محرُوم خاکسارِ جہاں کا یہ حال ہے
ہو اس جہاں سے دُور جو فکرِ مآل ہے
نام و نمود نے جو بچھایا یہ جال ہے
بچنا مرے خیال میں اس سے محال ہے
گر کھل سکی نہ آنکھ تو پھنسنا ضرور ہے
دُنیا ہے جس کا نام وہ دارالغرور ہے

دنیا میں امن و عیش خیال و خواب ہے
آب حیات سمجھا جسے تو سراب ہے
دنیا میں زندگانی کا ساماں نہیں ملتا
آب حیات ملتا ہے انساں نہیں ملتا
رکھیو قدم سنبھال کر گر امتیاز ہے
دنیا میں ہر قدم پہ نشیب و فراز ہے
ہو نہیں سکتا کبھی ہموار دنیا کا نشیب
اس گڑھے کو اپنی ہی مٹی سے بھرنا چاہئے
ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اک طور ہے
چشم عبرت کے لئے دنیا مقام غور ہے
دُنیا میں ہم رہے تو کوئی دن پر اس طرح
دشمن کے گھر میں جیسے کوئی مہماں رہے
بہت مشکل ہے رہنا پاکدامن لوث دُنیا سے
اُلجھ کر رہ گیا جو وادیٔ پرخار میں آیا
دُنیا ہے وہ صیاد کہ سب دام میں اس کے
آجاتے لیکن کوئی دانا نہیں آتا!
دُنیا نے کس کا راہِ فنا میں دیا ہے ساتھ
تم بھی چلے چلو یُونہی جب تک چلی چلے
دُنیا مقامِ غم ہے خوشی نام کو نہیں
جو اس مکاں میں رہ کے گیا نوحہ گر گیا

ہے مسرت راحتِ دُنیا سے غفلت کے سبب
کون خوش ہوتا ہے بیداری میں عیش خواب سے

ڈھونڈتے ہیں لوگ اس دُنیا میں اطمینان دل
کچھ بھی لیکن داغ حسرت کے سوا ملتا نہیں

ترکِ دُنیا سے ہُوئی جمعیتِ خاطر نصیب
حال میرا گو کہ ظاہر میں پریشاں ہو گیا

رنگِ دُنیا دیکھ کر بے چارہ اکبرؔ ڈر گیا
پندِ واعظ مان لی مرنے سے پہلے مر گیا

دُنیا کے خرابے میں نہ گھر جس نے بنایا
جنت میں نہ نکلے گا جواب اس کے مکاں کا

آساں نہیں ہے دام سے دنیا کے چھوٹنا
یہ اک بڑے حکیم کا باندھا طلسم ہے

جو عزمِ سیر معنی ہے سُبک ہو بارِ دُنیا سے
کہ سر پر بوجھ ہونے سے سفر مشکل سے ہوتا ہے

باطن میں غم ہے عشرتِ دُنیائے ظاہری
پہنے ہوئے لباس محرم ہے عید کا!

دُنیا کو اقامت کا سمجھے ہو محل شاید
ایسے تو نہیں ہوتے سامان مسافر کے

دُنیا میں امرِ حق کو کس طرح صاف کہیے
کرتا ہے دشمنی وُہ، جس کے خلاف کہیے

اٹھاتے یُوں تو سب ہیں بارِ دُنیا طوعاً و کرہاً
خُوشی کے ساتھ لیکن یہ فقط غافل سے اٹھتا ہے

نہ پائے گا کبھی اصلی مسّرت طالبِ دُنیا
پر اس کا ہاتھ کب اس سعی لاحاصل سے اٹھتا ہے

دُنیا کی غفلتوں کی تصویریں ہیں بگولے
دُنیا دہے ہوا پر، سرِ آسمان پر ہیں

رنگ تیرا ہمیں مطبوع نہیں اے دُنیا
تجھ میں ہم جی تو رہے ہیں مگر اکراہ کے ساتھ

فکرِ دُنیا انبساطِ دل سے ہے ناآشنا
آپ کی کلیاں شگفتہ اس ہوا سے ہو چکیں

دُنیا کی کیا حقیقت، اور ہم سے کیا تعلق
وہ کیا ہے اک جھلک ہے ہم کیا ہیں اک نظر ہیں

مجھ کو دم لینے کی بھی فرصت نہ دُنیا میں ملی
روزِ مولد شادیانہ کوچ کا نقارہ تھا

سرائے دُنیا کا مفہوم یہ سُننے میں آیا ہے
کسی نے اس کو گھر سمجھا کسی نے رہگذر جانا

فکرِ دُنیا اک طرف ہے خوفِ عقبیٰ اک طرف
اپنی ہستی کو تہ تیغ دو دم رکھتے ہیں ہم

مُسافر خانۂ دنیا میں جو آیا ہُوا راہی!
یہ منزل آمد و شُد کی ہے اسمیں ہے وطن کس کا

دُنیا کا رنگ دیکھ نہ ڈھونڈ اسکی ماہیت
تصویر کو ٹٹولنے میں کچھ مزا نہیں!

ہر گام پہ آفت ہے مُصیبت ہے، بلا ہے
دُنیا مری نظروں میں گناہوں کی سزا ہے

پھنسا ہوں زندگی میں سانس رُوکے رُک نہیں سکتی
مگر دُنیا کی خاطر میری گردن جھک نہیں سکتی

کارخانے جتنے ہیں دُنیا کے سب ہیں بے ثبات
آنکھ سے جو آج دیکھا کل وُہ افسانہ ہُوا

مُسافر ہی نظر آیا، نظر آیا جو دُنیا میں
جسے دیکھا اسے آلودۂ گردِ سفر دیکھا

بسِ مردن فراغت مل گئی دنیا کے جھگڑوں سے
کہ دار الحرب تھا عرصہ ہماری زندگانی کا

کون دُنیا میں ہُوا سیراب الٹے جام سے
صاف نقشہ چرخ میں ہے کاسۂ معکوس کا

دُنیا کے خرخشوں سے بیزار اُٹھے تھے ہم اول
آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا

زمانے نے مرے آگے بھی دُنیا پیش کر دی تھی
مگر میں نے تو اپنا فائدہ انکار میں دیکھا

حقیقت زیست کی پیری میں ہم سمجھے تو کیا سمجھے
بڑا دھوکا دیا ظالم نے دُنیا سے خدا سمجھے

دیکھوں عروسِ دہر کو کیوں آنکھ کھول کے
بہتر یہی ہے کام لکالوں ٹٹول کے!

پوچھو گے گر فلک سے، تم سے یہی کہے گا
جو تھا نہ رہ گیا وہ، جو ہے وہ کیوں رہے گا

ہوں گے حباب اُبھر کر یونہی فنا ہمیشہ
موجیں گھٹیں بڑھیں گی، دریا یونہی بہے گا

ہزاروں ہی مصائب جھیل کر پائی ہے یہ نعمت
نہ تھا کچھ سہل دُنیا سے مرا بیزار ہو جانا

دُنیا کے تعلق کو بہت غور سے دیکھا
جز اس کا ضروری ہے مگر کل نہیں اچھا

دُنیا ہے جب فنا تو فنا ہی سمجھ اسے
پی جامِ مرگ و آبِ بقا ہی سمجھ اسے

مہماں سرائے دہر ہو جب منزلِ فنا
پھر جو محل سرا ہے سرائے ہی سمجھ اسے

بزمِ فنا میں کچھ نہیں جز نغمۂ فنا
جو کچھ نہیں سنا ہے سنا ہی سمجھ اسے

فرشتوں کی عبادت کا مصلیٰ ہے مراد امن
اگر آلودگی دُنیا کی اس کو پاک رہنے دے

غدار ہے سگِ دُنیا کی جیفۂ دُنیا
مجھے تو تیسرے فاقے بھی یہ حلال نہیں

محو ہو جاتا ہوں پھر بھی گرچہ دشمن ہوں ترا
دلفریبی کس قدر دُنیا تری صورت میں ہے

رہگذر سیل حوادث کی ہے یہ دنیائے دوں
اس خرابے میں نہ کرنا قصد تم تعمیر کا

دین و دُنیا دونوں اپنے جیبِ داماں گیر ہیں
اس دو روزہ زندگی میں ہم بھلا کیا کیا کریں

زندگی کہتی ہے دُنیا سے تو اپنا دل لگا
موت کہتی ہے کہ ایسی دل لگی اچھی نہیں

اگر دُنیا نہ ہو تو بھی ہے مشکل
وگر ہو پھر ہیں پابند سلاسل

نہیں کوئی بلا دُنیا سے بدتر
نہ چین آئے اسے پا کر نہ کھو کر

کارِ دُنیا میں بھی خیالِ مرگ غالب دل پہ ہو
راہ ہو زیرِ قدم لیکن نظر منزل پہ ہو

ہے حوادث کا محبانِ الٰہی پر بھی فیر
ہاں حسابِ دوستاں در گور ہی کہیے تو خیر

گل کی اُمید وار ہے دُنیا
عالمِ انتظار ہے دُنیا

حسرتوں کا مزار ہے دُنیا
کارواں کا غبار ہے دُنیا

عمرِ برق و شرار ہے دُنیا
کتنی بے اعتبار ہے دُنیا

داغ سے کوئی دل نہیں خالی
کیا کوئی لالہ زار ہے دُنیا

ہر جگہ جنگ ہر جگہ ہے نزاع
عرصۂ کارزار ہے دُنیا

گرچہ ظاہر میں صورت گل ہے — پر حقیقت میں خار ہے دُنیا
ایک جھونکے میں ہے ادھر سے ادھر — چار دن کی بہار ہے دُنیا
جیتے جی ہیں غریب اس میں دفن — بے کسوں کا مزار ہے دُنیا
کوئی راحت میں کوئی زحمت میں — مظہر نور و نار ہے دُنیا
رقص بالجبر ہے ہر ایک پتلی کا — شعبدہ گر کی تار ہے دُنیا
زندگی نام رکھ دیا کس نے — موت کا انتظار ہے دُنیا
گل و بلبل بھی جس سے ناخوش ہیں — وُہ فریب بہار ہے دُنیا
بے خبر رکھتی ہے حقیقت سے — ہوش پر میرے بار ہے دُنیا

نظم عمر خیام متعلقہ حقیقت دُنیا

دوش با عقل در سخن بودم — کشف شد بر دلم مثالے چند
گفتم اے مایۂ ہمہ دانش — دارم الحق بہ تو سوالے چند
چیست ایں زندگانیٔ دُنیا؟ — گفت خوابے ست یا خیالے چند
گفتم از وے چہ حاصل ست بگو؟ — گفت دردِ سر و وبالے چند
گفتم ایں نفس کے شود رامم؟ — گفت چوں یافت گوشمالے چند
گفتم اہل ستم چہ طائفہ اند؟ — گفت گرگ و سگ و شغالے چند
گفتم ایں بحث اہل دنیا چیست؟ — گفت بیہودہ قیل و قالے چند
گفتم اہل زمانہ در چہ فن اند؟ — گفت در بند جمع مالے چند
گفتمش چیست کد خدائی؟ — گفت ساعتے عیش و غصہ سالے چند
گفتم اُو را مثالِ دُنیا چیست؟ — گفت زارے کشیدہ خالے چند
گفتمش چیست گفتہ ہائے خیام؟ — گفت پند است حسب حالے چند

عارفے خواب رفت دور نگرے — دید دُنیا بصورت بکرے
کرد از وے سوال کائے دلبر — بکر چونی با ایں ہمہ شوہر
گفت یک حرف با تو گویم راست — کہ مرا ہر کہ بود مرد نہ خواست
واں کہ نامرد بود خواست مرا — زاں بکارت ہمیں بجاست مرا

سُنی حکایتِ دُنیا تو درمیان سے سُنی — نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم،
ارسطو، لقمان اور فلاطوں ہر ایک سر کو ٹیک چکا ہے — یہ وُہ طلسم ہے کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے۔

ہمارا بھی کوئی ہمدرد ہے اس وقت دُنیا میں
پکارا ہر طرف منہ سے کسی کے "ہم" نہیں نکلا!
ہمیشہ ہوتے ہیں دُنیا کی راحت سے الم پیدا
وہ کیا شادی کہ جس شادی سے ہوں اسبابِ غم پیدا

جلوہ گاہِ دُنیا

عجب ترکیب سے رکھی ہے صانع نے بنا اسکی
کہ صدیاں ہوگئیں اک اینٹ بھی جس کی نہیں کھسکی
لگی رہتی ہے آمد رفت جس میں روز جس تس کی
وہی رونق ہے جس کی اور وہی دلچسپیاں جس کی
خُدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہ ہے ناز ہے کس کا
ہزاروں اُٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

کچھ اس حکمت سے ہے ترکیب اس میں رطب و یابس کی
کہ آ پہنچا اِدھر جا پڑا اگر گرمی اُدھر کھسکی
بس اک دورِ تسلسل ہے بہار اس کی خزاں اسکی
وُہی چِتون ہے بلبل کی وُہی آنکھیں ہیں نرگس کی
خُدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے رونق وُہی باقی ہے مجلس کی

بساطیں اُٹھ گئیں بچھ بچھ کے دارا و سکندر کی
صفیں برہم ہوئیں جم جم کے خاقان اور قیصر کی
جہاں تھی نورتن کل تک بکرماجیت و اکبر کی
وہاں اجلاس کونسل کر رہی ہے اب گورنر کی
خدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے رونق وُہی باقی ہے مجلس کی

یہ دُنیا کیا ہے پتلی گھر کا کوئی کارخانہ ہے
نئے پرزے بدلنا جس میں آئے دن زمانہ ہے
نیا نیا رہوتا مال اور ہوتا روانہ ہے!
نیا ہر روز پانی اور نیا ہر روز دانہ ہے
خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے رونق وُہی باقی ہے مجلس کی

بہت سامان عشرت درہم و برہم بھی ہوتے ہیں
بہت جلسے خوشی کے آئے دن قائم بھی ہوتے ہیں
جنہیں ہیں عیش کے ساماں اُنکو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں
خدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

ٹرین اک جا چکی ہے اور ابھی اک جانیوالی ہے
ابھی اک کھیپ آئی اور ابھی اک آنے والی ہے
نئی شکلیں یہ آئے دن ہمیں دکھلانے والی ہے
نئی دلچسپیوں سے روز دل بہلانے والی ہے
خدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی

ہزاروں اُٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

سخن داں اُٹھ رہے ہیں اور محفل جمتی جاتی ہے
نئی کھیپ آتی ہے اور دھوم وہ اپنی مچاتی ہے
بہار اس باغ کی ہر وقت رنگ تازہ لاتی ہے
نئی کھنچ کر شراب اس میکدہ میں روز آتی ہے
خدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

خم و مینا میں تلچھٹ کیا کہ اک آ خور باقی ہے
مگر مستوں کے دل میں شوق ابھی بے طور باقی ہے
اِدھر غل ہے کہ ہاں پیر مغاں کچھ اور باقی ہے
اُدھر اک شور برپا ہے ہمارا دَور باقی ہے
خدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

زمانہ روز لاکھوں کے گلے کٹوائے گا یُوں ہی
پیے گا خون یُونہی اور دل تڑپائے گا یُونہی
زمیں پھولے گی اور خوں آسماں برسائے گا یُونہی
یہی ہوتا رہا ہے اور ہوتا جائے گا یُوں ہی
خدا جانے یہ دُنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

خیالات دانا و نادان

دانا رضائے الٰہی یعنی فطرت اللہ کا جویا ہوتا ہے۔ قوانین فطرت سمجھنے اور بکمالہٖ اتباع کرنے کی سعی جمیل کرتا ہے۔ اپنے جذبات و تردّدات کو انہیں ناقابل تغیر قوانین کی اطاعت میں چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس اطاعت کو نفقط ناگزیر ہی نہیں بلکہ ماحصل زیست اور سرمایۂ راحت یقین کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی ہر خواہش قدرت کے ہم آہنگ اور اس کا ہر مقصد قدرت کا ہم پیرایہ ہو جاتا ہے۔ اس کے کام منشائے قدرت کے موافق ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ہر حال میں راضی برضائے الٰہی اور ہر رنگ میں بامُراد و شادکام و شادماں رہتا ہے۔ ناکامی و غم کے بہت ہی شاذ اتفاقات پیش آتے ہیں۔

نادان رضائے الٰہی سے بے بہرہ ہوتا ہے اور بہرہ حاصل کرنا بھی نہیں چاہتا۔ اس کے جذبات و اغراض گویا اہتماماً فطرت کے برعکس ہوتے ہیں۔ اس کی خواہشیں اور مقاصد حقائق قدرت سے رُوگرداں رہتے ہیں۔ اس کا ہر فعل فطرت اللہ کی ضد اور ہر کام منشائے قدرت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے ہر حال میں غیر قانع مضطرب اور شاکی رہتا ہے۔ کامگاری اور انبساطِ قلبی کے اس کو بہت ہی کم مواقع ملتے ہیں۔ موجودات اور سوانح موجودات یعنی اشیاء اور حوادثِ لیل و نہار کو دانا ان کی صحیح اور اصلی حالت میں دیکھتا ہے۔

اشکال سے دھوکا نہیں کھاتا۔ حقیقت پر نظر رکھتا ہے۔ اجسام و صور اس کے نزدیک کچھ مال نہیں۔ نہ اس کے تعمق نظری کو اپنے سطح فی الخارج پر روک سکتے ہیں۔ وہ چیزوں کی مادی اور ذہنی ہستیوں سے گزر کر نہ میں پیوست ہو کر اصلی ہستی تک پہنچتا ہے اور اسی کو پیار کرتا ہے۔ اسی کا خواہش مند رہتا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے اس کے نزدیک از قسم زوائد ہیچ اور بے سود ہے۔

نادان اصل سے بے خبر اور بطانت اشیاء سے ناآشنا ہے۔ ظاہری صورتوں اور واقعات کے بیرونی مفاد و مضار کا پرستار ہے۔ اسے جملہ موجودات خارجی اور داخلی میں فقط ہیأت ظاہری نظر آتے ہیں انہیں کے حسن و قبح کو دیکھتا اور اسی سے متاثر ہوتا ہے اور اسی کی قربت یا دوری حصول یا ترک میں کوشاں رہتا ہے۔ اس لئے نادان بھلا چاہتا ہے اور برا ہوتا ہے۔ فائدے میں رہا چاہتا ہے مگر ٹوٹے میں رہتا ہے نام آدمیوں کی طرح ہر چند کہ خود بھی آزادی پسند ہے لیکن دل اور روح غلاموں کی طرح قید رہتی ہے۔ اگر وہ ایک مطلق العنان بادشاہ بھی ہو جائے تو بھی اپنی حرص و ہوا کا بندہ اور اپنی غلط فہمی اور جہل کا قیدی ہی رہے گا۔ وہ محتاجی سے محفوظ رہنے کے لئے دولت پیدا کرتا ہے۔ لیکن دولت جوں جوں ترقی کرتی ہے اپنے کو دولت کا محتاج تر پاتا ہے۔ کیونکہ افزائش دولت احتیاج کو ترقی دیتی ہے۔ اس کو بہت سی خواہشیں ہوتی ہیں اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ خواہشوں کے پورا ہونے میں راحت ہے۔ لیکن خواہشیں جب پوری ہو جاتی ہیں تو بجائے راحت کے تکلیف مزید کا سبب ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ پورا ہونا خواہشوں کو بڑھا دیتا ہے۔ اس کی روح کچھ تلاش کرتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ مجھے کسی چیز کی تلاش ہے مگر نہیں جانتا کہ کس کی تلاش ہے۔ دراصل وہ راحت قلبی ہے جس کے لئے روح بھٹکتی پھرتی ہے۔ لیکن اسے معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے اس مطلوبہ شے سے وہ تلاش کرتا ہے۔ لذیذ کھانوں، عمدہ کپڑوں، صبا رفتار سواریوں اور سر بفلک کشیدہ محلوں میں یہ سب چیزیں مل جاتی ہیں۔ مگر ان میں وہ شے جس کی تلاش تھی نہیں ملتی۔ کیونکہ راحت قلبی زر و مال سے خریدی ہوئی غرور پرور تن آسانیوں میں نہیں ہے۔ وہ مجالس طرب اور مشاغل تعیش میں انبساطِ خاطر ڈھونڈتا ہے۔ لیکن پایان کار یہ اور زیادہ باعث اندوہ و تعب ہوتی ہے۔ وہ اس خیال سے شہرت و نام آوری کی تمنا کرتا ہے کہ شہرت سے بہت خوشی ہو گی لیکن سخت جد و جہد کے بعد جب شہرت حاصل ہو جاتی ہے تو یہ دنیا کی دوسری چیزوں سے بھی زیادہ ہیچ، ناکارہ محض ایک لفظی اور ہوائی ڈھانچہ اندر سے تہی ثابت ہوتی ہے۔ غرضیکہ نادان کو کسی شے کا اندازہ صحیح نہیں ہوتا۔ وہ واقعی چیزوں کی تمنا میں غیر واقعی چیزوں تک پہنچتا ہے۔ انہیں کو اختیار کرتا ہے۔ اس کے تمام اکتسابات و تصرفات تحصیل حاصل ہوتے ہیں۔

دانا خوب سمجھتا ہے کہ زندگی کی اصلی اور ناگزیر ضرورتیں زیادہ نہیں ہیں۔ پس وہ ان کی فطرتی تعداد کو بصحت تحقیق کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں آسانی سے پورا کر سکتا ہے۔ دنیا کی وہ چند نعمتیں جن پر اسے قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی محدود ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہیں اور اگر کافی نہیں ہوتیں تو یہ ان کے لئے

کافی ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ فارغ البال اور مستغنی رہتا ہے۔

ناداں اپنی ضرورتوں کو مجہول الاعمال سے بڑھا لیتا ہے۔ اپنی خیالی خواہشوں کو لاتعداد و لاتحصیٰ کر لیتا ہے۔ عمر گزر جاتی ہے پر اس کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں ع

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے!

باقی رہ جاتی ہیں۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ دنیا کی تمام نعمتیں بھی اگر اُسے مل جائیں تو بھی اس کی خیالی اور روز افزوں خواہشوں کے لئے ناکافی ثابت ہوں۔ اس لئے یہ محتاجی اور بے اطمینانی سے کبھی نجات نہیں پاتا۔

دانا بخوبی واقف ہوتا ہے کہ زندگی کے اصلی غم قلیل ہیں اور نیز یہ کہ اصلی مسرتیں بھی ان سے قلیل تر ہیں پس ان مسرتوں کو قلیل جان کر ان سے جیسا کہ چاہیئے متمتع ہوتا ہے اور ساتھ ہی غموم و آلام کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے بدل و جان آمادہ رہتا ہے۔ غموم کو اپنی ہستی کا ایسا ہی جزو لاینفک خیال کرتا ہے جیسا کہ مسرت کو۔ اس لئے واہیہ حوادث اس کی دل جمعی اور سکون خاطر کو نقصان نہیں پہنچاتے۔

ناداں زندگی کی اصلی مسرتوں کی تعداد قلیلہ کو تمتعاتِ دُنیوی کی مسرت نما اشکال کے ایوان بوقلمونی میں گم کر دیتا ہے۔ سچی اور جھوٹی مسرتوں میں کوئی شے مابہ الامتیاز باقی نہیں رہتی۔ اس لئے اصلی مسرتوں سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی غلط فہمیاں اس کی فضول کاریوں سے مدد پاکر اس کی جان کے لئے ہزاروں خیالی غم پیدا کر دیتی ہیں جن کو بہت ہی بڑا خیال کرتا ہے۔ اس لئے ہر غم انتہا کا جاں گسل گزرتا ہے۔ اور از بسکہ غم اٹھانے کے لئے بطیبِ خاطر کبھی مستعد و آمادہ نہیں ہوتا۔ اس لئے تھوڑا غم بھی ستاتا ہے۔ ناداں کے غموم کی اگر تحقیقات چھان بین کی جائے تو شاید فیصد مشکل ایک غم ایسا ثابت ہوگا جو اصلی اور ناگزیر غم ہو۔ ورنہ تمام غموم موہُودات ذہنی اور مفروضات خیالی نکلیں گے جو اُس نے اپنے توہم سے خواہ مخواہ پیدا کر لئے۔

اصل یہ ہے کہ انسان کو اپنے ساتھ بہت محبت ہے اور اپنی ناچیز خوبیوں کو بزرگ اور اپنے بزرگ عیوب کو ناچیز سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری خوبیاں تکمیل کو کمتر پہنچتی ہیں۔ تاہم ہماری کمزوریاں بیشتر قوی اور شدید ہو جاتی ہیں۔ ادھر ہمارے خیال میں کسی نیکی کا قصد گزرا ادھر اس خیالی قصد پر ہم نے اپنے تئیں نیک سمجھ لیا۔ گو وہ نیک خیالی عملی شکل میں کبھی روبکار نہ آئے۔ ہر شخص کو علی العموم اپنے حسنِ خیال پر حسنِ عمل کا خیال ہوتا ہے۔ انسان اپنی حالت پر اگر بصحت غور کرے تو اپنی خوبیوں کو بہت ہی کم فخر کے قابل پائے۔ لیکن اگر وہ اپنی خوبیوں کا اندازہ دوسروں کے مقابل میں کرے تو اسے فخر کے بہت مواقع مل جائیں گے۔ اگر خود اس کی ذاتی خوبیاں بجائے خود کثیر و کامل نہ ہوں تو دوسروں میں خوبیوں کی قلت اور عدم کمال کے مقابل کثیر و کامل معلوم ہوں گی۔ انہیں بنیادوں پر دانا اور ناداں کے خیالات میں زمین و آسمان کا بل ہے۔

اوّل الذکر یعنی دانا اپنے اوصاف حمیدہ کے کمالِ ذاتی کا متمنی ہوتا ہے۔ موخر الذکر یعنی ناداں دوسروں پر اپنے اوصاف حمیدہ کے اظہار کو اپنا کمال سمجھتا ہے۔ دانا اپنے عیوب و نقائص کے مقابل اپنی خوبیوں کو قلیل پاتا

ہے۔ نادان دوسروں کے مقابل میں اپنی خوبیوں کو کثیر تصور کرتا ہے۔ دانا کو اپنے جہل کا علم ہوتا ہے اور اس جہل کو کم کرنا چاہتا ہے۔ نادان اپنے جہل کو علم سمجھتا ہے اور اس کو بڑھانا چاہتا ہے۔ دانا اپنی خوبیوں کو قلت کے علم سے اپنے نقائص پر منفعل ہوتا ہے۔ نادان اپنے نقائص سے بے خبر رہ کر اپنے محاسن پر فخر کرتا ہے۔ دانا ان خوبیوں کی تحصیل کی فکر کرتا ہے جو اس میں نہیں ہوتیں۔ نادان بس انہیں خوبیوں کو بہت سمجھتا ہے جو اس میں ہوتی ہیں۔

دانا کو اپنے دل کی عزت و وقعت آپ حاصل کرنے کی آرزو ہوتی ہے اور نادان دوسروں کی نظر میں وقعت پیدا کرنے کی فکر میں رہتا ہے کیونکہ یہ سہل اور وہ مشکل۔ یہ دروغ وہ راستی ہے۔

صلۂ رحمی

امین اور مامون دونوں ہارون الرشید کے بیٹے تھے۔ امین ملکہ زبیدہ کے بطن سے تھا اور مامون ایک لونڈی کے بطن سے، جس کا نام مراجل تھا۔ ہارون الرشید کی وفات پر امین تخت پر بیٹھا جو بڑا عیش پسند تھا پھر اس نے اپنے دودھ پیتے بچے کو ولی عہد بنانا چاہا۔ حالانکہ بموجب تحریر ہارون الرشید، اس کا ولی عہد مامون تھا۔ اس پر دونوں بھائیوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں امین مقتول ہوا۔ اور مامون تخت خلافت پر بیٹھا تو زبیدہ والدۂ امین مقتول نے مامون کے نام یہ خط لکھا:-

خط

"اے امیر المومنین! ہر ایک قصور اگرچہ وہ بڑا ہی ہو تیری بخشش کے سامنے چھوٹا ہے اور ہر ایک لغزش خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہو، تیری درگذر کے مقابلے میں بالکل حقیر ہے۔ اور یہ ایسی باتیں ہیں جن کا خدا نے تجھے خوگر بنایا ہے۔ پس خدا تیری عمر دراز کرے اور تیری نعمت عام کرے اور بھلائی کو تیرے ذریعے ہمیشہ رکھے اور برائی کو تجھ سے دور کرے۔ یہ اس غمگین کا رقعہ ہے جو زندگی میں مصائب زمانہ کو دور کرنے کے لئے تیری امیدوار ہے۔ اور مرنے کے بعد تجھ سے اچھے ذکر کی امید رکھتی ہے۔ پس تم اگر میری ضعیفی، عاجزی اور قلتِ حیلہ پر رحم کرنا مناسب سمجھتے ہو اور اس بات کو اچھا خیال کرتے ہو تو مجھ سے صلۂ رحمی کرو اور برضا و رغبت اس چیز میں ثواب کی امید رکھو کہ جس کے لئے تمہیں خدا نے بنایا ہے تو کرو اور اس شخص کو یاد کرو جو اگر زندہ ہوتا تو تجھ سے میری شفاعت کرتا۔"

جب مامون اس رقعہ پر مطلع ہوا تو اپنے سوتیلے بھائی پر رویا اور اپنی سوتیلی والدہ زبیدہ کے لئے نہایت نرم ہوا اور اس کی طرف یہ خط لکھا:-

جواب

رشتۂ عمر آمد شاید بدست آوردہ است ہر کسے بر مرگ دشمن شادمانی می کند

"اے والدہ! خدا تیری نگہبانی کا متولی ہو، تیرا رقعہ ملا اور میں اس پر مطلع ہوا۔ خدا شاہد ہے کہ وہ تمام باتیں جو تو نے اس میں لکھی ہیں، مجھے بھی بُری معلوم ہوتی ہیں۔ مگر کیا کروں، تقدیریں نافذ ہوتی ہیں، اور مامور تصرّف کرتے رہتے ہیں اور احکام جاری ہوتے ہیں اور تمام خلقت ان کے قبضے میں ہے اور کوئی ان کے دفع کرنے پر قادر نہیں سب دُنیا پراگندہ ہونے والی ہے اور ہر زندہ موت کی طرف جانے والا ہے۔ غدر و بغاوت انسان کی موت کا باعث ہیں اور شکر کا فائدہ شاکر کی طرف لوٹتا ہے۔ میں نے ان تمام چیزوں کے واپس کرنے کا حکم دیا ہے جو تجھ سے لی گئی تھیں اور اب تو سوائے مرنے والے یعنی امین کی ذات کے اور کسی چیز کو کم نہیں پائے گی۔ یعنی اب امین تو ہاتھ نہیں آسکتا مگر باقی تمام اشیاء جو اس وقت تیرے پاس تھیں ویسی ہی مہیا ہو جائیں گی۔ اور میں بعد ازیں تیرے لئے اُن چیزوں سے بھی زیادہ کا ذمہ دار ہوں جو تو پسند کرے گی۔"

احوال ماضی وحال

پہلے عیب پوشی اور پردہ داری کو سرمایۂ دین داری خیال کیا جاتا تھا۔ اب عیب نمائی اور پردہ داری کو رسم و آئین خیال کیا جاتا ہے۔ پہلے امورِ دین کو کارہائے دنیوی پر مقدم رکھا جاتا تھا۔ اب امورِ دُنیا کو کارہائے دین پر فوقیت دی جاتی ہے۔ پہلے خصائل پسندیدہ و اعمال برگزیدہ حاصل کرنے کے لئے تحصیل علوم کی جاتی تھی۔ اب صرف منصب و جاہ و حصولِ دولت کے لئے۔ پہلے جان و مال آبرو پر نثار کیے جاتے تھے۔ اب مال کے لئے آبرو تصدق کی جاتی ہے۔ پہلے پاسِ خاطر اور دلداری کو استرضائے حق خیال کیا جاتا تھا۔ اب دل آزاری و ایذارسانی پر فخر کیا جاتا ہے۔ پہلے نیکی کی جاتی تھی اور احسان نہ رکھا جاتا تھا۔ اب نیکی تو کوئی نہیں کرتا۔ احسان البتہ رکھا جاتا ہے پہلے اگر دو دل گردِ ملال یا غیظ و غضب سے غبار آلود اور مکدّر ہو جاتے تھے تو ان کی صلح و صفائی میں کوشش کی جاتی تھی اور نفاق کو وفاق سے بدل دیا جاتا تھا۔ اب اگر دو شخصوں کے درمیان اخلاص (جو کہ راستی کی مانند نایاب ہے) کا گمان کیا جاتا ہے تو پوری کوشش کے ساتھ آتش کدورت ان میں بڑھائی جاتی ہے۔ ایام گذشتہ میں اہل دُول خرد مندوں کے محتاج تھے۔ زمانۂ حال میں کمینوں اور اہلِ دُول کے محتاج ہیں ؎

دانا محکومِ حکمِ ناداں ستم است در روزِ خسوفِ ماہ تاباں ستم است

اس سے پہلے حکام و امراء صحبت علماء و فقراء کی طرف میلانِ طبع رکھتے تھے۔ اس زمانے میں علماء و فقراء حکام و امرا کی صحبت کے متلاشی ہیں۔ پہلے زمانے میں بمقتضائے عقل دُور بین و خیر اندیش دانشمند لوگ بے دانشوں پر رحم کرتے اور ہمدردی سے پیش آتے تھے۔ اس زمانے میں پست فطرت لوگ از راہ بد آئینی و بداندیشی ہوشمندوں اور دانشوروں پر ستم کرتے ہیں۔ زمانہ سابق میں محققین و کاملین کا دور دورہ تھا۔ زمانہ موجودہ میں مقلدوں اور جاہلوں کا دور۔ اس سے پہلے اہل عیوب کی عیب پوشی کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس عہد میں

بے عیبوں پر عیب لگا کر اس کے اظہار واشتہار پر زور دیا جاتا ہے۔ پہلے ہنر مند اپنے حسب پر اظہار کیا کرتے تھے۔ اب اہل عیوب بھی اپنے نسب پر فخر وناز کرتے ہیں۔ اس سے پہلے اہل بطلان سزا کو پہنچتے تھے۔ اس زمانے میں اہل ایمان مستحق عقوبت وگرفتار معصیبت ہیں۔ اس سے پہلے سوال وطمع کو عار خیال کیا جاتا تھا اب حرف و کار سمجھا جاتا ہے۔ اس سے پہلے جو سزائیں گنہگاروں کے لئے لازم تھیں، اب وہ نصیبِ بے گناہاں ہیں۔ پہلے خدا کا نام خدا کے واسطے لیا جاتا تھا اب محض مکروریا کے واسطے۔ پہلے اہل دولت قابل اشخاص کے جویا تھے۔ اب مسخروں کے طالب رہتے ہیں۔ پہلے لوگوں کو محبت درکار تھی۔ اب صرف دولت۔ اس سے پہلے جو عیب تھا، وہ اب ہنر ہے۔ بیگانگی کو یگانگی پر تفوق۔ نیکی عالم سے گئی گزری۔ اخلاق پسندیدہ کا نام ونشان تک نہ رہا۔ دانش بے وقر و بے مقدار، دانش مند محتاج نان وخوار۔

اگر تو تمام دُنیا کو بھی چھان ڈالے، بہت کم لوگوں کو قابل صحبت پائے گا ورنہ عوام کالانعام کا یہ حال ہے کہ قائل اقوال بیہودہ فاعل افعال گناہ آلودہ، مواعظ ونصائح میں سب لقمان زمان اور بدکرداری میں بے تکلف شیطان۔ چھوٹے بزرگوں کے ساتھ بجوش۔ ہمسایہ کے ساتھ ہمسایہ بخروش۔ تمام وضیع وشریف حق پوش اور ناحق کوش، اظہار حق سے خاموش، گلیم شقاوت بردوش، شیطان کا حلقہ بندگی بگوش، سب کو روزِ جزا فراموش بادۂ مکروفریب سے مدہوش، گندم نما جو فروش۔ ناقصانِ دہر اور ستم پیشہ، شاہد مراد سے ہم آغوش اہل فردانہ ذکر دوش، حصول معاش وفکر نان سے آزاد مصروف ناؤنوش، بخلاف ازیں اہل علم وہنر و طبقہ نیکاں سینہ بریاں وچشم گریاں، ہمہ تن عریاں یا بوریا پوش، بے خانماں یا خانہ بدوش۔ فرزانہ وخردمند کو افلاس وپریشانی بے خرد اور نالائقوں کو آسودگی وتن آسانی۔ بوڑھے بے انصاف، جوان بے حیا وبے باک اور چھوٹے گستاخ طبقہ نیکاں رنجور، گروہ بداں مسرور، حق شکست خوردہ ومقہور، باطل مظفر ومنصور۔ بھیڑوں کے لباس میں بھیڑیے خونخواری کر رہے ہیں۔ ان کی یاری گویا بے کسی ہے اور ان کی ہمراہی بمنزلہ واپسی، دعا کی بجائے دغا ان کا پیشہ محبت ایک دوا ہے جو طبلۂ عطار روزگار میں نہیں پائی جاتی اور وفا ایک جوہر ہے جو زمانہ ناہنجار کے خزانے میں موجود نہیں۔ مروت مثل سیمرغ کے ہے کہ جس کے سوائے نام کے کچھ حاصل نہیں اور انصاف مانند کیمیا ہے کہ جس کا کہیں نشان نہیں۔ ان کا اظہار اتحاد ولاف یگانگی مثل تقرب بادشاہاں وحسن خوباں ولطف دیوانگاں و اعتقاد بے خرداں وطفلان خوش گلو کے ہے کہ ان میں سے ایک بھی سزاوار اعتماد اور شایان اعتبار و قابل یقین نہیں ہے اور معمولی باتوں پر ان کے ہاتھ سے نقصان پہنچتا رہتا ہے۔

قحط الرجال کا یہ عالم ہے نہ کوئی آقائے مہربان ہی نظر آتا ہے، نہ کوئی جاں نثار کار گزار ہی سکنے میں آتا ہے۔ بفرض محال اگر کوئی ہو بھی تو نہ کارفرما کو کوئی کارگزار ہی ہاتھ آتا ہے اور نہ کارگزار کو کوئی کارفرما حاصل۔ آقا اپنے نائب کی بے جوہری سے بیچ وتاب اور یہ اپنے آقا کی ناقدری اور بے گوہری سے مثل کباب۔ نہ وہ اس کے جوہر کا خریدار اور نہ یہ اس کی نعمت کا شکر گزار ہے۔

اس وقت قدرِ گوہر و خارا ہے برابر سرگیبن گاؤ عنبرِ سارا ہے برابر
دستِ ستم ہو یا یدِ بیضا ہے برابر بادِ سموم یا دمِ عیسےٰ ہے برابر
مشتاق سب ہیں بدر سے افزوں ہلال کے دُنیا میں قدرداں نہیں صاحب کمال کے

جب کسی کو مطلب برآری اور حصول غرض متصور ہوتی ہے تو ایک دوسرے سے ملنے کے لئے قدم اٹھایا جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو آشنائے بے ریا، دوستِ صادق اور محبِ راسخ الاعتقاد ظاہر کیا جاتا ہے اور حصُول غرض کے دوران میں زبانی گفتگو اور مراسلات میں بندۂ قدیمی اور مخلص صحیح، فدوی و جاں نثار، بندۂ خدمت گزار یار وفادار، دائمی دُعاگو و شکر گزار۔ محبِ بے ریا اور دیگر القاب گُوناگوں سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کی یہ تمام گفتار لاطائل۔ جھُوٹے دلائل، پردۂ غفلت ان کی آنکھوں کے آگے حائل اور ان کے دل دغا کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

ورع و تقویٰ کی مانند راحت سخت قلت، شہوت پرستی اور متابعت ہوا و ہوس بسان ریخ گنج در گنج۔ افعال تمام تر مخالفِ اقوال۔ حسن ظن مثل جمعیت کلیتہً معدُوم اور سُوئے ظن مانند پریشانی بافراط تمام۔ اگر کوئی سرکہ کی بوتل بغل میں دبائے جارہا ہو تو کون ہے کہ گمان شراب نہ کرے۔ اگر کسی مرد و زن کو یک جا جمع دیکھا جائے تو کون ہے کہ ان پہ بدظنی نہ کرے۔ ایسا ہی دوسرے معاملات پر قیاس کرلیں۔ جتنا کہ بدی میں گمان کو کام میں لایا جاتا ہے اتنا ہی نیکی میں یقین کو راہ نہیں دی جاتی۔ یہ تمام دلائل و اسباب دنیا کی انتہائے ابتری پر زبردست نشانات ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ بدی کو بدی خیال ہی نہیں کیا جاتا اور نیکی کی طرف مطلقاً کسی کو رغبت ہی نہیں۔ چنانچہ معاملاتِ دنیوی میں اس قدر حضوری دل کے ساتھ متوجہ و منہمک ہوا جاتا ہے کہ غفلت کو اس میں بالکل گنجائش ہی نہیں رہتی۔ برخلاف اس کے اگر رسمی طور پہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو دل کو دوسرے منصوبوں میں مشغول رکھ کر خدا پر ہزاروں احسان رکھے جاتے ہیں۔ سوائے خود غرضی کے کوئی کام خدا کے واسطے نہیں کیا جاتا۔

راستی پیشہ اور کم گو کا سادہ لوح اور ناداں نام رکھا جاتا ہے۔ شیطان سیرت، ناپاک طینت، جس کی گفتار اس کے کردار سے بالکل ناآشنا اور مخالف، ظاہر موافقانہ، باطن منافقانہ، جس کے ہر کام کی بنیاد مکر و فریب پر ہو، اس کو قابل و عاقل خیال کیا جاتا ہے۔ اس دروغ گو اور ایذا جو گروہ کا ہر قول و فعل اختلاط اجتناب، ارتباط و احتراز ان کی اپنی مصلحت کے تحت ہوتا ہے۔ بغیر مطلب کبھی ایک دوسرے سے ملاقات نہیں کی جاتی بلکہ بغیر مطلب و ضرورت دیکھنے کے بھی روادار نہیں۔ اگر بطور تفریح کسی سے ملاقات بھی کی تو اس پر سینکڑوں احسان رکھے جاتے ہیں۔ اور ان کے کلام کا افتتاح جھوٹ سے ہوتا ہے۔ ایک نے کہا مشتاق تھا دوسرے نے جواب دیا مشرف ہُوا۔ نفس الامر نہ اس کو اشتیاق نہ اس کو شرف۔ جب شروع کلام اور بنائے کار ہی جھُوٹ پر قائم ہو، وہاں پر کیا خیر و برکت ہوسکتی ہے؟

حکایاتِ مُفید

حکایت:۔ شاہ اسمٰعیل سامانی کی خصائل حمیدہ میں سے ایک یہ تھی کہ ایام برف و باراں میں باہر بیٹھتا یا میدان میں کھڑا رہتا۔ اگر کسی کو کچھ حاجت ہوتی تو اس کی حاجت روائی کرتا اور کوئی مظلوم ہوتا تو اس کی داد رسی کرتا اور ضعیفوں کو صدقہ دیتا اور ان کی فارغ البالی کے لیے پوری کوشش کرتا اور بوقت مراجعت نماز شکرانہ ادا کرتا اور کہتا "الحمد اللہ کہ آج کا دن میرا بقدر وسعت و طاقت خدمت خلق میں صرف ہوا۔ لوگوں نے کہا "اے امیر! برف و باراں کے دن امراء گھروں سے باہر نہیں نکلتے۔ ایسے تکلیف دہ ایام میں امیر گھر نہیں بیٹھتا اور رنج و تکلیف اٹھاتا ہے، اس کا کیا باعث ہے"؟ فرمایا "ایسے ایام میں غربا اور بے کس زیادہ تنگ دل ہوتے ہیں۔ اگر ایسی حالت میں ایک کی بھی توفیقِ خدمت گزاری مجھے حاصل ہو جائے تو اس کی دعا اجابت سے نزدیک تر ہوتی ہے" ؎

کرم جنس ہے یادستگیری نیم جانوں کی　　خرید اکر لیں جتنی دعائیں ناتوانوں کی

حکایت:۔ امیر المومنین مہدی نے ایک نیا محل تعمیر کروایا۔ خلیفہ نے فرمایا "کسی شخص کو اس محل کے نظارے سے منع نہ کیا جائے۔ ناظرین یا تو دوست ہوں گے یا دشمن۔ اگر دوست ہیں تو خوش و خرم ہوں گے۔ اور ہمیں دوستوں کی خوشی دلی مطلوب ہے۔ اور اگر دشمن ہیں تو رنج اٹھائیں گے اور دل کوفتہ ہوں گے۔ اور ہر شخص کی یہی مراد ہوتی ہے کہ دشمن کو رنج پہنچے۔ نیز شاید وہ کوئی عیب ڈھونڈیں اور کوئی خلل کی بات بتائیں، اور اس سے وقوف پانے پر اس خلل کا تدارک کیا جا سکے اور اس نقص کو دور کر دیا جائے۔" ایک فقیر نے کہا اس محل میں دو نقص ہیں۔ ایک یہ کہ آپ اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔ دوسرا یہ کہ یہ محل ہمیشہ نہ رہے گا۔" خلیفہ اس کلام سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ محل غرباء اور فقراء کے لئے وقف کر دیا ؎

ہوئے قصرِ فنا سے قصرِ عالی بے نشاں لاکھوں　　تری عبرت کو منعم ایک باقی قصر گردوں ہے

حکایت:۔ ابو منصور جو سلطان طغرل کا وزیر تھا۔ خدا ترس اور مرد دانا تھا۔ ہر صبح نماز فرض پڑھتا اور سجادہ پر بیٹھ جاتا اور طلوع آفتاب تک ورد و وظیفہ پڑھتا رہتا۔ پھر خدمتِ سلطان میں حاضر ہوتا۔ ایک دفعہ بادشاہ کو ایک مہم درپیش آگئی۔ سلطان نے وزیر کو بہ تعجیل طلب کیا۔ آدمی بلانے آیا تو وہ سجادہ پر بیٹھا تھا۔ اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ حاسدوں کو بات ہاتھ آگئی اور شکایت کا موقع مل گیا۔ انہوں نے بادشاہ کو بہکایا کہ وزیر نے ایسے ضروری فرمان شاہی پر توجہ نہیں کی اور معتبر نہ سمجھا۔ بادشاہ کے غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔ جب وزیر اپنے معمول وظائف سے فارغ ہو گیا تو بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان نے اس کو سختی سے پوچھا کہ اتنی دیر سے کیوں آیا؟ اس نے کہا "اے بادشاہ! میں خدا کا بندہ ہوں اور تیرا چاکر۔ جب تک کہ اس کی بندگی سے فارغ نہ ہو جاؤں، تیری چاکری پر حاضر نہیں ہو سکتا۔" بادشاہ اس کے اس دلیرانہ سچے جواب سے آبدیدہ ہو گیا اور اس کی

بہت تعریف کی اور کہا کہ خدا کی بندگی کو میری چاکری پر مقدم رکھ کہ اس کی برکت سے ہمارے سب کام درست ہو جائیں ؎

دوئی میں یک دلی کا رنگ پیدا ہو نہیں سکتا شناسا غیر کا تیرا شناسا ہو نہیں سکتا

حکایت:۔ ایک شخص گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ راستہ میں اسے ایک شخص ملا جس نے دریافت کیا کہ بوریوں میں کیا بھرا ہے؟ سوار نے جواب دیا کہ "ایک بوری میں گیہوں ہیں اور دوسری طرف کی بوری میں وزن برابر کرنے کے لئے ریت بھری ہے"۔ اس شخص نے کہا کہ "اگر گیہوں ہی کو دونوں طرف تقسیم کر کے ہم وزن لادا جاتا تو اس قدر زائد وزن سے گھوڑے کو اور اس قدر غیر ضروری محنت سے آپ کو نجات ملتی"۔ سوار نے کہا "واقعی یہ تدبیر تو تم نے بہت اچھی بتائی۔ لیکن یہ تو فرمایئے کہ اس قدر عقل کی موجودگی میں آپ پیدل کیوں جا رہے ہیں"؟ اس شخص نے کہا "یہ اپنی اپنی قسمت ہے"۔ سوار نے کہا "ایسی عقل کو آپ اپنے پاس ہی رکھیے جو آپ کو پیدل چلا رہی ہے۔ کہیں اس کا سایہ مجھ پر نہ پڑ جائے۔ مجھ کو میری بیوقوفی مبارک ہے جس نے مجھے گھوڑے پر سوار کر رکھا ہے۔ نتیجہ یہ کہ خوش قسمتی کا عقل سے کوئی تعلق نہیں ؎

اگر روزی موقوف ہو عقل پر تو نادان ہوتے یہاں تنگ تر

ولے رزق پہنچے یوں نادان کو کہ دانا کی واں عقل حیران ہو

حکایت:۔ ایک مجذوب مادرزاد ننگے رہا کرتے تھے۔ دو چار دنیا دار معتقد ہو گئے اور خدمت کرنے لگے۔ چند روز کے بعد ان سے کہا کہ میاں صاحب! برہنہ رہنا خلاف شرع ہے، لنگوٹی باندھ لو۔ خیر انہوں نے حسب درخواست لنگوٹی باندھ لی۔ اتفاقاً ایک دن لنگوٹی ناپاک ہو گئی، چوہوں نے لنگوٹی کتر ڈالی اور جسم کو زخمی کیا۔ صبح کو معتقدین آئے میاں صاحب کا حال دیکھا تو خیال آیا کہ بلی پالنی چاہیئے تاکہ موذی چوہوں کو کھا جائے۔ غرض ایک بلی لائے، دو چار روز اس کے واسطے دودھ لاتے رہے۔ ایک روز عرض کیا کہ میاں صاحب! اس روز کے بکھیڑے سے تو یہی بہتر ہے کہ ایک بکری لے آئیں۔ اس کے دودھ سے بلی پلتی رہے گی۔ غرض بکری بھی لا باندھی چند روز بکری کے واسطے چارہ لاتے رہے۔ اب روز کی خدمت کون کرتا۔ دنیا داروں کا اعتقاد گھڑی میں موم گھڑی میں فولاد۔ قہر درویش بر جان درویش۔ اب میاں صاحب خود جاتے اور جنگل سے بکری کا چارہ لاتے۔ ایک روز درخت پر چڑھ گئے کہ پتے توڑیں، پاؤں جو پھسلا نیچے گرے اور بازو ٹوٹ گیا۔ گھر جا کر مرہم پٹی کی۔ مریدان سست اعتقاد بھی جمع ہو کر عیادت کو آئے اور حال دریافت کیا۔ مجذوب نے لنگوٹی کھول کر ان کے منہ پر ماری کہ لو سارا اسی کا فساد ہے۔ خبردار جو آئندہ میرے پاس آئے۔ نتیجہ یہ کہ دنیا سے جس قدر زیادہ تعلق ہو گا اتنا ہی مبتلائے مصیبت ہو گے ؎

کہہ رہا ہے باغ میں ہر گل زبان حال سے مبتلائے خار غم رہتا ہے جو زردار ہے۔

حکایت:۔ سلیمان واہب کے ایام وزارت میں جو حاکم زیادہ خراج دینے کا وعدہ کرتا پہلے کو موقوف کر کے اس کو اس کی جگہ مقرر کر دیتا۔ ایک شخص، جو اپنے لطف طبع کے باعث مشہور تھا اس کی خدمت

ہیں حاضر ہوا اور کوئی ملازمت چاہی۔ وزیر نے اس کو ایک علاقے کا حاکم مقرر کر دیا۔ جس وقت کہ وزیر اس کو وداع کر رہا تھا تو اس نے عرض کیا کہ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، لیکن پوشیدہ کہوں گا۔ فرمایا کہو۔ اس نے وزیر کے کان میں کہا کہ "گھوڑا صرف جانے کے واسطے کرایہ کروں یا آنے کے واسطے بھی"؟ وزیر بے ساختہ ہنس پڑا اور یہ کلمہ سننے کے بعد پھر کسی کو معزول نہ کیا۔

حکایت:۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب تختِ خلافت پر متمکن ہوئے تو خواجہ حسن بصریؒ کو ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"میرے دوست! تو جانتا ہے کہ میں ایک بہت بڑے کام میں مبتلا ہوا ہوں، مجھ کو کچھ نصیحت کیجیئے اور اپنے ہم نشینانِ خدا دوست میں سے ایک کو میرے پاس بھیج دیجیئے تاکہ اس کی مصاحبت سے مجھے آسائش حاصل ہو سکے۔" جواب میں حضرت حسن بصریؒ نے لکھا "امیر المومنین کا نامہ مطالعے سے گزرا، اور جو اشارہ کہ اس میں کیا گیا تھا وہ سمجھ لیا۔ آپ نے جو فرمایا کہ اس کی مصاحبت سے آسائش حاصل کروں تو سمجھ لے کہ جیسا شخص کہ تجھ کو چاہیئے وہ تیرے نزدیک نہ آئے گا اور تجھ سے فارغ ہو گا۔ اور جو شخص کہ تیرے پاس آئے گا ایسے کی تجھے ضرورت نہیں ہے۔ اس کی مصاحبت سے تجھے کچھ آسائش و نفع حاصل نہ ہو گا۔ اور جو کہ نصیحت کے واسطے لکھا ہے تو جان لے کہ جو کوئی خدا سے ڈرتا ہے، تمام لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ اور جو کوئی خدا سے شرم رکھتا ہے، لوگ بھی اس سے شرم رکھتے ہیں۔ اور جو کوئی خدا کے حضور میں گناہوں پر دلیری کا اظہار کرتا ہے تمام لوگ اس پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ اور جو کوئی آج ایمن ہے۔ کل کو مخدوش ہو گا۔ اور جو آج مخدوش ہے کل کو مامون۔ اور جو کوئی اپنے آپ پر مغرور ہو گا وہ دنیا و آخرت میں معزول ہو گا۔ دنیا کی تمام نیکیوں کا نچوڑ صبر کرنا ہے اور صبر کا ثواب سب سے زیادہ۔ اپنے تمام کاموں میں خدائے عزوجل کی پناہ اور مدد طلب کر تاکہ تجھ کو مدد ملے اور اس پر توکل رکھ تاکہ تیرے کاموں میں تجھے کفایت کرے۔ جو کوئی آنکھ کو آزاد کرتا ہے کہ جو کچھ چاہے سو دیکھے اس کا اندوہ دراز ہو جاتا ہے۔ اور جو کوئی زبان کو رہا کر دیتا ہے کہ جو کچھ چاہے سو کہے، وہ گویا اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے۔ غالباً یہ مختصر کلمات تیری رہنمائی اور عمل کرنے کے لئے کافی ہیں"۔

حکایت:۔ ایک امیر آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اسی وقت ایک بیچارہ غریب و شکستہ حال بھی اس امیر کے برابر آ بیٹھا۔ وہ امیر اپنے کپڑے سمیٹ کر علیحدہ ہو گیا۔ بزرگ نے یہ تماشا دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مکان میں بیٹھے تھے۔ اوپر سے کچھ قطرے حضرتؑ کے کپڑوں پر گرے۔ دیکھا تو چھپکلی تھی۔ جناب باریؑ میں عرض کیا کہ خدایا اس کو کیوں پیدا کیا، یہ کس مرض کی دوا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے موسیٰ! یہ چھپکلی بھی ہر روز یہ سوال کیا کرتی ہے کہ خدایا! موسیٰؑ کو کیوں پیدا کیا ہے؟ اس سے کیا فائدہ ہے"؟ غرض یہ کہ ہر ایک ذی رُوح کے دل میں اوروں کی نسبت ایسے ہی خیالات جاگزیں ہیں۔

حکایت:۔ ایک گورُو مع اپنے چیلے کے شہر بیداد نگری میں پہنچے۔ وہاں تمام اشیائے خوردنی کا بھاؤ ٹکے سیر تھا

گورُو نے چیلے سے کہا کہ اس شہر سے جلد بھاگ چلو۔ کیونکہ یہاں حفظ مراتب کا کچھ لحاظ نہیں۔ چیلا بولا حضور یہاں تو سب چیزیں ارزاں ہیں۔ بڑے چین سے بسر ہوگی۔ گورو نے کہا خیر تمہاری خوشی ہمارا کام تو رہنمائی ہے۔ چیلے کو جو ٹکے سیر حلوا اور پوری ملا چند روز میں کھا پی کر خوب موٹا تازہ ہو گیا۔ اتفاقاً ایک چور زیور چرانے کے جرم میں عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ چور نے کہا حضور! میں قصور وار نہیں۔ اگر صاحب زیور ایسی عمدہ چیز کو اپنے گھر میں نہ رکھتا تو مجھے کیا پڑی تھی کہ میں نقب لگا کر اسے چرانے کی جرأت کرتا۔ چور بری ہو گیا۔ اور زیور والا مجرموں کی طرح عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس نے عدالت کا یہ رنگ اور چور کے بیانات کا نرالا ڈھنگ دیکھ کر عرض کیا کہ حضور اگر سُنار ایسا اچھا زیور نہ بناتا تو مجھے اس کے خریدنے کی زحمت ہی گوارا کیوں ہوتی۔ چنانچہ زیور والا بری کر دیا گیا اور سُنار کو پھانسی کا حکم سنایا گیا۔ سُنار نے بھی اس طرح کا استدلال پیش کر کے برأت حاصل کر لی۔ اسی طرح متعدد ملزموں کی پیشی کے بعد پھانسی کی سزا کا قرعۂ فال ایک ایسے شخص کے نام پڑا جو کوئی دلیل نہ دے سکتا تھا۔ اُسے تختۂ دار کے قریب لایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اتنا لاغر ہے کہ پھانسی کا پھندا اس کی گردن کو پکڑ نہیں سکتا۔ اس کی جگہ ایک موٹا تازہ سادھو پھانسی پر چڑھانے کے لئے لایا گیا۔ چیلے نے دہائی دی کہ صاحب میرا قصور کیا ہے؟ راجہ نے کہا قصور تو کچھ بھی نہیں لیکن تو خوب موٹا ہے۔ اس وقت گورُو پہنچے اور باہستگی چیلے سے کہا کہ اور کھائے ٹکے سیر کا حلوہ پوری۔ اب تجھ سے نہ کہا تھا کہ یہ شہر بیداد نگری ہے، یہاں سے بھاگ، تو نے نہ مانا۔ اب اپنے کئے کا بھگت۔ چیلے نے عاجزی کی کہ بس اب میری توبہ ہے کہ کبھی خلاف مرضی مبارک نہ کروں گا۔ گورو نے فرمایا کہ خیر اب میں یہ کہوں گا کہ پہلے مجھ کو پھانسی دے دو، تو کہنا کہ پہلے مجھ کو دے دو، دونوں نے مشورہ کر کے راجہ کے روبرو اپنا اشتیاق پھانسی کے لئے ظاہر کیا۔ راجہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ لوگ تو پھانسی کے نام سے ڈرتے ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ تم دونوں اس کی تمنا ایک دوسرے سے زیادہ کرتے ہو۔ گورُو جی نے کہا کہ خوش قسمتی سے آج وہ ساعت آئی ہے کہ اس میں جو کوئی پھانسی پائے گا سیدھا بیکنٹھ یعنی بہشت کو چلا جائے گا۔ راجہ نے یہ سُن کر کہا کہ یہ بات ہے تو پہلے ہم کو پھانسی دے دو۔ چنانچہ راجہ کو پھانسی لگی اور یہ دونوں بھاگ نکلے۔ نتیجہ یہ کہ حفظِ مراتب کا چھوڑنا اور آزادی و بیدادی کے ترنگوں سے خواہشوں کو تر و تازہ رکھنا موجب ہلاکت ہے۔ پس ہمیشہ بزرگوں کی ہدایت و رہنمائی کے موافق کار بند ہونا چاہیئے ؎

جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا کو
نصیحت سُن بزرگوں کی کہ جاں سے دوست رکھتے ہیں

حکایت: سکندر کی عالمگیری اور فتح مندی سے متاثر ہو کر ایک بادشاہ نے ازراہِ دور اندیشی یہ طریق کار اختیار کیا کہ باوجود سکندر سے بدرجہا زیادہ لشکر جرار رکھنے کے بغیر کسی قسم کی جنگ کے صلح کے لئے پیش قدمی کی۔ سکندر نے اس کی بے شمار فوج کو دیکھ کر کہا کہ اگر تو صلح کے لئے آیا ہے تو اس لشکرِ جرار اور فوجِ بے شمار کو ہمراہ لانے کا کیا مطلب؟ شاید کہ تیرے دل میں کچھ دغا ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ دغا شیوہ عاجزوں کا ہے۔ صاحب اقتدار کبھی دغا نہیں کرتے۔ یہ میرا اجزوی لشکر ہے جو دائیں بائیں میری رکاب میں رہتا ہے تاکہ تو سمجھے کہ میں عاجزی سے تیری اطاعت نہیں کرتا۔ لیکن تیرا اقبال بلند ہے۔ جو کوئی دولت خداداد سے لڑے گا سو گرے گا۔ اسی سبب سے میں تیرا

مطیع ہوا۔ سکندر نے کہا بیشک تو لائق احسان ہے۔ میں نے تجھے امان دی۔ اس بادشاہ نے تمام لشکر کو نہایت پر تکلف کھانا کھلایا اور ایک زردوزی خیمہ میں جہاں دیبائے منقش کا فرش بچھا ہوا تھا سکندر کو بٹھایا اور ایک بڑے خوانِ زریں میں بیش بہا جواہرات، لعل یاقوت، موتی، ہیرے، زمرّد بھر کر سکندر کے آگے رکھ دیا اور کہا کہ کھائیے سکندر نے کہا جواہرات انسان کی غذا نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ آپ کیا کھایا کرتے ہیں؟ کہا کہ یہی روٹی جو عام خلقت کھاتی ہے۔ اس بادشاہ نے کہا سخت تعجب ہے۔ کیا یہ روٹی تجھے اپنے ملک میں نہ ملتی تھی؟ کس لئے ناحق اس قدر رنج و مصیبت برداشت کرتا ہے اور اپنے ساتھ ہی بے شمار مخلوق خدا کو بھی مبتلائے مصیبت کر رکھا ہے سکندر نے تب ایک آہ کھینچ کر کہا کہ اس سفر میں مجھے اتنی نصیحت کا فائدہ ہوا کہ سب رموزِ دُنیا و آخرت اس سے علاقہ رکھتے ہیں ؎

گدارا کند دو درم سیم سیر سکندر ز نصفِ جہاں نیم سیر

حکایت:۔ ایک شخص نے گھر کے کاروبار اور مصارف سے تنگ ہو کر ارادہ کیا کہ ترکِ دنیا کرے۔ ایک بیوی تھی۔ اس بیچاری کو تنہا چھوڑ کر نکل گیا اور کسی فقیر کا چیلہ بنا گلے میں کفنی ڈال ہاتھ میں کاسہ لے دربدر بھیک مانگنی اختیار کی ایک دن پھرتا پھرتا اسی بستی میں آنکلا جہاں اس کی بیوی رہتی تھی۔ حسب عادت صدا کی۔ "بھلا ہو مائی کچھ بھیجو فقیر کو" مائی نے اس بے وفا کی آواز پہچان لی۔ جھانک کر دیکھا تو وہی ذات شریف ہیں۔ خیر ان کو چنگل بھر آٹا دیا اور کہا کہ "شاہ جی اگر ہمارا تمہارا میاں بیوی کا رشتہ تو قطع ہو گیا۔ لیکن لاؤ تمہاری روٹی تو پکا دیں" کہا اچھا۔ مگر آٹا دال، نمک مرچ اور لوٹا، توا، چولہا، کچھ لکڑیاں، سب ضروری اشیاء فقیر کی جھولی میں موجود ہیں۔ یہ سامان لو اور پکا دو تب اس عورت نے زور سے ایک دو ہتڑ ماری اور کہا کہ کم بخت سارا سامان دُنیا تو اپنے بغل میں مارے پھرتا ہے کیا جورو ہی دنیا ہوتی ہے کہ مجھ غریب کو چھوڑ کر تارک الدُنیا بن گیا ؎

چیست دُنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

من نمی گویم کہ مجنوں باش و در صحرا نشیں شہر ہم بد نیست لیکن فارغ از دنیا نشین

حکایت:۔ خلیفہ عبدالرحمٰن کے دربار میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے سرکاری زمین کا ایک ٹکڑا خریدا تھا۔ تعمیرِ مکان کے وقت اس کی کھدائی میں پچاس ہزار اشرفی برآمد ہوئی ہیں۔ چونکہ میں نے صرف زمین خریدی تھی، دفن شدہ مال نہیں خریدا۔ لہذا یہ دفینہ خزانۂ سرکار میں داخل کیا جائے۔ خلیفہ نے از راہ سیر چشمی و رعایا پروری اس کی دیانت داری کی تعریف کرنے کے بعد فرمایا "جب ہم زمین فروخت کر چکے تو جو کچھ اس کے اندر سے نکلے اس کے مستحق تم ہی ہو" لیکن وہ شخص باوجود اصرارِ خلیفہ اپنی بیان کردہ دلیل پر ہی قائم رہا۔ ناچار خلیفہ نے اس رقم خطیر کو خزانۂ شاہی میں داخل کر لیا اور اس شخص کی دیانت و امانت کا تمام سلطنت میں شہرہ ہو گیا۔

چند سال گزرنے کے بعد وہی شخص پچاس روپے کی چوری کے الزام میں گرفتار ہو کر خلیفہ کے روبرو پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے کہا "کیا وجہ ہے کہ تمہارے جیسا ایماندار شخص جس نے باوجود ہماری مخالفت و ممانعت کے اس قدر

رقم کثیر خزانۂ سرکاری میں داخل کر دی۔ اب اس رقم حقیر چرانے کے جرم کا مرتکب ہو گیا۔ اس شخص نے دست بستہ عرض کیا کہ "اس زمانے میں میں کافی مالدار تھا اور اس رقم خطیر کی ضرورت محسوس نہ کرتا تھا۔ لیکن اب چند سال سے مسلسل و متواتر نقصانات نے مجھے نان شبینہ کا محتاج کر دیا۔ میرے اہل و عیال دو روز سے مبتلائے فاقہ کشی تھے۔ ایسے سخت حالاتِ پیش آمدہ سے مجبور ہو کر میں اس جرم کا مرتکب ہوا ہوں۔ انسان کے ہر سانس میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ خیالات کی تبدیلی زیادہ وقفے کی محتاج نہیں ہوتی اور خیالات بھی حالات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ جوں جوں حالات تبدیل ہوتے جاتے ہیں، ویسے ہی وہ خیالات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ سرشت انسانی حالاتِ اسفل و اعلیٰ میں اپنی حاجات کے ماتحت ایسی ناگہانی تبدیلیوں کے لئے ہر وقت آمادہ رہتی ہے۔ میں اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہوں اور اس کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں"۔

خلیفہ نے فرمایا کہ " ایسے ہی غیر متوقع اور ناگہانی خطرات و حوادث کا خیال رکھتے ہوئے بنظرِ احتیاط و پیش بینی ہم نے وہ تمام رقم تمہارے ہی نام سے بطور امانت خزانۂ شاہی میں جمع کر رکھی ہے، جو اب تم کو واپس دی جاتی ہے۔ امید ہے کہ ایسے نامساعد حالات کی موجودگی میں اب تمہیں اس کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا"۔ چنانچہ وہ تمام رقم اس شخص کو دے دی گئی اور خلیفہ کے عدل و انصاف اور رحم دلی کی ہر شخص نے تعریف کی۔

حکایت:۔ ایک گیانی مہاتما چلتے چلتے کسی شہر میں آئے اور بیرون شہر ایک درخت کے نیچے دھونی رما دی۔ چند دن رہنے پر ایک سیٹھ صاحب کی عقیدت ہو گئی۔ چونکہ سادھو صرف ایک لنگوٹی باندھے، ننگے جسم اور ننگے پاؤں رہتے تھے، اس لئے سیٹھ نے ایک خوشنما جوتا سادھو کی بھینٹ کیا تاکہ زمین کی تپش اور کانٹوں سے پاؤں کا بچاؤ رہے۔ مہاتما مسکرا کر کہنے لگے کہ "سیٹھ جی! ہمیں جوتا لینے میں تو انکار نہیں۔ لیکن جوتا نہایت قیمتی خوشنما اور شاندار ہے۔ ننگے بدن کے ساتھ اس کی خوبصورتی میں دھبہ لگے گا۔ اس کے ساتھ تو اسی قسم کی بیش قیمت پوشاک بھی لازمی ہے"۔ سیٹھ نے کہا "ہمیں تو اس بات کی خوشی ہے کہ آپ کوئی حکم دیں اور یہ معمولی بات ہے پوشاک تیار ہو جائے گی"۔

مہاتما:۔ لیکن سیٹھ جی! اتنی قیمتی پوشاک اور خوشنما جوتے کے ساتھ ساتھ ہاتھ میں کوئی خوبصورت چھڑی نہ ہو تو لطف نہیں آتا۔

سیٹھ:۔ مہاتما جی! یہ درست ہے، چھڑی بھی لیجیے۔

مہاتما:۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ لیکن اگر کچھ دُور جانا پڑے تو اتنی زرق برق پوشاک میں پیدل چلنا خلاف شان ہے۔

سیٹھ:۔ تو کیا بات ہے، ایک نہایت اچھا اور خوبصورت گھوڑا مع زین دے دیا جائے گا۔

مہاتما:۔ بہت خوب! لیکن ایک اور بات ضروری ہے کہ کہیں باہر دُوسرے گاؤں جانے پر گھوڑے کی سیوا کون کرے گا؟

سیٹھ:۔ بے شک سوامی جی ایک نوکر ضرور چاہیے۔ میں اس کا بھی انتظام کر دوں گا۔

مہاتما:۔ لیکن نوکر کی تنخواہ، گھوڑے کا خرچ اور اس پوشاک کے پرانے ہو جانے کے بعد نئے کپڑوں کا انتظام اتنا خرچ کون برداشت کرے گا۔

سیٹھ:۔ سوامی جی! آپ کی کرپا سے میرے پاس پرماتما کا دیا بہت کچھ ہے۔ کچھ زمین آپ کے نام کر دوں گا آپ بآرام زندگی بسر کریں گے۔

مہاتما:۔ تو اس صورت میں شادی خانہ آبادی کی ضرورت بھی درپیش ہوگی۔

سیٹھ:۔ کیا پرواہ ہے، شادی بھی ہو جائے گی۔

مہاتما:۔ تو ضروری ہے کہ میرے بال بچوں کی پیدائش بھی ہو۔

سیٹھ:۔ ہاں اس میں کیا شک ہے۔

مہاتما:۔ لیکن یہ بتائیے کہ اگر کوئی بچہ مر جائے گا تو روئے گا کون؟

سیٹھ:۔ سوامی جی! رونا تو آپ ہی کو پڑے گا۔

مہاتما:۔ (ہنس کر) تو بھائی اتنے بڑے جنجال میں پھنسانے والا جوتا واپس ہی لے جاؤ۔ نہ یہ جوتا پاؤں میں پڑے، نہ اتنا دکھ ہو۔

نتیجہ یہ کہ تعلقات دنیوی کی زیادتی افزائش آلام کا موجب ہوتی ہے ؎

کارِ دُنیا کسے تمام نکرد　　　ہر چہ گیرید مختصر گیرید

حرصِ قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں　　　آنچہ ما در کار داریم اکثرش درکار نیست

حکایت:۔ موجد شطرنج کو بادشاہِ وقت نے اپنے دربار میں طلب کر کے اظہار خوشنودی کے بعد فرمایا "تمہاری اس دلچسپ کھیل کے لئے میں تمہیں منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہوں"۔ موجد شطرنج نے ازراہ کسرِ نفسی عرض کیا "حضور کی قدردانی و عزت افزائی اور خوشنودی ہی میرے لئے کافی انعام ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کسی انعام کی ضرورت نہیں"۔ بادشاہ کے اصرار پر آخر کار موجد نے کہا "شطرنج کے چونسٹھ خانے ہیں، اس کے پہلے خانے میں ایک چاول، دوسرے خانے میں پہلے خانے سے دُگنے اور تیسرے خانے میں دوسرے سے دُگنے۔ غرضیکہ ہر آئندہ خانے میں گزشتہ خانے سے دُگنے چاول۔ اسی طرح علیٰ ہذا الحساب چونسٹھ خانے چاولوں سے پُر کر دیئے جائیں شطرنج کے تمام خانوں کے چاول میرا انعام ہوں گے۔ بادشاہ نے اس بظاہر حقیر سے مطالبے کو اپنی توہین و تذلیل خیال کرتے ہوئے رنج و غصے کا اظہار فرمایا کہ اس قدر قلیل مطالبہ شایانِ شان شاہانہ نہیں۔ تم کسی بڑے سے بڑے انعام کا مطالبہ کرو۔ موجد نے عرض کیا کہ جس مطالبہ انعام کو آپ حقیر و قلیل خیال فرماتے ہیں، اس کو تمام روئے زمین کے خزانے بھی ادا نہیں کر سکتے۔

بادشاہ نے کہا کہ ان چونسٹھ خانوں کے چاولوں کی مجموعی مقدار دو چار سیر چاولوں سے زیادہ نہ ہوگ زیادہ سے زیادہ مبالغے کے ساتھ دس بیس سیر قیاس کی جا سکتی ہے۔ جس کو ایک غریب ترین آ

بآسانی دے سکتا ہے، روئے زمین کے تمام خزانوں کے ساتھ اس کی کیا نسبت ہے۔ موبد نے عرض کیا کہ حضور ذرا حساب تو پھیلا کر دیکھیں۔ چنانچہ محاسبان شاہی نے جب حساب لگایا تو چاولوں کا مجموعی وزن ۵......... من (پچھتر کھرب من) کے قریب نکلا۔ جو روپے دو سیر کے حساب سے ۱۵......... (پندرہ نیلم روپے) کے ہوئے جس کو واقعی تمام روئے زمین کے خزانے بھی نقد یا جنس کی صورت میں پورا نہیں کر سکتے، بادشاہ نے اس محیر العقول حساب کا نتیجہ سننے کے بعد فرمایا کہ تمہارا یہ حسن طلب تمہارے حسنِ ایجاد سے بھی زیادہ انعام کا مستحق ہے جو کسی بڑے سے بڑے دانا کے بھی وہم و قیاس میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنی شانِ شاہانہ کے مطابق موبد کو زر کثیر انعام میں مرحمت فرمایا۔

کمترین مولف نے نہایت صحت کے ساتھ خود یہ حساب پھیلایا ہے، ناظرین میں سے کسی کو شبہ ہو تو تھوڑی سی محنت کے ساتھ اس کی تصدیق کر لے۔ ہم نے رتی کا اندازہ چاولوں کے ساتھ تولا تو پانچ سالم بڑے چاولوں کی ایک رتی بنتی ہے، ورنہ عام طور پر حساب میں آٹھ چاول کی ایک رتی لکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا صحیح حساب پانچ چاول فی رتی کے وزن سے لگایا جائے۔ نیز واضح رہے کہ اسلام شطرنج یا اور کسی قسم کی لہو و لعب کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی انسانیت اس کا تقاضا کرتی ہے کہ ایسے کھیل میں قیمتی وقت کو بے کار کھویا جائے۔ صرف حساب کا عجوبہ ظاہر کرنے کے لئے یہ حکایت لکھی گئی ہے کہ جس کو دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ اور کوئی بڑے سے بڑا مبصر و محاسب بھی چاولوں کی اس تعداد کثیر کا یقینی اندازہ نہیں لگا سکتا تاوقتیکہ حساب پھیلا کر اس کی صحت کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔

حکایت: ایک بادشاہ کسی فقیر کی خدمت میں شاہی کھانا لے کر حاضر ہوا اور کھانے کی درخواست کی۔ فقیر نے ایک آئینہ منگوایا اور شاہی مرغن کھانے میں سے ایک لقمہ لے کر اس پر مل دیا۔ تمام آئینہ دھندلا پڑ گیا۔ پھر اس پر اپنی جو کی خشک روٹی مل دی تو آئینہ شفاف ہو گیا اور کہا آپ کے کھانے آئینہ دل کو سیاہ کرتے ہیں۔ لیکن نانِ جویں اسے جلا دیتی ہے۔ مجھے اس سے معاف کیا جائے۔" پھر بادشاہ نے کہا "میرے لائق کوئی کارِ خدمت ہو تو فرمائیں"۔ فقیر نے کہا "مکھیاں اور مچھر مجھے بہت دق کرتے ہیں، ان کو حکم دیجئے کہ مجھے نہ ستایا کریں"۔ بادشاہ نے کہا "میرے حکم سے تو یہ منع نہیں ہو سکتے"۔ فقیر نے کہا کہ "جب ایسے حقیر ترین جانور بھی آپ کی اطاعت سے منحرف ہیں اور آپ کو ان کے دفعیہ پر قدرت نہیں تو پھر میں اور کس چیز کے لئے آپ سے امداد طلب کروں"۔ بادشاہ لاجواب و مایوس ہو کر واپس آ گیا۔

حکایت: ایک دکاندار کا اس قول پر اعتقاد تھا کہ "کر بیے تو ڈریے، نہ کر بیے تو بھی ڈریے"۔ ایک بزاز جو اس کے قریب کی دکان میں تھا، وہ اس قول کے بالکل برخلاف تھا۔ اور اکثر ان دونوں کی اس بارے میں بحث ہوا کرتی تھی۔ ایک روز ایک شخص نہایت شاندار پوشاک پہنے، امیرانہ صورت بنائے اور اس کے ساتھ خدمت گار ایک بچے کو کندھے سے لگائے بزاز کی دکان پر آیا۔ بہت سا کپڑا خریدا اور بعد ازاں خدمت گار

کو مع بچّے دکان پر چھوڑ کر روپیہ لینے گھر آیا اور تمام کپڑا ساتھ لیتا آیا جو قریباً ایک ہزار روپے تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد نوکر نے اس بچے کو جو کندھے سے لگا ہُوا سوتا معلوم ہوتا تھا، بزاز کی دُکان پر لٹا کر کپڑا اڑھا دیا۔ اور آپ پانی پینے کے بہانے سے کافور ہو گیا۔ جب بہت عرصہ گزرا اور شام ہو گئی۔ نہ تو بچہ سوتا اُٹھا، نہ خدمت گار آیا اور نہ ہی آقا روپیہ لے کر پھرا۔ اس وقت بزاز کو فکر ہُوئی۔ اس نے بچے کو اُٹھایا تو مُردہ پایا۔ بزاز کے ہوش اڑ گئے۔ اسی فکر میں حواس باختہ بیٹھا تھا کہ اتنے میں وہ امیر اور خدمت گار آ گئے اور اُس لڑکے کو مُردہ دیکھ کر بہت گرمائے کہ تم نے لڑکے کو گلا گھونٹ کر مار دیا ہے۔ آخر بڑی منت سماجت کے بعد ایک ہزار روپیہ اور لے کر بعد مشکل ٹلے اور بزاز کو اس قول پر اعتقاد ہو گیا اور خدا کا خوف دل پر چھا گیا اور ایسی ناگہانی آفات سے اس کی پناہ مانگنے لگا کہ "کر بیٹے تو ڈریئے نہ کر بیٹے تو بھی ڈریئے"۔

حکایت:۔ ایک شہزادہ اپنی رعایا میں سے ایک غریب لڑکی کے حسن و جمال پر ایسا فریفتہ ہوا کہ کھانا پینا چھوڑ کر ہر وقت اس کے ہجر میں آہ و زاری کرتا۔ بادشاہ کو پتہ لگا تو نہایت رنج ہُوا۔ بایں خیال کہ عالمِ شہزادگی میں کیفیت ہے تو تخت نشین ہو کر بعالمِ خود مختاری خدا جانے کیا کیا ظلم کرے گا۔ چنانچہ وزیر باتدبیر سے اس کی اصلاح کے لیے صلاح و مشورہ کیا کہ شاید پند و نصیحت سے شہزادہ راہ راست پر آ جائے۔ وزیر نے بادشاہ کو تسلّی دے کر چند روز کی مہلت طلب کی۔ ایک دو روز کے بعد تمام حالاتِ متعلقہ سے واقفیت حاصل کر کے وزیر نے اپنی حکمت عملی اور زورِ زر سے لڑکی کے تمام کنبے کو اپنی ملازمتِ محلات میں لے لیا۔ اور لڑکی کو اپنی بیگم کی کنیزِ خاص مقرر کیا۔ دو چار دن گزرنے کے بعد وزیر نے ایک حکیم سے مشورہ کر کے کنیز لڑکی کے کھانے میں کوئی سخت اسہال آور دوا ملا دی جس کے نتیجے میں لڑکی کو اس کثرت کے ساتھ اسہال آئے کہ تمام مادۂ اندرونی خارج ہو کر مشت استخوان رہ گئی۔ حسبِ ہدایت وزیر اس کا تمام مادۂ غلاظت ایک ماٹ میں جمع ہوتا رہا۔ وزیر نے شہزادے سے نہایت رازدارانہ طریقہ پر بطور ہمدردی کہا کہ میرے ساتھ چل کر اپنی محبوبہ سے ملاقات کر لیں۔ شہزادہ اس غیر متوقع کامیابی سے خوش ہو کر وزیر کے محلات میں گیا۔ وزیر نے بیمار لڑکی کو اس کے پیش کر دیا۔ شہزادہ نے رنجیدہ ہو کر کہا کہ آپ میرے ساتھ تمسخر کرتے ہیں جو ایسی مکروہ، بدشکل بیمار اور کمزور لڑکی کو میری محبوبہ بتلاتے ہیں۔ وزیر نے حلفیہ کہا کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کے ہجر میں آپ اس قدر لاغر ہو رہے ہیں۔ شہزادے نے پوچھا وہ تو نہایت حسین و جمیل تھی۔ اس کا حُسن و جمال کہاں گیا؟ وزیر نے غلاظت بھرے ماٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا اس کا حُسن و جمال اس ماٹ میں بند کر رکھا ہے۔ شہزادے نے متعجب ہو کر ماٹ کو جو کھولا تو اس کے تعفن سے غشی کی سی حالت طاری ہو گئی۔ ہوش آنے پر وزیر نے کہا اس حسن کی اصلیت یہی ہے جس پر کہ آپ اس قدر فریفتہ تھے۔ چنانچہ شہزادہ اس تمام واقعہ کی حقیقت سے باخبر ہو کر آئندہ اس قسم کی بیجا اور ناجائز حسن پرستی سے تائب ہو گیا۔ انسان کو چاہیے کہ حسن ظاہری پر فریفتہ نہ ہو۔ کیونکہ اس کی اصل سراسر غلاظت کی پوٹ ہے ؎

روغنی ہے ظرفِ انسانی بظاہر، دراصل ہم کو ہے معلوم جو کچھ اس کی آب و گل میں ہے

اسی طرح ایک شہزادہ اپنے محلات کی کسی کنیز پر فریفتہ ہو گئے۔ شہزادہ کے زیادہ اصرار پر اس عصمت مجسم کنیز نے بظاہر رضامندی کے طور پر دریافت کیا کہ آپ کو میرے حسن میں سے سب سے زیادہ کونسی چیز پسند ہے؟ شہزادے نے کہا اگرچہ تم سرتاپا تصویر حسن ہو۔ لیکن تمام اعضائے جسمانی میں سے مجھے تمہاری آنکھیں سب سے زیادہ پسندِ خاطر ہیں۔ یہ سنتے ہی لونڈی اندر گئی اور چھری سے دونوں آنکھیں نکال ایک طشت میں رکھ کر باداب کنیزانہ شہزادے کے پیش کر دیں۔ اور آنکھوں جیسی نعمتِ بیش بہا سے ہمیشہ کے لئے محروم رہ کر اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ شہزادہ پر اس غیر متوقع اور اس قدر جرأت مندانہ اقدام کا ایسا زبردست اثر ہوا کہ آئندہ کے لیے وہ ایسے گناہِ عظیم سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو گیا۔

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

واضح رہے کہ جسم انسانی کے اجزائے ترکیبی یعنی چربی، فاسفورس، سوڈا، نشاستہ، شکر، پانی اور ہڈیوں وغیرہ کو فروخت کیا جائے تو ان کی مجموعی قیمت روپیہ، سوا روپیہ سے زاید نہیں ہوتی۔ انہی اجزاء کا ظہورِ ترتیب زندگی اور انتشار موت ہے۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

حکایت:۔ خلیفہ الحکم بن خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کو اپنا محل بنوانا تھا۔ اتفاق سے جو زمین پسند کی گئی اُس میں ایک غریب بیوہ کا جھونپڑا آتا تھا۔ اس بیوہ کو کہا گیا کہ یہ زمین قیمتاً دے دے۔ مگر اُس نے انکار کیا۔ خلیفہ نے زبردستی اس زمین پر قبضہ کر کے محل بنوا لیا۔ اس بیوہ نے قاضی کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی۔ قاضی نے اسے تسلی دے کر کہا کہ اس وقت تم جاؤ۔ میں کسی مناسب موقع پر تیر انصاف کرنے کی کوشش کروں گا۔

خلیفہ الحکم جب پہلے پہل محل اور باغ ملاحظہ کرنے گیا۔ تو اُسی وقت قاضی بھی وہاں خود ایک گدھا اور ایک خالی بوری لے کر گیا۔ اور خلیفہ سے وہاں سے مٹی لینے کی اجازت چاہی۔ اجازت دے دی گئی۔ قاضی نے اس بورے میں مٹی بھر کر عرض کی کہ مہربانی فرما کر اس بورے کے اٹھانے میں اس کی مدد کی جائے۔ خلیفہ نے اسے ایک مذاق سمجھا اور بورے میں ہاتھ لگا کر اٹھانے کی کوشش کی۔ چونکہ وزن زیادہ تھا۔ خلیفہ سے ذرا بھی نہ اٹھا۔ اس وقت قاضی نے کہا "اے خلیفہ! جب تو اتنا سا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں تو قیامت کے دن جب ہم سب کا مالک انصاف کرنے کے لئے عرش پر جلوہ افروز ہو گا اور جس وقت وہ غریب بیوہ جس کی زمین تو نے بزور لے لی ہے اپنے پروردگار سے انصاف کی خواہاں ہو گی تو اس تمام زمین کے بوجھ کو کس طرح اٹھا سکے گا؟" خلیفہ اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور فوراً اس محل کو مع تمام چیزوں کے اس ضعیفہ کو عطا کر دیا۔ شاہ سلیوکس کا قول ہے کہ جو شخص عصائے شاہی کے وزن کو جانتا ہے۔ اگر وہ اس کے سامنے بھی پڑا ہو تو اس کے اٹھانے کے لئے نہ جھکے گا۔ جب ہم کو خود اپنی ذات پر حکومت کرنا دشوار ہے تو پھر اوروں پر حکومت کرنی

کیوں نہ مشکل ہوگی۔

حکایت:۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد خلافت میں اس کے لشکر کو مالِ غنیمت میں بہت سا مُشک ہاتھ آیا اور خلیفہ کے سامنے تقسیم کیا جانے لگا۔ خلیفہ نے ناک پر ہاتھ رکھ راہ گزارِ مشام مسدُود کر دیے۔ لوگوں نے کہا یا امیرالمؤمنین! اس کا کیا باعث ہے؟ فرمایا "مسلمانوں کے مال میں میرا کوئی حق نہیں ہے اور بُوئے مُشک اس کے منافع سے ہے۔ جب اس کی بُو میرے مشام میں پہنچے گی تو گویا دُوسرں کے مال میں سے ناحق منافع اُٹھا جس کی جواب دہی قیامت کو مشکل ہوگی"۔

کہتے ہیں کہ بیت المال کے میوہ جات میں سے ایک روز سیب اس کے رُو برُو تقسیم کئے جا رہے تھے۔ ناگاہ خلیفہ کے ولی عہد خُرد سال نے ہاتھ لمبا کر کے ایک سیب ان میں سے اٹھا لیا اور کھانے لگا۔ امیرالمؤمنین نے وہ سیب اُس کے مُنہ میں سے ایسے غُصّے کے ساتھ جھٹکا دے کر چھڑا لیا کہ اس کا مُنہ زخمی ہو گیا۔ بچہ روتا روتا اپنی ماں کے پاس آیا۔ ماں نے بازار سے سیب منگوا کر بچے کو دے دیا۔ جب عمرؒ بن عبدالعزیز حرم میں آیا، بچے کے ہاتھ میں سیب دیکھا اور کہا "یہ کہاں سے آیا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کے بیت المال سے لایا گیا ہو"۔ عورت نے اظہار رنج کیا کہ ایک ناچیز سیب کی خاطر میرے بچّے کا منہ زخمی کر دیا۔ فرمایا "تو سچ کہتی ہے۔ لیکن میرے لیئے یہ حرکت دشوار ہو گئی۔ روا نہ سمجھا کہ ایک سیب کی خاطر ثواب عدل سے محروم ہو جاؤں اور میرا نام نیکوکاروں کی فہرست سے قلم زن کر دیا جائے"۔

حکایت:۔ ایک مولوی صاحب برسات کے زمانے میں اپنے وطن کو جا رہے تھے۔ راستے میں دریا پڑتا تھا۔ کشتی میں سوار ہُوئے۔ جب کشتی چھوڑی گئی تو مولوی صاحب نے ملّاح سے کہا کہ بھائی ملّاح! تُو نے کچھ پڑھا بھی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا تُو نے اپنی آدھی عُمر برباد کی۔ تھوڑی دیر کے بعد کشتی گرداب دریا میں آ گئی۔ ملّاح نے مولوی صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب! کشتی ڈُوبتی ہے تم کو تیرنا بھی آتا ہے؟ مولوی صاحب نے انکار کیا۔ ملّاح نے کہا مولوی صاحب! آپ نے پوُری عمر برباد کی۔ غرض یُوں توُں کر کے کشتی پار ہُوئی۔ ملّاح نے کہا مولوی صاحب! ہر ایک آدمی کو خداوند کریم نے ایک ایسی چیز عطا فرمائی ہے جو دُوسرے کے پاس نہیں ہے اپنے اپنے کام میں ہر شخص ولی اور مولوی ہے۔ پس جس طرح مولوی ملّاح نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ملّاح مولوی نہیں بن سکتا۔ ہر ایک شخص کو خدا نے خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے ؎

کوئی شے ایسی نہیں عالم میں جو بے کار ہے　　سنگ بھی موقع پہ اپنے گوہر شاہوار ہے

ہر کسے را بہر کارے ساختند　　میل آں اندر دلش انداختند

اندریں رہ جزو و کل محتاج یک دیگر شدند　　عنکبوتے می شود پیغمبرے را پردہ دار

حکایت:۔ ایک فقیر رند مشرب حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور کہا مولوی بابا شراب پلوا۔ شاہ صاحب نے ایک روپیہ اُس کی نذر کیا اور فرمایا کہ جو چاہو سو کھاؤ پیو۔ تم کو اختیار ہے

وہ بولا کہ ہم نے آپ کا بڑا نام سنا تھا۔ لیکن آپ تو قید میں ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ کیا آپ قید میں نہیں ہیں؟ کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا اگر کسی روش کے مقید نہیں ہو تو آج غسل کرو اور جبہ پہن اور عمامہ باندھ کر مسجد میں چلو اور نماز پڑھو۔ ورنہ جیسے تم رندی کی قید میں مبتلا ہو۔ اسی طرح ہم شریعت غرّا کی قید میں پابند ہیں۔ تمہاری آزادی ایک خیال خام ہے۔ یہ سن کر وُہ چپ ہو گیا اور شاہ صاحب کے قدم پکڑے کہ درحقیقت ہمارا خیال غلط تھا جو آزادی کا دم بھرتے تھے اور آئندہ کے لئے مشرب رندانہ سے تائب ہو گیا ؎

کہ کرد قطع تعلق کدام شد آزاد ۔ بُریدۂ زہمہ باخدا پیوست

حکایت:۔ حضرت جنید بغدادیؒ فنون سپہ گری میں یکتائے زمانہ تھے۔ خصوصاً پہلوانی میں بڑے نامی و گرامی۔ ایک بار ایک شخص آیا اور بادشاہ سے کہا "میں تمہارے پہلوان سے لڑوں گا۔ بادشاہ نے کہا "ہمارا پہلوان بہت زبردست ہے۔ تم دُبلے پتلے آدمی بھلا اُس سے کیا لڑو گے"؟ مگر اس شخص نے نہ مانا اور بہت اصرار کیا۔ آخر دنگل ہُوا جب حضرت جنیدؒ خم ٹھونک کر مقابل ہُوئے اور دونوں کی پکڑ ہونے لگی تو اس شخص نے چپکے سے ان کے کان میں کہا کہ میں سید ہُوں۔ محتاج ہُوں۔ آئندہ تمُ کو اختیار ہے۔ حضرت جنیدؒ لڑتے لڑتے گر پڑے۔ جب تو بڑا شور و غل ہوا۔ بادشاہ نے نہ مانا۔ دوبارہ کشتی کرائی۔ پھر گرے۔ تیسری بار کشتی ہُوئی۔ پھر چاروں شانے چت۔ آخر بادشاہ نے اسے انعام دیا اور حضرت جنیدؒ کو بلا کر پُوچھا کہ سچ کہو یہ کیا بات تھی؟ آپ نے اصلی حال بیان کر دیا بادشاہ بہت متعجب ہُوا کہ مجمع عام میں اپنی ذلت اور سید کی عزت گوارا کی۔ فی الحقیقت یہ بڑی پہلوانی اور بہادری تھی۔ اُسی شب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جنیدؒ نے خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں "شاباش اے جنیدؒ! تو نے ہماری اولاد کے ساتھ سلوک کیا ہے، ہم بھی تیرے ساتھ سلوک کریں گے"۔ دُوسرے روز شاہی ملازمت ترک کی اور فقراء کی جستجو میں پھرنے لگے۔ آخر اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ سے بیعت ہُوئے۔

حکایت:۔ ایک ہندو عورت آٹے کا ٹھاکر بنا کر پُوجا کرتی تھی۔ کتا آیا اور ٹھاکر کو اٹھا کر بھاگ گیا۔ عورت چلاتی رہ گئی۔ آخر کہنے لگی اے مہاراج! تم بڑے ہی دیا دان اور رحم دل ہو کہ کتے کو بھی نہ دُھتکارا۔ غرضیکہ ہر شخص اپنے اپنے اعتقاد میں خوش ہے۔ پیر ما خس است۔ ما را ہمیں بس است

حقیقت آج تک بت کی نہیں معلوم زاہد کو ۔ خدا کی شان اس پر دعوئ ایزد پرستی ہے

حکایت:۔ بخت نصر بادشاہ ابتداء میں نہایت نیک بخت و صالح تھا۔ حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام کی نہایت اطاعت کرتا تھا۔ اتفاقاً اس نے ایک عورت سے نکاح جس کے ہمراہ ایک لڑکی نہایت حسینہ و جمیلہ پہلے شوہر سے تھی۔ جب وہ لڑکی سن بلوغ کو پہنچی تو بادشاہ اس کی بہارِ حُسن دیکھ کر فریفتہ و دیوانہ ہو گیا۔ اس کی ماں کو پیغام دیا۔ وہ بہت خوش ہُوئی۔ مگر دل میں اندیشہ کیا کہ بادشاہ پیغمبروں کا مطیع فرمان ہے۔ اور یہ نکاح پیغمبران خدا کی شریعت کے خلاف ہے۔ وہ کاہے کو اس کام کی اجازت دیں گے۔ اس لئے بادشاہ سے کہا کہ تم اس کا مہر ادا نہ کر سکو گے۔ اس نے دریافت کیا کہ ایسا کتنا مہر ہے، جو کچھ کہو میں دُوں گا۔ عورت نے کہا اس کا مہر

تمہارے دونوں پیغمبروں کا سر ہے۔ اگر تم یہ مہر ادا کر سکو تو لڑکی حاضر ہے۔ ورنہ اس کا نام مت لو۔ بادشاہ نے کہا یہ بیچارے دو مسکین، خدا کے دوست بیت المقدس کے مجاور ہیں۔ کسی کام میں دخل نہیں دیتے بلکہ ہمارے خیر خواہ اور دعا گو ہیں۔ ان کو بے جرم و گناہ قتل کرنا ظلم عظیم ہے۔ اس کے سوا کچھ مانگو، جو مہر کہو مجھے منظور ہے۔ اس نے کہا اس کے سوا کوئی مہر نہیں ہے۔ بادشاہ نے ہوائے نفسانی سے مغلوب ہو کر فوج کو حکم دیا کہ دونوں بے گناہوں کا سر کاٹ لاؤ۔ حکم کے بموجب سپاہیوں نے جا کر اوّل حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بیت المقدس میں قتل کیا اور حضرت زکریاؑ یہ حال دیکھ کر جنگل کی طرف بھاگ نکلے۔ فوج پیچھے ہوئی اور شیطان نے ان کی رہنمائی کی۔ جب سپاہیوں نے آدبایا اور گھیر لیا تو حضرت زکریاؑ نے ایک درخت سے التجا کی کہ تو مجھ کو اس وقت پناہ دے۔ وہ درخت پھٹ گیا۔ یہ اس کے اندر سما گئے۔ وہ پھر بند ہو گیا۔ لیکن قدرے کپڑا باہر رہ گیا۔ فوج متحیر ہوئی کہ کہاں غائب ہو گئے۔ شیطان نے نشان دیا کہ اس درخت کے اندر ہیں اور یہ کپڑا ان کے موجود ہونے کی علامت ہے۔ پھر شیطان نے آرہ کی ترکیب بتلائی۔ درخت چیرا گیا۔ جب نوبت آرہ کی سر تک پہنچی تو حضرت نے سسکی بھری۔ حکم الٰہی نازل ہوا "اگر اُف کرو گے تو پیغمبری سے خارج کر دیئے جاؤ گے۔ تم نے غیر سے کیوں پناہ مانگی۔ اگر ہم سے التجا کرتے تو کیا ہم پناہ نہیں دے سکتے تھے؟ اب اس کا مزہ چکھو اور چپ چاپ سر پر آرہ چلنے دو۔" غرضیکہ سر سے پاؤں تک جسم چیرا گیا اور حضرت زکریاؑ بھی مر گئے۔ جب دونوں پیغمبر اس بیدردی سے قتل ہوئے، تو غضب الٰہی نازل ہوا۔ دن تاریک ہو گیا۔ ایک بادشاہ بخت نصر خونخوار لے کر چڑھا اور اس شہر کے باشندوں کو گرفتار کر لیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خون بند نہ ہوتا تھا۔ جب قبر میں رکھتے تھے تو قبر خون سے لبریز ہو جاتی تھی۔ بادشاہ لشکر نے قسم کھائی کہ جب تک خون بند نہ ہو گا میں قتل سے باز نہ رہوں گا۔ ہزارہا آدمی تہ تیغ کر دیے۔ لیکن خون بند نہ ہوا۔ اس وقت ایک شخص حضرت یحییٰ علیہ السلام کی لاش پر آیا اور کہا کہ تم پیغمبر ہو یا ظالم؟ ایک خون کے بدلے میں ہزارہا آدمی قتل ہو چکے۔ اب کیا سارے جہان کو قتل کراؤ گے؟ اتنا کہنا تھا کہ خون بند ہو گیا۔ جامع دمشق میں حضرت کی قبر ہے۔ غرض اس بیان سے یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی سے استعانت نہ چاہیے ؎

ناخدائے ما خدا و کارسازِ ما خدا است ‏ ‏ ‏ دیگراں را ناز بر خود ہست و نازِ ما خدا ست

حکایت:۔ حجاج نے ایک دن خطبہ پڑھا اور بہت لمبا کر دیا۔ تو لوگوں میں سے ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ اے حجاج نماز پڑھو کیونکہ وقت انتظار نہیں کرے گا۔ اور خدا تجھے معذور نہیں رکھے گا۔ اس پر حجاج نے اسے قید کرنے کا حکم دے دیا۔ اس قیدی کی قوم کے لوگ حجاج کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ وہ دیوانہ ہے اور درخواست کی کہ وہ اس قیدی کو چھوڑ دے۔ حجاج نے کہا کہ اگر وہ دیوانگی کا اقرار کرے گا تو میں اُسے چھوڑ دوں گا۔ پس اُس قیدی سے اس بارے میں کہا گیا کہ کہہ دو کہ میں دیوانہ ہوں سائل نے کہا معاذ اللہ میں تو ہرگز نہ کہوں گا کہ خدا نے مجھے کسی مرض میں مبتلا کیا ہے۔ حالانکہ اس نے مجھے تندرستی عطا کی ہے۔ آخر یہ بات حجاج کو پہنچی۔ اس نے اُسے اُس کی راستی کے باعث معاف کر دیا۔ غرض یہ کہ تجھے صدق لازم پکڑنا چاہئے اگرچہ

وُہ تجھے وعید کی آگ سے جلا دے اور خُدا تعالیٰ کی رضامندی طلب کر۔ کیونکہ سب لوگوں سے زیادہ بے وقُوف وُہ شخص ہے جس نے خدُا کو خفا اور لوگوں کو راضی کیا۔

حکایت:۔ ایک بادشاہ نے اپنا ایلچی ایک دُوسرے بادشاہ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ اس سلطنت کی ترقی کے اسباب و وسائل پر غور کر کے اپنے ملک میں بھی انہی قوانین کو ترویج دے۔ ایلچی نے بادشاہ کے پاس پہنچ کر اپنے آنے کی غرض و غایت بیان۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں کہ چراغ میں تیل ختم ہو گیا۔ بادشاہ خُود اپنے ہاتھ سے چراغ میں تیل ڈالنے لگ گیا۔ ایلچی نے کہا کہ غلام کو کیوں نہیں کہہ دیتے۔ بادشاہ نے کہا اس کی آنکھ لگ گئی ہے اور ابھی اس کی نیند کچی ہے۔ اس وقت جگانا مناسب نہیں۔ میری سلطنت کی ترقی کا تمام راز رعایا کی اسی طرح دل جوئی کرنے میں ہے۔ آپ کا بادشاہ بھی اسی فروتنی اور دل جوئی کو اختیار کرے تو سلطنت خُود بخُود ترقی پذیر ہو سکتی ہے ؎

شیخ کعبہ میں خدُا کو تو عبث ڈھونڈے ہے — طالب اس کا ہے تو ہر ایک کی کر دل جوئی
عمارات جہاں کی پائداری پر تو اُے منعم — نظر سے مت گرا دینا کسی کے دل کے کونے کو

حکایت:۔ عظیم آباد میں ایک عورت بہت چھوٹی عُمر میں بیوہ ہو گئی۔ اس نے ہمیشہ روزہ رکھنا اور ہر وقت عبادت کرنا اپنا معمول قرار دے لیا۔ گویا حقیقی معنوں میں صائم النہار اور قائم اللیل بن گئی۔ روزہ افطار کرتے وقت شام کو سُوکھی روٹی یا گیہوں کا چوکر کھانا اختیار کیا اور شب و روز تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتی۔ اسی حالت میں وہ بوڑھی ہو گئی۔ سینکڑوں عورتیں اس کی نفس کشی اور سچی پارسائی کو دیکھ کر مُرید ہو گئیں۔ مرتے وقت اس نے سبھوں کو بلا کر پُوچھا کہ میں نے کیسی پاک دامنی، پارسائی اور عزت و حُرمت سے اپنی زندگی کاٹی۔ سبھوں نے کہا کہ ایسا ہونا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ کبھی کسی مرد کا مُنہ تک نہ دیکھا۔ ساری عمر رُوزہ رکھا سُوکھی روٹی کھائی یا چوکر پی کر گزارہ کیا اور شب و روز مصروف تلاوت و مشغول عبادت رہیں۔ وہ بولی اب میرے دل کا حال سنو کہ جوانی سے بڑھاپے تک رات کو قرآن کی تلاوت کرتے وقت کبھی میرے کان میں چوکیدار کی آواز آتی تو دل چاہتا کہ کسی طرح اس کے پاس چلی جاؤں۔ لیکن خُدا کے خوف اور دُنیا کی شرم سے بچتی رہی۔ اب میرا آخری وقت ہے۔ میں تم سبھوں کو نصیحت کرتی ہوں کہ کبھی جوان عورت بیوہ کو بے نکاح نہ رکھنا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ عورت کیسی ہی نیک بخت، پرہیز گار ہو اور کیسا ہی رُوکھا سُوکھا کھانا کھائے۔ لیکن بتقاضائے فطرت مرد کی خواہش اس کے دل میں ضرور ہوتی ہے۔ اسی طرح مرد کو بھی عورت کی حاجت ہے۔ حتیٰ کہ حیوانات، چرند و پرند بھی اس سے محفوظ نہیں ؎ دوہا ہندی

گھاس پھوس جو کھاوت ہیں، اُن کو ستائے کام — سیر اَن جو کھاوت ہیں ان کی راکھے رام!

حکایت:۔ ایک نوجوان مصوّر نے اپنا کمال فن ظاہر کرنے کی غرض سے ایک تصویر نہایت محنت اور کوشش کے ساتھ کافی عرصہ لگا کر تیار کی۔ اور ایک بارونق بازار کے چوک میں اس تصویر کو ایک تختہ پر

آویزاں کر دیا۔ جس کے نیچے یہ عبارت لکھی :۔

" اس تصویر میں جہاں کہیں نقص ہو' وہاں پنسل سے نشان کر دیا جائے"۔

نوجوان کو اپنے کمال فن پر بہت ناز تھا۔ اور خیال تھا کہ تصویر پر ایک بھی پنسل کا نشان نہ ہوگا۔ لیکن نوجوان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے شام کو جا کر دیکھا کہ تمام تصویر پنسل کے نشانوں کے نیچے اپنی موجودگی کو بھی مشتبہ بنا رہی ہے۔ نوجوان نہایت افسردہ خاطر اور مایوس ہوا۔ اس کے باپ نے افسردگی کا باعث پوچھا۔ اس نے سب ماجرا اپنی شکستہ دلی کا کہہ سنایا۔ باپ نے کہا کہ ایک تصویر اسی طرح کی اور تیار کرو۔ نوجوان نے پھر اسی طرح کافی محنت اور وقت خرچ کر کے تصویر تیار کی اور باپ کے روبرو پیش کی۔ باپ نے اس کے نیچے لکھ دیا :۔

" اس تصویر میں جہاں کہیں نقص ہو درست کر دیا جائے"۔

اور اسی جگہ وہ تصویر لٹکا دی گئی۔ شام کو اس نوجوان نے تصویر پر ایک بھی پنسل کا نشان نہ دیکھا تو بہت خوش ہوا اور باپ کو بھی یہ واقعہ بتایا۔ باپ نے کہا :۔

"عیب نکالنا اور الزام دینا تو آسان ہے۔ مگر اس سے بہتر کر کے دکھانا مشکل ہے" ؎

اپنی ہی عیب جوئی یہ ہے ہنر ہمارا | اوروں کی عیب جوئی ہم کو نہیں گوارا
عیوب اکثر ہنر میں ڈھونڈتے ہیں | امیر اہل حسد ہیں کب ہنر بیں

حکایت :۔ حضرت بلھے شاہ قصوریؒ نے بڑی کوششوں اور سخت تکالیف برداشت کرنے کے بعد بہت مشکل سے اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عنایتؒ کی ناراضگی رفع کر کے دوبارہ ان کی خوشنودی حاصل کی اور اس غیر متوقع خوشی کی تقریب میں انہوں نے اپنی منت اتارنے کے لئے اظہارِ خوشی کے طور پر کافی مقدار مٹھائی کی تقسیم کرنے کے لئے منگوائی اور حضرت شاہ عنایتؒ سے اس کے تقسیم کرنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ حضرت بلھے شاہ جب مٹھائی تقسیم کرنے کے لئے اٹھے تو دریافت کیا۔ "یا پیر و مرشد خدائی تقسیم عمل میں لائی جائے یا محمدی"؟ شاہ عنایتؒ اس عجیب سوال کو سن کر جواب دینے میں کچھ متامل و متوقف ہوئے۔ آخر دانا بزرگ تھے۔ فرمایا "تکریم و تقدیم تو ذات خداوندی ہی کو ہے۔ لہٰذا خدائی تقسیم ہی عمل میں لانا بہتر ہے"۔ مٹھائی لینے کے لئے بچے، بوڑھے اور جوان جمع ہو گئے۔ حضرت بلھے شاہ نے اس مجمع کثیر میں بغیر کسی امتیاز کے صرف چند ایک بچوں اور بوڑھوں کو وہ تمام مٹھائی تقسیم کر دی۔ اور باقی لوگوں کو رخصت ہونے کے لئے کہہ دیا۔ یہ شکایت حضرت شاہ عنایتؒ کے پاس پہنچی۔ آپ نے اس غلط اور نامکمل تقسیم کا باعث دریافت فرمایا تو بلھے شاہ نے کہا کہ خود حضور ہی نے خدائی تقسیم کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ سو خدائی تقسیم تو اسی طرح کی ہے جیسا کہ میں نے کی الٰہی۔ اگر آپ محمدی تقسیم کی اجازت بخشتے تو مساوات اسلامی کو مد نظر رکھتے ہوئے جو کہ اصولِ اسلام کا توحید و رسالت کے عقیدے کے بعد سب سے زیادہ قابل قدر زریں اصول ہے سب کو بحصہ رسدی

مساوی تقسیم کر دیتا۔" حضرت شاہ عنایتؒ نے فرمایا کہ ایک ناراضگی سے تم کو خلاصی حاصل کیے ہوئے ابھی دیر نہیں ہوئی۔ لیکن یہ بات کہہ کر تم نے دوسری ناراضگی کا سبب پیدا کر لیا۔ آئندہ کے لئے یاد رکھو کہ اگرچہ بظاہر دُنیا کے تمام معاملات میں یہی تقسیم کارفرما نظر آ رہی ہے۔ لیکن مصلحتِ خداوندی میں کسی کو چُون وچرا کرنے اور دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہماری فہمِ ناقص بحرِ حکمت و مصلحت کی گہرائیوں تک پہنچنا تو درکنار سطح تک پہنچنے کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ آئندہ ایسے معاملات میں ہرگز لب کشائی نہ کیجیو ؎

جہاندار داند جہاں داشتن یکے را بریدن یکے کاشتن

نہ با آنست مہر و نہ با اینست کیں تُو دانا تری اے جہاں آفریں

حکایت: ۔ ایک شخص جنگل میں بھیڑوں کو اکیلے چرتا ہُوا چھوڑ کر خُود کسی کام کے واسطے شہر میں آ گیا جہاں اتفاق سے بڑا بھائی اُس کو مل گیا۔ اس نے دریافت کیا کہ جنگل میں بھیڑوں کو کس کے حوالے کر کے آئے ہو؟ اس نے کہا توکل بر خدا چھوڑ آیا ہوں۔ بڑے بھائی نے کہا کہ تم نے یہ سخت غلطی کی۔ چھوٹے بھائی نے کہا کہ خُدا کے توکل پر بھیڑوں کے چھوڑ آنے کو غلطی بتلانا سخت بے ادبی ہے۔ ایسا مت کہو۔ بڑے بھائی نے کہا کہ کمبخت اگر بھیڑیں خدا کے توکل پر چھوڑ آیا ہے تو بھیڑیئے بھی تو خُدا کے توکل ہی پر پھر رہے ہیں۔ تم نے توکل کے مفہُوم کو نہایت غلط طور پر استعمال کیا ہے۔ توکل اختیار کرنے وقت رسُولِ خدا کے فرمان کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ اونٹ کو اکیلا چرنے کے لئے گھٹنا باندھ کر توکل پر چھوڑو اور ایسے موقعوں پر ممکن العمل تدابیر سے درگزر نہ کرو ؎

گفت پیغمبر بآوازِ بلند با توکل زانوے اُشتر ببند

حکایت: ۔ سُلطان محمُود کے پاس ایک جامِ بیش بہا تھا۔ اراکینِ دولت کو حکم دیا کہ اس کو توڑ دو۔ سب نے عُذر کیا کہ حضور ایسی نایاب چیز کو توڑنا مناسب نہیں۔ آخر ایازؔ کو اشارہ کیا۔ اُس نے بے تامل چُور چُور کر دیا اہل دربار نے اُس کو ملامت کی کہ آہ! ایسی جنسِ عزیز تُو نے ضائع کر دی۔ ایاز نے جواب دیا کہ تم نے پیالے کی نایابی کو مدنظر رکھا، اور میں فرمانِ شاہ کا بندہ ہوں۔ بادشاہ نے بھی مصنوعی ناراضگی سے اُس سے پُوچھا کہ تم نے کیوں پیالہ توڑا؟ جبکہ تمام اہل دربار اس کے توڑنے میں متامل تھے۔ ایاز نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور قصور ہو گیا معاف فرمائیں۔ بادشاہ نے اہل دربار سے مُخاطب ہو کر کہا کہ اس قسم کی فرمانبرداری ہی نے اس کو دلداری کا رتبہ دیا ہے جس کا کہ تم سب رشک و حسد کرتے ہو ؎

گناہ گرچہ نبود اختیارِ ما حافظؔ تُو در طریقِ ادب کوش و گو گناہ زمن است

حکایت: ۔ روایت ہے کہ چین کا ایک بادشاہِ عادل اتفاقاً بہرا ہو گیا۔ اس نے تمام ارکانِ دولت کو جمع کیا اور ایسا رویا کہ تمام حاضرین رونے لگے اور علاج کی تدبیریں سوچنے لگے۔ بادشاہ نے کہا میں اپنے بہرے ہونے پر نہیں روتا ہوں بلکہ غم تو یہ ہے کہ میں مظلوم کی فریاد کیونکر سنُوں گا اور اس کی دادرسی کیونکر کر سکوں گا۔ لہٰذا اس معاملہ میں میں نے یہ سوچا ہے کہ یہ اعلان کرا دوں کہ کوئی مظلوم سوائے جامۂ سُرخ کے نہ پہنے ۔

حکایت:۔ ایک بزرگ نے ایک حاکم سے اپنا حال کہا۔ التفات نہ فرمایا۔ دوسری بار کہا پھر بھی نہ سُنا۔ تیسری بار عرض کیا تو کہا کیوں دردِ سر دیتا ہے۔ بزرگ نے کہا سر تو تو ہی ہے، میں درد کہاں لے جاؤں۔ اُس کو یہ بات پسند آئی اور اس کی حاجت روائی کی۔

حکایت:۔ سلطان سنجر کا ایک گاؤں سے گزر ہوا۔ سرِ راہ ایک خرقہ پوش کھڑا تھا۔ اس نے سلام کیا بادشاہ کچھ پڑھ رہا تھا، سر ہلا دیا اور زبان سے جواب نہ دیا۔ فقیر نے کہا اے بادشاہ سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے۔ میں تو سُنّت بجا لایا تم نے فرض کو کیوں ترک کر دیا۔ بادشاہ نے جواباً کہا کہ اے درویش میں شکر گزاری میں مشغول تھا اس وجہ سے تیرے سلام کا جواب دینا بھول گیا۔ فقیر نے کہا کہ کس کا شکر ادا کر رہے تھے۔ بادشاہ نے کہا خدائے مُنعم کا۔ فقیر نے کہا کس طرح؟ کہا کلمہ الحمدللہ سے کیونکہ تمام نعمائے خُداوندی کا شُکر اسی ایک کلمہ سے ہے۔ فقیر نے کہا اے سلطان! تم شُکر کا طریقہ صحیح نہیں جانتے یہ شُکر نہیں ہے کہ آپ نے بُخلِ نعمہ سرائی طرح کلمہ الحمدللہ کو زبان سے چھپا دیا۔ بادشاہ نے کہا دوسرا صحیح طریقہ آپ فرمایئے۔ درویش نے کہا:۔

۱۔ سلطنت کا شُکر تمام خلائق کا انصاف کرنا ہے۔ ان کے ساتھ احسان کرنا اور ان کے املاک میں طمع نہ کرنا۔

۲۔ فرمانروائی کا شُکر فرمانبرداروں کی خدمت پہچاننا۔

۳۔ بلندئ مرتبہ کا شُکریہ عاجزوں پر رحم کرنا۔

۴۔ صحت کا شُکر بیماروں کی صحت یابی کا انتظام کرنا اور آسائش مخلوق کو اپنے آرام پر مقدم رکھنا

بادشاہ نے ان کلمات کو آبِ زر سے لکھوا کر اپنا دستور العمل بنایا ؎

نیاساید اندر دیارِ تو کس | چو آسائش خویش خواہی و بس
کلیدِ درِ گنجِ مقصود شکر است | دریستہ آنکس کہ بکشود شکر است

حکایت:۔ نوشیرواں اپنی بادشاہت کے ابتدائی زمانے میں جب تک عدالت میں مشہور نہ ہوا تھا نہایت عیش و عشرت میں مشغول تھا۔ اور رعیت کے کاموں میں بالکل لاپروا۔ اس کے پڑوس میں ایک امیر تھا جو نہایت سخی، جوانمرد اور مہمان نواز تھا۔ ایک دن نوشیرواں سوداگروں کے بھیس میں بطور امتحان اس کے پاس گیا۔ وہ شخص حسبِ عادت نہایت تکلف و احترام کے ساتھ اندر لایا اور بہت خاطر مدارات کی۔ نوشیرواں نے دیکھا کہ اس کے باغیچہ میں نہایت عمدہ پکے ہوئے انگور لگے ہیں۔ اثنائے گفتگو میں نوشیرواں نے کہا۔ اگر آپ کی فرمائش ہو تو میں کوئی تحفہ اپنے وطن سے بھیجوں۔ کیونکہ میں ایک سوداگر ہوں۔ اس شخص نے کہا اگر ممکن ہو تو انگور بھیجیے گا۔ نوشیرواں نے کہا انگور تو تمہارے ہاں بکثرت اور بہترین قسم کے موجود ہیں۔ اُس نے کہا ہمارا بادشاہ ظالم ہے اور رعایا کی پروا نہیں رکھتا۔ ابھی کسی شخص کو مقرر نہیں کیا ہے کہ لوگوں سے محصول شاہی کے انگور

وصُول کرے۔ حالانکہ انگوُر پک گئے ہیں اور سب لوگ کھا رہے ہیں۔ مگر میں اِس وجہ سے نہیں کھاتا کہ امانت میں خیانت ہے۔ جب تک کہ بادشاہ اپنا حق دسواں حصّہ نہ لے لے۔ نوشیرواں رو دیا اور کہا وُہ بادشاہِ ظالم میں ہُوں۔ تیری اِس قدر دیانت نے مجھے خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا۔ پس اس روز سے اس قدر طریقۂ عدل اختیار کیا کہ اپنا سب عیش و آرام حرام کر دیا اور اس شخص کو معزز و معظم بنایا۔

حکایت:۔ حجاج دو آدمیوں کو سزا دے رہا تھا۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا اے حجاج مجھ کو سزا نہ دے۔ میرا ایک حق تیرے اُوپر ہے۔ حجاج کے دریافت کیا وہ کونسا حق ہے۔ کہا ایک شخص تم کو گالیاں دے رہا تھا۔ میں نے اس کو روک دیا۔ کہا کوئی گواہ ہے۔ اس نے کہا میرا گواہ یہی اسیر ہے جو میرے برابر کھڑا ہے۔ اسیر نے واقعی یہ ٹھیک کہتا ہے۔ حجاج نے اُس گواہ سے پُوچھا تُو نے اس شخص کو گالی دینے سے کیوں منع نہ کیا۔ اس نے کہا چُونکہ میں تجھ کو دُشمن رکھتا ہُوں۔ اس وجہ سے خاموش رہا۔ حجاج نے باوجُود اس قدر سنگدل و ظالم ہونے کے اُن کی سچائی پر ہر دو کو رہا کر دیا۔

حکایت:۔ مامون الرشید کے زمانہ میں کوئی شخص گناہ کر کے فرار ہو گیا۔ مجرم کے بھائی کو گرفتار کر کے خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ مامون نے حکم دیا کہ اپنے بھائی کو پیش کرے ورنہ بھائی کے عوض میں اس کو قتل کر دیا جائے۔ اس شخص نے کہا "اے بادشاہ اگر تیرا عامل مجھ کو مارنا چاہے اور تیرا حکم پہنچے کہ اس کو چھوڑ دو تو تیرا عامل اس کو چھوڑ دے گا کہ نہیں"۔ مامون نے کہا بے شک چھوڑ دے گا۔ اُس نے کہا پس میں ایسے بادشاہ کا حکم لایا ہوں جس کی عنایت سے تو بادشاہ ہے۔ مامون نے کہا کیا نشان و ثبوت ہے۔ کہا نشان یہ ہے کہ خُداوند کریم فرماتا ہے (ترجمہ آیت شریف) "یعنی کوئی شخص کسی کا گناہ نہیں اٹھاتا ہے کسی کو کسی دُوسرے کے گناہ میں گرفتار نہ کرو"۔ مامون نے اس سے متاثر ہو کر حکم دیا کہ اسے چھوڑ دیا جائے کہ حُکم لایا ہے۔

حکایت:۔ معن بن زائدہ کا کرمِ عام اور بخششیں نہایت خندہ رُوئی کے ساتھ ہوتی تھیں۔ ایک شخص نے کسی غریب سے پُوچھا کہ ابرِ بارندہ زیادہ سخی ہے یا معن۔ جواب دیا معن۔ کیوں ابر جو کچھ دیتا ہے گریاں دیتا ہے اور معن خنداں بخشتا ہے۔

حکایت:۔ ایک خدا رسیدہ بزرگ کی بیوی ہمیشہ اُن سے شکایت کیا کرتی تھی کہ دُنیا تو خیر ہم پر تنگ ہی تھی۔ لیکن بایں ہمہ زہد و ریاضت اور شبانہ روز ورد و عبادت کبھی کوئی بزرگانہ کشف و کرامت بھی آپ سے ظہُور میں نہ آئی۔ حالانکہ بزرگانِ خدا رسیدہ کے متعلق تو ہم نے یہاں تک سُنا ہے کہ وہ فضائے آسمانی میں بھی اپنی قوتِ رُوحانی سے پرواز کر سکتے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ بُزرگ جنگل کو گئے اور وہاں سے جو اڑان لگائی تو اپنے ہی گھر سے کافی بلندی پر خاصی دیر تک پرواز کرتے رہے تاکہ بیوی صاحبہ کو میرے کشف و کرامت کے متعلق بھی عین الیقین حاصل ہو کر اس کی نظر میں میری کچھ وقعت ہو جائے۔ شام کو آپ جب فتح مندانہ جذبات کے ساتھ گھر پہنچے تو اُن کے آتے ہی بیوی نے کہا کہ پہلے تو ہم سُنا ہی کرتے تھے لیکن آج تو ہم نے اپنی آنکھوں سے ایک

بزرگ کو فضائے آسمانی میں پرواز کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ سبحان اللہ بزرگی ہو تو ایسی ہو۔ بزرگ نے حلفیہ بیان دیا کہ وہ ہوا میں اڑنے والا آپ کا خادم ہی تو تھا۔ بیوی صاحبہ نے بے ساختہ کہا "ہاں ہاں جبھی تو ٹیڑھے ٹیڑھے اڑ رہے تھے۔ بھلا ایسی کج پروازی بھی کوئی بزرگی کا نشان ہو سکتا ہے"۔ نتیجہ یہ کہ خاوند خواہ کتنا ہی خدارسیدہ اور بہ صفت موصوف کیوں نہ ہو اور بیوی خواہ کتنی ہی فرمانبردار و خدمت گزار کیوں نہ ہو لیکن اس کی نظر میں خاوند کی وہ وقعت و عقیدت اور عزت و عظمت نہیں ہوتی جتنی کہ دوسرے لوگوں میں ہوتی ہے۔ کیونکہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ مرغوب کبھی مرعوب نہیں ہو سکتا۔ ہندی مثل ہے "گھر کا جوگی جوگ نہ۔ باہر کا جوگی سدھ"۔ راغب خواہ شہنشاہ اور یوسفِ ثانی ہی کیوں نہ ہو لیکن مرغوب کی نظروں میں بے قدر ہی رہتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ چاہت کے نام پر گدھی نے بھی کھیت چرنا چھوڑ دیا تھا۔

حکایت:۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ ایک مرتبہ جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک باغ پر گزر ہوا۔ وہاں ایک حبشی غلام باغ میں کام کر رہا تھا۔ اس کی روٹی آئی۔ اسی وقت ایک کتا بھی باغ میں چلا آیا اور اس غلام کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اس غلام نے کام کرتے کرتے ایک روٹی اس کتے کے سامنے ڈال دی۔ کتے نے اس کو کھا لیا اور پھر کھڑا رہا۔ اس نے پھر دوسری اور تیسری روٹی بھی ڈال دی۔ کل تین ہی روٹیاں تھیں۔ وہ تینوں کتے کو کھلا دیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ غور سے کھڑے دیکھتے رہے۔ جب وہ تینوں روٹیاں ختم ہو گئیں تو آپ نے اس غلام سے پوچھا کہ تمہاری کتنی روٹیاں روزانہ آتی ہیں۔ اُس نے عرض کیا آپ نے ملاحظہ فرما لیا تین ہی آیا کرتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا پھر تینوں کا ایثار کیوں کر دیا۔ غلام نے کہا کہ حضرت یہاں جنگل میں کتے رہتے نہیں ہیں۔ یہ غریب بھوکا کہیں دور سے مسافت طے کر کے آیا ہے۔ اس لئے مجھے اچھا نہ معلوم ہوا کہ اس کو ویسے ہی واپس کر دوں۔ حضرت نے فرمایا پھر آج تم کیا کھاؤ گے۔ غلام نے کہا ایک دن فاقہ کر لوں گا۔ یہ تو کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ حضرت نے اپنے دل میں سوچا کہ اس ایثار کے مقابلے میں گویا لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں کہ تو بہت سخاوت کرتا ہے۔ یہ غلام تو مجھ سے بہت زیادہ سخی ہے۔ یہ سوچ کر آپ نے شہر میں جا کر مالکِ باغ سے وہ باغ اور غلام خرید لیا اور جا کر غلام سے کہا جا میں نے تجھے آزاد کیا اور یہ باغ بھی تجھے ہی بخش دیا۔

غلام نے انتہائی خودداری سے جواب دیا کہ میں آپ کا بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس شکریے کے اظہار میں یہ باغ آپ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ چونکہ اب آپ کے دل میں میری عزت و عظمت اور عقیدت ہو گئی ہے جو کہ میرے حق میں زہر قاتل ہے لہٰذا اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔

حکایت:۔ ایک غازی کا زمانۂ ماضیہ میں کسی مشرک سے مقابلہ ہوا۔ بڑی دیر تک جدال و قتال میں معروف رہے کوئی کسی پر غالب نہ ہو سکا۔ نماز کا وقت آیا۔ غازی نے کہا کہ اب مجھے تھوڑی دیر کے لئے مہلت دے تاکہ نماز ادا کر لوں۔ اس نے مہلت دے دی۔ بعد از نماز پھر مشغول حرب و ضرب ہوئے۔ اتنے میں مشرک کی پوجا کا وقت ہو گیا۔ اس نے بھی مہلت چاہی اور اپنے دھندے میں لگا۔ مسلمان کو خیال آیا کہ اب وقت نصرت ہے۔ اس

کا کام تمام کروں، ناگاہ غیب سے ندا آئی "او بے وفا! کیا "اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ" کے معنے یہی ہیں؟ اس معاملہ میں تجھ سے تو مشرک ہی افضل نکلا" یہ ندا سنتے ہی مسلمان رونے لگا اور گر پڑا۔ جب مشرک اپنی عبادت سے فارغ ہو کر غازی کے مقابلے میں آیا تو اس کو زار و بے قرار پایا۔ حال پوچھا اس نے کیفیت سنائی کہ اس طرح تیرے سبب سے مجھ پر عتاب ہوا۔ مشرک کے دل پر اس بات نے تاثیر کی۔ اور سمجھا کہ بے شک ان کا دین سچا ہے کہ خدا نے عہد شکنی کو جائز نہ رکھا۔ فوراً غازی سے کہا کہ مجھ کو ارکانِ اسلام کی تعلیم کر، اور مسلمان ہو گیا ایسے ہی آج کل کے مسلمان بھی بے وفائی میں یکتا ہیں۔ لیکن ہاتفِ غیب کی ندا اُن کو سنائی نہیں دیتی اور قرآن شریف کو دیکھتے نہیں اور دیکھتے ہیں تو عمل نہیں۔

حکایت:۔ ایک طالب علم کسی مسجد میں بڑی بے قدری کے ساتھ رہتا۔ نہ لنگر کی روٹیوں میں سے اس کو حصہ ملتا نہ دعوت میں اس کو کوئی ساتھ لے جاتا۔ نہ کسی جگہ کھانا اس کا مقرر تھا۔ ایک روز کوئی امیر آدمی مرا اور جنازہ نماز کے واسطے مسجد میں لائے۔ اس طالب علم نے دور سے دیکھ کر پہلے تو جانا کہ روٹیوں کا خوان آیا۔ حصہ لینے کی امید سے دوڑا۔ حوض کے پاس جا کر معلوم ہوا کہ جنازہ ہے۔ بیچارہ نا امید ہو کر پوچھنے لگا "کیوں جی! کون مر گیا؟" لوگوں نے کہا کہ فلاں سوداگر مر گیا۔ طالب علم نے پوچھا "کیا کچھ بیمار تھے؟" لوگوں نے کہا۔ کل تک تو بھلے چنگے تھے۔ رات اسی مسجد میں عشاء کی نماز پڑھی۔ گھر پہنچتے پہنچتے تخمہ کیا۔ طالب علم نے پوچھا "تخمہ کیا ہوتا ہے؟" لوگوں نے کہا بدہضمی کا ہیضہ جو بہت کھانا کھا جانے سے ہو جاتا ہے۔ طالب علم نے کہا۔ خدایا یہ مرضِ مبارک ہم کو کبھی نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ کہ دنیا کی تکلیفیں آدمی کو موت پر دلیر کرتی ہیں ؎

نیست پروائے عدم دازدۂ ہستی را	از قفس مرغ بہر جا کہ رود بستان است
انتظارِ موت میں دن کاٹتا ہوں زیست کے	زندگی مقصد میں میرے اب خلل انداز ہے
چین اب زیست میں ممکن نہیں اصلا آئے	موت آئے گی تو سمجھوں گا مسیحا آئے
زندگی بھر آنکھ سے دیکھا ہے نقشہ زیست کا	موت کے منہ سے سنوں گا داستان زندگی

حکایت:۔ کہتے ہیں اردشیر بابک نے جو سلاطین نامدار اور ملوکِ کامگار میں سے ایک مشہور نیک نام بادشاہ گذرا ہے۔ فرمایا کہ تین رقعے لکھے جائیں اور اپنے ایک خاص غلام کے سپرد کیا اور کہا کہ کسی معاملے میں حکم کرتے وقت اگر مزاج تغیر پذیر ہو جائے اور غصہ و غضب کا اثر میری آنکھوں اور چہرے سے ظاہر ہونے لگے۔ قبل اس کے میں حکم کروں، پہلا رقعہ مجھ کو دکھلایا جائے۔ پھر اگر دیکھو کہ آتش غضب سرد نہیں ہوئی تو اس کے بعد دوسرا رقعہ دکھلاؤ اور اگر ضرورت پڑے تو تیسرا رقعہ بھی نظر سے گزار دینا چاہیئے۔

مضمون رقعۂ اوّل:۔ تامل کر اور اپنے ارادے کی باگ کو نفس امارہ کے قبضہ و تصرف میں نہ دے۔ کیونکہ تو مخلوقِ عاجز اور خالق قوی تر ہے۔ جس نے تجھے نیست سے ہست کیا۔

مضمون رقعۂ دوم:۔ زیردستوں کے ساتھ جو کہ ودیعت پروردگار ہیں، شتاب زدگی سے معاملہ نہ کر۔ اور

ان لوگوں پر جو کہ تیرے مغلوب ہیں، رحم کر، تاکہ وُہ جو تجھ پر غالب ہے اُس کے عوض تجھ پر رحم کرے۔

مضمون رُقعۂ سوم:۔ اس شتاب کاری میں جو حکم کہ تُو کرے، شرع سے تجاوز نہ کر۔ اور انصاف سے جو کہ دین داری کا جزو اعظم ہے، درگزر نہ کر۔

حکایت:۔ دو شخصوں نے ایک ساتھ سفر کیا۔ ایک سرائے میں اُترتے۔ ایک جگہ کھانا پکواتے۔ ایک دن چلتے چلتے ایک نے اشرفیوں کی تھیلی پڑی پائی۔ وہ تھیلی اٹھا کر اپنے ساتھی سے کہنے لگا۔ "دیکھو بھائی! میں نے یہ تھیلی پائی۔" دوسرا بولا۔ "یہ تم نے کیا کہا کہ میں نے پائی۔ یوں کہو کہ ہم نے پائی۔ اس واسطے کہ ہم تم دونوں ساتھ ہیں۔ یہ ہم دونوں کا حق ہے۔" غرض تھیلی پر لڑتے جھگڑتے چلے جانے تھے۔ اتنے میں پیچھے سے کچھ لوگوں کی آہٹ سی معلوم ہوئی۔ کان لگا کر سُنا تو وہ لوگ یہ کہتے ہوئے لپکے چلے آرہے تھے کہ "تھیلی کے چور وُہ دونوں آگے جاتے ہیں۔" یہ سُن کر وُہ تھیلی پانے والا اپنے ساتھی سے کہنے لگا۔ کیوں بھائی کیا علاج۔ اب ہم مارے گئے۔

دوسرا بولا۔ "یہ تم نے کیا کہا کہ ہم مارے گئے۔ یُوں کہو کہ میں مارا گیا۔ جب تم نے تھیلی پانے میں مجھ کو شریک نہیں کیا، تو اب آفت میں میں بھی تمہارا ساتھی نہیں ہُوں۔" نتیجہ یہ کہ جو لوگ فائدے میں کسی کو شریک نہیں کرتے مصیبت میں بھی ان کا کوئی شریک نہیں ہوتا۔

حکایت:۔ انگلستان کے بادشاہوں میں سے کینوٹ نامی نہایت رحم دل اور نیک مزاج بادشاہ گزرا ہے۔ اس کے امراء و وزرا کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ خوشامد سے بادشاہ کو خوش رکھیں۔ ایک روز بادشاہ ساحلِ بحر پر اُمراء کے ساتھ ٹہل رہا تھا۔ امراء نے حسبِ دستور خوشامدانہ گفتگو شروع کی کہ آپ بڑے بھاری بادشاہ ہیں اور بحر و بر کے حاکم ہیں۔ کینوٹ نے کہا کیا سمندر پر بھی میرا حکم چلتا ہے۔ امراء نے کہا جہاں پناہ سلامت! کیوں نہیں۔ کینوٹ نے اپنے ایک نوکر کو حکم دیا کہ کرسی لاکر پانی کے کنارے کے پاس بچھا دو۔ خود اُس کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور چلا کر حکم دیا "اے سمندر! پیچھے ہٹ۔ خبردار میرے پاؤں تر نہ کیجیو۔ میرے اُمراء مجھ سے کہتے ہیں کہ میرا حکم تجھ پر بھی چلتا ہے اس واسطے تجھے میرا حکم ماننا لازم ہے۔" مگر اس وقت جوار بھاٹا آرہا تھا۔ لہریں کنارے کی طرف بڑھتی چلی آتی تھیں۔ تمام اُمراء چپکے کھڑے حیرت سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ سب کو خیال تھا کہ بادشاہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ حکم دینے سے یہ سمندر بھلا کہیں مانتا ہے؟ بادشاہ نے اُمراء کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "تم نے کہا کہ سمندر میرا حکم مانے گا۔ مگر مجھے تمہاری بات کا اعتبار نہ تھا۔ میں بے شک بادشاہ ہوں۔ مگر بادشاہ بھی آخر انسان ہوتا ہے۔ خدا ہی سمندر سے کہہ سکتا ہے کہ تو یہاں تک بڑھے گا اور آگے نہیں۔" یہ کہہ کر کینوٹ نے اپنا تاج اُتارا اور پھر کبھی نہ پہنا۔

حکایت:۔ کسی بادشاہ کا وزیر شاکرِ تقدیر تھا۔ اور ہر ایک بُرے بھلے واقعے پر یہ کہنے کا عادی تھا "بہت اچھا ہُوا"۔ ایک دفعہ بادشاہ کی انگلی کٹ گئی۔ وزیر نے حسبِ عادت کہا "بہت اچھا ہوا"۔ بادشاہ کو وزیر کے اس بے محل فقرے کے استعمال سے رنج ہُوا۔ اور وزیر کو قید خانے بھجوانے کا حکم دے دیا۔ وزیر نے اس حکم کو سُن کر

بھی وہی فقرہ کہا "بہت اچھا ہوا"۔ دُوسرے روز بادشاہ شکار میں اپنے ہمراہیوں سے بچھڑ کر اکیلا جنگل میں دُور نکل گیا۔ چونکہ راستہ معلوم نہ تھا۔ لاچار ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ اتنے میں ایک شیر نمودار ہُوا اور بادشاہ پر حملہ آور ہوا۔ بادشاہ نے سانس کھینچ لیا اور مردہ سا بن کر پڑا رہا۔ شیر زخمی انگلی کو سُونگھ کر بادشاہ کو اس خیال سے چھوڑ کر چلا گیا کہ یہ پہلے سے کسی جانور نے کھایا ہُوا ہے۔ بقول ؎

نخورد شیر نیم خوردۂ سگ ور بسختی بمیرد اندر غار

اتنے میں بادشاہ کے ہمراہی بھی تلاش کرتے وہاں آ گئے اور بادشاہ کو صحیح و سلامت پا کر سجدۂ شکر بجا لائے۔ اور اس واقعہ کو سُن کر بادشاہ کی جان بچ جانے کو نہایت غنیمت اور خُدا کی خاص رحمت خیال کیا۔ واپس آ کر بادشاہ نے وزیر کو قید خانے سے طلب کر کے انعام سے مالا مال کر دیا اور کہا "واقعی اگر کل میری انگلی نہ کٹتی تو آج وہ شیر مجھے ہرگز نہ چھوڑتا اور انگلی کا کٹ جانا واقعی "بہت اچھا ہوا"۔ وزیر سے کہا "تم نے قید خانے کو جاتے وقت بھی "بہت اچھا ہوا" کہا تھا اس میں کیا مصلحت خیال کر کے یہ فقرہ کہا گیا تھا؟ وزیر نے جواب دیا کہ لازمی طور پر میں آپ کا ہم رکاب رہتا اور شیر آپ کو چھوڑ کر مجھے کھا جاتا۔ نتیجہ یہ کہ قدرت کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہوتا۔ خواہ وہ بظاہر کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو ؎

غیر و شر کو تو سمجھ ناداں کہ آب خاک کر نافع ہے آتش کو مُضر

حکایت:۔ نوشیرواں کے عہد میں ایک ظالم نے ایک ضعیف کے طمانچہ مارا۔ نوشیرواں نے اس کی گردن اڑا دی۔ ایک ندیم نے کہا تھوڑی سی خطا پر ایسی سخت سزا۔ نوشیرواں نے کہا "میں نے آدمی کو نہیں مارا بلکہ ایک بھیڑیئے کو قتل کیا ہے تاکہ بھیڑیں محفوظ رہیں ؎

ترحم بر پلنگِ تیز دنداں ستمگاری بود بر گوسفنداں

حکایت:۔ طمغاج خاں کے سامنے ایک چور پیش کیا گیا جو نہایت حسین اور خوبصورت تھا۔ حُکم دیا گیا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ ارکان دولت نے سفارش کی۔ اُس نے کہا تم کو جوان کے حُسن و جمال پر رحم نہ کرنا چاہئے، بلکہ صاحبِ مال کے ملال اور دل غمزدہ پر غور کرنا چاہئے۔ اور جب خدا کا حکم ہی یہ ہے تو میں مجبور ہوں۔

حکایت:۔ کرمان میں ایک بادشاہ تھا نہایت سخی و جوانمرد۔ ایک مرتبہ عضد الدولہ نے اس کے ملک پر لشکر کشی کی اور اس کا ملک فتح کرنا چاہا۔ وہ طاقتِ مُقابلہ نہ رکھتا تھا۔ قلعہ بند کر لیا۔ عضد الدولہ جنگ کرتے کرتے قلعہ تک آ گیا۔ جب رات ہوتی تھی، بادشاہ کرمان اس قدر کھانا بھیجتا جو عضد الدولہ کے تمام لشکر کو کافی ہوتا۔ عضد الدولہ نے کہلا بھیجا کہ دن کو جنگ کرنا اور رات کو کھانا بھیجنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جواب بھیجا "جنگ کرنا اظہار مردمی ہے اور کھانا بھیجنا وظیفہ مردمی ہے۔ آپ کا لشکر اگرچہ دشمن ہے لیکن میرے شہر میں مسافر ہے۔ بے مروت سے بعید ہے کہ آپ میرے مکان میں ہوں اور اپنا کھانا کھائیں"۔ عضد الدولہ رو دیا اور کہا "جو شخص ایسا صاحب مروت ہو اس سے جنگ کرنا بے مروتی ہے۔ چنانچہ لشکر لوٹا لیا۔ پھر اس سے تعرض نہ کیا۔

حکایت:- ایک امیر کے پڑوس میں ایک فقیر رہتا تھا۔ ایک دن امیر کا لڑکا فقیر کے گھر میں گیا۔ دیکھا کہ فقیر مع بال بچوں کے کھانے میں مصروف ہے۔ امیر کے بچے کو خواہش پیدا ہوئی۔ مگر فقیر نے کچھ توجہ نہ کی۔ وہ روتا ہوا گھر آیا۔ ہر قسم کا کھانا دیا گیا۔ وہ کہتا تھا کہ میں تو اسی قسم کا کھانا کھاؤں گا جیسا فقیر کھا رہا ہے۔ امیر مجبور ہو کر فقیر کے پاس آیا اور واقعہ بیان کیا۔ درویش نے کہا "میں مجبور تھا۔ اس لئے کہ جو کھانا میں کھا رہا تھا وہ مجھ پر حلال تھا اور تم پر حرام۔ کیونکہ تین دن کے بعد اکلِ حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔" امیر اس بات سے بہت متاثر ہوا اور جو کچھ اُس کے پاس نقد خزانہ تھا۔ اس میں سے نصف فقیر کو دیا اور امیر رو دیا اور کہا۔ "اگر خدائے تعالیٰ نے قیامت کے دن مجھ سے باز پُرس کی کہ تیری ہمسائیگی میں ایسی صُورت تھی اور تُو حال ہمسایہ سے بالکل بے خبر تھا تو میں کیا جواب دُوں گا؟"

حکایت:- کہتے ہیں کہ بادشاہِ صالح جو شاہانِ شام سے تھے۔ ایک غلام کے ساتھ رات کو باہر آتے تھے اور مساجد و مقابر و مزارات میں گھُومتے تھے اور ہر شخص کی حالت معلوم کرتے تھے۔ ایک دن ایک مسجد میں دیکھا کہ ایک فقیر برہنہ سردی میں کانپ رہا ہے اور کہتا ہے "یا اللہ بادشاہ لوگ دُنیا میں ہم سے غافل ہیں اور ہم تکلیف سے ہیں۔ قیامت کے دن اگر تُو نے بادشاہوں کو بہشت میں بھیجا تو میں بہشت میں ہرگز قدم نہ رکھوں گا۔ بادشاہ صالح یہ بات سُن کر مسجد میں آئے۔ کپڑے اور درہموں کا توڑا فقیر کے آگے رکھ کر روئے اور کہا "میں نے سُنا ہے فقیر بہشت کے بادشاہ ہوں گے۔ آج میں بادشاہ ہُوں اور تم سے صلح کرتا ہوں کہ مجھ کو فردائے قیامت میں بھول نہ جانا۔

حکایت:- سلیمان وراق سے نقل ہے کہ مامُون رشید نے نگینہ ساز کو انگوٹھی تیار کرنے کے ایک بیش قیمت نگینہ دیا۔ اتفاقاً وہ نگینہ اس سے ٹوٹ گیا۔ اور چار ٹکڑے ہو گئے۔ دوسرے دن ترساں و لرزاں درگاہ میں حاضر ہُوا اور واقعہ ناگہانی عرض کیا۔ بادشاہ نے ازرُوئے حلم کہا۔ اچھا کوئی پروا نہیں۔ اُن کی چار انگوٹھیاں بنا دے۔

حکایت:- بہرام گور زمانۂ ولی عہدی میں ایک مرتبہ ایک ہرن کے تعاقب میں لشکر سے جُدا ہو گیا اس ہرن نے ایک اعرابی کے خیمے میں جس کا نام قبیضہ تھا، پناہ لی۔ شہزادہ گھبرایا ہُوا دروازے پر پہنچا اور اپنے شکار کا مُطالبہ کیا۔ اعرابی نے کہا "اے جوان! اس شکار نے میرے پاس پناہ لی ہے۔ اس وجہ سے اسے نہیں دے سکتا۔ اس پر رحم کرو۔ اگر تُو مجھ کو مارے گا تو میرے قبیلہ والے تجھ سے بدلہ لیں گے۔ اگر تُو چاہے تو میں اس شکار کے عوض اپنا عزیز از جان گھوڑا دے سکتا ہوں۔ بہرام کو بات پسند آئی اور اس کو کافی انعام دے کر مجیر الغزالی کا لقب عطا فرمایا۔

حکایت:- ہرمز بن نوشیرواں نے اپنے عدل کو سیاست کے ساتھ ملا دیا تھا۔ ایک دن اس کے رکابدار نے کسی باغ میں سے انگور کا خوشہ بغیر اجازت توڑ لیا۔ مالک نے کہا "مجھے راضی کر دو، ورنہ بادشاہ کے پاس جاتا

ہُوں۔ رکابدار نے کچھ دیا وہ راضی نہ ہُوا۔ بالآخر ہزار دینار پر راضی ہُوا۔ یہ ہرمز کی سیاست کا اثر تھا کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک خلیفۂ اسلام منبر پر آیا، تلوار کھینچے ہُوئے اور قرآن مجید ہاتھ میں، اور کہا "اے مردمانِ نیک! تم کو یہ قرآن مجید کافی ہے اور اے مردمانِ بد! تم سوائے اس تلوار کے درست نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا رحم و عدل کے ساتھ سیاست بھی ضروری ہے۔

خسرو پرویز نے ایک بزرگ سے پُوچھا کہ طبیعتِ خلائق میں لائق سیاست کون ہے؟ اس نے کہا۔ "ایک وہ طبقہ ہے جو خُود بد ہو۔ مگر اس کی بدی کا اثر دُوسرے کو نہ پہنچے۔ اُس کو ذلیل رکھنا چاہیئے اور دُوسرے وُہ جو خُود بد ہوں اور ان کی بدی کا اثر دُوسرے کو پہنچے۔ ان کو قرار واقعی سزا دینی چاہیے تاکہ عام لوگ اس سے عبرت حاصل کر کے بدی کی طرف راغب نہ ہو سکیں ؎

تحمل بایدت لیکن نہ چنداں   کہ گردد خیرہ گرگِ تیز دنداں

حکایت: بیان کرتے ہیں کہ سکندر نے جب ہفت اقلیم کو اپنے قبضے میں لانا چاہا تو بہت متفکر تھا۔ ارسطو نے جو سکندر کا وزیرِ اعظم تھا، دریافت کیا کہ باوجود ہر قسم کا سامانِ آرائش مُہیا ہونے کے پھر اس قدر پریشانی کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا کہ تمام دُنیا میری نظر میں بالکل حقیر ہے۔ مجھے شرم آتی ہے کہ اتنی سی دُنیا کی تسخیر کے لئے میں گھوڑے پر سوار ہُوں۔ اگر ایسے ہزار عالم بھی ہوں تو میری عالی حوصلگی کے لئے کم ہیں۔ ارسطو نے کہا بے شک یہ جہان تمہاری ہمتِ بلند کے نزدیک حقیر ہے۔ مگر اپنے عدل سے مملکت ابدی کو اس میں شامل کر لو تاکہ دونوں جہانوں پر قبضہ ہو جائے، اور اس پریشانی کی تلافی ہو جائے اور یہ مختصر جہان اُس جہان کی تسخیر سے رونق پذیر ہو جائے ؎

مُلکِ عُقبیٰ خواہ کاں خرم بود   ذرّہ زاں مُلک صد عالم بود

حکایت:۔ ایک بادشاہ کا ارادہ ہُوا کہ خانۂ کعبہ کا حج کرے۔ ارکانِ دولت سے مشورہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ مثلِ جان کے ہے اور سلطنت مثل جسم کے ہے۔ جس وقت بادشاہ کا سایہ ملک سے اُٹھ جائے گا۔ بہت سی خرابیاں واقع ہوں گی۔ بادشاہ نے کہا پھر یہ ثواب حج کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ کہا اس ولایت میں ایک درویش ہے جو ساٹھ حج ادا کر چکا ہے اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک حج کا ثواب آپ کے ہاتھ فروخت کر دے۔ بادشاہ فقیر کی خدمت میں گیا اور کہا۔ میرا ارادہ حج کا ہے مگر ارکانِ دولت خرابیٔ مملکت کے خیال سے منع کرتے ہیں۔ کیا ایک حج کا ثواب میرے ہاتھ فروخت کر سکتے ہیں؟ فقیر نے کہا "میں سب حجوں کا ثواب فروخت کرتا ہوں"۔ بادشاہ نے کہا "ہر حج کی کیا قیمت لوگے"؟ کہا "ہر حج کے لئے جو قدم میں نے اٹھایا ہے تمام دُنیا کی قیمت کے برابر ہے"۔ بادشاہ نے کہا "میرے قبضے میں تو دُنیا کا تھوڑا سا ملک ہے۔ اور آپ ایک قدم کی اتنی قیمت مانگتے ہیں، تو پھر کیسے مُعاملہ ہو سکتا ہے"؟ درویش نے کہا "اے بادشاہ میرے تمام حجوں کی قیمت آپ کے نزدیک بہت آسان ہے"۔ بادشاہ نے کہا "وہ کس

طرح"؟ فقیر نے کہا" جس کسی مظلوم کی تم نے دادرسی کی ہے، اس گھڑی کے عدل کا ثواب تم مجھ کو دے دو میں تمہیں ساٹھ جوں کا ثواب بخشے دیتا ہوں"۔ پس معلوم ہوا کہ بادشاہ کے لئے عدل عبادت سے برتر ہے۔

حکایت:۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سکندر نے کسی ندیم سے اپنا بھید کہہ دیا تھا۔ اور کسی کے پاس ظاہر نہ کرنے کی بے حد تاکید کر دی تھی۔ ناگاہ اس شخص نے وہ بھید کسی سے کہہ دیا۔ سکندر کو اس کی خبر ملی۔ اس نے حکیم بلیناس سے مشورہ لیا کہ ایسے شخص کی کیا سزا ہے جو کسی کا راز فاش کرے۔ حکیم نے کہا ذرا واضح فرمائیے۔ سکندر نے قصہ بیان کیا۔ حکیم نے کہا" اے بادشاہ! اس شخص سے رنجیدہ نہ ہو، اپنے راز کو تم نے خود افشا کیا ہے۔ تم خود تو اس کے متحمل نہ ہو سکے، دوسرا کیسے ہو سکتا ہے"؟ ؎

سرّ خود را ہم۔ تو محرم شو کہ محرم یافت نیست ہمدم خود باش تو زیرا کہ ہمدم یافت نیست

حکایت:۔ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ کی مجلس میں ایک بزرگ کی بہت تعریف کی گئی۔ بادشاہ کو اشتیاق ہوا اور فرمان بھیج کر بلایا۔ وہ بزرگ جب مجلس میں آئے۔ انہوں نے سلام کے بعد کہا" بادشاہ کی ہزاروں سال کی عمر ہو جیو"۔ بادشاہ نے کہا" آپ نے پہلے کلام ہی میں حماقت ظاہر کی، جو آپ جیسے بزرگ کے شایان نہ تھی۔ اس نے جواب دیا کہ آدمی کی حیات بقائے بدن پر موقوف نہیں ہے۔ لیکن نیک نام کی زندگی وفات کے بعد دوسری حیات ہے۔ میری غرض یہ تھی کہ آپ کا نام صفحۂ دہر پر ہزاروں سال تک قائم رہے"۔

فضیلتِ اسلام

ہے کسی مذہب کی منت کش اگر عقل سلیم ہے وہ مذہب، مذہب اسلام باللہِ العظیم

حضور سرور کائنات کی تعلیم کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔ اسلام کا مطالعہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ ہے۔ اسلام کیا ہے؟

(۱) وہ سیدھا سادہ دین ہے جس کی عام فہم تعلیم ہر ایک کی سمجھ میں بآسانی آجاتی ہے۔

(۲) وہ صحیح اور فطرت کے مطابق پاکیزہ دین ہے جس کی تصدیقِ صحت جملہ علوم سے ہوتی ہے۔

(۳) اسلام وہ دین ہے جو انسان کی سرشت کو بیان کرتا ہے۔ اور ایسے اصول بتاتا ہے جن میں تبدیلی ناممکن ہے۔

(۴) اسلام اللہ تعالیٰ کا وہ آخری پیغام ہے جو ترقی یافتہ دُنیا کی طرف روانہ کیا گیا۔

(۵) اسلام وہ دین ہے جو چین، سیام، انام، برما، سیلون، ہند، پاکستان، خراسان، سیستان، چینی تاتار، ترکستان، ایران، سائبیریا، روس، ٹرکی، یمن، حجاز، حضر موت، نجد، شام، فلسطین، عمان، مصر، افریقہ سوڈان، ناٹال، فری سٹیٹ، ہرزگونیا، طرابلس الغرب، کریٹ، مالٹا، فرانس، سپین، مراکو، الجزائر، ٹیونس وغیرہ

ممالک میں بغیر کسی جد وجہد و جنگ وجدال کے از خود پہنچا اور دین فطرت ہونے کی وجہ سے ہر ایک ملک کے باشندوں کے موافق آیا۔ ہر ایک جگہ کے تمدن پر اس نے غلبہ پایا۔ ہر ایک ملک کے علوم وفنون کی سرپرستی فرمائی۔

(۶) اسلام وہ دین ہے جو انسان کو تہذیب نفس بھی سکھاتا ہے اور تدبیر عمل کا بھی ماہر بناتا ہے۔ وہ سیاسیاتِ مدن کا استاد ہے۔

(۷) اسلام ہی وہ دین ہے جس میں تعصب کا نشان نہیں۔ پرانے مسلمان اور نو مسلم سب برابر ہیں۔

(۸) اسلام ہی وُہ دین ہے جس کے اصُول عیسائیوں، یہودیوں، صابیوں، بت پرستوں، منکروں، ملحدوں، متشککوں، وہم پرستوں اور فسطائیوں کے اصُولوں پر غالب آئے۔

(۹) اسلام ہی وہ دین ہے جس نے دنیا میں کسی قوم یا کسی بشر کو اچھوت نہیں بنایا۔

(۱۰) اسلام ہی وہ دین ہے جہاں حسب نسب کا عالی ہونا کسی انسان کے عالی ہونے کا سبب نہیں اور جہاں ذات گوت کا کمتر ہونا کسی شخص کے کمتر قرار دیئے جانے کا ذریعہ نہیں۔

(۱۱) اسلام ہی وہ دین ہے جو کالی گوری، زرد اور گندمی رنگتوں کی تفریق سے بہت بلند ہے۔

(۱۲) اسلام ہی وہ دین ہے جو کسی زبان، لہجہ، یا لغت کی تخصیص سے بہت عالی ہے۔

(۱۳) اسلام ہی وہ دین ہے جو انسان کو ساری کائنات کا سردار بناتا ہے۔

(۱۴) اسلام ہی وہ دین ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک ذلیل وعاجز بندہ بننے کی تعلیم دیتا اور لازماً پنجگانہ عبادت روزانہ کو اہم ترین فریضہ ٹھہراتا ہے۔ جس کی مثال اور کسی مذہب میں نہیں ہے۔

(۱۵) اسلام ہی وہ دین ہے جو کسی مذہب کے بزرگ کی توہین و مذمت کو جُرم قبیح قرار دیتا ہے۔

(۱۶) اسلام ہی وہ دین ہے جس نے تسلیم کیا ہے کہ ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور رہنما آتے رہے ہیں۔

(۱۷) اسلام ہی وہ دین ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ تمام قوموں اور ملکوں کی جدائی کو دُور کر کے سب کو متحد و متفق بنا کر ان میں مساوات قائم کرے۔

(۱۸) اسلام کے سوا آج تک کسی مذہب نے ساری قوموں اور ملکوں کو متحد بنانے کا کام اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔

(۱۹) اسلام کے پانچ ارکان ہیں، ان پر غور و فکر کی نظر ڈالو۔ ان ارکان میں بندے کا تعلق اللہ سے اور بندے کا تعلق اپنے برادران جنس کے ساتھ مضبوط و مستحکم کر دیا گیا ہے۔

(ا) کلمۂ شہادت وہ معاہدہ ہے جو شرائط بندگی اور اطاعت کی تعلیم دیتا ہے۔

(ب) نماز وُہ عمل ہے جو پاکیزگی و طہارت اور پابندیٔ اوقات کے ساتھ ساتھ اجتماع قومی کے فوائد سکھلاتا، اخوت اور مؤانست کو مستحکم کرتا، علم وعقل سیکھنے اور سکھانے کے مواقع مُہیّا کرتا اور ان سب خوبیوں کے علاوہ اپنے پیدا کرنے والے کی تعظیم و تکریم کا طریقہ سکھلاتا ہے۔ پوری تنظیم اسے کہتے ہیں جس کے

اظہار میں دل، زبان اور جملہ جوارح متفق ہوں۔ نماز میں یہ سب باتیں جمع ہیں۔

(ج) روزہ وہ عمل ہے جو تقویٰ، نفس کشی اور جفاکشی کی تعلیم دیتا ہے۔ نادیدہ خدا کو حاضر و ناظر سمجھنا، خواہشات کو خالق و مالک کی خوشنودی پر قربان کر دینا۔ اپنی پیاری چیزوں کو حکم الٰہی کے سامنے چھوڑ دینا، شکم کی بے پناہ غلامی سے آزادی و حریت روحانی کی غلامی اختیار کرنا۔

(د) زکوٰۃ کیا ہے؟ صاحب زکوٰۃ ایک ایسا نیک دل، رحیم و فیاض انسان ہوتا ہے جس کے مال میں ہر ایک غریب و مفلس اور نادار کا بھی تھوڑا بہت اندوختہ جمع ہوتا ہے۔ زکوٰۃ اپنے لیے نہیں بلکہ قوم کے لیے کماتا ہے۔ اور قوم کے کسی فرد کو تنگ دست یا دیوالیہ نہیں ہونے دیتا۔ طالبان علم مسافروں، درماندوں، غلاموں اور ناداروں کی حفاظت و حمایت کرنا زکوٰۃ ہی کا کام ہے۔

(ہ) حج کل دنیائے اسلام کو مرکزِ واحد پر جمع کرنے والا ہے۔ اختلافِ ملک و زبان کو دور کر کے سب کو ایک جگہ جمع اتفاق و اتحاد سے مربوط و منسلک کر دیتا ہے۔ حج بہت بڑا دربار، بہت بڑی تجارتی منڈی، بہت بڑا بیت العلوم، بہت بڑا کلب، بہت بڑے تاریخی واقعات کی یادگار۔ بہت بڑا تجربہ آموز، بہت بڑے انکشافاتِ ارضی کا سبق آموز ہے۔

(و) جہاد اپنی قومی زندگی اور عزت و آبرو کو برقرار رکھنے کا نہایت ضروری لازمہ اور انتہائی مؤثر ذریعہ ہے جس کے بغیر حفاظت دین اور ترقی اسلام ناممکن ہے۔

ساری دنیا اِن ارکان اور ان مقاصد و فوائد پر ذرا غور تو کرے۔ کسی مذہب کی کوئی کتاب یا کسی سلطنت کے آئین و ضوابط نے ظاہری و باطنی اور مادی و روحانی فوائد و اوصاف کا نظم و نسق اس سے بہتر طریق پر کیا ہے؟ یہ دینِ مبارک ہم کو اللہ تعالیٰ سے ملا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعے سے ہم پر نازل ہوا ہے۔ کتنا پاک سیرت ہے وہ ہادی جس نے اس پاک مذہب کو ایسے پاک اور بہترین پانچ ارکان پر مبنی فرمایا ہے۔

قرآنِ حکیم

یہ وہ کتاب مبارک ہے جو ہمارے آقا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اس متبرک کتاب میں حالاتِ پیشین شامل ہیں اور آئندہ زمانے کی خبر دینا خاص اللہ پاک کا کلام ہے۔ قرآن مجید اس کا نام ہے۔ قرآن کے معنی ہیں بہت پڑھی جانے والی کتاب۔ اب غور سے دیکھو وہ کون سی کتاب ہے، جسے کروڑوں اشخاص بلا ناغہ ضرور پڑھ لیتے ہیں۔ یہ صفت اس کی ہر زمانے میں ہر وقت رہے گی۔ دنیا میں اور بھی آسمانی کتابیں اتریں لیکن ان کے وجود پر

شک و شبہ کا بے حد غبار پڑا ہوا ہے۔ تاریخ اُن کی اصلیت ثابت کرنے سے قاصر ہے۔ دنیا میں یہی ایک کتاب ہے جس کا ایک ایک حرف اب تک بغیر کسی شک و شبہ اپنی صحت پر متفقہ طور پر قائم ہے اس کی کروڑوں جلدیں تحریر میں آچکی ہیں۔ اربوں نسخے مختلف ملکوں اور متفرق مطابع میں طبع ہو چکے ہیں۔ لاکھوں سینے محفوظ رہے، محفوظ ہیں اور محفوظ رہیں گے۔ جن پر صحت کے ساتھ یہ کتاب بغیر کسی نقطے یا زیر و زبر کے فرق کے علی الفاظہٖ موجود و محفوظ ہے۔

حضور سرور کائنات ناخواندہ تھے۔ حضور کا لقب اُمّی ہے۔ اُمّی کا صاحب کتاب ہونا اتنا عجیب ہے کہ عقل سلیم اس کے لاثانی طرز تحریر اور خوبیٔ مضامین دیکھ کر دریائے حیرت میں غرق ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب زبور کی طرح مجموعۂ مناجات بھی ہے اور انجیل کی طرح ذخیرہ امثال بھی، توریت کی طرح یہ گنجینۂ شریعت بھی ہے اور کتب دانیال و لیسعیا کی طرح خزینۂ اخبار مستقبل بھی ہے ؏

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مزید برآں اس کتاب میں تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تنویر رُوح، نیز اخلاق انسانی کے جو اسرار و اصول بیان کئے گئے ہیں وہ کسی دُوسری آسمانی کتاب میں موجود نہیں۔

قرآنِ کریم جا بجا اپنی تعلیم کی تائید میں مظاہر قدرت کو پیش کرتا ہے اور مظاہر قدرت کی توثیق و تصدیق علوم و تجارب سے کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں علوم مابعد الطبیعۃ جس قدر بیان کئے گئے ہیں، وہ اور کسی کتاب میں موجود نہیں۔ اس کتاب نے ملکوں اور قوموں کو جہالت سے نکالنے اور علوم سے بہرہ ور کرنے، تمدن کو بلند تر کرنے اور امنِ عامہ کو مضبوط بنانے میں جو کمال دکھلایا ہے، وہ بالکل بے نظیر و لاثانی اور لا فانی ہے۔ اس کتاب نے جن زبردست دلائل سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کیا۔ اللہ کی توحید و تفرید کا سبق سکھلایا۔ اللہ کی کبریائی و عظمت کو دلوں میں قائم کیا۔ اس کا عشر عشیر نمونہ بھی کوئی دُوسری کتاب واضح نہ کر سکی اور نہ کوئی اس کی ادبی خوبیوں کے مطابق ایک فقرہ بھی آج تک اس کے مقابلے میں تحریر کر سکا۔ ہر چند کہ دنیا بھر کے کفار اس قول کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ ایسی خوبیوں کی ایک سطر بھی بنا کر پیش کرنے سے عاجز رہے۔ اور آئندہ تا قیامِ دُنیا عاجز رہیں گے۔ یہ ہے سب سے بڑا اور زبردست ثبوت اس کے کلامِ خداوندی ہونے کا جس کی تردید کسی صورت سے نہیں ہو سکتی۔ کتاب کا اسلوب بیان نہایت اعلیٰ، الفاظ لفظی و معنوی اور ادبی عیوب سے بالکل پاک ہیں۔ معانی بالکل اچھوتے اور ہدایت انسانی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔

قرآن کی بے عیب زبان: ۔ نہایت متعصب مترجم قرآن جارج سیل لکھتا ہے کہ قرآن بے شبہ عربی زبان کی سب سے بہترین اور مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا علم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا۔ اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے۔ ایک اُمّی ناخواندہ محض کس طرح ایسی بے عیب اور لاثانی طرز عبارت

تحریر کر سکتا ہے۔

عرب کا مشہور شاعر جو جماعتِ کفار سے تعلق رکھتا تھا، شہر کے شور و شر، متعفن آب و ہوا اور عام لوگوں کی ناخوشگوار صحبت سے بچنے کے لئے پہاڑ کے ایک غار میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ کیونکہ یہ باتیں اس کے دل و دماغ پر بُرا اثر ڈالتی اور یکسوئی میں خلل انداز ہوتی تھیں۔ اس کے بہت شاگرد تھے۔ جو اپنا اپنا کلام بغرض اصلاح اس غار کے اندر ڈال آتے اور دوسرے روز وقت مقررہ پر غار کے باہر سے اٹھا لاتے۔ ایک روز ایک شاگرد نے قرآن شریف کی اس آیت کو اپنا کلام ظاہر کر کے اس کا چوتھا مصرع بنانے کی درخواست کی۔ **اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَالْاَبْتَرُ۔** دوسرے روز جب وہ اپنا پرچہ واپس لایا تو اس میں چوتھے مصرع کی جگہ یہ درج تھا۔ "**لَيْسَ هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ**"۔ یعنی یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

قرآن کا معجزہ:۔ مشہور متعصب پادری ریورینڈ جی ایم ایڈویل لکھتا ہے" قرآن کریم کی تعلیم نے بُت پرستی مٹائی۔ جنات اور مادیت کا شرک مٹایا۔ اللہ کی عبادت قائم کی۔ بچوں کے قتل کی رسم نیست و نابود کی۔ اُم الخبائث شراب کو حرام مطلق ٹھہرایا، چوری، جُوا، زناکاری اور قتل وغیرہ کی ایسی سخت سزائیں مقرر کیں کہ کوئی شخص ارتکاب جرم کی جرأت ہی نہ کر سکے"۔

اسلام کو عیسائیت پر کیوں فوقیت ہے؟:۔ ریورنڈ میکسویل کنگ اپنے لیکچر میں لکھتا ہے۔" قرآن الہامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں اسلام کے قوانین، اصول اور اخلاق کی تعلیم اور روزمرہ کے کاروبار کی نسبت صاف ہدایات ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام کو عیسائیت پر فوقیت ہے کہ اس کی مذہبی تعلیم اور قانون علیحدہ چیزیں نہیں ہیں"۔

قرآن میں ملکی اور تمدنی نظام:۔ موسیو اوجین کلاخل نامور فرانسیسی فاضل لکھتا ہے کہ قرآن مذہبی قواعد اور احکام ہی کا مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اجتماعی اور سوشل احکام بھی ہیں جو انسانی زندگی کے لئے ہر حالت میں مفید ہیں۔

قرآن کی سچائی:۔ پروفیسر کارلائل لکھتا ہے" میرے نزدیک قرآن میں خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے۔ اور یہ بالکل سچ اور کھلی حقیقت ہے کہ اگر خوبی پیدا ہو سکتی ہے تو اسی سے ہو سکتی ہے"۔

قرآن بے مثل ہے:۔ نامور مؤرخ ڈاکٹر گبن لکھتا ہے۔" قرآن وحدانیت کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ ایک موحد فلسفی اگر کوئی مذہب قبول کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔ غرض سارے جہان میں قرآن کی نظیر نہیں مل سکتی ہے"۔

قرآن دیکھ کر عقل حیرت زدہ ہے:۔ کونٹ ہنری دی کاسٹری اپنی کتاب "الاسلام" میں لکھتا ہے قرآن کو دیکھ کر عقل حیرت میں آتی ہے کہ اس کا بے عیب و لاثانی کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا

جو محض اُمّی تھا۔

خُدا اور بندوں کے حقُوق :۔ مسٹر مارماڈیوک پکتھال نومُسلم لکھتے ہیں "قرآن ہی کے قوانین نے حقُوق اللہ اور حقُوق العباد پُورے طور پر بتائے ہیں اور اس کو یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی مان لیا ہے"۔

قرآن حکمت سے پُر ہے :۔ ایکس لیور زون فرانسیسی فلاسفر لکھتا ہے "قرآن ایک روشن اور پُر حکمت کتاب ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایسے شخص پر نازل ہوئی جو سچا نبی تھا اور خُدا نے اس کو بھیجا تھا"۔

قرآن کی کایا پلٹ تاثیر :۔ موسیو میڈیو فرانسیسی فاضل لکھتا ہے "اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں۔ انہوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا جس کے اثر سے عربوں جیسی غیر مہذب اور جاہل ترین قوم کی معیُوب عادات کی کایا پلٹ گئی"۔

قرآن امن کا ضامن :۔ موسیو کاسٹن کار نے اخبار "شگارو" میں لکھا ہے "زمین سے اگر حکومت قرآن جاتی رہے تو دُنیا کا امن و امان کبھی قائم نہ رہ سکے"۔

قرآن محافظ صحت ہے :۔ ایکلی بولف نامور جرمن فاضل لکھتا ہے "قرآن نے صفائی، طہارت اور پاکبازی کی ایسی تعلیم دی ہے کہ اگر اُن پر عمل کیا جائے تو جراثیم امراض سب کے سب ہلاک ہو جائیں"۔

ہمارے جان و مال، ہمارے مادر و پدر، ہماری آل و اولاد ایسے شفیق رسُولِ کریمؐ پر قُربان ہوں جن کے ذریعہ سے ایسی پاک و مظہر العجائب کتاب ہم کو ملی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بے نظیر قُربانی

(قریبًا ایک صدی پیشتر کا سچا اور حیرت انگیز واقعہ)

پنجاب کا مشہُور خُونریز و جفا پیشہ ڈاکو ملنگی اپنی غارت گری کی مُہیب داستانوں کے ذریعے بہت کچھ روشناس خلق ہو چُکا ہے۔ اس کے گروہ کے تاخت و تاراج کا رُخ جس طرف ہو جاتا تھا اس رقبے کے باشندوں کی آنکھوں میں نیند حرام ہو جایا کرتی تھی۔ کیونکہ وہ علاقہ سورج غروب ہو جانے کے بعد سے فرنگی کی بجائے ملنگی کے زیرِ حکومت سمجھا جاتا تھا۔ اس واقعیت میں شاعریت کو بالکل دخل نہیں کہ پنجاب بھر کی آوازِ خلق پنجابی زبان کے شعرا کی ہمنوا رہی ہے ؎

دنے راج فرنگی دا　　　تے راتی راج ملنگی دا

ملنگی کے لشکر کی یلغار امن پسندوں کے لئے قہرِ خُدا کی سطوت حاصل کر چکی تھی۔ اس کے دستِ تظلّم نے بہت سی سُہاگنوں کے سُہاگ اجاڑے، ہزاروں ننھے ننھے معصوم بچوں کو سایۂ پدری سے چھین کر یتیمی کی گود میں ڈالا۔ سینکڑوں گھروں کو اپنی سفاکی سے بے چراغ کر دیا۔ مختصر یہ کہ کچھ دنوں تک درندگی، بیدردی و

جفاکاری نے ملنگی کا روپ دھارن کر لیا تھا۔ ملنگی کی دل ہلا دینے والی بھیانک تصویر تو یہ تھی۔

آؤ تمہیں اس تصویر کا دوسرا رخ بھی دکھائیں۔ پنجاب کی جس جیل میں اسے کیفر کردار کو پہنچایا گیا اُس کے اعلیٰ افسر نے راقم الحروف سے اس کی عبرت آموز و دل سوز داستان کو سناتے ہوئے بیان کیا ہے کہ "ملنگی اور اس کے ساتھیوں کو جس صبح پھانسی دی جانے والی تھی، ہم نے اسے وقت مقررہ سے پہلے اطلاع دی کہ "ملنگی کٹھن منزل آگئی ہے، اپنے آپ کو اس سفر کے لئے تیار کر لو۔" مگر اس جاں گداز اطلاع کا جواب جس بے نظیر شجاعت سے اس نے دیا، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ملنگی موت کو دردِ سر یا معمولی خراش سے زیادہ وقعت نہیں دیتا۔"

وہ اپنے ایک انجام شریک ساتھی کو قرآن مجید کی تلاوت کرتے دیکھ کر للکارتے ہوئے بولا "بکمبخت اب بھی قرآن پڑھنے سے باز نہیں آتا۔ تیری اس قرآن خوانی ہی نے تو یہ دن دکھائے کہ میدان جنگ میں بہادروں کی طرح جان دینے کی بجائے ہم مجرموں کی حیثیت سے پھانسی کے تختے پر زندگی ختم کر رہے ہیں۔ چھوڑ تو اب اس قرآن خوانی کو اور بہادری سے موت کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہو جا۔"

راوی کا بیان ہے کہ" میں نے ملنگی کے منہ سے قرآن مجید کے متعلق یہ گستاخانہ اور بے ادبانہ فقرے سُن کر اُسے ملامت کی کہ کمبخت مسلمان ہو کر قرآن مجید کی توہین کرتا ہے اور پھر ایسے نازک ترین وقت اور زہرہ گداز ساعت میں تو بڑے سے بڑا بے دین اور بُرے سے بُرا ظالم بھی خدا کو یاد کرتا ہے اور تُو خود تو درکنار دوسرے کو بھی آخری نیکی سے روکتا ہے۔"

ملنگی نے جواب دیا " جناب! میں قرآن مجید کی توہین نہیں کر سکتا۔ اس وقت میں نے اپنے اس ساتھی سے ایک واقعے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور وہ واقعہ یہ تھا کہ ہم گرفتاری سے پہلے جنگل میں ایک محفوظ مقام پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارا یہ ساتھی جو اس وقت قرآن مجید پڑھ رہا ہے۔ اس وقت بھی قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف و مشغول تھا۔"

" اچانک ہی ہمارے جاسوس نے پولیس کے آنے کی اطلاع دی۔ ہم سب بھاگنے کو تیار ہو گئے۔ ہم اس وقت بھاگ کھڑے ہوتے تو کبھی گرفتار نہ ہو سکتے۔ لیکن ہمارے اس ساتھی نے کہا کہ میں جب تک قرآن مجید کا یہ پارہ ختم نہ کر لوں، تلاوت نہیں چھوڑ سکتا۔ ہم نے اس ظالم سے ہر چند کہا کہ پولیس کی دوڑ آ رہی ہے اور ابھی اس میں اور ہم میں بڑا فاصلہ ہے۔ آؤ بھاگ کر کسی محفوظ مقام پر چلے جائیں۔ پھر تمام عمر آرام سے تلاوت قرآن مجید کرتے رہنا۔ مگر یہ ساتھی پارہ ختم کرنے سے پہلے ساتھ چلنے پر کسی طرح رضامند نہ ہوا۔"

" ہم جان چکے تھے کہ پولیس کی جمعیت سے ہم کسی طرح عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔ ہماری اور پولیس کی مڈھبیڑ ہو گئی تو اس کی گولیوں کا نشانہ بنیں گے یا پھر پھانسی کے تختے پر موت سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

" یہ سب کچھ تھا۔ موت ہمیں پھانسی اور گولیوں کے بھیس میں گھور رہی تھی۔"

"ایک طرف اس ساتھی کے ساتھ موت اور دوسری جانب زندگی کے لئے فرار۔ ان دو صورتوں میں سے ہمیں کسی ایک کو انتخاب کرنا تھا چنانچہ ہم نے دوست کے ساتھ مرنا گوارا کر لیا کہ جو شخص قرآن دوستی کے مقابلے میں اپنی جان کی پروا نہیں کرتا، ایسے دوست پر اپنی جان بھی قربان کر دینی چاہیئے۔ لہٰذا اُسے تنہا چھوڑ کر زندہ رہنا ہمیں کسی طرح منظور نہ ہُوا۔ کیونکہ دوستوں کے ساتھ ہی مرنے اور جینے کا کچھ لطف ہے"۔

میں نے یہ ساری کہانی یا سچا واقعہ ملنگی کے آخری فقروں کے لئے بیان کیا ہے کہ یہ داستان ہماری دیہاتی معاشرت میں روزمرہ کے واقعات کی حیثیت رکھتی ہے۔

ملنگی ایک ڈاکو، سفاک، جفا پیشہ اور ستمگر درندہ، رحم کے نام سے ناآشنا، جور و جفا کا خوگر تھا۔ سچ ہے کہ اس کے کالبدِ خاکی میں بہت سی گھناؤنی برائیاں موجود تھیں۔ لیکن ایثار و دوستی کا جو درخشاں کارنامہ عہدِ وفا کی استواری کی شکل میں دکھایا وہ دوست داری کی تاریخ میں ہمیشہ جگمگاتا رہے گا ؎

ہندو ہیں بُت پرست مُسلماں خُدا پرست
ہم پُوجتے ہیں اُس کو جو ہو آشنا پرست

یہ ہے وہ کیرکٹر جس کی نشوونما گُونگا مشرقی فضاؤں میں ہوتی ہے۔ دانستہ طور پر اور بھیانک نتیجہ سے باخبر ہوتے ہُوئے بھی چاہِ مرگ میں کُود جانا ایسی بے نظیر قربانی ہے جس پر حضرت امیر خسروؒ کا یہ شعر بخوبی صادق آتا ہے ؎

چُوں زنِ ہندو کسے در ہمّتِ مردانہ نیست
سوختن بر شمعِ مُردہ کارِ ہر پروانہ نیست

حصُولِ واستعمالِ دولت

دولت کمانے اور خرچ کرنے کے لئے ہے۔ جو اس سے نفرت کرتے ہیں، وہ بیوقوف ہیں اور جو کما کر کام میں نہیں لاتے وہ لئیم اور بدبخت ہیں۔ دولت کو جمع کر کے چھوڑ جانے والا دُنیا سے حسرت کے ساتھ جاتا ہے اور عاقبت میں روسیاہ ہو جاتا ہے۔

دین و دنیا کے سب عقدے دولت سے حل ہو سکتے ہیں جس طرح زمین کے سب گڑھے پانی سے بھر جاتے ہیں اسی طرح دولت سے بھی انسان کے سب عیب ڈھکے جاتے ہیں۔ سب مقصد پورے اور سب عُقدے حل ہو جاتے ہیں۔ اَلنّقُوْدُ تحلّ العُقُوْد ؎

عالم میں خیر ہوتی ہے پیسے کے زور سے
جنّت کی سیر ہوتی ہے پیسے کے زور سے

اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا
ستّارِ عیوبی و قاضی الحاجاتی

غریبوں کے پھٹے پرانے کپڑے ذرا سی برائی کو بھی چھپنے نہیں دیتے۔ دولت مندوں کے سمور و قاقم بڑے بڑے گناہوں کو بھی چھپا دیتے ہیں۔ اور سونے کے ڈلے ان پر ملمع کرتے ہیں۔

روپیہ دل ہے، روپیہ دماغ ہے، روپیہ جان ہے، روپیہ محافظِ ایمان ہے۔ جب روپیہ نہیں رہتا تو ان

میں کچھ بھی نہیں رہتا۔ کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا۔ اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ۔
تنگ دستی کفر کے قریب اور دونوں جہان میں روسیاہی ہے ؎

بے زری ہا باعثِ آشوبِ صاحب ہمت است | کیسۂ خالی دہانِ اژدہا باشد مرا

روپیہ پری کو شیشے میں اتار لاتا ہے۔ دیو کو پنجرے میں بند کر لیتا ہے۔ سرکش مغرور کا سر جھکا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ خونی کو سزا سے بچا دیتا ہے۔ غرضیکہ پیسہ پاس ہے تو شیرنی کا دودھ بھی خریدا جا سکتا ہے ؎

پیسے کے آگے کیا ہیں یہ محبوبِ خوش جمال | پیسہ پری کو لائے پرستان سے نکال
خوشی، راحت، مزا، آرام ہے سب زر کے ہونے سے | یہ وہ نعمت ہے جس کی مانگ ہے ہاں کونے کونے سے
میں سچ کہتا ہوں کہ شیطان بھی سجدے میں گر پڑتا | بناتے خاک کے بدلے اگر آدمؑ کو سونے سے

جوشِ وحشت میں کوہ و بیابان طے کرنا سودائے زلف میں گریبان تار تار کرنا الفتِ سیم براں میں اشک بار رہنا سب بے سود ہے۔ زورِ زر سے ماہرویاں غلامِ بادام اور آہوانِ رَم دیدہ بھی رام ہو جاتے ہیں ؎

زورِ زر سے ہو گیا وہ یارِ شعلہ بار سرد | کس قدر تاثیر میں ہے شربتِ "دینار" سرد
حسینوں کے گلے سے لگتی ہے زنجیر سونے کی | نظر آتی ہے کیا چمکی ہوئی تقدیر سونے کی
یہ زر وہ چیز ہے جو ہر جگہ ہے باعثِ شوکت | سُنی ہے عالمِ بالا میں بھی تعمیر سونے کی!

سونا ہر ایک چیز میں سے گزر سکتا ہے۔

چاندی کی ڈھال سب بلا دیوے ٹال۔

دولت کے بغیر آدمی نہ صرف تنگ حال رہتا ہے بلکہ اس میں خیانت، بد دیانتی۔ بے وفائی، بے حمیتی، بے حیائی وغیرہ بہت سے کمینے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثل ہے کہ ایمان سب سے بڑی دولت ہے۔ اور دولت سب سے بڑا ایمان ہے۔

افلاس ہمدردی اور فیاضی کے وسائل دور کر دیتا ہے اور بدی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی قابلیت نہیں رہنے دیتا۔ جس کے پاس نہیں پیسا۔ وہ بھلا مانس کیسا۔ اشرفی والا اشراف ہے۔ جہاں روپیہ بولتا ہے وہاں سب خاموش ہو جاتے ہیں۔ دولت تیرے تین نام، دولو، دولا، دولت رام ؎

زمانہ امیروں کا وصاف ہے | اگر اشرفی ہے تو اشراف ہے

زر آزادی ہے۔ افلاس غلامی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ خالی تھیلا سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا۔

مفلس اگر مجلس میں بات کرے تو گستاخ، چپ رہے تو بے وقوف، سچ کہے تو مفسد اور اگر عاجزی کرے تو خوشامدی کہلاتا ہے۔ بالفاظ دیگر مفلس کے تمام ہنر عیوب اور نیکیاں بدی خیال کی جاتی ہیں۔

مفلسی کے دماغ میں بہت سی داناٸیوں کا گلا گھٹ جاتا ہے۔ انسان کی قدر علم سے ہے، اور علم کی قدر مال سے ہے ؎

زردار بے وقوف بھی دانا میں ہو شمار ۔۔۔ بے زر ہو عقلمند بھی سمجھیں اُسے حمار!

ایک شخص کا بیان ہے کہ زمانۂ امارت میں میرے بادِ فاسد (گوز) خارج کرنے کے وقت بھی میرے خوشامدی ہم نشیں الحمدللہ کہا کرتے تھے۔ لیکن اب زمانۂ افلاس میں وہی ہم نشیں چھینک آنے پر بھی "لعنت اللہ" باآواز بلند میرے سامنے کہنے سے نہیں جھجکتے اور ہر وقت میرا تمسخر اڑاتے ہیں۔

رُوپے کی عمر بہت زیادہ نہیں ہوتی مگر ہم نے اسے کسی کے ہاتھوں پر مرتے نہیں دیکھا۔

غریبوں کے امیر اور امیروں کے غریب ہونے کا یہی ایک راز ہے کہ بھوک انہیں دولت جمع کرنا سکھلاتی ہے اور امیری انہیں برباد کرنے کے طریقے بتلاتی ہے۔

انسان شجاعت میں ہر چند کہ رستم زال ہو، مگر جنگِ احتیاج میں وہ زال عاجز ہے ؎

چہ خوش گفت آں تہی دستِ سلحشور ۔۔۔ جوے زر بہتر از پنجاہ من زور

دولت کے بغیر سحبان جیسا فصیح البیان بھی باقل جیسا عاجز الکلام ہے اور باقل دولت کے ساتھ سحبان ہے۔

ارسطو کا قول ہے کہ غربت انقلاب اور جُرم کی ماں ہے۔

حضرت سلیمانؑ کا قول ہے کہ حکمت تونگری کے ساتھ بیدار ہے اور درویشی اور فقیری کے ساتھ حالتِ خواب میں ؎

جنت بہ ہمینت و جہنم بہ یسار ۔۔۔ با بُودن یک زر دو جہاں در کفِ تست

گرداب مصائب میں سے دولت کی کشتی میں ہی بیٹھ کر پار اُترا جا سکتا ہے۔

حریص چاہتا ہے کہ فریب و ظلم سے تمام دُنیا کی دولت بیٹے کے لئے سمیٹ کر چھوڑ جائے اور بیٹا منتظر ہے کہ کب باپ وفات پائے اور مال و دولت پر قبضہ جمائے۔

جس دولت و حشمت میں اطمینانِ خاطر نہیں، اس سے وہ فاقہ مستی ہزار درجہ بہتر ہے جس میں کہ سکونِ قلب ہو۔

امیروں کا یہ خیال کہ غریب مسرت و شادمانی کی دولت سے مالا مال ہیں، اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا غریبوں کا یہ یقین کہ امیر خوش ہیں۔

مفلس کو افلاس سے جو تکالیف پہنچتی ہیں، دولت مندوں کو دولت کی حرص اُس سے تکالیف پہنچاتی ہے۔

شریفانہ اخراجات کا معیار مناسب ضروریاتِ زندگی ہے نہ کہ خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل جس کا لازمی نتیجہ تنگ دستی ہے اور تنگ دستی دیوانگی ہے ؎

تنگ دستی فی الحقیقت مایۂ دیوانگی ست ۔۔۔ بید از بے حاصلی در باغ مجنوں گشتہ است

دولت مند بیوہ کے آنسو بہت جلد خشک ہو جاتے ہیں اور اس کا نصف سُہاگ قائم رہتا ہے۔

چاندی کی کیل لوہے کے دروازے میں سوراخ کرتی ہے ؎ زر اگر بر سرِ فولاد نہی نرم شود

دولت ہونے سے آدمی اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور دولت نہ ہونے سے لوگ اس کو بھول جاتے ہیں۔

دولتمند مفلسوں کو کھاتے ہیں اور دولت مندوں کو شیطان کھاتے ہیں۔ اس طرح دونوں کھائے جاتے ہیں۔

دولتمندی قوّت بازو پر منحصر ہے کیونکہ زور میں زر ½ حصہ شامل ہے ؎

دولت بغیر جنگ کسی کو نہیں ملی دیکھو کہ لفظِ جنگ بھی مقلوب گنج ہے

ایک فضول خرچ مفلسِ قلاّش نے کسی دولت مند شخص سے ایک مرتبہ کہا۔ "جناب! اس دُنیا میں روپیہ تو بہت ہے۔ اگر اسے سب آدمیوں میں برابر برابر بانٹ دیا جائے تو بڑی اچھی بات ہے۔ اس سے سب آرام و آسائش کی زندگی بسر کر سکیں گے، اور کوئی تکلیف میں نہ رہے گا۔" دولت مند نے کہا۔ "تمہارا یہ کہنا درست ہے۔ لیکن اگر ہر شخص تمہاری طرح فضول خرچ ہوا تو تمام روپیہ مہینے دو مہینے میں ختم ہو جائے گا۔ اُس کے بعد تم کیا کرو گے؟ فضول خرچ مفلس نے کہا۔ "جناب! پھر پہلے کی طرح بانٹ لیں گے اور ہمیشہ اسی طرح بانٹتے رہیں گے۔" دولتمند نے کہا "تمہاری عقل میں فتور ہے اس کا علاج کراؤ۔"

جب دولت محوِ گفتگو ہوتی ہے تو کوئی قطع کلامی نہیں کرتا۔

ناداری آزادی کی قاتل ہے۔ بے زری بے سری ہے۔ جس کے پاس زر نہیں وہ ہمیشہ سرنگوں رہے گا۔ زر ہے تو نر ہے ورنہ خر ہے ؎

بے زر جہاں میں رستمِ دستاں ہے مثلِ مور اور زر جو پاس ہے تو نہیں احتیاجِ زور

جو کہ شیروں کو کرے روباہ مزاج جان لے اے جانِ من ہے احتیاج

حوصلہ دُنیا میں زر کے ساتھ ہے قوّتِ پرواز پر کے ساتھ ہے

ایک عیب بہت سے ہنروں میں پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ مگر افلاس کا عیب ایسا ہے جو الٹا بہت سے ہنروں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ یک مفلسی و صد عیب ؎

خاک بن جا خوک بن جا یا سگِ مُردار بن جو تری مرضی ہے بن جا پر ذرا زردار بن

جس انسان کے پیٹ میں روٹی، تن پر کپڑا اور رہنے کو مکان نہیں۔ اس سے روحانی، دماغی اور علمی ترقی کی امید رکھنا زمینِ شور میں سبزہ زار اگاتا ہے۔ کیونکہ پیٹ سر کو مغلوب کر لیتا ہے ؎

زر زر ہے غنچۂ چمنِ کائنات کا زر ناخدا ہے کشتی بحرِ حیات کا

حق تو یہ ہے کہ مفلس شخص پانچوں ارکانِ اسلام میں سے کسی ایک رُکن پر بھی پورے طور سے عامل نہیں ہو سکتا۔

(۱) نماز میں حضورِ قلب اور جمعیتِ خاطر ہونا لازمی ہے۔ مفلس کو یہ دونوں باتیں کہاں نصیب لہٰذا نماز کا پورا ثواب حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

خداوندِ روزی بحق مشتغل پراگندہ روزی پراگندہ دل

مثل ہے بھوکے بھجن نہ ہو۔ بھرے آٹا تو سوجھے پرماتما ؎

دل میں ہو فکرِ نان تو ذکرِ خدا کہاں | دو خنجر اک میان میں سمائیں بھلا کہاں

شب چو عقدِ نماز بر بندم | چہ خورد بامداد فرزندم

(۲) روزہ کے لئے اچھی غذا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ خشک غذا کھا کر چند روز کے بعد روزہ رکھنا تو در کنار، وہ اُٹھ سکنے کے قابل بھی نہ رہے گا۔ لہٰذا اس رُکن پر بھی وُہ پُورے طور سے عامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ روزی نہ ہو تو روزہ کہاں ؎

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو | پھر وُہ غریب روزہ نہ کھائے تو کیا کرے

(۳) فریضۂ حج سے مُفلس قطعًا محروم رہتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے حاجت روا کو حجِ اکبر کے ثواب کی دعوت دیتا ہے۔

(۴) ثوابِ زکوٰۃ کو مُفلس مُطلقًا حاصل نہیں کر سکتا بلکہ خُود مستحق زکوٰۃ ہو جاتا ہے۔

(۵) جہاد میں شامل ہونے کے لئے بھی اہل وعیال کے لئے سال چھ مہینے کے گزارے کے لائق چھوڑ جانا ضروری ہے۔ مفلس اس سے بھی محروم رہتا ہے۔

گویا پانچ ارکانِ اسلام میں سے آخری تین تو اس کے حصّے میں بالکل ہی نہیں آتے۔ پہلے دو ارکان پر بھی برائے نام عمل کر سکتا ہے جس کی تشریح کر دی گئی ہے غرضیکہ لَا رِجَالُ اِلَّا بِالْمَالِ۔

بالفاظِ دیگر دولتِ دُنیا نہ ہونے کی وجہ سے مُفلس دولتِ دین بھی حاصل نہیں کر سکتا ؎

دُنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو | اعلائے شانِ قادرِ مُطلق کہاں سے ہو

خالی شِکم سے نعرۂ ہُو حق کہاں سے ہو | مصدر ہی جب نہ ہووے تو مشتق کہاں سے ہو

مُفلس کہ جس غریب کی دُنیا نہیں درست | مشکل کہ اس کے ہاتھ سے ہو کارِ دیں درست

انسان کی کل خُوشیوں کا خُون کرنے والی ایک مُفلسی ہے۔ یہ کمبخت اسے کسی کارِ خیر میں حصہ لینے کے قابل نہیں چھوڑتی۔ بلکہ بہتیرے جرموں کے ارتکاب پہ مجبور کرتی ہے۔ اور پانچوں ارکانِ اسلام پر عمل پیرا ہونے کی بجائے پانچوں شرعی عیب پیدا کرتی ہے ؎

عہد بد، جھوٹ، دغا بازی، فریب اور چوری | پانچوں عیب اس میں ہیں اے اہل فراست سمجھو

ناجائز ذریعے سے کمائی ہُوئی کوڑی، محنت اور دیانت سے کمائی ہُوئی اشرفی کو لے ڈوبتی ہے۔

دانا اسی چیز سے دولت حاصل کر لیتا ہے، جسے نادان بے پروائی سے نظر انداز کر جاتا ہے۔ شہد کی مکھی انہیں پھُولوں سے شہد حاصل کر لیتی ہے جن سے مکڑی زہر۔

جس شخص نے امانت میں خیانت کی ہو یا قرض سے سبکدوشی نہ پائی ہو اُس کی خیرات ثواب حاصل نہیں کر سکتی۔

مال و دولت کے بغیر، عقل ورائے ایک خیال و فسوں ہے۔ مال و دولت بغیر عقل ورائے

کے جہالت و جنوں ۔
ایک امیر شخص کا قول ہے کہ مجھے کروڑوں ڈالر کمانے میں اتنی تکلیف تمام عمر میں نہیں ہوئی جتنی پہلا ہزار ڈالر کمانے میں ہوئی۔ اس کے بعد روپے کو روپیہ کھینچتا رہا۔
بے ہنر روپیہ حاصل نہیں کر سکتا۔ بدانتظام کے پاس نہیں رہ سکتا۔ روپیہ کمانے کی نسبت اُس کے بچانے کا فن بہت مشکل ہے ؎

بر احوالِ آنکس بباید گریست	کہ آمد بوَد نوزدہ خرچ بیست

مال کا جمع کرنا ایسا ہے گویا کسی بہت بڑے پتھر کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جائیں اور خرچ کرنا ایسا ہے گویا اس پتھر کو لڑھکا دیں ؎

بیس آمد پہ اگر ایک بھی بچت کر لو	اس گئے گزرے زمانے میں غنیمت سمجھو
بیس مدخل ہو اگر بیس ہی خرچ بھی ہو	خود کو اک روز گرفتارِ مصیبت سمجھو
بیس آمد پہ اگر خرچ میں پائی بھی بڑھی	پھر مقام اپنا یہاں قعرِ مذلت سمجھو

جو شخص کماتا ہے مگر بچانا نہیں جانتا وہ بیل ہے جس کی کمائی سے غیر فائدہ اٹھاتے ہیں۔
انتظام اور سلیقہ سے روپے کا خرچ کرنا بڑی بھاری نفس کشی ہے۔
بدسلیقہ امیر اور منتظم غریب میں یہ ہی فرق ہے کہ وہ دولت کو کہتا ہے "جا" اور یہ کہتا ہے "آ"
جو شخص روپے کو خواہشاتِ نفسانی پورا کرنے میں صرف کرتا ہے وہ نفس پرست ہے۔ جو شہرت و ناموری میں خرچ کرتا ہے وہ دنیا پرست ہے۔ جو اپنی یا غیروں کی بھلائی میں لگاتا ہے، وہ خدا پرست ہے۔
آپ کے کفن میں کوئی جیب نہ ہوگی ؎

وہ انساں ہے اوروں کو لے جو سمیٹ	کہ کتّا بھی اپنا تو بھرتا ہے پیٹ

دولت انسان کو تباہ نہیں کرتی بلکہ دولت کا بُرا استعمال اُسے تباہ کر دیتا ہے۔
عزت کو بیچ کر دولت کمانا انتہائی ذلت ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

لت خوردن از تمنائے دولت برائے چہ	خواری کشیدن از پئے راحت برائے چہ
مطلب اگر گذشتنِ عمر است در خوشی	بگذر ز مطلب ایں ہمہ زحمت برائے چہ

دولت و علم فیض رسانئ خلائق کے لئے ہے نہ کہ رکھ چھوڑنے یا کسی کو برباد کرنے کے لئے۔
مفلس ناداری کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے انہیں کوئی تکلیف معلوم نہیں ہوتی۔ مگر دولت مند ذرا سا سامان تعیش کے نہ ہونے سے چلّا اٹھتے ہیں۔ کھائیں تو گھی سے ورنہ جائیں جی سے۔
غریب اگر امیروں کی نعمتوں سے محروم ہیں تو رات دن کے جھگڑوں اور پریشانیوں سے بھی تو محفوظ ہیں اگر انہیں وہ مسالے دار، خوش ذائقہ، مرغن و مچرب کھانے میسّر نہیں ہوتے تو طرح طرح کی نت نئی

بیماریاں بھی انہیں نہیں ستاتیں۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ دُنیا میں دولت مند ہی زیادہ حاجت مند اور سخا کی پائے جاتے ہیں۔ اور ہوسِ زر سے انہیں کبھی آرام چین نہیں ملتا ؎

گدا اگر میسّر شود نانِ شام | چناں خوش بخسپد چو سُلطانِ شام
گدا را کند دو درہم سیم سیر | سکند بہ نصفِ جہاں نیم سیر

ع آں کہ غنی تر اند محتاج تر اند | کوٹھے والا روئے چھپّر والا سوئے

جو انسان بے زری کے باعث اپنی ضروریاتِ زندگی کے حصول سے قاصر ہے وہ ایک مُردہ سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ مُردے کو کسی چیز کی حاجت نہیں اور زندہ کے لئے سب کچھ چاہیے۔

غریب و امیر، زندگی تو سب کی بسر ہو جاتی ہے۔ لیکن ہر دو کی بسر اوقات میں دن اور رات بلکہ زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ دُنیا میں کسی خوبی کی بھی دولت سے زیادہ قدر نہیں ہوتی ؎

یہ فرق زردار و بے زر کا مقامِ غور ہے | شیرِ قالیں اور ہے شیرِ نیستاں اور ہے
دُر تارہ افلاس سے گرمردِ حق آگاہ ہے | کفر کی منزل کو گویا فقر سیدھی راہ ہے

نیکوں کی کمائی کنبے کی پرورش اور قومی مصالحت میں صرف ہوتی ہے۔ اور بدوں کی کمائی عیاشی اور مُلک کی بربادی میں۔ سچ ہے ؎

جس کے ہاتھ آیا خزانہ قصد رکھتا ہے یہی | مثلِ فوارہ جہاں میں سر اٹھایا چاہیے
نشۂ دولت کا بدا طور کو جس آن چڑھا | سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا

غیر ضروری چیزوں کا خریدار ایک نہ ایک دن گھر کا ضروری سامان بھی بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

دُنیا کے سفر میں اصلی ضروریات اور نفسانی خواہشات میں تمیز کر کے قدم رکھو۔

بچایا ہوا روپیہ خواہ کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو کئی تر آنکھوں کو پونچھتا ہے۔ ہوت کی بوت ہے۔

امیر دکھائی دینے کی خواہش امیر بننے کی سدِّ راہ ہے۔

مانچسٹر کی پبل پارک میں ایک لوحِ مزار پر یہ عبارت کندہ ہے "میری امیری، جائداد و مقبوضات کی کثرت سے نہ تھی بلکہ ضروریات کے قلیل اور محدُود ہونے سے"۔

ہماری زندگی کی نصف سے زیادہ تکالیف و مصائب اس خیال میں غلطاں رہنے کی وجہ سے ہیں کہ "ہمیں لوگ کیا کہیں گے"۔

جو شخص آمدنی کی تہائی سے زیادہ خرچ نہیں کرتا وُہ خوش نصیب ہے۔ اور جو نصف خرچ کرتا ہے وُہ کفایت شعار۔ مگر نصف سے زیادہ خرچ کرنے والا فضُول خرچ اور بے نصیب ہے۔

زرد و سفید (سونا چاندی) سیاہ روز کے لئے ہے۔

امیری دولت کو سمیٹنے سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ ضروریات کے گھٹانے اور کفایت شعاری کو مدِّ نظر رکھنے سے ؎

گر ضرورت ہو کوئی گھر میں تو بازار کو جا — جا کے بازار میں کر لے نہ ضرورت پیدا

جس شخص کو مالدار بننا مقصود ہو اُسے چاہیے کہ پہلے اپنی بیوی سے پُوچھ لے۔
باورچی خانے کی فضول خرچی مُفلسی کی دعوت اور مُفلسی بد معاشی کا آغاز ہے۔
حساب کر دکوڑی تک کا بخش دو چاہے لاکھ ٹکا ؎

ایک مُسرف نے یہ ممسک سے کہا — کب تک اے ناداں یہ حُبِّ مال وزر
تُو جو یُوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ — ہے سدا دُنیا ہی میں رہنا مگر
ہنس کے ممسک نے کہا اے سادہ لوح — زر لٹانا رائگاں اور اس قدر
آج ہی گویا نصیبِ دُشمناں — آپ کا دُنیا سے ہے عزمِ سفر

انسان کا حوصلہ پست کرنے والی اور ہمت کی کمر توڑنے والی دُنیا میں کوئی چیز افلاس سے بڑھ کر نہیں۔ عزم کا استحکام اور ارادے کی اُستواری کھوئی جاتی ہے۔ دماغی شگفتگی آشفتگی کی نذر ہو جاتی ہے۔ پیٹ دل ودماغ کو مغلوب کر لیتا ہے۔ غرض "اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِی الدَّارَیْنِ" تنگ دستی ہر دو جہاں میں باعثِ روسیاہی ہے۔ لہٰذا اے عزیز کوشش کرتا رہ کہ تو گرفتارِ افلاس نہ ہو سکے۔ بے زر اگر اولادِ رسولؐ ہے تو بھی جہاں میں نامقبول ہے۔

کفایت شعاری انسان کا طبعی وصف نہیں ہے بلکہ اکتسابی ہے جو علم، عقل، تجربے، دور اندیشی اور چال چلن کی درستی سے حاصل ہوتا ہے ؎

کفایت غریبوں کی ٹکسال ہے — جو مُسرف ہے آخر وہ کنگال ہے

سموئیل کہتا ہے کفایت شعاری کے لئے کوئی بڑی دلیری یا غیر معمُولی طاقت درکار نہیں۔ بلکہ یہ نفس پر تھوڑا سا قابُو پانے سے حاصل ہو سکتی ہے جس کا لازمی نتیجہ تونگری ہو گا یا کم از کم افلاس کی لعنت سے بچا رہے گا۔
امیر ہو کر مغرور نہ ہونا آسان ہے۔ لیکن غریب ہو کر واویلا نہ کرنا مشکل ہے۔

دولت کی دیوی بہادر کے پاس اس واسطے نہیں آتی کہ اسے ہر وقت بیوہ ہونے کا خطرہ لگا رہتا ہے فضول خرچ کے پاس اس لئے نہیں آتی کہ وہ اس کی قدر نہیں کرتا بخیل کے پاس اس لئے نہیں آتی کہ وہ اسے ہوا نہیں لگنے دیتا۔ پس ان سب کو چھوڑ کر کفایت شعار کے پاس رہتی ہے۔ جہاں ہر طرح سے اس کی عزت ہوتی ہے۔
فضول خرچ کی جوانی کا زمانہ عیاشی اور اوباشی میں گزرتا ہے۔ خانہ داری کا زمانہ پریشانی اور تنگ دستی میں اور بڑھاپا ماتم اور مایُوسی میں ؎

عشرت وعیش وکامرانی کب تک — عشرت بھی ہوئی تو نوجوانی کب تک
ہو یہ بھی اگر قیام دولت ہے محال — دولت بھی ہوئی تو زندگانی کب تک

دولت ہمیں خدا کے رُوبرو سرخ رو کرتی ہے۔ اگر ہم اسے ایسے کاموں میں لگائیں جن سے خدا کی مخلوق کا بھلا ہو ؎

کیجئے غور تو دولت بھی پیمبر ہے امیرؔ — کہ کریموں کو خدا سے یہ ملا دیتی ہے

روپیہ انسان کا بہترین خادم اور بدترین آقا ہے۔ بدترین آقا اس صورت میں ہے جب تم قرض دار ہو۔

قرض ایک قفس ہے جس میں داخل ہونا تو آسان ہے لیکن اس سے باہر نکلنا مشکل ہے۔

قرض لے کر کشتی کے ذریعے پار اترنا دریا میں ڈوب مرنے سے بھی بدتر ہے۔ بھوک نعمت، قرض قیامت۔

فضول خرچی کا لازمی نتیجہ قرض ہے اور قرض وہ بلا ہے جس کے ذریعے دولت مند قرض داروں کو غلامی کی زنجیروں میں اس طرح جکڑ لیتا ہے کہ اس کے پنجے سے رہائی پانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ مقروض انسان سے وہ تمام صفاتِ حمیدہ مفقود ہو جاتی ہیں جو انسان کا طرۂ امتیاز ہیں۔ نہ اس میں خودداری باقی رہتی ہے اور نہ ترقی کرنے کے لئے افراد کے دل اُبھر سکتے ہیں۔ صداقت اور ایفائے عہد کے پاک اوصاف اس سے چھن جاتے ہیں۔

سوائے گناہ کے اور کوئی شے کسی نوجوان کی ترقی میں اتنی سنگِ راہ نہیں ہوتی جتنا قرض ؎

دولت کی ہیں دو لتاں، تُلسی، نشچیہ لین — آوت تو اندھا کرے جاوت کرے مت ہین

مطلب:۔ دولت کی دو عادتیں ہیں۔ تُلسی یقین جان لے کہ جب آتی ہے تو آدمی کو اندھا کر دیتی ہے اور جب جاتی ہے تو بیوقوف بنا دیتی ہے۔

دولت اور عقل کبھی ہم سفر نہیں ہوتے۔

ایک پائی کا ضائع ہونا کچھ نہیں سمجھا جاتا۔ مگر یاد رہے کہ اس چھوٹے سے تانبے کے ٹکڑے کی دیاسلائیاں انسان کے گھر کو مہینہ بھر روشن کر سکتی ہیں۔

بچت کرنے والے جانتے ہیں کہ آشیانے میں ایک تنکا اور بڑھانے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

پائی روپے کا بیج ہے اور روپیہ خزانے کا۔ خزانے سے انسان آرام، آزادی، سلطنت بلکہ خدا کو حاصل کر سکتا ہے ؎

ہر گُل زبانِ برگ سے کہتا ہے باغ میں — انسان کیا نبات کو ہے زر کی احتیاج

جیسا پیسا گانٹھ کا ویسا میت نہ کوئے — جس جا گٹھڑی کھولیے سب کوئی اپنا ہوئے

پیسوں کو احتیاط سے خرچ کرو، روپے اپنا خیال آپ رکھیں گے۔ باندھ کیسہ کھا ہریسہ۔

بخیل دولت کی پرستش کرتا ہے۔ مگر کفایت شعار اُس سے اپنی پرستش کرواتا ہے۔

کفایت شعاری کو بُخل سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ دُور اندیشی کی بیٹی، پرہیزگاری کی بہن اور آزادی کی ماں ہے اور بخل آسودہ حالی کا دُشمن اور ذلت و رسوائی کا دوست ہے۔

دولت ضرورتوں کے رفع کرنے کی چیز ہے۔ پس جو دولتمند یہ دیکھتے ہوئے کہ لاکھوں غریب ایک ایک ٹکڑے کے محتاج ہیں۔ روپے کو اندر دبا کر رکھتے ہیں۔ وہ گنہگار اور خدا کے نافرمان بندے ہیں ؎

دولت وُہی ہے جس سے کہ ہو فیض خاص و عام کس کام کے جو بحر ہیں گو ہر بہت سے ہیں
ہمدردِ بن کے دردِ نہ بانٹا تو کیا جیے کچھ دردِ دل بھی چاہیے انسان کے لئے
مرنا بھلا ہے اُس کا جو اپنے لئے جیے جیتا ہے وُہ جو مر چکا ہو غیر کے لئے

دولت کے نقصانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جوں جوں آپ بوڑھے ہونے جائیں گے زیادہ سے زیادہ لوگ آپ کی زندگی سے زیادہ آپ کی موت کی خواہش کریں گے۔

دولت بہت سے لوگوں کی بچائی ہوئی پونجی ایک شخص کے ہاتھ لگ جانے کو کہتے ہیں۔

لوگوں میں قدرتی غیر ہمواری سے دولت کا مخصوص جگہوں پر جمع ہو جانا ناگزیر ہے۔

اگر قدرت کے نزدیک دولت قابلِ قدر چیز ہوتی تو یہ ایسے بدمعاشوں کو ہرگز نہ ملتی۔

دولت سے بڑھ کر کوئی چیز ایسی نہیں جو انسان کو آزادانہ و شریفانہ طور پر زندگی بسر کرنے سے روکتی ہو۔

کوئی شخص اُن چیزوں کے تناسب سے دولتمند ہوتا ہے جنہیں وہ چھوڑ سکتا یا جن کے بغیر وہ گزارہ کر سکتا ہے۔

"میدانِ دولت" کے ہیرو تسبیح کے دانوں کی مانند ہیں ایک دانہ لڑھکتا ہے تو دُوسرے بھی اُس کا تعاقب کرتے ہیں۔

تمام دُنیا میں گھوم کر دیکھ لو۔ مفلس کے لئے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں ہے۔

دولت حرام و حلال کا چھرا ہے اِس کو سمجھ کر استعمال کرو۔

سونے کی کنجی تمام اقسام کے قفل کھولنے پر قادر ہے۔

دولت چھٹی حِس ہے جس کے بغیر تمام حواسِ خمسہ کمزور ہیں۔

روپیہ بڑے سے بڑے حاکم کے سفارشی خط سے زیادہ کام کرتا ہے۔ زر کار کند۔ مرد لاف زند ؎

ماتا کہے میرا پوت سپوتا بہن کہے میرا بھیّا نار کہے میرے سر کا سائیں سب سے بھلا روپیہ

طبقۂ اُمراء اِس وجہ سے قابلِ مذمت ولائقِ نفرت ہے کہ وُہ حصولِ دولت میں تو ہر قسم کے مظالم و ناجائز ذرائع سے دریغ نہیں کرتے۔ لیکن استعمالِ دولت میں فرض زکوٰۃ تک ادا نہیں ہو سکتا۔ خیرات تو درکنار مفلس و محتاج سے بات تک نہیں کرتے ؎

نقدِ جاں کیسۂ قالب سے جو نکلے نکلے دیکھ مُمسک کہیں تھیلی سے نہ ہو زر باہر

کفایت شعاری عیب نہیں۔ لیکن یہ بُخل کے درجے تک نہ پہنچ جائے۔ روپے کا مناسب استعمال بُرا نہیں۔ لیکن یہ فضول خرچی کی حد میں نہ آجائے۔

تیشہ نہ بنو جو سب کچھ اپنے آگے ڈالتے جاؤ۔ رندہ بھی نہ بنو جو سب کچھ باہر نکالتے جاؤ بلکہ آرہ بنو۔ کچھ

اپنے آگے ڈالو اور کچھ باہر نکالو۔ یعنی خود بھی کھاؤ پیو اور محتاجوں اور غریبوں کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔ دوہا

کھایا جائے سو کھائے لے، دیا جائے سو دیہہ ان دونوں سے جو بچے اس کو جانو کھیہہ

معمولی معمولی فضول خرچیوں سے بچتے رہو۔ چھوٹا سا سوراخ بڑے سے بڑے جہاز کو ڈبو دیتا ہے۔

کفایت شعاری بخل اور اسراف کے بین بین چلنے کا نام ہے۔ موقع پر صرف نہ کرنا بخل اور بے ضرورت صرف کرنا اسراف ہے۔

بنک کے مختصر سے حساب سے بڑھ کر کوئی چیز آرام دہ نہیں۔ طویل حساب خطرے کا موجب ہوتا ہے۔

کفایت شعاری رحمتِ الٰہی اور فضول خرچی قہر ایزدی ہے۔ بخیل خود غرضی اور فضول خرچ نفس پرستی کا مجرم ہے

بخیل اور مُسرف ہیں محروم دونوں کہ دولت کو کرتے ہیں معدوم دونوں

رُوپیہ سے بے انتہا محبت رکھنی اور اس کی پرستش کرنی تمام برائیوں سے زیادہ خطرناک ہے۔ روپیہ ضروریات زندگی کے رفع کرنے کی چیز ہے نہ کہ اس کی پرستش کی جائے۔ اس شخص سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بد نصیب نہ ہوگا جو روپیہ کما کر اس سے خدمت نہ لے۔ روپیہ گاڑ یا داب رکھنے کی چیز نہیں۔ اگر وہ صرف اس لئے ہوتا تو اینٹ پتھر سے زیادہ اس کی وقعت نہ ہوتی۔ روپیہ خانگی ضروریات رفع کرنے کے علاوہ بنی نوع انسان کے دائرہ مسرت کو بھی وسیع کرتا ہے۔ اور اس کے لئے رحمت و برکت اور خیرات کا موجب ہے۔ بشرطیکہ اس کا جائز استعمال کیا جائے۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ میں درہم ہوتا تو فرماتے۔ افسوس کہ میرے پاس سے جائے بغیر تو مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

بچپن میں، میں یہ سوچا کرتا تھا کہ دولت زندگی میں بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ اب میں بوڑھا ہوں اور میرا خیال یقین میں بدل گیا ہے (آسکر وائلڈ)

نمائشی فضول خرچ انسان مور کی مانند ہے کہ دم بڑھاتا اور بازو گھٹاتا ہے۔

شکم پرست اپنی قبر اپنے دانتوں سے کھودتا ہے۔

جس خاندان میں پیدائش سے زیادہ موت اور جس گھر میں آمدنی سے زیادہ خرچ ہو سمجھو کہ اس کا خاتمہ ہو چکا

جو تھوڑا ملا ہے تو سارا نہ چکھ کہ تھوڑا سا کھا اور تھوڑا سا رکھ

مُفلس کی خوشی بھی آلائشوں سے خالی نہیں ہوتی ؎ ماتم زدہ را عید بود ماتم دیگر

دولت محنت سے حاصل ہوتی، کفایت شعاری سے قائم رہتی اور کوشش و استقلال سے بڑھتی ہے

نا بُردہ رنج گنج میسّر نمی شود مزدِ آں گرفت جانِ برادر کہ کار کرد

اس بات کا فیصلہ کہ آیا تم امیر ہو گے یا غریب، یہ بات نہیں کر سکتی کہ تم کتنا کماتے ہو، بلکہ یہ کہ تم کتنا خرچ کرتے ہو

دیار دولت میں تمام لوگ ہم مذہب ہیں۔

دو خواتین ایک امیر آدمی کے پاس خیرات کے کام کے لئے چندہ مانگنے گئیں۔ وہ اس وقت دو موم بتیوں کی روشنی میں کچھ لکھ رہا تھا۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ اس نے ایک موم بتی بجھا دی۔ جب خواتین نے اُس کی یہ حرکت دیکھی تو وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں کہ ایسے آدمی سے انہیں کچھ چندہ وصول نہ ہوگا مگر جب انہوں نے اپیل کی تو اُس نے بیس اشرفیاں بطور چندہ کے دیں۔ ایک خاتون نے اُس سے کہا "میں آپ سے چندہ لے کر خوش بھی ہوئی ہوں اور حیران بھی۔ کیونکہ مجھے آپ سے ایک کوڑی بھی ملنے کی توقع نہ تھی" امیر نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے کہا "آپ نے ہماری آمد پر جو بتی بجھا دی تو ہم نے خیال کیا کہ یہاں سے ہمیں کچھ وصول نہ ہوگا" اُس نے کہا "یہی سبب ہے کہ میں آپ کو اتنی رقم خیرات کے طور پر دینے کے قابل ہو گیا ہوں۔ میں کفایت شعاری پر عمل پیرا ہونے سے روپیہ بچاتا ہوں تاکہ نیک کاموں میں صرف کر سکوں۔ باتیں کرنے کے لئے ایک ہی موم بتی کی روشنی کافی ہے۔

قرض و افلاس کی ترشی فضول خرچ کے سارے نشے اتار دیتی ہے۔ اَلْمَقْرُوْضُ مَذْبُوْحٌ ؎

یہ ضرب المثل عالم اک کہہ گیا ہے | لیا مول غم قرض جس نے لیا ہے

پیسہ دو پیسہ کو معمولی خیال نہ کرو ؎

قطرہ قطرہ ہے پانی دریا میں | دانہ دانہ ہے غلہ خرمن میں

روپے کی خواہش میں عمر گزارنے والا ایک شرابی سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ وہ نشے کی حالت میں تو سرور حاصل کر لیتا ہے اور اسے کسی وقت بھی آرام نہیں ملتا ؎

ممکن نہیں بغیر قناعت فراغ دل | ہر چند تو دہ تودہ تجھے سیم و زر ملے

غریبو! عیاشی اور خود غرضی میں پھنسے ہوئے امیروں سے تم کیوں اپنے تئیں چھوٹا خیال کرتے ہو؟ مانا کہ تم محتاج ہو لیکن شکر کرو کہ ان کی طرح گنہگار تو نہیں ہو۔

وہ پہاڑ کھودا جاتا ہے جس کے اندر زر ہو۔ وہ انسان تباہ کیا جاتا ہے جس کے پاس دفینہ ہو۔

بہت کم لوگ ہیں جو معاملات داد و ستد میں ٹھیک اُترتے ہیں۔ اور بہت کم لوگ ہیں جو دولت مل جانے پر اعتدال کو قائم رکھ سکتے ہیں ؎

کسوٹی نے زر ہی کی پہچان کی | مگر زر کسوٹی ہے انسان کی

دولت میں راحت نہیں۔ جاہ و حشمت میں راحت نہیں بلکہ سچی راحت اس میں ہے کہ انسان ناداری اور بے سر و سامانی کی حالت میں انتشار و پریشانی کو دل میں راہ نہ دے ؎

جب چشم آز پھوٹ گئی سب خلش مٹی | اب سنگریزہ ہاتھ لگے یا گہر ملے

انسانی زندگی باوجود مقدرت کے اگر محتاجوں کے اٹھانے میں صرف نہیں ہوتی تو کس کام کی ؎

شخصے کہ ازو فائدۂ دنیا و نے دین است بگریز از و گرچہ شہِ رُوئے زمین است

تُم درخت نہیں ہو کہ اپنا پھل اپنے ہی پاؤں میں گرا دو۔ یا اینٹ پتھر کھا کر کسی کو دو۔ تمہاری کمائی سے بغیر مانگے محتاجوں کو فیض ہونا چاہیے ؎

دُور دستاں را باحساں یاد کردن ہمت است ورنہ ہر نخلے بپائے خُود ثمر می افگند

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں "جس دوست سے تمہیں کوئی مالی یا جسمانی، اخلاقی یا رُوحانی فائدہ نہیں پہنچتا وُہ عملاً اور عقلاً دشمن کے قریب قریب ہے۔

ایک شخص نے اپنے کسی دوست کے پاس جا کر سو رُوپے کی ضرورت ظاہر کی۔ یہ سُن کر وُہ دوست رونے لگ گیا۔ اس کی بیوی نے کہا "بڑے شرم کی بات ہے کہ تم اپنے دوست کی ادنیٰ سی ضرورت بھی پُوری نہیں کر سکتے اور رونے لگ گئے۔ حالانکہ تمہارے پاس کافی مال ہے"۔ اس نے کہا "میں تو اس لئے روتا ہُوں کہ اپنے دوست کی صوُرت حالات اور ضرُوریات مبلغات کا خُود ہی اندازہ کیوں نہ لگا لیا کہ اسے اظہار احتیاج کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ چنانچہ اس نے اپنے دوست کو کافی رقم بیہ دے کر معذرت بھی چاہی کہ میں اپنے فرائض دوستی سے غافل و بے خبر رہا۔

ضرُورت مند کی ضرورت پوُری کرنا اگرچہ بہترین فرض انسانیت ہے۔ مگر اس فرض کو قرض لے کر اور اپنے تئیں محتاج بنا کر پورا کرنا خوُد کو مصائب و آفات کے بھنوَر میں ڈالنا ہے۔ لہذا رُوپے کو ہاتھ سے مت چھوڑو ورنہ روپیہ تمہیں چھوڑ جائے گا۔

ایک سخی شخص کے ملازم نے کہا کہ مہاجن کھڑا ہے اور اپنے قرض کے چار سو رُوپے مانگتا ہے اور آپ کا ایک مفلس آشنا بھی کھڑا ہے۔ وُہ بھی اتنے ہی روپے مانگتا ہے۔ اس سخی نے بے تامّل مُفلس آشنا کو رُوپے دے دیئے اور مہاجن کو یہ سمجھ کر ٹال دیا کہ ایک احسان کا متوقع ہے اور ایک قرض کا۔ لہٰذا اس نے احسان کو قرض کی ادائیگی پر ترجیح دی۔

ایک پادری اپنے بخل کی وجہ سے بہت بدنام تھا اور لوگ اس سے نفرت کرتے تھے۔ اس نے اپنا تمام جمع کردہ روپیہ رفاہِ عام کے لئے نہر بنانے کو دے دیا اور اپنے بخل کی یہ وجہ بیان کی کہ اگر وہ عام فقیروں اور محتاجوں کو روزانہ تھوڑی تھوڑی خیرات دیتا تو یہ عظیم الشان خیر جاریہ اور رفاہِ عام کا ثواب کس طرح حاصل کر سکتا۔

غیر مستحقوں کو خیرات دینا سانپوں کو دودھ پلا پلا کر موٹا کرنا ہے ؎

شریروں کو دے گا جو تُو مال و دولت گنہگار ہوں گے وُہ تیری بدولت

دولتمند کے سب خادم ہوتے ہیں۔ غریب آدمی ڈُوب بھی رہا ہو تو سب کنارہ کش ہو جاتے ہیں کسی نے کیا خوُب کہا ہے ؎

بھرے ہی کو بھرتی ہے دُنیا مدام سمندر کو جاتے ہیں دریا تمام

دھنونتی کے کانٹا لگا دوڑے غیر ہزار
نردھن گرا پہاڑ سے کوئی نہ آیا یار

مرض الموت کے سوا دولت تمام دُکھوں کے لئے چارۂ کار اور سب کو مطیع کرنے کے لئے پُوری مددگار ہے ؎

خواہی کہ دِل دلبر تو گرم شود
وز پردہ بروں آید و بے شرم شود

زاری مکن وزر در کمن زر بفرست
زر بر سرِ فولاد نہی نرم شود

تائیدِ حق زمانے میں زر کے سوا نہیں
گر کف میں زر نہیں ہے تو رحمِ خدا نہیں

نہ دُنیا کے ہوں کام دھن کے بغیر
نہ مُردہ بھی اُٹھے کفن کے بغیر

کیا ڈھونڈتا ہے تو عملِ بغض و محبت
چلتا ہُوا تعویز سمجھ نقشِ درم کو

شراب پی کر مدہوش نہ ہونا ممکن ہے۔ لیکن کمینہ شخص دولت کی مستی سے بے ہوش ہُوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور مخلوقِ خُدا کو طرح طرح کے آزار پہنچاتا ہے۔ عربی ضرب المثل ہے کہ "دَوْلَتُ الْاَرْذَالِ اٰفَتُ الرِّجَالِ" ؎

بادہ نوشیدن و ہشیار نشستن سہل است
گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی

کمینہ شخص کو جب دولت مل جاتی ہے تو وُہ کمینے طریقوں ہی سے اُس کو خرچ بھی کرتا ہے۔ خدا کا خوف یا بندوں کی شرم کوئی چیز بھی اُس کو اپنی بدراہ روی سے نہیں روک سکتی۔ کیونکہ مندرجہ ذیل پانچ کیلے اس کے جسم میں گڑ جاتے ہیں۔ ایک کیلا تو اس کی گردن میں گڑتا ہے جس سے وُہ ہمیشہ اکڑتا اور گردن فرازی کرتا ہے۔ دو کیلے اُس کی آنکھوں میں گڑ جاتے ہیں، جن کی وجہ سے وُہ بھلائی اور بُرائی کو نہیں دیکھ سکتا۔ دو کیلے اس کے کانوں میں گڑ جاتے ہیں جن کے باعث وُہ کسی کی نصیحت بھی نہیں سنتا اور اندھا دُھند جو جی میں آئے کر گزرتا ہے۔ آخر میں ایک کیلا قدرت کی جانب سے اس کی "جائے نشست" میں ٹھونکا جاتا ہے۔ جس کی سختی سے یہ پانچوں کیلے فوراً باہر گر جاتے ہیں۔ پھر اس کی گردن بھی جھک جاتی ہے۔ آنکھوں کو بھی صحیح طور پر استعمال کرکے راہ راست پر چلتا ہے اور اس کے کان بھی نصیحت پذیر ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ بعد از وقت ہوتا ہے ؎

آنچہ دانا کُند کُند ناداں
لیک بعد از خرابی بسیار

حضرت علیؓ کا قول ہے "دولت کی مستی سے خدا کی پناہ مانگو۔ کیونکہ یہ وُہ لمبی بستی ہے کہ جس کے نشے کو سوائے موت کے کوئی دُوسری چیز نہیں اُتار سکتی"۔

جو شخص دو درہموں کا بھی مالک ہو، اُس کے ہونٹ طرح طرح کی باتیں سیکھ جاتے ہیں۔ تم اُسے لوگوں میں اتراتا اور تکبر کرتا ہُوا دیکھو گے۔ اُس کی آواز میں رُوپے کی جھنکار شامل ہوتی ہے۔ اگر یہ درہم اس کے پاس نہ ہوتے تو تم اسے لوگوں میں نہایت کم گو اور بدحال پاتے۔ بلا شُبہ رُوپیہ تمام جگہ لوگوں کو ہیبت اور جمال کا لباس پہنا دیتا ہے۔ جو شخص فصاحت و خُوش بیانی کا ارادہ کرے تو درہم اس کی زبان میں تاثیر پیدا کر دیتے ہیں اور جو شخص لڑنے کا ارادہ کرے اُس کے لئے ہتھیار بن جاتے ہیں۔

لیکن اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہو کہ دولت تمہاری تمام ضروریات پوری کر سکتی ہے۔ کیونکہ
دولت سے ہم عینک خرید سکتے ہیں۔ مگر نظر نہیں خرید سکتے۔
دولت سے ہم نرم اور گدگدے بستر خرید سکتے ہیں مگر میٹھی نیند نہیں خرید سکتے۔
دولت سے ہم کتابیں خرید سکتے ہیں مگر علم نہیں خرید سکتے۔
دولت سے ہم خوشامد خرید سکتے ہیں مگر محبت نہیں خرید سکتے۔
دولت سے ہم زیورات خرید سکتے ہیں مگر حسن نہیں خرید سکتے۔
دولت سے ہم جسمانی راحت خرید سکتے ہیں مگر روحانی مسرت نہیں خرید سکتے۔
دولت سے ہم سخاوت کر سکتے ہیں مگر عبادت نہیں خرید سکتے۔
دولت سے ہم ادویات خرید سکتے ہیں مگر صحت نہیں خرید سکتے۔
دولت کے پر ہوتے ہیں مگر افلاس دروازے کے قریب ہی رینگتا رہتا ہے۔ جو ایک دفعہ گھر میں داخل ہو جائے تو نکلنے کا نام نہیں لیتا۔ لہذا دولت کو قابو میں رکھنے اور افلاس کو نکالنے کے لئے سخت محنت کی ضرورت ہے

منحصر قوت بازو پہ ہے دولتمندی دیکھ لو زور میں موجود ہے زر ½

دماغ سے عقلمند انسانوں کی طرح تدابیر سوچو اور جسم کو بارکش حیوانات کی طرح مشقت کا عادی بناؤ۔ تب کہیں روپیہ حاصل ہوتا ہے۔ صرف دماغ یا اکیلا جسم حصول مقصد کے لئے کافی نہیں۔ مثل ہے

سر گاڑی، پیر پہیہ، تب ملے روپیہ

دنیا میں دولت سے زیادہ انسان کا کوئی مددگار نہیں، کار برآر اور وفادار خدمت گزار نہیں۔ مثل مشہور ہے۔
باپ بھلا نہ میا۔ بہین بھلی نہ بھیا۔ سب سے بھلا روپیا۔

انسان کی نیت میں اگر شر نہ ہو موجود زر ہاتھ میں اس کے ہے کلیدِ درِ مقصود
کوشش کبھی زردار کی جاتی نہیں بے سود رہتا ہے سدا سایہ فگن طالع مسعود
ہر رنگ میں یہ تازگی قلب و جگر ہے ہے صلح میں شمشیر لڑائی میں سپر ہے

علم و اخلاق

لو جان بیچ کر بھی جو علم و ہنر ملے جس سے ملے، جہاں ملے، جس قدر ملے

علم طاقت ہے ایک عالم میں ایک لاکھ جاہلوں کے برابر طاقت ہوتی ہے۔
علم ایک ایسا پودا ہے جسے دل و دماغ کی سرزمین میں لگانے سے عقل کے پھل لگتے ہیں۔
اگر تم نے اپنی اولاد کے لئے فقط اولاد چھوڑی ہے تو مانو کہ انہیں گمراہی اور سستی کی قید میں پھنسا دیا۔ لیکن اگر

خالی علم و نیک چلنی سکھا دی ہے تو گویا اُن کو تمام قیدوں سے آزاد کر دیا۔
ہر ایک خیرات کردہ چیز کا اثر اُس کی موجودگی تک رہتا ہے۔ لیکن علم کا فیض ابدالآباد ایک کے بعد دُوسرے کو پہنچتا ہے
قصص الاوّلین مواعظ الآخرین۔
ہر ایک سودے میں نفع یا نقصان کا ہونا قسمت پر منحصر ہے مگر علم کا پھل بدبختی اور ادبار کی دسترس سے باہر ہے۔
تعلیم ایک دیوی ہے جس کا سایہ پڑتے ہی انسان آدمی بن جاتا ہے۔
زیادہ باتونی شخص پڑھنے کی طرف کم توجہ کرتا ہے (ارسطو)
عالم کا ورثہ ہر ملک و ہر شہر میں ہے۔ اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ النَّسَبِ وَاَشْرَفُ اللَّقَبِ
گنج علم اور گنج زر میں یہی تو فرق ہے کہ یہ دولتِ لازوال ہے اور مصیبت و پیری میں یار غمگسار تفریح طبع کا مشغلہ۔ لیکن گنج زر کو ہر وقت خطرہ ہے اور اواخر ایام میں اپنی جُدائی کا داغ دینے والا اور پشیمانی بخشنے والا ہے
حکمت کا بول جسے تم نے سُنا اور یاد کر لیا۔ پھر اپنے مسلمان بھائی سے ملے اور اُسے بھی سکھا دیا۔ ایسا ایک عمل سال بھر کی عبادت کے برابر ہے (الحدیث)
حضرت رسُول کریمؐ کا فرمان ہے کہ ایک عالم شخص شیطان پر ہزار عابد سے سخت تر ہے۔ اور عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام تاروں پر۔ کیونکہ عالم وارثِ انبیاء ہیں۔ اور انبیاء کی میراث نہ دینار تھا نہ درہم بلکہ اُن کی میراث علم تھی۔ پس جس نے وہ حاصل کیا اُس نے بہت حصہ حاصل کیا۔
نَوْمُ الْعَالِمِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الْجَاهِلِ (ترجمہ) عالم کا سونا جاہل کی عبادت سے بہتر ہے۔
علم بڑی دولت ہے۔ علم سے نجات ہوتی ہے۔ علم کے آگے مال و دولت کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ ایک محتاج آدمی جو دولتِ علم سے بہرہ ور ہے۔ وہ بے علم بادشاہ سے بہتر ہے۔ ایک آدمی کا علم اور ہزار آدمیوں کی عبادت برابر نہیں ہو سکتی۔ عالم کا ایک دن جاہل کی تمام عمر سے زیادہ ہے۔
جس گھر میں ایک آدمی بیمار رہتا ہے۔ گھر والے سبھی دُکھی ہو جاتے ہیں۔ پس جس ملک کے پچانوے بلکہ ننانوے فیصد باشندے جہالت کے مہلک مرض میں مبتلا ہوں وہ کیسے خوشحال رہ سکتا ہے۔
جس آدمی میں علم نہیں، وہ آدمی نہیں جانور ہے اور جس گھر میں کوئی علم والا نہیں، وہ گھر نہیں، جانوروں کا ڈربا ہے اور جس ملک میں علم کا رواج نہیں، وہ ملک نہیں حیوانات کا جنگل ہے۔
علم کی عزت مال و دولت کی عزت سے کہیں سوا ہے۔ امیر آدمی کی عزت یا کپڑے لتّے سے ہے یا مسند تکیے سے یا نوکروں چاکروں سے یا ہاتھی گھوڑوں سے۔ یہ سب کچھ جہاں اُن سے الگ ہوا، پھر جہاں اور خدا کی مخلوق ہے۔ ایک وہ بھی ہے۔ لیکن علم والا جس حال میں رہے گا اور جہاں جائے گا اور جس سے ملے گا اُس کی عزت ویسی ہی بنی رہے گی۔
لارڈ میکالے کا قول ہے کہ اگر رُوئے زمین کی بادشاہت مجھے دے دی جائے اور میرا کتب خانہ مجھ سے

لے لیا جائے تو میں اس پر ہرگز رضامند نہ ہو سکوں گا۔

کمترین مؤلف کو پچھتر سال کی عمر میں جنوری ۱۹۵۳ء میں اپنی بائیں آنکھ کا موتیابند کا آپریشن کروانا پڑا۔ آپریشن کے بعد ڈاکٹر نے خاص طور پر ترکِ مطالعہ کی ہدایت کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم مطالعہ ترک کر دو گے تو تمہاری موجودہ بینائی دس سال تک علیٰ حالہٖ قائم رہ سکتی ہے۔ ورنہ اگر تم مثلِ سابق کثرتِ مطالعہ جاری رکھو گے تو ایک سال کے وقفۂ قلیل میں تمہاری بینائی کلیتہً زائل ہو جائے گی۔" جواباً میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا کہ میں دس سال کی بے مطالعہ زندگی پر ایک سال کی با مطالعہ زندگی کو ترجیح دیتا ہوں۔ چنانچہ اب تک (۱۹۶۱ء) وہی کثرت مطالعہ پہلے سے بھی زیادہ جاری ہے۔ اور بینائی میں بھی کوئی نمایاں کمی واقع نہیں ہوئی۔ الحمدللہ۔

ہمیں زندہ رہتے ہوئے حصولِ علم کے لئے کوشاں رہنا چاہیے۔ لیکن جس وقت ہم تحصیل علم سے فارغ ہوتے ہیں آفتاب زندگی ڈوب رہا ہوتا ہے (ڈکسن)

جو شخص علم حاصل کرنے کا خواہاں ہو، وہ پہلے یہ طے کرلے کہ آیا تحصیل علم سے اس کا مقصد کیا ہے۔ اگر صرف فخر و مباہات اور نمائش کے لئے پڑھتا ہے تو یاد رہے کہ وہ اپنا دشمن ہے۔ اور اگر علم سے جہالت کا دور کرنا اور دوسروں کو پہچاننا اور خدائے برتر کی رضا جوئی مقصود ہے اور ظاہری نمائش منظور نہیں تو سبحان اللہ (امام غزالی) ؎

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر
دولت جو ملے تو اس کو تقسیم بھی کر

اللہ عطا کرے جو عظمت تجھ کو
جو اہل ہیں اس کے ان کی تعظیم بھی کر

خالد بن احمدؒ حاکم بخارا نے حضرت امام بخاریؒ سے کہا کہ میرے بیٹوں کو میرے گھر پر آکر علم حدیث و تاریخ پڑھایا کرو۔ آپ نے فرمایا۔ "انہیں مدرسہ میں بھیج دیا کرو۔ میں گھر پر آکر پڑھانے سے علم کی تحقیر نہیں کرنا چاہتا۔" اس پر حاکم نے کہا۔ "اچھا جس وقت میرے بیٹے سبق پڑھیں اس وقت اور کوئی طالب علم مدرسہ میں نہ ہو۔ میں جیسے در خواص کے ساتھ اپنے لڑکوں کو بٹھا کر اپنی تحقیر نہیں کرنا چاہتا۔" امام صاحب نے فرمایا۔ "علم اور خاص کر علم حدیث میراثِ رسولِ کریم ہے۔ اس کی اشاعت میں کوئی تخصیص کرنا نہیں چاہتا۔" حاکم نے ناراض ہو کر زورِ حکومت سے حصولِ فتویٰ کے بعد آپ کو شہر بدر کر دیا۔ سبحان اللہ! یہ خودداری اور عزتِ علم۔

مطالعہ ایک مسرتِ بے کدورت ہے۔

تھوڑا علم خطرے کا موجب ہے۔ اس چشمے کا پانی یا تو سیر ہو کر پیو۔ ورنہ اس کے قریب مت جاؤ۔ اس کے ایک دو گھونٹ پینے سے انسان مدہوش ہو جاتا ہے لیکن جی بھر کر پیئے تو دل و دماغ روشن ہو جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا فرمان ہے کہ علم کی قیمت ہے۔ اس لیے قیمت لیے بغیر علم کسی کو نہ دیا کرو۔ اس پر لوگوں نے سوال کیا کہ بھلا علم کی قیمت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا ایسے شخص کے پاس رکھنا جو خوبی کے ساتھ اس کا بار اٹھائے اور با حفاظت رکھے اور اس کو ضائع نہ کرے۔

ہر زمانے میں موسمِ بہار موجود رہتا ہے۔ یعنی انسان ہر وقت اور ہر عمر میں علم و ہنر حاصل کر سکتا ہے (سقراط)

انسان علم کا بہت زیادہ بوجھ اٹھانے کے بعد خود کو پھول کی طرح ہلکا محسوس کرتا ہے (ٹینی سن)

مخبر صادقؐ کا فرمان ہے "دنیا میں تمہارے تین باپ ہیں۔ ایک وہ جو تمہاری پیدائش کا سبب ہے۔ دوسرا وہ جس نے اپنی لڑکی تمہارے نکاح میں دی۔ تیسرا وہ جس سے تم نے دولت علم حاصل کی اور ان میں بہترین باپ تمہارا اُستاد ہے۔

حضرت علیؑ کا قول ہے "جس نے مجھے ایک حرف کی بھی تعلیم دی ہے۔ اس نے مجھے اپنا غلام بنا لیا"

عبدالرحمٰنؒ بن قاسم فرماتے ہیں" میں نے بیس سال تک امام مالکؒ کی خدمت کی۔ اُن میں اٹھارہ سال آداب و اخلاق کی تعلیم میں خرچ ہوئے اور صرف دو سال علم کی تحصیل میں۔

جو شخص محض دُنیا کے لئے علم سیکھتا ہے۔ علم اس کے دل میں جگہ نہیں پکڑتا۔

علم خواہ کتنا بھی زیادہ حاصل ہو جائے۔ لیکن ہمیشہ اس کو تھوڑا خیال کرو۔ ہمہ دانی کا دعویٰ چھوڑ دو اور ہیچدانی کی عاجزی اختیار کرو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

(۱) آنکس کہ نداند و نداند کہ نداند در جہلِ مرکب ابدالدہر بماند

جو شخص کہ نہیں جانتا اور نہیں سمجھتا ہے کہ وہ نہیں جانتا ہے۔ وہ جہل مرکب میں ہمیشہ کے لیئے مبتلا رہے گا

(۲) آنکس کہ بداند و بداند کہ بداند آں ہم خرکِ لنگ بمنزل برساند

جو شخص کہ جانتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ جانتا ہے وہ بھی اپنے لنگڑے گدھے کو منزل پر پہنچا لیتا ہے ؎

(۳) آنکس کہ بداند و بداند کہ نداند اسپِ طرب خویش بافلاک رساند

جو شخص کہ جانتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وُہ نہیں جانتا وہ اپنے اسپ شادمانی کو آسمان تک پہنچا لیتا ہے۔

ستارے آسمان کا زیور ہیں اور تعلیم یافتہ انسان زمین کی زینت۔

طلبِ علم صلوٰۃ نوافل سے افضل ہے (امام شافعیؒ)

شجرِ علم کو اشک ہائے چشم سے سیراب کرو۔

شیخ سعدیؒ کا قول ہے ؎

پئے علم چوں شمع باید گداخت کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

جہاں سورج چڑھتا ہے وہاں رات بھی ضرور ہوتی ہے۔ مگر جہاں علم کی روشنی ہو' وہاں جہالت کا اندھیرا کبھی نہیں آسکتا۔

مجھے ایک بستر اور اچھی کتاب دے دیجئے' میں ہر طرح خوش ہوں (پرسل سمتھ)

زندگی ایک کتاب ہے جو مرتے دم تک انسان کے ساتھ ہے۔ مگر اس کے دقیق مضامین کے سمجھنے کے لئے علمِ صادق اور عقلِ سالم درکار ہے۔

چراغ جس طرح جلائے بغیر روشنی نہیں دیتا۔ علم بھی بغیر عمل کے فائدہ نہیں پہنچاتا۔

عالم بے عمل گدھے کی مانند ہے جو آسمان پر اڑتا ہے۔ مگر زمین پر مُردار کھاتا ہے۔
گندے مضامین کی کتابیں لکھنے سے باز آؤ۔ قوم کے بچّوں پر رحم کرو انہیں گرمیں زہر ملا کر مست دو۔ کیونکہ بچے ہر ایک رنگ کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ لوحِ سادہ برائے ہر نقش آمادہ۔
بری تصنیف کے برابر کوئی گناہ نہیں۔ برا معلّم صرف ایک مدرسہ کو بگاڑ سکتا ہے۔ مگر بری تصنیف ایک عالم کو تباہ کر دیتی ہے۔
عالم کی فضیلت عابد پر ویسی ہے جیسے میری فضیلت اُمّت پر (حدیث)
برا مضمون عُمدہ عبارت میں ایسا ہے جیسا کہ درخت بے ثمر گنجان اور خوشنما پتوں میں۔ یا بدکار عورت زریں لباس میں۔ برخلاف اس کے مفید مضمون خواہ معمولی الفاظ و سادہ عبارت میں ادا کیا جائے وہ اخلاقی اصلاح کے ایک مستند دستور العمل کا کام دیتا ہے۔
جو شخص فحش کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس سے وہ اچھا ہے جس کو مطالعے کا شوق ہی نہیں۔
جو شخص تفریح طبع کے لئے کتابیں پڑھتا ہے وہ تعلیم یافتہ دماغی عیاش ہے، جو اپنی دولت علمی اور گرانبہا وقت کے موتی دل خوش کن مزے میں لٹا رہا ہے۔
طرح طرح کی عام کتابوں کے پڑھنے سے معلومات تو بے شک بڑھ جاتی ہیں۔ مگر مذاق بگڑ جاتا ہے۔ خیالات پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ حق بات پر دل نہیں جمتا۔ عمل کی طاقت گھٹ جاتی ہے۔ ایسی ہی بے سروپا واقفیت کی نسبت کہا گیا ہے کہ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرِ۔
کوئی کتاب جب پڑھو تو آخر میں چند نتیجے اخذ کر لو۔ ورنہ سرسری طور سے پڑھ جانا ایسا ہے، جیسا کہ غذا کو بغیر چبائے ہوئے نگل جانا۔ لہٰذا پڑھو تو سمجھ سے پڑھو۔ ورنہ چمچے کی طرح کیا فائدہ کہ رہے تو رنگ رنگ کے کھانوں میں مگر کھٹے میٹھے، الونے سلونے ذائقے کی اُسے کچھ خبر نہ ہو ؎

بہ ہیچ کار کتب خوانیت نمی آید   زہیچ خاطرِ خود نسخۂ فراہم کن

کئی لوگ مرتے دم تک اُن خراب خیالات کے لئے نوحہ گر رہتے ہیں جو فحش کتابوں سے اُن کے دلوں پر جم گئے۔ اگر وہ رنگ ہوتا تو آخری وقت وہ اُن خیالات کو اپنے خون سے دھو ڈالنے میں بھی دریغ نہ کرتے۔
اگر کوئی شخص ملک شام کے آخر سے چل کر یمن کے آخر تک محض اس لئے جائے کہ حکمت کا ایک بول سن لے تو میرے نزدیک اس کا سفر ضائع نہیں گیا (شعبیؒ)
چند اوراق کا مجموعہ جسے کتاب کہا جاتا ہے، کیا چیز ہے؟ شبانہ روز کی محنتِ شاقہ، دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے یہ چند اوراق لکھے گئے ہیں، ان کے مصنفین نے کس قدر خون جگر پیا ہوگا؟ کتنی میٹھی نیندیں حرام کی ہوں گی؟ دماغ اور آنکھوں کا کس قدر تیل نکلا ہوگا؟ محض اس واسطے کہ تم پڑھو اور مستفید ہو

اُن کی اس قدر محنتوں اور مشقتوں کو رائگاں کرنا اور علم کے اس خزانے کو جو ان کتابوں میں بند ہے، بے پرواہی کے ساتھ نظر انداز کر دینا، اگر اُن نیک رُوحوں اور عالی دماغ شخصوں پر جنہوں نے ان کتابوں کے لکھنے کی تکلیف تمہارے واسطے گوارا کی ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ بلکہ حقیقتاً اپنی جان پر بھی ظلم کرنا ہے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ پتھروں اور دھاتوں کو تو ہم بڑی احتیاط سے صندوقوں اور الماریوں میں بند رکھیں۔ اور ان سچے موتیوں اور جواہرات کے خزانوں کو بے تکلف جہاں چاہیں اٹھا کر پھینک دیں، جہاں وُہ کچھ عرصہ میں دیمک کی خوراک بن جائیں۔ جن کے اوراق بعد میں ردّی کی طرح ذلیل کاموں میں صرف کئے جائیں۔ کیا ہمارے دل سے اُن بڑے بڑے بزرگوں، فاضلوں اور محققوں کی عزت کا خیال بالکل جاتا رہا ہے کہ ہم ان کے دماغی اور رُوحانی ورثے کی بالکل پروا نہیں کرتے۔ کتنے نامور اور متبحر عالم گزر چکے ہیں، جن کی تصانیف تک ہم کو خوش قسمتی سے دسترس حاصل ہے۔ مگر اپنی بد طالعی، بے پرواہی کی وجہ سے ہم کبھی ان کتابوں کو کھولنے اور اس لازوال دولت سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتے اور ان کے تمام عمر کے ذخیرۂ علم کو ادنیٰ سی قیمت پر خرید نہیں سکتے۔ جو وہ ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں۔

کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ ایک معمولی امیر آدمی یا حاکم سے جو ہم سے ملنا بھی نہیں چاہتے، ایک منٹ کے لیے مُلاقات کرنا تو ہم اپنا فخر سمجھیں اور ان ذہانت و علم کے شہنشاہوں سے جو بڑے شوق سے خُود ہمیں اپنے پاس بلاتے ہیں اور گھنٹوں تک ہم سے مفید گفتگو کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم اُن کی بات بھی نہ پُوچھیں معمُولی درباروں میں جہاں اکثر جاہل اور مغرُور آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے، کرسی نشین ہونا کتنی بڑی عزت خیال کی جاتی ہے۔ لیکن کتب خانہ جو ایک ایسا دربار ہے جہاں تمام دُنیا کے عُلماء و فضلاء، نیک سے نیک بندگان خُدا بڑے بڑے بادشاہ، بڑے بڑے شاعر، نامور ہیرو اور مشاہیر زمانہ سب کے سب جمع ہیں۔ کسی میں غرور اور خودغرضی نام کو نہیں۔ ان کا دربار عام ہے۔ ٹکٹ کی ضرورت نہیں۔ جس وقت چاہو جاؤ۔ جس وقت چاہو باتیں کرو۔ جب گھبراؤ اُٹھ کر چلے آؤ۔ کسی قسم کی روک ٹوک نہیں۔ کیا افسوس کی بات نہیں ہے کہ ہم ایسے درباروں کے لیے کچھ وقت نہ نکال سکیں۔ یہ ایسے دوست ہیں جو کبھی تم کو رنجیدہ نہیں کرتے۔ کبھی تم سے کچھ طلب نہیں کرتے۔ کبھی تم سے ملنے میں انکار نہیں کرتے۔ کوئی عذر پیش نہیں کرتے۔ ان دوستوں کی رائے ہمیشہ صائب، نیک اور سراسر بے غرضی پر مبنی ہوتی ہے۔ ان دوستوں کی قدر کرو اور اُن سے فائدہ اٹھاؤ۔ اُن کے آفتاب علم سے روشنی اکتساب کرو۔

کتب خانہ وُہ فلک ہفت متیں ہے جہاں دُنیا کے کاملین و عارفین کی رُوحیں بقائے دوام وحیات جاوید حاصل کرنے کے بعد مجتمع ہیں۔ یہ وہ منوّر مندر ہے جہاں علم کے دیوی دیوتا اپنے پرستاروں کے ساتھ خاموشی ہی خاموشی میں گفتگو کر کے استفادۂ رُوحانی پہنچاتے ہیں اور تم کو بھی بقائے دوام حاصل کرنے کی تحریص و ترغیب دلاتے ہیں۔ کتب خانہ وُہ مرکز ہے جہاں آفتاب علم کی پُر نور شعاعیں اور خُوبصورت کرنیں ہمیشہ کے لیے

انسانی دماغوں کو روشن کرنے کے لیے شمع ہیں۔ اس روشنی سے اپنا دل و دماغ منوّر کرو۔ کتابیں چراغ ہدایت ہیں۔ ان کی موجودگی میں بھی اگر کوئی تاریکی میں رہے تو وہ خود ذمہ دار ہے۔

جب میں کسی جاہل کو عمدہ لباس میں ملبوس دیکھتا ہوں تو مجھے اس لباس کی قسمت پر رونا آتا ہے (بلگز)

کتابیں ایسے بزرگوں کے مدفن ہیں جو مرنے کے بعد بھی نہیں مرتے۔

سکندر نے اپنے کتب خانے کا نام "معالج رُوحانی" رکھا تھا۔

اسرار جہاں دیدم پنہاں بہ کتاب اندر　　من سُرمۂ رازی را از دیدہ فرو شستم

جو کتابیں اصُولِ عامہ پر لکھی جاتی ہیں اور اُن میں حقائقِ عامہ کا بیان ہوتا ہے، اُن کی نسبت اُمید ہے کہ وہ مدّتوں تک پڑھی جائیں۔ کیونکہ وہ ہر زمانہ اور ہر مُلک میں ایک ہی اثر رکھتی ہیں۔

ایک بادشاہ نے حکیم اقلیدس سے کہا کہ اس کو مختصر طور پر علم ہندسہ سکھلا دے تو اقلیدس نے جواب دیا کہ حضور علم ہندسہ کے لئے کوئی خاص شاہی راستہ نہیں ہے، جو مختصر طریقے سے طے کیا جا سکے۔ دُوسری چیزیں حکومت و دولت سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ لیکن علم محنت مکمل مُطالعہ اور تنہا نشینی سے حاصل ہوتا ہے۔

جب تک آپ حصول علم میں کوشاں رہتے ہیں۔ بڑھاپا آپ کے نزدیک نہیں آتا۔ انسان بڑھاپے کی وادی میں اسی وقت قدم رکھتا ہے جب وہ علم حاصل کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

ارسطوُ نے چند اہم اسباق جو خاص سکندر کے لیے تیار کیے تھے، عام طور پر شائع کر دیے تو سکندر نے ارسطوُ سے شکایت کی کہ "ان مضامین کو عام طور پر شائع کر دینے کے بعد اب میرے لیے کونسا فخر باقی رہ گیا میں بہ نسبت فتح عالم کے علم میں زیادہ سر بلندی چاہتا ہوں"۔

انسان کے لیے کوئی یادگار کتاب سے زیادہ دیرپا نہیں ہو سکتی۔ عمارات، بُت، اور تصاویر وغیرہ ایک خاص میعاد کے بعد فنا ہو جاتی ہیں۔ اور وہ ایک ہی جگہ مُقیّد ہوتی ہیں۔ لیکن کتاب ہر جگہ پہنچ سکتی ہے اور اس کے فیض جاریہ سے تمام لوگ بہرہ مند ہوتے ہیں۔

ایک مصنّف پر لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ تم برسوں اپنی تصنیف پر سینکڑوں دفعہ نظر ثانی کرتے ہو۔ اور پھر اس کے بعد ایک چھوٹی سی کتاب نکالتے ہو۔ اس نے یہ مختصر جواب دیا کہ "میں ایک ایسی تصویر بناتا ہوں جو ہمیشہ قائم رہے"۔

بعض کتابیں صرف چکھ لینے کے قابل ہوتی ہیں۔ بعض نگل جانے کے لائق اور بہت تھوڑی ایسی ہوتی ہیں جن کو چبانے اور ہضم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ خُون صالح پیدا ہو سکے۔ یعنی اُن سے اچھے نتائج حاصل ہوں۔

دس اچھی کتابیں پڑھ کر تب کہیں آپ ایک سیڑھی اُوپر چڑھیں گے۔ اس کے برعکس صرف ایک گندی کتاب پڑھ کر آپ دس سیڑھیاں نیچے گر جائیں گے۔

یاد رکھو کہ جو کتاب کئی بار پڑھنے کے لائق نہیں، وہ پڑھنے ہی کے لائق نہیں۔

واضح رہے کہ ہم غیر آدمیوں کے علم سے عالم تو بن سکتے ہیں، مگر اوروں کی عقل سے عاقل نہیں بن سکتے لہٰذا جو شخص اپنی ذات کو اپنی عقل سے فائدہ نہیں پہنچا سکتا وہ عاقل نہیں بلکہ جاہل ہے اور اس کی عقل حقارت کے قابل ہے۔

بعض لوگوں میں مبالغہ آمیزی کی عادت اس قدر راسخ ہو جاتی ہے کہ وہ جھوٹ کی آمیزش کے بغیر سچ بول نہیں سکتے۔

علم بے عمل عقیم، عمل بے علم سقیم اور ازدواج علم و عمل منتج بہ نتائج عظیم ہے۔ علم وہ ہے جو عالم عاقل اور نیک کردار بنائے۔ "عِلْمٌ بِلَا عَمَلٍ كَحِمْلٍ عَلَى جَمَلٍ" یعنی علم بغیر عمل کے گویا بوجھ ہے اونٹ پر۔

علم کی دولت ہوتے ہوئے بھی مادی محرومیوں کا احساس علم کی ناپختگی پر دلالت کرتا ہے۔

جو شخص وسعت آبادِ علم سے دولت آبادِ عمل میں آگیا وہی دنیا میں سب پر سبقت لے جاتا ہے۔ تعلیم کا مقصد عظیم یہ ہے کہ انسان خلعتِ مردانگی پہن کر میدانِ فرزانگی میں آئے۔ خردمند کارشناس اور مواقع فہم بنے۔ خواہشات فضول و غضب نامقبول سے گریز اور عاداتِ نامعقول سے پرہیز کرے۔

اَلْعِلْمُ لَا يُضْبَطُ اِلَّا بِالدَّرْسِ (ترجمہ) علم قابو میں نہیں رہتا جب تک متواتر پڑھنا جاری نہ رکھا جائے۔

جب کسی برتن میں کوئی چیز ڈالی جائے تو وہ بھر کر تنگ ہو جاتا ہے اور اس میں مزید گنجائش نہیں رہتی سوائے علم کے برتن یعنی انسانی سینہ کے کہ اس میں جس قدر زیادہ ڈالتے جاؤ وہ اتنا ہی پھیلتا جاتا ہے (حضرت علیؓ)

تم برٹش میوزیم کی تمام کتابیں پڑھ لینے کے بعد بھی جاہل مطلق اور ناخواندہ رہ سکتے ہو۔ لیکن اگر تم ایک اچھی کتاب کے دس صفحے بھی حقیقی درستی اور قوتِ جاذبہ کے تحت پڑھتے ہو تو تم ہمیشہ کے لیے کچھ حد تک پڑھے لکھے آدمی ہو۔

علم را بر تن زنی مارے بود — علم را بر دل زنی یارے بود

دنیا میں تمام چیزوں کی ایک حد، ایک مقدار اور ایک شمار ہے۔ سوائے علم کے کہ یہ بے حد، بے مقدار بے شمار اور غیر مختتم ہے۔

دارالعلوم علم سے معمور ہیں۔ نئے لوگ اس میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ جانے والے اپنے ساتھ نہیں لے جاتے۔ اس طرح علم میں مستقل طور پر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

یہ ایک اچھی تجویز ہے کہ بعض کتابیں غور سے گہرے مطالعہ کے لیے کچھ دوسری صرف مطالعہ کے لیے چنی جائیں۔

حیوانات اپنے آپ تک محدود ہوتے ہیں۔ ان کی نظر اپنی حالت سے آگے نہیں بڑھتی۔ مگر انسان زبان دانی کے باعث گرد و پیش کا جائزہ لے کر شرف انسانیت سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔

سینیکا کا قول ہے تم مطالعۂ علم اس لیے کرو کہ دل و دماغ کو عمدہ خیالات سے معمور کرو۔ نہ اس طمع سے کہ تھیلیوں کو روپوں سے بھرپور کرو۔

کسی مُلک کی تہذیب کا صحیح معیار نہ تو مردم شماری کے اعداد ہیں، نہ بڑے بڑے شہروں کا وجُود، نہ غلّے کی افراط اور نہ دولت کی کثرت۔ بلکہ اس کا صحیح معیار صرف یہ ہے کہ وُہ مُلک کس قسم کے انسان پیدا کرتا ہے (ایمرسن)

حدیث پاک میں ہے کہ کسی باپ نے اپنی اولاد کو عُمدہ ادب سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔

امام ابن المبارکؒ کا قول ہے کہ آدمی کسی قسم کے علم سے باعظمت نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے عمل کو ادب سے مزین نہ کرے۔

مخلد بن الحسینؒ نے فرمایا کہ ہم بہت ساری حدیثوں کے سُننے اور پڑھنے سے زیادہ مُحتاج ادب سیکھنے کے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے بعض طلبائے حدیث کی کچھ خفیف حرکتیں دیکھیں تو فرمایا "اے وارثانِ انبیاء! کیا تم ایسے ہی رہو گے؟ تم پر وقار لازم ہے"۔

حضرت مولانا حافظ محمد یعقوبؒ صاحب صدر مُدرّس دیوبند پرانے زمانے کے طریق مکاتب کے مطابق اپنے ایک شاگرد کو مار رہے تھے۔ اس نے کہا کہ اللہ کے واسطے مجھے نہ ماریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ ہی کے لیے تو مار رہا ہوں"۔

ایک عالم و فاضل شخص گردشِ روزگار سے مجبُور ہو کر تلاش مُعاش میں شہر بہ شہر در بدر خاک بسر مارا مارا پھرتا تھا۔ اثنائے سفر میں ایک روز اُسے ایسے شہر میں پہنچنے کا اتفاق ہُوا جس کے تمام دروازے بند تھے۔ اس نے باہر والے اشخاص میں سے ایک پیر مُعمّر سے دروازوں کے بند ہونے کی وجہ پُوچھی تو اُسے بتلایا گیا کہ بادشاہ کا باز اڑ گیا ہے۔ اس وجہ سے اُس نے تمام دروازوں کو بند رکھنے کا حکم دیا ہے تاوقتیکہ باز نہ مل جائے۔ عالم نے کہا کہ باز آسمانی پرندہ ہے اس کو دروازوں کی بندش کیا سدِّ راہ ہو سکتی ہے۔ آخرکار عالِم حیرانی میں عالِم نے اُس پیرِ مُعمّر سے کہا کہ حکمتِ خداوندی میں کس کو دخل ہے کہ ایسے بے وقوف کو بادشاہت دے کر لاکھوں انسانوں کو مبتلائے عذاب کر رکھا ہے اور یہاں باایں ہمہ علم و ہُنر تلاشِ رزق میں مارے مارے پھر رہے ہیں لیکن مُیسّر نہیں آتا جو جسم و جان کا تعلق قائم رہ سکے۔ اس دانا نے جواب دیا کہ کیا تو اس بات پر رضامند ہو سکتا ہے کہ اُس کا دماغ تیرے دماغ میں بھر دیا جائے اور پھر یہی بادشاہت تجھ کو دے دی جائے۔ عالم نے بے تامل و بلا توقف فوراً جواب دیا کہ یہ تو ہرگز منظور نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی بے وقُوفی اور حالت جہالت میں بادشاہت کا کیا فائدہ۔ علم کی روشنی چھوڑ کر میں تاریکیٔ جہالت کے گڑھے میں گرنا کیونکر پسند کر سکتا ہوں۔ اس دانا نے کہا، شکر کرو کہ تم اس دولتِ علم سے مالا مال ہو جس کے مُقابلے میں دُنیاوی دولت بلکہ بادشاہت ہیچ ہے۔ خُدا ہر شخص کو وہی دولت بخشتا ہے جس کی اُس کو تمنّا ہو۔ تمہیں دولت علم کی خواہش تھی اس لئے تم نے تحصیل علم میں کوشش کی وُہ تم کو بقدر تمہاری محنت و کوشش کے حاصل ہو گئی۔ دولت علم اور دولت دُنیا اور کمال و اقبال بہت کم ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔

حضرت رسُول کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ علم تو نُورِ خُدا ہے جو گنہگاروں اور بدبختوں کو نہیں دیا جا سکتا۔

دُنیا میں سب سے بڑی بدبختی جہالت اور علم سے محرُومی ہے۔

حضرت ربیعۃ الرائےؒ وہ بزرگ تھے جن کے شاگرد حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام حسن بصریؒ تھے۔ آپ کے والد فوج میں ملازم تھے اور گھر خرچ بھیجتے رہتے تھے۔ پُورے ستائیس برس بعد واپس آئے تو دیکھا کہ مسجد میں ایک خُوبصُورت شخص درس دے رہا ہے۔ دل میں تمنا پیدا ہُوئی کہ کاش یہ میرا بیٹا ہوتا۔ گھر آئے تو بیوی سے پُوچھا وہ تیس ہزار اشرفیاں کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سنبھال کر رکھی ہُوئی ہیں۔ اتنے میں اُن کے صاحبزادے حضرت ربیعۃ الرائے تشریف لے آئے۔ بیوی نے فوراً کہا کہ وہ تمہاری تیس ہزار اشرفیاں آگئی ہیں جو میں نے سب ان کی تعلیم پر صرف کردی ہیں۔ باپ یہ سُن کر بے حد مسرور ہُوا اور بیوی کی اس حصُولِ علم کی کوشش پر اُسے مُبارک باد کہی۔

حضرت علیؓ سے کسی نے پُوچھا کہ علم بہتر چیز ہے یا دولت۔ آپ نے فرمایا علم دولت سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ دولت قارُون و فرعون کو ملتی ہے اور علم پیغمبروں کو ملتا ہے۔ انسان کو دولت کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ مگر علم انسان کی حفاظت کرتا ہے۔ دولت والے آدمی کے دشمن بہت ہوتے ہیں۔ مگر علم والے آدمی کے دوست۔ دولت خرچ کرنے سے گھٹتی ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ دولت مند بخیل اور علم والا سخی ہوتا ہے۔ دولت کو چور چُرا سکتے ہیں علم کو نہیں چرا سکتے۔ دولت غرور سکھاتی ہے اور علم حِلم سکھاتا ہے۔ دولت کی حد ہوتی ہے لیکن علم کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

ایک بار عبداللہ بن المبارکؒ سفر کر رہے تھے۔ لوگوں نے پُوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا بصرہ جا رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا اب وہاں کون رہ گیا ہے جس سے آپ حدیث نہ سُن چکے ہوں۔ فرمایا ابنِ عونؒ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ ہے۔ اُن کے اخلاق و آداب سیکھوں گا۔

عبدالرحمٰنؒ بن مہدی فرماتے ہیں کہ ہم بعض عُلماء کی خدمت میں علم حاصل کرنے نہیں جاتے تھے بلکہ صرف اس مقصد سے حاضری دیتے تھے کہ ان کی نیک روش، اُن کا ادب و اخلاق اور اُن کا طرزِ انداز سیکھیں گے اُن کی رفتار و گفتار، حرکات و سکنات اور نشست و برخاست سے استفادہ ادب کریں گے۔

ہشامؒ کہتے ہیں کہ میرے والد کی کتابیں یوم حرّہ میں جل گئی تھیں۔ بعد میں برابر فرمایا کرتے تھے "کاش اہل و عیال اور مال و دولت کی جگہ کتابیں میرے پاس رہ گئی ہوتیں۔

سلیمان بن عبدالملک امیرالمومنینؓ جب حج کو گئے تو اپنے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر حضرت عطا بن رباحؒ کی خدمت میں مسائلِ حج پُوچھنے کے لیے حاضر ہُوئے حضرت عطاؒ اُس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ سلیمان بیٹھے انتظار کرتے رہے۔ جب عطاؒ فارغ ہُوئے تو انہوں نے سلیمان کی طرف رُخ بھی نہیں کیا۔ سلیمان اسی طرح مناسکِ حج پُوچھتے رہے۔ جب پُوچھ چکے تو اپنے بیٹوں سے کہا۔ اُٹھو چلو، پھر کہا۔ بیٹو! علم حاصل کرنے میں سُستی نہ کرو۔ میں اس حبشی غلام کے سامنے اپنے ذلیل ہونے کو مدت العُمر فراموش نہیں کر سکتا۔

حاکمِ خراسان عبداللہ بن طاہر کے صاحبزادے طاہر اپنے باپ کی زندگی میں حج کو آئے تو اسحٰق بن ابراہیمؒ نے اپنے گھر پر علمائے مکّہ کو مدعو کیا تاکہ طاہر اُن سے مل لے اور ان سے کچھ پڑھے۔ اس دعوت کو اور سب علماء نے قبول کر لیا اور ہر قسم کے اہلِ علم شریکِ مجلس ہوئے مگر ابو عبیدہؒ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ علم کے پاس خود آنا چاہیے۔ اسحٰق اس جواب پر خفا ہو گیا۔ اور عبداللہ بن طاہر کی طرف سے ابو عبیدہؒ کو جو دو ہزار درہم ماہانہ وظیفہ ملتا تھا اس کو بند کر دیا اور ابو عبیدہ کے جواب کی اطلاع ابن طاہر کے پاس بھیج دی۔ ابن طاہر کو جب یہ اطلاع پہنچی تو اُس نے اسحٰق کو خط لکھ بھیجا کہ ابو عبیدہ نے بالکل سچی بات کہی ہے۔ اور آج سے میں اُن کا وظیفہ دوچند کرتا ہوں۔ تم اس پر عمل کرو اور اُن کا بقایا ادا کرو۔

حضرت ابن عباسؓ نے باوجود اپنی زندگی و مرتبہ کے (کہ خاندانِ نبوت سے تھے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی) حضرت زید بن ثابتؓ انصاری کی رکاب اپنے ہاتھ سے تھامی اور فرمایا کہ ہم کو اپنے علماء کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے کا حکم ملا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "میں حضرت امام مالکؒ کے سامنے ورق بھی بہت آہستہ اُلٹتا تھا کہ اس کی آواز اُن کو سنائی نہ دے"۔ امام ربیعؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی نظر کے سامنے مجھ کو کبھی پانی پینے کی جرأت نہ ہوئی۔

خلیفہ مہدی کا کوئی لڑکا قاضی شریک کے پاس آیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ایک حدیث پوچھی۔ شریک نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اُس نے پھر پوچھا۔ انہوں نے پھر توجہ نہیں کی۔ تب اس نے کہا کہ آپ خلفا کی اولاد (یعنی شہزادوں) کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ شریک نے فرمایا "ہاں! مگر علم اللہ کے نزدیک اس سے کہیں برتر ہے کہ میں اس کو برباد کر دوں"۔

ابن عیینہؒ سے کسی نے کہا کہ یہ طالب علم لوگ اتنی دُور دُور سے آپ کے پاس آتے ہیں۔ اور آپ ان پر خفا ہوتے ہیں۔ کہیں وہ آپ کو چھوڑ کر چل نہ دیں۔ ابن عیینہؒ نے کہا "وہ تمہارے ہی جیسے احمق ہوں گے اگر میری بدخلقی کی وجہ سے اپنے نفع کی چیز کو چھوڑ دیں"۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا "انسان پر عالم کی مدارات واجب ہے۔ یعنی اس کی تندی و سختی وغیرہ کو اپنی نرمی سے دفع کرنا۔ استاد کوئی اچھی بات بتائے یا کسی بُری بات پر تنبیہ کرے تو اُس کی شکرگزاری ضروری ہے۔ اور جب وہ کوئی نکتہ بتائے تو تمہیں اگر وہ پہلے سے معلوم ہے جب بھی یہ ظاہر نہ کرو کہ یہ تو مجھ کو پہلے ہی سے معلوم ہے"۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اُستاد کے پہلو میں نہ بیٹھو۔ وہ کہے تب بھی نہ بیٹھو۔ مگر جب جانو کہ نہ بیٹھنے سے اس کو صدمہ ہو گا تب مضائقہ نہیں۔ اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ۔

اُستاد کے ساتھ بڑے ادب سے گفتگو کرو۔ اُس سے لِمَ (یعنی کیوں؟) نہ کہے۔ اس طرح لَا نُسَلِّمُ (ہم نہیں مانتے)، یا "اس کو کس نے نقل کیا ہے" یا "یہ کہاں لکھا ہے" یہ الفاظ نہ بولے۔

حضرت عطاءؒ کی مجلس میں ایک شخص نے حدیث بیان کرنی شروع کی۔ ایک دوسرا شخص بیچ میں دخل دینے لگا

تو آپ نے فرمایا "مَا ھٰذَا الْاَخْلَاقُ"۔ فرمایا "میں تو بعض آدمیوں کی زبانی ایک حدیث سُنتا ہُوں اور اسس کو بیان کرنے والے سے زیادہ اس کی پیدائش سے پہلے کا جانتا ہُوں، پھر بھی اس طرح سُنتا ہُوں، جیسے مجھُے کچھ معلوم نہیں"۔

ایک حکیم نے اپنے لڑکے کو نصیحت کی کہ حُسنِ کلام کی طرح حسُنِ استماع بھی سیکھنے کی ضرورت ہے اور حُسنِ استماع یہ ہے کہ متکلّم کو اپنی بات پوُری کرنے کی مہلت دو۔ اور اپنا مُنہ اور اپنی نگاہ اسس کی طرف متوجہ رکھو اور کوئی بات تمہیں معلوم بھی ہو تو دخل مت دو اور خاموشی سے سُنو۔

ابنِ بطہ فرماتے ہیں کہ میں ابُو عمُر زاہد کی مجلس میں تھا۔ کسی نے اُن سے ایک مسئلہ پُوچھا۔ میں نے پیش قدمی کرکے جواب دے دیا۔ تو ابُوعمُر نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "آپ فضولیات کے ماہر معلوم ہوتے ہیں"۔ یہ سُن کر میں بہت شرمندہ ہُوا"۔

اُستاد کا مرتبہ: حضرت علیؓ کا ارشاد ہے "جس نے مجھُے ایک حرف بھی بتایا، میں اُس کا غلام ہُوں۔ وُہ چاہے مجھُے بیچے یا آزاد کرے یا غلام بنائے رکھے"۔

شرح الطریقۃ محمدیہ میں مذکور ہے کہ استاد کا حق ادا کرنے کو ماں باپ کا حکم ادا کرنے پر مقدم جانے۔ اس کے بعد یہ واقعہ لکھا ہے کہ جس وقت امام حلوانی بخارا چھوڑ کر دُوسری جگہ چلے گئے تو امام زنجری کے علاوہ اُن کے سب شاگرد سفر کرکے اُن کی زیارت کو گئے۔ امام زنجری ماں کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے نہ جا سکے۔ مدّت کے بعد جب ملاقات ہُوئی تو اُنھوں نے غیر حاضری پر افسوس ظاہر کرتے ہُوئے یہی معقول معذرت پیش کی۔ امام حلوانی نے فرمایا کہ خیر تم کو عمُر تو ضرور نصیب ہوگی۔ مگر درس نصیب نہ ہوگا۔ یعنی درس میں برکت اور بکثرت لوگوں کا اُن کے درس سے فائدہ اٹھانا نصیب نہ ہوگا۔ چُنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ اور اُن کا حلقہء درس کبھی نہ جما۔

شرح الطریقۃ محمدیہ میں منقول ہے کہ جو آدمی علم و فضل میں بڑا ہو اُس سے یہ کہنا بھی بے ادبی ہے کہ نماز کا وقت آگیا ہے یا یہ کہ چلیے نماز پڑھ لیں۔ نیز یہ کہ شاگرد کو استاد کی کوئی رائے یا تحقیق غلط معلوم ہوتی ہو تب بھی اُس کی پیروی کرے۔ جیسا کہ حضرت موُسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصّے سے ثابت ہے۔

تعلیم المتعلم میں ہے کہ اُستاد کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ اُس کی اولاد اور مُتعلقین کی بھی توقیر کرے۔ نیز یہ کہ علم کے زوال کا سبب مُعلّم کے حقوُق کی رعایت نہ کرنا بھی ہے۔

کسی اور عالم کا قول ہے کہ جو شاگرد اپنے اُستاد کو نامشروع امر کا ارتکاب کرتے دیکھ کر اگر اعتراض و بے ادبی سے "کیوں"؟ کہہ دے گا وُہ فلاح نہ پائے گا۔ مناسب ہے کہ ایسے موقع پر کسی دُوسرے سے تنبیہہ کرائے یا خود ادب و احترام کے ساتھ استفسار کی صُورت میں کہے یا اس طرح کہے کہ نصیحت مسلّم معلوُم ہو۔

ابُو داؤد میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، بُوڑھے مُسلمان اور عالم و حافظ قرآن، بادشاہ عادل

اور استاد کی عزت کرنا تعظیم خداوندی میں داخل ہے۔
امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہارون رشید نے میرے پاس آدمی بھیج کر سماعِ حدیث کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہلا بھیجا کہ علم کے پاس لوگ آتے ہیں اور وہ لوگوں کے پاس نہیں جایا کرتا۔ ہارون یہ جواب پاکر خود آئے اور آکر میرے پاس اس دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا یا امیر المومنین! خدا کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان کا احترام کیا جائے۔ ہارون کھڑے ہو گئے۔ پھر میرے سامنے شاگردانہ انداز سے بیٹھے احادیث سنتے رہے
ایک دفعہ امام احمدؒ کسی مرض کی وجہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اثنائے گفتگو میں ابراہیم بن طہمان کا ذکر نکل آیا۔ اُن کا نام سنتے ہی امام احمدؒ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ یہ نازیبا بات ہو گی کہ نیک لوگوں کا ذکر ہو اور ہم ٹیک لگائے رہیں۔
ثابت بنانیؒ حضرت انسؓ کے شاگرد اور تابعی ہیں۔ یہ جب حضرت انسؓ کی خدمت میں جاتے تو اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔ اس لئے حضرت انسؓ اپنی لونڈی سے کہا کرتے تھے کہ ذرا میرے ہاتھوں کو خوشبو لگا دے وہ آئے گا تو بے ہاتھ چُومے نہ مانے گا۔
حماد بن سلیمان کی ہمشیرہ عائشہ کہتی ہیں کہ "امام ابو حنیفہؒ ہمارے گھر کی روئی دُھنتے تھے۔ ہمارا دودھ اور ترکاری خریدتے تھے اور اسی طرح کے بہت سے کام کرتے تھے۔ طالب علمی میں اسلاف اس طرح خدمت گزاری کرتے تھے اور اسی سے اُنہوں نے علم کی برکت کی۔
ابو عبیدہؒ فرماتے ہیں کہ میں کبھی کسی محدث کے دروازے پر حاضر ہوا تو اطلاع بھجوا کر داخلے کی اجازت نہیں منگوائی بلکہ بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ تاآنکہ وہ خود برآمد ہوتے۔ میں نے ہمیشہ قرآن پاک کی اس آیت سے جو ادب مستفاد ہوتا ہے اس پر نظر رکھی۔
ترجمہ آیت:۔ یعنی کاش وہ لوگ صبر کرتے تاآنکہ آپؐ باہر نکلتے تو اُن کے لئے بہتر ہوتا۔
صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بخارا کے ایک بہت بڑے امام اپنے حلقۂ درس میں درس دے رہے تھے۔ مگر اثنائے درس میں کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میرے استاد کا لڑکا گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ کھیلتے کھیلتے وہ کبھی مسجد کے دروازے کے پاس بھی آجاتا رہا ہے تو میں اس کے لئے بمقصدِ تعظیم کھڑا ہو جاتا ہوں۔
قاضی فخر الدین ارسابندی مرو میں رئیس الائمہ تھے۔ بادشاہ وقت بھی اُن کا احترام کرتا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے یہ منصب صرف استاد کی خدمت کے طفیل سے پایا ہے۔ علاوہ اور خدمات کے تیس برس تک میں اپنے استاد ابو زید دبوسی کا کھانا پکایا کرتا تھا اور بخیالِ ادب کبھی اس میں سے نہ کھاتا تھا۔

علم علم بہت گرچہ سگ بانی است ہم ازیں مرتبہ بگیر قیاس
ہر کہ را نکتۂ بیاموزی سگ بود گر ندارد از تو سپاس

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے لڑکے مامون کو علم وادب کی تعلیم کے لئے امام اصمعیؒ کے سپرد کر دیا تھا۔ایک دن اتفاقاً ہارون الرشید وہاں جا پہنچا دیکھا کہ اصمعیؒ اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور شہزادہ پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ ہارون نے بڑی برہمی سے فرمایا کہ میں نے تو اس کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ آپ اس کو ادب سکھائیں گے۔ آپ نے شہزادے کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ ایک ہاتھ سے پانی گرائے اور دُوسرے ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوئے۔

ایک مرتبہ خلیفہ موصُوف نے ایک نابینا عالم اُبو معاویہ ضریر کی دعوت کی اور خوُد اُن کے ہاتھ دُھلانے لگا۔ اس دوران میں اُبو معاویہ سے پُوچھا "آپ کو معلوم ہے کہ کون آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا ہے"۔ ابو معاویہ نے نفی میں جواب دیا اس پر ہارُون رشید نے کہا کہ میں نے خوُد یہ خدمت انجام دی ہے۔ اس پر ابو معاویہ نے کسی ممنُونیت کا اظہار نہیں کیا بلکہ یہ جواب دیا کہ ہاں آپ نے علم کی عزت کے لئے ایسا کیا۔

حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ نے علم حدیث کی سند حضرت حاجی محمد افضل سے حاصل کی تھی۔ میرزا صاحب کا بیان ہے کہ تحصیل علم سے فراغت پانے کے بعد حضرت حاجی صاحب نے اپنی کلاہ جو پندرہ برس تک آپ کے عمامے کے نیچے رہ چکی تھی، مجھے عنایت فرمائی۔ میں نے رات کے وقت گرم پانی میں وُہ ٹوپی بھگو دی۔ صبح کے وقت وہ پانی اماس کے شربت سے بھی زیادہ سیاہ ہو گیا تھا۔ میں اس پانی کو پی گیا۔ اس پانی کی برکت سے میرا دماغ ایسا روشن اور ذہن ایسا رسا ہو گیا کہ کوئی مشکل کتاب مشکل نہ رہی۔

یاد رکھو علم ادب کے سیکھنے والے لفظی بحث میں اور ریاضی دان عددی بحث میں اپنے بیش قیمت اور دماغ کو تباہ کرتے ہیں۔ تعلیم جو انسانیت بخشتی ہے۔ بہت کم لوگ اُس کی حقیقت سے باخبر ہیں۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ عقل و فراست ضرور رکھتا ہے۔ لیکن ہر شخص اُس سے کام لینا نہیں جانتا۔

جو شخص سب کچھ جاننے کی کوشش کرتا ہے وُہ کچھ بھی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ غیر ضروری موشگافیوں کی چاٹ اُسے مفید اور کارآمد علوم کی واقفیت سے بھی محروم رکھتی ہے۔

جاہل کی نسبت عالم کی زندگی میں کم ازکم یہ فرق تو ہونا چاہیئے کہ اس کے دن تو اطمینان سے گزریں۔ مگر یہاں دیکھا جاتا ہے کہ وُہ سب سے زیادہ تنگ دلی پست ہمتی اور خود غرضی کا شکار ہو رہے ہیں۔

سکندر سے کسی نے پُوچھا کہ آپ اُستاد کو باپ پر کیوں ترجیح دیتے ہیں؟ جواب دیا "اس لئے کہ باپ تو مجھے آسمان سے زمین پر لایا اور میرا اُستاد ارسطو مجھے زمین سے آسمان پر لے گیا۔ نیز باپ سبب حیاتِ فانی اور استاد موجب حیات جاودانی ہے۔ باپ میرے جسم کی پرورش کرتا ہے اور اُستاد میری جان کی۔

فی الواقع اُستاد کا کام نہایت عزت اور قدر کے قابل ہے۔ بشرطیکہ اس کی ذات اس عزت کے کم کر دینے والی نہ ہو۔

درس گاہ جنت کا روضہ ہے۔

یاد رکھو جو استاد شاگرد کے حالات و مزاج سے واقفیت پیدا کئے بغیر اسے تعلیم دیتا ہے وُہ ابھی خود تعلیم کا محتاج ہے۔

جو معلومات تم کو حاصل ہوں اُن کے دُہرانے میں سُستی نہ کرو۔ اُن کا اعادہ کرنا اور دُوسروں تک پہنچانا ضروری خیال

کرو کیونکہ بھول جانا علم کے لیے آفت ہے۔
معلم کے اوضاع و اطوار ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ نیکی اور پرہیز گاری کا مکمل و مجسم نمونہ ہو۔ اور اس کی زیارت ہی سے تعلیم کے مقدس فیض کا عکس متعلم کے دل میں کھنچ جائے۔
جس چھڑی کو سیدھی کرنا چاہیں۔ اُس کو مخالف جانب بالکل موڑ دیں جس سے وہ سیدھی ہو جائے گی۔ مگر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مخالف جانب غلط نہ ہو، ورنہ چھڑی ٹوٹ جائے گی۔ اسیطرح بچوں کے طبائع کو درست کیا جا سکتا ہے
تنبیہہ ذریعۂ تادیب نہیں ہے۔ سخت کلمات کی نسبت نرم کلمات زیادہ مؤثر ہوتے ہیں۔ کیسی بے ہُودہ بات ہے کہ جس برتن میں کچھ ڈالنا چاہیں پہلے ہی اس میں چھید کرلیں۔
پروفیسر آرنلڈ (علی گڑھ کالج) ایک دفعہ اپنے کسی شاگرد کی غلطی پر خفا ہوئے۔ اس نے کہا جناب آپ اتنے ناراض کیوں ہوتے ہیں؟ میں اپنی طرف سے کوشش میں کوئی کسر نہیں رکھتا۔ اس پر اس سچے استاد کی زبان سے نکلا "آہ! آج تک میں اپنی زندگی میں ایسا شرمندہ کبھی نہیں ہُوا ہُوں"۔
خوف دلانے یا دباؤ ڈالنے سے اگرچہ کام جاری ہو سکتا ہے، مگر، کامیابی عارضی ہوتی ہے۔ اصلی کامیابی سچی مہربانی اور محبت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کسی نے کیا خُوب کہا ہے کہ محبت کا راستہ اگرچہ لمبا ہے لیکن تھکانے والا نہیں ہے۔ اگر نانِ گندمی نیست زبانِ گندمی راچہ شُدہ
جو اُستاد اخلاقی برائیوں کو اخلاق ہی کے ذریعے رفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ اُستاد کہلانے کا مستحق نہیں۔
چھوٹے بچے کے دل میں رُعب اور خوف کا سمانا ایسا بُرا ہے جیسا کہ نرم و نازک پودے پر بادِ صرصر کا تند جھونکا یا پھولوں پر لُو کا چلنا۔
مُدرس کا کام ذہن کو ترقی دینا اور نیک عادات کا پیدا کرنا ہے نہ کہ بے جا دباؤ کے شکنجے میں جکڑ کر اُنکا بچوں کی قدرتی ترقی کو روکنا اور فطرتی نشوونما کو بند کرنا۔
سُست اور کند ذہن طلبا کی غلطیوں پر ناراض ہونا فی الحقیقت اخلاقی اور مکتسبہ برائیوں کی جگہ خواص طبعی کو سزا دینا ہے جو ایک طرح سے خُدا کے کام میں نکتہ چینی کرنا اور دل کا بخار چھانٹنا ہے۔
غصّے اور طیش میں آکر بچوں کو کبھی سزا مت دو۔ کیونکہ کوئی غصّے میں بھرا ہُوا حکیم مریض کے مرض کا استیصال نہیں کر سکتا ؎

کی نصیحت بُری طرح ناصح — اور اک بس ملا دیا بس میں

جب تم سخت گیری کے عادی ہو تو ظاہر ہے کہ تمہارا دل تمہارے بس میں نہیں۔ جو آپ اپنے بس میں نہیں وہ اوروں کو کیسے بس میں لا سکتا ہے۔
جو چراغ اپنے نزدیک روشنی نہیں کر سکتا، وہ دُور تک روشنی کیسے پہنچا سکتا ہے ؎

بہ نرمی سخت گیروں میں تو رہ رطبُ اللساں ہو کر — بسر کر عُمر بھر بتیس دانتوں میں زباں ہو کر

علم کے سمندر میں تیرنے والے بچّوں کو کشتی مت بناؤ کہ وہ تمہارے دھکیلنے ہی سے چلیں۔ بلکہ انہیں اپنی ہی ذاتی طاقت سے تیرنا سکھاؤ۔

تعلیم سے زیادہ تادیب کا خیال رکھو۔ خام بنیاد پر عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی۔

جو لڑکا خود نہیں سیکھنا چاہتا اسے کوئی نہیں سکھا سکتا۔

اگر تم روزانہ ایک نئی بات بھی سیکھنی اپنا فرض سمجھ لو تو صرف ایک سال میں ۳۶۵ مسئلوں کے مالک بن جاؤ گے

یاد رکھو ہر روز کی تھوڑی تھوڑی واقفیت کے مجموعے کا نام علم ہے۔

محفل میں مُنہ بند کرکے نہ بیٹھے رہو۔ اہل مجلس کو یہ معیوب معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ موقع و محل دیکھ کر مناسب حال گفتگو کرکے دوسروں کو خوش کرنے کی کوشش کرو۔ تمہیں کچھ نہ کچھ کہنے کو مل جائے گا۔ خاموش رہنا آدابِ محفل کے برخلاف ہے۔ اگر تم معمولی بات بھی خوش گوار طریقہ کہہ دوگے تو وہی بات خاموش رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہوگی ؎

دو چیز تیرۂ عقل است، لب فروبستن　　بوقتِ گفتن وگفتن بوقتِ خاموشی

تمثیل ذیل سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ کسی چیز کا مداومت کے ساتھ تھوڑا تھوڑا جمع کرتے رہنا کچھ عرصہ کے بعد کس قدر حیرت انگیز نتائج پیدا کرتا ہے اور کہ وقت کیا قیمت رکھتا ہے۔

تمثیل:۔ ایک غریب بڑھیا کسی دکاندار سے ہمیشہ سودا سلف خریدا کرتی تھی۔ ایک روز بڑھیا نے سوال کیا کہ کچھ عرصہ ہُوا تم نہایت تنگ دستی میں گزارہ کرتے تھے مگر اب تمہاری دکان میں اس کثرت کے ساتھ مال جمع ہے کہ تم بڑے امیر معلوم ہوتے ہو۔ کیا کسی کی دولت تمہارے ہاتھ آگئی ہے یا کوئی اور وجہ ہے دکاندار نے کہا اے مادرِ مہربان! مجھ کو تجارت ہی میں نفع ہُوا ہے۔ بڑھیا نے پُوچھا کہ تجارت میں کس حساب سے فائدہ ہوتا ہے؟ دُکاندار نے کہا کہ جو رُوپیہ تجارت میں لگایا جائے اگر اس میں سے کچھ بھی خرچ نہ کیا جائے تو ہر ششماہی کے بعد وہ اصل رقم سے دُگنا ہو جاتا ہے۔ بڑھیا نے ایک آنہ دُکان دار کے حوالے کیا کہ اس کا جو منافع ہو وہ مجھے دے دینا۔ دکاندار نے ایک آنہ بھی کھاتہ میں جمع کر لیا۔ بارہ سال کے بعد بڑھیا دکاندار سے منافع کا مُطالبہ کیا تو بارہ سال کی چوبیس ششماہیوں کا ہر ششماہی کی رقم کا دُگنا کرنے کے بعد تقریبًا ساڑھے دس لاکھ روپیہ نکلا۔ کیا کوئی شخص خیال کر سکتا ہے کہ بارہ سال کے بعد ایک آنہ کی تجارت اس قدر تعجب خیز منافع پیدا کر سکتی ہے۔

مت اتراؤ کہ تم بڑے آدمی کے بیٹے ہو۔ کیا خبر کہ کل کیا ہو جائے، ہر کمالے را زوالے ہر اتصالے را انفصالے

گردشِ گردونِ گرداں راہمیں باشد مثال　　ہر کمالے را زوالے ہر زوالے را کمال!

نیرنگیٔ زمانہ سے خاطر جمع نہ رکھ　　سو رنگ بدلے جاتے ہیں یاں ایک آن میں

نہیں رہی ہے ہمیشہ کسی کی بات بڑی　　کبھی کے دن ہیں بڑے کبھی کی رات بڑی

اصلی بڑائی وہی ہے جو تمہاری اپنی ذات میں ہو۔ بڑے اپنی بڑائی ساتھ ہی لے جایا کرتے ہیں۔
نیکی اپنا معاوضہ آپ ہے۔
وُہ شخص ہمیشہ بے فیض رہتا ہے جو اپنے اُستاد کی عظمت و بزرگی کا خیال نہیں رکھتا جس سے ایک نکتہ بھی سیکھو اُس کی دل سے عزت کرو۔
یاد رکھو کہ مریضِ اخلاق کا سب سے اچھا علاج نیک صحبت کی آب وہوا میں رہنا ہے۔
زاہدِ ظاہر پرست کا وجُود ایک خوشنما رنگین مقبرہ ہے جس میں ایک گنہگار رُوح جیتے جی دفن کی ہُوئی ہو۔
نیک دل لوگ گائے کی مانند ہیں جو گھاس کھا کر دوُدھ دیتی ہے اور گنہگار سانپ کی مانند جو دودھ پلانے پر بھی ڈنگ مارتا ہے ؎

یارب درست گر نہ رہُوں تیرے عہد پر بندے سے پر نہ ہو کبھی کوئی شکستہ دل

انسان کے لئے سب سے ضرُوری چیز نیک چال چلن اور تعلیم ہے اس سے اُتر کر صحت، باقی مال و دولت جاہ و حشمت، لیاقت اور شہرت سب اس کے آگے ہیچ ہیں۔
نالائق بیٹا چھٹی انگلی کی مانند ہوتا ہے۔ اگر اُسے کاٹا جائے تو درد ہو اور اگر رکھا جائے تو عیب دار ہو۔
شک و شبہ اور تذبذب کی گنجائش جہالت کی تاریکی میں ہوا کرتی ہے اور جہاں علم کی روشنی نمودار ہوتی ہے وہاں جو چیز جیسی ہو ویسی نظر آجاتی ہے۔
تھوڑا علم بھی غنیمت ہے۔ کئی باتوں سے واقف ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ انسان بالکل ہی جاہلِ مطلق رہے ؎

لو جان بیچ کر بھی جو علم و ہُنر ملے جس سے کہ ملے جب بھی ملے جس قدر ملے

تحصیلِ علم میں شرم مانع نہ ہونی چاہیے، خواہ وُہ کہیں سے بھی حاصل ہو۔ ہندی مقولہ ہے ؎

کنچن ہووے کیچ میں بس میں امرت ہو ودیا ناری نیچ کے چاروں ہی لے لو
سونا ہووے کیچڑ میں زہر میں آبحیات ہو علم۔ عورت۔ ذلیل چاروں ہی لے لو

علم کا شوق اپنا راستہ خوُد نکالتا جاتا ہے اور بعد میں کسی رہبر و استاد کی ضرورت نہیں رہتی ؎

شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست سیل بے رہبر بدریا می رساند خویش را

علم عالم کی وُہ آنکھ ہے جس سے وُہ بُرائی اور بھلائی میں تمیز کر سکتا ہے۔
طفولیّت علم وہنر کے لئے موضوع ہُوئی ہے اور جوانی عمل کے لئے۔ پیری میں بجز گوشہ گزینی اور کچھ نہیں ہو سکتا۔
گھر اگرچہ ننھے بچوّں کی بازی گاہ ہے۔ مگر فی الحقیقت دُنیا میں ایسا کوئی کالج نہیں جس میں انسانیت کی تعلیم اس سے بڑھ کر ہوتی ہو۔ آدمی میں آدمیت گھر ہی پیدا کرتا ہے۔

یادداشت کا تمام بوجھ کتاب دکا نذار صندوقچہ میں بند نہ رکھو۔ بلکہ آہستہ آہستہ حافظہ پر بھی ڈالو تاکہ دماغ روشن بیکاری میں ضعیف و ناکارہ نہ ہو جائے۔ علم در سینہ نہ کہ در سفینہ۔

علم وہی دیرپا اور مستقل کہلاتا ہے جو اپنی کوشش اور تجربہ سے حاصل ہو۔

مطلب رسی مدّعا شناسی اور معاملہ فہمی کی لیاقت کتاب سے حاصل نہیں ہوتی مگر اپنے غور و فکر اور ذکاوتِ ذہن سے ؎

حلوہ حلوہ اگر بگوئی صد سال   در گفتنِ حلوا نشوی شیریں کام

مُطرب کا کام ہر قسم کے ساز کو درست کر کے سُر تال پر لانا ہے۔ اور تعلیم یافتہ کا فرض ہر حالت کے لائق بن جانا ہے۔

یاد رہے کہ اَلنَّفسُ حَرِیصٌ اِلٰی مَا مُنِعَ یعنی انسان کا نفس اُسی چیز کی زیادہ رغبت کرتا ہے جس سے اُس کو منع کیا جائے۔ بُری باتوں کی تلقین تو درکنار ان کی تردید و تنفیر بھی اکثر تحریص و ترغیب کا مُوجب ہوا کرتی ہے۔ جو بچے شراب کا نام تک نہیں جانتے۔ انہیں شراب کی برائیوں کی تعلیم دینا ناواقفوں کو واقفیت دلانا اور "دیوانہ را ہُوئے بس است" کا مصداق بنانا ہے۔ لوحِ سادہ برائے ہر نقش آمادہ۔

علم حاصل کرو بادشاہ یا امیر ہُوئے تو اور اونچے ہو جاؤ گے۔ عام آدمی ہُوئے تو زندہ رہ سکو گے۔

سامعین کو ناصحین کے اقوال پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے نہ کہ ان کے افعال پر۔ یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا ہے۔ بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہا ہے۔ چنانچہ لارڈ بیکن کی رائے کی تو سب لوگ قدر کرتے ہیں۔ مگر اس کے چلن کی پیروی کا ایک بھی قائل نہیں۔

علم دودھاری تلوار ہے۔ اس کا مناسب استعمال برکت اور نامناسب ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

دُنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں، جو ہر حال میں انسان کے لئے مناسب ہو۔ مگر یہ خاصیت صرف کتابوں ہی میں ہے جو بچپن، جوانی، بڑھاپے اور رنج و خوشی میں یکساں فیض رساں ہیں۔

ایک فلاسفر کا قول ہے کہ اگر خدا اپنے دائیں ہاتھ میں علم اور بائیں میں تلاشِ علم لے کر مجھے آزادی دے کہ میں ان دونوں میں سے جسے چاہوں پسند کر لوں۔ تو میں بغیر کسی جھجک یا رکاوٹ کے فوراً تلاشِ علم کے لئے ملتمس ہُوں گا۔

نیّت نیک ہو تو طالبِ علم سے افضل کوئی نہیں (سفیان ثوریؒ)

علم جتنا زیادہ کامل ہوتا جائے گا۔ اتنا ہی زیادہ انسان اپنے آپ کو ناقص خیال کرے گا۔ علم اور نیکی کا میدان ایسا وسیع ہے کہ جس کی حد و پایاں نہیں۔ جو شخص اس میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہے۔ وہ ہر ایک ساعت میں زیادہ عاقل اور پہلے سے بہتر ہوتا جاتا ہے۔

دُنیا کے بہت بڑے مشہور شاعر نے مرتے وقت یہ کہا کہ یہ حسرت مَیں اپنے ساتھ لیے جاتا ہوں کہ مَیں

نے ہزار اپنی جان ماری مگر کبھی ایک شعر کامل نہ کیا گیا۔ اسی طرح ایک مصوّر نے بھی جو اپنی نظیر نہ رکھتا تھا، مرتے وقت کہا "افسوس کہ میں ساری عمر میں ایک دائرہ بھی کامل نہ کھینچ سکا۔

جہاں انسان نے یہ خیال کیا کہ میں کامل ہو گیا۔ وہیں اس کا زوال شروع ہو گیا۔ قدرِ مرد بعلم است وقدرِ علم بکمال ؎

بعالم علم شو بہ علم وکمال　　　که مال است بے سُود بہر مال

جو شخص تلاشِ علم میں ہے وہ عالم ہے۔ جس شخص نے یہ سمجھا کہ میں نے حاصل کر لیا، وُہ جاہل ہے۔ خواہ وہ کیسا ہی عالم ہو۔

لارڈ میکالے کی دُعا تھی کہ میں مروں تو کتب خانہ میں مروں ؎

ز دانایاں بود ایں نکتۂ مشہور　　　که دانش در کتب داناست در گور

اچھی کتاب سے بہتر کوئی ہم نشین و رفیق نہیں ہے ؎

ہم نشینی بہ از کتاب مخواہ　　　که مصاحب بود گاہ و بے گاہ

علم رُوح کو غنی کرتا ہے اور مال جسم کو۔ جس نے علم حاصل نہیں کیا اس نے رُوح کو مفلس بنا دیا۔

شاگرد پر استاد کی مناسب سختی جس سے اس کی خودداری کو ضعف نہ پہنچے قابلِ تعریف خیال کی گئی ہے ؎

جورِ اُستاد بہ ز مہرِ پدر

تھوڑا علم زیادہ عمل کرنے سے بہت ہو سکتا ہے۔ مگر زیادہ علم بغیر عمل کے ناکارہ اور نکمّا ہو جاتا ہے۔

تعلیم کا اصلی معیار یہ ہے کہ ہم اندر سے کس قدر علم باہر نکال سکتے ہیں۔ یہ نہیں کہ باہر سے کس قدر اندر ڈال چکے ہیں ؎

بچنا فضول گوئی سے ہے مقصدِ سکوت　　　معقول بات ذہن میں آئے تو چُپ نہ رہ

علم پڑھنا اور اس کا بڑھنا بے فائدہ ہے۔ جب تک کہ اطاعت اور خوف بھی ساتھ نہ بڑھیں۔

صرف تعلیم سے شرافتِ انسانی کا حاصل کرنا ایسا ہی مہمل و موہوم خیال ہے۔ جیسا کہ علم کیمیا کے ذریعے سے تانبے کا سونا بنانا۔

یہ علم کا نقص ہے کہ اس میں اضافے کا خیال نہ ہو۔ مزید علم کی خواہش نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے (حدیث)

علم سے حلم اور شکل سے عقل بالاتر ہوتی ہے۔

خلق اللہ کے ساتھ بھلائی کرنا انسان کا سب سے اعلیٰ فرض ہے۔ مگر یہ تعلیم و تربیت کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

دو حریص ایسے ہیں جن کی حرص کبھی ختم نہیں ہوتی۔ علم کا حریص اور دُنیا کا حریص (حباب)

آدمی اُسی وقت تک عالم ہے جب تک وُہ طالب علم ہے اور اُس وقت سے جاہل ہے، جب طلب

علم کو خیر باد کہہ دے۔
نیک دل انسان دشمنوں کے ساتھ بھی نیکی کرنے سے نہیں چُوکتے۔ صندل اُس کلہاڑے کا منہ بھی خوشبُودار کر دیتا ہے جو اُسے کاٹتا ہے۔
بچے کی تعلیم کا سب سے پہلا سبق یہ ہے کہ اُسے ضدّی اور خودغرض نہ بننے دیں۔ اس کی بے جا ضد کو کبھی پورا نہ کریں۔ اس کی خوشنودی مزاج کا ہرگز لحاظ نہ رکھیں۔ اُس میں فرمانبرداری کی عادت پیدا کریں۔ تو سمجھو کہ تم نے اُسے آفاتِ زمانہ سے بچا لیا۔
علم حاصل کرنے سے اگر کردنی و ناکردنی کی تمیز پیدا نہ ہو تو وہ لاحاصل ہے۔
علم انسان کا مشیر باتدبیر ضرور ہے۔ مگر زندگی کے جہاز کا چلانا کسی اور ناخدا کے ہاتھ میں ہے جس کا نام تمیز ہے۔
حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا میرے بھائی عیسیٰ بن مریمؑ نے بنی اسرائیل سے کہا تھا۔ "لوگو! نااہلوں کو حکمت نہ دو کہ یہ حکمت پر ظلم ہے۔ اور اہلوں سے حکمت کو باز رکھو کہ یہ ان پر ظلم ہے"۔
انسان بچے کا باپ نہیں بلکہ درحقیقت بچہ انسان کا باپ ہے۔ کیونکہ جو عادات و اطوار بچپن میں استوار ہو جاتی ہیں، وُہ عُمر بھر پائدار رہتی ہیں۔
اگر خودرو پودوں کی طرح بچّوں کو بغیر تربیت کے بڑھنے دیا جائے گا تو اُن میں باقاعدہ نشو و نما پانے اور اس باغیچہ میں داخل ہونے کی طاقت معدوم ہو جائے گی۔ جس سے انسان و حیوان کے حالات و اسباب کی تمیز و تفریق کی جاتی ہے۔
تعلیم خودداری کا سبق پڑھاتی ہے۔ اور خودداری بیداری کی حالت پیدا کرتی ہے۔
انسانیت کی بُنیاد اخلاق پر قائم ہے اور اخلاق کی بنیاد رحم دلی اور رحم دلی کی بنیاد تعلیم پر۔
ضخیم کتابوں کو نوکِ زبان کرنے سے وُہ مرتبہ نہیں ملتا جو فقط ایک جملے کو غور و فکر کی آنکھوں میں جگہ دینے سے آتا ہے ؎

صاحبِ الفاظ کو دفتر سے بھی سیری نہیں ‖ صاحبِ معنی کو صرف اک لفظ کافی ہو گیا

بساطِ ہند پر سلطنتِ مُغلیہ کے آخری مُہرے اور برائے نام بادشاہ ابُوظفر بہادر شاہ کے عہد میں مُفتی صدر الدین آزردہ قاضی القضاۃ کے عُہدے پر مامور تھے۔ ایامِ غدر میں باغیوں نے تمام عُلمائے وقت سے فتویٰ جہاد پر دستخط کروا لیے۔ جو ذرا بھی انکار کرتا، اُسے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ فتویٰ کو مکمل کرنے کے لیے سب سے آخر میں آپ کے سامنے بھی فتویٰ جہاد برائے دستخط پیش کیا گیا جس پر تمام علماء نے "فتویٰ بالخیر" کے الفاظ لکھ کر اپنے اپنے دستخط کیے ہوئے تھے۔ خوفِ جان سے آپ کو بھی مجبوراً یہی الفاظ یعنی فتویٰ بالخیر لکھ کر دستخط کرنے پڑے۔ غدر فرو ہونے کے بعد عدالتِ فوجی نے دُوسرے مجرموں

کی طرح آپ سے بھی دریافت کیا گیا یہ دستخط آپ ہی کے ہیں؟ آپ نے کہا کہ دستخط تو ضرور میرے ہی ہیں لیکن الفاظِ نوشتہ کو بغور ملاحظہ فرمایا جائے۔ چنانچہ بغور جانچنے پر معلوم ہُوا کہ بالخیر کی خ کا نقطہ نہ تھا جس سے وُہ الفاظ فتویٰ بالخیر کی بجائے "فتویٰ بالجبر" بن گئے۔ اور ایک نقطہ کی کمی نے اُن کی جان بچا دی۔

مکتب کے چند طالب علم برلبِ دریا سبق یاد کر رہے تھے۔ وہیں ایک ماہی گیر بھی مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ لفظ مخنث پر بحث ہو رہی تھی۔ اُن کی اس علمی بحث کا یہ حصہ ماہی گیر کے کان میں بھی پڑ گیا کہ مخنث اس کو کہتے ہیں جس میں مُذکر و مؤنث کی کوئی علامت نہ پائی جائے۔ اتفاقاً ماہی گیر کے جال میں ایک روز ایسی خوبصورت مچھلی آئی کہ جس کو حصولِ انعام کے لیے اس نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بادشاہ مچھلی کی خوبصورتی دیکھ کر نہایت متاثر و متعجب ہُوا۔ اور بجائے انعام دینے کے اُس نے اس مچھلی کے جوڑے کی فرمائش کر دی۔ اس تاکیدی شرط کے ساتھ کہ اگر جوڑا بہم نہ پہنچا تو تم کو ہلاک کر دیا جائے گا ماہی گیر کو بجائے معقول انعام حاصل کرنے کے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ کیونکہ ایسی مچھلی کا دستیاب ہونا ایک اتفاقیہ امر تھا نہ کہ کسی محنت کا نتیجہ۔ خوش قسمتی سے اس کو مخنث والی بحث یاد آ گئی۔ فوراً بادشاہ سے عرض کیا کہ یہ مچھلی نہ مذکر ہے نہ مؤنث بلکہ مخنث ہے۔ لہٰذا اس کا جوڑا ملنا ناممکن ہے۔ بادشاہ یہ معقول جواب سُن کر اپنے ارادے سے درگزرا۔ اور ماہی گیر کو معقول انعام دے کر رُخصت کیا۔ نتیجہ یہ کہ علم کے ایک لفظ نے ماہی گیر کی جان بچا دی۔

حضرت امام غزالیؒ کسی جنگل سے گزرے جہاں اُن کو ڈاکو مل گئے۔ ڈاکوؤں کو جب آپ سے کچھ نہ مل سکا تو آپ کی کتابوں کا بستہ ہی چھین لیا۔ امام صاحب کو بہت افسوس ہُوا کہ کوئی بات کتاب میں دیکھنے کی ضرورت ہُوئی تو کیا کروں گا۔ آخر کار نہایت عاجزی سے التجا کی کہ میرا بستہ مجھے دے دو۔ آپ کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ لیکن میرے بڑے کام کی چیز ہے۔ ان کتابوں کے بغیر میرا کام نہیں چل سکتا۔ ڈاکو آپ کی عاجزی سے متاثر ہو گئے اور یہ کہہ کر بستہ واپس دے دیا کہ ایسے علم سے کیا فائدہ کہ جب کتابیں جاتی رہیں تو آدمی کو کچھ بھی یاد نہ رہے۔ امام صاحب پر اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ آئندہ آپ تمام کتابوں کی ضروری باتیں حفظ کر لیتے۔ آپ کی نسبت ایک انگریز فلاسفر کا مقولہ ہے کہ میں بمقابلہ دیگر مذاہب کے دینِ اسلام کو اس لیے زیادہ حق بجانب سمجھتا ہُوں کہ امام غزالیؒ جیسا عالمِ بے بدل اور ایشیائی فلاسفر اس کا پیرو ہے۔

کسی بادشاہ نے ایک تیلی سے دریافت کیا کہ ایک من تلوں سے کتنا تیل نکلتا ہے؟ تیلی نے کہا۔ دس سیر، پھر پُوچھا، دس سیر میں سے؟ تیلی نے کہا اڑھائی سیر۔ بادشاہ نے پُوچھا اڑھائی سیر میں سے؟ تیلی نے کہا اڑھائی پاؤ۔ سلسلہ سوالات کے آخر میں بادشاہ نے پُوچھا، ایک تِل میں سے کتنا تیل نکل سکتا ہے؟ تیلی نے جواب دیا کہ جس سے ناخن کا سر اتر ہو سکے۔ کاروبارِ دُنیوی میں تیلی کی اس ہوشیاری سے بادشاہ بہت خوش ہُوا اور کہا کہ علمِ دین سے بھی کچھ واقفیت ہے؟ تیلی نے کہا مُطلق نہیں۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر

کہا کہ دُنیاوی کاروبار میں اس قدر ہوشیار اور علم دین سے بالکل بے خبری۔ اس کو قید خانہ میں لے جاؤ۔ جب تیلی کو قید خانے لے جانے لگے تو تیلی کا لڑکا خدمتِ شاہ میں عرض کرنے لگا کہ "میرے باپ کے جُرم سے مجھے مطلع فرمائیں تو کرمِ شاہانہ سے بعید نہ ہوگا۔" بادشاہ نے کہا "تیرا باپ اپنے کاروبار میں تو اس قدر ہوشیار ہے۔ لیکن علم دین سے بالکل بے بہرہ ہے۔ اس لیئے ۔ ۔ ۔ ۔ اس غفلت کی سزا میں اس کو قید خانے بھیجا جاتا ہے۔" تیلی کے لڑکے نے دست بستہ عرض کی "حضور! یہ قصور اس کے باپ کا ہے جس نے اس کو تعلیم سے بے بہرہ رکھا نہ کہ میرے باپ کا؟ میرے باپ کا قصور اس حالت میں قابل مواخذہ ہوتا، اگر وہ مجھے تعلیم نہ دلاتا۔ لیکن میرا باپ مجھے تعلیم دلا رہا ہے۔ آئندہ حضور کا اختیار ہے۔" بادشاہ لڑکے کے اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا "تمہاری تھوڑی سی تعلیم نے نہ صرف اپنے باپ کو مصیبتِ قید سے چھڑا لیا بلکہ تم کو بھی مستحقِ انعام ٹھہرایا۔" چنانچہ بادشاہ نے تیلی کو رہا کر دیا اور اس کے لڑکے کو معقول انعام دے کر رخصت کیا۔

ایک گریجویٹ نے ایک بوڑھے وکیل سے پوچھا کہ تحصیل علم کے بعد اب مجھے کون سا پیشہ اختیار کرنا چاہیے؟ کیا آپ کے پیشے میں ابھی کچھ گنجائش قانون دانوں کی ہے؟ معمر وکیل نے جواب دیا "ہاں! اس پیشہ کی نچلی منزل تو بالکل پُر ہے۔ لیکن اوپر کی منزل میں ہنوز گنجائش باقی ہے۔" یعنی معمولی وکیلوں کی تو ضرورت نہیں۔ البتہ لائق قانون دان کے لئے کچھ ترقی کی جگہ باقی ہے۔ قابل شخص ہر ایک کام میں بالائی منزل حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن وکلاء کی سپاہ اس قدر کثیر ہوگئی ہے کہ ان کو اپنے ہتھیار چلانے کے لئے جگہ نہیں ملتی۔"

حضرت امام شافعیؒ نے بے نظیر ذہانتِ خداداد کی بدولت چودہ سال ہی کی عمر میں تمام علوم دینی سے فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ کے درس میں علاوہ مقامی طالبان علم کے دُور دُور سے معمر علمائے کرام بھی آپ کی قابلیتِ علمی سے فائدہ اٹھانے کے لئے شاملِ درس ہوتے تھے۔ ایک روز اثنائے درس میں دو چڑیاں لڑتی لڑتی آپ کے سامنے گریں۔ آپ نے جھٹ اپنا عمامہ اتار کر اُن پر پھینک دیا۔ آپ کی اس طفلانہ حرکت سے متاثر ہو کر بعض معمر اور ثقہ بزرگ اور علمائے کرام کچھ چیں بہ جبیں ہو گئے۔ آپ نے ان کے چہرے پر آثارِ ملال دیکھتے ہوئے یہ کہہ کر سب کو مسکت کر دیا اَلصَّبِیُّ صَبِیٌّ وَّلَوْ کَانَ ابْنُ نَبِیٍّ۔ یعنی لڑکا لڑکا ہی ہے۔ خواہ نبی ہی کا لڑکا کیوں نہ ہو۔ لہٰذا والدین کا فرض ہے کہ بچّوں کو علاوہ تعلیم کے بااوقاتِ مناسب کھیلنے کودنے سے بالکل منع نہ کریں۔ کیونکہ بچپن میں وہ فطرۃً کھیل کود کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں۔ نہ صرف انسان بلکہ حیوانات کے بچّے بھی اس خاصۂ فطرت سے مبّرا نہیں۔ ایک بوڑھا شخص اپنے مکان میں مصروفِ نوشت و خواند تھا۔ محلّے کے لڑکے کھیلتے اور شور مچاتے تھے۔ بوڑھے نے شور و غل سے تنگ آ کر کہا۔ لڑکو! تم کیا کر رہے ہو؟ ایک حاضر جواب لڑکے نے کہا "حضرت ہم وُہی کچھ کر رہے ہیں۔ جو آپ اس عمر میں کیا کرتے تھے۔"

یاد رہے کہ ہر ایک بچہ اپنے اندر ایک خاص قسم کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اگر بچے کو اس کے فطری رجحان طبع کے مطابق اسی کام میں اس کو داخل نہیں کیا جاتا تو یہ اس کی مخصوص ذہنیت پر ظلم عظیم ہوگا۔ ممکن ہے کہ زندگی میں وُہ بُری بھلی روٹی تو کما کھائے لیکن وہ شاندار اور کامیاب زندگی ہرگز بسر نہ کر سکے گا جب تک انسان اپنی اصلی جگہ تلاش نہیں کر لیتا وُہ پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ہر کسے را بہرِ کارے ساختند میلِ اُو اندر دلش انداختند

دُخانی انجن اپنی لائن ہی پر پُورا کام دے سکتا ہے۔ لیکن دوسرے راستوں پر کمزور ہو جاتا ہے۔ اکثر لڑکے جن کو سُست، بے وقوف، متلوّن مزاج وغیرہ نام دے کر جَور و جفا کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ وُہ درحقیقت اپنی مناسب اور موزُوں جگہ پر نہیں ہوتے۔ یعنی ان بچوں کو باوجود چوکور ہونے کے گول سوراخوں میں ٹھونسنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور جب وُہ وہاں ٹھیک نہیں بیٹھتے اور مناسبتِ طبع نہ ہونے کے باعث انہیں قدرتی طور پر اس سے دلچسپی نہیں ہوتی، تو انہیں تنگ کیا اور مارا پیٹا جاتا ہے۔

والدین اکثر اپنی تنگ دلی اور غلطی سے بچوں کو بالکل اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ جیکب السٹر کا باپ جو ایک قصاب تھا اُسے اپنے موروُثی پیشۂ قصابی میں ڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن آئندہ ہونے والے ملک التجار میں زبردست تجارتی رجحان تھا۔ اور قصابی کے بے رحم پیشے سے اس کی رُوح کانپتی تھی۔ اس پر ایمرسن نے اس کے باپ کو بلا کر سمجھایا کہ تم اپنے لڑکے کو اپنی طرح کا دُوسرا کیوں بنانا چاہتے ہو۔ تم اکیلے ہی کافی ہو قدرت کبھی بھی ایک طرح کے دو انسان پیدا نہیں کرتی۔ وہ ہر ایک انسان کے پیدا ہوتے ہی اس کا سانچہ چُور چُور کر دیتی ہے۔ اور اس مقناطیسی مسالے کو، جس سے اُسے بناتی ہے، وہ دوبارہ استعمال نہیں کرتی اختلافِ اشکال و طبائع اس کے زبردست شاہد ہیں۔

آرک رائٹ کے نادان والدین نے اس کو حجام کا شاگرد بننے پر مجبور کیا۔ لیکن قدرت نے اس کے دماغ میں وہ عجیب ایجاد بھر رکھی تھی، جس کی بدولت بنی نوع انسان کو بہت فائدہ اور برکت حاصل ہوئی۔ اور انگلستان کے لاکھوں مُفلسوں کو مزدوری سے نجات ملی۔ اس نے اپنے والدین کی ایک نہ سنی۔

وُہ نوجوان نہایت خوش قسمت ہے جسے اپنی رغبت کے موافق جگہ مل جائے۔ اگر اُسے وہ جگہ نہ ملتی تو وہ کوئی جگہ بھی ایسی خوبی سے پُر نہیں کر سکتا۔ جس سے اُسے خود بھی اطمینان ہو اور دُوسروں کو بھی مطمئن کر سکے۔ پتھر کی بھاری گاڑی کھینچنے والے بڑے گھوڑے کو گھوڑ دوڑ کی بازی کے لیے کھڑا کر دیا جائے تو یہ سخت مضحکہ خیز نظارہ اور انتہائی حماقت کا ثبوت ہوگا۔ غرضیکہ دُنیا ایسے آدمیوں سے بھری پڑی ہے جو اپنی جگہ پر بالکل ناموزُوں ہیں اور اس وجہ سے مفلس بے اعتبار اور نظامِ دُنیوی میں خللِ عظیم کا مُوجب ہیں۔

ناموزوں، غیر مناسب اور خلاف طبع کام کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مچھلی کنارۂ دریا پر ریت پر پڑی ہوئی تڑپتی ہے لیکن جب دریا کی ایک لہر اسے اپنے آغوشِ محبت میں لے لیتی ہے تو وہ اپنے بازوؤں کو آگے پیچھے مارتی اور دُم کو لہراتی ہوئی تیر کی مانند وہاں سے چل دیتی ہے۔ یہی بازو اور دُم پہلے بھی اس کے موجود تھے۔ لیکن پانی نہ ہونے کے باعث ناکارہ تھے اور اب مناسب جگہ مل جانے پر اس کی خوشگوار زندگی کا موجب بن گئے۔

مولیئر نے محسوس کیا کہ وہ وکالت کے قابل نہیں۔ اس نے اس پیشے کو چھوڑ دیا۔ اور علم و ادب میں لازوال شہرت حاصل کر گیا۔ رابرٹ کلایو اپنے سکول میں احمق اور کند ذہن خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن اس نے اپنی فوجی مناسبتِ طبع سے بتیس سال کی عمر میں تین ہزار آدمیوں سے پلاسی کے میدان میں پچاس ہزار فوج کو شکست دے کر ہند میں سلطنتِ برطانیہ کی غیر متزلزل بنیاد جما دی۔ گولڈ سمتھ کا نام بوجہ نالائق ہونے کے طبابت کی جماعت سے خارج کر دیا گیا اور اُسے مجبوراً علم و ادب میں داخل ہونا پڑا۔ بعد میں دُنیا کو معلوم ہوا کہ وہ طبابت کے لیے قطعی ناموزوں اور اس کا اہل نہ تھا۔ پھر وہ آسمانِ ادب پر ایک ایسا آفتاب بن کر چمکا جس کی مثال نہیں۔ سر والٹر سکاٹ کو بھی اس کے استاد بدھو کہا کرتے تھے۔ نوجوان لناٹیس کو بھی اس کے استاد احمق اور نالائق کہا کرتے تھے۔ پادری کے فرائض کی سرانجام دہی کے ناقابل دیکھ کر اس کے والدین نے اُسے تعلیم طبابت کے لیے کالج میں بھیج دیا۔ لیکن اندرونی خاموش استاد جو سب سے عقلمند اور فہیم ہے، اُسے کشاں کشاں کھیتوں میں لے گیا اور بیماری بدقسمتی اور مفلسی کوئی اُسے علم نباتات کے مطالعے سے باز نہ رکھ سکی۔ یہی اس کا دل پسند اور مناسبِ طبع مشغلہ تھا۔ اور اسی میں آخر وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا ماہر تسلیم کیا گیا۔

دانشمند بننا ہے تو ادب و اخلاق کی پرانی اور سائنس کی نئی کتابوں کا مطالعہ کیجیے۔

ایک بشپ نے ایک نوجوان پادری سے کہا تھا "میں تم کو وعظ کرنے سے منع نہ کروں گا۔ مگر قدرت منع کرتی ہے۔" ایک مشہور انگریزی شاعرہ جین انگیا کہتی ہے "میں یہ خیال کر کے نہایت خوش ہوں کہ خدا نے مجھے اس بات پر مجبور نہیں کیا کہ میں تمام دنیا کا کارخانہ چلاؤں۔ اور میرا فرض صرف یہی قرار دیا ہے کہ میں اپنا کام معلوم کر کے دلی مسرت و اطمینان سے وہ کام کرتی چلوں جو میرے لیے مقرر کیا گیا ہے۔"

ایک شخص جو اکثر اوقات تنہائی میں مطالعۂ کتب میں مصروف رہتا تھا اس کے ایک واقف نے کہا "کیا اس قدر تنہا نشینی آپ کے لیے موجب وحشت تو نہیں ہوتی" اس نے کہا۔ تنہا نیستم بلکہ با "تن ہا" ستم "تن ہا" یعنی مُصنفین کتب میرے ہم نشین ہوتے ہیں۔

سر ٹامس براؤن کا قول ہے کہ "میں اپنے دماغ کو علم کی قبر نہیں بلکہ علم کا خزانہ بنانا چاہتا ہوں۔ میں علم کا ٹھیکہ لینے کا خواہاں نہیں بلکہ اس کی عمومیت کا مشتاق ہوں۔ میں مطالعہ صرف اپنی ذات کے لیے پسند نہیں کرتا بلکہ ان لوگوں کے فائدے کے لیے جو خود مطالعہ نہیں کرتے۔"

علم دولت سے لاکھوں درجہ بہتر ہے۔ انسان کے دل کا یہ قدیم ترین خیال ہے اور یہ خیال بڑا گہرا، متبرک

اور صحیح ہے۔ جذبات انسانی کی اس موج عظیم کو جو مدت مدید سے بہ رہی ہے، قوموں کی ترقی اور تنزل کے اسباب پر غور و فکر کرنا، فلسفہ کی دُنیا کی سیر کرنا اور اس کی فصاحت سے گرم جوشی ہونا تمام چیزوں کی علتِ غائی تک رسائی کرنا اور اس امر کا معلوم کرنا کہ باوجود دُنیا کی بے ترتیبی، ظلم اور تعدی کے، ایک شے ہے جو کبھی نہ بدلے گی۔ کبھی فنا نہ ہوگی اور ابد تک رہے گی۔ ان باتوں کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ ہم بے خواب راتیں گزار دیں۔ دن کو سخت محنت کریں۔ موجودہ خوشیوں کو نظر انداز کر دیں۔ ہمیشہ ستانے والی غریبی کو برداشت کریں۔ حوصلہ شکن حالات سے نہ گھبرائیں تو بے شک تم اپنی زندگی کے مقصد حقیقی کو پا لو گے۔ گویا تمہارے قوائے عقلی و ذہنی نے اس کام کو انجام دے لیا ہے۔ جس کی خاطر وہ تمہیں عطا کیے گئے تھے۔ تم نے ان کو فضولِ لذاتِ نفسانی پر خرچ نہیں کیا بلکہ ایسی محنت پر لگایا ہے جو ان کی فطرت و خلقت کے عین مطابق ہے۔ علم کی زندگی تکلیف اور گناہ کی زندگی نہیں ہوتی۔ علم کا عاشق کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ کسی کی خوشی میں دخل نہیں دیتا۔ اس کی آرزو کسی کو برباد نہیں کرتی۔ وہ کسی کو فریب نہیں دیتا۔ بلکہ اپنی کامیابی سے ہر ایک کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ وہ ایک ایسی خوشی حاصل کرتا ہے جس کے ساتھ کوئی ملامت وابستہ نہیں۔ اُسے ایسی خوشیوں سے بلاشبہ نفرت ہوتی ہے جن کا حصول خلافِ ہدایت ضمیر عمل کرنے پر مجبور کرے۔ اس کی سب خوشیاں سستی، معزز اور بے لوث ہوتی ہیں اور جہاں تک انسان اس تغیر و تبدل کے دور میں ہمیشگی کی اُمید کر سکتا ہے وہ اس قسم کی ہوتی ہیں کہ قسمت بھی انہیں زائل نہیں کر سکتی۔ وہ اس کے ساتھ زندگی بھر لگی رہتی ہیں۔ اس کی نیکیوں کو بڑھاتی اور برائیوں کو کم کرتی ہیں۔

اس لیے علم کو تادمِ مرگ عزیز رکھو جس سے مُراد یہ ہے کہ عزیز رکھو معصومیت کو، عزیز رکھو چال چلن کی درستی کو، عزیز رکھو اس شے کو جو دولت مند ہونے کی صُورت میں تمہاری دولت کو لوگوں کی نظروں میں عزیز اور غریب ہونے کی صورت میں تمہاری غریبی کو بھی معزز بنا دے اور ان لوگوں کو تم پر ہنسنے سے روکے جن کے سینے نخوت و تکبر سے معمور ہیں۔ عزیز رکھو اس شے کو جو تمہیں تسلی دے گی اور پختگی بخشے گی جو تکالیف و مشکلات اور مصائب و مناعب حاضر و غائب میں سپر ہوگی۔ جو تمہارے لیے تخیل کا دروازہ کھول کر مجالسِ دُنیوی و محافل اُمراء سے مستغنی کر دے گی۔ جس میں تم بڑے بڑے مؤرخوں، بڑے بڑے مصنفوں، بڑے بڑے علماء اور فلاسفروں سے ہم کلام ہو سکو گے۔ اور ممکن ہے کہ کسی دن خود بھی ویسے ہی بن سکو گے اور اس دُنیا کی مُستلزم الوقوع تکلیفوں، کلفتوں، بے انصافیوں اور ظلم و تعدی کو بھول سکو گے اور تم ظلمتِ جہالت سے نکل کر نورِ علم کی حقیقی روشنی میں آجاؤ گے ؎

سعادت سیادت عبادت ہے علم
بصیرت ہے دولت ہے طاقت ہے علم

بے شبہ وہ جو علم کی دولت سے ہے خالی
کہنے کو بشر ہے بشریت سے ہے خالی

لازم ہے کہ ہو علم کے ساتھ عمل بھی
سر سبز جو اشجار ہیں وہ رکھتے ہیں پھل بھی

ہیں علم و عمل دونوں کے اعداد برابر
حالی کا یہ نکتہ ہے ہمیں یاد برابر

حضرت رسولِ کریمؐ کا فرمان ہے علم حاصل کرو۔ کیونکہ بوجہ اللہ علم کی تعلیم خشیت ہے۔ علم کی طلب عبادت ہے علم کا مذاکرہ تسبیح اور اس کی تلاش جہاد ہے۔ بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے۔ مستحقوں میں علم خرچ کرنا تقرب ہے۔ علم حلال و حرام کا نشان ہے۔ دُنیا و عاقبت میں روشنی کا ستون ہے۔ تنہائی میں مونس اور پردیس میں رفیق ہے۔ خلوت میں ندیم ہے۔ راحت و مصیبت کو بتانے والا ہے۔ دشمن کے مقابلے میں ہتھیار اور دوستوں میں زینت ہے۔ آخر میں فرمایا مجھ سے علم سیکھو۔ مجھ سے علم سیکھو۔"

لطیفہ:۔ شیطان نے اپنی ذریات سے ہر ایک کی روزمرہ کارگزاری دریافت کی۔ کسی نے قتل، کسی نے زنا، کسی نے چوری اور کسی نے شراب خوری وغیرہ اور دیگر متفرق گناہوں کے کارنامے بیان کیے۔ ایک اُن میں سے خاموش رہا۔ شیطان نے کہا۔ تو بھی کچھ بیان کر۔ اس نے جواب دیا کہ ان سب کے مقابلے میں مجھے اپنی حقیر کارگزاری بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ شیطان نے کہا کچھ بھی ہے بیان تو کر۔ اس نے کہا میں نے ایک لڑکے کو مدرسے جانے سے روکا ہے۔ شیطان نے اٹھ کر اس کو گلے سے لگا لیا اور کہا کہ جس کارگزاری کو تو حقیر سمجھتا ہے وہ فی الحقیقت دوسروں کی بیان کردہ ہنگامی کارگزاریوں سے بدرجہا بہتر کارگزاری ہے۔ کیونکہ دوسروں کے ہنگاموں کے مقابلے میں یہ گناہ جاری ہے۔ اب وہ لڑکا آج کی چاٹ سے اکثر غیر حاضریاں کرتا رہے گا اور اس میں بڑھتے بڑھتے پڑھنے سے بالکل محروم رہ جائے گا اور اپنی بے علمی کے نتیجے میں ایسے بے شمار گناہوں کا بغیر تمہاری ترغیب کے از خود مرتکب ہوتا رہے گا۔ لہذا تیری کارگزاری قابل ستائش کامیابی ہے؂

غارت شدہ گر گشتہ ہم از مدرسہ غارت
از مدرسہ ہر شخص پذیرفتہ عمارت

حصولِ اخلاق:۔ خالق کی خوشنودی اور مخلوق میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے اخلاق سب سے بڑا سب سے بہتر، سب سے زیادہ آسان ذریعہ ہے۔ انسان ہزار عالم و فاضل اور عابد و زاہد ہو اگر وہ اوصافِ اخلاق سے محروم ہے تو اس کے علم و فضیلت اور عبادت و زہد سب ہیچ ہیں۔ اعتقادی طور پر انسان خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو لیکن ہر ایک انسان میں حقیقی جوہر انسانیت ہونا ضروری ہے؂

کہ کفر و نیک خوئی بہ ز اسلام و بد اخلاقی
بہر مذہب کہ باشی باش خوش اخلاق و بخشندہ

شارعِ اسلام حضرت نبی کریمؐ نے اخلاق کی تعلیم پر جس قدر زور دیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد یہ دعویٰ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مذہب اسلام کی تمام تر تعلیم کا لبِّ لباب اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وُہ صرف "اخلاق" ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے تین مرتبہ یہی ایک سوال کیا "دین کیا ہے؟" آنحضرتؐ نے تینوں مرتبہ یہی جواب فرمایا "اخلاق"۔ اور اگر ایک فقرے میں بیان کیا جائے تو آپؐ کے اس فرمانِ مبارک سے ظاہر ہے "اَلْاِسْلَامُ تَعْظِیْمٌ لِاَمْرِ اللّٰہِ وَالشَّفْقَةُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ"۔ آپ کا ارشادِ مبارک ہے کہ

خوئے بد عبادت کو اسی طرح تباہ و زائل کر دیتی ہے جیسے سرکہ شہد کو۔ نیز فرمایا کہ مخلوق بمنزلہ اولادِ خالق کے ہے۔ جو کوئی اس کی اولاد سے پیار کرے گا، خدا اسے پیار کرے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ تعظیم لامر اللہ یعنی ادائگی فرائضِ خداوندی بھی شفقت علیٰ خلق اللہ کے بغیر بے نتیجہ محض ہے جس کا ثبوت آپ کی عملی زندگی اور اسوۂ حسنہ ہے جس کے لیے ملاحظہ ہو ارشادات و خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔

انسان بالطبع مظہرِ ضدین و مستجمع النقیضین ہے۔ یہ نورانی بھی ہے ظلماتی بھی۔ زمینی بھی آسمانی بھی۔ ملکوتی بھی ہے ناسوتی بھی۔ رحمانی بھی ہے، شیطانی بھی۔ عالم بھی ہے، جاہل بھی۔ ظالم بھی ہے، عادل بھی، عامل بھی ہے غافل بھی۔ سعید بھی ہے شقی بھی۔ فاسق بھی ہے، متقی بھی۔ مفسد بھی ہے، ناصح بھی، حریص بھی ہے، قانع بھی۔ ظلوم و جہول بھی ہے، ملوم و محمول بھی۔ صبور و شکور بھی ہے، شرور و کفور بھی، رؤف و کریم بھی ہے، قسی و لئیم بھی۔ غرضیکہ تمام صفاتِ کریمہ و ذمیمہ و محاسن و معائب اس کی سرشت میں موجود ہیں۔ اور یہ اس کے اختیار میں ہے کہ ان میں سے وہ کسی پر بھی عمل پیرا ہو۔ ؎

گو بظاہر خاک کے پتلے ہیں یکساں سب مگر	کوئی ہے اکسیر ان میں اور کوئی خاک ہے
بنیانِ تست مستند نقشِ علو و سفل	خواہ آسمان، خواہ زمین شو مخیری

انسان کا اشرف المخلوقات ہونا اور اس کا علو و امتیاز محض اس وجہ سے ہے کہ سائر موجودات جملہ مخلوقات اور جمیع کائنات مجبور و محدود ہیں۔ اور یہ مختار و لاحد ہے۔ منازلِ انحطاط و ارتقا اور مدارج اعلیٰ علیین اور اسفل السافلین طے کرنا خود اس کے اختیار میں ہے۔ روزمرہ کے مشاہداتِ دنیوی اس کے شاہدِ عادل ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ، فضیل بن عیاضؒ، پولوس حواری اور نصوح وغیرہ اس امر کے تاریخی شواہد ہیں کہ کس طرح سے یہ لوگ غمراتِ حیوانیت سے نکل کر اعلیٰ درجاتِ انسانیت تک پہنچ گئے۔ برخلاف اس کے حضرت آدمؑ کا بیٹا قابیل، حضرت نوحؑ کا بیٹا کنعان، حضرتِ یعقوب کے بیٹے یعنی برادرانِ یوسفؑ باوجود پیغمبر زادگان ہونے کے اپنے افعالِ قبیحہ و اخلاقِ ذمیمہ کے نتیجے میں کس طرح قعرِ مذلت میں گر گئے۔ بلعم باعور باوجود اس قدر زہد و عبادت، ہاروت و ماروت باوجود مخلوقِ ملکوتی، یہوداء اسخریوطی باوجود حضرت عیسیٰؑ کے حواری اور حضرتِ لوطؑ کی بیوی باوجود پیغمبر کی بیوی ہونے کے آنِ واحد میں مردود و ملعون اور مقہور و مغضوب ہو گئے۔

کسی شہر میں ایک عالم دین دار رہتا تھا۔ ایک ملحدِ بے دین نے اس کو دعوتِ مناظرہ دی۔ چنانچہ صبح سے شام تک برابر مناظرہ جاری رہا۔ لیکن مجمع عام میں فریقین میں سے کسی نے بھی اپنی شکست کو تسلیم نہ کیا۔ چند روز بعد عام لوگوں نے نہایت حیرانی کے ساتھ اس بات کو سنا کہ ملحدِ بے دین تو اسی روز سے نماز با جماعت ادا کرتا ہے اور اس عالمِ دین دار نے اپنا تمام کتب خانہ جلا کر ملحدانہ و رندانہ زندگی اختیار کر لی۔

علم کو اپنے دامن کی وسعت پر فخر ہوتا ہے لیکن عقل کو اپنی تنگ دامانی کا احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ عجز و

انکسار کا دامن تھام لیتی ہے۔

حصولِ اخلاق کے لیے کسی زیادہ جدّ و جہد کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام افعال و الفاظ جن کو انسان کسی دوسرے انسان کے حق میں استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اس کے متعلق عمل پیرا یا گویا ہونے سے پہلے صرف اتنا سوچ لے کہ اگر یہی الفاظ کوئی دوسرا شخص مجھ کو کہے یا یہی سلوک کوئی دوسرا میرے ساتھ کرے تو کیا میں اس کے ان الفاظ یا افعال سے رنجیدہ خاطر تو نہ ہوں گا۔ بالفاظ مختصر تمام مجموعۂ اخلاق اس ایک فقرے میں بند ہے" ہر چہ خود میپسندی بر دیگراں میپسند"۔ یہ زرّیں مقولہ جاہل سے جاہل انسان کے لیے بھی کسی دوسرے معلّم اخلاق کی ضرورت باقی نہیں چھوڑتا۔ اور وہ از خود تمام اخلاقِ فاضلہ کا عامل بن جائے گا۔ اور جو انسان خود اس آسان طریقے سے فائدہ نہ اُٹھائے اور اپنی اصلاح و تربیت کی کوشش نہ کرے تو دوسروں کی کوشش اس پر بہت کم اثر پذیر ہو گی ؎

ہر کہ خود را تربیت نہ کند حیوان است آدم آنست کہ اُو را پدر و مادر نیست

دلِ تمہاری سواری کا گھوڑا ہے۔ اگر تم اسے اس کی خواہشات پوری کرکے منہ زور اور سرکش بنا دو گے تو نہ معلوم وہ تمہیں گمنامی کے کون سے غار میں لے جا کر پھینک دے اور اگر بالکل مار ڈالو گے تو دنیا کی جائز سیر سے محروم رہ جاؤ گے۔ تجربہ کار شہسوار کی طرح اُسے بس میں رکھو اور سیدھے راستے پر چلاؤ ؎

عیشِ دُنیا پھر عُمر بھر کیجیے خواہشوں کو مختصر کر دیجیے

مثل مشہور ہے کہ "گُڑ نہ دے تو گُڑ سی بات تو کرے"۔ اگر تم کسی کو فائدہ نہ پہنچا سکو تو کم از کم شیریں کلامی سے تو پیش آؤ۔ اگر شیریں کلامی سے بھی محروم ہو تو دل آزار کلمات کہنے ہی سے باز رہو۔ اے زنبور گر عسل نہ دہی نیش مزن ؎

اچھا بُرا نہ کہہ دو تم مذہبی بہنا پر اخلاق اس کے دیکھو اصلی تو یہ ہے جوہر

دوسروں کو یا بیگانوں کو اپنا بنانے کے لئے سب سے بہتر اور آسان عمل خوشش اخلاقی ہے ؎

تکسی میٹھے بچن سے سُکھ اُپجت چِھیوں اور وشی کرن یہ منتر ہے تجئے بچن کٹھور

ترجمہ: شیریں کلامی سے آرام پیدا ہو چھ اطراف میں کسی کو بس کرنے کا یہ جادو ہے چھوڑیئے تلخ کلام

کاگا کاہ کو دھن ہرے کوئل کاہ کو دے میٹھے بچن کے کارنے سب کا من موہ لے

ترجمہ: کوا کس کی دولت چھینے ہے کوئل کس کو کیا دیتی ہے صرف شیریں کلامی کے باعث سب کا دل موہ لیتی ہے

شجرِ علم کا ثمر اوّلین حلم و حُسنِ اخلاق ہے۔ اگر تم یہ نعمت حاصل نہ کر سکے تو تمام علم بے کار ہے ؎

نخل چوں آرد شگوفہ زود می بندد ثمر چہرۂ خنداں شگون بہرِ حصولِ مطلب است

بحرِ جہاں میں خاطرِ نازک ضرور ہے بچ کر چلا کرے ہری کشتی حباب سے

اگر علم سیکھا ہے دکھلاؤ حلم نہیں حلم گر تو ہے تلوار علم

اگر ایک جاہل سے لڑنے لگو   تو ثابت یہ ہوگا کہ جاہل ہیں دو

غیر مہذّب و جاہل اقوام کے برُے کاموں میں تشدد ضرور ہوتا ہے۔ لیکن تعداد اتنا نہیں ہوتا جتنا کہ مہذّب و شائستہ اقوام میں۔

انسانی زندگی کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اُسے خوشی یا غم میں ختم کر دیا جائے بلکہ انسان کا فرض یہ ہے کہ ہر روز اپنے تئیں پہلے سے بہتر بنانے کی کوشش کرے۔

جو نیکی یا بدی ہم نے کی ہے وہ ضرور پھل لائے گی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کا ثمرہ ہمیں اس جہاں میں ملے یا اگلے جہان میں ہے

کارِ بد است غافلاں انجام بدکاری بدی ست   ثمرہ ہر کارے بہ ہر کارے مہیا کردہ اند

تو جو بدی کرے نہ سمجھنا کہ وہ بدی   گر دوں کرے معاف زمانہ رہا کرے

افعالِ بد ہیں قرض ترے روزگار پر   جس وقت جس زمانے میں چاہے ادا کرے

انسان وہ ہے جو عقلی، اخلاقی، جسمانی، روحانی اور علمی تمام برکتوں سے بہرہ یاب ہو اور جو شخص ان میں سے کسی ایک صفت میں بھی ادھورا ہو اُسے درجہ انسانیت سے گرا ہُوا سمجھنا چاہیے۔

خدم و حشم سے ایک آدمی آقا تو بن سکتا ہے لیکن شریف انسان نہیں بن سکتا۔

شریف انسان کی سب سے پہلی اور سب سے آخری نشانی یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کی بھی عزت کرتا ہے۔ جن سے اُسے کسی قسم کے فائدے یا امداد کی توقع نہیں ہوتی۔

ہزاروں بڑے بڑے حکام اور عہدے دار ایسی بدکاریوں میں مبتلا ہیں کہ آنکھیں دیکھنے اور کان سُننے کی تاب نہیں لا سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ انسان بننے سے پہلے اپنے عہدوں پر پہنچے ہوئے ہیں ہے

کفر و اسلام کی کچھ قید نہیں اے آتش   شیخ ہو یا کہ برہمن ہو پر انساں ہووے

سپنیزا کا قول ہے " اگر خدا برائی کا دیکھنے والا اور اس کی سزا دینے والا نہ بھی ہوتا تو بھی شریف و معزز انسان برائی کو کمینہ پن سمجھ کر ہرگز افعالِ رذیلہ کا مرتکب نہ ہوتا۔

نفس کو کسی چیز میں مشغول رکھو۔ ورنہ نفس تم کو ایسے کاموں میں مشغول کر دے گا جو کرنے کے قابل نہیں ہے

ہے نفس میری فکر میں، میں فکرِ نفس میں   میں راہزن کو تاکتا ہوں راہزن مجھے!

زبان سے برُا نہ کہہ، کان سے برُا نہ سُن، آنکھ سے برُا نہ دیکھ، پاؤں سے بری جگہ نہ جا اور ہاتھ سے برُا کام نہ کر ہے

پیو آپ اوروں کو پینے بھی دو   جیو آپ اوروں کو جینے بھی دو

کم بولنا بیل کا کام ہے، بہت چلّانا کُتّے کی عادت۔ انسان نہ بیل ہے نہ کُتّا۔ پس وہ اپنا فرض آپ سمجھ لے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ع

سخن درست دُراست ہر کہ دریافت دُریافت

ذکاوت کا استعمال مثل تلوار چاہیے کہ صرف اپنی حفاظت کے واسطے میان سے باہر نکلے۔
ہر شخص اپنی نیکی یا بدی سے دُنیا کی نیکی یا بدی کی تعداد گھٹا بڑھا رہا ہے۔
خیال رکھو کہ دولت تمہیں سُست اور عیاش نہ بنا دے اور تنگی و افلاس حوصلہ نہ گرا دے۔
انسان اپنے آپ کو خراب صحبتوں اور گندی مجلسوں میں خواہ کتنا ہی خراب کرلے مگر نیکی کی فضیلت اس کے ذہن میں ہمیشہ قائم رہتی ہے۔
ترقی علم، جسمانی خوبیاں اور مال و دولت، بغیر اخلاقِ فاضلہ کے کمالاتِ انسانی میں محسوب نہیں ہو سکتے۔
انسان شہرت و شادمانی کے لیے پیدا نہیں ہُوا۔ بلکہ وُہ فرض کا قرض ادا کرنے کے لیے دُنیا میں آیا ہے۔ کسی فرض کی بجا آوری کے وقت اسے ان چیزوں کی خواہش نہیں رکھنی چاہیے۔
جو شخص سب سے بڑا معزز، سب سے بڑا حاکم اور سب سے بڑھ کر دولت مند ہے، وہ اس مُفلس و گمنام آدمی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جس نے سب سے زیادہ فرضِ ہمدردیٔ خلائق ادا کیا۔
متکبّروں کے پاس جا کر اپنی انسانیت کا خون نہ کرنا۔
فرض کے ادا کرنے میں ناکامی بھی کامیابی سے کم نہیں۔
تمیز اور نرمی سے گفتگو کرنا لاکھ فصاحت و بلاغت سے بہتر ہے۔
خواہ تمہیں کسی پر کتنا ہی غصّہ کیوں نہ آئے لیکن گالی دے کر اپنی زبان کو غلاظت کی آماجگاہ نہ بناؤ ؎

زباں اپنی حد میں ہے بے شک زباں | بڑھے ایک نقطہ تو پھر ہے زیاں!
بہ بدگفتن زبانِ خود مگرداں | زبانِ خود زیانِ خود مگرداں
زیاں باز باناں بگفتن بوَد | زباں ناز باناں نگفتن بوَد

یعنی حیوانات اپنی بے زبانی کے باعث تکلیف اٹھاتے ہیں۔ لیکن انسان اپنی زبان کے بے جا استعمال سے مبتلائے مصائب ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت رسُولِ کریمؐ نے زبان کو جسم کا بہترین حصّہ قرار دیا ہے اور زبان ہی کو جسم کا بدترین عضو فرمایا ہے۔ یہ دونوں متضاد افعال اس کے اچھے اور بُرے استعمال پر منحصر ہیں ؎

دہنِ خویش بہ دشنام میالا صائبؔ | کایں زرِ قلب بہ ہر کس کہ دہی باز دہد
آوت گالی ایک ہے الٹت ہو ایک | کہے کبیرؔ نہ الٹئے رہے ایک کی ایک

اس دُنیا میں نیک چلنی کے فرض کا راستہ دُوسری دنیا میں نجات کی سڑک ہے۔
جس کا دل پاک ہے اسے کوئی بیرونی مخالفت زیر نہیں کر سکتی۔ آفاتِ سماوی و ارضی محض ایک بہانہ ہے ؎

راہرو را رہنما افتادگی ہا می شود | ہر کجا پائے بلغزد راہ پیدا می شود

جو شخص لوگوں پر قابو پانا چاہتا ہے، اُسے چاہیے کہ اپنے دل کو قابو کرے۔
تم اپنے مالک بن جاؤ، تمام جہان تمہارا ہو جائے گا۔ ایک دردِ بھرے دل کے ماتحت ایک سلطنت ہے۔

ہماری رُوح کے اندر خدا کی ایک آواز ہے جو ہمیں نیک کام کرنے کی ہدایت کرتی ہے اور بدی سے روکتی ہے۔ مگر سگِ نفس کی عف عف میں کان اُس سچے ہادی کی آواز کو نہیں سُن سکتے بلکہ اس کُتے کو اپنا محافظ اور خیر خواہ سمجھ کر اسی کے ہو رہتے ہیں۔

ترازُو کے خالی پلڑوں میں جس پلڑے پر ذرا سا وزن رکھو اُسی طرف جُھک جاتا ہے۔ اُسی طرح جاہلوں کے خالی دل میں جس اعتقاد کا وزن رکھو اُسی طرف کو جُھک جاتا ہے۔ دُوسرا اور کوئی وزن ہی نہیں ہوتا جو اُس کو جھکنے نہ دے۔

نیک انسانوں کی زندگی کا طرزِ عمل ہی نیک چلنی کے مضمون پر ایک نہایت فصیح و بلیغ اور مؤثر لیکچر ہوتا ہے اور بد باطنی کے مضمون کی بڑی بھاری تردید۔

اگر کسی کے گھر میں ناہنجار بیٹا، نافرجام عورت اور نافرمان نوکر ہو۔ وہ گھر نہیں بلکہ سانپوں کی بانبی ہے یا موت کا پیش خیمہ۔ بدکار اولاد سے لاولد ہزار درجہ اچھا ہے ؎

پدر ہو مورِدِ نفریں جو ناہنجار ہو پیدا
خدا دیوے پسر تو قابلِ تحسین دے ورنہ

ایک شخص کا نہایت مہذب مجلس میں تعارف کرایا گیا۔ تمام اہلِ محفل اس کی گفتگو سے محظوظ و مسرور ہوتے۔ مگر اس میں ایک نقص تھا کہ وہ ہر روز محفل میں سب سے پیچھے اٹھتا۔ آخرکار ایک شخص نہ رہا گیا اُس نے ایک دن اس سے پُوچھا "کیا وجہ ہے کہ تم سب سے پیچھے بیٹھے رہتے ہو؟" اس نے نہایت سادگی سے جواب دیا "میرا تجربہ ہے کہ جب کوئی شخص محفل سے اُٹھ جاتا ہے تو سب اس کی غیبت شروع کر دیتے ہیں۔ اس لئے میں یہی مناسب سمجھتا ہُوں کہ اس وقت تک محفل سے باہر قدم نہ رکھوں، جب تک کہ سب احباب محفل سے رُخصت نہ ہو جائیں تاکہ کوئی غیبت کرنے والا باقی نہ رہے۔

تمہارا سب سے سچّا صلاح کار تمہارا ضمیر ہے۔ اس سے مشورہ لو اور دارین میں سُرخروئی حاصل کرو ؎

کرتا ہُوں مضمون یہ مغرب سے نقل
بولتا ہے علم اور سنتی ہے عقل

جب تم بڑوں میں بیٹھو تو اُن سے کچھ سیکھو۔ اور جب تم چھوٹوں میں بیٹھو تو اُن کو کچھ سکھلاؤ۔

ضمیر کی طاقت بڑی زبردست طاقت ہے۔ اگر انسان اس نکتے کو سمجھ لے تو دُنیا کی کوئی طاقت اس کے آگے دم نہیں مار سکتی۔

ناگزیر کے ساتھ بحث کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ سرد ہوا کے ساتھ بہترین استدلال یہی ہے کہ آپ اپنا کوٹ پہن لیں۔

سچی اخلاقی جرأت یہ ہے کہ جو بات انسان کو ٹھیک اور درست معلوم ہو اور اس کی ضمیر اسے سچ جانے۔ پھر سخت مخالفت بھی اُسے اپنے ارادے سے نہ ٹال سکے۔

شیطان پہلے چھوٹی چھوٹی بری ترغیبات سے انسان کو اپنی راہ پر لاتا ہے۔ پھر بڑی بڑی بُری ترغیبوں کے لیے انسان پر راستہ کھول دیتا ہے۔

انسان جب کوئی ارادہ کرتا ہے تو ترغیب سے فی الفور تمیز اور نفس، دو صلاح کار اس کے سامنے آموجود

ہوتے ہیں۔ تمیز تو تمام نیکی بدی کا نقشہ اس کے سامنے کھینچ دیتی ہے۔ اور نفس خواہشات و جذبات کے لہلہاتے ہوئے سبز باغ دکھاتا ہے۔ اب انسان اگر سمجھ دار ہے تو تمیز کی طرف جھک جاتا ہے۔ ورنہ انسانیت اپنا تخت حکومت چھوڑ کر بھاگ نکلتی ہے۔ اور اُسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ جاتی ہے۔

وُہ شخص جو اپنے خالق یا اس کی کسی چیز کا ذکر گستاخانہ لہجے میں کرتا ہے، اس سے تمہیں ہرگز یہ توقع نہ رکھنی چاہیے کہ وُہ تمہارا ذکر خیر کرے گا۔

اگر تم عقل کو اپنا ہادی اور پرہیز گاری کو وزیر، نفس کشی کو مشیر اور یاد آخرت کو اپنا جلیس بنا لو، تو ممکن نہیں کہ دونوں جہاں میں کامیاب نہ ہو۔

اعتدال ایک ڈورا ہے جس میں تمام نیکیاں پروئی ہوئی ہیں۔

زبان اپنی رنگت سے آلات انہضام کی حالت کو جانچنے کا آلہ ہے۔ اور گفتگو سے اخلاق و شرافت کا سچا ترجمان ہے

وقت بشناس کہ در جزم خجالت نہ کشی　　شمع راز زندگی روز کم از مُردن نیست

زباں اپنی حد میں ہے بے شک زباں　　بڑھے ایک نقطہ تو پھر ہے زیاں!

زبان میں کوئی ہڈی نہیں۔ لیکن اس پر بھی یہ کچل ڈالتی ہے۔

جو شخص ضمیر کی پروا نہیں کرتا، وہ کسی کی پروا نہیں کرتا۔ اس پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔

سچ اپنے سہارے پر آپ کھڑا رہتا ہے۔ مگر جھوٹ کو قائم رکھنے کے لیے بہت سے جھوٹ اور تراشنے پڑتے ہیں مثل مشہور ہے کہ جھوٹ کی پیٹھ پر شیطان کی سواری ہے

ہر شخص نوائے راستی افراغت شد بلند　　بالانشیں جملہ حُروف است ازیں الف

شریر اگر پاؤں پر آ گرے تو بھی کانٹے کی طرح خلش ضرور پیدا کرے گا۔

وُہ آدمی ہرگز شریف کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جس کی زبان گندے اور ناپاک الفاظ سے ملوث و آلودہ ہو۔ اگر تم کسی شخص کو گندے الفاظ دہراتے ہوئے سنو تو فوراً نتیجہ نکال لو کہ یہ گناہ اِن بے شمار گناہوں میں سے ایک ہے جو اس کے سینے میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور جلدی یا بدیر ان کا بھی اظہار ہو جائے گا

صحبت سفلہ چو انگشت نماید نقصاں　　گرم سوزد بدن و سرد کند جامہ سیاہ

جھوٹ اور فریب سے جو فائدہ یا آرام ملتا ہے، وہ تو جلد ہو چکتا ہے۔ مگر اس کا نقصان ہمیشہ اٹھانا پڑتا ہے

شگفتہ پایا طبیعت کو بعد کارِ ثواب　　دلبر دل کو نہ پایا کبھی گناہ کے بعد

موہوم نفع کی اُمید پر کسی کی مذمت سے منہ کالا نہ کرو، یاد رکھو جھوٹ، اور بے ایمانی کی بنیاد پر خوشحالی کا محل کھڑا نہیں ہو سکتا۔

اخلاق کے کھوٹے کھرے سکوں کو پرکھنے کے لیے غیروں کی زبان سے بڑھ کر کوئی کسوٹی نہیں

اخلاق ایک حسنِ الٰہی کا تاج ہے ہے جس کے سر پر اس کا زمانے میں راج ہے

ناجائز وسائل سے ترقی حاصل کرنے کا قصد ہرگز نہ کرو۔ دیکھو پہاڑ پر چڑھنا اور اترنا دونوں خطرناک ہیں ؎

آرام کی تلاش نے رکھا ہے بے قرار ہر خواہشِ سکوں سببِ اضطراب ہے

جاہ و جلال اور عروج و اقبال کے عالم میں جو عقل کے دشمن لوگوں پر جبر کرتے ہیں وہ آخر انہیں کے ہاتھ سے پامال ہو جاتے ہیں۔ خدا کسی کو اختیارات دے تو مآل اندیشی بھی عطا کرے ؎

گاواں و خران بار بردار بہ از آدمیانِ مردم آزار

جب وقت آجاتا ہے تو ایک چھوٹا سا مچھر ہی نمرود کی تمام نخوت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

جو شخص اپنے دوستوں کے ساتھ پیار کرتا ہے وہ اس کتے سے بڑھ کر نہیں ہے جو اپنے ٹکڑا ڈالنے والے کے سامنے دُم ہلاتا ہے۔ انسان کا پیار اپنے دشمنوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔

گھوڑا خواہ ہزار سرکش ہو مگر وہ گدھا نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح شریف خواہ کتنا ہی شوخ و شنگ ہو اس کی جبلت میں شرافت ضرور ہوتی ہے۔

نیک آدمی برے افعال کا مرتکب ہو کر کبھی اپنی نظروں میں ذلیل ہونا گوارا نہیں کرتا۔

کسی لڑکے سے ایک لڑکے نے کہا کہ واہ جی واہ! کیا اچھی نارنگیاں ہیں، دو ایک توڑ لو، کوئی دیکھتا تو نہیں ہے اُس شریف لڑکے نے جواب دیا کہ جناب! سب سے بڑا دیکھنے والا میں خود موجود ہوں۔

بدی کرنے والا اگر اپنے کیے پر پشیمان نہیں ہوتا، تو اسے یاد رہے کہ وہ بدی کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا ؎

بیخ ہائے خوئے بد محکم شدہ قوتِ بر کندن آں کم شدہ

اپنے ذاتی اوصاف، اپنے خاندانی حالات اور اپنے کارناموں کے متعلق جتنی کم بات چیت کرو گے اتنا ہی تمہارے لیے بہتر ہو گا کیونکہ جو کچھ بھی تم اپنے متعلق کہو گے اس کے صرف دو ہی مقصد ہو سکتے ہیں۔ یا تم دوسروں کی تحسین کے خواہاں ہو اور اپنے تفوق و برتری کو ان پر ثابت کرنا چاہتے ہو یا تم ان سے رحم کی التجا کرنا چاہتے ہو اور یہ دونوں باتیں تمہاری خودداری و شرافت کے منافی ہیں۔

کوئی شخص کسی دوسرے کے حق میں نیک و بد نہیں ہو سکتا جب تک وہ پہلے اپنے حق میں نیک و بد نہ ہو لے ؎

باخموشی ہستی از نیکانِ عالم بے سخن چوں کشودی لب بہ گفتن نیک یا بدمی شوی

گنہگار خالق و مخلوق دونوں کا بلکہ اپنا بھی دشمن ہے۔

گناہ کی ابتدا میں ایسی شیرینی نہیں ہوتی جیسی اس انتہا میں تلخی ہے۔

حظِ نفسانی کے لئے جو گناہ ہم کرتے ہیں یہی گناہ ایک دن ہمارے مارنے کے لیے قدرت کا ہتھیار بن جاتے ہیں

قانونِ قدرت کی خلاف ورزی کے بارے میں ناواقفیت کا عذر خدا کی درگاہ میں ایسا ہی ناقابلِ سماعت ہے۔ جیسا کہ حکامِ مجازی کے ہاں۔

قانونِ قدرت ایسا اٹل قانون ہے جو داؤں، گھات یا مکر و فریب سے نہیں ٹل سکتا۔ منت خوشامد، شفاعت یہاں کارگر نہیں ہو سکتی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "ہر شخص اپنے فعل کا فرزند ہے۔" عَمَلُکُمْ عُمَّالُکُمْ۔

داناؤں کا قول ہے کہ دُنیا میں دانش تو بہت ہے لیکن پراگندہ طور پر ہر ایک کے پاس جمع ہے۔ کسی کے پاس زیادہ، کسی کے پاس کم۔ دوہا ؎

جتنی جس کی عقل ہے اتنی کہہ سنائے ۔۔۔ زیادہ اس کے پاس نہیں لین کہاں سے جائے

مغز سر میں ڈھونڈو نہ کہ پگڑی میں۔ انسانیت انسان میں ہوتی ہے نہ کہ کوٹ پتلون یا جبہ و دستار میں۔

اگر تم متکبّروں سے نفرت کرو گے تو اوّل خود انسانیت سے نہ گرو گے۔ دُوسرے ان کو بھی انسان بنا دو گے۔ ممکن ہے کہ وہ نادم ہو کر اپنی اس عادت بد کو چھوڑنے کی کوشش کریں۔

اِنسان کا لباس اور سوسائٹی اُس کے اخلاق اور چال چلن کا پہلا سرٹیفکیٹ ہے ؎

با مخالف مشرباں یک جا نشستن خوب نیست ۔۔۔ ایں غلط مجموعہ را شیرازہ بستن خوب نیست

یہ تمہاری غلطی ہے جو تم غیروں کو اپنی تکلیف کا موجب سمجھتے ہو۔ غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ خود تمہارے افعال تمہاری بربادی کا باعث ہیں ؎

جب میں کہتا ہُوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ ۔۔۔ حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ!

نیکی اور بدی اپنے اپنے نتائج نیک و بد کو ہاتھوں پر لیے کھڑی ہیں۔ حیرانی ہے کہ بدی کے خوفناک نتائج سے بے پروا ہو کر انسان پھر بھی بدی ہی کی طرف راغب ہوتا ہے ؎

کسا نیکہ بد را پسندیدہ اند ۔۔۔ ندانم ز نیکی چہ بد دیدہ اند

گناہ کے چہرے پر اگر کوئی نقاب نہ پڑا ہوا اور کوئی روغن یا ملمّع نہ کیا ہو تو وُہ ایسا ڈراؤنا اور گھناؤنا نظر آئے کہ اس کی طرف رغبت کرنا ناممکن ہو بلکہ ایسی نفرت ہو کہ کسی طرح اُس کے پاس جانے کو دل نہ چاہے گا۔

جو گناہ میں گرفتار ہو وہ انسان ہے۔ جو اس سے نادم و غمزدہ ہو وہ بندۂ رحمٰن ہے۔ جو اس کی شیخی مارے وُہ شیطان ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدوں کے ساتھ نیکی کرنا ہر حالت میں مستحسن ہے وُہ دُنیا میں بدی پھیلانے کے ایسے ہی مجرم ہیں جیسا کہ وہ خود بدی کرنے والے سیاہ کار۔ خونی کو بخش دینا ایسا ہی گناہ ہے جیسا بے قصور کو پھانسی دینا ؎

نہ سگ دامنِ کاروانی درید ۔۔۔ کہ دہقانِ ناداں کہ سگ پرورید

نیک انسانوں کے دلوں میں بھی بُرے خیالات آتے ہیں۔ مگر وُہ یُوں ہی چلے جاتے ہیں۔ کوئی دھبہ اور داغ دل پر نہیں لگا جاتے۔

کبھی نرمی سے وہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو سختی کی صورت میں دور ہو سکتی تھیں۔

طوفانوں اور زلزلوں سے اتنے مکان و شہر برباد نہیں ہوتے جتنے انسانوں کے اپنے ہاتھوں سے ؎

کردنی خود پیش می آید فلک را تہمت است ۔۔۔ ہر چہ اندازی میانِ آسیا آید بروں!

جس طرح درخت کو اپنے پھل بھاری نہیں لگتے۔ انسان کو بھی اپنی بُرائیاں وزن دار معلوم نہیں ہوتیں۔
نکوکار مفلس، بدکار رئیس سے بدرجہا بہتر ہے۔
گنہگار آدمی خواہ کتنا ہی زبردست اور طاقتور کیوں نہ ہو گناہ کی پھٹکار اس کے دل کو ایسا بزدل بنا دیتا ہے کہ وہ ایماندار بے گناہ کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا ؎

سرو در فصل خزاں ماند بحال　راستی را نبود بیم زوال

جس تعلیم یافتہ انسان کی زندگی میں شرافت اور پاکیزگی نہیں وہ جہلا سے بدتر اور گمراہ ہے۔
ایک دفعہ اہلِ دربار نے شہنشاہ جولیس کی بہت تعریف کی کہ حضور بڑے عادل ہیں۔ اس نے کہا میں تمہاری تعریف کا جب اعتبار کروں کہ اگر میں کوئی ظلم کا کام کروں تو تم کہو کہ تو بڑا ظالم ہے۔
عالم تیز ذہن اگر نیک چال چلن نہیں ہے تو کیسہ بُر اور ٹھگ ہے۔ اسی واسطے کہا ہے کہ دانا سے مشورہ بے شک لے لو۔ مگر چلو نیک چلن کی رائے ہر۔
نفس پرست تعلیم یافتہ سے نفس کُش جاہل اچھا۔ کیونکہ اگر وہ کچھ سنوارتا نہیں تو بگاڑتا بھی نہیں۔
لذیذ کھانوں کے ساتھ بدہضمی، عیاشی کے ساتھ کمزوری اور کاہلی کے ساتھ مُفلسی لازم و ملزوم ہے۔
اگر ہم عالم نہیں، دولت مند نہیں، طاقتور نہیں تو کچھ نقصان نہیں۔ نقصان تو یہ ہے کہ ہم انسان نہیں ؎

خبر دے دو تو میرا غنچۂ خاطر بھی کِھل جائے　اگر مردم شماری میں کوئی انسان مل جائے

ایک بے علم نیک چلن کئی انسانیت سے گرے ہوئے عالم فاضلوں سے بدرجہا بہتر ہے ؎

زشت روئی نہ حسنِ صورت شرط　آدمی کو ہے آدمیت شرط

دولت یا منصب سے آدمی کبھی قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ صرف ایک چال چلن ہی ہے جو آدمی کو قابل اعتبار بناتا ہے
سخاوت دشمنوں کے دلوں میں محبت پیدا کرتی اور بخل خود اپنی اولاد کو دشمن بنا دیتا ہے۔
انسان بوقتِ دسترس مبتلائے گناہ اور بوقت مُفلسی مبتلائے آہ ہوتا ہے۔
سچی محبت سخت سے سخت دل کو جیت سکتی ہے ؎

دل و مسجد ہیں دونوں گھر خدا کے فرق پر یہ ہے　وہ تعمیر اس کے ہاتھوں کی یہ تعمیر اپنے ہاتھوں کی

اقلیم دل بزور مسخر نمی شود　ایں فتح بے شکست مُیسّر نمی شود

انوکھی ہار اک پیت کی ریت ہے　یہاں دل کو ہارو یہی جیت ہے

نیک کام کرتے وقت مذہب و ملت کا خیال نہ کرو۔
فضل و کمال کی قدر اہلِ فضل و کمال ہی جانتے ہیں۔
جاہل دولت و حشمت اور جاہ و ثروت سے آدمی کی بڑائی کا اندازہ لگاتے ہیں۔ مگر دانا نیک چلنی سے۔
بدصورت کی متانت و سنجیدگی قبول صورت کی شوخی و نزاکت سے لاکھوں درجہ اچھی ہے۔

جو شخص گھر میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہے وہ حقیقت میں اچھا ہے۔ کوئی ریاکاری و مکاری اس میں نہیں جس کام کو اوروں سے چھپا کر کرنے کی ضرورت ہے اس میں ضرور گناہ کی میل اور سزا کا خوف ہے۔

نیک فعل جو شیریں زبانی سے نہیں کیا جاتا وہ اپنی نقد قیمت کھو دیتا ہے ۔

خفا وقتِ خیرات ہونا نہ تم — کہ بھونے ہوئے بیج بونا نہ تم

افسوس بہت سے پاک طینت اور نیک لوگ صرف ایک سخت زبانی کے سلوک سے مذموم خلائق ہو رہے ہیں ۔

گر ترا حق آفریدہ زشت رو — تو مشو ہم زشت رو ہم زشت خو

کسی کو یہ تلخی گوارا ہو کب — جو پڑ جائے ترشی پھٹے دودھ سب

شریف کی پہلی شرافت شریفانہ گفتگو ہے۔ بات چیت میں سختی یا بدزبانی سے کام بنا ہرگز ہرگز شرافت نہیں۔ آئی صورت سے راضی رہ۔ منہ سے اللہ اللہ کہہ نہ کہہ ۔

اخلاق سب سے رکھنا تسخیر ہے تو یہ ہے — خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

غصہ بھی آ جائے تو بے جا نہ سخن سرزد ہو — جس کے کہنے میں ہے گویا وہ زباں ہاتھ میں ہے

ہر جا تواضع ہست دلیلِ نجابت است — نیخ اصیل را بہ خمیدن تواں شناخت

فی الحقیقت کوئی کسی کے حق میں بھلا بُرا نہیں ہے۔ نفرت نفرت کو، چاہت چاہت کو خود اپنی طرف کھینچ لاتی ہے۔ ہم جیسا لوگوں کے ساتھ سلوک کریں گے ویسا ہی وہ ہمارے ساتھ برتاؤ کریں گے ۔

بُرے کو سب بُرا اچھے کو سب اچھا ہے دُنیا میں — اس آئینہ میں جو جیسا ہے ویسا عکس اُترتا ہے

محبت سے جی خود بخود جائیں مل — کہ انساں کے دل کا ہے آئینہ دل !

رُتبہ بڑھے ہے خلق سے اپنی ہی شان کا — صاحب کہے سے کچھ بھی گھٹے ہے زبان کا

حکایت ایک بادشاہ نے اپنے وزرا سے ایک روز کہا کہ نیرنگیِ زمانہ، انقلاب دہر اور دُنیا کے ہر ساعت تغیر و تبدل کو دیکھتے ہوئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی اولاد کو کوئی ایسا ہنر سکھاؤں کہ ان قوانین قدرت کے ماتحت اگر سلطنت زوال پذیر بھی ہو جائے تو وہ کسی ہُنر و پیشہ سے اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے شکم پری کر سکیں اور حصولِ معاش کے لئے وہ کسی کے دستِ نگر اور محتاج نہ ہوں۔ بالآخر تمام وزرا کے اتفاق رائے سے قرار پایا کہ ولی عہد کو تو علم سکھلایا جائے جو تمام ہنروں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ دُوسرے شہزادوں کو نجاری، زرگری، کفش دوزی اور آہن گری وغیرہ کا پیشہ سکھلایا جائے۔ پھر ایک مقررہ میعاد کے بعد ان سب کا امتحان لیا جائے کہ ان سب میں کون سا پیشہ و ہنر روپیہ کمانے کے لئے فوقیت و فضیلت رکھتا ہے؟ چنانچہ انقضائے میعاد مقررہ پر ان سب کو بادشاہ کے روبرو برائے امتحان پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے ان سب شہزادوں کو حکم دیا کہ ایک ایک روپیہ پیدا کر کے لاؤ۔ چنانچہ بمجرد سُننے اس حکم کے سب شہزادے ایک ایک روپیہ پیدا کرنے کی فکر میں ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سب اپنے اپنے پیشوں کے ذریعے سے ایک ایک روپیہ حاصل کر کے

لے آئے۔ سوائے ولی عہد کے جس نے کہ علم حاصل کیا تھا۔ وہ بیچارہ صبح سے شام تک بازاروں میں یہ کہتا پھرا "جو کوئی مجھے ایک روپیہ دے گا میں اس کو ایسے علمی مسائل بتلاؤں گا جو دین و دُنیا میں اُس کے لئے بہت مفید و کار آمد ہوں گے"۔ جو کوئی اس کے اس فقرے کو سنتا وہ ہنس دیتا یا اس کو دیوانہ قرار دیتا۔ آخر کار صبح سے شام تک اپنی پُوری کوشش صرف کرنے کے بعد ناکام خدمت شاہ میں حاضر ہُوا اور نہایت مایوسی کے عالم میں بادشاہ سے شکایت کی کہ آپ نے میرے متعلق علم حاصل کرنے کی غلط رائے قائم کی۔ جس کی قدر و قیمت اتنی بھی نہیں کہ میں اپنی روزی کا کچھ حصہ بھی کما سکوں۔ سوائے اس کے کہ خلق مجھ پر خندہ زن ہو۔ بادشاہ نے اُس کو ایک بیش قیمت جواہر دیا کہ تم اس کو فروخت کر کے کل کو روپیہ حاصل کر کے لانا۔ چنانچہ وہ بے چارہ دُوسرے روز صبح سے شام تک پھرتا رہا۔ لیکن ایک رُوپیہ میں بھی اُس بیش قیمت جواہر کو فروخت کرنے میں ناکامیاب رہا۔ سب نے یہی جواب دیا کہ "یہ کانچ تو ایک کوڑی قیمت کا بھی نہیں۔ کل تم مسئلے فروخت کرتے پھر رہے تھے۔ آج ایک کوڑی کے کانچ کو ایک روپیہ میں فروخت کرتے پھر رہے ہو۔ شاید کہ دیوانے ہو"۔ ولی عہد نہایت غمگین و مایوس ہُوا۔ اور روتا ہُوا بادشاہ کے پاس آیا کہ اس لاکھوں روپے کے جواہر کا کوئی ایک پیسہ بھی نہیں دیتا۔ بادشاہ نے کہا "جانِ پدر! مایوس مت ہو۔ جس طرح اس جواہر کی قدر و قیمت کسی نے نہیں پہچانی۔ اسی طرح تیرے علم کی قدر بھی سوائے تیرے کوئی قدردان ہی کر سکے گا۔ تیرا کمال علم خود تیری اور دوسروں کی رُوحانی اصلاح کرنے میں تو کامیاب ہو سکے گا۔ لیکن حصُولِ دولتِ دُنیوی کے لئے علم کو ذریعہ گردانے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ کمال اور اقبال ایک جگہ جمع نہیں ہوتے ؎

دُنیا میں چوب سوختنی و عود ایک ہے! | ہم رُتبۂ خلیل اور نمرود ایک ہے

اُن لوگوں کو جو سازے دُنیا کے مست ہیں | آوازِ خرس و نغمۂ داؤد ایک ہے

تمثیل:۔ ایک کمہار اپنے گدھے پر لکڑیاں لاد کر بغرض فروخت شہر کو جا رہا تھا۔ اثنائے راہ میں اس کو ایک گراں قدر لعل پڑا ہُوا مل گیا۔ جس کو اس نے معمولی لال منکا خیال کر کے گدھے کے گلے میں لٹکا دیا۔ شہر کے بازاروں میں سے گزرتے ہوئے ایک جوہری کی نگاہ اس لعل پر پڑ گئی۔ جوہری نے کمہار کو بلا کر پوچھا کہ "منکا سا" کتنے پیسے میں فروخت کرو گے۔ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست۔ کمہار نے اپنی طرف سے بھارا بن کر بے پروائی کے انداز میں کہا "میں ایک روپے سے کم نہ لوں گا"۔ جوہری نے کہا "میں آٹھ آنے سے زیادہ نہیں دے سکتا"۔ یہ سنتے ہی لعل پھٹ کر گر پڑا۔ جوہری نے کہا "گدھے کے گلے میں تو تمہیں ذلت محسوس نہ ہوئی جو اب انسان کے ہاتھ میں آتے ہوئے پھٹ گئے"۔ لعل نے کہا "کمہار اور گدھا میری قدر و قیمت سے ناواقف تھے۔ لیکن تم نے باوجود جوہر شناسی کے اس قدر کم قیمت دینا بھی گوارا نہ کیا ؎

وائے بر جانِ گہر آنکہ بہ درمے آرزد

حکایت:۔ ایک پنڈت مدت دراز تک کاشی جی میں اقامت پزیر ہو کر کافی محنت، سخت مصیبت

نہایت جان کاہی اور دماغ سوزی کے بعد سنسکرت اور دیگر علوم مذہبی میں سندِ فضیلت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ مذہبی فضیلت اور علمی قابلیت دُنیاوی ترقی اور حصُولِ مقاصد میں اس کے لئے بہترین ذریعہ ثابت ہو گی۔ لیکن کافی تجربہ کے بعد اُس کو محسوس ہوا کہ اس کا خیال بالکل غلط تھا ضرورتِ دُنیوی سے لاچار ہو کر زندگی قائم رکھنے کے لیے بغرض حصولِ مُعاش اس نے اپنے وطن کو خیر باد کہا۔ کچھ عرصہ بعد دُور دراز علاقہ کے ایک گاؤں میں وارد ہُوا اور وہاں کے لوگوں سے درخواست کی کہ یہ دھرمی ہندوؤں کا گاؤں ہے مجھے رامائن کی کتھا سنانے کی اجازت دی جائے اور میری پیٹ پوجا کا بھی کچھ انتظام ہو جائے۔ سب کی لاٹھی ایک کا بوجھ۔ مجھ غریب کا کام بن جائے گا اور آپ لوگوں پر بھی کچھ بوجھ نہ پڑے گا۔ لوگوں نے پوچھا کتھا کتنے عرصہ میں ختم ہو گی۔ پنڈت نے کہا کم از کم تین چار ماہ میں۔ ان میں سے ایک زمیندار بولا پنڈتوں کے یہ سب کھانے پینے کے ڈھنگ ہیں، ورنہ کتھا تو صرف اتنی ہے ”ایک تھے رام جی' ایک تھا راونٹرا۔ اُس نے اُس کی جورو چھینی اُس نے جلایا گاؤڑا۔“

نتیجہ یہ کہ انسان اس قدر خود غرض واقع ہُوا ہے کہ مالی یا جسمانی قربانی تو درکنار بغیر مطلب اور بلا ضرورت کسی کی بات سننی بھی گوارا نہیں کرتا۔ پنڈت جی کو چونکہ اپنی ضرورت پوری کرنی اور مطلب نکالنا تھا۔ انہوں نے چند روز کے چند ماہ تبلائے۔ گاؤں والوں کو چونکہ اس میں بظاہر تضیع اوقات کے سوا کچھ حاصل ہوتا نظر نہ آیا۔ انہوں نے چند ماہ کی کتھا کو چند حروف میں ختم کر دیا۔ نیز یہ کہ علم کو صرف حصُولِ معاش ہی کا ذریعہ نہ بناؤ۔

فراست:۔ زندگی میں کامیاب ہونے کے لئے ذہانت کی نسبت فراست کی زیادہ ضرورت ہے جب تک حالاتِ موجودہ کی ضرورت کو پہچاننے کا شعور نہ ہو۔ جب تک اُن اشخاص کے جن سے کام پڑتا ہے خیالات اور میلانِ خاطر کا پتہ لگانے کا سلیقہ نہ آئے۔ اور جب تک ان کے ساتھ برتاؤ اور سلوک کرنے کا طریقہ نہ سیکھا جائے۔ اُس وقت تک زندگی کی کش مکش میں کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ دُنیا ہماری لیاقت شرافت اور اخلاق کا اندازہ صرف ہمارے طرزِ عمل سے لگاتی ہے۔ کیونکہ نہ تو دُنیا کے پاس اتنا وقت ہے اور نہ اُسے ضرورت ہے کہ وہ ہماری نیتوں اور ہمارے اخلاق کا مُطالعہ کرے۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ صرف ہمارے ظاہری طرزِ عمل اور برتاؤ کو دیکھتی ہے اور اسی کے مطابق ہمارے متعلق رائے قائم کر لیتی ہے۔ بعض نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں دُنیا کی رائے کی کیا پرواہ ہے کہ وہ ہمارے متعلق جو مرضی ہے کہے سُنے۔ جو کچھ ہم ہیں وہ تو ہیں ہی۔

اس میں شک نہیں کہ ہمیں غلامانہ طور پر دُنیا کی رائے سے خواہ مخواہ خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے مگر یہ تو عقلمندی سے بعید ہے کہ ہم دُنیا کو اس قسم کا موقع دیتے رہیں کہ وہ ہمارے متعلق غلط رائے قائم کرے۔ فراست و شعور زیادہ تر فطرت کی طرف سے انسان میں ودیعت ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی کئی طریقوں

پر عمل کرنے سے ہم دوسروں کے ساتھ نہایت عمدہ طور سے نباہ سکتے ہیں۔ جب کبھی تمہیں موقع ملے دوسروں کو خوش کرنے کی کوشش کرو۔ اگر تمہیں کسی وجہ سے خوشی نصیب نہیں ہو سکتی تو کم از کم دوسروں کو تو خوشی پہنچا سکتے ہو۔ سب کے ساتھ اخلاق سے پیش آؤ۔ خوش اخلاق ہونے میں خرچ تو کچھ نہیں آتا۔ مگر اسی سے خریدا بہت کچھ جا سکتا ہے۔ واقعی اس سے ہم وہ کچھ خرید سکتے ہیں، جو چاندی سونے سے بھی نہیں خریدا جا سکتا۔ اس لئے سب کے دلوں کو تسخیر کرنے کی کوشش کرو۔ ایک دانا نے بادشاہ کو نصیحت کی کہ تم لوگوں کے دلوں کو تسخیر کر لو۔ پھر ان کے دل اور ان کا مال بھی تمہارا ہو جائے گا۔

فراست وہاں بھی کامیاب ہو جاتی ہے جہاں زور ناکام رہتا ہے۔ نیکی بدی پر فتح پاتی ہے نہ کہ جور و جفا۔ جب سورج اور آندھی کا مقابلہ ہوا تو آندھی باوجود اپنی ساری قوت لگانے کے بھی اس مسافر کا کوٹ اتارنے میں ناکامیاب رہی۔ مگر جب سورج آہستہ آہستہ اپنی تمازت سے اس مسافر کو گرمی پہنچانے لگا تو بیچارے نے نہ صرف کوٹ بلکہ قمیض بھی اتار دی۔

یاد رکھو کہ انسان کو کسی راستے پر رہنمائی کر کے لے جانا آسان ہے۔ مگر اس کا راستے پر بزور دھکیل کرلے جانا بہت مشکل ہے۔ تلوار کی نسبت تبسم سے مجبور کرنا اچھا ہے۔ جن کے ساتھ تمہیں معاملہ پڑے ان پر دیانت داری سے اپنا اعتبار جمانے کی کوشش کرو۔ اکثر اشخاص لیاقت سے نہیں بلکہ محض اخلاق کے زور پر قوت اور اثر پیدا کر لیتے ہیں۔ دوسروں کی جائز خواہشات کو جہاں تک عقلمندی اور راست بازی اجازت دے، پورا کرنے کی کوشش کرو۔ مگر جب ضروری سمجھو تو اس وقت انکار کرنے سے بھی ہرگز پس و پیش نہ کرو۔ ہر ایک شخص "ہاں" کہہ سکتا ہے۔ گو بہت کم ایسے آدمی ملیں گے جو خوش اخلاقی سے "ہاں" کہہ سکیں گے۔ مگر "نہیں" کہنا تو اس سے بھی بدرجہا مشکل ہے۔ بے شمار اشخاص صرف اس وجہ سے تباہ و برباد ہو گئے ہیں کہ وہ اس لفظ کو کہنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ پلوٹارک کہتا ہے کہ ایشیائے کوچک کے باشندے صرف اس لیے غلام بنا لیے گیے تھے کہ وہ ایک سادہ لفظ یعنی "نہیں" نہ کہہ سکے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر زندگی میں "نہیں" کہنا ضروری ہے تو یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ اس کو خوش اخلاقی سے ادا کیا جائے ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جس شخص کو ہمارے ساتھ کوئی معاملہ پڑے وہ محسوس کرے کہ اس کو اس میں خوشی حاصل ہوئی ہے۔ اور وہ آئندہ بھی ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے مستعد نظر آئے۔ دنیا کے معاملات میں جذبات کو بہت بڑا دخل ہے۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ مہربانی، اخلاق اور مروت سے پیش آیا جائے۔

ہر شخص اگر چاہے تو اپنے آپ کو خوش اخلاق بنا سکتا ہے۔ لارڈ چیسٹر فیلڈ کہتا ہے کہ دوسروں کو خوش کرنے کی محض خواہش کرنا ہی ان کو کم از کم آدھا خوش کرنے کے برابر ہے۔ اس کے برعکس وہ آدمی جس میں یہ خواہش ہی نہیں دوسروں کو کس طرح خوش کر سکتا ہے۔ یہ صفت جوانی ہی میں حاصل کر لینی چاہیے

بعد ازاں اس کا حاصل کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ تمہیں بہت سے اشخاص ایسے ملیں گے۔ جن کی لیاقت بہت کم ہے۔ مگر وہ محض خوش اخلاقی کی وجہ سے کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس کے برعکس بہت سے اشخاص ایسے بھی ملیں گے جو نہایت ذہین اور صاف دل ہیں۔ مگر انہوں نے اپنی کج روی، ترش روئی اور اکھڑپن سے ایک عالم کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ قطع نظر اس سے دوسروں کو خوش کرنا بھی ایک طرح کی خوشی ہے۔ اس بات کی کوشش کرو۔ تم ہرگز مایوس نہ ہو گے ؎

رفتہ رفتہ آبرو را برطرف سازد غضب — آب را چندانکہ جوشانند کمتری شود
روئے کہ از وے دل نہ کشاید ندیدنی ست — حرفے کہ نیست مغز دروناشنیدنی ست

ہر معاملے میں تحمل اور احتیاط ملحوظ رکھو۔ تحمل بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنی گرم جوشی۔ کاروبار میں تحمل اور ثابت قدمی نہایت کار آمد ثابت ہوتی ہے۔ یہ انسان کو مشکلات اور خطرات میں کامیابی دلاتی ہے۔ اگر تمہیں ایسے اشخاص سے کام پڑے جو تمہاری نسبت کم لیاقت رکھتے ہیں تو اُن کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ اگر کسی کو وراثت میں ریاست ملے یا لیاقت تو اس سے اس کو یہ حق کہاں پہنچتا ہے کہ وہ غرور اور تکبر سے دوسروں کو ٹھکرائے۔ دونوں حالتوں میں قابل تعریف وہ آدمی ہے جو ان کا صحیح طور پر استعمال کرے۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بعض اشخاص میں قابلیت تو بہت ہوتی ہے مگر وہ اس کا اظہار نہیں کرتے اس لیے اگر تم اُن کے ساتھ نخوت برتو گے تو اس میں تمہارا ہی سراسر نقصان ہے ؎

دل صاف دار صحبتِ غفلت وبال نیست — در دستِ گبر آئینہ کافر نمی شود

کتاب کے مطالعے سے انسان کا مطالعہ مشکل تر ہے۔ دوسروں کے کیرکٹر کا مطالعہ کرنے میں آنکھیں بہت مدد ہوتی ہیں۔ ایمرسن کا قول ہے کہ جب آنکھیں کچھ کہتی ہوں اور زبان کچھ اور تو تجربہ کار شخص آنکھوں کی زبان کو معتبر سمجھے گا۔ جب دوسرے اپنی دوستی، محبت اور اخلاص کا زبان سے اظہار کریں تو اس پر زیادہ اعتبار نہ کرو۔ جب کوئی اجنبی تمہارے ساتھ بہت سے وعدے کرے تو اس کے قول پر کلی طور پر بھروسہ نہ کرو۔ کیونکہ اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ سراسر غلط وعدے نہیں کرتا، پھر بھی یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مبالغہ کر رہا ہو یا تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہو۔ ہر شخص کو محض اس لیے دوست نہ سمجھو کہ وہ زبان سے کہتا ہے کہ وہ تمہارا دوست ہے۔ نہ یونہی ہر شخص کو اپنا دشمن خیال کرنا شروع کر دو۔

ہمیں فخر ہے کہ ہم معقول ہیں۔ لیکن یہ سمجھنا غلطی ہے کہ انسان ہمیشہ عقل سے اپنی رہنمائی کرتا ہے ہم عجیب طور پر متضاد واقع ہوئے ہیں۔ اور اکثر اپنے افعال میں تعصب یا غصّہ سے کام لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو اپنا ہم خیال اور ہمدرد بنانے کے لیے دلائل کی نسبت جذبات کا اُبھارنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ جب انفرادی حیثیت سے گذر کر ہم انسان کو اجتماعی حالت میں دیکھتے ہیں تو یہ اور بھی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

بحث و مباحثہ ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔ اس سے اکثر سرد مہری اور غلط فہمی بڑھتی ہے۔ ممکن ہے کہ تم اپنے دوست سے بحث میں جیت جاؤ۔ مگر ساتھ ہی تم اپنے دوست کو بھی کھو دو گے۔ اور عقل مند شخص جانتا ہے کہ یہ سودا خسارے کا ہے، سو دوستوں کے مقابلے میں دشمن ایک بھی زیادہ ہے۔ جب بحث نہایت ہی ضروری ہو جائے تو جہاں تک ہو سکے، دُوسرے کے خیالات اور بات سمجھنے کی کوشش کرو اور اس کے دلائل کو جہاں تک کہ وہ درست ہیں ان کو سنو۔ اور اگر تمہیں کسی امر میں اختلاف ہے تو یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرو کہ تمہارے مدِ مقابل نے چند نکات یا دلائل کو نظر انداز کر دیا ہے۔ بہت تھوڑے آدمی ایسے ملیں گے جو بحث کے دوران میں ہار مان جائیں۔ اور ان کو یہ محسوس ہو جائے کہ وہ واقعی ہار گئے ہیں تو وہ اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ اگر یہ جان بھی لیں کہ ان کو شکست ہوئی ہے تو بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ دل سے تمہارے قائل ہو گئے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ بحث و مباحثہ میں دُوسروں کو قائل کرنا قریباً ناممکن ہے تو اس میں مبالغہ نہ ہو گا۔ جیسا کہ تمثیل ذیل سے ظاہر ہے۔

تمثیل:۔ ایک برہمن نے اپنی دھرم پتنی (بیوی) سے کہا "میں نے ایک بہت بڑے عالم و فاضل پنڈت سے اس شرط پر شاستر ارتھ یعنی مناظرہ مقرر کر لیا ہے کہ ہم میں سے جو ہار جائے جیتنے والا اس کی تمام جائداد و زر و زیور اور تمام سامان حتیٰ کہ بیوی بچوں تک کا بھی مالک ہو جائے گا۔" بیوی اس قسم کی ناقابل قبول شرط کو سُن کر نہایت گھبرائی اور کہا "اگر تم ہار گئے تو پھر دُنیا میں میرا اور بال بچوں کی مصیبت کا کیا ٹھکانا۔" برہمن نے کہا "گھبراؤ نہیں، میں ہرگز نہیں ہار سکتا۔" بیوی نے کہا "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم نہیں ہارو گے؟" برہمن نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا کہ جب میں اپنی شکست کو تسلیم ہی نہ کروں گا تو ہار جانے کا کیا خوف و خطرہ ہے۔"

غرض یہ کہ تم اپنے دلائل کو نہایت وضاحت اور اختصار سے بیان کرو۔ اور اگر اس کو اپنی رائے کے متعلق ذرا بھی شک ہو جائے تو سمجھو کہ تم نے اس کو قائل ہی کر لیا۔

بات چیت کرنے کرنے کا سلیقہ بھی ایک بہت بڑا فن ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اشخاص جو سب سے زیادہ باتونی ہوتے ہیں، وہی سب سے اچھی گفتگو کرنے والے ہوتے ہیں۔ دوسروں کی بات کو تحمل اور صبر سے سننا بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا اعلیٰ گفتگو کرنا جب اور لوگ گفتگو کر رہے ہوں تو اس وقت تم یہ نہ خیال کرو کہ تم ان کی گفتگو پر محاکمہ یا تنقید کرنے کے لیے بیٹھے ہو۔ بلکہ متکلم کی گفتگو کا اصل مدعا سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر تمہارا رویہ ہمدردانہ ہو گا تو لوگ خود بخود تم سے مشورہ لیں گے اور تمہیں اس امر کی تسلی ہو گی کہ تم نے رنج و الم کے وقت دوسروں کی مدد کی ہے اور ان کو تسلی دی ہے۔

بیوقوف کو بیوقوفانہ طرز میں جواب نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی طرح بن جاؤ۔ یاد رکھو نرمی سے جواب دینا غصے کو فرو کر دیتا ہے۔ مگر طیش میں جواب دینا بھی اتنا احمقانہ فعل نہیں جتنا حقارت آمیز لہجے میں جواب دینا۔ یاد رہے کہ الفاظ کی نسبت لہجہ زیادہ اثر پذیر ہوتا ہے۔ ایسے آدمی بہت کم ملیں گے جو تمسخرانہ

مضحکہ خیز الفاظ کو برداشت کر سکیں۔ انسان شاید تمام باتوں کو بھول جائے۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ وہ حقارت اور تمسخر کو بھول لے۔ بعض اشخاص موہوم باتوں پر دوسروں سے رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور سرد مہری کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو افسردہ بنا لیتے ہیں۔ کسی قسم کے ہتک آمیز الفاظ تمہیں ذلیل نہیں بنا سکتے۔ ہاں تم اپنے رویئے سے خود اپنے آپ کو ذلیل کر سکتے ہو ؂

زیاں نازہ باناں نگفتن بود زیاں بازہ باناں بگفتن بود

صاف دل رہنا چاہیے مگر ساتھ ہی کم گو ہونا بھی ضروری ہے۔ اپنی ذات کی نسبت زیادہ بات چیت نہ کرو۔ دُوسروں کو اپنے متعلق گفتگو کرنے دو۔ لیکن تم نہ اپنی تعریف کرو نہ اپنی بڑائی۔ اگر دوسرے اپنی ذات کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس موضوع پر گفتگو کرنا ان کو بہت محبوب ہے۔ اس لئے اگر تم ان کی بات سنو گے تو وُہ تم پر بہت خوش ہوں گے۔ کسی آدمی پر یہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو کہ وہ جاہل مطلق ہے۔ ہاں اگر تمہارا یہ فرض ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن بہر حال یہ یاد رکھو کہ اس آدمی کو تمہارے بر خلاف ضرُوری طور پر شکایت پیدا ہو جائے گی۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے متعلق تمہاری اس قسم کی رائے ہی سراسر غلط ہو کم از کم اس شخص کو تو یقین کامل ہو گا کہ تمہاری رائے بے انصافی پر مبنی ہے۔ اس لئے وہ بھی تمہیں بے وقوف سمجھے گا۔ انسان اذیت کو بھُول جائے تو بھول جائے۔ لیکن ہتک آمیز الفاظ ہمیشہ اس کے دل میں کھٹکتے رہتے ہیں۔ نیز تم اپنے مقصد میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کسی آدمی کی نجابت و شرافت اور علم و عقل کا اندازہ اس کے غصّے کی حالت سے لگاؤ۔ جس قدر وُہ غصّے میں بڑھا ہو گا۔ اتنا ہی تم اسے عقل و انسانیت سے گرا ہُوا خیال کرو۔ لہٰذا ہر معاملے میں صبر و تحمل سے کام لو۔ اگر کوئی کام آرام و آسانی سے نکل سکے تو پھر سختی کرنے کی کیا ضرُورت ہے۔ گڑ دینے سے کام بن جائے تو زہر کی کیا ضرورت ہے۔ خصوصاً جب کوئی دُوسرا بات کر رہا ہو تو ہرگز قطع کلام نہ کرو۔ اکثر آدمی یہ پسند کرتے ہیں کہ تم ان کی بات سنو۔ خواہ تم ان کی حاجت روائی بھی نہ کرو ؂

دو چیز تیرہ عقل است، لب فرو بستن بوقتِ گفتن، و گفتن بوقت خاموشی

طبیعت کو ہمیشہ قابو میں رکھو۔ اگر غصّہ آ ہی جائے تو بھی زبان سے اس کا اظہار نہ کرو۔ اور رنج دہ الفاظ اپنی زبان سے نہ نکالو۔ اس جگہ کبھی نہ جاؤ جہاں تمہاری قدر و منزلت نہ ہو۔ تمہاری حالت اس مکھی کی طرح نہ ہو جو ناخواندہ مہمان کی طرح کسی بادشاہ کے چہرے پر جا بیٹھتی ہے۔ مکھی کی ضد مشہور ہے بار بار مکھی اڑانے کے بعد آخر بادشاہ نے صرف یہ کہا۔ کیا میری تین وسیع سلطنتیں تمہارے لیے کافی نہیں تھیں کہ تم ان کو چھوڑ کر سیدھی میری آنکھ کے گوشہ میں گھسنا پسند کرتی ہو ؂

دل خلق از خلق خوشی رام کن جہاں در جہاں اسپ و آرام کن

سائنس کی کوئی شاخ اتنی مفید نہیں، جتنا انسانی فطرت کا علم۔ اس سے صحیح فیصلے پر پہنچنے کا ڈھنگ آجاتا ہے۔ اس سے ہم نہ صرف یہ سیکھ لیتے ہیں کہ کن اشخاص پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور کن اشخاص کے نزدیک تک نہ جانا چاہیے۔ بلکہ یہ بھی سیکھ لیتے ہیں کہ دوسروں پر کہاں تک اور کن امور میں بھروسہ کرنا چاہیے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بڑا آسان کام ہے۔ یہ بڑا ضروری امر ہے کہ تم اُن اشخاص کا اچھی طرح سے انتخاب کر سکو جنہوں نے تمہارے ساتھ یا تمہارے ماتحت کام کرنا ہے۔ تاکہ تم ہر ایک آدمی کو اپنی اپنی جگہ ان کی لیاقت کے مطابق لگا سکو۔ اگر تم کو کسی شخص کے متعلق کسی قسم کے شکوک و شبہات ہیں تو اس کو اپنے ساتھ یا اپنے ماتحت نہ لگاؤ۔ اور جب کافی جانچ پڑتال کے بعد اس کو اپنے ماتحت لگا لیتے ہو تو ان کے متعلق کوئی شک و شبہ نہ رکھو۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ شک کرنے والوں کی نسبت بھروسہ اور اعتبار کرنے والے راستی پر ہوتے ہیں۔

جب کسی پر بھروسہ کرو تو کامل طور سے کرو۔ ہاں یہ بھروسہ اندھا دھند نہ ہونا چاہیے۔ بعض عقلمند بھی اندھا دھند دوسروں پر اعتبار کر لیتے ہیں۔ اور اپنی عزت و ناموس، بلکہ بعض دفعہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ہمیشہ احتیاط اور دانشمندی سے کام لو۔ اپنا راز دل ہی میں پوشیدہ رکھو۔ کیونکہ تم اپنے راز کو پوشیدہ نہ رکھو گے تو نہیں دوسروں سے یہ توقع ہرگز نہ رکھنی چاہیے کہ وہ اُسے پوشیدہ رکھیں عقلمند کا منہ اس کے دل میں ہوتا ہے۔ اور بے وقوف کا دل اس کے منہ میں۔ کیونکہ جو کچھ وہ جانتا یا سوچتا ہے جھٹ زبان سے نکال دیتا ہے ؎

اگر کس بداند کہ راز تو چیست　　　بریں عقل و دانش بباید گریست

اپنے دماغ کو استعمال کرو۔ عقل سے مشورہ لو۔ یہ درست ہے کہ عقل ہمیشہ سہو سے بری نہیں ہوتی لیکن پھر بھی اگر تم اس کو استعمال کرو گے تو غلطی کا بہت کم احتمال رہے گا۔ گفتار روپہلی ہے اور خاموشی سنہری۔ بہت سے اشخاص صرف اس لیئے باتیں نہیں کرتے کہ انہیں کوئی ضروری بات کہنی ہوتی ہے بلکہ وہ محض باتیں کرنے کی خاطر باتیں کرتے جاتے ہیں۔ گفتگو میں زبان کی نسبت دماغ سے زیادہ کام لینا چاہیے۔ باتونی ہونا ترقی کے لیے بڑی بھاری رکاوٹ ہے۔ کیونکہ بعض اوقات باتوں کے جوش میں منہ سے کچھ نہ کچھ نکل جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ طیش میں عیش، اور جوش میں ہوش کہاں۔ بعد ازاں انسان اس سے پچھتاتا ہے۔ زبان سے نہایت بدتہذیب الفاظ نکل جاتے ہیں۔ حالانکہ بولنے والے کا مقصد ان الفاظ سے سوائے زبان درازی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ حاصل یہ کہ اس طرح کی زبان درازی سے سوائے جھگڑے، برائی اور تکلیف کے سوا کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔

ایک شخص سے پوچھا گیا کہ تم مجلس میں زبان کو بند کیوں رکھتے ہو؟ کیا اس لئے کہ تم بیوقوف ہو اور تمہارے پاس بولنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں"؟ اس نے جواب دیا کہ" بھلا بتاؤ کہ بے وقوف اپنی

زبان کو کس طرح قابو میں رکھ سکتا ہے"؟ کسی بزرگ کا قول ہے کہ جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اس کی زبان قینچی کی طرح کترتی جاتی ہیں۔ اور وہ بے سوچے سمجھے منہ سے الفاظ نکالے جاتا ہے تو جان لو کہ ایک بیوقوف کی بہتری کی تو امید ہو سکتی ہے مگر اس کی حالت قابل رحم و لاعلاج ہے۔

دُوسروں پر اپنی تفوق جتانے کی کبھی کوشش نہ کرو۔ اس سے بڑھ کر لوگوں کے لیے دق کرنے والی اور نفرت دلانے والی کوئی شے نہیں کہ ان کو محسوس کرایا جائے کہ وہ بہت حقیر ہیں۔

جب کسی محفل میں جاؤ تو ان اشخاص کے طرز عمل اور اخلاق کو جو بہتر ہوں۔ ملاحظہ کرو۔ مثل مشہور ہے کہ انسان اخلاق ہی سے بنتا ہے۔ اور عمدہ سیرت سب سے بڑی سفارش ہوتی ہے۔ خوش اخلاقی سب آدمیوں کے لیئے ضروری ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن کے لیے خوش اخلاقی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ لیاقت اور علم سے دلوں پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں جب خوش اخلاقی سے دلوں پر قبضہ کر لیا جائے تو یہ دونوں اس قبضے کو ہمیشہ کے لیے بحال رکھتے ہیں۔ اپنی اپنی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، حرکات و سکنات اور ظاہری شکل و شباہت سے دُوسروں کی آنکھ کو اور اپنی آواز، طرز گفتگو اور لب و لہجہ سے دُوسروں کے کانوں کو گرویدہ کرو۔ پھر دل خود بخود گرویدہ ہو جائے گا۔

کسے را کہ طرز بیانش خوش است — دہد گرچہ دشنام ہم دلکش است

ہر ایک شخص آنکھیں اور کان تو ضرور رکھتا ہے۔ مگر بہت تھوڑے ایسے ہیں جن کی قوت فیصلہ بھی درست ہوتی ہے۔ دنیا ایک تماشا گاہ ہے۔ اور ہم سب تماشا کرنے والے ہیں۔ اس لیے ہماری کامیابی اس بات پر منحصر ہے کہ ہم اپنے پارٹ کو کس طرح ادا کرتے ہیں۔

حقیقتاً نفس کشی [illegible] لوگ بے جا نفس کشی اور فاقہ کشی ہی کو ذریعۂ عبادت گردانتے ہیں۔ وہ زندگی کے لفظ کے صحیح معنی نہیں جانتے۔ خود انسانی اعضاء اس امر کا ثبوت ہیں کہ وہ خُدا اور خلق خدا دونوں کی عبادت و خدمت کے لیے بنے ہیں۔ حیرت ہے کہ خداوند کریم خود ہی ہمیں یہ اعضاء و جوارح بخشے اور خود ہی انہیں نکما کر دینے کو خدا کی خوشنودی کا ذریعہ خیال کریں۔

اصلی عزت وہی ہے جو اپنی ہمت و کوشش کے طفیل حاصل ہو۔ ورنہ ورثے میں ملی ہوئی عزت مُردے کے لیے گور کا کتبہ ہے۔

جو صرف اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے کے لیے زندہ ہے۔ جب مرتا ہے تو دُنیا کو بے حد فائدہ پہنچاتا ہے ؎

آں را کہ ندانی نسب و نسبت خاکش — آں را نہ بود ہیچ گواہے چو فعالش

اختلافِ طبائع قدرت کا ایک راز ہے۔ جس سے ہر ایک بات پر بحث و مباحثہ ہو کر منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اختلاف درحقیقت اتفاق کا معاون ہونا چاہیے نہ کہ

ہر ایک کا نصب العین ہی جدا گانہ ہو۔ بلکہ چاہیے یہ کہ تمام افراد قوم اپنی ذہانت و فطانت سے آسان سے آسان اور نزدیک سے نزدیک راہِ ترقی استخراج کریں۔ ایسے ہی اختلاف کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر ترقی کا محل اتفاق کی بنیاد پر قائم ہے تو اس پر چڑھنے کے لیے اختلاف کا زینہ درکار ہے۔

تنہا دولت و حشمت کا انجام فتنہ و فساد، لڑائی جھگڑا، بے چینی و بے قراری اور خالص زُہد و توکل کا نتیجہ احتیاج و افلاس۔ لیکن ان دونوں کی کیمیائی آمیزش قومی اکسیر ہے۔ یورپ کو کیوں اس عروج و کمال پر امن و اطمینان نصیب نہیں اور ہمارا ملک باوجود خدا پرستی اور زہد و توکل کے کیوں نان شبینہ کے لیے محتاج ہے۔ بات یہ ہے کہ دونوں اس کیمیائی آمیزش کی اکسیر بنانے سے محروم ہیں ؎

ای کہ گوئی کہ دریں کار چہ تدبیر بُود — دین و دُنیا بہم آمیز کہ اکسیر بُود

کارِ دُنیا و اندیشۂ عقبےٰ مگذار — تا بہ عقبےٰ نہ رسی دامن دنیا مگذار

تہذیب و شائستگی بے شک دنیاوی ترقی کا معیار ہے۔ مگر جرائم کا دفعیہ بہت کچھ مذہب اور خدا پرستی پر موقوف ہے۔ ترکِ مذہب ہی کی وجہ سے انگلینڈ جیسے شائستہ و تعلیم یافتہ ملک میں ہمارے ملک کی نسبت جرائم کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے۔

دنیا کے مکتب میں انسان کے لیے انسان ہی سہل الحصول اور سب سے بڑھ کر مفید کتاب ہے۔ جس کے مطالعے سے وُہ ہر وقت کچھ نہ کچھ سبق سیکھتا ہے۔ پس جو لوگ اپنے ناپاک اخلاق کا بُرا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف انسانی زندگی کو تباہ کر رہے ہیں۔ بلکہ نظامِ قدرت میں بدنظمی پھیلانے کے بھی مجرم ہیں۔

محنت و استقلال

ہے قوت بازُو میں تری، رازِ سعادت
تو ڈھونڈتا پھرتا ہے اُسے بالِ ہُما میں

اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے لیے جدّوجہد کرنا قدرت کا ایک اٹل قانون ہے۔ جو لوگ سعی و کوشش سے گریز کرتے ہیں۔ ان کی ہستی بالکل مٹ جاتی ہے۔

دُنیا کی دوڑ دھوپ میں وہی شخص آگے نکل سکتا ہے، جو محنت و استقلال کے گھوڑے پر سوار ہو اور عقلِ سالم کا تازیانہ ہاتھ میں رکھتا ہو ؎

مُدعا یہ ہے کہ دم بھر کو بھی بیکار نہ ہو — سانس کی طرح چلے منزلِ ہستی میں بشر

خاموشی اور استقلال سے کیے جانے والے کام کا اثر ہوتا ہے، اور ضرور ہوتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ محنت

اور صبر کچھ عجیب سر چڑھ کر بولنے والا جادو ہے۔

مانا کہ محنت سے بھی آدمی تھک جاتا ہے اور کاہلی سے بھی۔ مگر محنت کا نتیجہ صحت و دولت ہے اور کاہلی کا بیماری و افلاس۔ کیونکہ آبِ رواں چمکتا ہے اور آبِ ایستادہ سڑتا ہے۔

کچھ نہ کرنے کی نسبت کام کرکے ناکام رہنا بدرجہا بہتر ہے۔

ہاتھ کی محنت کو اپنی شان کے شایاں نہ سمجھنا مہلک غلطی ہے۔

انسانی وجود ایک چکی کی مانند ہے۔ جس میں گیہوں پیسا جائے تو آٹا ہو اور خالی چلائی جائے تو خود اس کا نقصان ہو۔

سیڑھی کے زینے اس لئے نہیں بنائے گئے کہ ان پر ٹھہر کر آرام کیا جائے بلکہ ہر ایک زینے کا مقصد ایک پاؤں کو اس لئے سہارا دینا ہے کہ دوسرا قدم اوپر جا سکے۔

تم اپنے ہل کی خبر لو، ہل تمہاری خبر لے گا۔ کیونکہ کوئی قوم اس وقت تک خوشحال نہیں ہو سکتی۔ جب تک وہ یہ نہ جانے کہ ہل چلانے میں بھی اتنی ہی عزت ہے، جتنی کہ لکھنے پڑھنے میں۔ (واشنگٹن)

میں جس قدر کام کر سکتا ہوں، اس سے قدرے کم کرتا ہوں تاکہ کام جاری رہے۔

کوئلوں کو سیاہی اس وقت چھوڑتی ہے جب وہ آگ میں داخل ہوتے ہیں۔ جب تک دھواں ہے آگ کچی ہے ؎

کلفتِ امروز بہرِ عشرتِ فردا خوش است   تا نباشد گل دراول غنچہ آخر نشگفد

پیشہ انسان کو ذلیل نہیں کرتا بلکہ انسان پیشے کو ذلیل کرتا ہے۔

محنت لاریب خوش قسمتی کی جڑ ہے اور سستی کی ابتدا صبح کاذب ہے۔ انتہا شامِ غم۔

مفلس وہ شخص نہیں جس کے پاس کچھ نہیں۔ بلکہ دراصل مفلس وہ ہے جو کام نہیں کرتا یا کر نہیں سکتا ؎

کھوئی مری راحت طلبی نے   محنت ہی پہ موقوف ہے آسائشِ گیتی
اکسیر کی تلاش نہ کر کیمیا نہ مانگ!   محنت میں گنج ہائے خدا داد ہیں نہاں

ایک ممبر پارلیمنٹ ایک دفعہ سڑک پر جھاڑو دے کر آگ تاپنے کے لیے کوئلے اکٹھے کر رہا تھا۔ ایک شخص نے کہا "جناب یہ کام آپ کی شان کے شایان نہیں"۔ فرمایا کہ جسے کوئلے اٹھانے میں شرم آتی ہو اُسے آگ تاپنے میں بھی شرم آنی چاہیے۔

بھونکنے والا کتا سو رہنے والے شیر سے لاکھ درجے اچھا ہے ؎

ازاں بہ کہ در کعبہ خوابیدہ باشی   چو راہب بہ بت خانہ بیدار بودن

بیٹھنے اور لیٹنے سے نفرت کرو۔ چلنے پھرنے اور کام کرنے کی عادت پیدا کرو۔ تمہارا دوڑنا، بھاگنا بیٹھے رہنے سے زیادہ ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ کچھ نہ کرنے کی نسبت کھیلنا ہی بہتر ہے ؎

تھا بے کار رہنا خلافِ جبلت   ہے آدم سے اس واسطے چھوٹی جنت

اگر تمہارے پاس اس قدر بے شمار دولت یا مستقل ذرائع آمدنی ہوں جو تمہاری پشت ہا پشت بلکہ قیامت تک کے لئے کافی ہوں تو بھی تمہیں کم از کم آٹھ گھنٹے روزانہ کام کرنا چاہیے۔ اپنے لیے نہیں بلکہ نظام دُنیا قائم رکھنے کے لیے۔ کیونکہ کارخانۂ قدرت کی اس عظیم الشان مشینری میں تمہارا وجود بھی ایک پُرزے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر یہ پُرزہ مشین سے خارج ہو جائے تو لازماً اس کا اخراج دُوسرے پُرزوں پر بوجھ ڈالے گا۔ اور ان کی رفتار پر اثر انداز ہوگا۔ نظام فلکی بھی اپنی باقاعدہ کارکردگی ہی سے اپنی صحیح رفتار پر تا قیامت قائم رہے گا۔ نظام ارضی کی اسی بے کاری اور بے قاعدگی نے تمام عالم کو زیر و زبر اور تہ و بالا کر رکھا ہے۔

دامن دولت باسانی ہاتھ نہیں آتا۔ اس ہُما کے لیے بیضۂ فولاد توڑنا ضروری ہے۔

اصل محنت وہ ہے جس میں جسمانی قوٰی رُوحانی طاقتوں کے ماتحت کام کریں۔

جس طرح بند پانی میں کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آدمی کے جسم میں مختلف امراض اور دماغ میں قبیح و مذموم خیالات گھر کر لیتے ہیں۔

استخوان فروشی کو ذریعۂ امارت نہ بناؤ۔ بلکہ اپنے گوشت و پوست کی قربانی سے یہ اعزاز حاصل کرو ؎

آنان کہ فخر خویش با اجداد مے کنند چوں سگ باستخواں دل خود شاد مے کنند

بیکاری تمام شرارتوں کی دایہ اور کل بربادیوں کی ماں ہے ؎

دماغ ایک بے کار انسان کا بس اک کارخانہ ہے شیطان کا

تم گاڑی نہیں ہو کہ اوروں کے چلائے سے چلو۔ تمہیں آگے بڑھنے کے لیے خود کوشش کرنی چاہیے ؎

موت کہتے ہیں جسے وہ کیا ہے بس صبر و سکوں زندگی کا رازِ پنہاں شورشِ پیہم میں ہے

انسان اپنی ہی محنت سے کچھ بن سکتا ہے۔ بیرونی امداد ہمت کو پست کر دیتی ہے۔

ایک بوڑھے کی گاڑی ایک گڑھے میں دھنس گئی۔ دو نوجوان پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے از راہ ہمدردی گاڑی کو نکالنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن بایں ہمہ طاقت و جوانی وہ دونوں نوجوان گاڑی کو نہ نکال سکے۔ آخر بوڑھا بڑھا اکیلا ہی کوشش کر کے گاڑی نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ چونکہ بوڑھے کو اپنے کام کا درد تھا لہذا اس کی ذاتی کوشش و ہمت دونوں جوانوں کی طاقت پر غالب آ گئی۔ دوسروں سے کام کرانا عام حالات میں ایسے ہی نتائج پیدا کرتا ہے۔

رُوپیہ ہاتھ آنے کے لیے چچا کی موت منتظر نہ رہو۔ بلکہ کمر ہمت چُست باندھ کر محنت کے ساتھ زندہ انسانوں کی جیب سے روپیہ نکالنے کا کام شروع کر دو۔

اگر سرپرستوں کی امداد ہی ترقی کا ذریعہ ہوتی تو کبھی کسی امیر کا بیٹا نالائق نہ ہوتا اور غریب کا بیٹا لائق نہ ہوتا حالانکہ زمانے میں اکثر اس کے خلاف دیکھنے میں آیا ہے۔

ترقی خود محنت کرنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بیرونی امداد یعنی ہدایت، تربیت، نصیحت، کتاب، عالمانہ مباحثے ممکن ہے راستے کے نشانوں کی طرح تمہیں راہ راست سے بھٹکنے نہ دیں۔ مگر خود وہ تم کو اٹھا کر ایک قدم آگے نہیں لے جا سکتے۔ منزل کو طے کرنا تمہاری اپنی ہی ٹانگوں کا کام ہے۔

ان مختصر ترین دو الفاظ میں محنت کا تمام تر فلسفہ بند ہے۔ "DO OR DIE"۔ یعنی کرو یا مرو ؎

شہنشاہ بزم خیالی نہ ہو ۔۔۔ تو بن شیر نر شیر قالی نہ ہو

ابر و باد و مہ و خورشید ہمہ در کار اند ۔۔۔ تا تو نانے بہ کف آری و بہ غفلت نہ خوری

ایں ہمہ بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار ۔۔۔ شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

اگر تم کام کرنا نہیں چاہتے تو کھانے کو کیوں مانگتے ہو۔

محنت اگر تساہل سے کام لے تو پھل پھول نہیں سکتی۔

خوش قسمتی کیا ہے؟ محنت کی اولاد ہے (فرینکلن)

اپنی تعمیر آپ کرنے والا اپنے خالق کی پرستش کرتا ہے۔

جب تم اپنا کام آپ نہیں کر سکتے تو غیروں کی مدد کی اُمید کیسے رکھ سکتے ہو۔ کیا ان میں دو جانیں ہیں کہ وہ اپنا کام بھگتا کر تمہاری ۔۔ مدد کے لیے بھی آموجود ہوں گے۔

محنت لائق بننے کا ایک خرطبہ ذریعہ ہے اور قسمت دل کو تسلی دینے کا ایک موہوم خیال ؎

سونا کیا حرام تو قسمت جگائی ہے ۔۔۔ جب خاک ہو گئے تو یہ اکسیر پائی ہے

قسمت انسان کو خوش حالی کے وعدوں میں رکھتی ہے۔ مگر محنت اسے آسودہ حال کر دکھاتی ہے۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعیٰ یعنی تمہاری قسمت میں وہی ہے جس کے لئے تم کوشش کرو گے۔

بدقسمتی ایک بہتان ہے جو جاہلوں کی طرف سے خدا پر لگایا جاتا ہے۔ کیونکہ تقدیر تدبیر ہی کا دوسرا نام ہے ؎

اس جہاں میں کچھ نہ پایا شاکر تقدیر نے ۔۔۔ معرکے سر کر لیے آمادۂ تدبیر نے!

محنت ہمارے ہاتھ میں ہے اور نصیب خدا کے ہاتھ میں۔ ہمیں اسی سے کام لینا چاہیے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔

محنت سے کسی آدمی کی ہتک نہیں ہوتی۔ بدقسمتی سے لوگ بعض اوقات محنت کی ہتک کرتے ہیں۔

مرغی نے اپنے چوزوں سے کہا کہ اگر کیڑے مکوڑے کمیاب ہوں تو ہمیں زیادہ سختی کے ساتھ کریدنا چاہیے۔

اگر تم میں خورد و نوش کی لت ہے تو حیوان ہو۔ اگر بناؤ سنگار کی دھن ہے تو عورت ہو۔ اگر لہو و لعب کا شوق ہے تو بچے ہو۔ اگر پڑے رہنے کی عادت ہے تو بے جان ہو۔ اگر محنت کی عادت ہے تو حقیقی انسان ہو۔

کامیابی بہت سی خطرناک غلطیوں میں گھری ہوئی ہے (برنارڈ شا)

محنت وقت کو بڑھا دیتی ہے اور سستی کافی وقت کو بھی گھٹا دیتی ہے۔

کمزور دل مایوس بدقسمتوں کا ساتھ چھوڑ دو ورنہ وہ تمہیں اور بھی بدقسمت بنا دیں گے۔

تقدیر اور تدبیر دو پہیے ہیں جو زندگی کی گاڑی کو چلا رہے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی نکما ہے تو گاڑی نہیں چل سکتی۔ مثل مشہور ہے کہ محنت تقدیر کا دایاں ہاتھ ہے اور مصیبت اس سے بھاگتی ہے۔

جو شخص اپنے روزمرّہ کے کاروبار میں محنتی ہے جلد دیکھو گے کہ وہ امیروں کے داہنے ہاتھ کھڑا ہے۔

کامیابی کا زینہ بہت سی ناکامیوں کی سیڑھیوں سے بنا ہوا ہے۔

زندگی کے ہر لمحے میں کچھ بکھیرتے جاؤ تاکہ کسی دن ایک باغ لگا ہوا پاؤ۔

ترقی کے معراج پر وہی شخص پہنچ سکتا ہے۔ جو آئندہ بہتری کے لیے موجودہ عارضی عیش کو چھوڑنے کے لیے ہر وقت تیار رہے ؎

یہ عزم تیرا سعی سے دمساز ہو کیونکر اسباب نہ ہوں جمع تو آغاز ہو کیونکر
نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

اگر چاہتے ہو کہ افلاس، ذلت، بدصورتی اور بے ایمانی تمہارے گھر نہ آنے پائے تو بے کاری کو پاس نہ آنے دو۔ اور ہمیشہ اس مقولے پر کاربند رہو۔ نرم در گفتگو۔ گرم در جستجو۔

افسردگی رُوح کے لیے سب سے بڑی بیماری ہے۔ اگر انسان اس بیماری سے بچنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیے کہ کسی نہ کسی شغل میں لگا رہے۔

خدائے رزّاق ہر پرندے کو خوراک دیتا ہے لیکن ان کے گھونسلے میں نہیں پھینکتا۔

جس شخص میں خوداعتمادی کا مادہ نہیں وہ دُنیا میں کبھی ترقی نہیں کرسکتا۔

انسان پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ دنیا کی خدمت کرے۔ پس بہتر ہے کہ وُہ خود بخود کوئی مناسب کام اپنے لیے تجویز کرے۔ ورنہ ناگوار خدمت کا جُوا زبردستی اس کی گردن پر رکھ دیا جائے گا۔ جس کے اٹھانے کی وُہ تاب نہ لا سکے گا ؎

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

ہر ایک بڑا کام متواتر عرق فشاں کوششوں اور دل خراش ناکامیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

دُنیا میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو سوچتے ہی رہتے ہیں اور کرتے کچھ نہیں۔ اُن سے کچھ بن نہیں آتا۔ دُوسرے وُہ جو بلا سوچے سمجھے اناپ شناپ ہر ایک طرف ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ اور ہر طرف سے منہ کی کھاتے ہیں۔ تیسرے وہ جو سوچتے بھی ہیں اور کرتے بھی جاتے ہیں۔ یہی خوش قسمت آخر مٹی کو سونا بنا لیتے ہیں ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

جب تم کوئی نیک کام کرنا چاہو تو باتیں ہی نہ بناتے رہو۔ سوچو اور سوچ کر شروع کردو۔ ضرور غیب سے کچھ نہ کچھ امداد ملے گی۔ مثل ہے کہ آغاز و انجام آپس میں مصافحہ کرتے ہیں ؎

ہمت بلند دار کہ مردانِ روزگار با ہمت بلند بجائے رسیدہ اند

کامیابی کی دیوی پہلے تمہارے بازوؤں پر آکھڑی ہوتی ہے۔ جب دیکھتی ہے کہ وہ اس کے بوجھ سے نہیں جھکتے تو وہ تمہاری مدد کرکے راستہ صاف کر دیتی ہے اور تمہیں منزلِ مقصود پر پہنچا دیتی ہے۔

کام کرنے والے کو صرف ایک شیطان ستاتا ہے مگر کاہل کو ہزاروں ؎

سختی راہ کھینچیے منزل کے شوق میں آرام کی تلاش میں ایذا اٹھائیے

قوت ارادی ہی تمام ترقیوں کا راز ہے اور انسانیت کا سب سے پہلا مقدس وصف ہے۔ جس شخص میں یہ وصف نہیں وہ انسانی جامہ میں حیوان ہے ؎

استقامت ہے عجیب شے نہیں جس میں لغزش نخل کا پاؤں زمین پر نہ پھسلتے دیکھا

کامیابی کے لیے لیاقت و قابلیت کی اتنی ضرورت نہیں جتنی محنت و استقلال کی ؎

تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل نہ ٹھہر آتش گلِ مراد ہے منزل میں خار راہ میں ہے

بسے زحمت برد دہقاں کہ در زیر زمیں تخمے بریزد و بیخ دیابد شاخ و گیرد برگ و آرد بر

جب دل کی مرضی ہوتی ہے تو کام کے لیے آپ سے آپ راہیں نکل آتی ہیں۔ جس کام میں پوری طاقت، پورا شوق، پورا استقلال اور پوری توجہ دی جائے ممکن نہیں کہ اس میں کامیابی نہ ہو۔ وہی کام ادھورے رہتے ہیں جن میں یکسوئی نہیں ہوتی۔ ہوشیار، دیانتدار، سمجھدار اور محنتی شخص اگر اپنے کاروبار میں کامیاب نہ ہوں تو جان لو کہ ان کے طریقِ کار میں ضرور کوئی نقص ہے جس کے رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ؎

وہی قانونِ فطرت ہے جسے تقدیر کہتے ہیں جسے قسمت سمجھتے ہیں وہ تدبیروں کا حاصل ہے

چھوٹی چھوٹی باتوں میں لاپرواہی کرنا وہ چٹان ہے جس سے بہت سے نوجوان ٹھوکر کھا کر ہمیشہ کے لیے چکنا چور ہو گئے ہیں ؎

موئے سر کردم سفید و ہیچ کارم سر نشد دست و پائے می زنم اکنوں کہ آب از سر گذشت

تساہل مٹا دے گا بے کار کو کہ زنگار کھا جائے تلوار کو

ہر ایک معاملہ میں یہ کہہ دینا کہ "چلو دیکھا جائے گا" بظاہر تو بہت آسان ہے مگر یاد رہے کہ اسی "دیکھا جائے گا" کے دو لفظوں نے عالم کو تباہی میں ڈال رکھا ہے۔

بس یہی کافی ہے" کا مقولہ نہایت ہی ناکافی اور تباہی لانے والا ہے۔ اسی ایک مقولہ سے لاکھوں زندگیاں تباہ ہو گئیں۔ چال چلن بگڑ گئے۔ فوجیں شکست کھا گئیں۔ شہر جل کر راکھ ہو گئے۔ سلطنتیں ہاتھ سے جاتی رہیں۔ اور ہزاروں تجویزیں خاک میں مل گئیں۔

پیشہ یا کام خواہ کیسا ہی خوفناک یا مضر صحت ہو مگر اس میں بھی کاہلی سے زیادہ خوشی اور تندرستی ہوتی ہے۔

عقلمند آدمی یہ نہیں سوچتا کہ وُہ کون سا کام کرے اور کون سا کام نہ کرے۔ بلکہ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کام کرتا ہی رہتا ہے ؎

صَرفِ بیکاری مگرداں روزگارِ خویش را پردۂ روئے توکل ساز کارِ خویش را

ایک یونانی شعر کا مطلب ہے کہ "دیوتا ہمارے ہاتھ خُوشی بیچتے ہیں۔ جس کی قیمت میں رنج و محنت نہ ہو، خُوشی مُول ہی نہیں لی جاسکتی" ؎

نہ گردد رفعت دنیائے دُوں بے کش مکش حاصل بہ گردن خیمہ را چندیں طناب افتد کہ برخیزد

اجرامِ فلکی ہمیشہ گردش میں رہتے ہیں۔ اہل زمین کے لیے قدرت کی طرف سے یہ ایک انتباہ ہے کہ تم بھی ہمیشہ گردش و حرکت میں رہو ؏

ابر و باد و مہ و خورشید ہمہ درکار اند الخ

کوک کا مقولہ ہے کہ بہت سے کام نہیں بلکہ ایک ہی کام بہت سا کرنا چاہیئے۔ ایمرسن کہتا ہے کہ زندگی بھر میں عقلمندی کا ایک کام یکجائیت ہے۔ اور ہزار خرابی ہرجائیت۔ اس دنیا میں جس قدر بڑے شخص ہو گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنی طاقت کو یک سُو کیا ہے۔ انہوں نے ایک مرکز پر اس وقت تک اپنے ہتھوڑے سے متواتر چوٹیں لگائی ہیں، جب تک کہ ان کا مقصد پُورا نہیں ہو گیا۔ زمانے میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوئے ہیں۔ جنہوں نے صرف ایک خیال کو مدنظر رکھ کر اس کے لیے کوشش کی ہے۔ انتشار، کامیابی اور کاروباری زندگی کے لیے بدترین لعنت ہے۔

اگر تم ایسے محنتی شخص سے اس کی زندگی کا مقصد دریافت کرو تو وہ جواب دے کہ مجھے تو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہُوا کہ میں کیا کر رہا ہُوں۔ لیکن مجھے اپنی جفاکشی اور مستقل مشقت پر پورا بھروسہ ہے۔ اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ عُمر بھر دیر سویر کھودتا ہی رہوں گا۔ کبھی نہ کبھی تو سونا چاندی یا اگر اور کچھ نہیں تو لوہا ہی ہاتھ لگ جائے گا۔ لیکن وُہ شخص جو ہمیشہ ادھر ادھر کچھ پانے کے لیے دیکھتا رہتا ہے۔ وُہ کبھی کچھ نہیں پاتا۔ اگر ہم کسی خاص چیز کی تلاش نہیں کرتے تو ہمیں اس سے نفی کے سوائے کچھ نہیں ملتا۔ دیکھو صرف شہد کی مکھی ہی ایسا کیڑا نہیں ہے جو پھولوں پر پھرتا ہے۔ اور کیڑے بھی پھرتے ہیں، لیکن شہد صرف وہی لے جاتی ہے۔ باقی کیڑوں کے ساتھ کبھی شہد نہیں آتا۔ اسی طرح اگر ہم نے اپنی جوانی کی محنتوں اور مطالعہ سے کچھ مسالہ فراہم کیا ہے۔ لیکن اپنے آئندہ کام کے متعلق ہم کوئی خاص خیال اپنے دماغ میں نہیں رکھتے تو یاد رہے کہ واقعات کا کوئی انجماد اس مسالے کو شاندار شکل عطا نہیں کر سکے گا ؎

در دہر کسے بہ گلعذارے نرسید تا بر دلش از زمانہ خارے نرسید
در شانہ نگر کہ تا بصد شاخ نہ شُد دستش بسرِ زُلفِ نگارے نرسید

کامیاب اور ناکامیاب اشخاص کا بڑا فرق ان کے کام کی مقدار میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کام پر صرف شدہ فہم و فراست میں ہوتا ہے۔ بہت سے شخص جو نہایت شرمناک طور پر ناکامیاب ہوتے ہیں، اسی محنت سے کام کرتے ہیں جو اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی کہی جا سکے۔ لیکن ان کا طریق کار اور اُن کی محنت سب اٹکل پچّو ہوتی ہے۔ وہ ایک ہاتھ سے بناتے اور دوسرے ہاتھ سے بگاڑ دیتے ہیں۔ وہ موقعوں کو قابو میں لاکر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ انہیں باعزت شکستوں کو شاندار فتح کی صورت میں تبدیل کرنے کا ہنر نہیں آتا۔ اُن کے پاس کامیابی کا تانا بانا یعنی کافی قابلیت اور وقت کی کثرت دونوں موجود ہیں۔ لیکن وہ ہمیشہ خالی نال پھینکتے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی زندگی کا کپڑا کبھی تیار نہیں ہوتا۔

چارلس ڈکنس سے ایک موقع پر کامیابی کا راز دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا "میں نے کبھی ایسے کام کو ہاتھ نہیں لگایا جس میں میں اپنی تمام طاقتوں کو صرف نہ کر سکا۔"

چارلس کنگسلے نے کہا تھا "میں جو کام کرتا ہوں اس میں ایسا مصروف ہوتا ہوں۔ گویا اس وقت دُنیا میں اس کام کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں رہا۔" محنتی انسانوں کی کامیابی کا راز یہی ہے سب جانتے ہیں کہ کالرج کی دماغی طاقتیں حیرت انگیز تھیں۔ لیکن اس کے سامنے کوئی خاص مقصد نہ تھا۔ وہ ہمیشہ دماغی انتشار کی حالت میں رہتا تھا۔ اس لیئے اس کی زندگی نہایت ناکامیاب رہی۔ کیونکہ انجام کی خرابی ابتدا کی برائی سے ہوتی ہے۔

ماہرین کیمیا بتاتے ہیں کہ گھاس کی ایک ایکڑ زمین میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ اگر ہم اسے ایک سٹیم انجن کے پسٹن راڈ[1] میں جمع کر سکیں تو وہ دُنیا بھر کی تمام چکیوں، کارخانوں اور دخانی گاڑیوں کو چلا سکتی ہے۔ لیکن یہ منتشر ہے اس لئے تقریباً فضول ہے۔

فویل بسٹن کا قول ہے کہ "جس قدر میری عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر مجھے اس امر کا زیادہ یقین ہوتا جاتا ہے کہ وہ بات جو کمزور کو طاقتور سے اور ادنیٰ کو اعلیٰ سے متمیز کراتی ہے وہ صرف اٹل ارادہ ہے۔ جو ایک دفعہ قائم ہو کر موت حاصل کرتا ہے یا فتح پاتا ہے۔" ؎

سرورِ عالم سے یہ منقول ہے ... اہلِ ہمت بندۂ مقبول ہے

کارلائل کہتا ہے کہ یک سُوئی طبیعت سے کام شروع کر کے کمزور سے کمزور انسان بھی کچھ کر کے دکھلا سکتا ہے۔ مگر منتشر طبع شخص مضبوط اور طاقتور ہونے کے باوجود بھی بہت سی اطراف اپنا دھیان بٹانے کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتا۔ پانی کا ایک قطرہ کسی جگہ لگاتار ٹپکتا رہے تو آخر کار وہ ایک مضبوط چٹان میں بھی سوراخ کر دیتا ہے۔ لیکن جلدباز لہریں زور شور سے آتی ہیں اور چٹان سے گزر جاتی ہیں اور ان کا نشان تک پیچھے نہیں رہتا۔

[1] PISTON-ROD

لنڈن میں ایک شخص تھا۔ وہ لوگوں کا سامان ڈھویا کرتا۔ پیغام رسانی کرتا۔ بہو دیوں کی زبان کی ترجمانی کرتا اور ہر مضمون پر نظم بھی لکھ دیا کرتا۔ مگر اسے ان سب میں سے کسی میں بھی کامیابی نہ تھی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ "زاہد خام سے پختہ مے خوار اچھا"

دُنیا میں ہر ایک بات کا نتیجہ اشتباہ پذیر ہے۔ سوائے محنت کے کہ یہ یقیناً اپنا پھل لاتی ہے۔ یہ خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جس شخص نے محنت یا تکلیف سے ذرا بھی جی چرایا یا کسی غیر متوقع مشکل کے نمودار ہونے سے استقلال کو ہاتھ سے جانے دیا، وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو انہی مشکلات کا مقابلہ کرنے کا نام زندگی اور اُن پر غالب آجانے کا نام کامیابی ہے ؎

اہلِ غفلت را بدُنیا نیک و بد معلوم نیست — خواب شب تعبیر خواہد یافت چوں فردا شود
میارا بزم برساحل کہ آنجا — نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا بغلط و باموجش درآویز — حیات جاودانی در ستیز است
موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست — ما زندہ بآنیم کہ آرام نہ گیریم

جب خدا نے عزت کو پیدا کیا تو اس کے ساتھ ہی تکلیف و مشقت کو پیدا کیا۔ اور جب ذلت کو پیدا کیا تو اس کے ساتھ آرام و آسائش کو پیدا کیا۔ لہٰذا یہ دونوں چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔

آرام کی طلب میں بے آرام ہونا لازمی امر ہے ورنہ نتیجہ معلوم۔

ہر ایک کام کے آغاز میں مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے۔ اور کام جتنا زیادہ اچھا ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ دقتیں اس کی تکمیل میں اٹھانی پڑتی ہیں۔ درحقیقت مشکل کاموں ہی کی انجام دہی میں کچھ لطف حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ آسان کام تو ہر شخص کر سکتا ہے۔ اور ان کا کرنا مشکل ہی کیا ہے۔ لہٰذا مشکل کام کے انجام دینے کے لیے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ استقلال سے کام لیا جائے ؎

دادیم ترا گنجِ مقصود نشان — گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

انسان جو کچھ بننا چاہے بن سکتا ہے۔ لہٰذا اپنی بہبودی اور ترقی کے معمار آپ بنو۔ تمہارے جیسی عمارت دوسرا تمہارے لیے ہرگز نہ بنا سکے گا۔ تمہاری مدد کے لیے تمہارے دونوں ہاتھ کافی ہیں۔ جسمانی قوت سے روحانی طاقت کے ماتحت کام لو۔ آفات آسمانی بھی رحمت یزدانی بن جائیں گی۔

دُنیا جدوجہد کا ایک وسیع میدان ہے جس میں ترقی کے لاانتہا راستے ہر طرف کھلے ہیں۔ یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ محنت اور کوشش سے ان راستوں کو طے کر کے منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤ۔

بیکار انسان مُردے سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ مردہ کم جگہ روکتا ہے ؎

ہے دیانت زندگی کی سعی انسان تا بہ گور — خود بخود بے موت مر جانا خیانت ہے ضرور
موت کیا چیز ہے بیکاری اعضا و حواس — زندگی کیا ہے یہی کاوشِ انجامِ عمل!

محنت وہ سنہری سکہ ہے جس کے ذریعے سے ہم کو ہر شے جو ہمارے لیے ضروری ہے حاصل ہو سکتی ہے۔
ذہانت بغیر محنت کے پیٹ کے انجرات میں پڑی سڑتی ہے۔
بدی کا علاج ہو سکتا ہے سُستی کا نہیں۔ کاہل آدمی کو ہر ایک کام شیر معلوم ہوتا ہے جو اس کی جان لینے کے لئے موجود ہے ؎

بے کوشش و بے جہد ثمر کس کو ملا ہے ۔۔۔ بے غوطہ زنی گنج گہر کس کو ملا ہے
بے خون پیئے لقمۂ تر کس کو ملا ہے ۔۔۔ بے جور کشی تاج ظفر کس کو ملا ہے
بے خاک کے چھانے ہوئے زر کس کو ملا ہے ۔۔۔ بے کاوشِ جاں علم و ہنر کس کو ملا ہے
جو رُتبۂ والا کے سزاوار ہُوئے ہیں
وُہ پہلے مصیبت کے طلب گار ہُوئے ہیں

دُنیا کا وسیع میدان زبان حال سے دعوت دے رہا ہے کہ اے فخر کائنات! میں تمہاری جست وخیز کے لیے بنا ہوں۔ پاؤں کے گھوڑے کی سواری کے لیے حاضر ہیں۔ مشعل چشم رہبری کرتی ہے۔ ہاتھ ہر قسم کی خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ پس اے مرد خدا! اب تُو اور کس امداد کا منتظر ہے ؎

جب قدم راہ طلب میں نہ بڑھے اے اکبرؔ ۔۔۔ بیٹھ کر پاؤں چلانے کا نتیجہ کیا ہے
اس راہ میں مقام بے محل ہے ۔۔۔ پوشیدہ قرار میں اجل ہے

کُنج تنہائی کا وعظ کہنے والے مجلسی زندگی کے سوا قدرت کی خلاف ورزی کے بھی مجرم ہیں۔ انسان پتھر نہیں ہے کہ بے حس و حرکت پڑا رہے۔ درخت نہیں ہے جو ایک جگہ گڑا رہے۔ دیوار نہیں ہے کہ ہمیشہ کھڑا رہے، مٹی کا روڑا نہیں ہے جو کہیں اڑا رہے۔ نگینہ نہیں کہ جڑا رہے۔ وہ انسان ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ پھلے پھولے اور محنت کر کے اپنی زندگی کو بھی قائم رکھے اور خلق خدا کو بھی فائدہ پہنچائے۔
تنہائی بالعموم ہموم وغموم اور رنج و ملال کا موجب ہوتی ہے۔ انسان جب مغموم ہونے کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کے جذبات مُردہ ہو جاتے ہیں اور اس کی خود پیدا کردہ مصائب انگیز زندگی نیا پہلو بدلنے کی کوشش نہیں کرتی۔ کیونکہ غم کا سب سے بڑا علاج مصروفیت ہے اور رنج و غم ایک بدترین لعنت ہے جس کو بد نصیب لوگ خود خریدتے ہیں ؎

جہاں میں جنہیں کام سے کام ہے ۔۔۔ انہیں کام میں لطف و آرام ہے

بہت سے لوگ صرف اتنی بات۔ بڑے بڑے مصنّف ہو گئے کہ وہ ایک پنسل اور نوٹ بک جیب میں رکھتے تھے۔ اور جب کوئی اچھا سو جھتا تھا تو نوٹ کر لیتے تھے۔
کسی کام کو جو آج ہو سکتا ہے کبھی دُوسرے دن پر مت ڈالو بلکہ آج کرنے کی بجائے ابھی کر ڈالو ؎

غنیمت ہے دم کچھ کر دکام کاج ہوا چل رہی ہے اُڑا لو اناج!

وقت کے چھوٹے چھوٹے لمحے سونے کے قیمتی ذرّے ہیں۔ انہیں بیکاری کے کھنڈرات میں بکھیر کر ضائع مت کرو کیونکہ وقت خدا کی امانت ہے جس کا ایک لمحہ بھی ضائع کرنا مجرمانہ خیانت ہے ؎

نہ کر عمر کی اک بھی ضائع گھڑی کہ ٹوٹی لڑی جب کہ چھوٹی کڑی

تم اپنے جسم وجان کو ہر وقت علم وعقل کے سان پر رگڑتے رہو۔ ورنہ بیکاری اور کاہلی کا زنگ اُسے لوہے کی طرح ایسا لگ جائے گا کہ پھر اتارے سے نہ اُتر سکے گا ؎

جو پھولوں کی سیجوں پر لیٹا کرے بڑا ہو کے کانٹے سمیٹا کرے!

اگر تم چند مشکلات کے باعث کسی کام کو کل پر رکھنا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ اس التوا سے وہ مشکلات کم نہ ہوں گی بلکہ بہت بڑھ جائیں گی۔

جو شخص کام کو وقت پر کر لینے کا عادی نہیں، وہ فی الحقیقت اپنا مالک آپ نہیں۔ ضرور اُسے کسی دوسرے کا غلام ہونا پڑے گا۔

کامیابی کی پہلی منزلیں کم ہمت اور پست فطرت لوگوں سے ضرور بھر جاتی ہیں۔ لیکن اولالعزم شہسوار اسپ ہمت کی باگیں اٹھائے آگے نکل جاتے ہیں۔ تھوڑی دُور چل کر وہ دیکھتے ہیں کہ تمام میدان ان کی جدوجہد اور تگ وتاز کے لیے خالی پڑا ہے ؎

نہ شاخِ گُل ہی اونچی ہے نہ دیوار چمن بلبل تری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

مذمّتِ سوال

بھیک مانگنے کی جس قدر مذمت اسلام میں کی گئی ہے، شاید ہی کسی مذہب میں کی گئی ہو۔ کچھ کم ڈیڑھ سو روایتیں سوال کی مذمت میں حدیث کی مختلف کتابوں سے نقل کی گئی ہیں۔ سوال کے انسداد کو رسولِ خدا صلعم اس قدر مہتم بالشان تصور فرماتے تھے جس طرح آپ توحید اور نماز پنج گانہ کی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے، اسی طرح لوگوں کو سوال سے باز رکھنے میں ہمت عالی مصروف رکھتے تھے۔ چنانچہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ ہم آٹھ یا سات آدمی آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے ہم سے فرمایا "کیا تم خدا کے رسولؐ سے بیعت نہیں کرتے" ہم نے فوراً ہاتھ بڑھایا۔ مگر چونکہ ہم چند ہی روز پہلے بیعت کر چکے تھے ہم نے عرض کیا "یارسول اللہ! ہم تو ابھی بیعت کر چکے ہیں، اب آپ ہم سے کس بات پر بیعت لیتے ہیں"؟ آپ نے فرمایا "اس بات پر کہ خدا کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور احکام الٰہی بجا لاؤ اور پھر آہستہ سے ارشاد فرمایا "وَلَا تَسْئَلُوا النَّاسَ شَیْئًا" یعنی لوگوں سے کچھ نہ مانگو۔

اس روایت کے بعد عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد لوگوں میں سے جنہوں نے بیعت کی تھی، بعض لوگوں کو دیکھا کہ اگر اُن کے ہاتھ سے سواری کی حالت میں کوڑا گر جاتا تھا تو اس خیال سے کہ یہ کہیں سوال میں داخل نہ ہو کسی راہ چلتے سے اپنا کوڑا نہ مانگتا تھا۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیعت مذکورہ کا اصل مقصد خاص کر سوال کرنے کی برائی اُن کے ذہن نشین کرنی تھی۔ اور جن باتوں کی تصریح پہلی بیعت میں فرما چکے تھے، ان کی تکرار اس موقع پر صرف بطور یاددہانی کے تھی نہ کہ اصل مقصود۔ نیز بیعت کرنے والوں کا بعد بیعت کے سوال سے اس قدر بچنا بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بیعت کا اصل مقصد صرف سوال کرنے کی ممانعت تھی اور بس۔

بیشمار روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم سائل سے نہایت نفرت کرتے۔ اور جو شخص بغیر اضطراری حالت کے سوال کے ذریعے سے کچھ وصول کرتا تھا۔ اس کو اس کے حق میں حرام سمجھتے تھے اور جو شخص ایک وقت کی خوراک موجود ہونے پر سوال کرے۔ اس کی نسبت فرماتے تھے کہ وہ اپنے لیے کثرت سے آتشِ دوزخ طلب کرتا ہے۔ اور بار بار آپؐ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جو شخص اپنی رسّی لے کر پہاڑ پر جائے اور وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پشت پر لائے اور فروخت کرے تاکہ خدا تعالیٰ اس کی حاجت کو رفع کر دے، یہ اس کے حق میں بہت بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگے۔ پھر وہ اس کو کچھ دیں یا دھتکار دیں۔

آنحضرت صلعم ایک روز مع اصحابؓ مکان کے باہر تشریف فرما تھے کہ ایک شخص کا گزر وہاں سے ہوا۔ لوگوں نے کہا "یا حضرتؐ! یہ شخص شبانہ روز مصروفِ عبادت رہتا ہے"۔ حضرتؐ نے فرمایا "پھر اس کے کھانے پینے کا گزارہ کس طرح چلتا ہے"؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا بھائی اس کے خورد و نوش کا کفیل ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا "اس کے بھائی کا درجہ ثواب اس کی عبادت سے بہت زیادہ ہے جو کہ اس کو کھلا پلا کر عبادت کے قابل بناتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ عبادت کے ساتھ کسبِ حلال بھی اوّل ترین لازمہ عبادت ہے۔ ورنہ دوسروں پر اپنا بوجھ ڈال کر عبادت کرنا سودمند نہیں۔" اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ۔ ؎

درویش ہے وہی جو ریاضت میں چست ہے — تارک نہیں فقیر بھی راحت پرست ہے
سختی اٹھا کے جامۂ ہستی اُتار ڈال — زنہار دوشِ خلق پہ اپنا نہ بار ڈال

عائذ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "اگر تم لوگ جانو کہ سوال کرنے کے کیا نتائج ہیں تو کوئی کوئی شخص سوال کرنے کے لیے دوسرے شخص کی طرف رُخ نہ کرے"۔

اس کے سوا متعدد روایتوں کے فحوائے کلام سے پایا جاتا ہے کہ آپؐ غیر مستحق سائلوں کا سوال پورا کرنے سے خوش نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ابوسعید سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "قسم ہے خدا کی جو سائل میرے پاس سے اپنا مطلب حاصل کر کے لے جاتا ہے، وہ مطلب نہیں ہے، اس کے حق میں مگر ایک

آگ"۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: "پھر آپؐ کیوں اس کا مطلب پُورا کرتے ہیں"؟ آپؐ نے فرمایا "کیا کیا جائے لوگ تو مانتے نہیں اور خُدا تعالیٰ ردِ سوال کو مجھ سے پسند نہیں کرتا"۔

انصار میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں کچھ مانگنے کو حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "کیا تیرے گھر کچھ نہیں ہے"؟ اس نے عرض کیا "کیوں نہیں، ایک موٹی سی کمبلی ہے، اُسے کچھ اوڑھتا ہوں، کچھ بچھاتا ہوں۔ اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتا ہوں"۔ آپؐ نے فرمایا دونوں میرے پاس لے آؤ۔ وہ دونوں چیزیں لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ آپؐ نے ان کو ہاتھ میں لے کر لوگوں سے فرمایا۔ ان کو کوئی خریدتا ہے"؟ ایک شخص بولا میں ایک درہم کو خریدتا ہوں۔ پھر آپ نے دو یا تین بار فرمایا "کوئی ایک درم سے زیادہ دے سکتا ہے"؟ ایک شخص نے کہا میں دو درہم دیتا ہوں۔ آپؐ نے کمبلی اور پیالہ اس کو دے کر اس سے دو درہم لے لیے، اور اس انصاری کو فرمایا "ایک درہم کا تو کھانا لے کر اپنے گھر پہنچا اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لا۔ وہ کلہاڑی خرید لایا۔ آپؐ نے دستِ مبارک سے ایک لکڑی کا دستہ اس میں ٹھونک دیا اور فرمایا" جا! لکڑیاں کاٹ اور بیچ۔ اب میں پندرہ دن تک تجھ کو نہ دیکھوں"۔ وہ شخص چلا گیا اور لکڑیاں کاٹ کاٹ کر بیچنے لگا۔ پھر جب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے پاس دس درہم جمع ہو گئے تھے۔ اس نے کچھ تو ان سے کپڑا خریدا اور کچھ کھانے کا سامان مول لیا۔ آپؐ نے فرمایا "یہ تیرے لیے بہتر ہے کہ جب تو قیامت کے دن آئے، تو تیرے چہرے پر بھیک مانگنے کا داغ نہ ہو۔ دیکھ سوال کرنا صرف اس شخص کو حلال ہے، جو سخت محتاج اور معذور ہو۔ یا جس کے ذمّے بھاری تاوان ہو یا جس کی گردن پر خون بہا ہو"۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سائل کی آواز سنی اور یہ سمجھ کر کہ بھوکا ہے اس کو کھانا کھلانے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر میں اس کی آواز پھر سنائی دی۔ معلوم ہوا کہ یہ وہی سائل ہے اور کھانا کھانے کے بعد اب پھر مانگتا ہے۔ آپ نے اس کو بلوایا اور دیکھا کہ اس کی جھولی روٹیوں سے بھری ہوئی ہے۔ آپ نے جھولی کا ایک سرا پکڑ کر اس کو اونٹوں کے آگے جھاڑ دیا۔ اور فرمایا "تو سائل نہیں ہے بلکہ تاجر ہے"۔

قبیصہ بن مخارق سے روایت ہے کہ میں کسی شخص کا ضامن ہو گیا تھا۔ میں نے رسُول اللہؐ سے درخواست کی کہ میری ضمانت ادا کرنے کا انتظام کر دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا "ذرا توقف کر۔ ہمارے پاس زکوٰۃ کا مال آجائے تو تم کو اس میں سے دے دیں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا "اے قبیصہ! سوال ان تین شخصوں کے سوا کسی کے لیے حلال نہیں ہے۔

اوّل:۔ وہ شخص جو سخت آفت میں مبتلا ہو۔ جس سے اس کا مال ضائع ہو گیا ہو۔ اس کو بقدرِ ضرورت سوال کرنا حلال ہے۔

دوم :۔ وہ شخص جو کسی کا ضامن ہو اس کو بقدر ادائے ضمانت سوال کرنا حلال ہے۔ اس کے بعد سوال سے باز رہنا چاہیے۔

سوم :۔ وہ شخص جس کو فاقہ، ضرورت شدید درپیش ہو اور اس کی قوم کے تین عقلمند آدمی اس کی ضرورت کی تصدیق کریں۔

اے قبیصہ! ان تینوں صورتوں کے سوا جو کوئی سوال کرے، وہ مال حرام کھاتا ہے" اس کے بعد فرمایا" جو شخص ہاتھ پھیلا کر سوال کرے۔ یعنی گداگری پیشہ ہو اس کی گواہی رد کی جاتی ہے"۔

امام جعفر صادق رضؓ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بغیر شدید احتیاج کے سوال کرے، وہ گویا شراب پیتا ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے ہلکی چیز دنیا میں کون سی ہے؟ فرمایا کہ " مانگ کر کھانے والی جماعت" کہا کہ پھر اسے ہوا کیوں نہیں اڑا لے جاتی؟ فرمایا" ڈرتی ہے کہ مجھ سے بھی کچھ مانگ نہ لے"۔

علم الاقتصاد کے علماء کا اتفاق ہے کہ جس قدر بھیک مانگنے والوں کی تعداد کسی قوم میں زیادہ ہوتی ہے اسی قدر زیادہ خرابیاں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:۔

(۱) قوم کی دولت روز بروز گھٹتی ہے (۲) دولت کے ساتھ قوت بھی زائل ہوتی ہے (۳) سعی و محنت کی عادت روز بروز زوال پذیر ہوتی ہے (۴) کاہل اور فاقہ مست لوگوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ (۵) بے حیائی اور بے حمیتی کو ترقی ہوتی ہے (۶) مفت خوری کی وجہ سے قوم میں آوارگی اور بداطواری کو ترقی ہوتی ہے ان کے سوا اور بہت سی خرابیاں بیان کی جا سکتی ہیں۔ مگر حدیث نبویؐ نے چند ہی لفظوں میں ان تمام خرابیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس قسم کی جامعیت یعنی کم سے کم الفاظ میں زیادہ مطلب ادا کرنا آنحضرتؐ کے کلام بلاغت نظام کی ایک اہم ترین خصوصیت ہے جو کسی فلسفی یا حکیم کے کلام میں نہیں پائی جا سکتی۔

حدیث مذکورہ کے روحانی پہلو پر غور کیا جائے تو اس کے الفاظ کی جامعیت اور بھی حیرت انگیز ہے۔ تمدنی خرابیوں سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو سوال کی عادت رفتہ رفتہ طرح طرح کی روحانی امراض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ مثلاً

۱۔ خدا پر توکل نہیں رہتا۔ وہ خدا کو گویا بھیک مانگنے کا آلہ قرار دیتا ہے۔ ایسے ہی شخص کی نسبت آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے"۔ ملعون ہے وہ شخص جو اللہ کا نام لے کر سوال کرے"۔

۲۔ رسولؐ اللہ کی وقعت بھی اس کے دل میں نہیں رہتی۔ وہ جانتا ہے کہ بھیک مانگنے میں خدا کے رسولؐ کا واسطہ دینے سے خواہ مخواہ مسلمان آدمی کو کچھ نہ کچھ دینا ہی پڑے گا۔

۳۔ قیامت کے دن کا اعتقاد بھی برائے نام رہ جاتا ہے۔ حلال ذریعہ سے روزی کمانا اور محنت و مشقت کرنا ہر شخص کا فرض ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا یقیناً گناہ اور قابل مواخذہ ہے۔ مگر عادی سائل کے دل میں یہ خیال سما جاتا ہے کہ محنت کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ اس کے لیے دوسرے لوگ بنائے

گئے ہیں اور دوسروں کی کمائی پر گذارہ کرنا ہمارے لیے حلال ہے اور یہ بات عقلاً و شرعاً باطل ہے ۔

گر توکل می کنی با کار کن! کسب کن پس تکیہ بر جبّار کن

۴۔ ایسا شخص کفران نعمت کا بھی مجرم ہوتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ مانگ کر جمع کرتا ہے اس کا چھپانا اور باوجود استطاعت کے مفلسی کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

۵۔ بالآخر کذب و ریاکاری کا جو سخت ترین گناہ ہیں مرتکب ہوتا ہے اور ان باتوں کو اپنی کامیابی کا بہترین ذریعہ قرار دیتا ہے۔

۶۔ سائل ذلیل و خوار ہوتا ہے مسئول کے نزدیک۔ بلکہ جو کوئی اس پر مطلع ہوتا ہے، وہ بھی اُسے ذلیل سمجھتا ہے۔ عزت کا جانا، نظروں سے گرنا، آبروریزی۔ ناملائم باتوں کا برداشت کرنا۔ مجالس میں اس کی طرف اعتنا نہ ہونا۔ اور اس کی بات پر کان نہ دھرنا اور اس کے وعظ و پند کا تاثیر نہ کرنا۔ یہ سب کچھ سوال کی بدولت ہوتا ہے۔ اور شرع و عقل و عرف میں روا نہیں ہے کہ انسان اپنے تئیں ذلیل کرے۔ اگر فقیر دربدر بھٹکتا پھرتا ہے تو اس میں اور کتے میں فرق ہی کیا ہے۔ فقیر وہ ہے جو سوال سے مستغنی ہو۔

جناب رسولِ خداصلعم نے فرمایا" ہاتھ تین ہیں۔ اول دست خداوند جو کہ سب سے بالا ہے۔ دوسرے دست دہندہ یعنی دینے والے کا ہاتھ جو کہ دستِ خداوند کے پیچھے ہے۔ تیسرا دست گیرندہ یعنی لینے والے کا ہاتھ جو کہ پست ترین ہے"۔ نیز فرمایا" سوال بدترین ذلت ہے خواہ باپ ہی سے کیوں نہ ہو۔

جناب جعفر صادقؑ نے فرمایا" خدا رحمت کرے اس بندے پر کہ جو پارسا ہو اور لوگوں سے سوال نہ کرے"۔

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے سوال کیا کہ" جو شخص کسب کا محتاج ہو۔ اگر وہ جماعت کے ساتھ نماز کو جائے تو اسے اس دن سوال کی ضرورت ہوگی"۔ آپ نے فرمایا" وہ مزدوری کرے اور نماز تنہا پڑھ لے"۔

اے درویش! گو دڑی کے سینے سے پہلے اگر تو اپنے لب سوال کو سیئے۔ تو بہتر ہے۔

مفضل بن قیسؒ نے فرمایا" میں ڈراتا ہوں تم کو اس بات سے کہ لوگوں کو اپنا سب حال نہ بتاؤ کہ ان کے نزدیک ذلیل و خوار ہوں گے اور مومن کا شرف اس میں ہے کہ بوقت شب عبادت میں کھڑا رہے۔ اور اس کی عزت لوگوں سے مستغنی رہنے میں ہے"۔

حضرت علیؑ کا قول ہے" اے بنی آدمؑ! تیرا چہرہ آبِ منجمد ہے کہ سوال اس کو ٹپکاتا ہے۔ پس دیکھ کہ اس کو کس کے پاس ٹپکاتا ہے"۔

جناب امام باقرؑ نے فرمایا کہ" لوگوں سے اپنے حوائج طلب کرنا اپنی عزت کھونا ہے اور حیا سے ہاتھ اٹھانا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اس سے ناامید ہونے میں عزت مومن ہے اور ان کی طرف طمع کرنا فقیری ہے اور جو کوئی اپنی پریشانی لوگوں پر ظاہر کرے۔ اس نے اپنے تئیں رسوا کیا۔ اور بڑی دولت مندی یہ

ہے کہ انسان ترک سوال کرے۔ اور بدترین فقر تذلل ہے۔

بڑے آدمیوں کی بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ بدلہ دیئے بغیر کسی سے کوئی چیز لینا گوارا نہیں کرتے۔

جو شخص مانگنے کی عادت ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے (حدیث)

نیز فرمایا کہ دانتوں کا اکھاڑ ڈالنا، تنگیٔ زنداں، عذاب جان کندنی، یوم گذشتہ کا واپس ہونا، آگ سے جل جانا، گھر کو فروخت کر دینا، چند فلس کو بندر کھینچتے پھرنا، قتل عمد، خون کا پینا، غم کا اٹھانا اور زندہ درگور ہو جانا، یہ جملہ امور آسان تر ہیں اس بات سے کہ کھڑے ہوں اس گھر کے دروازے پر جس کے دربان تیرے ساتھ ترش روئی سے ملیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں "البتہ تیرے دل میں افتقار جمع ہونا چاہیے۔ لیکن لوگوں سے تجھ کو استغنا ہو تیرا افتقار ان کی طرف ہو۔ نرم بات کہنے میں اور خندہ پیشانی میں یعنی صحبت مکالمہ اور ملاقات میں ایسا نرم اور خنداں ہو، جیسے کوئی حاجت مند ہوتا ہے اور تملق کرتا ہے اور بایں ہمہ کوئی خواہش و حاجت طلب نہ کر کہ اس میں غرض باقی اور عزت محفوظ رہے گی۔ مثل مشہور ہے۔ رب سے مانگ سب سے نہ مانگ۔

جناب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا "اے بیٹا! میں نے صبر کو چکھا اور پوستِ درخت کو کھایا پس مجھے کوئی چیز تلخ تر فقر سے معلوم نہیں ہوئی۔ اے بیٹا! خدانخواستہ اگر تو کبھی اس میں مبتلا ہو جائے تو لوگوں کو اس پر مطلع نہ کرنا کہ تجھے خوار کریں گے۔ اور کچھ نفع ان سے نہ پہنچے گا پس تو رجوع کر اس کی طرف جس نے تجھے ان میں مبتلا کیا ہے۔ پس وہی توانا تر ہے۔ اس کی کشادگی پر کون ہے کہ جس نے اس سے چاہا اور نہ ملا ہو یا اس پر تکیہ کیا ہو اور نجات نہ پائی ہو۔

جناب جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مومن کی طرف اس کے جمیع کاموں کو تفویض کیا ہے اور تفویض نہیں کیا اس کو کہ وہ ذلیل رہے۔ آیا تو نے نہیں سنا ہے کہ پروردگار عالم فرماتا ہے" وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ"۔ پس مومن عزیز ہے اور ذلیل نہیں ہوتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسب چھوڑ کر مسجد میں نہ بیٹھنا۔ اور یہ دعا مانگو اے اللہ! مجھے رزق دے۔ کیونکہ یہ خلاف سنت ہے۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ آسمان سونا چاندی نہیں برساتا

جناب جعفر صادقؑ نے فرمایا "کس قدر قبیح ہے مومن کے لئے کہ اس کو ایسی رغبت و طمع دامنگیر ہو جو اس کو ذلیل و خوار کرے۔"

دستِ طلب کہ پیش کسے کردہ دراز ۔۔۔ پل بستہ کہ بگذری ز آبروئی خویش

داؤد طائی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے آقا جناب جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت کے پاس ایک جماعت تھی۔ آپ نے فرمایا "اے داؤد! جو کوئی اپنے برادر مومن کے روبرو محض طلب دنیا کے لئے فروتنی کرے۔ پس ضرور اس نے ریسمانِ عزت کو کھول دیا ہے جو اس کے اوپر پروردگار عالم کے مابین گرہ لگی ہوئی تھی"۔ میں نے کہا یا حضرت! آپ کے دوست اس حال میں ہلاک ہوئے"۔ فرمایا "اے

داؤد! مگر صاحبانِ اضطرار کیونکہ یہ صاحبِ اختیار کے برعکس ہیں۔ اگر کوئی میرا دوست مر جائے ایسے دن کہ مانگنے سے مستغنی ہو، میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ کل دنیا اس کے لیے ہو۔

چو کارساز زحاجات آگہی دارد برائے چیست دُعا و چہ سُود حرفِ سوال

سوال کی برائیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سائل کی دُعا اس کے حق میں مستجاب نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ اجابتِ دُعا کے لیے یہ لازمی بات ہے کہ مخلوق سے نا اُمید اور ہنگامِ ورودِ شدائد اور نزولِ بلا وغیرہ میں مخلوق سے متوسل ہونا نازیبا ہے۔

ہیچ دانی کہ سگ را چیست غوغا با گدا منع می سازد کہ جز حق بر درِ دیگر میا

جناب جعفر صادقؑ کا قول ہے کہ اگر کوئی تم میں سے چاہے کہ خداوند عالم میرا کوئی سوال رد نہ کرے، پس اس کو لازم ہے کہ تمام مخلوق سے مایوس رہے اور خالق عالم پر اُمید واثق رکھے۔ اگر خدا تعالیٰ نے اس کے قلب کا یہی حال دیکھا تو پھر اس کی کوئی حاجت نہ ہوگی جو پوری نہ ہو جائے۔

برائے یک لبِ ناں در بدر چہ مے گردی تو راہِ درگہِ حق را مگر نمی دانی!

مفاسد سوال میں سے یہ بھی ہے کہ یتیموں، بیواؤں، گوشہ نشینوں اور حقیقی معذور اشخاص کے احسان و خیرات کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے جو بے چارے صدماتِ فقر و مسکنت پر راضی رہتے ہیں۔ اور کسی کا بارِ منت لینا پسند نہیں کرتے۔ اور پیشہ ور گداگر اور اہلِ سوال طرح طرح کے حیلوں سے مسئول کو گھیرتے ہیں اور جو مال و زر مستحقین کو دینا چاہیے ان سالم الحواس اور صحیح الاعضاء حرام خوروں کے شکم میں جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو کوئی اپنے نفس پر بابِ سوال کھولتا ہے، خداوند عالم اس پر بابِ فقر کھولتا ہے اور تمام مخلوق اس کو مسدود نہیں کر سکتی۔

مجھے وہ چند اشعار آب دار حضرت علیؑ کے یاد آگئے جو مذمت سوال میں ہیں اور اس قابل ہیں کہ آب زر سے لکھے جائیں۔ خدا جانے اس فلاسفر ربانی نے ان چند الفاظ میں کیا جادو بھر دیا ہے کہ ذلت سوال کی مجسم تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ ملا جامیؒ نے ان عربی اشعار کا ترجمہ ایک قطعے میں یوں کیا ہے۔

خردمندانِ عالم را یکے پند ازیں بیچارہ می باید شنیدن
بدنداں رخنہ در فولاد کردن بناخن راہ در خارا بریدن
بہ فرقِ سر گرفتن صد شتر بار زمشرق جانبِ مغرب دویدن
بہ آتش داں فرو رفتن نگوں سر بہ پلکِ دیدہ آتش پارہ چیدن
بسے بر جائی آساں تر نماید کہ یک جو منتِ دوناں کشیدن

لوگوں نے ایک آدمی کا ذکر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیا کہ حضر و سفر میں اس کی بے حد

عبادت کی تعریف کی۔ آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا اس کو کھلاتا پلاتا کون تھا اور اس کے جانوروں کو گھاس چارہ کون دیتا تھا۔ اور دیگر کاروبار سے اس کو کس نے مستغنی کر رکھا تھا؟ انہوں نے عرض کیا ہم لوگوں نے۔ آپؐ نے فرمایا۔ "تم تمام اس سے بہتر ہو۔"

لطیفہ:۔ ایک بڑھیا نے سرِ راہ چارپائی بچھا کر اس پر بھیک کے ٹکڑے سوکھنے کے لئے ڈال رکھے تھے۔ ایک اونٹ نے چلتے چلتے گردن بڑھا کر دو چار ٹکڑے اس میں سے کھا لیے۔ بڑھیا نے اونٹ والے کو کوسنا شروع کیا۔ لوگ جمع ہو گئے اور اونٹ والے کو سخت وسست کہا۔ وہ رونے لگ گیا۔ لوگوں نے اس ستم ظریفانہ گریہ کا باعث پوچھا تو اس نے کہا کہ "اس بڑھیا کے دو چار ٹکڑے ہی ضائع گئے۔ لیکن میرا اونٹ ہمیشہ کے لئے بے کار ہو گیا۔ کیونکہ بھیک کے ٹکڑے اس کے منہ کو لگ گئے ہیں۔ اب یہ کام نہ دے گا۔

تمثیل:۔ ایک عورت بدچلن تھی۔ نرم مزاج خاوند نے منت سماجت سے بہتیرا سمجھایا۔ لیکن وہ باز نہ آئی روزانہ پند ونصائح سے تنگ آکر ایک روز عورت نے کہا۔ "اگر میری ایک فرمائش پوری کر دو، تو میں بدچلنی چھوڑ دوں گی۔" خاوند نے بخوشی قبول کر لیا اور فرمائش دریافت کی۔ عورت نے کہا۔ "سات روز بھیک کے ٹکڑے مانگ کر کھاؤ۔" خاوند نے اسی روز سے بھیک مانگنا شروع کر دیا۔ سات روز گزر جانے پر عورت نے اسے بھیک مانگنے سے منع کیا اور کہا کہ میں آئندہ نیک چلن رہوں گی۔ خاوند کے منہ کو چونکہ رنگ رنگ کے کھانے لگ چکے تھے اور مشقت بھی کم پڑتی تھی۔ اس نے کہا۔ "اے نیک بخت! تو خواہ نیک چلن رہ یا بدچلن اب میں تو اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا۔" چنانچہ اس بے خطا تدبیر سے فائدہ اٹھا کر عورت آزادانہ طور پر بدچلنی کرتی رہی اور خاوند نے مستقل طور پر گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا۔

تمثیل:۔ کسی بادشاہ نے ایک حسین گداگر لڑکی کو مغلوبِ محبت ہو کر داخل حرم شاہی کر لیا۔ ایک دن بادشاہ ناگہانی طور پر محل میں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سات طاقوں میں سوکھے ٹکڑے اور طرح طرح کے کھانے رکھے ہیں۔ وہ لڑکی ہر ایک طاق کے سامنے فقیرانہ صدا کرنے کے بعد اس میں سے تھوڑا تھوڑا جھولی میں ڈالتی جاتی ہے۔ بادشاہ نے اس کا باعث دریافت کیا تو لڑکی نے درخواست جان بخشی کے بعد عرض کیا۔ "یہ سوکھے ٹکڑے اور طرح طرح کے کھانے میرے رگ و ریشہ اور گوشت و پوست میں اس قدر سرایت کر چکے ہیں کہ یہ عادت اب طبیعت ثانی بن چکی ہے۔ اس طریقہ کے بغیر دسترخوان پر مجھے بہتر سے بہتر کھانا مرغوب خاطر نہیں ہوتا۔ بادشاہ اپنے کیے پر نہایت نادم و پشیمان ہوا۔ اور اس سے علیحدگی اختیار کی ؎

ایں سخن باید بآب زر نوشت　　سر کود گر بر نمی گردد سرشت

روایت ہے کہ حضرت داؤدؑ کی عادت تھی کہ لباس بدل کر راتوں کو اکیلے پھرا کرتے۔ کوئی مل اس سے پوچھتے کہ داؤدؑ کی کیا خصلت ہے۔ نیک یا بد؟ ایک دن جبریلؑ انسانی صورت میں آپ سے

ملے۔ حضرتؑ نے پوچھا داؤد کے حق میں تو کیا کہتا ہے؟ جبریلؑ نے کہا۔ داؤد پیغمبر ہے۔ صاحب کتاب ہے اور بادشاہ بھی ہے۔ مگر ایک خصلت نہ ہوتی تو بہت اچھا تھا۔ یعنی اگر روزی اپنے کسب سے پیدا کرتا اور بیت المال سے نہ کھاتا، تو اس کے خصائل حمیدہ میں بہت بڑا اضافہ ہوتا۔ حضرت داؤدؑ یہ سن کر پھرے اور جناب الٰہی میں رو کر دعا کی کہ الٰہ العالمین! مجھے کوئی کسب نہیں آتا۔ ایک حرفہ سکھلا جس سے میری روزی چلے۔ حق تعالیٰ نے زرہ بنانا انہیں تعلیم دی۔ پس پیغمبروں نے کسب حلال سے روزی پیدا کی تو سب کو لازم ہے کہ کسب حلال سے اپنی روزی پیدا کریں۔

حاصل مضمون:۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ غیر مستحق سائلوں کی داد و دہش سے یک قلم ہاتھ روک لیا جائے۔ اور جہاں تک ہو سکے مستحقین کی امداد کی جائے۔ جو باوجود استحقاق کے کسی حالت میں سوال نہیں کرتے یا جو سخت مجبوری یا ناداری کی حالت میں سوال کرتے ہیں۔ کیونکہ غیر مستحق سائلوں کے ساتھ کوئی سلوک اور کوئی بھلائی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ ان کو اس بے غیرتی و بے شرمی کے پیشے سے باز رکھا جائے۔ اور ملک و قوم کے حق میں اس سے زیادہ کوئی احسان نہیں ہو سکتا کہ بھیک مانگنے کا بدترین پیشہ جو مرض متعدی کی طرح افراد قوم میں سرایت کرتا جاتا ہے اور جس سے روز بروز گداگروں کی تعداد ملک میں زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی بیخ کنی کی جائے۔ کیونکہ جس قدر بھیک مانگنے کا ناپسندیدہ و ممنوع طریقہ زیادہ رواج پاتا جاتا ہے۔ اسی قدر قوم میں کام کے آدمیوں کی کمی ہوتی جا رہی ہے ؎

کیا سخاوت یہ ہے لاکھوں پیرجی پیدا کریں　　محنتوں سے ہم کمائیں منتوں سے ان کو دیں
منتوں کے پیڑے وہ چکھیں چھیڑے ہم ہیں　　محنتی غم کھائیں اور حلوا گدھے کھایا کریں
بات یہ ہے قوم کے دن پھرنے میں کچھ دیر ہے
اس لیے دیکھو جدھر چھایا ہوا اندھیر ہے

افسوس اور نہایت افسوس ہے کہ اس زمانے میں ہر ایک جگہ جس قدر مسلمان بھیک مانگتے نظر آتے ہیں اس قدر کسی اور قوم کے آدمی نظر نہیں آتے۔ پس سب سے پہلے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے اپنے حدود اختیار میں جہاں تک ان کی دسترس ہو اس نالائق کمینہ اور روز افزوں رسم کا تدارک و انسداد کریں۔ جو ہزاروں برائیوں کی ایک برائی ہے ؎

دستِ سوال لاکھوں ہی عیبوں کا عیب ہے　　جس ہاتھ میں یہ عیب نہ دست غیب ہے

واضح رہے کہ وقتیکہ ہر فرد بشر بقدر اپنی طاقت کے انسداد گداگری کے کام میں حصہ نہ لے، قوم کے پنپنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔

اشعار متعلقہ مذمتِ سوال

بخشش پہ دو جہاں کی آئی تھی ہمتِ دہر — لیکن نہ یاں زباں تک حرفِ سوال آیا
سب کے خالق نے بنائے کاسۂ سر واژگوں — آدمی اس پہ بھی ہیش آدمی سائل ہوا
خدا سے مانگ اے دل شرم کر بندوں کی منت سے — جو حاجتمند ہے ہر دم، وہ کیا حاجت روا ہوگا
مجھ کو لباسِ فقر سے ہے عار اس لیے — ناسخ نہ تا بتے کہیں صورت سوال کی
جز خدا جھکتے نہیں ہم بادشاہ کے سامنے — ہاتھ پھیلائے تونگر کیا گدا کے سامنے
شرم آتی ہے کروں کیا اہلِ دولت سے سوال — لفظِ "حاجت" کی ہوئی ہے تا بہ لب مشکل پہنچ
آگے کسی کے کیا کریں دستِ طمع دراز — وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے
رزق قدرت میں ہر جا دیکھتے ہیں اہتمام — کیوں گنوائیں حرمت اپنی ہاتھ پھیلائے ہوئے
کسی کے سامنے پھیلاؤں میں کیا دستِ سوال — یہ ہاتھ تو کبھی اٹھے نہیں دعا کے لیے
تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے — سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے
غربت کے رنج فاقہ کشی کے ملال کھینچ — اے داغ پر زمانے سے دستِ سوال کھینچ
وہ پیاسا ہوں کہ مر جاؤں نہ مانگوں خضر سے پانی — گئی جب آبرو پھر خاک آب زندگانی ہے
بھیک سے بدتر دعا بھی مانگنا انساں کو ہے — ہاتھ آئے بے طلب نانِ جویں گر خشک ہو
سوال سے ہے یہ نفرت نہ ہاتھ اٹھاؤں امیر — پڑھوں جو فاتحہ ہیں تو بتِ تونگر پر
مانگن مرن سمان ہے مت کوئی مانگے بھیک — مانگن سے مرنا بھلا یہ ست گور کی سیکھ
بھوکے گھر میں سو رہو دس فاقے ہو جائیں — نکمتی بھیا مانگنے بھول کبھی نہ جائیں
یہ کتا در در پھرے در در دُر دُر ہوئے — ایک ہی در کا ہو رہے جو دُر دُر کرے نہ کوئے

ظرافتِ لطیف

المزاحُ فی الکتابِ کالملحِ فی "الکتاب"

کسی دعوت کی مجلس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مع دیگر صحابۂ کرام رض چھوہارے کھا رہے تھے۔ اور گٹھلیاں حضرت علی رض کے سامنے پھینکتے جاتے تھے۔ کھا چکنے کے بعد آنحضرت ص نے حضرت علی رض سے فرمایا۔ "اُف! آپ نے اتنے چھوہارے کھائے کہ گٹھلیوں کا انبار لگا پڑا ہے"۔ حضرت علی رض نے کہا "جی ہاں! مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ چھوہارے مع گٹھلیوں کے کھا گئے"۔

ایک دن حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ تینوں کہیں جا رہے تھے۔ حضرت علیؓ بیچ میں تھے۔ ان کا قد دونوں سے چھوٹا تھا۔ اس پر انھوں نے چھاؤں دیکھ کر کہا "یا علیؓ! تم ہم میں ویسے ہی ہو جیسے لفظ "لنا" میں نُون ہوتا ہے"۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "ہاں! لیکن اگر میں درمیان نہ ہُوں تو تم "لا" ہو جاؤ"۔

حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں عرب کے ایک رئیس نے درخواست کی کہ مجھے بصرہ میں مکان بنوانا ہے۔ مجھے سالم کھجور کے بیس ہزار درخت تعمیرِ مکان کے سلسلہ میں درکار ہیں۔ ان کی بہم رسانی میں میری امداد فرمائی جائے۔ آپ نے درخواست کی پشت پر لکھوایا "کیا تم بصرہ میں گھر بنانا چاہتے ہو یا بصرہ کو اپنے گھر میں بسانا چاہتے ہو"؟

ایک صاحب بہادر سائیس پر خفا ہوئے کہ اس نے گھوڑا اچھا نہیں کسا تھا۔ اس پر ان کے سررشتہ دار نے اور جڑی تو سائیس بولا "یہ مسل نہیں ہے کہ جو چپڑ چپڑ پڑھ دی جائے۔ سائیسی علم "دریاؤ" ہے۔ کہیں کا نکتہ کہیں جا لگتا ہے"۔

ایک صاحب بہادر نے ایک سیٹھ جی کو اپنی قیمتی بندوق دِکھلا کر پوچھا "بھلا یہ کس قیمت کا ہوگا"؟ سیٹھ جی نے کہا "لکڑی کی تو کچھ قیمت نہیں اور لوہا روپے کا چار سیر بہت آتا ہے"۔

ایک صاحب بہادر اپنے سررشتہ دار سے بگڑ کر فرمانے لگے "ویل مُنشی! ہم چاہے تو ابھی تم کو جہنم میں بھیج دے"۔ مُنشی جی نے ہاتھ باندھ کر کہا "بیشک حضور "مالک" ہیں۔ (مالک جہنم کے مؤکل کا بھی نام ہے۔)

خاوند۔ اس گُتّے پر کیوں مغز کھپاتی ہو۔ یہ کبھی کچھ نہ سیکھ سکے گا۔

بیوی۔ ذرا صبر کی ضرورت ہے۔ پہلے پہل تمہارے بارے میں مجھے ایسی ہی مشکل پیش آئی تھی۔

شیخ فیضی نے ایک کُتّا پالا تھا۔ جس کو وہ پیار سے بیٹا کہا کرتا تھا۔ ایک دن عُرفی نے خوش طبعی سے پوچھا "صاحبزادے کا نام کیا رکھا ہے"؟ اس نے کہا عُرفی یعنی عرفِ عام میں "کُتّا" جو بولا جاتا ہے۔ عرفی نے کہا "مبارک باشد"۔ (مبارک فیضی کے باپ کا نام ہے)۔

ایک دولتمند نے اپنے واسطے مقبرہ بنوایا۔ جب وہ تیار ہو گیا تو معمار سے پوچھا "اب اس میں کیا چاہیئے"؟ اس نے کہا آپ کا وجود شریف۔

ایک شخص کی بھینس مر گئی تھی۔ اس کو روتا دیکھ کر ایک فقیر نے کہا کہ "بھائی! مت رؤو ہمیں تمہیں کالے دھن سے لینا نہیں ہے۔ میری بھی ایک ہانڈی پھوٹ گئی ہے۔

ایک فقیر نے قاضی کے دروازے پر کھانے کا سوال کیا۔ قاضی نے کہا "یہاں جو آتا ہے قسم کھا جاتا ہے۔ تیرا جی چاہے تو تُو بھی سچ جھوٹ قسم کھا جا۔

ایک بادشاہ نے منجّم سے اپنی باقی عمر پوچھی۔ جواب دیا "دس برس"۔ بادشاہ نہایت فکر مند ہُوا۔ وزیر نے وجہِ فکر پوچھی۔ بادشاہ نے کل حال سُنایا۔ وزیر نے منجّم کو بادشاہ کے رُوبرُو منجّم کی باقی عمر پوچھی، اس نے کہا "بیس برس"۔ وزیر نے تلوار کھینچ کر منجّم کو قتل کر ڈالا، اور بادشاہ سے کہا "اس جھوٹے کی بات کا کیا اعتبار"؟

ایک کم عقل شخص نے ڈیڑھ سیر گوشت پکانے کے لیے اپنی بیوی کو لا کر دیا۔ اُن کی ذرا سی غفلت سے گوشت پُراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ کافی تلاش کے باوجود گوشت کا کہیں نام و نشان تک نہ ملا۔ تو بیوی نے پاس ہی بیٹھی ہوئی بلی کی طرف اشارہ کر کے کہا "اس نے کھا لیا ہوگا۔" خاوند کے ذہن میں یہ بات نہ جچی۔ اس نے بیوی سے کہا "نہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنی سی بلی اور ڈیڑھ سیر گوشت چٹ کر جائے"۔ بیوی نے اصرار کے ساتھ کہا کہ "بلی کو تول کر دیکھ لیں"۔ خاوند کو یہ تجویز کچھ معقول معلوم ہوئی۔ بلی تولی گئی۔ جو پوری ڈیڑھ سیر نکلی۔ خاوند نے بے ساختہ کہا "چلو گوشت تو پورا مل گیا۔ مگر اب بتاؤ کہ وہ بلی کہاں گئی۔

نواب آصف الدولہ ایک روز اپنے ملازم دولت نامی پر خفا ہوئے اور حکم دیا کہ اس کو نکال دو۔ نوکر اس وقت تو چلا گیا۔ دوسرے روز آ کر نواب کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ دولت درِ دولت پر حاضر رہے یا جائے، نواب کو مجبوراً کہنا پڑا کہ رہے۔ (اگر جائے کہہ دیتے تو منحوس کلمہ تھا کہ دولت جائے)۔

ایک شخص نے سفر کو جاتے وقت اپنی بیوی سے پوچھا "تمہارے لیے کتنے دن کے کھانے کا سامان کر جاؤں"؟ عورت نے جواب دیا کہ "جتنے دن کی میری زندگی ہو"۔ مرد بولا "زندگی میرے ہاتھ نہیں ہے"۔ عورت نے جواب دیا "کہ روزی بھی تمہارے ہاتھ میں نہیں۔

کچھ لوگ مع اطفالِ مکتب مینہ کی دعا مانگنے نکلے۔ کسی نے پوچھا "لڑکوں کو کہاں لیے جاتے ہو"؟ کہا، لڑکوں کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے"۔ اس نے کہا "اگر لڑکوں کی دعا قبول ہوتی تو ایک مُعلّم بھی زندہ نہ رہتا"۔

ایک بخیل کے گھر ایک مطرب گیا، صاحبِ خانہ بہ بہانہ پاخانہ گھر میں جا کر کھانا کھا کر باہر آ گیا۔ اتفاقاً ایک چاول اس کی مونچھوں میں لگا رہا، مطرب کہنے لگا، حضور! آپ کی مونچھوں میں پاخانہ لگا ہے"۔

ایک شاعر ایک امیر کے قریب ایک ہاتھ کے فرق سے مسند پر جا بیٹھا۔ امیر نے خفا ہو کر کہا کہ "اے تجھ میں اور گدھے میں کیا فرق ہے"؟ شاعر نے جواب دیا، "ایک ہاتھ کا"۔

ایک بادشاہ نے خواب دیکھا کہ اس کے سب دانت گر گئے ہیں۔ صبح کو ایک معبّر سے تعبیر پوچھی۔ اس نے کہا کہ آپ کے لڑکے بالے اور ازواج سب آپ کے سامنے مریں گے۔ بادشاہ ناخوش ہُوا اور اسے قید کر دیا پھر دوسرے شخص سے تعبیر پوچھی۔ اس نے کہا، آپ کی عمر سب اولاد ازواج سے زیادہ ہوگی۔ بادشاہ خوش ہُوا اور انعام دیا۔ اور کہا مطلب دونوں کا ایک ہے۔ مگر تہذیب میں فرق ہے۔ پوچھا تو نے یہ دانش کہاں سے سیکھی۔ وہ بولا پہلے معبّر سے

ایک غلام اپنے آقا کا پانی بھر رہا تھا۔ کسی نے پوچھا، کیا حال ہے؟ کہا آفت ہے، رات دن پانی بھرتا رہتا ہوں اس کنوئیں سے کہ کبھی خشک نہیں ہوتا۔ چند پیاسوں کے لیے، جو کبھی سیر نہیں ہوتے۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کی کہ حضور فلاں شخص نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ لہٰذا میری حق رسی فرمائیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ جا بھاگ جا۔ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ چھوٹے قد کے آدمی کسی سے دھوکا نہیں کھاتے۔ چونکہ تو بھی چھوٹے قد کا ہے۔ اس لیے تو ہر گز کسی سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔ اس آدمی نے

دست بستہ عرض کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سر آنکھوں پر اور حضور کا ارشاد بجا، لیکن حضور جس شخص نے مجھے دھوکا دیا ہے وہ مجھ سے بھی چھوٹے قد کا ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ مسکرائے اور جانبین کے درمیان مناسب فیصلہ کر دیا۔

کوئی صاحب ڈاک خانہ گئے اور ایک منشی سے بولے کہ "ہمارے نام کا اگر کوئی خط ہو تو ہمیں دے دیجئے۔" ڈاک بابو نے نام و نشان دریافت کیا تو فرمایا "واہ آپ مجھ سے کیا پوچھتے ہیں، کیا لفافے پر لکھا نہ ہوگا؟ اُسے پڑھ لیجیے"۔

ایک بزرگ نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے۔ پہلی رکعت میں تو غیر معمولی دیر لگ گئی۔ لیکن بعد میں مقتدیوں کو جلدی کے مارے رکوع و سجود بھی دشوار ہو گیا۔ نماز ختم ہونے پر جب نمازی نکلے تو ایک صاحب فرمانے لگے کہ "امام صاحب نے پہلی رکعت میں تو بہت پڑھا تھا۔ لیکن بعد کی تین رکعتوں میں صرف ایضاً ہی پر اکتفا کیا۔

کوئی شخص بازار میں کلھیا میں تیل خریدے ہوئے چلے آتے تھے۔ اتنے میں اذان ہوئی اور مسجد بھی نظر آئی۔ انہوں نے تیل کی کلھیا فصیل پر رکھ دی اور پھر جماعت میں شریکِ نماز ہو گئے۔ لیکن خیال کلھیا کی طرف تھا کہ کتا، بلی یا کوئی اور نہ لے جائے۔ امام نے بڑی بڑی سورتیں پڑھنی شروع کر دیں۔ آخرش تنگ آ کر انھوں نے نیت توڑ کر کلھیا فصیل سے اُٹھائی اور مُنہ کے سامنے رکھ کر دوبارہ شریکِ نماز ہو گئے۔ اور جھلا کر امام صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "اب تجھے بھی قسم ہے جو آج ہی سارا قرآن شریف ختم نہ کرے۔ ہم نے بھی کلھیا سامنے رکھ لی ہے۔"

ایک شخص کسی نامی قزاق کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے نوکر رکھ لو۔ قزاق نے پوچھا "پہلے تم نے کہاں کہاں نوکری کی ہے؟" اس نے کہا "دو برس ایک وکیل کے پاس اور ایک برس پولیس میں رہا ہوں۔" قزاق نے اُسے نوکر رکھ لیا اور کہا "یہ دونوں نوکریاں تو نے ایسی کی ہیں کہ گویا اتنی مدت تو ہمارے ہی گروہ میں رہا ہے۔"

مس ایڈیتھ۔ میرے پیارے! اب والد صاحب آ گئے ہیں۔ جلدی بھاگو۔

مسٹر جونز۔ لیکن دروازے پر تو وہ کھڑے ہیں۔

مس ایڈیتھ۔ تم کھڑکی میں سے کود جاؤ۔

مسٹر جونز۔ لیکن ہم تو تیرھویں منزل پر ہیں۔

مس ایڈیتھ۔ بڑا غضب ہے۔

مسٹر جونز۔ تم ایسے نازک موقع پر بھی تیرہ کی نحوست کے وہم میں پھنسے ہوتے ہو۔ (انگریزوں میں تیرہ کا عدد منحوس خیال کیا جاتا ہے۔)

ایک غریب آدمی کی برادری میں کسی نے انتقال کیا۔ اس کی عورت نے تعزیت میں جانے کا سوال کیا۔ مرد نے کہا کہ بچوں کے واسطے کھانا تیار کر دے، پھر چلی جانا۔ عورت نے کہا گھر میں کچھ بھی نہیں ہے جو کھانا پکاؤں۔ مرد نے کہا، ہمارا فاقہ خود قابلِ تعزیت ہے۔ ایسی حالت میں کسی کی تعزیت کے لیے جانا بے سود ہے۔

بیرا۔ جناب! آپ کھانے سے پہلے دام ادا کریں۔

مسافر۔ کیوں ؟
بیرا۔ اس لیے کہ کل ایک مسافر کھاتے ہی مرگیا اور مالک نے دام مجھ سے لیے۔
ایک مریض کو حکیم نے نسخہ لکھ دیا اور کہا "اسے پینا، آرام ہوجائے گا" مریض نے گھر جاکر نسخہ پانی میں گھولا اور پی گیا۔ دوسرے روز پھر حکیم کے پاس گئے حکیم نے نسخہ مانگا۔ کہا وہ تو کل ہی پی لیا تھا۔
مسافر (بیرے سے) مچھلی کے اس ٹکڑے پر یہ انگوٹھے کا نشان کیوں ہے ؟
بیرا۔ جناب! اگر میں اس پر انگوٹھا نہ رکھتا تو یہ دوبارہ گرجاتی۔
ایک برہمن چوکا لگائے روٹی کھا رہا تھا۔ ایک گنوار بھینس پر سوار روٹی کھاتا ہُوا ادھر سے گذرا۔ برہمن نے اعتراض کیا کہ چوکے میں بیٹھ کر کھانا چاہیے۔ اس نے کہا "میں خود اس پر سوار ہوں جس کے گوبر سے چوکا دیا جاتا ہے"۔
ایک آدمی گوبر سے گھڑا بھر کر اور اس کے اوپر مربہ رکھ کر قاضی کے پاس لے گیا اور اپنا مطلب بیان کیا۔ قاضی نے اس کے مدعا کے موافق پروانہ کردیا۔ جب قاضی کھانا کھانے لگا اور گھڑے کا مربہ منگوایا تو گوبر نکلا۔ قاضی بہت ناراض ہُوا۔ ایک دن وہی آدمی قاضی کو راستے میں ملا۔ قاضی نے اس سے کہا کہ پروانہ میں کچھ بھول ہوگئی ہے، اگر لے آؤ تو درست کردیں۔ اس نے کہا کہ "پروانہ میں تو بھول نہیں البتہ گھڑے میں کچھ چوک ہوگی"۔
ایک گنوار کے سر پر عدالت میں قرآن رکھا گیا اور اظہار لیا گیا، جو چاہا سو کہہ دیا۔ گاؤں میں جاکر لوگوں سے کہا کہ "میں پہلے تو ڈرتا تھا کہ حلف اُٹھانا پڑے گا۔ خدا جانے اُٹھے یا نہ اُٹھے۔ مگر اب معلوم ہوا ہے کہ ایسے تو سَو حلف اُٹھا سکتا ہوں"۔
ایک ستّر برس کے جاٹ نے اسلام قبول کیا۔ لیکن دیرینہ عادت سے مجبور ہونے کی وجہ سے صبح کو رام رام کہتا اُٹھا۔ مسلمانوں نے کہا یہ کیا حرکت ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ ساٹھ ستّر برس کا رام جی ایک دن کے خدا سے بےدخل نہیں ہوسکتا۔ قبضے کی میعاد کا تو خیال کرو۔
بیگم صاحبہ۔ میں نے ننھے کے ہاتھ تین سیر سیب منگوائے تھے۔ لیکن وزن کرنے پر وہ اڑھائی سیر نکلے۔
میوہ فروش۔ جناب باٹ تو سرکاری طور پر چیک ہوتے ہیں اور میں نے بھی پورا تولا تھا۔ اب آپ ننھے کا وزن کریجیے۔
ایک گریجویٹ اپنی عینک گھر بھول آئے۔ بازار میں ایک نوٹس چسپاں دیکھ کر ایک پاس کھڑے ہوئے آدمی سے دریافت کیا "جناب! اس نوٹس میں کیا لکھا ہے؟ ذرا پڑھ دیجیے۔ وہ بولا "حضرت افسوس! پڑھ نہیں سکتا۔ بدقسمتی سے میں بھی آپ کی طرح جاہل ہوں"۔
آقا (ملازم سے)، تم بے تحاشا غسل خانہ میں کیوں گھس آئے۔ کیا تمہیں معلوم نہ تھا کہ ہم نہا رہے تھے ؟
ملازم (سادگی سے)، حضور غلطی ہوئی، میں سمجھا تھا بیگم صاحبہ نہا رہی ہیں۔
رضی کے ابّا نے اس کی خالہ اور خالو کو کھانے پر مدعو کیا۔ رضی اپنی خالہ سے بولا "کیا آج کھانے کے بعد آپ

خالو جان کو نچائیں گی"۔ خالو جان جو ایک ندوی عالم تھے، اس پر بہت جھلائے۔ رضی کے ابّا نے کہا چپ نالائق! تجھ سے یہ کس نے کہا تھا کہ یہ ناچتے ہیں"۔ رضیؔ نے کہا "آپ ہی نے تو اس روز کہا تھا کہ فہیمہ (خالہ فہیم) (خالو) کو انگلیوں پر نچاتی ہے"۔

شریف آدمی۔ تم ایسے بُرے کپڑے دھوتے ہو کہ پھاڑ کر ایک کے دو کر لاتے ہو۔

دھوبی۔ جناب! میری شرافت بھی تو دیکھو، آپ سے صرف ایک کپڑے کی مزدوری وصول کرتا ہوں۔

ماں۔ دیکھو بیٹا! شریر لڑکوں سے الگ رہا کرو۔

لڑکا۔ ہاں! اسی وجہ سے تو میں سکول نہیں جاتا۔

مالکہ۔ (خادمہ سے) تم بیکار بیٹھے تھک نہیں جاتیں۔

خادمہ۔ مگر میں آپ کی خاطر اس کی کچھ پروا نہیں کرتی۔

پادری۔ آج مجھے گدھوں سے وعظ سنانا پڑا۔

ظریف۔ جبھی آپ اُن کو "پیارے بھائیو" کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

پوتا۔ دادا جان! کیا آپ کے مُنہ میں دانت ہیں؟

دادا۔ نہیں بیٹا! کیوں، کیا کرو گے؟

پوتا۔ ذرا میرے اخروٹ رکھ لیجئے۔

باغبان۔ تم سیب کو ہاتھ میں لیے کیا کر رہے ہو؟

لڑکا۔ کچھ نہیں۔ درخت پر چڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں، تاکہ یہ سیب جو نیچے گر پڑا ہے اسی جگہ لٹکا دوں۔

پولیس مین۔ اس تالاب میں نہانے کی اجازت نہیں ہے مس صاحبہ۔

مس۔ لیکن تم نے اس وقت کیوں نہ منع کیا جب میں کپڑے اتار رہی تھی۔

پولیس مین۔ کپڑے اتارنے کی کوئی ممانعت نہیں مس صاحبہ۔

ایک ظریف نے اخبار میں اپنے کھیت بیچنے کا اشتہار دیا جس میں اُس نے موقع کی خوبصورتی، زمین کی زرخیزی اور آب و ہوا کی عمدگی کے بعد سب سے بڑی تعریف یہ لکھی کہ "اس زمین کے قریب پندرہ پندرہ میل تک کوئی وکیل یا مختار نہیں ہے"۔

ایک مفلس و بے اولاد شخص جس کی والدہ اندھی تھی، کسی مستجاب الدعوات بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دُعا ہوا۔ بزرگ نے فرمایا "تو کیا چاہتا ہے"۔ اس نے کہا "صرف اتنی دعا کر دیجیے کہ میری اندھی ماں اپنے پوتوں کو سونے کے کٹوروں میں دودھ پیتے دیکھے"۔ بزرگ نے اس قلیل الالفاظ اور کثیر المطالب دُعا کو سن کر اس کی ذہانت کی داد دی کہ ایک مختصر سے فقرے میں دُودھ، پُوت، دولت، اور ماں کی بینائی سب کچھ آ گئے۔

ریل گاڑی میں ایک کم سن بچہ اپنی والدہ کے ہمراہ سفر کر رہا تھا کہ ایک فربہ اندام لیڈی اس ڈبہ میں آئی اور

بچے کے سامنے بیٹھ گئی۔ بچے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور اپنی والدہ سے پوچھا "کیا یہ ساری ایک ہی لیڈی ہے"؟

جج۔ کیا جنون طلاق کا سبب ہو سکتا ہے؟

شوہر۔ جی نہیں، طلاق کا سبب تو نہیں، لیکن شادی کا سبب ہو سکتا ہے۔

زبردست بیوی۔ میں نے کتنی دفعہ کہا ہے کہ جب میں بولتی ہوں تو اپنی زبان بند رکھا کرو۔

کمزور خاوند۔ تو گویا تمہارے سو جانے کے بعد میں بولا کروں۔ (یعنی جاگتے وقت تو تم بولتی ہی رہتی ہو)

مہمان۔ (ایک تقریب کے موقع پر) وہ بدصورت ڈائن کون ہے؟

میزبان۔ (غمناک لہجہ میں) وہ میری بیوی ہے۔

مہمان۔ میں اپنی حماقت پر نادم ہوں۔

میزبان۔ لیکن یہ تو میری حماقت ہے۔

ڈاکٹر۔ ابھی ابھی میں ایک ہفتہ کی چھٹی منا کر آیا ہوں۔

دوست۔ ہاں، مجھے بھی مقامی اخبار کے مطالعہ سے معلوم ہوا تھا کہ اب ہفتۂ پیوستہ سے اموات کی تعداد بہت کم ہے

سپاہی۔ تم نے اس کو پستول سے کیوں مار ڈالا۔

آدمی۔ میرے پاس پستول کا لائسنس ہے، ویسے ہی نہیں مار دیا۔

اُستاد۔ ٹیکہ کس نے ایجاد کیا؟

لڑکا۔ مچھر نے جناب۔

آقا۔ (خانساماں سے) آج تم نے بہت دیر کر دی۔

خانساماں۔ حضور میں کوٹھے پر سے گر پڑا تھا۔

آقا۔ مگر کوٹھے سے گرنے میں اتنی دیر نہیں لگ سکتی۔

خاتون وکیل۔ آپ کی عمر؟

خاتون گواہ۔ وہی جو آپ کی ہے۔

ہارون الرشید نے اپنے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف سے کہا کہ آپ فالودہ پسند کریں گے یا لوزینہ۔ قاضی صاحب نے کہا جب تک حاضر نہ ہوں، میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

چچا۔ جب میں تمہاری عمر کا تھا تو کبھی جھوٹ نہ بولتا تھا۔

بچہ (بھولے پن سے) تو پھر آپ نے کب جھوٹ بولنا شروع کیا۔

ایک وکیل سیر کو جا رہے تھے۔ راستہ میں ان کا گزر ایک گاؤں میں ہوا۔ ایک زمیندار جاٹ نے آپ کو سلام کیا اور پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ وکیل صاحب بولے "میں وکیل ہوں"۔ جاٹ بولا "نہیں حضور آپ غلط کہتے ہیں۔ آپ تو

مجھے بھلے مانس معلوم ہوتے ہیں۔

ایک پادری صاحب نے دورانِ وعظ میں سامعین سے کہا "بتاؤ دُنیاوی خوشی کی کیا قیمت ہے"؟ ایک سوداگر جسے نیند آگئی تھی، چونک کر بولا "چار آنے فی درجن۔

مریض لڑکا۔ (ڈاکٹر سے) جناب میرے والد نے کہا ہے کہ وہ شکایت جس کے لیے آپ کونین دیتے تھے، رفع ہو گئی ہے۔ لیکن وہ جس کے لیے چوزے کا شوربا دیا کرتے تھے ابھی تک باقی ہے۔

ڈاکٹر۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں میرے مشورہ سے بہت فائدہ حاصل ہُوا ہے۔

مریض۔ مگر اتنا نہیں جتنا آپ کو مجھ سے ہُوا ہے۔

اُستاد۔ لڑکو! کیا تم بتا سکتے ہو کہ حضرت یُونسؑ کو مچھلی نے نگل کر پھر کیوں اُگل دیا۔

لڑکا۔ جناب! مچھلی کو یہ خیال ہُوا کہ اب تک تو مجھے اپنی ہی خوراک کی فکر رہتی تھی، اب دو کی فکر کرنی پڑے گی۔

اُستاد۔ جہاز کیوں تیرتا ہے اور سوئی کیوں ڈوب جاتی ہے۔؟

لڑکا۔ جناب جہاز تیرنا جانتا ہے، سوئی تیرنا نہیں جانتی۔

ایک لڑکا ایک رئیس کے ہاں نوکر ہُوا۔ رئیس نے اس سے کہا دیکھو اگر تم نے کوئی چیز توڑی تو نکال دیے جاؤ گے" اتفاق سے اسی روز دعوت تھی۔ لڑکا بہت سے چینی کے برتن لیے ہوئے بالاخانے سے اُتر رہا تھا۔ برتن ہاتھ سے پھسل کر چکنا چُور ہو گئے۔ لڑکا فوراً صاحبِ خانہ کے پاس دوڑا گیا۔ اور کمرے کی کھڑکی میں مُنہ ڈال کر پکارا "حضور برتن سب ٹوٹ گئے ہیں اور میں اب نکل جاتا ہوں"

افضل۔ ایک بار میں نے اور میرے ایک دوست نے اس بات کا ارادہ کر لیا کہ ایک دوسرے کو اس کے عیوب سے آگاہ کرتا رہے گا۔

ناصر۔ پھر اس کا نتیجہ؟

افضل۔ نو سال سے ہماری بول چال بند ہے۔

باپ۔ (فضول خرچ بیٹے سے) اِدھر آؤ۔ میں تمہارے قرض کا حساب کرنا چاہتا ہوں"۔

بیٹا۔ تو ذرا ٹھہر جائیے، میں دوات میں سیاہی بھر لوں۔

ڈاکٹر۔ ہاں ایک بات رہی جاتی ہے۔ ذرا اپنی بیوی صاحبہ کو سمجھا دیجیے کہ آج تمام دن گفتگو نہ کرے۔

شوہر۔ عنایت فرما کر آپ ہی سمجھا دیجیے۔ اگر میں منع کروں گا تو ابھی سے بکواس شروع کر دے گی اور پھر شام تک بس نہ ہوگی۔

مالک (نوکر سے) حبیب وقت تو دیکھ کر آؤ مجھے بارہ بجے والی گاڑی سے جانا ہے۔

حبیب۔ (وقت دیکھ کر آتے ہوئے) صاحب ابھی تو ایک ہی بجا ہے۔ بارہ بجنے میں ابھی گیارہ گھنٹے باقی ہیں۔

آقا۔ آئندہ اگر تم اسی طرح سُستی سے کام کرو گے تو مجبوراً مجھے دوسرا ملازم رکھنا پڑے گا۔

ملازم۔ خدا حضور کو سلامت رکھے، کام بھی دو آدمیوں کا ہے۔

فوجی افسر۔ تم نے بیس کارتوس خراب کر دیئے۔ تمہاری گولی کیوں اِدھر اُدھر ہو جاتی ہے؟

رنگروٹ۔ حضور میں کیا کہہ سکتا ہوں، یہاں سے تو ٹھیک جاتی ہے۔

کمانڈر۔ اپنے سروں کو اور نیچا کرو اور یہی فرض کرتے رہو کہ دشمن ہمیں دیکھ رہا ہے۔

ایک سپاہی۔ اور ہم یہ بھی فرض کر سکتے ہیں کہ ہمارے سامنے ایک بلند چٹان کھڑی ہے۔

اُستاد۔ کل دنیا کی کتنی آبادی ہے؟

ایک لڑکا۔ پونے دو ارب۔

دوسرا لڑکا۔ لیکن جناب کل ہمارے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اُسے بھی شمار کر لیجیے۔

اُستاد۔ ہنری ہشتم کی کتنی بیویاں تھیں؟

شاگرد۔ جناب چھ۔

اُستاد۔ اچھا، شمار کر کے بتاؤ (یعنی نام وار)

شاگرد۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ۔

باپ۔ افضل! کیا وجہ ہے کہ تم اتنے بُردبار اور بھلے مانس نہیں ہو جتنا حمید ہے۔

افضل۔ جناب! حمید ایسے محلے میں رہتا ہے جہاں سب لڑکے عمر میں اس سے بڑے ہیں۔

بچہ۔ دادی جان! آپ عینک کیوں لگایا کرتی ہیں؟

دادی۔ بیٹا اس سے ہر ایک چیز بڑی نظر آتی ہے۔

بچہ۔ تو مجھے حلوا دیتے وقت آپ عینک اتار لیا کریں۔

الف۔ یہ کیا بات ہے کہ بیوہ عورتوں کی بہت جلد دوسری شادی ہو جاتی ہے۔

ب۔ اس لیے کہ مُردے شکایت نہیں کر سکتے۔

ایک نئی بیوہ نے بیمہ کمپنی کے دفتر میں جا کر کہا "مینجر صاحب! میرے شوہر کے بیمے کا روپیہ دلوایئے"۔ مینجر نے کہا "میم صاحبہ! اس حادثے کا حال سن کر ہم کو سخت رنج ہُوا ہے"۔ میم نے کہا "جی ہاں! مردوں کا سب جگہ یہی حال ہے کہ جب عورت کو چار پیسے ملنے کا موقع آتا ہے تو انہیں بہت صدمہ ہوتا ہے۔

حامد۔ تم جو چھتری کل مجھ سے مانگ کر لے گئے تھے، لائے ہو؟

محمود۔ نہیں اس کو میرا ایک دوست مانگ کر لے گیا ہے۔ کل واپس کر دوں گا۔

حامد۔ یہ بہت بُرا ہُوا۔ جس شخص نے وہ چھتری میرے دوست سوہن کو مستعار دی تھی وہ سوہن سے کہتا تھا کہ چھتری کا اصلی مالک سخت تقاضا کر رہا ہے۔ (گویا چھتری چھٹی جگہ پہنچ گئی۔)

مالک۔ (نوکر سے)، تم میرا چمچا چُرا کر لے گئے۔ اب کہتے ہو غلطی ہو گئی۔

نوکر۔ حضور میں اسے غلطی سے چاندی کا سمجھا تھا۔
جج۔ قبل ازیں کہ سزا کا حکم سنایا جائے کیا تم عدالت کے سامنے کچھ پیش کرنا چاہتے ہو (یعنی کچھ عذر کرنا چاہتے ہو؟)
ملزم۔ نہیں حضور جو کچھ میرے پاس تھا، سب وکیل کی نذر کر چکا۔ اب عدالت کے سامنے کیا پیش کروں۔
کسی امیر نے چند کاہلوں کا مجمع دیکھا۔ اُن سے کہا "میرے پاس آ کر سب اپنی اپنی کاہلی کا ذکر سناؤ۔ جو سب سے زیادہ کاہل ثابت ہو گا، اُسے ایک روپیہ دوں گا۔ سب آئے اور اپنا اپنا کمال بیان کیا۔ مگر ایک شخص نہ آیا۔ امیر نے اسی کو روپیہ دیا۔
مسافر۔ تم تو کہتے تھے کہ ہوٹل صرف پانچ منٹ کے فاصلے پر واقع ہے۔ مگر میں تمہاری بات پر اعتبار کر کے بھولا ہوں
ہوٹل والا۔ علیٰ ہذا القیاس میں بھی۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ تم تیز چلنے والے ہو۔
مصنف۔ (خادمہ سے) یہ کون سے کاغذ جلا رہی ہو۔
خادمہ۔ وہی لکھے ہوئے۔ صاف کاغذوں کو تو میں نے چھوا بھی نہیں۔
بیوی۔ اگر خدانخواستہ گھر میں چور آ جائیں تو تم کیا کرو گے؟
میاں۔ جو وہ کہیں گے، وہی میں کروں گا۔ کیونکہ اب تک مجھے اس گھر میں اپنی مرضی سے تو کچھ کرنا نصیب نہیں ہُوا
ایک امیر کا نام فخر الدین اور نوکر کا نام لدھا تھا۔ امیر کو تمسخر کی عادت تھی۔ ایک روز نوکر کو کہا، اگر لدھا کے نام پر دو کشش لگا دیں تو کیا نام بنے گا؟ نوکر بھی بڑا حاضر جواب تھا۔ بولا، جو فخر کی ف اڑانے سے بنتا ہے۔ امیر شرمندہ ہو گیا۔
حاکم عدالت۔ (ملزم سے) شہادت اور ثبوت ناکافی ہونے کی وجہ سے تم کو گھڑی کی چوری کے الزام سے بری کیا جاتا ہے۔
ملزم۔ (سادگی سے) تو حضور! گھڑی میں اب اپنے پاس رکھوں یا مالک کو دے دُوں؟
مجسٹریٹ۔ (گھڑی کے چور سے) کیا تمہارا کوئی وکیل ہے؟
ملزم۔ نہیں جناب! گھڑی کی قیمت وکیل کی فیس سے بہت کم تھی۔
میلے میں ایک دیہاتی کی جیب کٹ گئی۔ گاؤں میں آیا تو لوگوں نے میلے کا حال پوچھا۔ اس نے کہا میلا کیسا، لوگوں نے میری جیب کاٹنے کے لئے ایک پاکھنڈ رچا رکھا ہے۔
مس ایتھل۔ یادداشت کچھ ایسی خراب ہو گئی ہے کہ جو چیز یہاں رکھتی ہوں، بھول جاتی ہوں۔
مس ایڈتھ۔ تو یادداشت کے لیے آپ پاکٹ بک کیوں نہیں رکھتی۔
مس ایتھل۔ میں اُسے بھی کہیں رکھ کر بھول جاتی ہوں۔
والدہ۔ دیکھو رشید! تم نے کیچڑ میں پھسل کر اپنا تمام کوٹ خراب کر لیا ہے۔
رشید۔ مگر اماں جان! مجھے تو اس کے اتارنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔

کسی پیر صاحب نے اپنے ایک تنگدست مُرید کے ہاں کئی دن قیام رکھا۔ آخر تنگ آکر مُرید نے ایک روز عرض کیا "یا حضرت! آج آپ کا کوچ ہے یا مقام"؟ کہا "مقام"۔ مرید بولا، "تو پھر ہمارا کُوچ ہے۔"

مسافر۔ (ملاّح سے) کشتی ڈگمگا رہی ہے۔ میرے اَوسان خطا ہوئے جاتے ہیں۔ تم بتاؤ کچھ خطرہ تو نہیں ہے؟

ملاّح۔ (متانت سے) خطرے کی کوئی بات نہیں۔ میری کشتی بیمہ شدہ ہے۔

ایک نہایت فربہ اندام لیڈی نے ایک لڑکے سے پوچھا "کیا میں اس دروازے سے دریا پر جا سکتی ہوں۔" لڑکے نے جواب دیا، ممکن تو ہے، کیونکہ ابھی ایک بڑا چھکڑا اس دروازے سے گزر چکا ہے۔

ایک دکاندار اپنے بیوقوف لڑکے کو دکان پر بٹھلا کر کسی کام کو گیا۔ ایک آدمی کٹورے میں پیسے کا تیل لینے آیا لڑکے نے اسے کٹورا بھر دیا۔ اتنے میں اس کا باپ بھی آ پہنچا اور لڑکے پر خفا ہونے لگا۔ "گاہک کو تو کچھ نہیں کہنا، جو اتنا بڑا کٹورا لے آیا۔"

کُتّے والا۔ میم صاحب! یہ کُتّا تین سو روپے میں بہت سستا ہے۔

میم صاحبہ۔ مجھے پسند تو ضرور ہے لیکن میرا شوہر معترض ہوگا۔

کُتّے والا۔ آپ اپنے شوہر سے نہ ڈریے۔ آپ کو دوسرا شوہر جلد مل جائے گا، لیکن ایسا کُتّا پھر ہاتھ نہ آئے گا۔

باپ۔ پیاری جولیا! تمہاری شادی کی تاریخ ۱۶ جُون قرار پائی ہے۔

جولیا۔ لیکن ابّا جان! میں تو والدہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔

باپ۔ تم اس کو بھی ہمراہ لیتی جاؤ۔

ایک امیر نے غصّے میں آکر اپنے لشکر کو مخاطب ہو کر کہا "اے کُتّو! اُن میں سے ایک نے کہا" ایسا نہ فرمائیے آپ ہمارے امیر ہیں۔

ایک مولوی صاحب نے مسجد میں وعظ کہتے ہوئے یہ بیان کیا کہ جو شخص آج کے روز جتنی مرتبہ اپنی پگڑی کھول کر باندھے گا، اُسے اُتنے ہی نفل پڑھنے کا ثواب ہوگا۔" ایک کنجڑے کا لڑکا بھی موجود تھا۔ یہ سن کر فوراً ا[illegible] پگڑی کھول کر باندھنے لگا۔ اس کے باپ نے خفا ہو کر کہا "کم بخت یہ کیا کرتا ہے، پگڑی پھٹ جائے گی [illegible] نفل سر پہ باندھے گا؟"

کسی جرنیل نے مہم فتح کر لینے کے بعد ایک سپاہی سے پوچھا "تو نے اس فتح میں کیا بہادری دکھائی؟" اس نے جواب دیا "میں نے حریف کے سپاہی کا ایک پاؤں کاٹ ڈالا۔" جرنیل نے کہا "پاؤں کاٹنے سے کیا حاصل سر کیوں نہ کاٹا؟" سپاہی بے تحاشا بول اُٹھا "سر تو پہلے ہی کٹا ہُوا تھا۔"

ایک دولت مند کا اثنائے سفر میں ایک چھوٹے سے قصبہ میں شام کے وقت گزر ہُوا۔ ارادہ کیا کہ آج رات یہیں بسر کروں۔ وہاں ایک چھوٹی سی سرائے تھی۔ امیر نے دروازے پر جا کر دستک دی۔ اندر سے بھٹیاری نے جو سرائے کی مالکہ تھی، پوچھا "تم کون ہو؟" امیر کو اپنی حفظِ عزّت کا بہت خیال تھا۔ بولا "ابو البشیر حافظ قاضی

تمیز الدین احمد خاں علمی چشتی قادری"۔ بھٹیاری نے قطع کلام کرکے کہا" اس قدر مسافروں کے لیے ہمارے ہاں گنجائش نہیں ہے"۔

اُستاد۔ (شاگرد سے) منفی کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جنس یکساں ہو۔ مثلاً ہم چار آدمیوں میں سے تین بینگن یا نو کتوں میں سے چھ آدمی نہیں نکال سکتے۔

شاگرد۔ لیکن جناب دو بھینسوں میں سے چھ سیر دودھ تو نکال سکتے ہیں۔

رشید کی والدہ۔ جا بیٹا، بالاخانے میں جاکر اپنے ابا سے کہو کہ کھانا تیار ہے۔ رشید اُوپر گیا تو ابا کو دیکھا کہ برش سے دانت رگڑ رہے ہیں۔ نیچے آیا تو والدہ نے دریافت کیا "کیا تمہارا ابا کھانا کھانے کو تیار ہے؟"

رشید۔ تیار تو نہیں، البتہ تیار ہو رہا ہے۔ ابھی دانت تیز کر رہا ہے۔

ایک شخص امیر معاویہؓ کے دربان کے پاس آیا اور کہا "امیر کو پیغام دو کہ دروازے پر تمہارا حقیقی بھائی آیا ہے۔ امیرؓ نے فرمایا "میں اسے نہیں جانتا۔ اچھا اسے اجازت دے دو"۔ جب وہ اندر آیا، تو آپ نے پُوچھا "تو میرا کون سا بھائی ہے"؟ اس نے کہا "آدمؑ و حواؑ کا بیٹا"۔ آپ نے غلام سے فرمایا" اسے ایک درہم دے دو"۔ اس نے کہا "آپ اپنے برادرِ حقیقی کو ایک درہم دیتے ہیں"؟ امیر معاویہؓ نے فرمایا "چپکے سے درہم لے کر چلے جاؤ۔ ورنہ دوسرے بھائیوں کو اگر خبر ہو گئی تو تمہیں یہ درہم بھی حصے میں نہ آسکے گا"۔

محترمہ چونگی۔ (ٹوکرے کو ٹھوکر لگا کر) اس میں کیا ہے؟

چوڑی فروش۔ پہلے تو چوڑیاں تھیں مگر اب کچھ نہیں۔

مسافر۔ (قلی سے) بستر بچا کر رکھنا، گاڑی کی چھت سے پانی ٹپک رہا ہے۔

قلی۔ جی آپ گھبرائیے نہیں۔ یہ تو مٹی کا تیل ہے۔

رشید۔ دیکھیے میرا ذکر پھر اخبار میں آیا ہے۔

بشیر۔ ذرا پڑھیے تو۔

رشید۔ اس میں لکھا ہے کہ ہند کی کل آبادی چالیس کروڑ ہے۔ اور ان میں ایک میں بھی ہُوں۔

جارج برنارڈ شا ایک ریستوران میں کھانا کھا رہے تھے۔ بینڈ کی شوریدہ سُروں سے عاجز آکر انہوں نے ویٹر کو بلایا اور پوچھا کیا یہ بینڈ والے کوئی فرمائشی چیز بھی بجا سکتے ہیں۔ اس نے جواب دیا، جی ہاں ضرور ضرور۔ برنارڈ شا نے کہا، اچھا تو میری طرف سے انہیں عرض کر دیجیے کہ اب وہ صرف بغلیں بجائیں۔

باپ۔ بیٹا! آج تم مکتب نہیں گئے؟

بیٹا۔ آپ ہی نے کہا تھا کہ بغیر سبق یاد کیے مکتب جانا بیکار ہے۔

ماں۔ اصغر! رات کو میں نے اس الماری میں دو بسکٹ رکھے تھے، ایک کیسے رہ گیا؟

اصغر۔ اماں! رات کو اندھیرا تھا، دوسرا بسکٹ مجھے نظر نہ آیا۔

شوہر۔ تم سے تو رشید ملازم کی بیوی زیادہ دلکش اور حسین ہے۔
بیوی۔ اور کیا رشید آپ سے زیادہ دلکش اور حسین نہیں؟
ڈاکٹر۔ تمہارا مرض خطرناک ہے۔ تم کو فوراً بحری سفر اختیار کرنا چاہیئے۔
مریض۔ مگر میں تو جہاز کا کپتان ہوں اور کل ہی جہاز سے اُترا ہوں۔
پولیس انسپکٹر۔ (سپاہی سے) تم نے چور کو کیوں نہیں پکڑا؟
پولیس مین۔ جناب وہ ایسے کمرے میں گھس گیا جس کے دروازے پر لکھا تھا "بغیر اجازت اندر آنا منع ہے"۔
پولیس مین۔ تم اس دکان کے تالے کے ساتھ کیا کر رہے ہو۔
مشتبہ شخص۔ جناب مجھ کو یہ کنجی ایک جگہ سے پڑی ہوئی ملی ہے۔ اب میں اس کو تمام دکانوں کو لگا کر دیکھتا ہوں تاکہ جس کسی کی ملکیت ہو اُسے دے دی جائے۔
اُستاد۔ اگر تمہارا والد تمہاری والدہ دس روپے دے اور پھر پانچ واپس لے لے تو باقی کیا رہ جائے گا؟
بچہ۔ پانچ روپے اور لڑائی۔
ایک لڑکے نے اپنے باپ کو خط لکھا کہ میں اب اُردو میں بہت "کابل" ہو گیا ہوں۔ باپ نے جواب میں لکھا، "بیٹا کابل سے واپسی کے بعد مجھے دوسرا خط لکھ دینا"۔
مریض۔ آپ کی توجہ سے میں تندرست ہو ہی گیا۔
ڈاکٹر۔ (کسرِ نفسی کرتے ہوئے) بچانے والا تو وہی حکیم مطلق ہے، میری کیا ہستی ہے۔
مریض۔ لیکن اس قدر تسلیم کر لینے کے باوجود بھی آپ مجھ سے معاوضہ کے طالب ہیں۔
بیوی۔ کیا وجہ ہے کہ جب کبھی میں گانے لگتی ہوں، آپ باہر جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔
خاوند۔ تاکہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ میں تمہیں مار رہا ہوں۔
ایک بخیل رئیس کا خانساماں ماہواری حساب آقا کے سامنے لایا۔ جس میں چار آنے بلی کے راتب کی بابت درج تھے۔ بخیل نے کہا "اگر گھر میں چوہے موجود ہیں تو راتب کی ضرورت نہیں اور اگر چوہے نہیں تو بلی کی ضرورت نہیں"۔
باپ۔ رشید! بلی کی دُم مت کھینچو۔
رشید۔ مَیں نے تو دُم صرف پکڑ لی ہے، کھینچ تو وہ خود رہی ہے۔
ایک عورت۔ (سہیلی سے) میں نے سُنا ہے کہ تمہارے خاوند نے تمباکو یک دم ترک کر دی ہے۔ اس کے لیے تو انہیں بڑی مضبوط قوت ارادی سے کام لینا ہوگا۔
سہیلی۔ اور وہ بڑی مضبوط قوتِ ارادی مَیں ہوں۔
ایک شخص نے قبرستان میں ایک قبر پر کتبہ دیکھا "ایک وکیل و دیانتدار آدمی"۔ اس نے سر کو کھجایا اور مکرّر، سہ کرّر اس کتبے کو پڑھا اور بول اُٹھا "مجھے تعجب ہے کہ کس طرح دو شخص ایک قبر میں دفن کر دیئے گئے۔ (یعنی وکیل دیانتدار

نہیں ہو سکتا"۔

تعلیم یافتہ: دوست! کیا آپ تشریف لے چلے ہیں؟

ناخواندہ۔ (گھبرا کر) نہیں صاحب! میں نے یہاں سے کچھ بھی نہیں لیا۔

حکیم۔ کل تو تم نے کھانا اشتہا سے کھایا ہوگا؟

ناخواندہ مریض۔ نہیں جناب صرف چٹنی سے روٹی کھائی تھی۔

ماں۔ بیٹا! اچھے لڑکوں کی طرح کہا مانو اور سانس روک کر دوا پی لو۔ ورنہ ہم خفا ہو جائیں گے۔ بتاؤ تمہیں کیا منظور ہے؟

بیٹا۔ (سوچ کر) اچھا تو آپ خفا ہی ہو جائیے۔

باپ۔ ننھے! اس طرح کتاب کیوں پھاڑ رہا ہے۔

بیٹا۔ ابّا جان اور کیسے پھاڑوں؟

دوست۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں تمہاری شادی میں شریک نہ ہو سکا۔

امیر دوست۔ (جس کی چوتھی شادی ہوئی ہے) کچھ مضائقہ نہیں آئندہ سہی۔

ڈاکٹر۔ (معمار سے) رحیم! تم چونا بہت لگا رہے ہو۔ چونے کا بھلا ہو جو تمہارے عیب چھپائے جاتا ہے۔

معمار۔ جس طرح قبر بہت سے ڈاکٹروں کے عیب چھپا لیتی ہے۔

مجسٹریٹ۔ (جیب کترے سے) تم نے اس آدمی کی جیب سے بٹوا کس طرح نکال لیا کہ اُسے پتہ نہ لگا۔

ملزم۔ (غرور سے سر اٹھا کر) حضور اس علم کے سکھانے کی فیس پانچ سو روپے ہے۔

شوہر۔ تم نے لڑکی سے تو کہہ دیا ہوگا کہ اگر وہ ہماری بلا مرضی شادی کرے گی تو اسے ایک پیسہ بھی نہ دیا جائے گا۔

بیوی۔ لڑکی سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے اس لڑکے سے کہہ دیا تھا اور اسی دن سے وہ پھر نہیں آیا۔

مسز سمتھ۔ اچھا اگر مہمان مجھ سے گانے کی فرمائش کریں تو میں کیا کروں؟

مسٹر سمتھ۔ کرنا کیا ہے، تم گانا سنا دینا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ انہیں خود اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

مجسٹریٹ۔ غالباً یہ بیسویں دفعہ ہوگی کہ تم میرے سامنے پیش ہوئے ہو۔

ملزم۔ حضور! اس میں میرا کیا قصور کہ آپ کی تبدیلی نہیں ہوتی۔

رفاہِ عام کے ایک جلسہ کے اختتام پر صدر جلسہ نے اپنی ٹوپی ایک خاتون کو دی تاکہ حاضرین سے چندہ جمع کرے۔ خاتون ٹوپی لے کر مجمع میں کافی دیر گھوم پھر کر واپس آئیں۔ اور خالی ٹوپی صدر جلسہ کو واپس کر دی۔ صدر جلسہ نے خالی ٹوپی دیکھ کر دونوں ہاتھ اُٹھائے اور مائیکروفون پہ یوں شکریہ ادا کیا۔ خداوندا تیرا شکر ہے کہ میری ٹوپی صحیح سلامت میرے پاس واپس آگئی۔

اُستاد۔ رشید! تم بتلاؤ اس نقشہ میں امریکہ کہاں ہے؟

رشید۔ (انگلی رکھ کر) یہ ہے جناب۔
اُستاد۔ اچھا حمید! تم بتلاؤ امریکہ کو کس نے دریافت کیا؟
حمید۔ رشید نے جناب۔

ایک امیر کے احاطۂ دولت سرا میں ایک گدھے نے آکر چلانا شروع کیا۔ امیر نے حکم دیا، اس کو فوراً نکال دو۔ ایک ہمنشین ظریف نے بے ساختہ کہا "دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند"۔

جج۔ لیکن اس بات کا کیا ثبوت کہ یہ واقعہ ۱۵ تاریخ ہی کو گزرا۔
گواہ۔ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس سے ایک روز قبل ۱۴ تاریخ تھی اور ایک روز بعد ۱۶۔

ڈاکٹر۔ یہ دوا پی کر تم بچے کی طرح سو جاؤ گے۔
مریض۔ کیا اس سے آپ کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اپنے بچے کی طرح سو جاؤں گا، جو رات کو دس دس دفعہ اُٹھ کر روتا ہے۔

بیٹا۔ میں حیران ہوں کہ میں دانتوں کا ڈاکٹر بنوں یا کانوں کا؟
باپ۔ میرے خیال میں دانتوں کی ڈاکٹری بہتر ہے۔ کیونکہ ہر شخص کے دانت بتیس ہوتے ہیں اور کان صرف دو۔

وکیل۔ مگر جرح میں تم مطلق نہیں گھبرائے۔ تجربہ کار معلوم ہوتے ہو۔
مؤکل۔ تجربہ کار؟ خدا کے فضل سے چھ بچوں کا باپ ہوں۔

اُستاد۔ افضل! تمہارا جواب مضمون بہت اچھا ہے۔ مگر نقطہ بلفظ ارشد کے جوابِ مضمون سے ملتا جلتا ہے۔ اس سے میں کیا نتیجہ نکالوں؟
افضل۔ یہی کہ ارشد کا جواب مضمون بھی بہت اچھا ہے۔

کالے خاں۔ تو میاں شبراتی کا انتقال ہو گیا اور ہاں کیا اُنہوں نے کچھ جائداد بھی چھوڑی ہے؟
بھورے خاں۔ میرے خیال تو کوئی جائداد نہیں چھوڑی۔ ان کے لڑکے آپس میں بے حد متحد نظر آتے ہیں۔

الف۔ مَیں ایک جادوگر کو جانتا ہوں جو دیکھتے دیکھتے ہاتھوں میں سے روپیہ غائب کر دیتا ہے۔
ب۔ اس چابک دستی کے لیے جادوگر ہونا ضروری نہیں میری بیوی یہی کام نہایت عمدگی سے کرتی ہے۔ حالانکہ وہ جادوگر نہیں۔

مسافر۔ میرا بل تیرہ شلنگ کا ہونا چاہیے چودہ شلنگ کیسے؟
ملازم ہوٹل۔ حضور تیرہ کا عدد منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ آپ کے ڈر کے مارے میں نے ایک کا اضافہ کر دیا۔

گاؤں کی پنچایت میں قبرستان کے گرد چار دیواری بنائے جانے کا مسئلہ درپیش تھا۔ کئی آدمیوں نے تعمیر کی تائید میں تقریریں کیں۔ آخر میں ایک شخص نے کہا "صاحبو! باہر والا کوئی آدمی قبرستان کے اندر نہیں جاتا۔ اندر کے مُردے باہر نہیں آسکتے۔ لہٰذا یہ سراسر اسراف ہے۔"

باوری - تمہاری امّی جان نے یہ جو آٹھ سیب بھیجے ہیں، میں ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے تمہارے گھر آؤں گا۔
لڑکا - آپ کی تشریف آوری باعثِ برکت ہوگی لیکن شکریہ بارہ سیبوں کا ادا کیجیے گا۔
آفیسر - تم روز روز مجھے تنگ کرتے ہو۔ ابھی کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔ جاؤ دس سال کے بعد آنا۔ شاید کوئی جگہ خالی ہو جائے۔
امیدوار - حضور! وقت کی بھی تشریح فرما دیں، صبح کو آؤں یا شام کو۔
میزبان - (مہمان لڑکے سے)، ہاں ہاں کچھ سموسے اور کھاؤ۔
مہمان لڑکا - جناب! اب تو شکم پُر ہو گیا ہے۔
میزبان - تو کچھ جیب میں ڈال لو۔ راستے میں کھا لینا۔
مہمان لڑکا - جیبیں بھی پُر ہیں جناب ہیں۔
سیاح خاوند - میں تمہارے لیے افریقہ سے ایک بندر لایا تھا مگر وہ راستے میں ہی چھوٹ کر بھاگ گیا۔
بیوی - چلو وہ نہ سہی تم تو آگئے۔
مجسٹریٹ - تمہارا وکیل کہاں ہے؟
ملزم - حضور جب وکیلوں کو معلوم ہوا کہ میں نے کوئی چیز نہیں چرائی ہے تو کوئی وکیل میری پیروی کے لیے تیار نہ ہوا۔
ایک مفت خورے نے اپنے کسی واقف کو کچھ کھاتے دیکھا۔ پوچھا "کیا کھا رہے ہو؟" اس نے آزردگی سے جواب دیا "زہر"۔ مفت خورے نے فوراً اپنا ہاتھ طشت میں ڈال دیا اور یہ کہہ کر کھانے لگ گیا کہ تمہارے بعد ہمیں بھی جینا حرام ہے۔
اُستاد - تمہارا کیا نام ہے؟
نیا طالب علم - ہنری سمتھ۔
اُستاد - بچے تمہیں استاد سے بات کرنے سے پہلے سَر یا جناب کہنا چاہیے۔ اب بتاؤ تمہارا کیا نام ہے؟
نیا طالب علم - "سر" ہنری سمتھ۔
ماں - بیٹا آگے مت جاؤ، وہاں پانی زیادہ گہرا ہے۔
بچہ - اماں! میں وہاں جانا چاہتا ہوں جہاں ابا تیر رہے ہیں۔
ماں - نہیں بیٹا! اُن کی زندگی کا تو بیمہ ہو چکا ہے۔
چھوٹی لڑکی گرجا گھر میں چلا چلا کر دعا مانگنے لگی "اے خدا مجھے اچھی سی گڑیا دلا دے، مجھے ایک بائیسکل لا دے"۔ بڑی بہن نے ڈانٹا "آہستہ بولو خدا بہرہ نہیں ہے"۔ لڑکی نے کہا "مگر ابا جان تو بہرے ہیں"۔
بیوی - (از راہ محبت)، اگر میں کتاب ہوتی تو ہر وقت تمہاری نظروں میں رہتی۔

خاوندِ مطالعہ پسند۔ کاش! تم جنتری ہوتیں تاکہ میں ہر سال بدلا کرتا۔

استاد۔ تم نے آج بالوں میں کنگھی کیوں نہیں کی؟

لڑکا۔ میری کنگھی کھو گئی۔

اُستاد۔ اپنے والد کی کنگھی لے لی ہوتی۔

لڑکا۔ ان کے سر پہ بال ہی نہیں۔

آفیسر۔ (امیدوار سے انٹرویو کرتے وقت) کیا تمہارے کوئی غریب رشتہ دار ہیں؟

امیدوار۔ جی ہوں گے، لیکن میں انھیں نہیں جانتا۔

آفیسر۔ کیا کوئی امیر رشتہ دار؟

امیدوار۔ جی ہوں گے لیکن وہ مجھے نہیں جانتے۔

منیجر۔ آج خزانچی کہاں ہے؟

کلرک۔ گھوڑ دوڑ میں گئے ہیں۔

منیجر۔ (حیرت سے) دفتر کے وقت میں؟

کلرک۔ جی ہاں! آج حساب پورا کرنے کے لیے آخری موقع ہے۔

مجسٹریٹ۔ کیا تم جانتے ہو کہ اگر تم جھوٹ بولے تو اس جھوٹے حلف پر خدا تمہیں کیا سزا دے گا؟

گنوار۔ ہاں سرکار! دوزخ میں جھونکا جاؤں گا۔

مجسٹریٹ۔ اور اگر تم سچ بولے۔

گنوار۔ تو مقدمہ ہار جاؤں گا۔

اُستاد۔ پاجامہ واحد ہے یا جمع؟

شاگرد۔ اُوپر سے واحد۔ نیچے سے جمع۔

بڑا بھائی۔ خدا جانے آج اُسترے کو کیا ہو گیا ہے۔ بالکل نہیں چلتا۔

چھوٹا بھائی۔ تو کیا آپ کے بال پنسل سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ پنسل تو بڑے مزے سے بن گئی تھی۔

ایک۔ گداگر کسی امیرزادی کی محبت میں دن رات آوارہ و سرگرداں پھرتا رہتا۔ لوگوں نے اس کو کہا کہ کیوں ایک ناممکن الحصول معاملہ کے لیے اپنی عمرِ عزیز برباد کر رہا ہے۔ اس نے کہا "نصف معاملہ تو طے پا چکا ہے۔ باقی نصف بھی طے ہو جائے گا۔ یعنی میں رضامند ہوں اور وہ رضامند نہیں۔

اُستاد۔ کل تم حاضری لگوا کر سکول سے کیوں بھاگ گئے تھے؟

چھوٹا لڑکا۔ جناب! یہ الزام" سراسر غلط ہے۔ میں ہرگز نہیں بھاگا بلکہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔

لڑکا۔ (والدہ سے) امّاں جان! کیا مجھے کوئی ایسا کام کرنا چاہیے کہ جس کے نتیجے میں مجھے مارا پیٹا جائے۔

والدہ۔ بیٹا! تمہیں ہرگز ہرگز ایسا کام نہ کرنا چاہیے۔
لڑکا۔ تو میں آج سے سکول نہ جایا کروں گا۔ وہاں مجھے ہر روز مار پڑتی ہے۔
ایک رئیس نے سائیس نوکر رکھا اور کام کی تفصیل اس طرح پیش کی "تم کو گھوڑا ملنا، دانہ دلنا۔ دانہ کھلانا۔ نھان صاف کرنا۔ گھاس کھود کر لانا۔ کمرے صاف کرنا۔ گھوڑا کسنا۔ سواری کے ساتھ چلنا۔ دو وقت کھانا پکانا تین وقت چائے تیار کرنا۔ بستر بچھانا، رات کو پاؤں دبانا۔ بازار سے سودے خرید کر لانا جنگل سے لکڑیاں لانا برتن وغیرہ دھونا۔ ان کے علاوہ حسب ضرورت سب کام کرنے ہوں گے۔" سائیس نے پوچھا "حضور کے یہاں قریب کوئی میدان بھی ہے۔" رئیس نے کہا "وہ کیوں"؟ سائیس نے کہا "اس لیے کہ فرصت کافی ہوگی، فالتو وقت میں اینٹیں بھی بنایا کروں گا۔"
چچی۔ کیوں ننھے! تم نے حروفِ تہجی یاد کر لیے؟
ننھا۔ جی ہاں۔
چچی۔ بھلا بتاؤ تو الف کے بعد کونسا حرف آتا ہے؟
ننھا۔ باقی سب حروف الف کے بعد ہی آتے ہیں۔
باپ۔ کیوں بیٹا تم نے جمع کا قاعدہ سیکھ لیا ہے، بھلا بتاؤ تو بیس میں اور کتنے ملائیں کہ پچیس ہو جائیں؟
بیٹا۔ ابا جان! بس اُتنے ہی اور ملانے چاہئیں، جتنے ملانے سے پچیس ہو جائیں۔
مریض۔ ڈاکٹر صاحب! مجھے یہ گولیاں کس وقت کھانی چاہئیں۔
ڈاکٹر۔ بس حسبِ معمول دو دفعہ۔ سونے کے بعد اور جاگنے سے پہلے۔
وکیل۔ میں تمہارا مقدمہ لینے کو تیار ہوں لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہارے پاس کچھ رقم بھی ہے؟
مؤکل۔ جناب نقد تو میرے پاس کچھ نہیں۔ البتہ ایک قیمتی سنہری گھڑی اور بہت بڑھیا فونٹین پن ہے۔
وکیل۔ چلو خیر اسی سے کام چل جائے گا۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارے پر کیا الزام ہے؟
مؤکل۔ بس جناب! "صرف" اسی گھڑی اور پین کی چوری کا۔
افضل کو کسی شرارت پر اس کے ابا نے خوب پیٹا۔ بے چارہ رو دھو کر اپنی ماں کے پاس جا بیٹھا اور کہنے لگا۔
اماں جان! کیا یہ سچ ہے کہ حضرت آدمؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے؟
ماں۔ ہاں بیٹا خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بغیر باپ کے پیدا کیا تھا۔ مگر کیوں تم کس لیے پوچھتے ہو؟
افضل۔ میں سوچتا تھا کہ وہ بڑے خوش قسمت تھے جو باپ کی مار سے بچ گئے۔
ماں۔ تمہیں کس موئے نے مارا ہے؟
لڑکا۔ ابا جان نے۔
آقا۔ (نوکر کے سیڑھیوں پر سے گرنے کی آواز سن کر) اے جمن کہاں گر پڑا کیا چیز توڑ دی؟

نوکر۔ (کراہتے ہوئے) جی حضور میں سیڑھیوں پر سے گر پڑا، ہائے میری ٹانگ ٹوٹ گئی۔
آقا۔ خیر جو کچھ بھی تم نے توڑا ہے، تمہاری تنخواہ سے وضع کیا جائے گا۔
کسی مطلوب مفرور آدمی کے ایک مکان میں شب باش ہونے کی اطلاع پر پولیس پہنچی۔ افسر تفتیش نے معلومہ مکان پر پہنچ کر دستک دی۔ مالکِ مکان باہر نکلا۔
پولیس آفیسر۔ کل رات اس مکان میں کون کون اشخاص سوئے تھے؟
مالک مکان۔ حضور کل رات ہمارے گھر میں ایک آدمی بھی نہیں سویا۔ میری بیوی تو دردِ قولنج کے مارے شب بھر تڑپتی رہی۔ میرے لڑکے کو گرپسوں کھیلتے ہوئے پاؤں پر سخت چوٹ آئی تھی، تمام رات درد سے کراہتا رہا۔ لڑکی کی آنکھیں دکھتی تھیں، ساری رات آنکھوں میں بسر کی۔ میرے خسر عابدِ شب بیدار ہیں، تمام رات عبادت میں گزار دی۔ اور مجھے تو ہمیشہ سے بے خوابی کی شکایت ہے، کروٹیں بدلتے صبح ہو جاتی ہے۔
سیّاح۔ (ملاح سے) میں دریا میں نہانا چاہتا ہوں کیا اس میں بڑی مچھلیاں تو نہیں۔
ملّاح۔ آپ اطمینان سے نہایئے بڑی چھوٹی تمام مچھلیوں کو مگرمچھ ختم کر چکے ہیں۔
مریض۔ ڈاکٹر صاحب میرے ساتھ کچھ رعایت کیجیے۔ میں بہت غریب آدمی ہوں۔ ممکن ہے کبھی میں بھی آپ کی کوئی خدمت کر سکوں۔
ڈاکٹر۔ تم کیا کام کرتے ہو؟
مریض۔ جی میں گورکن ہوں۔
ماں۔ (چھوٹی بچی سے، جو پہلے دن ہی سکول گئی تھی) بیٹی حمیدہ! آج تم نے سکول میں کچھ سیکھا؟
حمیدہ۔ نہیں امّاں! آج تو کچھ نہیں سیکھا، کل شاید پھر جانا پڑے۔
مینیجر ہوٹل۔ ذرا باہر تشریف لا کر قوس وقزح کا دلفریب نظارہ دیکھیے۔
مسافر۔ اس کے لیے تو زائد رقم طلب نہیں کیجیے گا؟
بچہ۔ (ٹیلیفون پر) آج میرا لڑکا بیمار ہے، وہ مدرسے نہیں آ سکتا۔
ماسٹر۔ (آواز پہچان کر) اور یہ ٹیلیفون پر کون بول رہا ہے؟
بچہ۔ (گھبرا کر) ماسٹر صاحب! ٹیلیفون پر میرے باپ بول رہے ہیں۔
ایک وکیل نے اپنے بچے کو جھوٹ بولنے کے جرم میں سزا دی۔ بچہ دیر تک روتا رہا۔ جب رو چکا تو اس نے اپنے باپ سے پوچھا، ابا جان! یہ تو بتاؤ کہ جھوٹ بولنے پر مجھے کب تک سزا ملا کرے گی۔ اور میں اس قابل کس دن ہوں گا کہ آپ کی طرح جھوٹ بولنے پر مجھے روپیہ ملے۔
باپ۔ بیٹا رشید! کمرے میں جا کر دیکھنا کلاک چل رہا ہے یا نہیں۔
رشید۔ ابا جان! کلاک چل تو نہیں رہا۔ کھڑا دم ہلا رہا ہے۔

ایک شخص کا گدھا مسجد میں چلا آیا۔ مالک بھی تلاش کرتا ہوُا وہاں آپہنچا۔ دیکھا تو مُلّا صاحب گدھے کو مار رہے ہیں، بولا "کیوں مارتے ہو؟ گدھا تھا چلا آیا کبھی ہم بھی تمہاری مسجد میں آئے ہیں"؟

فقیر۔ بابو جی! مجھے ایک روپیہ دیجیے۔ میں آنکھوں سے اندھا ہوں۔

بابو۔ لیکن ایک آنکھ تو تمہاری بالکل ٹھیک ہے۔

فقیر۔ پھر آپ آٹھ آنے ہی دے دیں۔

ایک نئے تعلیم یافتہ جنہوں نے تھوڑی بہت سائنس سے واقفیت حاصل کی تھی اور اپنے آپ کو بڑا سائنس دان خیال کرتے تھے، چلے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک دیوار پہ گوبر کے چھوٹے چھوٹے اُپلے لگے ہوئے تھے۔ آپ وہاں کھڑے ہو کر سوچنے لگے۔ اتنے میں ان کا ایک دوست بھی آنکلا اور پوچھنے لگا "فلاسفر صاحب کیا سوچتے ہو"؟ فلاسفر بولا "میں یہ سوچتا ہوں کہ اس دیوار پر بھینس نے کس طرح چڑھ کر گوبر کیا ہوگا"؟ دوست بہت ہنسا اور سلام کر کے چل دیا۔

اظہر۔ (پرداد اسے) دادا صاحب کیا آپ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بیٹھے تھے؟

پردادا۔ نہیں بیٹا۔

اظہر۔ تو پھر آپ کیسے بچ گئے۔

ایک نئی دلہن کی سسرال میں، بچہ پیدا ہونے کی مدت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی، دُلہن جو چند روز کی شادی شدہ تھی، بولی، ہمارے ہاں تو چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ساس نے کہا، ساری دنیا میں تو نو ماہ کے بعد پیدا ہوتا ہے دلہن نے کہا اب کی دفعہ تو میں اپنے ہی خاندان کی رسم ادا کروں گی، دوسری دفعہ دیکھی جائے گی۔

استاد۔ لڑکو! تم جانتے ہو، بے موقع بارش کسے کہتے ہیں؟

ایک لڑکا۔ جو سنیچر کی شام کو ہو۔

ایک سانڈنی سوار جا رہا تھا۔ راستہ میں سانڈنی کی مُہار ٹوٹ گئی اور وہ بے تحاشا بھاگی۔ اس بدحواسی میں سوار کے ایک دوست نے پوچھا "بھائی ایسی جلدی، کہاں کا ارادہ ہے"؟ سوار بولا جہاں سانڈنی کی مرضی۔

ایک فلسفی شجاعت کی تعریف کر رہا تھا۔ ایک سپاہی اُسے سُن کر ہنس پڑا۔ دوسرا شخص جب اس کی ہنسی پر خفا ہوُا تو سپاہی نے کہا "یہ بیانِ شجاعت میں نے ابابیل کی زبانی سنا ہے اگر باز سے سنتا تو ہرگز نہ ہنستا۔

اشرف۔ کیا آپ نے مقدمہ کے متعلق دونوں وکیلوں کی رائے لی۔ کیا دونوں کی رائے ایک ہی تھی؟

رشید۔ ہاں جناب! دونوں نے فیس کے پچاس پچاس روپے ہی طلب کیے۔

تار بابو کی بیوی فضول بکواس سے تھکے ہوئے شوہر کا دماغ پریشان کر رہی تھی۔ شوہر خاموش تھا۔ بیوی نے جھلا کر پوچھا۔ آخر تم بولتے کیوں نہیں"؟ میاں نے سر کھجا کر جواب دیا "میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر تم اپنے میکے مجھے اتنے لفظوں کا تار دیتیں، تو تمہارے باپ کو ۲۷۵ روپے ۱۲ آنے صرف کرنے پڑتے"۔

مالک مکان - تمام مزدور بارہ بارہ اینٹیں لاتے ہیں لیکن تم صرف چھ اینٹیں لاتے ہو؟

مزدور - جی یہ تمام کے تمام کام چور اور حرام خور ہیں - دوسرا پھیرا لانے سے جی چراتے ہیں۔

الف - تمہارے مُنہ پر بال اُگ آئے ہیں - ایسے نوجوان ہو کر پھر بھی ایک چور سے تم ڈر گئے۔

ب - جناب! میرے مُنہ پر بال اُگے ہیں پستول نہیں اُگے کہ میں چور کا مقابلہ کر سکتا۔

شریف آدمی - تم نے قمیص تو گم کر دی اور دُھلائی کی اُجرت بھی طلب کرتے ہو۔

دھوبی - جناب وہ اِستری کرنے کے بعد گم ہو گئی تھی۔

ایک مقروض نے سُنا کہ "وقت روپیہ ہے"۔ وہ اپنے قرضخواہ کے پاس جس کا اس نے ایک ہزار روپیہ دینا تھا، گیا اور پوچھنے لگا "جناب سال جمع کئے جائیں تو ایک ہزار روپیہ بنتا ہے؟

آقا - (نئے سائیس سے) نہیں اس طرح نہیں ہونے کا - کیا مجھے بیوقوف سمجھتے ہو؟

سائیس - میں اس امر میں کچھ نہیں کہہ سکتا - کیوں کہ کل ہی یہاں آیا ہوں۔

ارشد - آپ سحری تو ہر روز باقاعدہ کھاتے ہیں لیکن روزہ کبھی نہیں رکھتے۔

دوست - سبحان اللہ - ایک تو میں روزہ نہیں رکھتا دوسرے اگر سحری بھی نہ کھاؤں تو بالکل کافر ہی ہو جاؤں

ادبِ ہندی

علم و حرکت حاصل کرو خواہ ملکِ چین جانا پڑے۔ }
خراب اجزا نکال کر صاف صاف حاصل کرتے جاؤ } احادیثِ پاک

مالی آوت دیکھ کلیاں کریں پکار
(" آتا " " " " ")
مت ستائے غریب کو بُری غریب کی آہ
(" " " " " " ")
جھُوٹے سُکھ کو سُکھ کہیں مانت ہیں مَن موَد
(" آرام " " " مانتے دل کی خوشی
دھولے دھولے سب بھلے دھولے بھلے نہ کیش
(سفید " " اچھے سفید اچھے " بال
رام نام کے کارنے سب دھن ڈالا کھوئے
گوڑھی لالی دیکھ کے پھُول گمان بھئے
گہری سرخی " " " مغرور ہوئے

پھُولے پھُولے چُن لیے کال ہماری بار
کھِلے کھِلے " " کل " ")
موئے بکرے کی کھال سے لوہا بھسم ہو جاہ
مُردہ " " " " " گل جاتا ہے)
جگت چبینا کال کا کچھ مُکھ میں کچھ گود
دُنیا ناشتہ موت " مُنہ " " ")
تریا ڈرے نہ رپ مَرے نہ آور کرے نریش
بیوی " " دشمن " قدر " حکومت)
مُورکھ جانے گر پڑا دِن دن دُونا ہوئے)
کتنے جہان میں لگ لگ سُوکھ گئے
" " " " " " "

پینا چاہے پریم رس رکھنا چاہے مان
(" " جامِ محبتِ خدا " " تکبر
دین گنوایا دنیا سیتی دُنیا چلی نہ ساتھ
(" چھوڑا " کے لیے " " " "
نیڑے ہے پرسوجھے نہیں لعنت ایسی زند
(نزدیک " لیکن نظر " آتا " " زندگی
سر راکھے سر جات ہے سر کاٹے سَر ہوئے
(سر رکھنے سے سر جاتا ہے سر کٹانے سے فتح ہوتی ہے
آج کل کے بیچ میں جنگل ہوئے گا باس
(" " " " " " ہوگا قیام
ہاڈ جلیں جوں لاکڑی کیس جلیں جوں گھاس
ہڈیاں " جیسے لکڑی بال " جیسے "
دوش پرایا دیکھ کے چلے ہنست ہنست
(گناہ غیر کا " " " ہنس ہنس کر
تِنکا کبھوں نہ نندئیے جو پاؤں تلے ہو
(تنکے کی کبھی برائی نہ کیجیے " " کے نیچے ہو
سانچ بِن سمرن نہیں بھَے بِن بھگتی نہ ہوئے
(سچ بغیر یادِ خدا " خوف بغیر عبادت نہ ہو
ایسی بانی بولیے جو من کا آپا کھوئے
(" بات " " " خودی "
جہاں دیا تہاں دھرم ہے جہاں لوبھ تہاں پاپ
(" کرم وہاں ایمان " " لالچ وہاں گناہ ہے
شبد برابر دھن نہیں جو کوئی جانے بول
نیک بات سے زیادہ دولت نہیں " "
جیوں نینن میں پوتلی تیوں خالق گھٹ ماہیں
(جیسے آنکھوں " پُتلی ویسے خدا دل میں ہے
جیوں تِل ماہیں تیل ہے جیوں چقمق میں آگ
جیسے " میں " " جیسے چقماق "

ایک میان میں دو کھڑگ دیکھا سنا نہ کان
(" " " تلوار " " " "
پیڑ کلہاڑا مار یو غافل اپنے ہاتھ
(" " " " " " ")
تُلسی اس سنسار کو بھیا موتیا بند
(" " جہان " ہوا " "
جیسے باتی دیپ کی کٹے اُجالا ہوئے
(" بتی چراغ کی کٹنے سے زیادہ روشنی ہوتی ہے)
اُوپر اُوپر ہل پھریں ڈھور چریں گے گھاس
(" " " " حیوانات " ")
سب جگ جلتا دیکھ کے بھئے کبیر اُداس
(" دُنیا جلتی " " ہُوئے " ")
اپنا یاد نہ آوتا جا کا آد نہ انت
(" " " آتا جس کا حد نہ شمار نہ آخر)
کبھو اُڑ آنکھوں پڑے پیڑ گھنیری ہو
(کبھی " " " درد بہت ہو
پارس میں پردہ رہے کنچن کس بدھ ہوئے
(پتھر جو سونا بناتا ہے سونا کس طرح سے ہو)
اَورن کو سیتل کرے اور آپا سیتل ہوئے
(اوروں " ٹھنڈا " " خود ٹھنڈا ")
جہاں کرودھ تہاں کال ہے جہاں چھما تہاں آپ
(" غصہ وہاں موت " " خاکساری وہاں آپ ہے)
ہیرا تو دامون ملے شبد کا مول نہ تول
(" قیمت سے " نیک بات " " ")
مُورکھ لوگ نہ جان ہیں باہر ڈھونڈن جائیں
(بیوقوف " نہیں جانتے " ڈھونڈنے ")
تیرا پریتم تجھ میں بَسے جاگ سکے تو جاگ
(" محبوب " " " " " "

ست بچن، او سنتا، پر تریا مات سمان
(سچ بولنا، صبر کرنا، غیر عورت کو ماں سمجھنا
کام کرودھ موہ لوبھ کی جب لگ من میں کھان
(شہوت، غضب، محبت، لالچ کی جب تک دل میں کان ہے
بیکھ دا کو دیکھیے، جا کو سیکھ سہائے
(نصیحت اس کو دینی چاہیے جو نصیحت کا اہل ہو
پڑھ پڑھ کے سب جگ مُوا پنڈت بھیا نہ کوئے
(تعلیم حاصل کرکے سب جہان مرا عالم ہُوا نہ کوئی
جیوت ماٹی ہو رہو سیائیں سنمکھ ہوئے
(جیتے جی مٹی بنے رہو خدا راضی ہوگا
من میلا تن اُجلا بگلا کا سا بھیکھ
(" " " " " " بھیس
پریم برابر جوگ نہیں پریم برابر گیان
(محبت خدا ترکِ دنیا " " نہ معرفت
جن کھوجا تن پائیا یار برہم گھٹ ماہیں
(جس نے ڈھونڈا اس نے پایا محبوب حقیقی دل میں ہے
مالا پھیرت جُگ بھیا پھرا نہ من کا پھیر
(تسبیح پھیرتے مدت ہوئی " " دل " "
مالا تو کر میں پھرے جیبھ پھرے مکھ ماہیں
(تسبیح تو ہاتھ میں پھرے زبان پھرے مُنہ میں
پانی کا سا بلبلا اس مانس کی جات
(" کے بلبلے کی مانند اس انسان کی اصلیت ہے
کبیرا انت مر جائیں گے کوئی نہ لے گا نام
(" آخر " " " " " "
سوکن سے سُولی بھلی جو ترت نکالے جی
(" " پھانسی اچھی " فوراً نکال لے جان
آج کہے میں کال جپوں گا کال کہے پھر کال
" کل عبادت کروں گا کل " " کل

تا ہُو پر نہ ہر ملیں تو تُلسی داس ضمان
تس پر بھی نہ خدا ملے " " " ضامن ہے
تُلسی پنڈت مُورکھا دونوں ایک سمان
(" عالم اور بیوقوف " " جیسے ہیں)
سیکھ نہ دیجیے بندراں جو بیّے کا گھر ڈھائے
(نصیحت نہ دیجیے بندروں کو " " اجاڑ دے
ڈھائی اَکھر پریم کا پڑھے سو پنڈت ہوئے
(" حروف محبت کے جو " وہ عارف ہو جائے)
دادو پہلے مر رہو پیچھے مرے سب کوئے
(" " " " " " " کوئی)
توہ سے کاگا بھلا جو باہر بھیتر ایک
(تجھ " کوّا اچھا " " اور اندر ایک سا ہے)
پریم بھگتی بن سادھوا سب کچھ تھوتھا جان
(سچی عبادت بغیر " " خالی ")
یہ جگ بورا ہو رہا جو ات اُت ڈھونڈن جائیں
(" جہان سودائی ہے " اِدھر اُدھر ڈھونڈنے جاتے ہیں)
کر کا منکا ڈار کر تو من کا منکا پھیر
(ہاتھ کا " ڈال " دل " " ")
منواں تو دہ دس پھرے یہ تو سمرن ناہیں
(نفس تو چاروں طرف پھرے " یادِ خدا نہیں ہوتی)
دیکھت ہی چھپ جائیں گے جیوں تارا پربھات
(دیکھتے " " " جیسے ستارا صبح کا)
اُجڑ جا بسائیں گے چھوڑ بستا گام
(اُجاڑ " " " آباد گاؤں)
سُولی سے سوکن بُری جو آدھ بٹائے پی
(پھانسی " " " آدھا لے شوہر)
آج کال ہی کرت ہے او سر جاسی چال
(" کل " کرتا ہوا بھول جائے گا)

کال کرے سو آج کر آج کرے سو اب

(کل " " " " " " " "

آسن مارے کیا ہُوا مری نہ من کی آس

(معتکف ہونے سے " " " دل کی خواہشات

بڑا ہُوا تو کیا ہُوا جیسے بڑی کھجور

پتّا ٹوٹا ڈال سے لے گئی پَوَن اُڑائے

(" " " " " " ہَوَا "

لینے کو ست نام ہے دینے کو اَن دان

(" " خدا کا " " " خیرات

اِندرین کے بس میں مَن رَہے مَن کے بس ہے بدھ

(خواہشات " " " دل " دل " " عقل

اُت سے کوئی نہ آئیا جا سے پوچھوں دھائے

(اُدھر " " " " جس " " جا کر

جا کارن جگ ڈھونڈیا سو تو گھٹ ہی بانْھ

(جس کے لیے جہاں ڈھونڈا سو وہ تو دل ہی میں ہے

دُرلبھ مانش جنم ہے دیہہ نہ بارم بار

(نایاب انسانی زندگی ہے دیا نہ جائے کا بار با

بہت پسارا مت کرو کر تھوڑے کی آس

اُونچے پانی نہ ٹکے نیچے ہیں ٹھہرائے

مَن کے مارے بَن گئے بن تج بستی مانْھ

(نفس کے مارے جنگل گئے جنگل کو ترک کر کے بستی میں گئے

کنچن تجنا سہج ہے سہج تریا کا نیھ

(خالص سونا ترک کرنا آسان ہے آسان ہے عورت کی محبت

مایا تجی تو کیا ہُوا مان تجا نہیں جائے

(دولت ترک کی تو کیا ہُوا تکبر ترک نہ ہو سکے

بات نہ چھانڈے اپنی سیس جائے تو جائے

(" " چھوڑے " سر " " "

پَل میں پرلے ہوئے سی پھیر کرے گا کب

" " قیامت " " " " "

تیلی کا رے بیل جیئوں گھر ہی کوس پچاس

" " " " " جیسے " "

پنچھی کو چھایا نہیں پھل لاگے اتنی دُور

اَب کے بچھڑے نہ ملیں دُور پڑیں گے جائے

" " جُدا ہوئے " " " ")

تِرنے کو ہے دینتا ڈوبن کو ابھمان

تیرنے کے لیے خیرات ڈوبنے کو تکبر)

کہو دھیان کیسے لگے ایسا جہاں پَرودھ

" یاد خدا کی " ہو سکے جہاں ایسے اسباب فساد ہوں)

اِت سے ست کوئی جات ہے بھار لدے لدائے

اِدھر " " " جاتا " " " "

پردہ ڈار بھرم کا تا سے سُوجھے نانْھ

" ڈال " اس لیے " نہ)

تر در سوں تّپا جھڑے پھر نہیں لاگے ڈار

درخت سے " " " " لگتا ڈالی سے)

بہت پسارا جِن کیا وہ بھی گئے اُداس

نیچا ہو سو بھر پیٔے اُونچ پیاسا جائے

کہیں کبیر کیا کیجیے یہ مَن بوجھے نانْھ

" " " " دل سمجھے نہیں)

مان بڑائی ایرشا دُرلبھ تجنی ایہہ

تکبر، بڑائی، لالچ نایاب ہے ترک کرنا یہ)

مان ورگے بڑے منی مان سبھی کو کھائے

تکبر نے ورغلائے بڑے بزرگ تکبر سب کو کھائے)

بات گئی تو سب گیا پھر کیا کرے اُپائے

" " " " " " " " تدبیر)

چلنا ہے رہنا نہیں چلنا بسوئے بیس

(" " " " " سو فی صد

بُرا جو دیکھن مَیں چلا بُرا نہ دیکھا کوئے

مُوہ مہا سُکھ رُوپ ہے تاہ کو مار نکار

(محبتِ دُنیا سخت تکلیف دِہ ہے اس کو مار نکال

کبیر مَن مِرتک بھیا دُربل بھیا سَریر

(" دل مردہ ہُوا ناطاقت ہُوا جسم

ڈھیاں جنوائی لے گئے بہُوواں لے گئیں پُوت

(بیٹیاں داماد " " " " "

موتی اُپجے سیپ میں سیپ سمندر مانھ

(" پیدا ہو " "اور " " ہیں

آپ سے ملے دُودھ برابر مانگ ملے سو پانی

(" " " " " " " " " "

کبیر مَر مَر بچ رہا کوئی نہ بُوجھے سار

(" " " " " " سمجھے حقیقت

مَیں پتی ورتا پیو کی کبھو نہ ہُوا اکاج

(" شوہر پرست " " " " بُرا کام

جل جیوں پیارا ماچھلی لوبھی پیارا دام

(پانی جیسے پیارا ہے مچھلی کو لالچی کو پیارا ہے روپیہ

کبیر کاہے گربھیا کال گہے کر سیس

(" کیوں غرور کرتا ہے موت پکڑے ہاتھ اور سر

کیا گیا ہم آئے کے کیا کریں گے جائے

سُولی اُوپر گھر کیا وِش کا کیا اہار

(پھانسی کے اُوپر گھر کیا زہر کا بنایا کھانا

یہ جگ کوٹھی آگ کی چھوندس لاگے آگ

(" دُنیا " " " چھوتے ہی آگ لگ جاتی ہے

کھری کسوٹی رام کی جھوٹا ٹکے نہ کوئے

(" " " " " " " " " "

سنجو تنگ سہاگ پر گیا گندھاوے سیس

(" تھوڑے سے " " " " سر)

جو دل کھوجا اپنا مجھ سے بُرا نہ کوئے

پریت جگت کی چھوڑ دے تب ہووے نِربار

(محبتِ دنیا " ترک کر " ہوگا سبکدوش)

پاچھے لاگے ہری پھریں کہیں کبیر کبیر

(پیچھے لگے پرماتما " " " " ")

تریا جوبن لے گئی رہے اُوت کے اُوت

(عورت حسن " " "بیوقوف کے بیوقوف)

مرجیوا کوئی کاڈھے دُوجا کو کَم نانھ

(جانباز ہی " نکالے دوسرے کا کام نہیں)

کہے نانک رکت برابر جس میں کھینچا تانی

(" " خون " " " " " ")

وہ تو ہری کا داس ہے موت رہی تھک ہار

(" " خدا " بندہ " " " " ")

پتی ورتا نانگی رہے تو دا ہی پتی کی لاج

(شوہر پرست ننگی " " وُہی خاوند " شرم)

ماتا پیارا بالکا بھگتی پیاری رام

(ماں کو پیارا ہے لڑکا عبادت پیاری ہے خدا کو)

نہ جانی کت مارسی کیا گھر کیا پردیس

(نہ جانے کہاں مارے گی گھر میں یا پردیس میں)

اِت کے بھئے نہ اُت کے چالے مُول گنوائے

کال بچاوہ کیا کرے آٹھ پہر ہوشیار

(موت بچاری " " " " " " " رہ

بھیتر رہے تو جل مرے سادھو پرے تو بھاگ

(اندر " " " " " " " " ")

رام کسوٹی سوٹکے جیوتک مِرتک ہوئے

(" " " " زندہ ہی مردہ ہو جائے

چمپا تجھ تین گُن رُوپ رس اور باس
ہنس ہنس کوئی نہ پائیا جن پایا تن روئے
پتی ورتا کو سُکھ گھنا جا کے پتی ہے ایک
(شوہر پرست کو آرام بہت ہے جس کا شوہر ایک ہے
پتی ورتا وبھچارنی ایک مندر میں باس
(شوہر پرست اور بدکار کا ایک ہی مندر میں قیام ہے
پرناری پینی چھُری مت کوئی کرے پرسنگ
(پرائی عورت خفیہ چھری ہے نہ پیدا کرے کوئی تعلق)
اُتّم جن سے ملت ہی اوگن بھی گن ہوئے
(نیک انسان ,, ملتے ہی عیب ,, ار ,, ہُنر مند ,,
جاہی سے کچھ پائیے کریئے تاہ کی آس
(جس ,, ,, ,, ,, ,, ,, اس کی اُمید
سُمرن سے من لائیے جیسے دیپ پتنگ
(یاد خدا سے دل لگائیے ,, چراغ سے پروانہ
بانبی کوٹیں باورے سرپ نہ مارا جائے
(یعنی جسم کو تکلیف دیں بیوقوف سانپ یعنی نفس نہ مارا جائے
نینوں اندر آؤ تو نین جھانپ ہی لُوں
(آنکھوں کے اندر آؤ تو آنکھیں بند ہی کر لُوں
فریدا خالق خلق میں خلق بسے رب ماںھ
(,, خدا مخلوق ,, ,, ,, ,, ,, اندر
تُلسی اپنے رام کو بھجو ریجھ یا کھیج
(,, ,, خدا ,, یاد کرو شوق سے یا تنگ ہو کر
کبیر کلجگ کٹھن ہے سادھ نہ مانے کوئے
(,, زمانہ حال مشکل ,, فقیر کو نہیں مانتے کوئی
جو کچھ کیا سو تیں کیا میں کیا کچھ ناںھ
,, ,, ,, تو نے ,, ,, نے ,, ,, نہیں
آنکھ ناک مُنہ ڈھانپ کے نام نرنجن لے
,, ,, ,, ,, ,, خدا ,,

اَوگن تجھ میں ایک ہے بھنور نہ بیٹھے پاس
ہنسی خوشی جوہری ملیں کون وہاگن ہوئے
مَن میلی وبھچارنی جا کے کھسم انیک
(,, ,, بدکار جس ,, شوہر بہت ہیں)
یہ رنگ راتی پیو کی وہ گھر گھر پھرے اُداس
(,, تو سرخرو خاوند سے ,, ,, ,, ,,)
دس مستک راون گئے پرناری کے سنگ
(دس سروں والا راون مر گیا پرائی عورت کے ساتھ)
گھن سنگت کھاری اُودی ملے برسو میٹھو ہوئے
(بادل ساتھ کھارا سمندر ,, برسنے پر میٹھا ,,)
ریتے سرور پڑ گئے کیسے بجھت ہے پیاس
(خشک تالاب ,, ,, بجھتی ,, ,,)
پران تجے پل ایک میں جلت نہ موڑے انگ
(جان دے دے ,, ,, جلتے وقت ,, ,, جسم)
مُورکھ بانبی نہ ڈسے سرپ سبھن کو کھائے
(احمق ,, ,, ,, سانپ سب کو ,,)
ناہیں دیکھوں اور کو نہ تو ہے دیکھن دُوں
(نہ تو خود ,, ,, ,, ,, تجھ کو دیکھنے ,,)
مَندا کس کو آکھیے جاں تجھ بن کوئی ناںھ
(برُا ,, ,, کہا جائے جب تجھ بغیر ,, نہیں)
بھوم پڑے سب اُپجیں گے اُلٹے سیدھے بیج
(زمین میں ,, ,, اُگ آئیں گے ,, ,, ,,)
کامی کرودھی، مسخرا تن کا اور ہوئے
(زانی غصہ ور ,, ان کا اَور بھگت ہوتا ہے)
تجھ بن میں نے کیا کیا تو بھی تھا مجھ ماںھ
(,, ,, ,, ,, ,, ,, ,, میرے اندر
اندر کے پٹ جد کھُلیں جد باہر کے پٹ دے
(,, دروازے جب ,, جب ,, ,, بند ہوں

مونڈ منڈائے کیا ہُوا جو کیتا گھوٹم گھوٹ
(سر منڈائے " ہوتا ہے " چار ابرو کا صفایا کیا
مرنے پیچھے مست ملو کہے کبیرا رام
(" " مت " " " اے خدا
رام نام سے گستے بھلے جو ٹپ ٹپ ٹپکے چام
(خدا کا نام لینے والے کوڑھی اچھے جن کے ٹپکے چمڑے سے پیپ
تُلسی رَن میں جُھوجھنا گھڑی ایک کا کام
(" میدان جنگ میں لڑنا ایک ساعت " " ہے
ہری کا پربت بھیو اور چیونٹی نکسی آئے
" پہاڑ " " نکلی "
جہاں رہے گن ونت نرتاہ کی شوبھا ہوت
" ہنرمند انسان اس کی عزت ہوتی ہے
دُشٹ رہے جاہ ٹھار پرتاہ کی کرے بگار
(بدسرشت " جس جگہ " اس " " بگاڑ
جیسی کرنی دیو ویسی اُپجے بدھ
(جیسا کرنا خدا کو منظور ہو ویسی ہی عقل ہو جاتی ہے
سدا نہ پھُولیں توریاں اور سدا نہ ساون ہوئے
(ہمیشہ " " " " " "
ندی ناؤ کا بیٹھنا پلک ایک کی پریت
(دریا میں کشتی پر " ایک ساعت کی محبت ہے
دو جیوں میں کانٹھ بندھے جب ہو مَن کا میل
" دلوں " " " " "
رام نام کی لُوٹ ہے لُوٹی جائے سو لُوٹ
(" " " " " " "
ہم دیکھیں جگ جات ہے جگ دیکھے ہم جائیں
ہم دیکھتے ہیں دُنیا جاتی ہے دُنیا دیکھے گی ہم جائیں گے
جنک سُستا جسرتھ بہو رام چندر بر تین
راجہ جنک کی بیٹی جسرتھ کی بہو راجہ رام چندر نے بیاہی

منوا تو مونڈا نہیں جس کا سگرا کھوٹ
نفس کو تو " " " سارا فساد ہے)
لوہا مائی ہو گیا پھر پارس کس کام
" مٹی " " " " ")
دلدوں کنچن دیہہ کو کہ جس مکھ ناہیں رام
نثار کر دوں سنہری جسم کو جس مُنہ میں نہیں یاد خدا)
نت اُٹھ مَن سے جھوجھنا بن کھانڈے سنگرام
ہر روز اُٹھ نفس سے جنگ کرنا بغیر تلوار جہاد و جنگ ہے)
اُن مکھ اپنا بھر لیو پربت کا کیا جائے
" مُنہ " " لیا پہاڑ " " ")
جہاں دھرے دیپک تہاں نشچہ کرے ادوت
" رکھا جائے چراغ وہاں لازماً " روشنی)
آگی جہاں ہی راکھیے جاری کرت ہے چھار
آگ " " جلا کر کر دیتی ہے راکھ)
ہون ہار ہردے بسے بسر جات سُدھ
ہونے والی دل میں بس جاتی ہے بھول جاتی ہے ہوش)
سدا نہ جوبن تھر رہے اور سدا نہ جیوے کوئے
ہمیشہ حُسن قائم " ہمیشہ " زندہ رہے کوئی)
پل میں جات ہیں ہی جگت کی ریت
" جُدا ہو جاتے " دُنیا کا طریقہ ہے)
یا تو کھیلو انت تک یا مت کھیلو یہ کھیل
" " آخر " " " ")
انت کال آئے گا پران جائیں گے چھوٹ
آخر موت " گی جان نکل جائے گی)
ہم تو بیٹھے راہ پر کس کس کو پچتائیں
ہم خود بر سر راہ بیٹھے ہیں کس کس کا افسوس کریں)
سو بار جا بشسٹ نے کرم لیکھ نہ کہہ دین
رسوم شادی بشسٹ نے کیں مگر کوئی صاحب باطن تقدیر نہ

لاکھ سیاں پٹ کو ز بدھ کر دیکھو سب کوئی
(" سہیلی ہر قسم کی تدبیر کر دیکھو "

راتا ماتا سب کہیں راتا بھیا نہ کوئے
(سرخ سرخ " " سرخ ہُوا " کوئی

بڑے بھیئے دُکھ بہت ہے چھوٹے بھیئے دکھ دُور
(بڑا ہونے سے " " " ہونے سے " "

بھیکا بھُوکا کوئی نہیں ہر گٹھڑی میں لال
(" " " " " " " "

جاگن سے سو دن بھلا جو کوئی جانے سوئے
جاگنے " سونا اچھا " " " سونا

جنم مرن دکھ یاد کر کوڑے کام نوار
(پیدائش موت کی تکلیف یاد کر جھوٹے کام ترک کر

مَن کے مَتے نہ چالیے مَن کے متے انیک
(نفس کے کہنے نہ چلیے نفس کی خواہشات بیشمار

گرو چیلا لالچی دونوں کھیلیں دا
(" " " " داؤں

گوری سووے سیج پر مُکھ پر ڈالے کیس
چل خسروؒ گھر اپنے سانجھ بھئی پردیس

جہاں کام تہاں نام نہیں جہاں نام نہیں کام
(جہاں شہوت وہاں یادِ خدا نہیں جہاں یادِ خدا ہو نہیں شہوت

چھوٹی موٹی کامنی سب ہی بس کی بیل
(" " عورت " " زہر "

سوارتھ کا سب کوئی سگا سارا ہی جگ جان
بخت موافق " " " " " "

کانٹھ میں ہوئے سو ہاتھ کر، ہاتھ ہوئے سو دے
(" " " " " " "

رام کسی کو نہیں مارتے وہ ہیں موٹے رام

اَن ہونی ہوئی نہیں ہونی ہو سو ہوئی
ناشُدنی شُدنی " " " " " ")

راتا سو کو جانیے جاہ تن رکت نہ ہوئے
سُرخ اسی کو جانو جس کے جسم میں خون نہ ہو)

تارے سب نیارے رہیں گہن چاند اور سُور
ستارے " علیحدہ " " " " سُورج)

گرہ کھول پرکھو ناہیں اس بدھ بھیئے کنگال
" " کر جانچو نہیں " وجہ سے ہوئے مُفلس)

اَنتر لو لاگی رہے سہج ہی سُمرن ہوئے
اندر یاد لگی " تو آسانی ہی سے یادِ خدا ہو جائے

رجن جن پنتھوں چالنا سوئی پنتھ سوار
" " راستوں پر چلنا ہے وہی راستہ درست کر)

جو مَن پر اسوار ہیں سو سادھو کوئی ایک
"نفس " " " " " " ")

گرُو خدمت مانگتا چیلا مانگے راہ)
" " " " " آزادی)

بوقتِ نزع حضرت امیر خسروؒ نے فراقِ محبوب میں یہ دوہا کہا۔

دونوں کبھی ناہیں ملیں ربی رجنی اِک ٹھام
" " نہیں ملتے سُورج رات ایک جگہ)

بَیری مارے داؤ سے یہ مارے ہنس کھیل
دشمن " " " " " " ")

بن سوارتھ آدر کرے سوئی سَنت سُجان
بدبختی میں آؤ بھگت " وہی فقیر بے نظیر ہے)

آگے ہاٹ نہ بانیا لینا ہوئے سو لے
" دکان " دکاندار " ")

آپ ہی مر جائیں گے کر کے کھوٹے کام

جاکو راکھے سائیاں مار نہ سکے کوئے
(جس کو رکھے خدا اس کو ،، ،، کوئی
کتھا کیرتن چھوڑ کر کرے جو اور اوپائے
(ذکر خدا بندگی ،، ،، ،، ،، ،، تدبیر
مارگ چلتے جو گرے تاکو ناہیں دوش
راستہ ،، ،، ،، اس ،، نہیں الزام گناہ
سُرت کرو میری سائیاں ہم ہیں بھوجل مانجھ
(دستگیری ،، ،، خدایا ،، ،، گھرے پانی میں
اَوگن تو بہت کیے کرت نہ لاگی بار
(گناہ ،، ،، ،، کرتے ،، لگی دیر
کبیرؔ سنگت سادھ کی صاحب آویں یاد
(،، صحبت فقیر ،، خدا آوے ،،
بھگتی پران سے ہوت ہے من دے کیجے بھاؤ
(عبادت رُوح سے ہوتی ہے دل دے کر کرو محبّت
پریم بھاؤ اک چاہیے بھیکھ انیک بنائے
(محبت سلوک ایک چاہیے خواہ بھیس بیشمار بنالو
چھوجیں گے تب کہیں گے اب کچھ کہا نہ جائے
(لڑیں گے ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،،
دھن اور گنبد جو کھیل کا دوؤ کا اک سبھائے
(دولت ،، ،، ،، دونوں کی ایک عادت ہے
دَھن اور جوبن کا گربھ کبھُو کریئے ناہیں
(دولت ،، حسن ،، غرور کبھی ،، نہیں
مایا ٹھگنی بھئی ٹھگت پھرے سب دیش
(دولت تو ٹھگنی ٹھہری ٹھگتی پھرے ،، جہان
بِنا بچارے جو کرے سو پاچھے پچھتائے
(بغیر سوچے ،، ،، ،، بعد میں ،، ،،
جاکی گانٹھی نام ہے تاکے ہیں سب سِدھ
(جس کی گرہ میں یاد خدا ہے تس کو میسر ہیں سب نعمتیں

بال نہ بانکا کر سکے جو جگ بَیری ہوئے
(،، ،، ٹیڑھا ،، ،، خواہ تمام زمانہ دشمن ہوجائے)
کہیں کبیرؔ اس سادھ کے پاس کوئی مت جائے
(،، ،، ،، درویش ،، ،، ،، ،، ،، جائے)
کہیں کبیرؔ جو چلے نا۔ تاہ سر کوڑے کوش
(،، ،، چلتا نہیں اس کے سر سخت منزل کالے کوس ہیں)
آپ ہی بہ جائیں گے جو نہ پکڑو بانھہ
(،، ،، ،، ،، ،، ،، ،،)
بھاوے بندہ بخشیے چاہے گردن مار
(خواہ ،، ،، ،، ،، ،،)
لیکھے میں سوئی گھڑی باقی کے دن باد
(حساب ،، وہی ،، ،، ،، برباد)
پرمارتھ پر تیت میں یہ تن جاؤ تو جاؤ
(نیک راستے کی آزمائش میں اگر یہ جسم جائے تو جائے)
چاہے گھر میں باس کر چاہے بَن میں جائے
(،، ،، قیام کرو خواہ جنگل ،، جاؤ)
بھیڑ پڑے من مسخرا لڑے کہ دھوں بھگ جائے
(مصیبت ،، ،، ،، ،، فوراً بھاگ جائے)
گرہیں آوت چھنک میں چھن میں کر سے جائے
(ہاتھ ،، آئے پل ،، پل ،، ہاتھ ،، ،،)
دیکھت ہی مِٹ جاوت ہیں جوں بادر کی چھائیں
(دیکھتے ،، جاتے ،، جیسے بادل ،، چھاؤں)
جا ٹھگ نے ٹھگنی ٹھگی تا ٹھگ کو آدیس
(جس ،، ،، ،، ،، اس ،، مبارک ہے ہم)
کام بگاڑے اپنا جگ میں ہوت ہنسائے
(،، ،، دُنیا ،، ہوتی ہے ہنسی)
کر جوڑے ٹھاڑے سبھی آٹھ سِدھ نو نِدھ
(ہاتھ جوڑے کھڑے سب ہی خوش قسمتی کے بانسے)

قولی داؤد دعویٰ دُور کر نردعویٰ دن کاٹ
(" " " بغیر " " ")
جواب: داؤد دعویٰ دُور نہیں دعویٰ جُوں کا توُں
چھوٹے گھر کو گھر کہیں سانچے گھر کو گور
گورو۔ گوبند دونوں کھڑے کس کے لاگوں پائے
(مُرشد۔ خدا " " " " پڑوں پاؤں
جاکی پونجی سانس ہے چھن آوے چھن جائے
جس " " دم " پل میں آئے پل میں جائے
بہت گئی تھوڑی رہی پل پل بیتی جائے
تلسی نَر کا کیا بڑا سمے بڑی بلوان
(" مرد " " وقت بڑا طاقتور
یہ تن وِش کی بیلری گورو امرت کی کھان
(یہ جسم زہر " بیل ہے مرشد آبِ حیات کا چشمہ ہے
مکھی بیٹھی شہد پر پنکھ گئے لپٹائے
سوچ سمجھ کر پگ دھر واتی ٹیڑھی ہے راہ
(" " پاؤں رکھو سخت " "
مایا کے دو رُوپ ہیں پرگٹ بھاؤ اُبھاؤ
(دولت کی دو شکلیں ہیں ظاہرا محبت و نفرت
من گُن دو اُو بسیں من کا کیا وشواش
(دل میں نیکی بدی دونوں بستے ہیں دل کا کیا اعتبار ہے
تن مٹکی من دہی سرت بلووَن ہار
(جسم " دل " تفکر بلونے والا
ٹھاکر پتھر۔ مالا لکڑ تیرتھ ہیں سب پانی
(بُت " تسبیح لکڑی دریا " " "
خوب پرکھ کی دیکھ کبیرا یہ مُردوں کا گاؤں
پیر پیغمبر مرگئے ، مرگئے جنگم جوگی
اُوجل پنچھ ادھین گت ایک اُچک چرن دو دھیان
(اُجلے پر مسکین صورت " پاؤں " مکر و حیلہ

کیتی سوداگر گئے بیس پنساری ہاٹ
(کتنے ہی " " " اس " کی دُکان)
جو تو ہوتا نر دعویٰ چیلے مونڈتا کیوں
ہم چلے گھر اپنے لوگ مچاویں شور
ملہاری گوروا اپنے جن گوبند دیئے بتلائے
(قربان مُرشد " " خدا " ")
تا کو ایسا چاہیے رہے نام کو لائے
(اس کو " " یادِ خدا میں لگا شوق
دو گھڑی کے کارنے کاہے کلنگ لگائے
اُبھی گوپیاں لُٹ گئیں وہی ارجن وہی بان
(گھڑی " " " " " تیر)
سیس دیے جو گورو ملیں تو بھی سستا جان
(سر " " مُرشد " " " ")
ہاتھ ملے اور سر دُھنے لالچ بُری بلائے
بِنا بویک وِچار کے کبھی نہ ہو نر واہ
(بغیر کافی غور و فکر " " نبھاؤ
بھاؤ پھنساوے جال میں دکھ پروہے اُبھاؤ
(محبت " " " پیدا کرے نفرت)
کبھی مَن راجہ بنے۔ کبھی سیوک داس
(" دل " " خدمتگار فرمانبردار)
کبیرا ماکھن کھا گیو چھاچھ پیے سنسار
(" مکھن " گیا " زمانہ بھر)
راما کرشنا مرگئے۔ چاروں وید کہانی
(" " " " ")
اس میں جُگ بھر کوئی نہ جیا کس کا لیجے ناؤں
راج کرنتے راجہ مرگئے، مرگئے بید اور روگی
یُں جانا کوئی سنت جن بڑی کپٹ کی کھان
(نے " " درویش مرد۔ بری سیاہ دلی کی کان)

چندا مَرے سُورج مَرے مَرے برن اَکاسا
(چاند " " " " زمین آسمان)
بِراما مَرگئے کرشنا مرگئے مرگیئی لکھو باٹی
(" " " " " فاحشہ)
جاکی جیسی سبھاؤ جائے نہ جی سے
(جس " " عادت " " " " ")
عِلّی ہوکے دَھرے دھیان گھر بِستی ہوکے کتھے گیان
(نشہ باز " " مراقبۂ فکر، خانہ دار " " وعظ کرے)
نیچ اُتم پرکرت سے کیا کرے کُسنگ
(رذیل، شریف کی صحبت سے کیا کرسکے برائی)
ایکن کو دیت پھراتے کے ایکن کو بیٹھے دیت ہے
(ایکوں " دیتا " " ایکوں " " دیتا ہے)
ست گُور ایسا چاہیے جو صقلی گرسا ہو
(مرشدِ حقیقی " " " " " ")
ہم باشی اس دیس کے جہاں الکھ پُرکھ کا کھیل
ہم باشی اس دیس کے جہاں ذات برن کل ناتھ
(" باشندے " ملک " " قومیت خاندان نہیں)
تُلسی بھروسے رام کے رہو کھاٹ پر سوئے
(" " خدا " " چارپائی " ")
بھاویں سمجھ مسخری بھاویں سمجھ گیان
(چاہے " " چاہیے " معرفت)
صاحب میرا گھر آکھنی روٹی دے
(مالک " بے نیاز آدھی " ")
حکمے اندر سارے بندے باہر حکم نہ کوئے
(حکمِ خدا میں " " " " سے نہ کوئی)
پار کہیں تو پار ہے وار کہیں تو وار
پاس کہوں تو پاس ہے دُور کہوں تو دُور

چودہ طبق پانی میں ڈوبیں ان کی چھوڑو آسا
(" " " " " " " " آس)
اس کو سادھو کیوں نہیں پوچھو جس کو موت نہ آئی
(" " " " " ")
نیم نہ میٹھی ہو سینچے گُڑ گھی سے
(" " " " " " ")
جوگی ہو کے کوٹے بھگ۔ کہیں کبیر یہ تینوں ٹھگ
(" " " اندام نہانی " " " ")
کچھ چنن لاگی نہیں جو لپٹے رہے بھجنگ
(زہر صندل کو لگتی " " " سانپ)
ایکن کو مانگے نہ دیت۔ ایکن کو دیت نہ لیت ہے
(ایکوں " " دیتا۔ ایکوں کو دیتا نہ لیتا ہے)
جنم جنم کے مورچے پل میں دیوے کھو
(" " " زنگار " " " ")
دیوا بلے اگم کا بن باتی بن تیل
شبد مِلاوا ہوت ہے وہیہ ملاوا ناتھ
(گفتگوئے حق کا مِلنا ہوتا ہے جسم کا ملنا نہیں)
اَن ہونی ہوتی نہیں ہونی ہو سو ہوئے
(نہ ہونے والی " " " " ")
ایہی دیہی سُتھر یا رام کرشن بھگوان
(اسی جسم میں " " " خدا)
جو میں مانگوں ثابت روٹی کھنی بھی کھوہ لے
(" " " " آدھی " چھین لے)
نانک حکمے جو بوجھے تو "ہیں" نہ آکھے کوئے
(جو حکمِ خدا کو سمجھے " " کہے کوئی)
پکڑ کنارا بیٹھ رہ نہیں وار نہیں پار
جان اجان جہان میں سب میں ہے بھرپور

کر کانپے لیکھن ڈِگے اور رُوم رُوم تھرّائے
(ہاتھ " قلم گرے " " " ")
پیتم پتیاں جب لکھوں جب تم ہو بدیس
(محبوب چٹھیاں " " " " پردیس
راجہ دکھیا پَرجا دُکھیا جوگی کو دُکھ دُونا رے
(" " رعایا " " " ")
سَت گورو پیرا شُورما کرے شبد کی چوٹ
(مرشدِ برحق " " معرفت " "
پریم گلی میں گھُل گیو جوُں نیر میں لوُن
(محبت کی گلی " گیا جیسے پانی " نمک
نین چھپائے نہ چھپیں پٹ گھونگٹ کی اوٹ
پریم کہانی بِس بھری مَت سُنیو کوئی آئے
(داستانِ محبّت زہر " " " " "
گیان دھیان سب اُٹھ گیو سبھا بھئی سب سُن
(معرفت خدا " " گیا مجلس ہوئی " خاموش
مانش سوئی جانیے کرے مَنش کا کاج
(انسان اسی کو سمجھے جو کرے انسان کا کام خدمت
بھوساگر اتی کٹھن ہے اُٹھتی لہر ہزار
(بحرِ عالم سخت دشوار " " " "
جو کوئی آپ کو جانیا تو سب سے جانیا جان
(جس کسی نے اپنے آپ کو جانا تو سمجھو اس نے سب کچھ جان لیا
سُکھیا سب سنسار ہے کھاوت ہے اور سوئے
راحت میں سب دُنیا ہے کھاتے اور سوتے ہیں
جِن ڈھونڈیا تِن پائیا گہرے پانی پَیٹھ
جس نے ڈھونڈا اس نے پالیا گہرے پانی میں
دیہہ کھنیہ ہو جائے گی پھر کون کہے گا دیہہ
جسم راکھ " " گا " " " دے

سُدھ آوے چھاتی پھٹے جو پاتی لکھی نہ جائے
ہوش " " " چھٹی " " ")
تَن میں مَن میں نَین میں تِن کو کیا سندیس
" " " آنکھوں " اُن " پیغام)
کہت کبیرؔ سنو بھئی سادھو کوئی مندر نہیں سُونا رے
" " " " " " " خالی ")
مارے گولہ پریم کا ڈھیٹے بھرم کا کوٹ
" محبتِ خدا گر جائے وہم و شک کا قلعہ)
لوُن گلا پانی بھیا پنتھ بتاوے کوَن
نمک " " ہُوا اصلیّت " ")
چتر نار اور سُورما کریں لاکھ میں چوٹ
باتوں باتوں بِس چڑھے دیکھت ہی ڈس جائے
" " زہر " دیکھتے " " ")
اُونچ نیچ اَنتر نہیں نہیں پاپ نہیں پُن
" فرق " " گناہ " ثواب)
مانش سیوا کے لیے کبھی نہ آوے لاج
خدمتِ خلق " " " " ہو عار
جب لگ دَیا نہ ہو تیری کیونکر اُتریں پار
" تک رحم " " تیرا کیسے اُتر سکتے ہیں پار)
جو یہ ایک نہ جونیا سب ہی جان اُجان
جس نے یہ ایک بات نہ جانی تو سمجھو وہ سب سے بے خبر ہے)
دُکھیا داس کبیرؔ ہے جاگ ہے اور روئے
مصیبت میں خادم کبیرؔ ہے جاگتا ہے " روتا ہے)
میں بچاری ڈھونڈن چلی رہی کنارے بیٹھ
" " ڈھونے " " " ")
نِشچے کر اُپکار ہی جیون کا پھل ایہہ
ضرور کر نیک کام ہی زندگی " ہے یہ)

دھن دیے نہ دھن گھٹے ندی نہ گھٹے نیر
(دولت خیرات دیے نہ 〃 〃سے 〃 〃 پانی

بھونرا رے پردیسیا ہم پوچھت ہیں توئے
(〃 〃 〃 〃 پوچھتے 〃 تجھ سے

دکھیوں کے مکھ پیلڑے سار نہ جانے کوئے
(غمزدوں کے منہ پیلے ہوتے ہیں خبر 〃 〃 کوئی

دکھ میں ہر کو ہر کوئی بھجے سکھ میں بھجے نہ کوئے
مصیبت 〃 خدا کو 〃 ایک پوجے راحت میں پوجے نہیں کوئی

ہل ہل کھیلوں شبد میں انتر رہی نہ ریکھ
(〃 〃 〃 〃 〃 اندر 〃 〃 〃

کھایا جائے سو کھا گئے دیا جائے سو دیہہ
(〃 〃 〃 کھالے 〃 〃 〃 دے

سب آئے اس ایک میں ڈال پت پھل پھول
(〃 〃 〃 〃 〃 ٹہنی پتے 〃 〃

دولت میں دو لتاں تلسی نسچہ چین
(دولت کی دو عاتیں ہیں 〃 یقین کر

کھرک، کھشی، کھون، کھانسی، پریت اور مدپان
(خارش - خوشی - قتل - کھانسی، محبت اور پان پیک

باڑ لگائی کھیت کو - باڑ کھیت کو کھائے
(〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

گھاس پھونس جو کھاوت ہیں ان کو ستاوے کام
〃 〃 کھانے والے حیوانات کو ستاتی ہے شہوت

قول: من اور موتی دودھ کا تن کا یہ سبھاؤ
دل 〃 〃 اور 〃 ان تینوں کی یہ عادت ہے

ٹوٹے جو اب سو ملیں کل کندن جا کی ریت
(یہ پھوٹے 〃 〃 خالص سونا جن کی اصل ہو

سیدھی انگلی گھی نہیں نکلے ٹیڑھی کرد تو آوے

اپنی آنکھوں دیکھ لو یوں کتھ کہیں کبیر
(〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

سب تن تیرا کالڑا یہ مکھ کیوں پیلا ہوئے
〃 جسم 〃 کالا ہے 〃 منہ 〃 〃 〃

ہمرا بھید سو جانہے جو ہم سا دکھیا ہوئے
ہمارا 〃 وہی جانے 〃 〃 〃 〃 〃

جو کوئی سکھ میں ہر بھجے تو دکھ کاہے کو ہوئے
〃 〃 راحت 〃 یاد خدا کرے تو مصیبت کیوں ہو

سمجھے کا مت ایک ہے کیا پنڈت کیا شیخ
〃 مذہب 〃 〃 〃 〃 〃 〃

ان دونوں میں سے جو بچے اس کو جانو کھیہ
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 راکھ)

اب پیچھے کہو کیا رہا جب کہ پکڑا مول
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 پکڑلی جڑ)

آوت نو اندھا کرے جات کرن ست ہین
جب آئے تو اندھا کرے جائے تو کر دیتی ہے بیوقوف)

یہ سب داب نہ دہیں جانے سکل جہان
〃 〃 چھپائے 〃 چھپیں 〃 تمام دنیا)

راجہ ہو چوری کرے نیاؤ کون چکائے
〃 〃 〃 〃 〃 انصاف 〃 〃)

سیر کن جو کھاوت ہیں ان کی راکھے دام
〃 اناج 〃 کھائے 〃 کو بچا سکے خدا ہی)

ٹوٹے پھوٹے نہ ملیں لاکھوں کرو اپاؤ
〃 〃 〃 〃 〃 〃 تدبیر)

کنچن ٹوٹا نہ ملے یہی نیچ کی پریت
کانچ 〃 〃 〃 کمینے کی محبت ہے)

ٹیڑھا تو سکھ چین اڑا دے سیدھا کھرا اچھا وے

بگلا ہنسا رُوپ ایک بھِن بھِن سو بھاوے
(ر ہنس کی شکل " ہے جُدا جُدا عادت ہے
سانچے کوئی نہ پتیجے جھوٹے سب پتیائے
(ر سچ بولنے سے کوئی اعتبار نہ کرے جھوٹے کا اعتبار کریں
تو مت جانے باورے بن کرتا یہ سنسار
(تو یہ مت سمجھ اے بیوقوف بغیر مکافاتِ عمل کے یہ جہان ہے
کرم ملیں اور پھل ملیں دھر دھر اپنا روپ
(اعمال " " " " " "
چھوڑ بیٹھے نہ ہمت بساریئے نہ ہرنام
(" " " بھولیے " خدا کا نام
تُلسی پَر گھر جائیے دُکھ نہ کہیے روئے
(" پرائے " " " " روکر
یہ کتا دَر دَر پھرے اور دَر دَر دُور دُور ہوئے
کہر موتچھ، بھجنگ من، سُورے شرن پیاں
(شیر مونچھ کو، سانپ منکے کو، سُورما اپنے پناہ گزین کو
جا مرنے سے جگ ڈرے میرے من آنند
(جس موت " دُنیا ڈرتی ہے " دل کو خوشی ہے
کہاں جنمے، کہاں پلے، کہاں لڈائے لاڈ
(" پیدا ہوئے " پرورش پائی " "
چِٹی چادر اُتار دے پہن لے کالی لوئی
کبیر چھُدا کو گری کرت بھجن میں بھنگ
(" نفس بھوکا کتا کرتا ہے عبادت میں خلل
دھن دے جی راکھیے، جی دے رکھیے لاج
دولت دے کر جان بچائیے جان دے کر رکھیے عزت قائم
اُجڑے گاؤں نت بسیں نردھن دَھونتا ہوئے
(" " " غریب دولت مند ہو جاتا ہے
اپنے اپنے مت کی سبھی مناتیں ٹیک
(" " مذہب " " لاج

ہنسا تو موتی چُگے بگلا مچھلی کھاوے
ہنس " " " " " "
گلی گلی دودھ پھرے شراب بیٹھ بکائے
(" " " " بیٹھے بِک جاتی ہے)
کرنی کا پھل تو ہے ملے آج نہیں دن چار
اعمال کا پھل ضرور تجھ کو ملے گا آج " تو دو چار دن تک
کرم پھانس نہ کٹ سکے کیا پرجا کیا بھوپ
نوشتۂ تقدیر " " خواہ رعیت ہو خواہ بادشاہ)
اُسی بدھ گزران کر جا بدھ راکھے رام
" طریقہ سے گزر کر جس طریقہ سے رکھے خدا)
بھرم گنوائے اپنا اور بانٹ نہ دیوے کوئے
" " " " " " " کوئی
ایک ہی دَر کا ہو رہے تو دُر دُر کرے نہ کوئے
شوم پلے لچھمی، چاروں دین مویاں
بخیل کے پاس دولت یہ چاروں دیتے ہیں مرکر)
کب مرہو کب پایئو پورن پرم آنند
" مریں " پائیں پورے طور پر راحت حقیقی
نہ جانے اس دیہہ کے کہاں گڑیں گے ہاڈ
" " جسم فانی کی " دفن ہوں گی ہڈیاں)
چِٹی چادر داغوں بھرے لوئی داغ نہ کوئی
تا کو ٹکڑا اڈار کر سیوا کر دو شنگ
اس کو ٹکڑا ڈال کر یادِ خدا کرو بے دھڑک)
جیو لاج دھن دیجیے ایک پریت کے کاج بدلے
جان، عزت، دولت دیجیے ایک محبت کے بدلے
رُتیں بھی پھر جات ہیں مرا نہ آیا کوئے
موسمیں " " جاتی " لیکن مرکر نہ " کوئی)
رجب نشانہ ایک ہے تیر انداز انیک
" " " " بے شمار ہیں)

مَن موٹا مَن پاتلا مَن پانی من لائے ..
(دل موٹا ہے دل پتلا ہے دل ،، ہے دل آگ ہے
راجہ، جوگی، اگن، جل اِن کی اُلٹی ریت
(،، ،، آگ پانی ،، ،، ،، رسم ہے
تُلسی اس سنسار میں سب سے ملیے دھائے
تیرتھ برت اور دان کر من میں کرے گمان
(جاترا روزہ ،، خیرات کرکے دل میں کرے تکبّر
کوئلے ہوں نہ اُجلے لہسن تجے نہ بُو
(،، ،، ،، سفید ،، چھوڑے نہ بدبُو
آپ اُپائے نانکا آپے رکھے دیک
(خود پیدا کرے ،، ،، ،، طبائع
دانت گرے اور کھر گھسے پیٹھ بوجھ نہ لے
بڑے بڑائی نا کریں بڑا نہ بولیں بول
(،، ،، نہ ،، ،، ،، ،، ،، ،،
بِن پانی کے مچھلی تڑپت ہے دِن رین
(بغیر ،، ،، ،، تڑپتی ،، ،، رات
لیکھن پڑھن کی ہے نہیں کہی سُنی نہ جات
(لکھنے پڑھنے ،، ،، ،، ،، ،، جائے
داؤد دُنیا باؤری مڑھیاں پُوجیں اُوت
(،، ،، پاگل ہے ہندوؤں کی قبریں ،، بیوقوف
اُجلا تن اَدھین مُکھ۔ ایک چرن دو دھیان
(سفید جسم غریب چہرہ ایک پاؤں دو خیال
سُکھ میں سمرن نا کیا دُکھ میں کیا ہے یاد
آرام ،، یادِ خدا نہ ،، ،، ،، ،، ،،
سُکھ کے ماتھے سِل پڑے جو نام ہردے سے جائے
(آرام ،، پتھر ،، ،، یادِ خدا دل سے بھولے
سُمرن سُرت لگائے کر مُکھ سے کچھ نہ بول
(یادِ خدا توجہ لگا کر منہ ،، ،، ،، ،، ،،

جیسی مَن کی اُدبجے تیسے ہی ہو جائے
(،، دل میں پیدا ہو ویسے ،، ،، جاتی ہے)
ڈرتا رہیو پر سرام تھوڑی پالیو پریت
(،، ،، ،، ،، پالنا محبت)
نہ جانے کس بھیس میں نارائن مل جائے
نانک نشپھل جات ہے جوں کُنچر اَشنان
(،، بے فائدہ جاتا ،، جیسے ہاتھی کا نہانا)
داس کبیرا یوں کہیں کاگا ہنس نہ ہو
(،، ،، ،، ،، کوّا ،، نہیں بن سکتا)
مندا کس نوں آکھیے جاں سبھنا صاحب ایک
(بُرا ،، کو کہیں جبکہ سب کا مالک ایک ہے)
ایسے بُوڑھے بیل کو کون باندھ بھُس دے
ہیرا مُکھ سے نا کہے لاکھ ہمارا مول
(،، مُنہ ،، نہ ،، ،، ،، ،، ،،)
دیا جرت ہے رین کو جیا جلت ہے دن رین
(چراغ جلتا ،، رات ،، دل جلتا ،، ،، رات)
اپنے جیا سے جانیو مورے جیا کی بات
(،، دل ،، سمجھ لو میرے دل ،، ،،)
جو مارے ملک الموت کے اُن سے مانگیں پُوت
(،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،،)
مَیں جانا کوئی سَنت جن نِری کپٹ کی کھان
(،، ،، ،، درویش ،، مکر کی کان)
کہیں کبیرا داس کی کون سنے فریاد
(،، ،، اس مطلب پرست فرمانبردار کی سنے)
بلہاری دا دُکھ کے جو پل پل نام رٹائے
(قربان ایسے ،، ،، ،، ،، یاد کرائے)
باہر کے پٹ دے کر اندر کے پٹ کھول
(،، دروازے بند ،، ،، دروازے ،،)

تُلسی وہاں نہ جائیو جہاں جنم کا گام
(" " " " " پیدائش کا گاؤں)
آب گئی آدر گیا نینوں گیا سنیہہ
(آبرو " آؤ بھگت گئی آنکھوں سے گئی مروّت)
مانگن مرن سمان ہے مت کوئی مانگے بھیکھ
(مانگنا مرنے کی مانند " " " " ")
مانگن گئے سو مر رہے مرے جو مانگن جانْھ
(مانگنے " " " " " مانگنے جائیں)
چاہ مٹی چنتا گئی من بھیا بے پروا
(خواہش مٹی فکر گیا دل ہوا ")
آوت گالی ایک ہے اُلٹت ہوئے انیک
(آتے وقت " " الٹنے سے ہو بے شمار)
تیر تھ چلے دو جنے من چنچل چت چور
(" " " دل منچلا شریر طبیعت ")
بُہتا جھک کر جو چلے وہ بھی بھلا نہ جان
(زیادہ " " " " " ")
میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سب تیرا
تیرا تجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سب میرا
آئے ایک ہی گھاٹ سے جائیں گے ایک ہی گھاٹ
(" " " " " " " " " ")
ہم خون کے تم بھی خون کے خون کا سکل پسارا
(" " " " " " " " تمام پھیلاؤ)
جو نت لگے جامیاں جاءہ ہوئے پلیت
(خون " کپڑے کو تو کپڑا ہو پلید)
چاہن ہارے سُکھ سمپتی کے جگت ہیں ملے گھنیرے
(چاہنے والے آرام آسائش کے دنیا " " بہت)
مجھ میں سما جا اس طرح تن پران کا جو طور ہے
(" " " " جسم و روح " " ")

بھاؤ بھگت سب مٹ گیو پڑیو تلسیا نام
(خاطرداری " " گئی پڑ گیا " ")
یہ تینوں تب ہی گئے جب ہی کہا کچھ دیہہ
(" " " " " " " دے دے)
مانگن سے مرنا بھلا یہ ست گورکی سیکھ
(مانگنے " " " سچے مرشد " نصیحت)
تن سے پہلے وہ مرے جو ہوت کرت ہیں نانْھ
(اِن " " " ہوتے ہوئے انکار کریں)
جن کو کچھو نہ چاہیے سوئی شاہنشاہ
(" " کچھ " " وہی ")
کہے کبیر نہیں اُلٹیے وہی ایک کی ایک
(" " " " " " " ")
ایکو پاپ نہ اُوترا لائے من دس اور
(ایک بھی گناہ " اُترا " " " ")
تینوں جھک کر مار دے چیتا، باز، کمان
(" " " " " " ")
تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگے ہے میرا
میرا مجھ کو سونپتے دل دھڑکت ہے تیرا
اپنی اپنی کرنی سے ہو گئے بارہ باٹ
(" " اعمال " " علیحدہ علیحدہ)
کہت کبیر سُنو بھئی سادھو کون خون سے نیارا
(" " " " " " " علیحدہ)
جو نت کھاویں مانسا نہ کیوں نرمل چیت
(جو خون کھائیں انسان وہ کیسے پاک دل ہو سکتے ہیں)
کوڑو ایک ملت کہوں پریمی نگر نگر سب ہیرے
کوئی " ملتا ہے کہیں محب خدا شہر جنگل سب تلاش کیے
جس میں نہ پھر کوئی کہے میں اور ہوں تو اور ہے
(" " " " " " " " " ")

لکڑی جل کوئلہ بھئی کوئلہ بھیو ترا کھ
(" " " ہوئی " ہُوا "
ساجن تومت جانیو توہ بن موہے چین
(پیارے " " " تیرے بغیر مجھ کو آرام
کاجل ڈالوں کرکرا شرمہ دیا نہ جائے
(" " " " " " " "
چندن کے کہیں بَن نہیں سورن کے دَل نانھ
(خوشبودار لکڑی کے جنگل نہیں سونے کے ڈھیر نہیں
ذات نہ پُوچھو سادھ کی پوچھ لیجیے گیان
(" " " فقیر " " " علم معرفت
نہائے دھوئے کیا ہوئے جو مَن میں میل سمائے
(" " " ہوتا ہے " " " "
تومتؔ جانے باورا میرا ہے سب کوئے
(" " " سادہ لوح " " " کوئی
مایا سگی نہ مَن سگا، سگا نہ یہ سنسارؔ
(دولت " " دل " " " " عالم
سنگت کیجے سادھ کی ہرے اَور کی بیادھ
(رفاقت " درویش " جو برداشت کرے اور کی تکلیف
پریم پیالہ جو پیئے سیس دکشنا دے
(محبتِ خدا کا پیالہ جو پیئے سر نذر دے
کام کرودھ موہ لوبھ میں میں گئی عمر بابیت
(شہوت، غصہ، محبت، حرص " " عمر گزر
کبیرا من تو ایک ہے بھاوے تہاں لگائے
" دل " " " چاہئے جہاں "
اُجگر کریں نہ چاکری پنچھی کریں نہ کام
اژدہا " " " پرندے " " "
تریا میں خوبیاں تین ہیں اَوگن ہیں لکھ چار
(عورت " " " " برائیاں " " "

میں پاپن ایسی جلی کوئلہ بھئی نہ راکھ
" گنہگار " " " ہوئی " ")
گیلے بَن کی لکڑی سُلگت ہوں دِن رَین
" جنگل " " سُلگتی " " رات)
جن نینن میں پی بسے دُوجا کون سمائے
" آنکھوں میں " " دوسرا " ")
سات سمندر موتی نہیں سادھ نہ گھر گھر مانھ
" " " " فقیر " " " ہیں)
کام پڑے تلوار سے پڑا رہن دے میان
" " " " " رہنے " ")
مچھلی سدا جل میں رہے دھوئے باس نہ جائے
" ہمیشہ پانی " " " بدبُو " ")
پنڈ پران سوں بندھ رہا یہ نہیں اپنا ہوئے
جسم روح کے ساتھ " " " " ")
پرسرام یا جیو کو سگا سو سُرجن ہار
" اس زندگی کو " " خالق پروردگار)
اوچھی سنگت نیچ کی آٹھوں پہر اپادھ
بُری صحبت کمینہ " " " فساد)
لو بھی سیس نہ دے سکے نام پریم کا لے
حریص سر " " " " محبت " ")
ہاڈ مانس کانپن لگے اب کیا کرسی میت
ہڈیاں گوشت کانپنے " " " کرے گا تعلق خدا)
بھاوے ہری کی بھگت کر بھاوے کمائے
خواہ خدا " عبادت کرے خواہ بدکاری کرے
داس ملوکا یوں کہیں سب کے داتا رام
خادم " " " " " رازق خدا
منگل گاوے سَل رچے گوکھن اُپجیں لال
موسیقی سے خوشی کرے سنتی ہووے کوکھ سے پیدا ہوں لعل بچے)

جیسی کرنی ویسی بھرتی شک ہے گر تو کر کے دیکھ
یا دیلک کی سُدھ نہیں کرے کال کا علاج
(" لحظہ " خبر " کل " سامان
آئے ہیں سو جائیں گے راجا رنک فقیر
(" " " " " " مفلس "
پیتم ایسا چاہیے کہ ڈھال سری سا ہو
(محبوب" " " " " کی مانند "
نَینا ری تم ہی بُری تم سا بُرا نہ کوئے
(اے میری آنکھو! تم ہی بُری " کوئی
جنم لیو گھر نیچ کے سب تے بھیو پرنام
(پیدا ہوئے " " " " ہوئی عاجزی
تن کے اُجلے من کے میلے دھن کی دُھن سوار
(" " " " " " " " " "
میرے من کچھ اَور ہے کرتا کے من اور
(" " " " " قادر کریم " "
روٹی والا چتر ہے دھن والا سر گیاں
لگ لگ گئی مجلسیں بیٹھ بیٹھ گئے دیوان
مَیں تو جانا میں دُکھی، دکھی سوایا جگ
" " سمجھا تھا میں " " سب عالم
سرسُتی کے بھنڈار کی بڑی اپُورب بات
(علم " خزانے " " نرالی بات ہے
پر کو اوگن دیکھتے اپنے درشٹی نہ ہوئے
پرایا عیب " اپنی اصلاح " ہوئی
اُتّم وِدّیا لیجیے یدپی نیچ پہ ہوئے
(اچھی تعلیم " خواہ کمینے کے پاس ہو
تلسی بروا باغ میں سینچت بھی کمہلائے
(" پودا " " پانی دینے سے " "

دوزخ بھی ہے جنت بھی ہے نہیں یقیں تو مر کے دیکھ
کال اچانک مارسی جیوں تیتر کو باج
موت ناگہانی مارے گی جیسے " " باز)
اک سنگھاسن چڑھ چلے اِک بندھے جات زنجیر
" بہشتی تخت " " " " جاتے "
سُکھ میں تو پاچھے رہے دُکھ میں آگا ہو
آرام " " پیچھے " " " آگے ")
آپ ہی پیت لگائے کے آپ ہی بیٹھی روئے
" " محبت کر کے " " ")
جو جنم ہوتا گھر اُونچ کے بسر جات ہرنام
" پیدا ہوتے " " " بھول جاتا نام خدا)
اُوپر اُوپر راہ بتائیں اندر سے بٹ مار
" " " " " " ٹھگ جو غلط راستہ بتا کر لوٹتے ہیں
داس ملوکا یوں کہیں جھوٹی من کی دوڑ
خادم " " " " " " ")
کہے منوہر جا نگلی دُکھ بوڑھا سُکھ جوان
ڈھونڈیاں آج نہ ملے جن کا کچھ نشان
اُونچے چڑھ کے دیکھیا تو گھر گھر یا ہی آگ
" " " " " " " یہی "
جوں خرچے توں توں بڑھے بن خرچے گھٹ جات
" " " " " " جاتا ہے)
کرے اُجارا دیپ پہ تلے اندھیرا ہوئے
" اُجالا چراغ لیکن نیچے " ")
پڑا اپاون ٹھار میں کنچن تجت نہ کوئے
" گندی جگہ " سونا ترک نہ کرے کوئی)
رام بھروسے جو رہے پربت پر لہرائے
" " " پہاڑ پر بھی ہرا بھرا ہے)

ہندو کہیں ہم بڑے مسلمان کہیں ہم ایک مونگ دو پھاڑ ہیں کُن زیادہ کُن کم

(" " " " ہے " " " " " " " " کون " کون ")

کُن زیادہ کُن کم کرنا. نہیں کبھّیا وہ رام سے راجی وہ رحمٰن سے رجیا

(کَون " کَون " " " کبھی " " " راضی " " " راضی)

اُتّم اور چنڈال گھر ایک دیپک اُجیار تُلسی ستّے پتنگ کے سبھی جوت اک سار

(اعلیٰ " ادنیٰ " " چراغ روشن ہے " برائے پروانہ " " روشنی یکساں ہے)

مشہور سخی اور ہندی شاعر عبدالرحیم خانخاناں جس وقت محتاجوں کو مال تقسیم کیا کرتا تھا تو اپنی آنکھیں نیچی رکھتا تھا تاکہ محتاج شرمندگی محسوس نہ کریں اور خود اظہارِ شرمندگی کرتا۔ لوگوں نے اس کا باعث پوچھا۔ دوہا۔

ے کس سے سیکھے خان جی ایسی انوکھی دین دام گرہ سے دیوت ہو پھر نیچے راکھو نین

تو اس نے اس کے جواب میں یہ دوہا کہا۔ ے

دینے والا دیوت ہے دن رین لوگ بھرم مجھ پر کریں یاہ سے نیچے نین

(ترجمہ) دن رات دینے والا منعم حقیقی تو خدا ہے۔ میری کیا حقیقت ہے، جو کچھ دے سکوں۔ اس لیے میں لوگوں کے گمانِ بے جا سے شرمندہ ہوں۔

ایشور چار آدمیوں سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور چار پر زیادہ غصّہ۔

جن چار آدمیوں سے زیادہ پیار کرتے ہیں:۔

۱۔ دان یعنی خیرات کرنے والے کو پریم کرتے ہیں۔ لیکن جو کنگال ہوتے ہوئے بھی دان کرتا ہے، اس پر زیادہ پریم کرتے ہیں۔

۲۔ سُور بیر یعنی سچے بہادر پر زیادہ پریم کرتے ہیں۔ لیکن جو سُور بیر وچار وان ہوتا ہے، اس پر زیادہ پریم کرتے ہیں۔

۳۔ دین یعنی خاکسار پر پریم کرتے ہیں۔ لیکن جو دھنی یعنی مالدار ہو کر بھی خاکساری کرتا ہے، اس پر زیادہ پریم کرتے ہیں۔

۴۔ بھگت یعنی عابد سے پریم کرتے ہیں۔ لیکن جو دھنی یعنی مالدار ہو کر بھی بھگتی کرتا ہے۔ اس پر زیادہ پریم کرتے ہیں۔

جن چار پر زیادہ غصّہ اور کرودھ کرتے ہیں۔

۱۔ لوبھی یعنی حریص طامع پہ کرودھ کرتے ہیں۔ لیکن جو دھنی ہو کر لوبھ یعنی طمع کرتا ہے۔ اس پر زیادہ کرودھ کرتے ہیں۔

۲۔ پاپ یعنی گناہ کرنے والے پر کرودھ کرتے ہیں۔ لیکن جو بڑھاپے میں پاپ کرتے ہیں۔ اس پر زیادہ

کرودھ کرتے ہیں۔

۳۔ ہنکاری یعنی متکبر پر کرودھ کرتے ہیں۔ لیکن جو بھگت ہوکر ہنکار کرتا ہے، اس پر زیادہ کرودھ کرتے ہیں۔

۴۔ وِبراچاری یعنی بدچلن پر کرودھ کرتے ہیں۔ لیکن جو وِدوان یعنی عالم ہوکر دُراچار کرے، اس پر زیادہ کرودھ کرتے ہیں۔

پرم ایشور کی ادنیٰ سی ناراضگی کے پانچ درجے ہیں۔

(۱) انسان کو سفر درپیش آتا ہے۔ (۲) وہ سفر پیدل طے کرنا پڑتا ہے۔ (۳) کچھ بوجھ بھی اُٹھانا پڑتا ہے۔ (۴) وہ سفر جیٹھ اساڑھ کی گرمیوں میں آتا ہے۔ (۵) سفر سے ناکام واپس آتا ہے۔

چھ سکھ: اوّل سُکھ نروگی کایا۔ دوسرا سُکھ گھر میں مایا۔ تیسرا سُکھ حکم کی ناری۔ چوتھا سُکھ پُتر آدھکاری۔ پانچواں سُکھ راج میں پاسا۔ چھٹا سُکھ شہر میں باسا۔

ویاس جی کا ایک نوجوان شاگرد تھا جو عورتوں میں بیٹھ کر بھاگوت کی کتھا سنایا کرتا تھا۔ ایک دن ویاس جی نے کہا "تم اس بے حیا حرکت سے باز آجاؤ"۔ اس نے کہا "میں نفس پرست نہیں ہوں۔ مجھ کو دل پر پورا پورا قبضہ حاصل ہے"۔ ویاس جی چپ رہے۔ ایک دن برسات کے موسم میں پانی چھم چھم برس رہا تھا۔ نوجوان فقیر اپنے پھونس کے جھونپڑے میں بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ ایک عورت آئی اور جھونپڑے کے کنارے بیٹھ گئی۔ فقیر بولا، چل پرے ہٹ، یہاں کیوں آئی ہے"؟ اس نے جواب دیا "داتا آپ کا بھلا کرے۔ پانی برس رہا ہے۔ ہوا تیزی کے ساتھ چل رہی ہے۔ سردی سے سخت بدحال ہوں، ذرا پانی تھم جاتا ہے تو میں چلی جاؤں گی"۔ فقیر چپ ہو گیا اور کتاب پڑھنے لگا۔ عورت اور آگے کی طرف کھسکی۔ اس نے پھر ڈانٹ بتلائی۔ وہ بولی "بابا! باہر کی ٹھنڈی ہوا بہت ستا رہی ہے۔ آپ فکر نہ کریں، میں پانی تھمنے پر چلی جاؤں گی"۔ فقیر خاموش پھر پڑھنے لگا۔ مگر دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے۔ وہ عورت کھسکتے کھسکتے اس کے پاس جا پہنچی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا۔ عورت نے منہ پر زور سے طمانچہ مارا اور کہا "مردود! کہتا تھا میں دل پر غالب ہوں! وہ دل تیرا اب کہاں گیا"؟ نوجوان نے دیکھا کہ طمانچہ مارنے والی عورت کی شکل میں خود وید ویاس جی ہیں۔ سخت شرمندہ ہوا۔ غور فرمایئے کس طرح ویاس جی نے اپنے شاگرد کو دل پر قابو پانے کا سبق سکھایا اور کام دیو کے چنگل سے چھڑایا۔

ایک راجہ بڑا بے رحم اور ظالم تھا۔ اپنی رعایا پر بہت ظلم اور تعدی روا رکھتا تھا۔ رعایا تنگ آکر ہمیشہ دست بدعا تھی کہ کسی طرح ان کو ایسے ظالم کے ظلم سے پناہ دے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ راجہ شکار کو گیا۔ جب واپس آیا تو اپنی بادشاہت میں سب جگہ منادی کرادی کہ آج تک جو ظلم و ستم میں اپنی رعایا پر کر چکا ہوں، اس کی تلافی کرنا محال ہے۔ لیکن آئندہ میری طرف سے سب لوگ اطمینان رکھیں کہ ان کی کبھی کوئی حق تلفی نہ ہوگی اور نہ اُن پر کبھی ظلم و ستم ہونے پائے گا۔ مجھے کئی واقعات سے

کافی عبرت مل گئی ہے۔ اب میں ظلم نہ کروں گا۔ اپنی رعایا کے حقوق کا خیال رکھوں گا۔ ان پر کسی طرح آنچ نہ آنے دوں گا۔ اور اپنے کاموں سے ان کے دلوں کو اپنانے کی کوشش کروں گا۔ راجہ کی اس غیر معمولی منادی سے لوگوں میں ہلچل مچ گئی۔ لوگ راجہ کی عادتوں سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ ایک دن میں راجہ کی زندگی ایسا پلٹا کھا جائے کہ وہ ظلم سے دستبردار ہو کر رعایا کا بھی خیر خواہ بن جاتے؟ مگر راجہ اپنے قول واقرار پر قائم رہا۔ اس دن سے ملک کی بہبودی میں مصروف ہؤا کہ سب لوگ امن وآرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ رعایا بھی اُسے دل سے چاہنے لگی۔ اور اس کی درازیٔ عمر اور سلطنت کے قیام کے لئے دعائیں مانگنے لگی۔ وزیر و مشیر حیران تھے کہ راجہ میں یک لخت ایسی تبدیلی ہونے کی کیا وجہ ہے؟ ایک دن وزیر نے عرض کی کہ جہاں پناہ! اگر جاں بخشی ہو تو ایک سوال کروں؟ راجہ نے بڑی خوشی سے اجازت دی۔ وزیر نے عرض کی "عالی جاہ! ہم حیران ہیں کہ منادی کے دن سے آپ کیونکر ہر ایک بُرائی سے ہاتھ اُٹھا کر لوگوں کی بھلائی میں ہمہ تن کوشاں رہنے لگے۔ یہ اسرار ہمارے لئے معمہ ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر آپ سمجھا دیں تو نوازش شاہانہ سے بعید نہ ہوگا۔" راجہ نے فرمایا "اے وزیر! جس دن کا تم ذکر کرتے ہو میں جنگل میں شکار کھیلنے کے لیے گیا تھا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کُتا لومڑی کے پیچھے دوڑا چلا جاتا ہے۔ آخر کُتے نے لومڑی کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ غریب لومڑی ٹانگ کُتے کے مُنہ میں چھوڑ کر جان بچا کر بھاگی۔ یہ تماشا دیکھ کر میں چند ہی قدم آگے بڑھا ہوں گا کہ ایک شخص نے دل لگی میں ایک پتھر اس طرح گھما کر مارا کہ کُتے کا سر پھٹ گیا۔ ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہؤا آتا تھا۔ پتھر مارنے والا اس کی جھپیٹ میں آکر گرا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ گھوڑا ابھی بہت دُور نہ گیا تھا کہ خود اس کی ٹانگ ایک سوراخ میں پھنس کر ٹوٹ گئی۔ یہ ماجرا دیکھ کر میرے دل میں سخت چوٹ لگی اور میری آنکھوں کے سامنے فوراً اپنی برائیوں اور بے رحمیوں کا نقشہ کھنچ گیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اس دنیا میں بُرے کام کا نتیجہ جلد ہی مل جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بدی کا انجام بدی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس دن سے دل پر چوٹ کھا کر برائی سے بچتا اور اپنی رعایا کی بہبودی کی فکر میں رہتا ہوں۔" مثل مشہور ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ ؎

ڈر ظلم سے کہ اس کی جزا بس شتاب ہے آیا عمل میں یاں کہ مکافات ہو گئی

ہندوستانِ قدیم میں ہستنا پور بہت بڑی راجدھانی تھا۔ اس خاندان میں ایک راجکمار د ولی عہد بھیشم نامی تھا۔ جو اپنے والدین کا نہایت فرمانبردار تھا۔ اس کے باپ کا نام مہاراجہ شن تنو تھا۔ اس کے بعد راج گدی کا واحد وجائز وارث بھیشم تھا۔ مگر شن تنو کو بڑھاپے میں شادی کا شوق ہؤا اور چاہتا تھا کہ ایک خوبصورت راجکماری سے شادی کرے۔ ستیہ وتی کے باپ نے کہا میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں گا۔ مگر یہ عہد کرو کہ اس کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہو، وہ تمہارے بعد راج سنگھاسن پر بیٹھے۔ لیکن اس سے بھیشم اپنے جائز حق سے محروم رہتا تھا۔ اس لیے راجہ شن تنو نے انکار کر دیا۔ بھیشم کو جب یہ حال معلوم ہؤا تو وہ ستیہ وتی

کے باپ کے پاس گیا اور کہا کہ تم لڑکی کی شادی میرے باپ کر دو اور میں ہمیشہ مدت العمر شادی نہ کرنے کا عہد باندھتا ہوں اور تمہاری بیٹی ستیہ وتی کی اولاد راج کرے گی۔ غرض اس نجتہ قول واقرار ستیہ وتی مہاراجہ شن تنو سے ہوگئی۔ بھیشم اپنے اقرار پر قائم رہا۔ جب راجہ شن تنو مرگیا تو بھیشم گدی پر نہیں بیٹھا اور ستیہ وتی کے بڑے بیٹے کو جو ابھی چھوٹی ہی عمر کا تھا گدی پر بٹھا دیا اور آپ ہرطرح سے اس کی اور سلطنت کی خبرگیری کرتا رہا۔ پھر اس کا یہ چھوٹا بھائی دو چھوٹے چھوٹے بیٹے دھرت راشٹر اور پانڈو چھوڑ کر مرگیا۔ بھیشم انہیں اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتا تھا اور خود تمام عمر شادی نہ کرنے کے عہد پر قائم رہا۔

ایک راجہ کے دربار میں ایک دن پانچ عالم برہمن آئے۔ جو سنسکرت ودیا کی خاص خاص شاخوں کے پنڈت تھے اور دنیا میں ان کے علم کا ڈنکا بجتا تھا۔ ایک اُن میں دیاکرنی (قواعد دان) تھا۔ دوسرا نیایک (منطقی) تھا تیسرا اگندھرب ودیا (موسیقی) میں طاق تھا۔ چوتھا جوتشی تھا اور پانچواں وید (حکیم) تھا۔ راجہ اُن کی تحقیقات اور ان کی باتوں کو سُن کر بڑا خوش ہوا اور بہت کچھ انعام میں دیا۔ مگر جب اس نے اپاجی وزیر سے ان کی لیاقت کی تعریف کی، تو وزیر نے کہا میں ان احمقوں کی عزت نہیں کرتا۔ یہ دنیا کے کام کے نہیں ہیں۔ ایک خاص خیال کی ادھیڑبُن میں رہتے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ راجہ نے پوچھا اس کا امتحان کیونکر ہو؟ اس نے کہا ان کو ایک مکان میں جگہ دیجیئے۔ اور کہیے اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے تیار کریں۔

ایسا ہی کیا گیا اور اپاجی نے ایک ہوشیار نوکر کو مقرر کیا تاکہ ان کی حرکات کی نگرانی کرے۔

نیایک (منطقی)، بازار میں گھی خریدنے گیا اور گھر آکر سوچنے لگا گھی برتن کے ادھار (سہارے) پر ہے یا برتن گھی کے آدھار پر ہے۔ اس نے بڑی بڑی دلیلیں سوچیں۔ آخر جب برتن کو اُلٹا، گھی گر پڑا اور تب اس کی سمجھ آیا کہ گھی برتن کے آدھار پر ہے۔

دیاکرنی (قواعد دان) دہی مول لینے گیا۔ دہی بیچنے والی عورت نے کہا دہی اچھی ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں دہی مذکر ہے مونث نہیں ہے۔ تم کو اچھی نہیں بلکہ اچھا کہنا چاہیے۔ عورت گنوار تھی، بولی "مذکر مونث اپنے گھر رکھ چھوڑ کہیں مجھ کو گالی تو نہیں دیتا میں تجھ کو دہی نہیں دوں گی۔" دیاکرنی نے کہا "اشبدہ شبد بولتا پاپ ہے تو پاپنی ہے۔ اُشدھ کتھا نہ کیا کر۔" عورت نے پاپ کا لفظ سُن کر اس کو دو ہتڑ لگایا اور وہ اُداس ہو کر بغیر دہی کے گھر چلا آیا۔

گانے والا جب چاول پکانے بیٹھا، ہانڈی کھد کھد کرتی ہوئی اُبلنے لگی۔ اور یہ اپنے سُر تال کے موافق کھٹ کھٹ کرنے لگا۔ سُورت، اُدات، انودات پر وچار کرنے لگا۔ مگر ہانڈی کو سُر تال کی کیا پروا تھی۔ اس نے کئی دفعہ چاہا کہ وہ باقاعدہ آواز دے۔ مگر ناکامیابی ہوئی، آخر اس نے ہانڈی کو توڑ دیا۔

جوتشی کو تیل بنانے کا کام دیا گیا۔ اس نے برگد کے پتے توڑتے درخت پر گرگٹ کو رنگ بدلتے دیکھا سمجھا بدشگونی ہوئی۔ درخت سے اتر آیا اور تیل تیار نہ ہو سکی۔

کو بید جی ترکاری خریدنے گئے تھے۔ جو ترکاریاں دیکھنے میں آئیں۔ سب بادی، کچھ پت کا خیال کرنے لگے۔ کسی میں صفرا کا مادہ زیادہ تھا۔ کسی میں سودا اور کسی میں بلغم کا۔ مجبوراً واپس آئے۔

دوپہر کا وقت ہو گیا، کھانا نہیں تیار ہو سکا۔ دن بھر دُکھی رہے۔

اپّا جی کے نوکر نے سارا حال اس کو سنایا۔ اس نے راجہ سے کہا، دیکھیا ان عالم احمقوں کی کرتوت کو۔ یہ پڑھے لکھے گدھے ہیں۔ دنیا کا کام دھندا ان کو نہیں آتا۔ آدمی کو تعلیم ایسی ملنی چاہیے، جو لوک و پرلوک (دین و دنیا) دونوں کی سدھارک (مصلح) ہو۔ یہ بیوقوف دھوبی کے کتّے کی طرح نہ گھر کے نہ گھاٹ کے ہیں آپ ہمیشہ ان سے بچ کر رہیئے گا۔ ورنہ یہ آپ کو برباد کر کے تب چین لیں گے۔ راجہ نے کہا، سچ ہے جو علم کہ دین و دنیا کی باتوں سے بے خبر رکھتا ہے وہ ناکارہ ہے۔

یہ پڑھے لکھے مُورکھ دراصل لفظوں کے گورکھ دھندوں میں پھنسے رہتے ہیں۔ نہ ان کو کرم کی سمجھ ہے نہ گیان کی۔ جہاں اڑ گئے سو اُڑ گئے۔ اصلیت کو نہیں جانتے مگر غرور اتنا کرتے ہیں کہ ہمچو من دیگرے نیست یعنی میرے جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ لہٰذا انسان عالم باعمل ہونا چاہیے۔

جوگی راجہ

تواریخ میں مذکور ہے کہ سکھدیو جی نے اپنے باپ بید بیاس جی سے کہا، میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو گیان حاصل ہو جائے اور جیون مکت کا مرتبہ میسر ہو۔ باپ نے ہدایت کی کہ تم راجہ جنک کے پاس جاؤ۔ چونکہ طالب صادق تھا، منازل طے کر کے راجہ کے دروازے پر پہنچ گیا اور دربانوں سے کہا کہ راجہ جی کو میرے آنے کی اطلاع دے دو کہ سکھدیو جی، بید بیاس جی کا پتر آیا ہے۔ راجہ نے کہا، اچھا کھڑا رہنے دو۔ تین روز کے بعد پھر اطلاع کی، تو کہا اچھا دوسرے دروازے پر لاؤ۔ وہاں بھی تین روز کھڑا رہا۔ تیسری بار اطلاع کی تو کہا آنے دو۔ سکھدیو اندر گیا تو دیکھا کہ تمام ٹھاٹھ دنیاداری کا موجود ہے۔ دل میں خیال کیا کہ یہ تو خود جگت بیوپاری ہے مجھ کو کیا تعلیم کرے گا؟ راجہ کو یہ وسوسہ منکشف ہو گیا۔ اس کو ٹھہرایا اور دوسرے دن شہر کے تمام اطراف میں اور گلی کوچوں میں ناچ رنگ اور جابجا تماشا کرایا گیا۔ پھر سکھدیو جی کو طلب کیا اور ایک کٹورا دودھ سے لبریز اس کے ہاتھ پر رکھا۔ اور کہا کہ جاؤ شہر جنک کی پوری کی پوری سیر کرو، مگر خبردار دودھ نہ گرنے پائے۔ اور دو سپاہی شمشیر برہنہ اس کے ہمراہ کیے کہ اگر ایک قطرہ بھی اس میں سے گرے، تو سکھدیو کے پُرزے اُڑا دو۔ اسی طور سے جیسا اس کو حکم ہوا تھا، وہ دونوں سپاہی سکھدیو جی کو شہر میں پھرا کر لے آئے۔ راجہ نے پوچھا "دودھ تو نہیں گرا" سپاہیوں نے عرض کیا کہ حضور اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ کے پاس سلامت کیسے پہنچتے قتل نہ کر دیئے جاتے۔ پھر راجہ سکھدیو جی کی جانب متوجہ ہوا۔ اور دریافت کیا کہ آج تم نے تماشا تو خوب دیکھا ہوگا۔ جابجا ناچ تماشے کی دھوم دھام تھی۔ اس نے جواب دیا کہ مہاراج! مجھ کو اس کٹورے کی حفاظت

بلائے جان ہو رہی تھی۔ ہر دم یہی خوف تھا، اگر دودھ کا قطرہ بھی گرا تو فوراً مارا جاؤں گا۔ بھلا اس حالت میں تماشا کیا دیکھتا مجھ کو بجز دودھ کے اور کوئی شے نظر نہیں آئی۔

اس وقت راجہ نے فرمایا کہ جس طرح تم پر یہ ایک دن گزرا ہمارا ہر وقت یہی حال رہتا ہے۔ اس دولت وحشمت کی طمطراق اور مال وجاہ کی کرّ وفر ہماری نظر میں سب ہیچ ہے۔ ہماری توجہ کسی کی طرف نہیں۔ تم نے ظاہری سلطنت وحکومت اور دولت وثروت دیکھ کر ہماری حالت کو قیاس کیا۔ اے سکھدیو! اسی واقعہ سے جو تم پر گزرا سمجھ لو کہ سپاہی ملک الموت ہے۔ تن کٹورہ من دودھ اور راگ رنگ جو راہ میں ہو رہا تھا۔ وہ دنیائے فانی کا سیر وتماشا ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی دنیا کے دھندے میں دل نہیں لگایا کہ ایسا نہ ہو، دودھ گر جائے اور دل یادِ الٰہی سے چوکے اور مارا جائے۔ اس کے بعد راجہ جنک نے سکھدیو جی کو اس کے حوصلے کے موافق تعلیم دے کر رخصت کیا۔

دُکھیا سنسار

مہاراجہ گوپی چند سے اس کے وزیر نے ایک روز عرض کیا کہ ہندو عقیدۂ تناسخ کے مطابق سینکڑوں جُونیں، کُتا، بلّی، بیل، چیل، کوّا، کیڑے مکوڑے وغیرہ کی بھگتنے کے بعد نہایت مشکل سے عرصہ ہائے دراز کے بعد انسانی جامہ نصیب ہوتا ہے۔ آپ اس انسانی جُون سے جو کہ اشرف المخلوقات ہے، کچھ تو لذّاتِ دنیوی بھی اُٹھائیں اور اعتدال کے ساتھ حقوق نفس بھی ادا کریں۔ پرمیشور کی بھگتی بھی کریں اور دنیا بھی بھوگیں۔ کیونکہ پرمیشور نے دنیا کو بے فائدہ ہی پیدا نہیں کیا ہے۔ ؎

دنیا میں ہے جو کچھ کہ وہ انساں کے لیے ہے آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لیے ہے

اس کے جواب میں راجا گوپی چند نے جو کچھ کہا اُسے ہر ایک انسان کو ہر وقت پیش نظر رکھنا واجب ہے۔

"اے نادان خیر خواہ وزیر! دنیا وعیش دو متضاد باتیں ہیں۔ زمانہ کے ہر ایک پل کے اندر ہزارہا آفاتِ ناگہانی پوشیدہ ہیں۔ حوادثِ غیر متوقع اور مصائبِ دنیوی کی بے شمار بلائیں ہر ذی حیات کی ہستی کو نگل جانے کے لیے ہر چہار طرف منہ کھولے ہوئے کھڑی رہتی ہیں۔ جس سے کسی انسان کو کسی صورت مفر نہیں۔ اور اس چند روزہ دنیا میں ہر متنفس کو کم وبیش پس وپیش ان ہی مختلف صورتوں میں دوچار ہونا پڑتا ہے۔ سب سے زیادہ یہ کہ موت کا کالا اُونٹ ہر شخص کے دروازے پر ہر وقت بندھا ہوا ہے۔ حیرت ہے کہ اس کو ہر وقت دروازے پر بندھا ہوا دیکھ کر اور چلاتا ہوا سُن کر ہم کس طرح پُرامن اور مطمئن زندگی بسر کر سکتے ہیں؟ یا یہ سمجھو کہ ہر ایک انسان کو پھانسی کا حکم مل چکا ہے لیکن لٹکائے جانے کی تاریخ کسی کو سنائی نہیں گئی۔ نہ معلوم کہ کس کو کس وقت تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے۔ تعجب ہے کہ اس قدر سخت مخدوش حالت میں ہم کس طرح چند ساعت چند روزہ یا چند سالہ دُنیاوی عارضی لذات سے بہرہ ور ہونے کی جرأت کر سکتے ہیں؟ دُنیا تو درکنار آرام واطمینان تو مرنے کے بعد بھی نہیں مل سکتا۔" ؎

کیا جانے گھڑی کون تھی منحوس وہ ناکام　جس وقت ہلا جان سے یہ جسم بدانجام
جب تک رہے دنیا میں رہا غم سے سدا کام　جاتے ہیں عدم کو تو وہاں بھی نہیں آرام
واں حشر کی دہشت سے فراغت نہیں ملتی　تن چھوڑ کے بھی رُوح کو راحت نہیں ملتی
تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا　یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

جے پور میں سیٹھ ساگر چند مشہور سخی گزرے ہیں، ایک سادھو نے التجا کی کہ میں ایک لاکھ روپیہ دیکھنا چاہتا ہوں سیٹھ نے فوراً ایک لاکھ روپوں کا ایک چبوترہ بنا دیا۔ سادھو نے اشیرباد اور دعائے خیر کی اور چلنے لگا۔ سیٹھ نے کہا، مہاراج یہ روپیہ اب آپ ہی لے جائیں۔ سادھو نے شکر گزاری کے ساتھ انکار کیا۔ سیٹھ نے پھر اسرار کیا کہ لے جائیے، ایسے دانی (سخی) نہیں کہیں ملیں گے۔ سادھو نے نہایت انکسار کے ساتھ کہا تو ایسے تیاگی بھی کہیں نہیں ملیں گے۔ چنانچہ وہ تمام روپیہ سیٹھ نے محتاجوں میں سادھو کے کھڑے کھڑے تقسیم کر دیا۔ سادھو نے کہا اب میری آتما کو شانتی ہوگئی ہے۔ تو سچا دانی اور میں سچا تیاگی ہوں۔

عادل راجہ

کریال نامی ایک راجہ بڑا عادل تھا۔ ایک روز ہاتھی پر سوار ہو کر شہر کی حالت دیکھنے نکلا۔ ہر طرف دیکھتا بھالتا پھرتا تھا کہ ایک حسین عورت پر اس کی نظر پڑی۔ دیکھتے ہی فریفتہ ہوگیا۔ ہاتھی کو اسی طرف لے جانا چاہتا تھا کہ اپنی خواہش کو پورا کرے۔ لیکن پاسبان عقل نے منع کیا۔ آخر وہاں سے پھر کر محل میں داخل ہوا اور دوسرے روز سارے اہلکار اور برہمن جمع کرکے راجہ نے کہا، میں چاہتا ہوں کہ جیتے جی اپنے تئیں آگ میں گرا کر جلا ڈالوں سب نے وجہ دریافت کی۔ راجہ نے کہا کل مجھ سے ایسی حرکت ظہور میں آئی کہ پرائی استری پر میرا دل بگڑا۔ یہ سن کر برہمنوں نے کہا "تم راجہ ہو کر ایسی پاپ کی کھوٹی نگاہ رکھو تو ہمیں بھی تمہارا جینا نہیں بھاتا۔ اب یہی بہتر ہے کہ ایسی بے دھرم زندگی سے اپنے تئیں پھونک کر راکھ بناؤ۔ آخر کار چتا چنی گئی اور آگ بھڑک اٹھی۔ تب راجہ نے ارادہ کیا کہ اس میں کود پڑے۔ برہمنوں نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا بس تدارک ہو چکا کیونکہ بدن کی کچھ تقصیر نہ تھی یہ سب آتما (ضمیر) کا گناہ تھا۔ سو اس کو کافی سزا مل گئی۔ جو اتنی دیر اس کو کوفت رہی۔ تب راجہ نے جان کے عوض بہت سا دھن خیرات کیا۔

کلجگ (بابا عالم سیاہ پوش)

میرے کھلونے رنگ رنگیلے　ہنسے جوانی بچپن کھیلے
رام اور سیتا چھپ بیٹھے ہیں　کرشن اور رادھا چھپ بیٹھے ہیں
میں نے پکارا راون دے دو　بولا تین آنے میں لے لو

بیں نے کہا اے مورت والے
رام اور سیتا چھ پیسے میں
لچھمن سستا شِو جی سستا
بولا یہ ہیں چھوٹے چھوٹے
اُف! اور یہ راون کالا
جب بھی میں ہوں اُسے بناتا
اس کو مہنگا گر نہ بیچوں
پوچھا اسے بناتے کیوں ہو؟
سیتا بیچو رام کو بیچو
بولا اس کی مانگ بڑی ہے
چلا گیا جب مورت والا
سیتا رام کا گیا زمانہ
راون کا ہے راج جگت میں
پاپ کی نیّا تیر رہی ہے
سیتا رام کے گئے بچاری
انسانوں کے انساں دشمن
پھینکے بم اور چاقو مارے

بھولی بھالی صورت والے
کرشن اور رادھا چھ پیسے میں
راون کیوں ہے اتنا مہنگا؟
بنتے ہیں تھوڑی مٹی سے
اونچا موٹا دس سر والا
مال مسالہ ہے لگ جاتا
کینہ اپنا کیسے پالوں؟
اتنا مال لگاتے کیوں ہو؟
رادھا بیچو شام کو بیچو
گھر گھر مورت یہی پڑی ہے
تنہائی میں مَیں نے سوچا
سچ کو دنیا نے نہ مانا
ہر ایک ہے محتاج جگت میں
سانچ کی کشتی ڈوب رہی ہے
اب ہے راون کی مختاری
رام گئے اور رہ گئے راون
راون کے ہیں وارے نیارے

وقتِ اَجل

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○

جب کہ وقتِ اجل آجاتا ہے، نہ ہی ایک ساعت پیچھے ہوتا ہے۔ نہ ہی ایک ساعت آگے۔ خواہ کوئی دولت میں قارون، تکبر میں فرعون، ظلم میں ضحاک نمرود، شہ زوری میں رستم، روئیں تنی میں اسفندیار، خوبصورتی میں یوسفؑ، صبر میں ایوبؑ، درازئ عمر میں نوحؑ، بسالت میں موسیٰؑ، مصوّری میں مانی، عشق میں مجنوں، عدل و سیاست میں عمرؓ، ملک گیری میں سکندر، دبدبہ میں جمشید، عیاشی میں محمد شاہ۔ اقبال میں اکبر۔ فصاحت میں سحبان انصاف میں نوشیرواں، حکمت میں لقمان، دانش میں ارسطو، سخاوت میں حاتم، طوالتِ قامت عوج بن عنق موسیقی میں تان سین، شاعری میں انوری، فردوسی وسعدی، مردانگی میں محمد فاتح، خاموشی میں زکریا، گریہ

ہیں یعقوبؑ، رضا جوئی میں ابراہیمؑ، غزا میں محمود، جہالت میں ابوجہل، حیا داری میں عثمانؓ۔ غربت میں یحییٰؑ۔ ذہانت میں فیضی۔ شقاوت میں یزید۔ تصوف میں بایزیدؒ۔ حکومت میں سلیمانؑ۔ نازک دماغی میں نانا شاہ۔ شجاعت میں علیؓ۔ خونریزی میں چنگیز۔ فلسفۂ اسلام میں امام غزالیؒ۔ رفاہِ عام میں شیر شاہ سُوری محسن کُشی رہیلہ۔ فقہ میں امام اعظمؒ۔ تادر اندازی میں بہرام گور۔ کسبِ حلال میں سلطان ناصر الدین۔ صدق میں ابوبکرؓ خوش الحانی میں داؤدؑ۔ کثیر الازدواجی میں واجد علی شاہ۔ جہاد میں سلطان صلاح الدین۔ سیاحت میں ابن بطوطہ۔ پختگی ارادہ میں علاؤالدین خلجی۔ رتبۂ شہادت میں امام حسین ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن موت سے کسی کو رستگاری نہیں۔ ؎

تا دریں گلہ گوسفندے ہست　　نہ نشیند اجل ز قصّابی، انتہا یہ کہ
دُنیا گر کسے پایندہ بُودے　　ابُوالقاسم محمدؐ زندہ بُودے

انسان خواہ کیسا ہی احمق اور کتنا ہی بیوقوف کیوں نہ ہو، لیکن موت کا یقین اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ موت کا سیاہ بادل جو اس پر آنے والا ہے۔ اس کے فاصلے کے حساب اور میعادِ نزول میں خواہ وہ غلطی کرے مگر اس کو یہ یقین کامل ہے کہ وہ میرے سر پر ضرور آئے گا۔ خواہ وہ کیسا ہی زبردست وقوی اور جوان عمر ہو، مگر موت کے پنجے میں ضرور گرفتار ہوگا۔ قضاو قدر نے جو موت کا فتویٰ دے دیا ہے، وہ کسی طرح نہیں ٹل سکتا۔ کوئی چیز دنیا میں ایسی نہیں ہے جس کو وہ کہہ سکے کہ یہ میری ہے۔ مگر موت اور وہ زمین جو کہ اس کی ہڈیوں کو چھپائے گی۔ کوئی امر موت کے آنے سے زیادہ تحقیق اور موت کے آنے کے وقت سے زیادہ لاتحقیق نہیں۔ اس واسطے انسان کو چاہیے کہ وہ موت کے لیے ہمیشہ آمادہ رہے۔ خواہ ظاہری حالات اس کی زندگی کی کیسی ہی تائید کریں۔ کیونکہ زندگی میں آنے کا صرف ایک راستہ ہے اور جانے کے ہزاروں راستے ہیں۔ دنیا کی زندگی موت پر موقوف ہے۔ دُنیا جب تک ہی دُنیا ہے کہ ایک مخلوق مرتی ہے اور دوسری اس کی جگہ پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم موت سے غافل ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ موت ہمیں بھول گئی۔ ؎

رہِ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ　　بہت اس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ

لوگ موت کی یہ شکایت ناحق کرتے ہیں کہ وہ ناگہانی اچانک اور دفعتہً ہمارے پاس آجاتی ہے۔ حالانکہ موت سب جگہ موجود ہے۔ وہ ہم کو سب جگہ ملتی ہے۔ ہر مقام پہ ہر بہانے موت موجود ہے۔ وہ تو ہمیشہ اپنے آنے کی خبر دیتی رہتی ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ میں مروں گا اور مرنے کا کوئی وقت معین نہیں۔ اگر یہ دونوں باتیں معلوم نہ ہوتیں تو بے شک شکایت بجا ہوتی۔ ہم روزانہ بلکہ ہر وقت اپنی آنکھوں سے امیر و غریب، بچے، بوڑھے، تندرست اور بیماروں کو مرتے دیکھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی غفلت اس قدر اور اعمال ایسے ہیں کہ گویا ہم اس کو بالکل بھول بیٹھے ہیں۔ قدیم مشرقی بادشاہوں کا مقرر کردہ ایک افسر ہوا کرتا تھا، جو ہر ایک صبح کو کسی خاص وقت اُن کو موت کی یاد دلایا کرتا تھا۔ موت کے اکثر یاد رکھنے کا نتیجہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ انسان دنیا کے کاموں کی بے جا

ہوس نہیں کرتا اور کسی پر ظلم و تعدی اور جور و ستم کرنے سے باز رہتا ہے۔ جن بادشاہوں نے ساری دُنیا کو فتح کرنے کی آرزو کی، یا جن عالموں نے دُنیا کے کل علوم میں کمال چاہا وہ اگر موت کو یاد رکھتے تو یہ آرزوئے بے جا نہ کرتے۔ ؎

فکرِ منزل ہوگئی ان کا گزرنا دیکھ کر زندہ دل مَیں ہوگیا اوروں کا مرنا دیکھ کر

حکایت: ایک بیوہ عورت کا اکلوتا لڑکا مر گیا۔ لیکن فرطِ محبّت سے وہ بیچاری ماتنا کی ماری اس کو زندہ خیال کرکے اس کے علاج کی کوشش میں دربدر ماری پھرتی تھی۔ ہر چند حکما اس کو سمجھاتے کہ تمہارا لڑکا مر چکا ہے لیکن جوشِ محبت میں اندھی ہونے کے باعث اس کو یقین نہ آتا تھا۔ آخرکار لوگ اس کو مہاتما بُدھ کے پاس لے گئے کہ شاید وہ اپنے تدبّر و دانائی سے اس عورت کو سمجھا سکیں۔ مہاتما بدھ نے اس سے کہا کہ فی الحقیقت تمہارا لڑکا مر گیا ہے۔ لیکن میں اس کو زندہ ضرور کر سکتا ہوں، بشرطیکہ تو مجھے ایسے گھر سے پانی کا ایک کٹورا لاکر دے جس گھر میں کبھی کوئی آدمی مرا نہ ہو۔ تاکہ میں اس پانی پر تیرے بیٹے کو زندہ کرنے کا منتر پھونکوں۔ اس عورت نے پانی حاصل کرنے کے لیے تمام شہر چھان مارا۔ لیکن کوئی گھر ایسا نہ ملا جس میں کوئی نہ مَرا ہو۔ بلکہ بہت سے گھروں میں سے تو یہ جواب ملا کہ مَرے زیادہ ہیں اور زندہ کم ہیں۔ آخرکار لاچار اور مایوس ہوکر وہ مہاتما بدھ کے پاس واپس آئی اور اپنی اس کوشش میں ناکام رہنے کا ماجرا بیان کیا۔ مہاتما نے اس سے کہا کہ جب تمام شہر میں تجھے ایک گھر بھی ایسا نہیں ملا کہ جس میں کوئی مرا نہ ہو۔ تو تُو اپنے مرے ہوئے لڑکے کے زندہ ہونے کی کیا اُمید کر سکتی ہے۔ اس بات سے اس عورت کو صبر اور اپنے لڑکے کے مر جانے کا یقین آگیا اور اس کی تجہیز و تکفین پر رضامند ہوگئی۔ ؎

نہ رنجِ رفتگاں کر رفتہ رفتہ پہنچ جائے گا تو بھی کارواں تک

ژرکسیز شاہِ ایران اپنی بے شمار فوج کو دیکھ رہا تھا جبکہ وہ یونانیوں سے لڑنے کے لیے دریائے ہلی پانٹ عبور کر رہی تھی۔ خوشی سے چہرہ ہشاش بشاش تھا کہ میں لاکھوں آدمیوں پر حکمران ہوں۔ مگر دفعتہً چہرہ بدل گیا اور بے اختیار اشکبار ہوگیا۔ اس خیال سے کہ چالیس پچاس سال کے اندر اندر ان آدمیوں میں سے کوئی بھی نہ رہے گا۔ ؎

چرا ئبسر نہ رَوَد زُوْد دفترِ ایّام کہ خود بخود ورق ایں کتاب می گردد

ایک سادھو کی منڈلی میں کسی نے کہا کہ والیٔ جے پور مہاراجہ امر سنگھ تو مَر کے بچے ہیں۔ سادھو نے کہا، بچہ بچ بچ کے مرے گا، آخر کب تک بچے گا۔ ؎

موتِ مطلق چوں مالِ زندگی ست مرگِ مُوش و مرگِ اسکندر یکی ست

اُستاد۔ لڑکو! اس کہانی سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر بکرا اپنی ماں کا کہنا مانتا اور جنگل کی طرف نہ جاتا تو شیر اس کو کسی طرح سے نہ کھا سکتا تھا۔

ایک لڑکا: "جناب اگر وہ شیر سے بچ جاتا تو انسان اس کو کھا جاتے"۔ صحیح نتیجہ تو یہ ہے۔ زندگی ایک مسلسل سفر ہے۔ جس کی آخری منزل موت ہے۔ ع چہ بر تخت مُردن چہ بر تختہ
اسی مفہوم کا ہندی مقولہ ہے۔ "جب آیا اس دیہہ کا انت جیسے گدھا ویسے سنت"

ے
قبر پر کر اک تعمق کی نظر — بحرِ ہستی کی یہیں پر تھاہ ہے

ایک شخص نے اپنی اکلوتی بیٹی کے جہیز میں ضروریاتِ زندگی کی تمام اشیا بہم پہنچائیں۔ قضائے الٰہی سے وہ لڑکی شادی کے چند روز بعد ہی فوت ہو گئی۔ اَلَم رسیدہ باپ نے یہ شعر فرطِ غم میں موزوں کیا۔ ے

یہ آیا یاد اے آرامِ جاں اس نامرادی میں — کفن دینا تمہیں بھولے تھے ہم سامان شادی میں
ے اس گلستاں میں بہت کلیاں مجھے تڑپا گئیں — کیوں لگی تھیں شاخ میں کیوں بن کھلے مُرجھا گئیں

ایک مُنصِف (سب جج) کا جنازہ جا رہا تھا۔ کسی شاعر نے فی البدیہہ شعر پڑھا۔ ے

آج دُنیا کی کچہری سے سدھارے مُنصِف — ملک الموت کی ڈگری ہوئی ہارے مُنصِف

حکایت: ایک سوداگر نے اپنے دوست سے جو ایک جہاز کا ناخدا تھا، پوچھا۔ تمہارے والد بزرگوار نے کیونکر وفات پائی؟ ناخدا نے کہا آپ میرے والد کی نسبت خاص کر کیا پوچھتے ہیں؟ میرے آباؤ اجداد سب ڈوب کر مرتے آئے ہیں۔ اس واسطے کہ صدہا پشت سے جہاز رانی کا پیشہ ہمارے خاندان میں ہے۔ سوداگر نے کہا، کیا تم کو ڈر نہیں لگتا کہ تم بھی ایک دن باپ دادا کی طرح ڈوب کر ہی مرو گے؟ ناخدا نے کہا، بے شک ڈوبنے کا خوف تو ہے لیکن موت سے گریز کہاں ہو سکتا ہے۔ بھلائیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے آباؤ اجداد کیونکر مرے؟ سوداگر نے جواب دیا، گھر میں مرے اور کہاں مرے۔ ناخدا نے کہا، آپ نہیں ڈرتے کہ اسی گھر میں آپ کو بھی مرنا ہوگا۔ ے

قوی شُدیم چہ شُد ناتواں شدیم چہ شُد — چنیں شدیم چہ شُد یا چناں شدیم چہ شُد
بہیچ گونہ دریں گلستاں قرارے نیست — تو بہار شدی چہ شد ما خزاں شدیم چہ شُد

نتیجہ یہ کہ آدمی خشکی میں رہے یا دریا میں، موت سے کسی جگہ نجات نہیں۔ ے

پیامِ مرگ ہے اے دل ترا کیوں دَم نکلتا ہے — مسافر روز جاتے ہیں یہ رستہ خوب چلتا ہے
ے معروف طائرانِ چمن ہیں کلیل میں — صیّاد تانت باندھ رہا ہے غلیل میں

حکایت: ایک دن حضرت سلیمانؑ کے پاس ملک الموت آدمی کی شکل میں ملاقات کے لیے آئے۔ اس وقت حضرت سلیمانؑ کا وزیر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ ملک الموت نے اس وزیر کی طرف کئی مرتبہ غور کے ساتھ دیکھا۔ جب ملک الموت چلے گئے تو وزیر نے حضرت سلیمانؑ سے پوچھا، یا حضرت! یہ کون شخص تھا؟ حضرت سلیمان نے فرمایا، عزرائیل۔ وزیر نے کہا مجھ کو کئی بار عزرائیل نے گھورا۔ اس سے مجھ کو بڑا خوف پیدا ہوا۔ آپ ہوا کو حکم دیجیے کہ مجھ کو بواس کے جزیرے میں پہنچا دے۔ حضرت سلیمان نے ہوا کو حکم دیا اور بات کی بات میں وزیر

ہوا کے گھوڑے پر سوار کئی ہزار کوس جزیرہ بوماس میں جا داخل ہوا۔ جونہی ٹاپو میں قدم رکھا حضرت عزرائیل آموجود ہوئے اور وزیر کی روح قبض کی۔ کئی روز بعد پھر عزرائیل حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں گئے اور حضرت سلیمانؑ نے اپنے وزیر کا قصہ بیان کیا۔ عزرائیل نے عرض کیا۔ اس روز جو میں اس شخص کی طرف بار بار دیکھتا تھا، اس کی یہی وجہ تھی۔ میں حیران تھا کہ اس کی مدتِ حیات پوری ہو چکی ہے اور دو گھڑی بعد جزیرہ بوماس میں مجھ کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم ہے۔ یہ یہاں کیوں بیٹھا ہے؛ نتیجہ یہ کہ انسان کا خمیر جہاں کا ہے، وہیں اس کو مرنا ہے۔ ؎

دو چیز آدمی را ستانند بزور | یکے آب و دانہ دِگر خاکِ گور

؎ سیٹھ جی کو فکر تھی اک کو دس دس کیجیے | آیا ملک الموت بولا جان واپس کیجیے

حکایت: ایک ہرن کی آنکھ کسی صدمے کی وجہ سے جاتی رہی۔ بے چارہ شکاریوں کے ڈر سے دریا کے کنارے چرا کرتا۔ اور جو آنکھ کہ ضائع ہو چکی تھی، دریا کی طرف سے کچھ خطرہ نہ سمجھ کر اس آنکھ کا رُخ دریا کی طرف رکھتا۔ اتفاقاً کوئی شکاری کشتی میں سوار چلا جاتا تھا۔ جونہی وہ ہرن کے برابر آیا گولی ماری اور ہرن کا کام تمام کیا۔ یاد رکھو زندگی کو ہر طرف سے آفت ہے۔ کسی حالت میں مطمئن نہیں رہنا چاہیئے۔ ؎

نہ پوچھو میری انتہا موت ہے | وہ مجرم ہوں جس کی سزا موت ہے

؎ قیامِ زندگی بحرِ فنا میں غیر ممکن ہے | یہ کشتی تیر کی صورت چلی جاتی ہے طوفاں میں

؎ یہ اقامت ہمیں پیغامِ سفر دیتی ہے | زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

ملکہ الزبتھ اوّل نے مرتے وقت کہا کہ اگر کوئی ڈاکٹر اب مجھے زندہ رکھے تو میں ایک منٹ کی قیمت ایک لاکھ روپے دینے کو تیار ہوں۔ ؎

شتربانِ صحرا اگر زیں گو بمیرد | شہنشاہِ مسند نشین ہم نماند

اگر مردِ ناداں بوحشت بمیرد | خردمندِ باریک بین ہم نماند

تختِ آرا تھا جو کل وہ آج زیرِ خاک ہے | عالمِ فانی کا منظر کیسا عبرت ناک ہے

حضرت خواجہ حسن بصریؒ جواہرات کی تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ روم تشریف لے گئے۔ وہاں وزیر سے ملاقات ہوئی۔ وزیر نے کہا آج ہم ایک جگہ جا رہے ہیں۔ اگر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو اچھا ہے۔ آپ بھی راضی ہو گئے اور ان کے ہمراہ جنگل تشریف لے گئے۔ جنگل میں دیکھا کہ اطلس کا ایک قیمتی خیمہ ایستادہ ہے۔ وزیر کے پہنچتے ہی سب سے پہلے ایک لشکرِ جرّار نے خیمے کا طواف کیا۔ پھر حکیموں اور فلاسفروں نے اس خیمے کا طواف کیا۔ اس کے بعد بے شمار حسین عورتیں زرق برق پوشاک پہنے اور زر و جواہرات کے طشت بھرے لے کر اس خیمے کے گرد طواف کر کے لوٹ آئیں۔ اس کے بعد بادشاہ اور وزیر اس خیمہ کے اندر گئے اور کچھ دیر بعد باہر آ گئے۔

یہ نظارہ دیکھ کر آپ بہت دیر تک سوچتے رہے۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وزیر سے اس امر کے متعلق دریافت کیا۔ وزیر نے کہا کہ قیصر روم کا ایک حسین وجمیل نوجوان اکلوتا فرزند فوت ہوگیا۔ اس خیمہ کے اندر اس کی قبر ہے۔ ہم لوگ سال بھر کے بعد اسی طرح خیمہ کی زیارت کو آتے ہیں۔ اور اس قسم کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاحبِ قبر کو یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ اگر تجھ کو زندہ کرنے میں ہمارا ذرّہ بھر امکان ہوتا تو ہم تمام فوج، حکیم، ڈاکٹر، فلاسفر، بزرگ، مال و دولت، غرضیکہ ہر طرح کوشش کر کے سب کچھ تجھ پر نثار کر دیتے۔ مگر تیرا معاملہ تو ایسی ذات کے ساتھ ہے جس کے مقابلہ میں تیرا باپ تو کیا ساری کائنات کی طاقت بالکل ہیچ ہے۔ ؎

عام است حکمِ میرِ اجل بر جہانیاں　　　　ایں حکم من و تو بہ تنہائی کنند

یہ بات سُن کر آپ پر اس قدر اثر ہوا کہ اپنا کاروبار چھوڑ کر بصرہ واپس آگئے اور تمام بیش قیمت جواہرات فی سبیل اللہ غربا میں تقسیم کر دیئے اور ترکِ دنیا کی قسم کھا کر گوشہ نشین ہو گئے۔ اور ستر سال تک ایسی عبادت کی کہ اپنے زمانے کے تمام بزرگوں پر سبقت لے گئے۔ ؎

جان لیتا جو شبستان فنا کا انجام　　　　صورتِ شمع ہر اک بزم میں گریاں ہوتا

ایک شاعر نے اپنے آخری وقت میں حاضرین کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا جو اس نے اسی وقت اپنے حسبِ حال موزوں کیا تھا۔ ؎

السّلام اے بعدِ ما آئندگانِ رفتنی　　　　بر شما خوش باد نا خوش ہائے دُنیائے دنی

(ترجمہ) سلامتی ہو تم پر اے ہمارے بعد آنے والے جانے والو! دُنیائے دنی کی ناخوشیاں تمہارے لیے مبارک ہوں۔ ؎

اہلِ ہستی کو عدم کا مرحلہ در پیش ہے　　　　موت کو نزدیک جو سمجھے وہ دُور اندیش ہے

انسان کا کسی وقت بھی موت سے غافل ہو جانا محاصرہ میں اپنی جگہ پر سو جانا ہے۔ لیکن بڑھاپے میں اس سے غفلت کرنا حملہ کے وقت سونا ہے۔

بنی آدم کا قدم کسی ایسی جگہ نہیں پڑتا، جہاں کسی مُردہ کی ہڈی اس کے پاؤں کے نیچے نہ آئے۔ خواہ وہ شاہ کی ہو یا گدا کی۔ ؎

گر کسے خاکِ مُردہ باز کند　　　　نشناسد تونگر از درویش

قدرت نے افزائشِ عمر کی ایک حد مقرر کر دی ہے۔ مگر کمی کی کوئی حد نہیں ہے۔ ؎

باغِ دُنیا میں ہیں مرجھاتے یہ پھول　　　　کچھ کھلے کچھ اَدھ کھلے کچھ بن کھلے

حضرت جبریلؑ نے ایک دن حضرت نوحؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی عمر سب پیغمبروں سے زیادہ ہوئی۔ آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ فرمایا "مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک مکان کے دو دروازے ہیں۔ ایک میں سے اندر گیا اور دوسرے میں سے باہر نکل آیا۔ ؎

جہاں چیست ہم چوں سرائے دو در ازیں سُو بیا و ازاں سُو گذر

ے دُنیا خوابیست و زندگانی درد دُے خوابیست کہ درخواب بہ بینی آں را

ے ہرکرا پرورد گیتی عاقبت خونش بریخت حالِ آں فرزند چوں باشد کہ خصمش مادر است

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ ے

دُنیا پلے ست را بگذرِ دارِ عاقبت صاحب تمیز خانہ نگیرند بر پلے

یعنی عاقبت کی رہگذر میں دُنیا ایک پُل کی مانند ہے۔ کوئی عقلمند پُل پر اپنا گھر نہیں بناتا۔ ے

پہنچا قبرستان میں اِک بادشاہ دیکھا اک درویش اس جا بیٹھا تھا

پوچھا آبادی میں کیوں آتے نہیں بولا سب آبادی آتی ہے یہیں ،

ایک نیک دل بادشاہ نے اپنے محلِ خاص میں ایک تابوت اس خیال سے رکھ چھوڑا تھا کہ اس کو دیکھ دیکھ کر مَوت کی یاد تازہ رہ سکے۔ ایک روز آئینے میں ایک سفید بال اپنی داڑھی میں نظر آیا۔ حکم دیا کہ تابوت اٹھا دیا جائے۔ مَوت کو یاد کرنے کے لیے اب اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب کہ نشانِ مرگ یعنی سفید بال ہر وقت میرے سامنے موجود ہے۔ ے

حضرت معاویہؓ کے پاس ایک شخص نجران سے آیا۔ جس کی عمر دو سو برس کی تھی۔ آپ نے اس سے دنیا کی حالت پوچھی۔ اس نے کہا ”کچھ برس تو مصیبت میں کٹے اور کچھ آرام میں۔ دن رات یونہی غیر محسوس رفتار سے گزرتے جاتے ہیں۔ ے

عُمر کی رفتار ہو محسوس یہ دشوار ہے یہ زمین چلتی ہے تیزی سے مگر ہلتی نہیں

ے رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے اس سال کے دنوں کو برق آفتاب ہے

ے زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے بج رہا ہے اور بے آواز ہے

ے لحظۂ بیش نبود آنچہ ز عمرِ تو گزشت وانچہ باقی ست بیک لحظۂ دیگر گزرد

ایں ہمہ شوکت و ناموسِ شہاں آخر کار چند سطر یست کہ بر صفحۂ دفتر گزرد

پیدا ہونے والے پیدا ہوتے ہیں۔ مرنے والے مرتے جاتے ہیں۔ اگر بچے پیدا نہ ہوں تو مخلوق تباہ ہو جائے اور اگر مَوت نہ ہو تو دُنیا میں آبادی کی گنجائش نہ رہے۔ غرضیکہ یہ سلسلہ اسی غیر معین رفتار اور بے اندازہ مقدار پر جاری ہے۔“ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جو تیرا دل چاہتا ہے، مانگ۔ اس نے کہا کیا میری عمرِ گزشتہ آپ دے سکتے ہیں؟ یا مَوت، جو آنے والی ہے، اس کو آپ روک سکتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا ”یہ تو دونوں باتیں نہیں ہو سکتیں“۔ اس نے عرض کیا تو پھر مجھ کو آپ سے کچھ حاجت نہیں۔“ ے

کسی کی مرگ پہ اے دل نہ کیجیے چشمِ تر ہرگز بہت سارو یئے ان پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں

بائبیل میں لکھا ہے کہ شہر بابل زمانۂ قدیم سے لے کر آج تک آبادی و بربادی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ ے

فنا کا دَور جاری ہے مگر مرتے ہیں جینے پر — طلسمِ زندگانی بھی عجب اک رازِ فطرت ہے

ے کس سے پوچھتا ہیں گل بلبل کی سرگزشت — دو چار برگِ خشک تو دو چار پَر ملے

ے دُنیا جسے کہتے ہیں بلاخانہ ہے — پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے

مابین زمین و آسمان یوں ہیں ہم — جیسے دو آسیا میں اِک دانہ ہے

حضرت عثمانؓ جب کسی قبر پر جاتے تو اتنا روتے کہ ریشِ مبارک بھیگ جاتی۔ کسی نے کہا کہ آپ جنت اور دوزخ کے بیان پر اتنا نہیں روتے جتنا آپ قبروں پر روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرتؐ سے سُنا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے منزلِ اوّل ہے۔ اگر اس سے مُردہ بچ گیا تو اور منزلیں بھی اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔ اگر اس منزل سے نجات نہ پائی تو دوسری منزلیں بھی کڑی ہو جاتی ہیں۔

کہا احباب نے یہ دفن کے وقت — کہ ہم کیونکر وہاں کا حال جانیں

لحد تک آپ کی تعظیم کر دی — اب آگے آپ کے اعمال جانیں

حضرت ابُوموسیٰ اشعریؓ نے اپنی موت سے پہلے سخت ریاضت شروع کر دی تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے نفس پر کچھ نرمی کریں۔ آپ نے فرمایا کہ گھوڑ دَوڑ میں جب گھوڑے چھُٹ کر حد کے قریب پہنچتے ہیں تو اپنا پورا زور لگا دیتے ہیں۔

عطائے خراسانیؒ کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرتؐ ایسے لوگوں کی طرف سے گزرے جو بہت بہت زور زور سے قہقہے لگا کر ہنس رہے تھے۔ فرمایا کہ ان لوگوں میں لذّات کو تلخ کرنے والی کا ذکر بھی شامل کر دو۔ پوچھا، وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ موت ہے۔

آنحضرتؐ کے سامنے لوگوں نے کسی آدمی کی بہت تعریف کی۔ فرمایا "وہ شخص موت کی یاد میں کیسا تھا؟" عرض کیا کہ موت کو یاد کرتے تو ہم نے اس کو سُنا نہیں۔ فرمایا "تو وہ اس درجے کا نہیں، جس پر تم اس کو سمجھتے ہو۔" اگر حیوانات اپنی موت کو ایسا جانیں جیسا کہ تم جانتے ہو تو کوئی جانور بھی تم کو موٹا نہ نظر آتے۔ فرمایا۔ موت سے اپنی لذّتوں کو کڑوا کرو۔ تاکہ تمہاری خواہش اُن کی طرف سے جاتی رہے۔ اور خدا کی طرف رجوع ہو سکو۔

ے ہر کام کو ہے ہر وقت نے گھیرا — پر نہیں اے موت وقت مقرر تیرا

ے طے ہو رہی ہے منزل، چونکو کہ وقت کم ہے — ملکِ فنا کی جانب ہر سانس اِک قدم ہے

نوشیرواں کو ایک شخص نے مبارک باد دی کہ تمہارے ایک جانی دشمن کو خدا نے اُٹھا لیا۔ نوشیرواں نے کہا، کیا تم نے یہ بھی سُنا کہ خدا مجھے چھوڑ دے گا۔

جو شخص کل کو اپنی زندگی کا دن تصوّر کرتا ہے وہ موت کی ناگہانہ آمد اور غیر متوقع گرفت ہی سے غافل نہیں بلکہ مستلزم الحیات وجودِ مرگ کا بھی قائل نہیں۔ ے

غافل نہ کھائیو فریبِ ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

اے اہل دنیا! جان لو کہ تم کو بھی ایک دن مرنا۔ موت کے بعد اُٹھنا اور اپنے نیک و بد اعمال کی جزا اور سزا کو پہنچنا ہے۔ پس دُنیا کے چند روز جینے پر مت بھولو اور موت کو کبھی نہ بھولو۔ دُنیا مصیبت کا گھر ہے۔ فنا ہونا اس کا مشہور اور دھوکا دینا اس کا شعار ہے۔ اس کی ہر ایک چیز کا انجام زوال ہے اور اس کا ہمیشہ کسی کے پاس رہنا محال ہے۔ جب آدمی کو اس میں تھوڑا آرام ملتا ہے تو اس کے عوض برسوں کا رنج سامنے آجاتا ہے۔ موت ہر ایک کے سر پر قائم ہے اور اس کا ذائقہ چکھنا سب کو لازم ہے۔ خدا تعالیٰ کے بندو! آج تمہارا دُنیا میں ایسا حال ہے جیسا تم سے پہلے لوگوں کا تھا۔ جو تم سے عمریں زیادہ، طاقت میں قوی، آبادی میں کثیر اور مکانات میں اعلیٰ تھے۔ مگر زمانہ کے انقلاب سے آج ان کی آواز بھی نہیں نکلتی۔ ان کے جسم قبروں میں سڑ گئے۔ شہر اُجڑ گئے اور مکانات گر گئے۔ یا وہ محلاتِ عالیشان گاؤ تکیے اور مخملی فرش تھے۔ یا اب پتھر اور اینٹیں، خاکِ گور اور گوشہ لحد ہے۔ کیا تمہیں کچھ شبہ ہے کہ جیسا ان کا حال ہوا وہی تمہارا حال نہ ہوگا؟ وہی تنہائی نہ ہوگی، اور وہی خاک میں یہ جسم کیڑوں کی خوراک نہ ہوگا؟ ؎

سنورتے تھے کہ اک عالم کی آنکھیں ہم کو دیکھیں گی	خبر کیا تھی ہماری مجلس ماتم کو دیکھیں گی
ستم ہے جامۂ ہستی کا اس تن سے جُدا ہونا	لباسِ تنگ ہے اُترے گا آخر دھجیاں ہو کر
؎ جتنی بڑھتی ہے اتنی گھٹتی ہے	زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہے
؎ رفتن و نا آمدن باید ز آب آموختن	خانہ ویرانی بہ عالم از حباب آموختن
؎ نظر غور سے جو دنیا کی حالت دیکھی	ہم نے برپا ہیں ہر روز قیامت دیکھی

اے عزیز! جان لے کہ یہ دنیا تھوڑی ہے اور تھوڑی میں سے بھی تھوڑی رہی ہے اور اس کا بھی شبہ ہے کہ تھوڑی بھی ہے یا نہیں۔ تو اس قلیل المیعاد اور کثیر الآلام دُنیا میں کس طرح مطمئن بیٹھا ہے۔ اپنے آپ کو باقی اور باقی سب دنیا کو فانی سمجھتا ہے۔ ؎

اسٹیشنِ فنا کی بھی کیا خوب ریل ہے	اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے
؎ جو کوئی دن کو چلے شب کو ٹھہر جاتا ہے	قاصدِ عمر رواں آٹھ پہر جاتا ہے
؎ منزلیں ملکِ عدم کی صرفِ نسیاں ہو گئیں	موت ہی آئے گی اب رستہ بتانے کے لئے
؎ اے دل یہ کہا کس نے جہاں میں قرار کر	اور جانِ نازنین کو اسیرِ حصار کر
تو دیکھ جب سے آیا ہے کتنے ہیں چل بسے	اُن رفتگاں میں خود کو بھی اِک شمار کر

بادشاہوں کی عیش و عشرت، خدم و حشم اور تجمل و شوکت کو نہ دیکھنا چاہیے بلکہ دیکھنا چاہیے کہ کیسے جھٹ پٹ چلے جاتے ہیں۔ اور نزع کے وقت جب یہ لوگ دنیا اور دولتِ دنیا سے بجبر علیحدہ کئے جاتے ہیں۔ اس وقت ان کو کس قدر صدمہ و رنج پہنچتا ہے۔ برخلاف اس کے غریب لوگ موت کو راحت خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ دنیا سے جاتے وقت اُن کو کسی چیز کی علیحدگی کا رنج و صدمہ نہیں ہوتا۔ ؎

موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے — کہ یہ دُنیا کے بکھیڑوں سے چھُڑا دیتی ہے

؎ نیست پروائے عدم و ہستی را — از قفس مرغ بہر جا کہ رَود بُستان است

؎ بیٹھے نہیں زمیں میں خزانوں کو گاڑ کے — جب موت آئی چل دیئے دامن کو جھاڑ کے

؎ موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے — مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

؎ اگر موت آئے نہ رنجور ہو — جو چھٹی ہو مزدور مسرور ہو

بدل جائے جینے کا دُکھ چین سے — جو مر جائے سو جائے سُکھ چین سے

مِلا مرنے والوں کو آرام وہ — کہ اُٹھنے کا لیتے نہیں نام وہ

بنی اسرائیل میں سے کسی نے بہت سامال جمع کیا تھا۔ جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا، میرا سب قسم کا مال مجھے دکھلاؤ۔ سب قسم کی قیمتی چیزیں اور زر و جواہرات اس کے سامنے لائے گئے۔ جب اس نے ان چیزوں کو دیکھا تو بہت رو یا۔ ملک الموت نے جو اس کو روتے دیکھا تو کہا، روتا کیوں ہے؟ قسم ہے ربّ العزت کی کہ میں تیرے جسم سے تیری جان کو نکالے بغیر نہ نکلوں گا۔ اس نے کہا مجھے اتنی مہلت تو دے کہ میں ان چیزوں کو خدا کی راہ میں صدقہ دے دوں۔ ملک الموت نے کہا، یہ نہیں ہوگا۔ اب مہلت کا وقت گیا۔ اس وقت سے پیشتر جو اتنی مہلتِ دراز تجھے حاصل تھی، اس میں کیوں نہ دے دیا۔ یہ کہہ کر اس کی رُوح قبض کر لی ؎

آسودگی بگوشۂ ہستی نہ دیدہ ایم — جاں دادہ ایم و رنجِ مزائے خریدہ ایم

حضرت نوحؑ کے زمانے تک لوگ نہایت طویل العمر اور قلیل الامراض ہوتے تھے۔ لیکن طوالتِ عمر و قلتِ امراض کے غرور میں موت کو بھول کر وہ حد سے زیادہ گناہ کرنے لگ گئے۔ جس کے عذاب میں ان پر طوفان بھیج کر سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے حضرت نوحؑ سے وعدہ فرمایا کہ آئندہ دُنیا کو طوفان سے نابود نہ کروں گا۔ اس لیے اس نے آدمیوں کی عمریں کم کر دیں اور امراض بڑھا دیئے کہ نہ زیادہ عمریں ہوں گی اور نہ گناہوں کا طوفان برپا ہوگا جس کے سبب مجھے پھر ان کو طوفان میں غرق کرنا پڑے۔

حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کا معمول تھا کہ روزانہ رات کو علما کے مجمع کو بُلاتے، جو موت، قیامت اور آخرت کا ذکر کرتے اور ایسا روتے جیسا کہ جنازہ سامنے رکھا ہو۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ دُنیا ایک اُجڑا ہوا مکان ہے اور اس سے زیادہ تر وہ دل اُجاڑ ہے جو دُنیا کا پھیلاؤ چاہے۔ ؎

مَیں نے پُوچھا جو زندگی کیا ہے — ہاتھ سے گِر کے جام ٹوٹ گیا

؎ ترے انداز پر عمرِ رواں کچھ شک گزرتا ہے — لیے جاتی ہے تو مجھ کو کدھر آہستہ آہستہ

؎ تم ہو کیا چیز بھلا خاک نشین مورِ ضعیف — کر دیا موت نے اورنگِ سلیماں خالی

؎ ہنستی ہے گور اہلِ تکبّر کی شان پر — پُتلا تو خاک کا ہے دماغ آسمان پر

؎ دے بے کسی کو قابو جہاں تک ترا چلے — پاؤں کے بدلے ہاتھوں سے راہِ خدا چلے

؎ اے بے خبر حیات کا کیا اعتبار ہے — ہر وقت موت سر پہ بشر کے سوار ہے

دُنیا طلبی میں نیز اس قدر انہماک اس بات کی روشن دلیل ہے کہ تو موت کو مشتبہ اور زندگی کو یقینی خیال کرتا ہے۔ مکانات کی مضبوط بنیادیں تیری زندگی کی بنیاد کو مضبوط نہیں کرسکتیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

ہمارا دل ہے عمارت کے ولولوں کے لئے — زمانہ کہتا ہے یہ سب ہیں زلزلوں کے لئے

یا قصۂ حیات کو اتنا نہ طول دے — یا اعتبارِ ہستیٔ ناپائیدار کر

بادۂ حیات کے سرشار موت بہت جلد تیرے سرورِ زندگی کو مبدّل بہ خمار کرنے والی ہے، تیار رہ ؎

عبث طولِ امل یہ ہے چناں ہوگا چنیں ہوگا — نہیں ہے دُور وہ ساعت کہ تو زیرِ زمیں ہوگا

؎ نزع میں پیشِ نظر ہیں عمر بھر کے واقعات — ساری دُنیا کا مُرقع آخری منظر میں ہے

؎ اے دل چو آگہی کہ فنا در پئے بقاست — ایں آرزوئے دُور و دراز از پئے چراست

؎ ایک پل میں موت کی ترشی سے ہوش آجائے گا — کس نشے میں مست ہے مستِ شرابِ زندگی

؎ ہر ذی حیات موجۂ دریائے نیستی ست — نقشِ وجودِ خویش بریں آب بست و رفت

؎ عمرِ عزیز طے شد و غافل نشستہ — برخاست شورِ محشر و کاہل نشستہ

؎ کر دیا نزع نے واقف کہ یہ ہستی کیا تھی — ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی

کوئی بزرگ دنیاوی صحبتوں سے بچنے کے لیے ہمیشہ سفر میں رہا کرتے تھے۔ اثنائے سفر میں آپ کا گزر ایک شہر کے پاس سے ہوا۔ جہاں کے لوگ ایک جلوس کی شکل میں خوشیاں منا رہے تھے۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ جشن کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ایک امیر زادہ کی سالگرہ ہے۔ آپ نے اسی شہر میں اقامت اختیار کرلی کہ یہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں جو زندگی کے کم ہونے اور موت کے نزدیک آنے پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ ؎

آدمی کو موت کے آنے کی ہے لازم خوشی — عید ہے جس روز چھٹکارا ہوا محبوس کا

؎ زندگی ہی میں بتدریج ہیں مرتے جاتے — وقت کے ساتھ ہی ہم بھی ہیں گزرتے جاتے

؎ انسان پیدا ہوتے ہی بڑھتا ہے سوئے مرگ — اور عمر ایک فاصلہ ہے درمیان میں

؎ دیکھو تو ثباتِ عمرِ فانی کیسا ہے — یاں وقفۂ پیری و جوانی کیا ہے

اے شاہ چہ گوئی چو بپرسند از تو — جائے کہ بترسی و نہ ترسند از تو

موت اُس شخص پر اتنی ہی زیادہ بھاری ہوگی جتنا کہ وہ تعلقاتِ دنیوی میں زیادہ اُلجھا ہوا ہوگا۔ اس لیے جدائی کا وقت آنے سے پہلے ہی مخلوق سے جدا ہو جا، آسانی رہے گی۔ ؎

قتل ہو کر ہم بچے آزار سے — عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے

؎ دنیا نیرزد آنکہ پریشاں کنی دلے — زنہار بد مکن کہ نکرد است عاقلے

؎ دُنیا مثالِ بحرِ عمیق است و پُر نہنگ — آسودہ عارفاں کہ گرفتند ساحلے

؎ جا برابر ہے دلِ مادر میں ہر فرزند کی — رُتبہ زیرِ خاک یکساں ہے گدا و شاہ کا

حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ ہم جنازہ کے ساتھ جاتے تو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ ماتم پُرسی کس شخص سے کریں اس لیے کہ سب کو غم یکساں ہوتا تھا۔ ؎

مجلسِ وعظ رفتنت ہوس است — مرگِ ہمسایہ واعظِ تو بس است

حُصُولِ عبرت اور حقیقت شناسی کے لیے قبرستان سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔ ؎

بڑھاؤ میلِ گورستاں نشینی — ہے گورستاں نشینی پیش بینی

حضرت رسول کریمؐ کا فرمان ہے کہ میں نے دونوں آنکھیں کبھی اس طرح نہیں کھولیں جس میں یہ خیال نہ کیا ہو کہ پلکیں بند کرنے سے پہلے میری رُوح عزرائیلؑ قبض کرے گا۔ اور کوئی نگاہ مَیں نے اوپر کو ایسی نہیں جس میں یہ خیال نہ کیا ہو کہ نیچے کو نگاہ کرنے تک میں جیتا رہوں گا۔ اور کوئی لُقمہ ایسا نہیں کھایا جس میں یہ خیال نہ کیا ہو کہ میں موت سے پہلے اس کو نگل جاؤں گا۔ اگر تم عاقل ہو تو اپنی جانوں کو مُردوں میں شمار کرو۔

آنحضرتؐ نے تین لکڑیوں میں سے ایک کو اپنے سامنے گاڑا، اور دوسری کو اس کے پاس اور تیسری کو دُور گاڑا اور فرمایا "پاس پاس کی دو لکڑیوں میں سے ایک انسان ہے اور دوسری لکڑی موت، اور دُور کی لکڑی انسان کی اُمید ہے کہ آدمی اس سے معاملہ رکھتا ہے اور موت اس تک پہنچنے نہیں دیتی۔" ؎

تجھے اے اُمید فردا دل وجاں سے پیار کرتے — گر اپنی زندگی کا ہم اعتبار کرتے

؎ ہیں اَنتھک کوششیں جاری حیاتِ جاودانی کی — ذرا دیکھے کوئی نادانیاں انسانِ فانی کی

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر بندوں کو اپنی موت معلوم ہوتی تو بڑے بڑے اُونچے گنبدوں والے محل نہ بنتے نہ کبھی بازار لگتا نہ کبھی خرید و فروخت ہوتی نہ باہمی عداوت ہوتی نہ کوئی کوتوال اور پاسبان ہوتا۔ کھلے دروازے سب آرام سے سوتے اور یادِ خدا کرتے۔ یہ سب جھمیلے موت کے بھولنے سے ہوئے۔ ؎

غمِ دستار می خوردم مبادا بر زمیں اُفتد — ندانستم کہ ایں سر نیز زیرِ خاک خواہد شد

؎ اے خوفِ مرگ دل میں جو انساں کے تو رہے — پھر کچھ ہوس رہے نہ کوئی آرزو رہے

حضرت یحییٰؒ بن ابی کثیر جب کسی جنازے ساتھ جاتے تو واپسی پر لوگ انہیں چارپائی پر لاتے۔ ان کو چلنے یا سواری کی طاقت نہ رہتی۔ اسی حالت میں کئی دن شدتِ خوف کی وجہ سے کام تو درکنار کلام بھی نہ کر سکتے

روایت ہے کہ ابتدا میں خدا نے انسانوں کو اس خیال سے ہزار ہزار سال کی عمر بخشی تھی کہ وہ اسے عبادت میں صرف کریں گے۔ لیکن بڑے بے پروا نکلے۔ انھوں نے خیال کیا کہ جب اتنی لمبی عمر ہے تو پھر کیوں نہ زندگی کا لطف اٹھایا جائے۔ اس لیے کافی عرصہ عیش و عشرت کریں۔ جب بڑھاپا آئے گا تو خداؐ کو یاد کر لیں گے۔ اس پر انسانی زندگی کی میعاد گھٹا کر ایک سو سال کر دی۔ تاکہ وہ اس حیاتِ چند روزہ کو تو ضرور ذکر عبادت اور

فکرِ عاقبت میں گزاریں۔ لیکن برعکس انسانوں نے کھاؤ پیو اور موج اُڑاؤ کل تو فنا ہونا ہی ہے۔" کے مقولے پر عمل کیا۔ ؎

اگر یک پردۂ غفلت نہ بودے ز بیم مرگ ہر دم مرگ بودے

اے وہ شخص کہ اپنے زیادہ تندرست رہنے سے دھوکے میں ہے۔ کیا تُو نے بیماری کے بغیر کسی کو مرتے نہیں دیکھا؟ یا بیماری آنے میں کچھ دیر لگتی ہے؟ موت سے پہلے اپنے حال پر رحم کھا۔ ؎

گھڑے کو کمہار ایک جب گھڑ چکا تو اس دم گھڑے سے یہ آئی صدا
نہ جانوں کہ سنگِ سپہر قضا ترا پہلے توڑے یا میرا گلا

؎ میں جانتا ہوں بلبل جو ہے تیری حقیقت اک مُشتِ استخواں میں دو پر جڑے ہوئے ہیں
معلوم ہے حسینو! اس حُسن کی حقیقت ظاہر میں رنگ و بُو ہے باطن سڑے ہوئے ہیں

اے غافل ہنستا کیوں ہے؟ شاید کہ تیرا کفن بزاز کی دُکان پر آچکا ہو۔ یہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں۔ اس کے گھر ایسے ہیں کہ اس پر فنا لکھ دی ہے اور ان میں رہنے والوں پر وہاں سے چلا جانا۔ جو اس وقت آباد نظر آتے ہیں، وہ چند روز میں اُجڑ جاتے ہیں۔ سوچ! اس خیال میں نہ رہو کہ جوانی میں موت کا آنا بعید ہے۔ بہت کم لوگ بڑھاپے تک پہنچتے ہیں۔ کیونکہ بہتوں کو جوانی اور لڑکپن ہی موت آجاتی ہے۔ موت کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ نہ صبح و شام نہ شب و روز، نہ گرمی سردی۔ وقت جب آجاتا ہے، ذرا سی دیر کا بھی پس و پیش نہیں ہوتا۔ ؎

گشت چوں رشتۂ عمرم کوتاہ معنی سال گرہ فہمیدم

؎ ہر گردشِ فلک بہ سر انتقام ہے ہر شامِ عیش صبحِ الم کا پیام ہے
فانی ہر اک چیز یہاں لا کلام ہے کہتے ہیں جس کو باقی وہ اللہ کا نام ہے

؎ بسِلٍّ مَاتَ ارسطالیس وا فلاطون بِافِلِیجٍ وَلُقمانُ بسرسامٍ وَجالینوس مَبطونًا

(ترجمہ) مرضِ سل سے ارسطالیس مرا اور افلاطوں فالج سے۔ لقمان سرسام سے اور جالینوس اسہال سے مرا۔ حالانکہ انہی امراض میں ان حکما کو یدِ طولیٰ اور رتبۂ کمال حاصل تھا۔ دھنتر وید کو سانپ پکڑنے میں انتہائی مہارت تھی۔ اس کو سانپ نے کاٹا اور مر گیا۔ غرض یہ کہ جو بنا ہے سو فنا ہے۔" ٹوٹی کی کوئی بوٹی نہیں۔ پنجابی مثل ہے، بلائے آپ چڑھائے تاپ"۔ امراض ذریعۂ موت ہیں۔ ؎

دُنیا یہ سدا عبرت و اندیشہ کی جا ہے یاں کیسا مقام آٹھ پہر کوچ لگا ہے
جاتے ہیں چلے مرگ کا دروازہ کھلا ہے رہ جائے نہ کوئی "یہی آوازِ درا ہے

؎ تن میں ہوا جو ہے کوئی دم کی بندھی ہوئی گٹھڑی ہے غافلو یہ بھرم کی بندھی ہوئی

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "موت کا معاملہ ——— نہایت خطرناک ہے اور لوگ اس سے بہت غافل

ہیں۔ اوّل تو اپنے مشاغل کی وجہ سے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں، تب بھی چونکہ دل دوسری طرف مشغول ہوتا ہے۔ اس لیے محض زبانی تذکرہ مفید نہیں ہے۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ دل کو سب طرف سے بالکل فارغ کرکے اس کو اس طرح سوچے کہ گویا موت سامنے ہی کھڑی ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ اپنے عزیز و اقارب اور جاننے والے احباب کا حال سوچے کہ کیونکر اُن کو چارپائی پر لے جا کر مٹی کے نیچے داب دیا۔ اُن کی صورتوں کا ان کے اعلیٰ منصوبوں کا خیال کرے اور یہ غور کرے کہ اب مٹی نے کس طرح اُن اچھی صورتوں کو پلٹ دیا ہوگا ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ ہو گئے ہوں گے۔ کس طرح بچوں کو یتیم۔ بیوی کو بیوہ اور عزیز و اقارب کو روتا چھوڑ کر چل دیئے۔ اُن کے سامان، ان کے مال، ان کے کپڑے پڑے رہ گئے۔ یہی حشر ایک دن میرا بھی ہوگا۔ کس طرح وہ مجلسوں میں بیٹھ کر قہقہے لگاتے تھے۔ آج خاموش پڑے ہیں۔ کس طرح دنیا کی لذتوں میں مشغول تھے، آج مٹی میں پڑے ہیں۔ کیسا موت کو بھلا رکھا تھا، آج اس کے شکار ہو گئے۔ کس طرح جوانی کے نشے میں مست و مدہوش تھے۔ آج کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔ کیسے دُنیا کے دھندوں میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ آج ہاتھ اور پاؤں الگ الگ پڑے ہیں۔ زبان کو کیڑے چمٹ رہے ہیں۔ بدن میں کیڑے پڑ گئے ہوں گے۔ کیسا کھل کھلا کر ہنستے تھے، آج دانت گرے پڑے ہوں گے۔ کیسی کیسی تدبیریں سوچتے، حالانکہ موت سر پر تھی، مرنے کا دن قریب تھا۔ مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ آج رات کو میں نہیں ہوں گا یہی حال میرا ہے۔ آج میں اتنے انتظامات کر رہا ہوں، کل کی خبر نہیں کیا ہوگا۔"

اشعار متعلقہ "وقتِ اجل"

قطعہ

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے — کیا ہی مُلکِ رُوم ہے کیا سرزمینِ طوس ہے
گر میسّر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی — اس طرف آوازِ طبل و نے صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہو مئے گلگوں کا دَور — شب ہوئی تو ماہ رویوں سے کنار و بوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے — چل دکھاؤں تو جو حرص و آز کا محبوس ہے
لے گئی یک بارگی گورِ غریباں کی طرف — جس جگہ جانِ تمنّا ہر طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کے لگی کہنے مجھے — یہ سکندر اور یہ دارا اور یہ کیکاؤس ہے
پُوچھ تو اِن سے کہ مال و حشمتِ دُنیا سے آج — کچھ بھی اُن کے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

قطعہ

شب کو جا نکلا تھا میں اک دن مزارِ یار پر — اس وجہ سے مثلِ ابر آنکھیں میری خونبار ہیں
قبر پر الحمد پڑھ کر دوست سے میں نے کہا — ہم گریباں چاک ماتم میں ترے لیے یار ہیں

شاد ہے کچھ تو بھی زیرِ خاک اے نازک بدن
شمع روشن ہے گلوں کے قبر پر انبار ہیں

کیا ہوا مرنے کے بعد اے راہیِ ملکِ عدم
لوگ کیسے ہیں وہاں کے اور کیا اطوار ہیں؟

منزلیں نزدیک ہیں یا دور ہیں کیا حال ہے؟
راہ میں کچھ بستیاں ہیں شہر یا بازار ہیں؟

جس محل میں جاکے تو اترا ہے اے رنگیں ادا
کس طرح کا قصر ہے کیسے در و دیوار ہیں؟

چھت منقش کار ہے یا سادی یا رنگین ہے
تخت ہیں کیسے مطلاّ یا مرصّع کار ہیں؟

پھول ہیں کس رنگ کے پتّے ہیں کس انداز کے
مرغِ زرّیں بال ہیں یا عنبریں منقار ہیں؟

اہلِ صحبت کون ہیں کیا گفتگو کا طرز ہے
خوش بیاں یا خوش فہم ہیں یا کہ بدگفتار ہیں؟

بات کرنے کی صدا اصلا کبھی آتی نہیں
کس طرح کے لوگ ہیں سوتے ہیں یا بیدار ہیں؟

قبر سے آئی صدا اے دوست بس خاموش رہ
ہم اکیلے ہیں یہاں احباب نہ اغیار ہیں؟

وہ ہمارا پیکرِ نازک جو تجھ کو یاد ہو
آج خاکِ قبر پر اس کے منوں کے بار ہیں

اب زیادہ بات کر سکتے نہیں تو گھر کو جا
دِل ہی آزردہ نہ ہو نا کیا کریں لاچار ہیں

دم بہ دم کیا ہی مری عمر کٹی جاتی ہے
دم نہ سمجھو اسے شمشیرِ دو دم ہی سمجھو

ہمارا ہر نفس اک بادباں ہے
روانہ کشتیِ عمرِ رواں ہے

رفتارِ عمر قطعِ رہ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

یہ صدا آتی ہے رفتارِ سمندِ عمر سے
وہ بھی گھوڑا ہے کوئی جس کو کہ کوڑا چاہیے

اڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپ عمر
مہمیز کس کو کہتے ہیں اور تازیانہ کیا

کیے ہی جاتے ہیں راہِ فنا کو طے ہر دم
سمجھتی کچھ نہیں عمرِ رواں نشیب و فراز

پنج روزہ عمر کر لے عاشقی یا زاہدی
کام کچھ چلتا نہیں اس تھوڑی سی مدت سے یاں

احوال کس سے پوچھیے یارانِ رفتہ کا
وہ بھی نہ پھر کے آئے جو لینے خبر گئے

ہستی سے زیادہ ہے کچھ آرام عدم میں
جو جاتا ہے یاں سے وہ دوبارہ نہیں آتا

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

ہستی سے تا بملکِ عدم ایک جست تھی
جھپکی نہ آنکھ بھی کہ اِدھر سے اُدھر گیا

غافل نہ کھائیو فریب ہستی
ہرچند کہیں کہ ہے نہیں ہے

گرہ نکالا آسماں نے دنیا سے تو ہے بجا
آن کر مہمان بن بیٹھے تھے صاحب خانہ ہم

خانۂ ہستی سے نردوں کی روشِ اٹھ اٹھ گئے
کیسے کیسے نوجواں دنیا کی چوسر چھوڑ کر

گلشنِ دنیا نہیں جائے قیام اے غافلو
غنچہ ساں تم دوش پر رختِ سفر باندھے رہو

قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر
ہوا پر ہے بنا اپنے مکاں کی

ہم ہوئے جس دن سے پیدا موت پر ایمان ہے
زندگی گویا فنا ہونے کا اِک سامان ہے

کھُل گیا خالی، ہوا ابتدی سے رازِ زندگی
یعنی اِک تارِ نفس ہے نغمہ سازِ زندگی

کون سا جھونکا بجھا دے گا کسے معلوم ہے
زندگی اِک شمع روشن ہے ہَوا کے سامنے

جستجو سے یہ مِلا آخر نشانِ زندگی
چند قبریں نقش پاتے رہروانِ زندگی

زندگی موجِ آب ہے گویا
دَم کا آنا حُباب ہے گویا

پُوچھوگے جو فلک سے، تم سے یہی کہے گا
نہ رہ گیا وہ جو تھا جو ہے وہ کیوں رہے گا

ہوں گے حباب اُبھر کر یوں ہی فنا ہمیشہ
مَوجیں بڑھیں گھٹیں گی، دریا یوں ہی بہے گا

مَوت کو سمجھیں ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

رُوح کرتی ہے سفر یوں جسمِ انساں چھوڑ کر
نگہتِ گل جیسے جاتی ہے گلستاں چھوڑ کر

رُوح کو خاک ہو اِس جسم کی تعمیر پسند
کوئی قیدی نہ کرے خانۂ زنجیر پسند

بہ محشر گفت یا یزداں برہمن
فروغِ زندگی تابِ شرر بُود

ولیکن با تو گویم گر نہ رنجی
صنم از آدمی پایندہ تر بُود

اُجل آئی تو جسم و جاں کی آویزشیں چھوٹیں
اِسی ثالث سے یہ مُدّت کا جھگڑا پاک ہونا تھا

جو ہُوا دُنیا میں پیدا فی الحقیقت مر گیا
آدمی کو جامۂ ہستی کفن سے کم نہیں

جب نہایئں تو آیا غسلِ میّت کا خیال
قطع جب ہونے لگے کپڑے کفن یاد آ گیا

قضا آتی ہے ہر انسان کی وقتِ معیّن پر
مقاموں پر ٹھکاتے ہیں بندھے کشتی کے لنگر کے

کفن خلعت ہے ہیں دولہا جنازہ تختِ دامادی
براتی نوحہ گر ہمراہ ہیں شہنا نوازی کو

قضا لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے
بہ ہوش باش کہ عالم رَوا روی پر ہے

تنہا تو اپنی گور میں رہنے پہ بعدِ مَرگ
مت اضطراب کر تو کہ عالم ہے زیرِ خاک

جسمِ خاکی ہو گیا داخل گڑھے میں گور کے
کھِچ گئی آخر یہ کشتی جذبۂ گرداب سے

آئینہ ہے پیشِ نظر، عبرت سے دیکھ اے بے خبر
بزمِ خموشاں بھی اِدھر ہے عیش کی محفل کے پاس

جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے
اس کی غفلت پر فنا اس وقت ہنستی خوب ہے

کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جس کو خبر
پھر جو غفلت ہے تو یہ دُنیا کا اِک دستور ہے

تنِ خاکی میں دیکھا رُوح کو تو اِک مسافر ہے
گمانِ صاحبِ خانہ تھا جس پر میہماں نکلا

بظاہر بے کسی گورِ غریباں پر برستی ہے
وَلے زیرِ زمیں جا کر جو دیکھا خوب بستی ہے

از بہرِ قطع کردنِ نخلِ حیاتِ مَن
چوں ارّہ دو دمِ نفس اندر کشاکش است

درپیش سب کے واسطے منزل عجیب ہے
غافل بہوش باش اجل عنقریب ہے

اسمائے مبارک	تاریخ وسن وفات	اسمائے مبارک	تاریخ وسن وفات
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ	۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ بعمر ۶۳ سال	حضرت داؤد طائیؒ	۱۰ صفر سنہ ۱۶۵ھ
حضرت امیر حمزہؓ عم ؐ	۳۰ ذیقعدہ سنہ ۲ھ ،، ۵۹ ،،	حضرت امام مالکؒ	۷ ربیع الثانی سنہ ۱۷۹ھ
حضرت فاطمہؓ خاتون جنت	۳ رمضان سنہ ۱۱ھ ،، ۲۷ ،،	حضرت امام ابو یوسفؒ	۲۷ رجب سنہ ۱۸۲ھ
حضرت ابوبکرؓ صدیق	۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ ،، ۶۳ ،،	حضرت امام کاظمؒ	۱۸ رجب سنہ ۱۸۳ھ
حضرت عمرؓ فاروق	۲۹ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ بعمر ۵۷ ،،	حضرت فضیل بن عیاضؒ	۳ ربیع الاول سنہ ۱۸۷ھ
حضرت عباسؓ عم رسول اللہ	۱۷ رجب سنہ ۳۲ھ ،، ،،	حضرت خواجہ معروف کرخیؒ	۲۰ محرم سنہ ۲۰۰ھ
حضرت ابوذر غفاریؓ	۸ ذی الحجہ سنہ ۳۲ھ	حضرت امام علی موسیٰ رضاؒ	۹ صفر سنہ ۲۰۳ھ
حضرت سلمان فارسیؓ	۱۰ رجب سنہ ۳۳ھ	حضرت امام شافعی	۳۰ رجب سنہ ۲۰۴ھ
حضرت عثمان بن عفانؓ	۱۲ ذوالحجہ سنہ ۳۵ھ	حضرت حسین بن منصور حلاجؒ	۲۰ محرم سنہ ۲۱۶ھ
حضرت خواجہ اویس قرنیؒ	۷ شوال سنہ ۳۹ھ	حضرت ذوالنون مصریؒ	۱۰ صفر سنہ ۲۲۴ھ
حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ بعمر ۶۳ سال	حضرت بایزید بسطامیؒ	۱۱ شعبان سنہ ۲۳۰ھ
حضرت امام حسنؓ	۲۰ صفر سنہ ۵۰ھ ،، ۴۶ ،،	حضرت خواجہ سری سقطیؒ	۳۰ رجب سنہ ۲۵۳ھ
حضرت امام حسینؓ	۱۰ محرم سنہ ۶۰ھ ،، ۵۶ ،،	حضرت ممشاد دینوریؒ	۱۴ محرم سنہ ۲۹۸ھ
حضرت امام زین العابدینؒ	۲۸ محرم سنہ ۹۵ھ	حضرت شیخ شبلیؒ	۱۰ ذوالحجہ سنہ ۳۴۲ھ
حضرت امام قاسمؒ	۱۴ جمادی الاول سنہ ۱۰۷ھ	حضرت ابوالحسن خرقانیؒ	۱۰ محرم سنہ ۴۲۵ھ
حضرت خواجہ حسن بصریؒ	۱۱ رجب سنہ ۱۱۰ھ	حضرت سلطان محمود غزنویؒ	۲۳ ربیع الثانی سنہ ۴۲۰ھ
حضرت امام محمد باقرؒ	۷ ذوالحجہ سنہ ۱۱۴ھ	حضرت مخدوم علی گنج بخشؒ	۱۹ صفر سنہ ۴۶۵ھ
حضرت امام جعفر صادقؒ	۱۵ رجب سنہ ۱۴۹ھ	حضرت امام غزالیؒ	۱۴ جمادی الثانی سنہ ۵۰۵ھ
حضرت امام ابو حنیفہؒ	۱۵ رجب سنہ ۱۵۰ھ بعمر ۸۰ سال	حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ	۱۱ ربیع الثانی سنہ ۵۶۲ھ
حضرت سفیان ثوریؒ	۱۵ محرم سنہ ۱۶۰ھ	حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ	۱۰ جمادی الثانی سنہ ۶۲۶ھ
حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ	۶ رجب سنہ ۶۳۳ھ بعمر ۱۷ سال	حضرت بہاء الدین زکریاؒ	۷ صفر سنہ ۶۶۷ھ
حضرت فریدالدین گنج شکرؒ	۵ محرم سنہ ۶۶۴ھ	حضرت بو علی شاہ قلندرؒ	۹ رمضان سنہ ۷۲۴ھ
حضرت مخدوم علی احمد صابرؒ	۱۳ ربیع الثانی سنہ ۶۹۰ھ	،، خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ	۳ ربیع الاول سنہ ۷۹۱ھ
حضرت شیخ مصلح الدین سعدیؒ	۵ شوال سنہ ۶۹۱ھ	،، شاہ نعمت اللہ ولیؒ	۲۵ رجب سنہ ۸۳۲ھ
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ	۱۴ ربیع الاول سنہ ۶۳۳ھ	،، بدیع الدینؒ	۱۶ جمادی الثانی سنہ ۸۳۸ھ
،، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ	۳۰ محرم سنہ ۶۶۲ھ	،، شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ	۲۰ صفر ۱۰۳۵ھ

خُلق و رفق

رُوئے کہ از وے دل نہ کشاید ندیدنی ست سخنے کہ نیست مغرور و ناشنیدنی ست

خُلق سے مُراد خوش خوئی اور رفق سے مراد نرمی اور دلجوئی ہے۔ ایک حاصل ہوتی ہے نرمی سے اور ایک حاصل ہوتی ہے تواضع و انکساری سے۔ خُلق عمدہ ترین نعمت اور زیباترین خصلت ہے۔ جب حق تعالیٰ سبحانہ نے ایمان کو پیدا کیا، تو ایمان نے عرض کیا کہ اے خداوندا! مجھ کو قوی بنا۔ خداوند قدوس نے اس کو نیک خوئی اور سخاوت سے قوت بخشی۔ اور جب کفر کو پیدا کیا، تو اس نے بھی کہا کہ خدایا مجھے قوی بنا۔ خداوند تعالیٰ نے اس کو تند خوئی اور بخل سے قوت بخشی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بخیل اور بدخو بہشت میں نہ جائیں گے۔ حضور سرورِ کائنات نے ایک دفعہ لوگوں سے فرمایا" میں آپ لوگوں کو عبادت کرتے تو دیکھتا ہوں۔ مگر اس کی حلاوت کسی میں کم پاتا ہوں"۔ لوگوں نے پوچھا یا حضرتؐ حلاوت کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ فرمایا انکسار اور فروتنی سے"۔ ؎

من ندانم در جہانِ جستجو ہیچ اہلیّت بہ از خُلقِ نکو

ایک روز حضرت عیسٰی علیہ السلام چلے جاتے تھے کہ احمق آپ سے ملا۔ اس نے آپ سے کوئی بات دریافت کی۔ آپ نے اس کا جواب دیا۔ احمق نے حضرت کے جواب کو تسلیم نہ کیا۔ بلکہ آپ سے جھگڑنا شروع کیا۔ لیکن جس قدر وہ حضرت کی برائی کرتا جاتا تھا، آپ اس تعریف کرتے جاتے تھے۔ وہ جس قدر لڑنے پر آمادہ ہوتا جاتا تھا، حضرت اس سے رعایت اور مروّت کرتے جاتے تھے۔ اس اثنا میں حضرت کا ایک دوست آ گیا۔ اس نے کہا، حضرت یہ آپ سے کیوں آمادۂ فساد ہے؟ حالانکہ وہ غصّہ ہوتا ہے اور آپ مہربانی فرماتے ہیں۔ وہ سختی کرتا ہے اور آپ نرمی برتتے ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ نے بتایا کہ اے عزیز! کُلُّ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْہِ (یعنی از کوزہ ہماں تراود کہ در وست)۔ اس سے وہ بات پیدا ہوتی ہے۔ مجھ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ میں اس وجہ سے غصہ نہیں ہوتا کہ وہ مجھ سے مؤدّب ہوتا ہے۔ لیکن میں اس کی بات سے جاہل نہیں ہوتا۔ وہ میری عادت و خُلق سے عاقل بنتا ہے۔ ؎

اقلیم دل بزورِ مسخّر نمی شود ایں فتح بے شکست میسّر نمی شود

حکماء کہتے ہیں کہ دس چیزیں خوش خوئی کی علامت ہیں۔ اوّل لوگوں کے اچھّے کام کی مخالفت نہ کرنی۔ دوم عدل کرنا۔ سوم کسی کی عیب جوئی نہ کرنی۔ چہارم کوئی مذمّت کرے اس کی نیک تاویل کرنی۔ پنجم گنہگار کی معذرت پر اس کو معاف کر دینا۔ ششم محتاجوں کی حاجت روائی کرنا۔ ہفتم اپنے عیب پر نظر رکھنی۔ ہشتم لوگوں کا غم کھانا۔ نہم لوگوں کے ساتھ تازہ روئی سے پیش آنا۔ دہم اچھی باتیں کرنا۔ ؎

خوش است عالمِ آزادگی و خوشخوئی بدیں مقام در آ گر بہشت می جوئی

نیوٹن شام کا کھانا کھا کر واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے کُتّے نے جلتی بتّی میز پر اُلٹا کر اس کی سالہا سال کی محنت کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ تو وہ غصے میں آکر آپے سے باہر نہیں ہٹوا۔ بلکہ کہا تو صرف یہ کہا "موتی موتی تم یہ نہیں جانتے کہ تم نے کس قدر نقصان کیا ہے"؟ یہ کہہ کر وہ اسی طرح اپنے کام میں لگ گیا کہ گویا کچھ بھی نہیں ہٹوا۔

سخت کلامی باعثِ افتراق اور نرمی و ملائمت موجب اتحاد و اتفاق ہے۔ اردشیر بابک نے جس کا تختِ سلطنت زیورِ حکمت سے آراستہ و پیراستہ تھا، اپنے بیٹے کو دیکھا کہ نہایت زرق برق اور قیمتی لباس پہنے ہے کہا کہ اے فرزند! بادشاہوں کو ایسی پوشاک پہننی چاہیے کہ جو کسی خزانے میں موجود نہ ہو اور مثل اس کے کوئی اور نہ پہن سکے۔ نہ مثل تیرے کہ ایسا ہر شخص پہن سکتا ہے"۔ بیٹے نے دریافت کیا کہ وہ لباس کس چیز سے تیار ہوتا ہے"؟ بادشاہ نے کہا "نیک خوئی اور نکوکاری کے تار اور تحمّل و سازگاری کے پُود سے"۔

فریدوں سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے ملازمین کی نگہداشت کس چیز سے کرتے ہیں؟ جواب دیا، نرمی اور بُردباری سے۔ پوچھا گیا کہ مشاکل کس چیز سے حل کرتے ہیں؟ فرمایا" میل اور مہربانی سے"۔

حُسنِ خلق یہ ہے کہ تم پر جفائے خلق کا اثر نہ ہو۔ (غوث الاعظم)

حکایت: ایک دفعہ فریدوں نے اپنے باورچی کو حکم دیا کہ میرے واسطے فلاں قسم کا کھانا تیار کرنا اور نہایت تکلّف سے تیار کرنا۔ باورچی نے بادشاہ کی فرمائش کے مطابق کھانا تیار کرکے دوسرے کھانوں کے ساتھ بادشاہ کے رُو برُو پیش کیا۔ بادشاہ نے جب اپنے فرمائشی کھانے کی طرف نظر کی، تو اس میں ایک مکّھی پڑی ہوئی دیکھی اس کو نکال کر پھینک دیا۔ جب لُقمہ اٹھایا تو پھر ایک مکھی نظر آئی۔ اس لُقمہ کو چھوڑ کر دوسرا لقمہ اُٹھایا، اس میں بھی ایک مکھی ملی، تو اس نے اس کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور دوسرے کھانوں کو تناول کرکے دسترخوان اٹھوا دیا۔ بعد ازاں باورچی کو طلب کیا اور فرمایا "کھانا تو بہت ہی لذیذ تھا۔ کل پھر ایسا ہی پکانا۔ مگر اس میں مکّھی زیادہ نہ ہو"۔ حاضرین نے جو یہ حالت دیکھی تو سخت متعجب ہوئے کہ بادشاہ نے بجائے سزا دینے کے نادم کرنے پر اکتفا کیا۔ ؎

چو در مقابلۂ جرم لطف بیند کس شود خجل زدہ و ایں خجالتِ اُو رابس

خُلقِ بد سے نہ تو خلق ہی خوش رہ سکتی ہے نہ ہی خالق۔ ؎

گر ترا حق آفریدہ زِشت رُو تو مشو ہم زشت رُو ہم زشت خُو

بہت سے سر زبان سے کٹے ہوئے ہیں۔

مخبرِ صادق کا فرمان ہے "دین حُسنِ خُلق ہی کا نام ہے۔ بدخو بدخُلق کی جگہ دوزخ ہے۔ اگرچہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔ ؎

عبادتے بجہاں بہ زخاکساری نیست بہ از وضوئے عزیزاں بُود تیمّمِ ما

ایک بادشاہ کی آنکھ پر مکھی بار بار بیٹھتی تھی۔ مکھی کی ضد مشہور ہے۔ جب بادشاہ مکھی کے پیہم حملوں سے دق آگیا اور اس کو اُڑاتے اُڑاتے تھک گیا تو کہا "کیا میری تین سلطنتوں کی وسعت تیرے لیے ناکافی تھی کہ میرے ہی گوشۂ چشم پر چشمِ التفات مبذول فرمائی"۔

میزانِ عمل میں سب سے زیادہ بھاری عمل حُسنِ خلق ہے۔ (حدیث)

خوش خلق جنّت میں اعلیٰ مراتب پائے گا، اگرچہ عبادت کم رکھتا ہو۔ (حدیث)

خوئے بَد عبادت کو اس طرح تباہ کر دیتی ہے جیسے سرکہ شہد کو۔

عالمِ بدخُو کی دوستی سے فاسقِ خوشخُو کی دوستی مجھے زیادہ پسند ہے۔ (حضرت جنیدؒ)

حکایت: قاضی یحییٰ ایک دن خلیفہ مامون رشید کے ہاں بطور مہمان مقیم تھا۔ خلیفہ اور قاضی دونوں ایک ہی کمرے میں سو رہے تھے۔ آدھی رات کے بعد قاضی صاحب کی آنکھ کھل گئی۔ اور پیاس لگی۔ چاہتے تھے کہ اُٹھ کر پانی پئیں۔ خلیفہ مامون یہ دیکھ کر خود پلنگ پر سے اُٹھا، دوسرے کمرے میں گیا اور پانی کی صراحی اُٹھا کر لے آیا۔ قاضی صاحب نے کہا "آپ نے یہ کیا غضب کر دیا۔ خدّام کو ارشاد کیا ہوتا۔ خلیفہ نے کہا، سب سو رہے ہیں۔ قاضی صاحب نے کہا، میں خود پانی لے آتا، آپ نے تکلیف کیوں کی؟ مامون نے کہا "مہمان کو تکلیف دینی کس نے بتائی ہے"؟ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے "سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے"۔ ؎

نرم شو کز سخت گیراں کار صورت گیر نیست　　خامۂ فولاد ہرگز لائقِ تصویر نیست

قاضی صاحب کی موجودگی میں خلیفہ مامون نے ایک دفعہ غلام کو آواز دی، مگر کوئی نہ بولا۔ پھر پکارا تو ایک تُرکی غلام حاضر ہوا اور آتے ہی بڑبڑانے لگا "کیا غلام کھاتے پیتے یا سوتے نہیں؟ جب ذرا کسی ضرورت کے لیے باہر گئے تو آپ یا غلام یا غلام چلّانے لگتے ہیں۔ آخر "یا غلام" کی کوئی حد بھی ہے"؟ یہ سُن کر مامون نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر کے بعد قاضی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا "نیک مزاجی اور خوش اخلاقی میں یہ بڑی آفت ہے کہ نوکر اور غلام شریر اور بَدخُو ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ان کو نیک خُو کرنے کے لیے میں بَدمزاج ہو جاؤں"۔ ؎

پاسِ دل گر می توانی داشت سلطاں می شوی　　ایں نگیں را گر بدست آری سلیماں می شوی

؎ کر دیں جو بے کسوں سے ذرا یہ غرور کم　　جب بھی نہیں رہیں گے کسی سے حضور کم

حکایت: ایک حکیم کے ہاں اس کا دوست آیا۔ اس نے اپنے دوست کے سامنے کھانا لا کر رکھا۔ حکیم کی زوجہ بہت بدمزاج تھی۔ کھانا اس کے سامنے سے اُٹھا لیا اور اپنے شوہر کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ وہ مہمان غصّے ہو کر اُٹھ گیا۔ حکیم اس کے پیچھے گیا اور کہا کہ تم کو یاد ہے کہ ایک بار ہم تمہارے گھر کھانا کھاتے تھے۔ اتنے میں ایک مُرغی آئی اور دسترخوان کی تمام چیزوں کو خراب کر ڈالا۔ اس وقت ہم میں سے کوئی غصّے ہوا تھا؟ اس نے

کہا کہ نہیں۔ حکیم نے کہا تو اب بھی ایسا ہی خیال کر لو۔ وہ شخص ہنس پڑا اور ساری خفگی جاتی رہی۔ ؎

وہی ہے خوب رُو جو نیک خُو ہو وہی ہے پھول جس میں رنگ و بُو ہو

حکایت: ایک شخص نے کسی بزرگ کے پاؤں پر ایسی چوٹ ماری کہ وہ بے قرار ہو گیا۔ مگر غصہ نہ ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ غصے کیوں نہ ہوئے۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ میں نے یہ سمجھ لیا کہ میرا پاؤں پتھر پر سے پھسل گیا اور چوٹ لگ گئی۔ اس سبب سے غصہ نہیں کیا۔ ؎

کبھی ہم نے بُرا مانا نہ ایذا دینے والوں کا زیادہ سے زیادہ اپنی قسمت کا لکھا سمجھا

؎ بہر مذہب کہ باشی باش نیکو کار و بخشندہ کہ کفر و نیک خوئی بہ ز اسلام و بد اخلاقی

تمہارا خُلق مخصوص نہ ہونا چاہیے بلکہ ہر ایک نیک و بد، مومن و مشرک، خورد و کلاں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا چاہیے۔ ؎

یہ کیا کہ عیب نما خار سے اور گُل کو دیکھنا جب صلح کُل ہی ٹھہرے تو پھر کُل کو دیکھنا

کسی کی دل شکنی کے بعد دلجوئی کے ہزار طریقے اختیار کئے جائیں۔ لیکن اس کا اثر زائل کرنا محال ہے۔ ؎

مَن، موتی اور دُودھ کا تن کا یہ سبھاؤ ٹوٹے پھوٹے نہ ملیں چاہے لاکھ کرو اُپاؤ

؎ دل کہ رنجد از کسے خورسند کردن مشکل است شیشۂ بشکستہ را پیوند کردن مشکل است

؎ گر صد ہزار لعل و گہر میدہی چہ سُود دل را شکستہ نہ کہ گوہر شکستہٗ

حکایت: ملک شاہ والیٔ بلخ ایک روز شکار کھیلنے گیا کہ اثنائے شکار میں ایک تیر اتفاقیہ ایک دیہاتی لڑکے کو جا لگا، جو کھیت میں کام کر رہا تھا۔ شاہ بہ نفسِ نفیس جائے واردات پر پہنچا اور اس دردناک نظارے سے متاثر ہو کر بے اختیار رو پڑا۔ حکم دیا کہ اس کے وارث کو بلاؤ۔ اس لڑکے کا غریب باپ نہایت خستہ حالت میں خدمتِ شاہ میں حاضر ہوا۔ شاہ نے ایک طشت اشرفیوں کا بھرا ہوا اس پر تلوار رکھ کر اس کے آگے رکھوا دیا اور فرمایا۔ ورا اگرچہ یہ حادثہ اتفاقیہ طور پر وقوع پذیر ہوا ہے۔ لیکن یہ شمشیر اور میرا سر اور طشت مع زر موجود ہے۔ ان دونوں میں سے جسے تیرا دل چاہے، اختیار کر۔ غریب دیہاتی نے شاہ کی جوانمردی اور انتہائے اخلاق و انصاف کو دیکھ کر زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ "یہ لڑکا تو گیا! میرا سر اور یہ زر فرقِ مبارک پر نثار ہے، عمر و دولت شہنشاہ کی بڑھے۔ میں اپنی داد پا چکا۔" آخر شاہ نے وہ زر اُسے دلوا دیا اور اس گاؤں کی ملکیت کی سند اسی کو مرحمت فرمائی۔

حکایت: امیر منصور کے پاس حمزہ نام ایک خدمتگار زمانۂ ولیعہدی میں تھا۔ جو کہ نہایت سُست ہونے کے علاوہ بہت بیوقوف بھی تھا۔ امیر کو اس غفلت و حماقت کی وجہ سے اکثر رنج اُٹھانا پڑتا۔ ناچار دِق ہو کر امیر نے اس کو اپنی ملازمت سے علیحدہ کر دیا اور الطاف شاہانہ سے بطور مروّت اس کو چار ہزار دینار مرحمت فرمائے تاکہ وہ شکستہ خاطر نہ ہو۔ کچھ مدت کے بعد حمزہ پھر خدمتِ شاہ میں حاضر ہوا اور اپنی تنگدستی کا احوال بیان کیا۔ امیر منصور نے اس کا بیان سُن کر چار ہزار دینار پھر اُسے دلوائے اور کہا کہ اس رقم سے

تجارت کر کے اپنی گزران کر، اور اب آئندہ میرے پاس مت آنا۔ کیونکہ مجھے تمہارے سے شرم آتی ہے۔ وہ زر لے کر چلا گیا۔ جس وقت منصور مسندِ خلافت پر متمکّن ہوا۔ حمزہ مبارک باد دینے آیا۔ منصور نے پوچھا، اب تو کیوں آیا ہے؟ کیا میں نے تجھ کو منع نہ کیا تھا۔ کہ میرے پاس کبھی مت آنا۔ حمزہ نے کہا میں تہنیت عرض کرنے آیا ہوں۔ منصور نے اس کو چار ہزار دینار پھر دلوائے اور کہا "اس دفعہ تو تُو آ گیا سو آ گیا، لیکن آئندہ آ کر مجھے کبھی مت ستانا۔ ایک سال کے بعد حمزہ پھر امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پوچھا اب کس واسطے آیا ہے؟ کہا، ان دنوں سفرِ حجاز میں ایک شخص نے جو دعائے مستجاب آپ کو بتلائی تھی، میں نے چاہا کہ امیر کو جا کر یاد دلا دوں تاکہ اس کے پڑھنے سے استحکام سلطنت نصیب ہو۔ امیر نے کہا، اے حمزہ! کل رات میں وہ دُعا میں نے پڑھی تھی کہ خداوند کریم آئندہ تیری صورت مجھے نہ دکھائے۔ خدا نے وہ دُعا قبول نہ فرمائی اور تو نے خواہ مخواہ مجھے آ کر زحمت دی۔ تیری خدمت کا حق میرے دل سے فراموش نہیں ہوتا۔ اور میں تجھ سے بہت شرمندہ ہوں چار ہزار اور لے۔ لیکن عہد کر کہ پھر میرے لیے یہ تکلیف روا نہ رکھے، اور مجھے زیادہ شرمندہ نہ کرے۔ آخر اس نے قسم اُٹھائی کہ آئندہ کبھی اِدھر کا رُخ نہ کروں گا۔ سچ ہے کہ نیک مَرد تنکا اُتارنے کا احسان بھی فراموش نہیں کرتے۔ ؎

شرفِ مَرد بہ جُود است و کرامت بسجود ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

حکایت: پرویز شاہ والیٔ ایران ایک مرتبہ کسی درباری پر ناخوش ہوا۔ اس کے قصور کی سزا میں چند روز قید کر کے چھوڑ دیا۔ دربار میں اس کا آنا جانا موقوف ہوا۔ بے کاری کے باعث روٹی تک کا محتاج ہو گیا۔ ایک روز اس نے خبر پائی کہ آج بادشاہ فلاں مکان میں جشن کیے خوشی سے بیٹھا ہے۔ یہ اپنے دوستوں سے گھوڑا اور اعلیٰ درجہ کا جوڑا عاریتہً لے کر وہاں گیا۔ دربان اور چوبداروں نے خیال کیا کہ شاید اس جشن کی خوشی میں اس کی تقصیر معاف ہو گئی ہوگی۔ کوئی نہ سمجھا کہ بغیر پروانگی آیا ہے۔ یہ جاتے ہی مصروف انتظام ہو گیا۔ بادشاہ نے اُسے دیکھا، ہر چند ناخوش تھا۔ لیکن ایسی خوشی کے موقعہ پر اس کو کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ دیدہ و دانستہ طرح دے گیا۔ اس عرصہ میں اس نے جو موقع پایا تو پانچ سیر وزن کا سونے کا ایک طباق قبا کے دامن میں چھپا لیا اور وہاں سے نکل کر اپنے گھر چلا آیا اور اس کو فروخت کر کے مزے سے گزران کرنے لگا۔ دوسرے دن خدمتگار گمشدہ طباق زریں کی جستجو کرنے لگے۔ کئی ایک اشخاص پر شبہ تھا کہ انہیں مار پیٹ کر قبول کرائیں۔ شاہ نے کہا۔ "تم کیوں جھگڑتے ہو"؟ خدام نے کہا طباق زریں جاتا رہا۔ ہم اس کا سراغ لگاتے ہیں۔ فرمایا اِن غریبوں کو چھوڑ دو، جو لے گیا ہے، وہ نہ دے گا، اور جس نے لے جاتے دیکھا ہے وہ بھی نہ بتلائے گا۔ ایک سال کے بعد پھر بادشاہ نے اسی جگہ جشن کرایا۔ اس درباری نے بھی خبر پا کر خود کو وہیں پہنچایا۔ شاہ نے اسے نزدیک بلا کر کان میں کہا، شاید کہ پہلا طباق خرچ ہو چکا ہوگا۔ اس نے آداب بجا لا کر کہا "حضور کے عتاب کے باعث جان سے تنگ آیا تو دانستہ یہ حرکت کی، کہ سزا وار قتل ہو کر زندگی کے وبال سے چھوٹ جاؤں۔ شاہ کو اس بات

پر رحم آیا اور اس کی تقصیر معاف کر کے بدستور خدمتِ سابقہ پر بحال کیا۔

حکایت شہنشاہ جہانگیر نے ایک مرتبہ دورانِ شکار میں ایک گاؤں کے قریب ڈیرہ ڈالا۔ ایک خدمت گار گاؤں میں انڈے خریدنے گیا تو ایک دیہاتی نے یہ معلوم کر کے کہ یہ انڈے بادشاہ کے لیے خریدے جا رہے ہیں پانچ اشرفی فی انڈا قیمت طلب کی۔ خدمت گار نے اس کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ یہ شخص باوجود اس بات کے جاننے کے کہ یہ انڈے شہنشاہ عالم کے لیے مطلوب ہیں، اس قدر گراں قیمت طلب کرتا ہے بادشاہ نے نہایت خوش اخلاقی سے دریافت کیا کہ کیا اس گاؤں میں انڈے کم ملتے ہیں؟ دیہاتی نے کہا حضور انڈے تو بہت ملتے ہیں، لیکن ایسے شہنشاہ کم ملتے ہیں۔ بادشاہ اس کے اس مدلل اور برجستہ جواب سے بہت خوش ہوا اور انڈوں کی منہ مانگی قیمت دینے کے علاوہ اس کو معقول انعام دے کر رخصت کیا۔

واشنگٹن جب کہ بسترِ مرگ پر پڑا تھا، اس کے خادم نے پوچھا، کیا آپ کے لیے چائے لاؤں؟ اس نے کہا "اگر آپ کی مہربانی ہو سکے"۔

شاہِ فلپ کے دربار میں جو سفیر گئے تھے، انہوں نے واپس آکر ڈیموسینتھز کو بتایا کہ بادشاہ بہت خوبصورت ہے، بڑا فصیح و بلیغ ہے۔ شراب خوب پیتا ہے۔ تو اس دانشمند نے کہا کہ ان تعریفوں میں سے ایک تو عورت کی ہے۔ دوسری تعریف سفیر یا وکیل کی اور تیسری تعریف اسفنج سے مشابہ ہے۔ بادشاہ میں جو اوصاف ہونے چاہئیں، ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ بادشاہ وہ ہے جو میدانِ جنگ میں دشمن کو مغلوب کر کے اس پر رحم کرے اور رعایا کے ساتھ خلق و رفق سے پیش آئے۔ اور اُسے خوشحال رکھے۔

حکایت: بیان کیا جاتا ہے کہ خوارزم میں ایک نہایت عادل بادشاہ تھا۔ اس کے عہدِ سلطنت میں کسی کی طاقت نہ تھی کہ کوئی بُرا کام علانیہ کر سکے۔ ایک شخص جو اس کی درگاہ میں حقوقِ قدیمی رکھتا اور جملہ اُمرائے دربار میں سے اس کے اختیارات زیادہ تھے، بظاہر نہایت نیک تھا۔ لیکن پوشیدہ بدسرشت اور مبتلائے فسق و فجور تھا۔ اور کسی کی طاقت نہ تھی کہ اس کی برائیوں کے متعلق بادشاہ سے عرض کرے۔ سلطان نے اس بات سے واقف ہو کر یہ تو نہ چاہا کہ ظاہراً اس معاملے میں اسے کچھ نصیحت کرے۔ کیونکہ ہیبت میں فرق آئے گا۔ لہٰذا بادشاہ نے اُسے بلا کر کہا کہ مجھے ایک ایسے مُرغ کی ضرورت ہے جس کی چونچ سرخ۔ سر کے بال سیاہ اور باقی سب سفید ہو۔ چونکہ تو سارے شہر اور اس کے حالات سے واقف ہے۔ سوائے تیرے کوئی اس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ اس نے اس کام کے لیے ہفتہ بھر کی مہلت مانگی۔ بالآخر کافی جدوجہد کے بعد عرض کیا کہ میں مجبور ہوں کہ مجھ کو ایسا جانور نہیں مل سکا۔ بادشاہ نے کہا، جاؤ فلاں محلہ اور فلاں مکان میں مطلوبہ قسم کے چار مرغ ہیں اور اس قسم کا پنجرہ ہے۔ چنانچہ جب دیکھا گیا تو واقعی ایسا ہی تھا۔ وہ شخص متعجب ہوا، اور ڈرا کہ جب بادشاہ کو شہر کے مکانوں اور مکانوں کے اندرونی حالات کا اس قدر علم ہے تو میری بدکاریوں سے وہ کیسے بے خبر رہ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے افعالِ بد سے فی الفور تائب ہو گیا۔ حسنِ تنبیہ کی یہ بہترین مثال ہے۔

اے دوست دل میں گردِ کدورت نہ چاہیے
اچھے تو کیا بُروں سے بھی نفرت نہ چاہیے
کہتا ہے کون پھول سے رغبت نہ چاہیے
کانٹے سے بھی مگر تجھے وحشت نہ چاہیے
کانٹے کی رگ میں بھی ہے لہُو سبزہ زار کا
پالا ہُوا ہے وہ بھی نسیمِ بہار کا

قدر و قیمتِ وقت

اے شیخ کیا ڈھونڈتے ہے شبِ قدر کا نشان
ہر شب ہے شبِ قدر اگر تو ہو قدردان

صوفیائے کرام فرماتے ہیں "اَلْوَقْتُ سَیْفٌ قَاطِعٌ"۔ حکما کا قول ہے کہ زمانہ سیّال ہے۔ اسی کسی آن سکون نہیں۔ خدا ڈراتا ہے کہ تم کہیں رہو، موت تمہیں نہیں چھوڑے گی۔ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ ہر ایک کام کا وقت ہے۔ مگر انسان موت کا وقت نہیں جانتا۔ انبیا کرام بھی نصیحت کرتے ہیں کہ وقت سے ہوشیار رہو۔ وقت کی خبر رکھو وقت کو برباد نہ کرو۔ وقت کو غیر مفید باتوں میں صرف نہ کرو۔ گھڑی گھڑی لحظہ لحظہ کا تمہیں حساب دینا پڑے گا۔ حکماء و علماء و دانشمند بھی نصیحت کرتے ہیں کہ وقت کی قدر کرو۔ اسے ضائع نہ ہونے دو۔ تاریخ بھی ہم کو یہی سبق دیتی ہے۔ صدیوں کا تجربہ بھی ہم کو یہی سکھاتا ہے کہ دنیا میں جس قدر کامران و کامیاب ہستیاں گزر چکی ہیں۔ ان کی کامیابی و ناموری کا راز صرف وقت کی قدر اور اس کا صحیح استعمال تھا۔

وقت گزرتے ہوئے واقعات کا ایک دریا ہے۔ اس کا بہاؤ تیز اور زبردست ہے۔ جونہی کوئی چیز اس کی زد میں آتی ہے۔ اس کی لہریں اُسے اپنے ساتھ بہا لے جاتی ہیں۔ پھر اور کوئی شے اس کی جگہ لے لیتی ہے لیکن وہ بھی اسی طرح بہ جاتی ہے۔ خداتعالیٰ کے ہاتھ سے صدیاں ریت کے ذرّوں کی طرح گرتی ہیں۔ ؎

نگہدار فرصت کہ عالم دمے است
دمے پیشِ عالِم بہ از عالمے است

یہ ایک مشہور مثال ہے کہ "اَلْوَقْتُ مِنْ ذَهَبٌ" یعنی وقت بھی ایک سونا ہے اور یہ تو صرف ان لوگوں کے لیے صحیح ہے جو موجودات کی قدر و قیمت محض قیاس و تصوّر کے ذریعے ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ پاکیزہ خیالات و نظریات اور اچھے افکار کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں تو وقت کی قیمت بہت گراں ہے۔ ان کے نزدیک "وقت" کا مقام بہت بلند اور ارفع ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "اَلْوَقْتُ هُوَ الْحَيَاتُ" یعنی وقت ہی زندگی ہے۔ اے انسان! ذرا سوچ تو سہی کہ اس دنیا میں تیری زندگی کیا ہے؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیری زندگی اس دنیا میں تو صرف پیدائش اور موت کے درمیان کا تھوڑا سا غیر یقینی اور بے اندازہ وقفہ ہے۔ اے انسان! تیری عقل اس بارے میں تیری کچھ بھی رہنمائی نہیں کرتی کہ تو "وقت" اور "سونے" کی حقیقت اور ان کے امتیازی فرق کو پہچان سکے۔ سونا تو آنے جانے والی چیز ہے۔ وہ تیرے ہاتھ سے نکل بھی جاتا ہے، اسے تو کھو بھی بیٹھتا ہے، یہ دوبارہ بھی حاصل ہو سکتا ہے اور پہلے سے کئی گنا زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جو وقت کہ گزر چکا ہے اور جو زمانہ بھی کہ چلا گیا ہے

وہ کسی صورت اور کسی قیمت پر بھی واپس نہیں آ سکتا۔ تو ذرا انصاف سے سوچ کہ کیا وقت سونے سے زیادہ مہنگا نہیں ؟ کیا وقت الماس سے زیادہ مہنگا نہیں ؟ کیا یہ ہر چیز سے زیادہ گراں نہیں ؟ یاد رکھ کہ دُنیا کے تمام اعراض و جواہر وقت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ وقت کے مقابلے میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ کیونکہ وقت ہی تو سونا اور جواہر نہیں، بلکہ ایک انمول زندگی ہے۔ ؎

نہ کر عمر کی اک بھی ضائع گھڑی　　　کہ ٹوٹی لڑی جب کہ چھوٹی کڑی
گنوائے گا عاقل نہ بے کار دِن　　　کہ انسان کی ہے زندگی چار دن

کامیابی کسی تھوڑے سے وقت یا پے در پے کام کرنے پر ہی موقوف نہیں ہے۔ بلکہ وقت کی مناسب تقسیم پر ہی منحصر ہے۔ ہر کام اپنے وقت پر پورا ہو۔ کام میں بے جا تقدیم و تاخیر بھی غفلت کے مترادف ہے۔ اس لیے اہل عقل کے نزدیک قبل از وقت کوئی کام کرنا، یا بے جا تاخیر کرنا محذور و متروک ہے۔ ہر عمل اپنے وقت مقررہ اور مناسب اندازے کے مطابق ہونا چاہیے۔ "وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ" دن اور رات کا وقت اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔ اس لیے غافلین کو اللہ تعالیٰ نے زبردست زجر و توبیخ فرمائی ہے اور ان کی عاقبتِ بد اور خسارے کو پُر زور الفاظ میں ادا کیا ہے۔ ترجمہ آیت پاک "ہم نے اس قسم کے بہت سے انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں۔ جن کے دل ایسے ہیں جن سے وہ نہیں سمجھتے۔ اُن کی آنکھیں ایسی ہیں جو نہیں دیکھ سکتیں۔ اور اُن کے کان ایسے ہیں جن سے وہ سُن نہیں سکتے۔ وہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور لوگ غافل ہیں۔" حضرت فاروق اعظمؓ دُعا فرماتے تھے "یا اللہ! اوقاتِ زندگی میں برکت دے اور انہیں صحیح مصرف پر لگانے کی توفیق عطا فرما۔" حضرت رسول کریمؐ کی حدیث مبارک کا ترجمہ "کوئی دِن ایسا نہیں جب وہ طلوع ہوتا ہے مگر یہ کہ وہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ اے انسان! میں ایک نو پید مخلوق ہوں۔ میں تیرے عمل پر شاہد ہوں۔ مجھ سے کچھ حاصل کرنا ہے تو کر لے۔ میں تو اب قیامت تک لوٹ کر نہیں آؤں گا۔" نیز آنحضور سرورِ کائنات کا فرمان ہے۔ "مومن کے لیے دو خوف ہیں، ایک "عاجل" جو گزر چکا ہے معلوم نہیں خداؑ اس کا کیا کرے گا اور ایک "اجل" جو ابھی باقی ہے۔ معلوم نہیں اللہؑ اس میں کیا فیصلہ صادر فرمائے ؟ تو انسان کو لازم ہے کہ اپنی طاقت سے اپنے نفس کے لیے اور دنیا سے آخرت کے لیے، جوانی سے بڑھاپے کے لیے اور زندگی سے قبل از موت کچھ نفع حاصل کر لینا چاہیے۔ ؎

وقت کی رفتار ہو محسوس یہ دشوار ہے　　　یہ زمیں چلتی ہے تیزی سے مگر ہلتی نہیں

پس اے عزیز! وقت کی قدر کر اور عمر کو غنیمت شمار کر۔ خواب غفلت سے بیدار رہو اور ہوشیاری سے میدانِ عمل میں کُود جا۔ عمل کر اور بے عمل نہ بن۔ بے عملی قوتوں کو موت کی نیند سُلا دیتی ہے۔ وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ؎

نگہ دار فرصت کہ عالم دمے ست　　　دمے پیشِ عالِم بہ از عالمے ست

ے در زندگی بکوش ہمیں دم غنیمت است زیرا کہ روزِ مرگ بکس آشکارا نیست

وقت کو رائگاں کھونے والے کہہ دیا کرتے ہیں۔ ے

ذکر خدا و کارِ جہاں، یادِ رفتگاں دو دن کے اس قیام میں کیا کرے کوئی

لیکن انہیں یاد رہے کہ وقت سے کام لینے والے اس تھوڑی سی زندگی میں مُوجد بن گئے۔ فلاسفر بن گئے بزرگانِ دین اور اولیا بن گئے۔ دین و دُنیا کے مالک بن گئے۔ برخلاف اس کے جتنے ننگے بھوکے اور فاقہ کش تم دنیا میں دیکھ رہے ہو، یہ سب وہی لوگ ہیں، جنھوں نے بچپن میں اپنے وقت کو رائگاں کھویا ہے۔ اس کی ایک بنیادی ٹیڑھی اینٹ نے ان کی تمام زندگی کی عمارت کو ٹیڑھا کر دیا۔ بیکار کھویا ہُوا ایک لمحہ عمر بھر کے ننھے سے پودے کی کئی شاخوں کو کاٹ ڈالتا ہے۔

موت کیا ہے؟ جسم کا بے حس و حرکت اور ٹھنڈا ہو جانا۔ جو لوگ ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر، بے کار بیٹھ کر یا سو سو کر وقت گزارتے ہیں، اُن مُردوں اور مُردوں میں فرق ہی کیا ہے۔

ایک وقت میں ایک ہی کام مکمل طور پر کرنا کئی نامکمل کاموں کا خون کر دینے سے بہتر ہے۔

وقت ہمارے پاس اسی طرح آتا ہے جیسے کوئی دوست بھیس بدل کر آتا ہے اور چپ چاپ بیش قیمت تحفہ جات اپنے ساتھ لاتا ہے۔ لیکن اگر ہم اُن سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو وہ چپکے سے مع اپنے تحائف کے واپس چلا جاتا ہے اور پھر کبھی واپس نہیں آتا۔ ہر صبح کو ہمارے لیے نئی نئی نعمتیں آتی ہیں۔ لیکن اگر ہم کل اور پرسوں کی چیزیں منظور نہیں کر سکتے تو ہم اُن سے فائدہ اُٹھانے کے روز بروز ناقابل ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کی خوبیوں کو سمجھنے اور ان کو کام میں لانے کی طاقت جو ہم میں ہے، رفتہ رفتہ زائل ہو جاتی ہے کھوئی ہوئی دولت محنت اور کفایت شعاری سے پھر حاصل ہو سکتی ہے۔ کھویا ہُوا علم مطالعہ سے پھر مل سکتا ہے۔ کھوئی ہوئی تندرستی ڈاکٹر اور دوا کی مدد سے واپس آ سکتی ہے۔ لیکن کھویا ہُوا وقت لاکھ کوشش کرنے پر بھی دوبارہ حاصل نہیں ہو سکتا اور ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ بعد میں انسان کو یہ پرانا سبق حاصل ہوتا ہے۔ "پن چکی" اس پانی سے نہیں چل سکتی جو بہہ گیا ہو۔ ے

من نمی گویم زیاں کُن یا بفکر سُود باش اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زُود باش

فضول کاموں سے ایک گھنٹہ روزانہ بچا کر معمولی آدمی بھی کسی سائنس کو پوری طرح اپنے قابو میں کر سکتا ہے۔ دن میں ایک گھنٹہ ہر روز خرچ کر کے جاہل سے جاہل انسان بھی دس سال میں ایک درجے کا باخبر اور عالم و فاضل بن سکتا ہے۔ ایک گھنٹے میں ایک معمولی لڑکا خوب اچھی طرح سمجھ کر ایک کتاب کے بڑے بیس صفحے اور اس حساب سے سال بھر میں سات ہزار صفحے پڑھ سکتا ہے۔ غرض ایک گھنٹہ روزانہ کی بدولت ایک حیوانی زندگی کارآمد اور مسرت بھری انسانی زندگی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اور ایک گھنٹہ روزانہ کام کر کے ایک گمنام شخص ایک مشہور آدمی اور ایک ناکارہ آدمی قوم کا محسن بن سکتا ہے۔ ے

در دستِ فقیر نیست نقدے جز وقت — آں نیز گر از دست دِہد وائے برو

ایک اور دھوکا ہے جو انسان کو وقت کے ضائع کرنے کی شرم اور افسوس سے بچاتا رہتا ہے اور وہ لفظ "کل" ہے جس کے لیے کہا گیا ہے کہ انسان کی زبان میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو "کل" کے لفظ کی طرح اتنے گناہوں اتنی حماقتوں، اتنی وعدہ خلافیوں، اتنی خشک اُمیدوں، اتنی غفلتوں، اتنی بے پروائیوں اور اتنی برباد ہونے والی زندگیوں کے لیے جواب دِہ ہو۔ کیونکہ اس کی آنے والی "کل" یعنی فردا نہیں آتی۔ اور وہ فردائے قیامت یا گزری ہوئی "کل" یعنی دیروز بن جاتی ہے۔ اور پچھلی کل کو ہم کبھی واپس نہیں بلا سکتے۔ اور فردائے قیامت نہایت دُور رہتی ہے۔ ان دونوں قسم کی "کل" کو ہم "آج" میں مستغرق نہیں کر سکتے۔ وقت جب ایک دفعہ مر گیا تو اس کو پڑا رہنے دو۔ اب اس کے سامنے اور کچھ نہیں کرنا ہے، سوائے اس کے کہ اس کی قبر پر آنسو بہاؤ۔ اور آج کی طرف لوٹ آؤ۔ مگر لوگ اس کی طرف نہیں لوٹتے اور عملاً فردا کو کبھی امروز نہیں ہونے دیتے۔

؎ ہر شبے گویم کہ فردا ترکِ ایں سودا کنم — باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

ایک ہندی شاعر کا بے نظیر مقولہ ہے۔ ؎

کل کرے سو آج کر، آج کرے سو اب — پل میں پرلے ہوئے گی پھر کرے گا کب

وقت گزر جانے پر افسوس بے نتیجہ ہے۔ پھر پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ مُثنّے کہ بعد از یاد آید بر کلّہ خود باید زد۔ موت پر اتنا افسوس نہیں ہوتا، جتنا کہ وقت کے فوت پر۔ دوزخی بھی کہیں گے "اے خدا تو ہمیں ایک بار پھر دنیا میں بھیج دے۔"

کیا تم کو زندگی سے محبت ہے؟ اگر ہے تو وقت کو برباد نہ کرو۔ کیونکہ اسی کا نام زندگی ہے اور ایک ساعت کی بربادی سے جو نقصان ہوتا ہے بقائے دوام بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتی۔ اور یہ کمی کبھی پوری نہیں ہوتی۔ سچ یہ ہے کہ وقت کو ضائع کرنا ایک طرح کی خودکشی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ خودکشی ہمیشہ کے لیے زندگی سے محروم کر دیتی ہے اور تضییعِ اوقات ایک محدود زمانے تک زندہ کو مُردہ بنا دیتی ہے یہی منٹ۔ گھنٹے اور دن جو غفلت اور بے کاری میں گزر جاتے ہیں۔ اگر انسان حساب کرے تو ان کی مجموعی تعداد مہینوں بلکہ برسوں تک پہنچتی ہے۔ اگر کسی سے کہا جائے کہ تیری عمر سے دس پانچ سال کم کر دیئے گئے تو یقیناً اس کو سخت صدمہ ہوگا۔ لیکن وہ معطّل بیٹھا ہوا خود اپنی عمرِ عزیز کو برباد کر رہا ہے۔ مگر اس کے زوال و فنا پر کچھ افسوس نہیں کرتا اور دائمی سوز و گداز میں مبتلا رہتا ہے۔ ؎

عمرِ عزیز قابلِ سوز و گداز نیست — ایں رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

؎ آنکہ صرف میکند پیدا برائے سیم و زر — کاش نقدِ وقت را ہم مصرفے پیدا کند

اگرچہ وقت کا بیکار کھونا عمر کا کم کرنا ہے۔ لیکن اگر یہی ایک نقصان ہوتا تو چنداں غم نہ تھا۔ کیونکہ دُنیا میں سب کو عمرِ طویل نصیب نہیں ہوتی۔ لیکن بہت بڑا نقصان وہ خسارہ جو بے کاری اور تضییعِ اوقات سے ہوتا ہے۔ وہ

ہے کہ بے کار آدمی کے خیالات ناپاک اور زبوں ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے عوارضِ جسمانی و رُوحانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مردِ بے کار باشود دُزد یا شود بیمار۔ حرص و طمع، ظلم و ستم، قمار بازی، حق تلفی و نافرمانی، زناکاری و شراب خوری عموماً وہی اشخاص کرتے ہیں جو معطل و بے کار رہتے ہیں۔ انسان کچھ نہ کچھ کرنے کے واسطے بنایا گیا ہے۔ ع ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ جب تک ان کی طبیعت اور دل و دماغ نیک اور مفید کام میں مشغول نہ ہوگا، اس کا میلان ضرور بدی اور معصیت کی طرف رہے گا۔ پس انسان اگر انسان بننا چاہتا ہے اور زندگی کو باآرام بسر کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو سب کاموں سے مقدم کام اس کے واسطے یہ ہے کہ وہ اپنے وقت پر نگران رہے۔ ایک لمحہ بھر بھی فضول نہ کھوئے اور ہر کام کے لیے ایک وقت اور ہر وقت کے لئے ایک کام مقرر کر دے۔ ورنہ جو شخص وقت کو برباد کرے گا، وقت اس کو برباد کر دے گا۔

اگر آپ غور کریں گے تو نوّے فیصد لوگ صحیح طور پر یہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے وقت کا زیادہ حصّہ کہاں اور کیوں صرف کرتے ہیں۔

فرینکلن نہایت محنتی، اَن تھک کام کرنے والا، از حد پابندِ اوقات اور ایک منٹ بھی ضائع نہ کرنے والا تھا۔ اپنے کھانے اور سونے کے لیے کم سے کم وقت جو دیا جا سکتا تھا، دیتا تھا۔ جب وہ بچہ ہی تھا تو ایک مرتبہ اپنے والد کے زیادہ دیر تک کھانا کھانے کے میز پر بیٹھے رہنے پر ہر ایک پیالے پر خدا سے برکت مانگنے پر گھبرا کر اپنے والد سے یہ پوچھا "کیا آپ تمام پیپے ہی پر ایک دم ہمیشہ کے لیے برکت نہیں مانگ سکتے؟ اس طرح بہت سا وقت بچ جائے گا۔" اس نے اپنی سب سے اچھی تصانیف جہاز میں سفر کرتے ہوئے لکھی ہیں۔

موجودہ وقت خام مسالے کی مانند ہے جس سے آپ جو کچھ چاہیں بنا سکتے ہیں۔ گزشتہ زمانے کے متعلق افسوس مت کرو۔ یہ بے سُود ہے۔ آئندہ زمانے کے خواب بھی مت دیکھو کہ یہ موہوم ہیں۔ وقت کو پیچھے سے مت پکڑو، ہاتھ نہ آئے گا۔ بلکہ آگے سے روک کر اس کو قابو میں لاؤ اور گزرے ہوئے سے تجربہ حاصل کرو اور سبق سیکھو۔ اس کے متعلق ایک مشہور انگریز شاعر کے خیالات کا ترجمہ درج ذیل ہے۔ ؎

زیر و بالا دیکھنا ہرگز تجھے شایاں نہیں — فکرِ ماضی اور مستقبل کا دے دل سے نکال
تجھ کو کیا لینا ہے ماضی اور استقبال سے — کام کو حال سے ہے کام کی ہے چیز حال
حال ہی خوشحال کر سکتا ہے گر ہے حالِ بد — حال کی رکھ دل میں آسانی و وقت کا خیال
حال استقبال کا پہلا قدم ہے یاد رکھ — حالِ استقبال کو دم بھر میں لیتا ہے سنبھال

؎ گزشتہ خواب و آئندہ خیالست — ہماں دم را غنیمت داں کہ حالست

وقت دولت ہے ہمیں اس کے متعلق اسلاف کا سلوک کرنا واجب نہیں۔ جس طرح ہم کوئی روپیہ یا اشرفی فضول نہیں پھینکتے۔ اسی طرح ہمیں وقت کا کوئی حصّہ بھی بے سود نہ خرچ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وقت کی بربادی نہ صرف دولت ہی کی بلکہ طاقت کی بھی بربادی ہے۔ سستی نسوں کو اس طرح کھا جاتی ہے، جس طرح لوہے کو

زنگ۔ زندہ آدمی کے لیے بے کاری زندہ درگور ہونا ہے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھو ورنہ تمہارا ضمیر آزاد ہو کر کسی ایسی خرابی کے گڑھے میں گرائے گا، جس سے تمہیں سنبھلنا دشوار ہو جائے گا اور تم نے کبھی اس گراوٹ کی خرابی کا اندازہ بھی نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ مشغولیت ہی انسانی زندگی کی محافظ اور بے کاری برائی کی مترادف ہے۔ کیونکہ بدی بڑی آسانی سے اس روح میں اُتر آتی ہے جو شغل سے خالی ہو۔

نہ ہو کام کچھ اور دن ہو تمام　　　تو ڈوبا وہ دن اور اُجڑی وہ شام
نہ تو کل کے افسوس میں آج رو　　　کہ کل رونے بیٹھے گا پھر آج کو

داناؤں کے رجسٹروں میں "کل" کا لفظ کہیں نہیں ملتا۔ البتہ بیوقوفوں کی جنتریوں میں یہ بکثرت مل سکتا ہے عقلمندی اس لفظ کو قبول نہیں کرتی اور نہ سوسائٹی اس کو منظور کرتی ہے۔ یہ تو محض بچوں کا بہلاوا ہے کہ فلاں کھلونا تم کو کل لے دیا جائے گا۔ یہ ایسے لوگوں کے استعمال میں آنے والی چیز ہے جو صبح سے شام تک خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں اور شام سے صبح تک خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ کامیابی کی شاہراہ پر بے شمار اپاہج سسکتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی تمام عمر "کل" کے تعاقب کرتے ہوئے کھو دی اور اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھو دی۔ ہم اسی دھوکے میں ہاتھ دھوئے بیٹھے رہے کہ "کل" ہمارے لیے اچھی اچھی نعمتیں اور فائدہ مند اشیا لائے گی۔ لیکن یہ محض دھوکے کی ٹٹی نکلی۔

وہ آدمی جو دونوں ہاتھ اپنی جیبوں میں ڈال کر قیمتی وقت ضائع کرتا ہے جب کہ دوسرے کام کر رہے ہوں تو وہ بہت جلد اپنے ہاتھ دوسروں کی جیب میں ڈالے گا۔

"کل" شیطان کا مقولہ ہے۔ تواریخ کے تمام اوراق "کل" کے شاندار شکاریوں سے پُر ہیں۔ حیف ہے ان بدنصیب انسانوں پر جن کی تجاویز صرف اس "کل" کے لفظ نے پوری نہ ہونے دیں۔ "کل" کا لفظ سست الوجود نالائقوں اور بدبختوں کی جائے پناہ ہے۔ لندن افریقن ایسوسی ایشن نے سیاح لیڈریارڈ کو افریقہ بھیجنے کی تجویز کی۔ اس سے دریافت کیا گیا کہ تم کب تک جانے کے لیے تیار ہو سکتے ہو؟ اُس نے جواب دیا "کل صبح تک"۔ پھر جان جورس سے پوچھا گیا کہ تم کب تک جہاز پر شامل ہو سکتے ہو؟ اُس نے جواب دیا "ابھی"۔ چنانچہ اسی کو بھیجا گیا۔ جو بعد میں ارل سینٹ وِنسینٹ بن گیا اور لیڈریارڈ "کل" کی وجہ سے محروم رہ گیا۔

ماندم کہ خار از پاکشم محمل نہاں شد از نظر　　　یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

آج کرنے کے لائق فرض کو کل تک ملتوی کرنے میں جو طاقت برباد ہوتی ہے اسی طاقت سے اکثر وہ کام کیا بھی جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کام کو جو ملتوی ہوتا آیا ہے، سرانجام دینا مشکل اور ناخوشگوار ہو جاتا ہے۔ جو کام وقت پر آسانی سے کیا جا سکتا ہے وہ ہفتوں اور مہینوں تک پڑا رہنے کے باعث وبالِ جان معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کا وزن ہر روز بڑھتا جاتا ہے اور غفلت ہر روز ناطاقتی بڑھاتی جاتی ہے۔ مثل ہے کہ وقت پر کا ایک ٹانکا سو ٹانکوں سے بچا لیتا ہے۔ خطوط کا جواب جس آسانی سے ان کے آتے ہی دیا جا سکتا ہے ویسا کبھی نہیں

دیا جا سکتا۔ ملتوی کرنے کے معنی اکثر ترک کرنے کے ہوتے ہیں اور "کرنے کو ہوں" کا مطلب نہ کرنا ہوتا ہے۔
اگر کوئی سیارہ اپنی گردش میں ایک سیکنڈ کی بھی دیر کر دے تو بس قیامت آ جائے۔ تمام نظام شمسی، اجرامِ فلکی اور دنیا کا کارخانہ اسی پابندیٔ وقت اور باقاعدگی پر قائم ہے۔ زمین اپنے پچاس کروڑ میل کے دُور دراز سفر کو کس باقاعدگی کے ساتھ پورا کرتی ہے۔ اور اس میں مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ کے لاکھویں حصے کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی اور ہزارہا سال سے یہ اسی باقاعدگی سے اپنا کام کرتی چلی آئی ہے۔

آپ مسرور ہوں یا مغموم، تکلیف اور تردّد سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آپ کے کبھی فارغ وقت نہیں ہونا چاہیے۔

وقت کے پاؤں کی آہٹ سُنی نہیں جا سکتی۔

وقت خدا تعالیٰ کی امانت ہے جس کا ایک لمحہ بھی ضائع کرنا مجرمانہ خیانت ہے۔

نپولین اعظم اُس اعلیٰ موقع پر جو ہر لڑائی میں رُونما ہوتا ہے۔ بہت زور دیا کرتا تھا اور اسی سے فائدہ اٹھا کر میدان مار لیا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اہل آسٹریا کو میں نے اسی طرح فتح کیا ہے کہ انہیں پانچ منٹ کی قدر و قیمت معلوم نہ تھی۔ جن چھوٹی چھوٹی باتوں سے خود نپولین کو واٹرلو کے میدان میں شکست ہوئی، اُن میں سب سے نمایاں بات یہ تھی کہ اس مہلک صبح کو نپولین اعظم اور اس کے جرنیل گروگی نے چند بیش قیمت لمحات ضائع کر دیئے تھے۔ بلوشر میدانِ جنگ میں وقت پر پہنچ گیا اور گروگی وقت سے چند منٹ پیچھے پہنچا۔ یہی چند لمحات کی دیر نپولین کو سینٹ ہلینا میں بھیجنے والی اور کروڑہا انسانوں کی قسمت میں دن رات کی تبدیلی پیدا کرنے والی ثابت ہوئی۔

عین الوقتی سے انسان تھوڑی سی محنت کر کے بے وقت کی بہت سی تکالیف سے بچ جاتا ہے۔

واشنگٹن کے سیکرٹری نے ایک مرتبہ چند منٹ دیر سے آنے کا یہ عذر پیش کیا کہ اس کی گھڑی پیچھے تھی۔ واشنگٹن نے اس سے کہا "یا تم گھڑی بدل لو ورنہ مجھے اپنا سیکرٹری بدلنا پڑے گا"۔

مارکس کیٹو نے اپنے نوکروں کو حکم دے رکھا تھا کہ یا تو کچھ کام کرتے رہا کریں یا سو جایا کریں۔ وہ جاگنے والے بے کاروں پر سونے والوں کو ترجیح دیتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک بے گناہ شخص صرف اس وجہ سے پھانسی پا گیا کہ وہ قاصد جو اس کا معافی نامہ لے کر جا رہا تھا پانچ منٹ دیر سے پہنچا۔

سر والٹر سکاٹ سے ایک شخص نے نصیحت چاہی۔ اس نے کہا "ہوشیار رہو۔ اپنے دل میں کوئی ایسی رغبت پیدا نہ ہونے دو، جو تمہیں وقت رائگاں کرنے والا بنا دے۔ جو کرنا ہو اسے فوراً کر ڈالو۔ کام کے بعد آرام کی خواہش دل میں نہ آنے دو۔

ریلوے لائن عبور کرنے میں ایک لمحہ کا ضیاع آپ کی باقی ماندہ زندگی کو نہیں بچا سکتا ہے۔

ے اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارا پر تجھ سے بگڑنے کا نہیں ہے یارا
ہو جائے گر ایک تُو ہمارا ساتھی پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

الغرض وقت وہ قیمتی سرمایہ ہے جو ہر شخص کو قدرت کی طرف سے یکساں عطا ہُوا ہے۔ جو لوگ اس سرمائے کو معقول طور سے اور مناسب موقع پر کام میں لاتے ہیں۔ وہی جسمانی راحت اور رُوحانی مسرّت حاصل کرتے ہیں۔ اسی دولت کے صحیح استعمال سے ایک وحشی مہذب بن جاتا ہے اور ایک مہذب فرشتہ سیرت۔ اسی کی برکت سے جاہل عالم، مفلس تونگر، نادان دانا و تجربہ کار بنتے ہیں۔ گویا وقت ہی ایک ایسی دولت ہے، جو شاہ و گدا، امیر و غریب، طاقت ور اور کمزور سب کو یکساں ملتی ہے۔

تم کہتے ہو وقت گزر جاتا ہے، یہ خیال خام ہے۔ وقت ٹھہرا رہتا ہے، ہم گزر جاتے ہیں۔

وقت زندگی کا تانا بانا ہے۔ اگر بچپن کی بھاگ دوڑ میں اسے توڑ ڈالو گے تو پھر عمر بھر نہ جوڑ سکو گے۔ جتنے ننگے بھوکے، مفلس تم دنیا میں دیکھ رہے ہو۔ یہ سب وہی لوگ ہیں۔ جنھوں نے بچپن میں اپنے وقت کو ضائع کیا ہے لہٰذا کامیابی چاہتے ہو تو وقت کی ہر ایک منزل کو ہمت و ہوشیاری سے طے کرو۔

وقت ضائع کرتے وقت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وقت بھی آپ کو ضائع کر رہا ہے۔ ے

بگیر امروز را محکم کہ فردا ہنوز اندر ضمیرِ روزگار است

وقت روئی کی گالوں کے مانند ہے۔ عقل و حکمت کے چرخے میں کات کر اس کے قیمتی پارچات بنا لو۔ ورنہ جہالت کی آندھیاں اُسے اڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دیں گی۔

جو کام جتنی محنت اور جتنا وقت لیتا ہے اتنا ہی عمدہ، مفید اور دیرپا ہوتا ہے۔ وقت پا کر شہتوت کی پتیاں بھی ریشم بن جاتی ہیں۔

فیثاغورث سے پوچھا گیا کہ وقت کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ یہ اس دنیا کی رُوح ہے۔

زندگی کی قدر کرنے والے ایک فلاسفر کا مقولہ ہے کہ مجھے فطرت کی اس کارروائی پر رہ رہ کر افسوس آتا ہے کہ اس نے کوّوں، سانپوں اور گدھوں جیسی زندگیوں کو تو اتنی لمبی لمبی عمریں دیں اور انسان جیسی مفید و مخترع ہستی کو نہایت محدود اور وہ بھی غیر معیّن وقت بخشا۔ پھر بھی وقت سے کام لینے والے اس تھوڑی سی زندگی میں مُوجد و فلاسفر بن گئے۔

وقت ایک ایسی زمین ہے جس میں محنت کے بغیر کچھ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ سعی کامل کی جائے تو یہ ضرور پھل دیتی ہے۔ بے کار چھوڑ دی جائے تو خار دار جھاڑیاں اُگاتی ہے۔

واضح رہے کہ تفریح یا ورزش تضیعِ اوقات نہیں، بلکہ ممدِ حیات ہے۔ لہٰذا وقت کا صحیح استعمال کرتے ہوئے اپنی صحت کا بھی پورا خیال رکھو۔ کیونکہ رُوح ایک سوار ہے اور بدن اس کا گھوڑا۔ سوار خواہ کیسا ہی شہسوار ہو، بیمار گھوڑے سے کیا کام لے سکتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ جسمانی قوت میں پیچھے ہیں۔ وہ دماغی و

روحانی طاقت میں بھی آگے نہیں ہو سکتے۔ ؎

کل آج کا دن ہاتھ نہ آئے گا ہمارے — مل سکتی ہے ہر گم شدہ شے ہم کو مگر وقت
ہر لمحہ غنیمت ہے ہر اک پل ہمیں نعمت — ہم مفلسوں کے ہاتھ میں ہے سلکِ گہر وقت
آسائشِ دارین کا لیتے نہیں کیوں کام — ہر وقت ہے باندھے ہوئے خدمت کو کمر وقت
بے فائدہ گزرے نہ کوئی ساعت ہماری — اِک ساتھ یہی دے گی پڑا ہم پہ اگر وقت
فرصت کی جو ساعت ہو غنیمت اُسے سمجھو — کل آج سے لائے گا بُری شام و سحر وقت

دُنیا کی تمام اشیا ضائع ہو جانے کے بعد پھر دستیاب ہو سکتی ہیں۔ لیکن ضائع شدہ وقت یعنی زندگی واپس نہیں آ سکتی۔ ؎

غافل ز احتیاط نفس یک نفس مباش — شاید ہمیں نفس نفسِ واپسیں بُوَد

مذمّتِ شراب

؎ اوّل تو شر بشر میں ہے پھر شر شراب میں — ممکن نہیں شراب پیئں اور شر نہ ہو

انسان کی زندگی میں بہت سارے ایسے چھوٹے واقعات اس کو پیش آتے ہیں، جو ظاہرا تو بالکل بے حقیقت ہوتے ہیں۔ مگر بعض اوقات اس کی طبیعت پر ان کا اثر ایسا گہرا پڑتا ہے کہ شقی کو سعید اور سعید کو شقی بنا دیتا ہے۔ مجھے بھی ایسے واقعات پیش آئے ہیں۔ جن سے مجھے اپنے اخلاق کی درستگی میں بہت بڑی مدد ملی ہے۔ انہیں واقعات میں سے ایک واقعہ یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں اور کیا عجب ہے کہ جس واقعے کا جو اثر مجھ پر ہوا تھا، ویسا ہی اثر یہ بیان پڑھ کر کسی کے اثر پذیر دل پر بھی ہو۔ اور وہ بھی اس سے مستفیض ہو سکے۔

اُس زمانے میں جب کہ میں سکول پڑھتا تھا۔ اور جس وقت میری عُمر کے وہ دن تھے کہ طبیعت غیر مطمئن تھی اور کسی شے کو قبول نہیں کرتی تھی۔ تاوقتیکہ اس کا تسکین بخش ثبوت نہ مل جائے۔ میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ شارع اسلام نے شراب کیوں منع کی ہے؟ اگر خمر اُم الخبائث ہے تو اس حالت میں کہ کثرت سے استعمال کی جائے۔ اگر ایک شخص جادۂ اعتدال سے قدم باہر نہ رکھے تو کیا مضائقہ ہے۔ شاید شارع اسلام نے قطعی ممانعت کر دی ہو کہ لوگ اعتدال کے پردے میں حد سے گزرنے لگیں۔ یہی خیالات تھے جو میرے دماغ میں گزر رہے تھے میں نے چاہا کہ اپنے کسی بزرگ سے بحث کر کے اس بات کا تصفیہ کر لوں۔ غرض دوسرے روز میں نے یہی کیا اور ایک واجب التعظیم بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا "حضرت مجھے یہ سمجھا دیجیے کہ شارع اسلام نے شراب کیوں حرام کی ہے" میری زبان سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ شامت آ گئی۔ حضرت تھے بڑے تندمزاج۔ فوراً جھلا اُٹھے اور بڑی سخت و سست سناتے رہے۔ فرمانے لگے "تجھے شرم نہیں آتی کہ احکام شرع میں بھی

چون وچرا کرتا ہے۔ اسی لیے تو ہم کہا کرتے تھے کہ انگریزی نہیں پڑھنی چاہیئے" جبر میں اپنا سا مُنہ لے کر کھسک گیا۔ مگر میری تشفی نہ ہوئی تھی۔ اس لیے ایک اور بزرگ سے یہی سوال کیا۔ وہ تھے زمانہ شناس۔ انہوں نے جواب دیا۔ " تمہارا سوال اصول سے تعلق رکھتا ہے اور چونکہ فی زمانہ ہم لوگوں نے اصول کا پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور فروعات ہی پر جھگڑتے رہتے ہیں، اس لیے تمہارا جواب ذرا مشکل سے ملے گا۔ لیکن تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہماری شرع میں ایک بھی حکم ایسا نہیں ہے۔ جس کی کچھ حقیقت نہ ہو یا کچھ اصل نہ ہو، جس کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔ اگر تمہیں کوئی جواب نہ دے سکے تو تمہیں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ شرع ناقص ہے، بلکہ ہمارا علم ناقص ہے۔" اُن کی اس فہمائش سے یک گونہ تسکین تو ہوئی مگر اطمینان نہ ہوا۔

اب ایک روز کا ذکر سنیے، میں نے اخبار میں پڑھا کہ آج فلاں ڈاکٹر صاحب ٹمپرنس پر لیکچر دینے والے ہیں۔ میں تو اسی تلاش میں تھا۔ فوراً وہاں پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب نے شراب کی بُرائی میں نہایت مُدلّل تقریر کی۔ اور نقشہ جات کے ذریعے سے ثابت کر دیا کہ شراب پینے والے بہ نسبت نہ پینے والوں کے زیادہ مرتے ہیں اور عمر بھی کم پاتے ہیں۔ قوت بھی جو دودھ، دہی، گوشت، روٹی وغیرہ غذاؤں سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ شراب سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ نشہ اُتر جانے کے بعد جو تکلیف اور سُستی پیدا ہو جاتی ہے، وہ شراب سے حاصل کی عارضی قوت کا عوض کر دیتی ہے اور نشہ کی قوت اور خمار کی سستی کا موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم خسارے میں رہتے ہیں۔ غرض اس قسم کی بہت سی دلیلیں وہ بیان کرتے رہے۔ لیکن وہ دلیلیں جواب تک مجھے یاد ہیں، وہ یہ تھیں کہ شراب پینے والے کے دل پر چربی بڑھ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس چربی کے خول کا حجم بڑھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دل انقباض کی وجہ سے اپنا کام چھوڑ دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ انہوں نے اس دلیل کو عملی طور سے اس طرح ثابت کیا کہ لیکچر سے تین دن پہلے ایک گوشت کے تازے ٹکڑے کو دو ٹکڑے کیا۔ ایک ٹکڑا ایسی شیشی میں رکھ دیا۔ جس میں خالص پانی بھرا ہوا تھا اور دوسرا ٹکڑا شراب کی شیشی میں ڈال دیا۔ تین دن بعد جب انہوں نے دونوں شیشیاں ہمیں دکھائیں تو وہ گوشت کا ٹکڑا جو پانی میں پڑا ہوا اپنی اصلی حالت میں تھا۔ مگر شراب والے ٹکڑے کا رنگ بھی متغیر ہو گیا تھا اور اس پر ایک قسم کی سفیدی اور غبار بھی چھایا ہوا تھا۔ ؎

مے میانِ شیشۂ ساقی نگر آتشے گویا بہ آب آلودہ اند

دُوسری دلیل دیتے ہوئے انہوں نے پہلے ہمیں سمجھایا کہ خون کی بناوٹ کس طرح پر ہے۔ خون ایک شفاف بے رنگ سیال ہے۔ جس میں سرخ رنگ کے خوردبینی کُرے تیرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے خون کا رنگ سرخ نظر آتا ہے۔ یہ کُرے خوردبین کی مدد سے ایسے نظر آتے ہیں۔ جیسے سڈول تازہ مٹر کے دانے جن کے رنگ میں بھی ایک قسم کا بلغمی پن پایا جاتا ہے۔ جس کے دیکھنے سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ جس وقت شراب کا نام سنتا ہوں یا کسی پیتے دیکھتا ہوں تو فوراً اُن دو شیشیوں میں دونوں قسم کے خون کے کُروں کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آ

جاتا ہے اور شراب پینے پر دل کا للچانا تو درکنار اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔

افسوس ہے کہ ہمارے پاک مذہب کے اصول تو ایسی سائنٹفک باتوں پر مبنی ہوں۔ لیکن ہمارے مذہبی رہنما ان اصولوں کو نہ سمجھا سکیں اور غیر مذہب والے ہماری تسکین کریں۔ ڈاکٹر صاحب پارسی تھے، جن کے مذہب میں شاید شرارت کی ممانعت بھی نہیں۔ بلکہ خاص مذہبی رسوم میں بھی استعمال کی جاتی ہے۔ ؎

ہر آں مردے کہ گرد بادہ گردد　　اگر رستم بود کوں دادہ گردد

؎ نمی دانند اہلِ غفلت انجامِ شراب آخر　　بآتش می روند ایں غافلاں از راہِ آب آخر

کسی فلاسفر کا مقولہ ہے اور نہایت سچا مقولہ ہے کہ دنیا میں نصف سے زیادہ گناہ شراب کی بدولت سرزد ہوتے ہیں۔ اس کی عارضی مسرت بمقابلہ اس کے خمار کی دبدبہ یا مضرت۔ اس کی بے حد تلخی، ناقابل برداشت بدبو۔ بد ذائقگی اور کڑواہٹ کے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اور یہ چند ساعتہ سرور نہایت خطرناک صورت میں انجام پذیر ہوتا ہے یعنی دردِ سر۔ طبیعت کا متلانا اور اس قسم کی اعضا شکنی ہوتی ہے کہ کوئی عقلمند شخص دوبارہ اس کے پینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ؎

بدبو مرے گھر نہ لے شرابی بھیلا　　ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا

ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھ کو　　ہر دم ترے منہ سے ہے نکلتا ئے لا

؎ نشۂ صہبا نمی ارزد بہ تشویش خمار　　درگزر از آب امروزہ کہ فردا آتش است

لیکن اس عادتِ بد میں تو وہی بدبخت لوگ مبتلا کیے جاتے ہیں، جن پر خداوند کریم کا قہر ہو۔ ورنہ ایسی کھلی ہوئی خرابیوں اور بدیہی نقصانات کو دیکھتے ہوئے دانستہ طور پر کون شخص اس آتشِ سیال میں گرنا پسند کرتا ہے۔ "اَلْخَمْرُ اُمُّ الْخَبَائِثِ"۔

شہنشاہِ اکبر نے باوجود ناخواندہ ہونے کے اپنی تمام عمر میں صرف ایک مختصر قطعہ موزوں کیا۔ جو شراب کی برائیاں ظاہر کرنے اور اپنی خوبیوں کے لحاظ سے خاص طور پر قابل قدر ہے۔ ؎

دو شیشہ بکوئے مے فروشاں　　پیمانۂ مے بہ زر خریدم

اکنوں زخمار سر گرانم　　زر دادم و دردِ سر خریدم

قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس ناصح شہنشاہ کے ہر سہ فرزندان، جہانگیر، مراد اور دانیال شراب خانہ خراب ہی کی عادتِ بد کا شکار ہو کر ہمکنار اجل ہو گئے۔ جہانگیر تو چند سال بادشاہی کے زور سے کاٹ گیا۔ باقی دونوں جوانی کے آغاز ہی مر گئے۔

وہ محتاج فقیر جس کو نان شام بھی میسر نہ ہو، اس سلطانِ شام سے بدرجہا بہتر ہے جو اس عادتِ بد میں مبتلا ہے

؎ گلاسوں میں جو ڈوبے پھر نہ ابھرے زندگانی میں　　ہزاروں بہ گئے اِن بوتلوں کے بند پانی میں

نہ کر برباد اپنی زندگی بوتل کے دیوانے　　وہ کاٹے گا بڑھاپے میں جو بوتا ہے جوانی میں

یہ دارُو کا پیالہ موت کا کڑوا پیالہ ہے — ملا ہے زہر شربت میں چھپی ہے آگ پانی میں
یہی سیّال آتش جسم کو بے کار کر دے گی — چلے گی کیا گھڑی دم ہی نہ ہو گا جب لگانی میں

موجودات عالم میں کوئی چیز شراب سے زیادہ بدبُودار، بدذائقہ، تلخ و تُند اور کڑوی نہیں ہے۔ یہ چشم دید واقعہ ہے کہ ایک شخص کی چارپائی کے نیچے شراب کی بوتل رکھی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک بوتل مٹی کے تیل کی پڑی تھی۔ عالمِ نشہ میں اس نے شراب کی بجائے مٹی کا تیل گلاس میں ڈال لیا اور پی گیا۔ جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ دوسرا واقعہ ایک سُنار کا ہے۔ جس کے ہاں تیزاب زیوروں کے صاف کرنے کے لیے استعمال میں آتا تھا چنانچہ اس نوجوان سُنار نے غلطی سے شراب کی بجائے تیزاب پی لیا اور فی الفور مر گیا۔ یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ جس چیز میں ظاہری طور پر اس قدر خرابیاں ہوں۔ اس کی اندرونی خرابیوں سے کون انکار کر سکتا ہے۔

دام از گرہ دہند و شراب تلخ خرند — مستاں دریں معاملہ گویا ہمہ خر اند

انگور میں تھی پانی کے چند قطرے — جب سے یہ کھچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

بڑے بڑے ڈاکٹر اور سائنس دان اب اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ شراب خوراک نہیں بلکہ زہر ہے۔ یہ نہ ہی مُضر مادّہ کو ضائع کرتی ہے اور نہ ہی جسم کو طاقت بخشتی ہے۔ بلکہ ہاضمہ کو خراب کرتی ہے۔ قبض پیدا کرتی ہے۔ بھوک کو کم کرتی ہے۔ قوتِ مردمی کو ضائع کرتی ہے اور نفس کو بے قابو کرتی ہے۔ اس کو بآسانی پٹرول کی طرح آگ لگ جاتی ہے۔ یعنی دیا سلائی لگانے سے مشتعل ہو جاتی ہے۔ اندازہ لگالو کہ اندرونی نازک تر حصہ جسم پر یہ کیا اثر کرتی ہوگی۔ تازہ انڈا توڑ کر شراب میں ڈالا جائے تو سنہرا رنگ اختیار کرے گا۔ اور فوراً ہی اُبلے انڈے کی طرح سخت ہو جائے گا۔ جس سے اس کی خشکی اور گرمی ظاہر ہے۔ جسم بھی قریباً انہی اجزا کی ساخت ہے، جو انڈے میں ہوتے ہیں۔ دردِ سر اور کثرتِ تشنگی اس کی ناقابلِ بیان ہے۔ اس کا اثر چابک کی طرح ہے جو کہ تھکے ہوئے گھوڑے پر پڑے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ یہ طاقت پیدا کرتی ہے۔ مگر سراسر غلط خیال ہے۔ چابک تھکے ہوئے گھوڑے میں طاقت پیدا نہیں کرتا، بلکہ اس کو تیز چلاتا ہے لیکن یہ اثر عارضی ہوتا ہے اور نتیجہ تھکاوٹ کی زیادتی ہے۔ اور جلد ہی گھوڑا تھک کر چُور ہو جاتا ہے۔

واقعہ: ۱۸۶۱ء میں مسٹر ایبرٹ ایک انگریز امیر نے جہاز کے کپتان سے کہا کہ اگر تمہیں اثنائے سفر میں اپنے سٹیمر کو دوسرے سٹیمر سے آگے نکال کرلے جانے کا خبط نہ ہو تو میں اس سٹیمر پر سوار ہو سکتا ہوں۔ کپتان نے کہا، آپ ہر طرح مطمئن رہیئے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں خواہ مخواہ کسی سٹیمر سے اپنا سٹیمر آگے نکالنے میں کچھ ہاتھ تھوڑا ہی آتا ہے۔ جو ہم ایسا کریں۔

ایبرٹ نے مطمئن ہو کر ایک کمرہ کرائے پر لے کر اس میں اپنا سامان لا رکھا اور جہاز میں سوار ہو گیا۔ لیکن دوسرے ہی دن اس نے جہاز کے کپتان کو جو کہ ایک شرابی تھا۔ فائرمینوں سے یہ کہتے سُنا کہ جو کچھ کوئلہ لکڑی، ایندھن اور تیل جہاز میں موجود ہے، سب ایک دم بائلر میں جھونک دو۔ کیونکہ میں نے قسم کھالی ہے کہ یا تو اس سٹیمر سے جو ہمارے

سٹیمر کے برابر آپہنچا ہے، آگے نکل جائیں گے یا آج سے جہاز چلانا چھوڑ دیں گے۔ خواہ اس کوشش میں ہمارا بائلر ہی کیوں نہ پھٹ جائے اور کیسا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے۔ چنانچہ یہ دونوں باتیں ظہور میں آئیں۔ یعنی گو ہمارا سٹیمر آگے نکل گیا مگر ساتھ ہی اس کا بائلر بھی پھٹ کر بے کار ہو گیا۔ بعینہٖ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو شراب سے طاقت حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں۔ وہ گویا جسمانی بائلر کے دشمن ہیں۔ بالآخر ایک دن اس شرابی کپتان کی طرح اسے ناکارہ کر کے رہیں گے۔

اگر شراب نہ ہوتی تو دنیا کے نصف گناہ اور بیماریاں ہمیں معلوم تک نہ ہوتیں۔ (ڈاکٹر پارس اٹلی)

ماہرین تاثیر زہر تصدیق بالتحقیق کرتے ہیں کہ الکحل جو شراب کا جزوِ اعظم ہے، تمام زہروں سے خطرناک ہے۔

؎ بس دکھ ہی ہیں بادۂ گلگوں کے ہے مزا چکھنا نہ ہم نشیں اسے واللہ زہر ہے

اے خدا لوگوں کی عقل کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی دشمن انسانیت اور بدترین غلاظت کو مُنہ میں پناہ دیتے ہیں۔

بہت سے مریض ایسے دیکھے گئے جو شراب چھوڑنے سے ٹھیک ہو گئے۔ اگر شراب نہ چھوڑتے تو زندہ نہ رہتے۔ (مسٹر بیکن سرجن جنرل)۔

چور مال حاصل کرنے کے لیے چوری کرتا ہے۔ بشرطیکہ گرفتار نہ ہو سکے۔ لیکن شراب خوار مال اور عقل کھونے کے لیے شراب پیتا ہے خواہ گرفتار بھی ہو جائے۔

خداوند کریم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انسان کو عقل بخشی۔ لیکن شراب اس عطیۂ خداوندی یعنی عقل کو سلب کرتی ہے۔ ؎

مے انہوں نے پی اب اُن کے پاس کیونکر دل لگے جانور اک رہ گیا انسان رخصت ہو گیا

شراب ایک ایسا زہر ہے، جس سے پہلے اخلاقی اور جلد ہی جسمانی موت واقع ہوتی ہے۔ ؎

بنائے دولتِ خویش آں کسے خراب کند کہ شام مے خورد و صبح گاہ خواب کند

شراب پینا چھوڑ دے اگر تو جواں مرد اور عقلمند ہے۔ کیونکہ عقلمند یہ کوشش نہیں کرتا کہ میں دیوانہ ہو جاؤں۔ چلو میں اُلّو بنانا اس کا کرشمۂ اولین ہے۔ ؎

درہوش چہ خطا دیدی کہ بے ہوش شُدی

وہ کون شخص ہے جسے ملازم رکھتے ہیں کوئی سبقت نہیں کرتا۔ وہ کون شخص ہے جو صرف اپنی خواہش کے لیے تمام خاندان کی تباہی و بربادی کا موجب ہوتا ہے۔ وہ شرابی ہے۔

جو کاروباری لوگ شراب کے پھندے میں پھنسے ہوتے ہیں۔ وہ سینکڑوں نفع کے ایسے موقعے کھو بیٹھتے ہیں کہ پھر نصیب نہ ہوں گے۔ بلکہ اُلٹے نقصانات کے موقعے پیدا کر لیے۔ کب؟ جب وہ اپنے دوستوں کے پاس بیٹھے ہوئے شراب اُڑا رہے تھے۔ شرابِ خانہ خراب کے زیرِ سایہ کتنے احمقانہ سودے ہو چکے ہیں جبکہ

شراب نے اپنے پینے والے کو عارضی طور پر دولت مند بنا رکھا۔ کس قدر ضروری موقعے صبح اور صبح کے بعد ہمیشہ کے لیے ملتوی کیے گئے۔ محض اس وجہ سے کہ شراب کے پیالے نے پینے والے کے جسم کو دائمی کاہلی میں ڈال کر اس کے کاروبار میں کامیابی حاصل کرنے والے قویٰ کو ہمیشہ کے لیے معطل کر دیا تھا۔

اکثر لوگ اس وقت تک شراب پیتے ہیں جب تک کہ معدہ خوراک کے لیے اور بدن کپڑوں کے لیے نہیں ترستا۔

لطیفہ: نواب آصف الدولہ ایک مرتبہ ہاتھی پر سوار گزر رہے تھے۔ راستے میں ایک سیاہ مست بلانوش شرابی لوٹ رہا تھا۔ تو عالمِ کیف میں اُسے ہاتھی کا سودا کرنے کی سوجھی اور چلّا کر کہا۔ ابے او دولے! یہ کٹیا دپاڑھا، کتنے کو فروخت کروگے؟ اس کو گرفتار کرکے حسب الحکم دوسرے روز نواب کے پیش کیا گیا۔ نیک دل نواب نے نرمی سے پوچھا "کیا آج وہ کٹیا خریدوگے"؟ شرابی نے کہا "حضور! وہ خریدار تو کل ہی چلے گئے تھے"۔ نواب اس برجستہ و برمحل جواب باصواب سے بہت خوش ہوئے اور اپنی مشہور زمانہ سخاوت سے اس کو معقول انعام دے کر یہ تاکید کردی کہ آئندہ شراب ہرگز نہ پینا۔ دیکھ لیجیے، اس کی کیفیت میں نواب آصف الدولہ "دولا" اور ہاتھی "کٹیا" بن جاتا ہے۔ اور پھر ایسے سودے بھی ہو جاتے ہیں کہ جس میں سر کٹنے کی بھی پروا نہیں ہوتی۔ کوئی اور بادشاہ ہوتا تو فوراً گردن کٹوا دیتا۔ غرض مے نوشی ایک زبردست گناہ ہے۔ مذہب میں اس کی مذمت ہے فلسفہ سے اس کی برائی ثابت ہے۔ عقل سلیم اس کی مخالف ہے۔ روزمرّہ کے مشاہدات اس کا خطرناک ہونا ثابت کرتے ہیں۔ بے شمار جرائم سرزد ہوتے ہیں۔ لاکھوں کی کمائی غارت ہوتی ہے۔ ہزاروں گھرانے تباہ ہو جاتے ہیں۔ حکما اسے زہرِ آتشیں تبلاتے ہیں۔ ؎

زہر کے ساغر شراب زندگی کے نام سے آج کل میخانہ میں تقسیم ہوتے ہیں جگر

؎ ای بے خبر حذر ز شکار پلید کن خونِ بطِ شراب کم از خونِ خوک نیست

لطیفہ

آفیسر۔ مسٹر رشید اگر تم شراب نوشی کی عادتِ بد میں مبتلا نہ ہوتے تو آج تم سپرنٹنڈنٹ ہوتے۔

رشید کلرک۔ جناب سپرنٹنڈنٹی کی کیا حقیقت ہے، میں شراب پی کر اپنے آپ کو ڈائرکٹر تصور کرتا ہوں

لطیفہ: ایک شخص دردِ دنداں سے سخت تکلیف میں تھا۔ لیکن دانت نکلوانے میں درد کے خوف سے لرزہ براندام ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کی کپکپی دُور کرنے کے خیال سے دو پیگ شرابِ تیز کے پلا دیئے۔ جب اس پر نشہ طاری ہو گیا تو ڈاکٹر نے پوچھا کہ اب تو آپ دانت نکلوانے کے لیے تیار ہوں گے۔ شرابی مریضِ دنداں نے کہا، دانت نکلوانا تو درکنار دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے، جو اس وقت میرے نزدیک بھی آسکے۔ ؎

نیک کو شیطان کر دیتی ہے یہ قوم سے مے کی خباثت کیا کہوں

خودکشی آسان کر دیتی ہے یہ ایک جوہر ہے فقط اس میں مفید

حتیٰ کہ چوہا بھی بلّی کو مقابلے کا چیلنج دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کوئی چوہا شراب کے خم میں جاگرا اور نکلتے ہی

دُم کے بل کھڑا ہوکر للکارا، لاؤ تو تمام بلیوں کو، جو آج ہی سب کا صفایا کر دوں - گویا اپنی موت کی مطلقاً پروا نہیں - چنانچہ اسی عارضی بہادری کے نتیجے میں دنگا فساد، مارپیٹ اور واقعاتِ قتل، عام طور پر دنیا میں ترقی پذیر ہیں - عبرت - عبرت -

شراب خور تمام عیوب کا مرتکب ہو جاتا ہے - شراب پیتا ہے تو نشہ کی ترنگ میں بکثرت گوشت کھاتا ہے - گوشت سے طاقت بڑھا کر مغلوبِ شہوت ہو جاتا ہے - پھر بازارِ حسن میں جاکر حرام کاری کا مرتکب ہوتا ہے جب یہ جسم فروش طبقہ تمام دولت اُڑا لے جاتا ہے تو بھوکا ہو کر چوری کرتا ہے - ڈاکے ڈالتا ہے - ظلم و ستم اور ہر قسم کے مکر و فریب پر آمادہ ہو جاتا ہے - یہ تمام عیوب باہم دگر وابستہ ہیں، جو کہ محض شرابخوری کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوتے ہیں - ؎

ہر بدی کہ ہست از شراب می خیزد کدام دیو کہ در شیشۂ صہبا نیست

واضح رہے کہ ہٹلر اعظم جس نے دنیا بھر کی تمام طاقتوں کا پانچ سال برابر تنِ تنہا ہی مقابلہ کر کے تمام دنیا کو ایسا زیرو زبر کر ڈالا کہ آج تک نظامِ دنیا اعتدال پر نہیں آسکا، وہ شراب تو درکنار سگرٹ اور چائے تک نہ پیتا تھا -

ایک امیر شخص کو شراب خوری سے روکنے کے لیے اس کے ایک ہم نشین خیر خواہ نے بہت کچھ پند و نصیحت کی - اس امیر نے جواب دیا کہ میں تو حکما کے اس قول پر عمل پیرا ہو کر صرف ہفتہ وار نہایت اعتدال کے ساتھ پیتا ہوں - ؎

ہر روز حمّام و ہر ہفتہ مئے ہر ماہ جلّاب و ہر سال قے

مثل مشہور ہے کہ شریف آدمی کی دوستی اور شراب کی عادت ہمیشہ بڑھتی ہے گھٹتی نہیں - ع

چھٹتی نہیں ہے مُنہ سے یہ کافر لگی ہوئی

کیونکہ انسان جس مقدار سے اسے پینا شروع کرتا ہے، چند روز کے بعد اس کا معمول ہو جانے کے باعث اس مقدارِ سابقہ میں اُسے کچھ سرور نہیں آتا - پھر اس میں کچھ اضافہ کرتا ہے - چنانچہ اسی اصول کے ماتحت آخر کار اس کی یہ ہفتہ وار عادت روزانہ اور روزانہ سے ہر وقت میں تبدیل ہوگئی اور اعتدال نے بھی کثرت کی صورت اختیار کر کے اُسے دائمُ الخمر بنا دیا - انجام کار یہ کہ تھوڑے عرصہ ہی میں عزت، صحت اور تمام دولت برباد کر کے نہایت حسرت و عسرت کے عالم میں ایامِ جوانی ہی میں اس عالمِ فانی سے رخصت ہو گیا - لوگوں کے لیے خزانۂ عبرت اور اولاد کے لیے دائمی افلاس و ذلت وراثت میں چھوڑ گیا - ؎

اس کی بیٹی نے ہر اک چاہنے والا مارا خیریت گزری کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا

شہنشاہ جہانگیر نے اپنے ایک معتمد درباری کو کسی کارِ ضروری کے لیے محل خاص میں طلب کیا - جب وہ درباری ہوا تو جہانگیر اس وقت مصروفِ مے نوشی تھا اور کثرتِ رعشہ سے اس کا ہاتھ اس قدر کانپ رہا تھا کہ شراب چھلک کر پیالے سے باہر گر رہی تھی - یہ الم انگیز و عبرت خیز کیفیت دیکھ کر اس حقیقی

خیر خواہِ شہنشاہ نے نہایت جرأت کے ساتھ عرض کیا کہ جہاں پناہ! جب آپ اس پیالے کو اپنے ہاتھ میں نہیں سنبھال سکتے تو اس قدر عظیم الشان و وسیع سلطنت کو کیسے سنبھال سکتے ہیں؟ جہانگیر نے کہا کہ میں تو چند پیالے شراب اور چند سیخ کباب پر سلطنت نور جہاں کے ہاتھ فروخت کر چکا ہوں۔ بہر حال تمہاری اس مخلصانہ اور خیر خواہانہ نصیحت سے میں بیحد متاثر ہوا ہوں۔ اگرچہ میں اس مدت العمر کی عادت کو کلیتہً تو ترک کرنے سے معذور ہوں۔ البتہ اس میں کمی اور اعتدال پیدا کرنے کی ضرور کوشش کروں گا۔ چنانچہ سولہ پیالے روزانہ میں سے رفتہ رفتہ کم کرتے ہوئے وہ چار پیالے روزانہ پر آگیا۔ خیال کیجیے کہ اتنا بڑا شہنشاہ باوجود اس قدر سطوت و مقدرت اور بہ موجودگیِ حکمائے دربار اور ماہرین اطبائے سلطنت اس عادتِ قبیحہ کے اثراتِ بد یعنی کثرتِ رعشہ و دیگر عوارض متفرقہ سے جو اس کا لازمی نتیجہ ہیں، خود کو محفوظ نہ رکھ سکا، اور عمرِ طبعی تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔ وقتِ موت اگرچہ معین ہے۔ لیکن اسباب موت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

؎ وقتِ مرگ اگرچہ معین است تو مَرو در دہانِ اژدہا

لطیفہ

پادری: مسٹر پیٹر! شراب تمہاری دشمنِ جان ہے۔ اس سے ہمیشہ نفرت رکھو۔

پیٹر: لیکن گزشتہ اتوار آپ نے یہ بھی تو کہا تھا کہ اپنے دشمنوں سے بھی محبت رکھو۔

پادری: ہاں میں نے کہا تھا، لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ انہیں ہڑپ کر جاؤ۔

سکندر اعظم جیسا فاتحِ عالم کثرتِ شراب خوری کے نتیجے میں صرف تینتیس سال کی عمر میں موت کے ہاتھوں مفتوح ہو گیا۔ تا بہ دیگراں چہ حشر۔

"تاریخ شاہد ہے کہ جہانگیر کے دو حقیقی بھائی شہزادہ دانیال و شہزادہ مُراد بھی کثرتِ شراب نوشی کی بدولت ایامِ جوانی ہی میں فوت ہو گئے۔ اکبر کو ان دونوں شہزادوں کے دائم الخمر رہنے کی جب خبر ہوئی تو اس نے اس عادتِ بد روکنے کے لیے ان دونوں پر سخت پہرہ لگا دیا تھا کہ کسی طرح سے شراب ان کے پاس پہنچنے نہ پائے۔ ایک نادان خیر خواہ بندوق کی نالی میں شراب بھر کر شہزادہ دانیال کو شراب مہیا کرتا۔ بندوق کے بارود کے دھوئیں والا زنگ تیزابی تاثیر سے شراب میں شامل ہو کر زہر ہلاہل کی خاصیت اختیار کر گیا۔ جس کے پینے سے شہزادہ دانیال کی فوری موت واقع ہو گئی۔ جب بادشاہوں کا یہ انجام ہو۔ تا بہ عوام چہ رسد۔ تاریخ کے اوراق کھول کر دیکھو، ہر سلطنت کا تاج و تخت شراب کے پیالے میں غرق دکھائی دیتا ہے۔

شہنشاہِ بابر کی کثرتِ شراب نوشی اس کی خود نوشت سوانحِ عمری تو زکِ بابری سے ظاہر ہے۔ چنانچہ اس کا یہ شعر مشہورِ عوام ہے اور بوقتِ مے نوشی بعض لوگ اس کو تبرکاً پڑھتے ہیں۔ ؎

نو روز و نو بہار و مے و دلبرِ خوش است بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

فتحِ ہند کے سلسلے میں ایک مرتبہ دورانِ جنگ میں جب کہ دشمن کی فوج کا پلّہ بھاری تھا اور لازمی شکست

کے آثار ظاہر ہوئے، اس نے دعا مانگی کہ اے خداوند کریم! اگر اس جنگ میں تو مجھے فتحیاب کر دے تو آئندہ شراب ہرگز نہ پیوں گا۔" چنانچہ مجیب الدعوات نے اس کی توبہ قبول کر کے اس جنگ میں اسے معجزہ کے طور پر فتح مبین عطا فرمائی جس سے کہ سلطنتِ مغلیہ کی بنیاد ہند میں صدیوں تک کے لیے مستحکم ہو گئی۔ جس کو محض توبہ شراب ہی کی برکت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

بابر کے بیٹے ہمایوں کو شیر شاہ سوری سے جو شکست ملی اور پھر عرصہ دراز تک مبتلائے مصائبِ گوناگوں رہا تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ سب کچھ اس کی کثرتِ افیون خوری کے نتائج تھے۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ عالمِ غنودگی میں رہتا اور انتظام سلطنت نہ کر سکا۔ محمد شاہ رنگیلے کو نادر شاہ کے ہاتھوں جو تباہی و بربادی حاصل ہوئی اور قتل و غارت کے علاوہ ہند کی تمام دولت اور تختِ طاؤس اور کوہ نور ہیرا وغیرہ نادر شاہ کے ہاتھ لگے وہ سب کچھ محمد شاہ کی شراب نوشی کا نتیجہ تھا۔ انتہا یہ کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر اور رفیع المرتبت صحابی کے فرزند ابو شحمہ اسی شراب نوشی کی بدولت (جو کہ ایک یہودی نے دھوکے سے اُن کو پلا دی تھی) اس گناہِ زنا کے مرتکب ہوئے، جس کی پاداش میں بموجب قانونِ شریعت عمرؓ اکوڑے کھا کر ان کی زندگی کا خاتمہ ہوا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

یہ امر واقعہ انتہائی طور پر غور طلب ہے کہ شرابِ خانہ خراب کی ترغیب و تحریص اور اس کی ترویج عام میں ہماری ایشیائی شاعری نے سب سے زیادہ لیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عالمگیرؒ نے از راہِ دور اندیشی اور احترام شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تمام قلمرو میں دیوانِ حافظ کا پڑھنا حکماً ممنوع قرار دیا تھا۔ ایشیائی شاعر صدیوں سے اپنے اشعار میں اس اُمّ الخبائث کی تعریف و توصیف میں اس قدر غلط بیانی سے کام لیتے اور زورِ قلم صرف کرتے ہیں کہ عوام کالانعام اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور خواہ مخواہ اُن کے دلوں میں ایسے ناپاک اشعار کے مطالعے سے اس کے پینے کی ترغیب و تحریک اور ایسی شاعری سے علانیہ توہینِ شریعت اور صریح تلقینِ شراب نوشی ہوتی ہے۔ اگر یہی اشعار کسی حقیقی اسلامی عہد سلطنت میں لکھے جاتے تو مصنفینِ اشعار سزاوارِ دار قرار دیئے جاتے۔ لیکن یہ آزادی کا معاملہ ہے۔ ع

انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ افسوس ؎

فسادِ روئے زمیں از شراب می زاد کدام دیو کہ در شیشہ نیست صہبا را

؎ شراب اُڑتی ہے پبلک میں رواہے خونِ تقویٰ کا مزا ہے اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

؎ مسجدیں چھوڑ کے جا بیٹھے ہیں مے خانوں میں واہ کیا جوش ترقی ہے مسلمانوں میں

؎ بادہ و رندی کا ذکر اب شعر میں بے سُود ہے کیا ضرورت نقل کی جب اصل ہی موجود ہے

بہت سے لوگ جو اس عادت میں مبتلا ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ ایسے اشعار ہی سے ترغیب پا کر ہم اس بربادکن عادت میں مبتلا ہوئے ہیں۔

ترکِ شراب سے متعلق عرفی کے ایک قصیدے میں سے چند آسان فہم اور مؤثر اشعار منتخب کر کے لکھے جاتے

ہیں۔ شاید کہ کوئی اصلاح پذیر طبیعت ان سے متاثر ہو کر مائل بہ توبہ ہو جائے۔ ؎

کردم از شراب ناب توبہ — وز گفتۂ ناصواب توبہ
ہر چند کہ غم ز دل رُباید — از بوئے بد شراب توبہ
در لفظِ شراب چوں بود آب — در تشنہ کبی ز آب توبہ
مستانہ اگر رود سمندم — پایم کند از رکابِ توبہ
گر عرض کنم زبان مستی — از نشہ کند شراب توبہ
مے دیدم و پیچ و تاب خوردم — ارخودن پیچ و تاب توبہ
تا بادہ بخواب ہم نہ بینم — شاید کہ کنم از خواب توبہ
در کشورِ بادہ نوشان ہند — کے دید کسے بخواب توبہ
عُرفی چہ کنی بہ توبہ نازش — ہُشدار کہ شد خراب توبہ
مخروش کہ تائب از شرابم — ناگہ نہ شود سراب توبہ
بر عمر چوں نیست اعتمادے — باید کہ کنی شتاب توبہ

خواجہ حافظ کی ہم عصر ایک مشہور شاعرہ جہاں تخلص کرتی تھیں۔ حافظ نے اپنی ایک غزل میں اس پر ایک معاصرانہ طنز کی تھی۔ ؎

اعتمادے نیست بر کارِ جہاں — بلکہ بر گی دونِ گرداں نیز ہم

جس کا جواب جہاں نے اس شعر میں دیا۔ ؎

حافظا ایں مے پرستی تا بکے — ے زتو بیزار و مستاں نیز ہم

واضح رہے کہ اگر پودے کو ایک ہزار بوند پانی میں ایک بوند شراب ملا کر اسی نسبت سے روز پانی میں ڈالا جائے تو پودا عنقریب سڑ جائے گا۔ اور مرجھا کر پتّے زرد پڑ جائیں گے۔ جب نباتات پر اس قدر کم مقدار میں اس کا ایسا بُرا اثر ہے تو انسانی جسم کا اندازہ کر لو۔ ؎

شر جزوِ بشر نیز ہے شامل شراب کے — دو شر ہیں پھر ہے شر بھی پردے ہیں آب کے

زوالِ عقل اور بے اختیاریِ حواس اس کا پہلا کرشمہ ہے۔ ؎

عقل سالم ز مئے ناب نیاید بیروں — کشتی کاغذی از آب نیاید بیروں
؎ اوگن کھوں شراب کا گیان ونت سُن لے — مانش تسے پشوا کرے دام گانٹھ سے دے
عیب ″ ″ عقلمند ″ — انسان ″ حیوان ″ ″ ″ ″

سمندر میں اس قدر آدمی غرق نہیں ہوتے جس قدر ایک جامِ مے میں ڈوب کر مر جاتے ہیں۔
کوئی آدمی ایسا بیوقوف نہیں جو روپیہ خرچ کرکے رسوائی و ندامت حاصل کرے اور صحت برباد کرے

سوائے شراب کے۔ ؎

جو عقل کھری تھی کی کھوٹی اس نے | اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اس نے
مستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی | پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

شراب خانہ وہ جگہ ہے جہاں دیوانگی اور بربادی بوتلوں میں فروخت کی جاتی ہے۔خلاصہ یہ کہ شراب روپے کی بربادی سے شروع ہوتی ہے اور عزت وعقل اور جان کی بربادی پر اس خاتمہ ہے۔ ؎

پاکیزگیِ نفس کی دشمن مَے ہے | انسان کو خراب کرنے والی شے ہے
شیطان کی ہے یہ معتمدِ خاص | مُسلم اور اس کو مُنہ لگائے ہے ہے

واضح رہے کہ شارعِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منشیات کی تمام تر اقسام کو حرام مطلق قرار فرمایا ہے۔ جو سب کی سب زہر ہلاہل کا درجہ رکھتی ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ زہر فی الفور ہلاک کر دیتی ہے لیکن منشیات رفتہ رفتہ اعضائے جسمانی کو تحلیل کرکے ہلاکت کو پہنچاتی ہیں۔زندگی بھر اس کے عادی ہدفِ ملامتِ خلائق ہونے کے علاوہ ہوش وحواس سے عاری اور دنیا ومافیہا سے بے خبر زندگی بسر کرتے ہیں۔سوسائٹی اُن کو پاگل قرار دیتی ہے۔فرائض دینی پر عامل ہونا تو درکنار وہ اپنی روزی کمانے کے قابل بھی نہیں رہتے اور در بدر گداگری ،حیلہ سازی اور فریب کاری کے مرتکب ہوتے ہیں۔حتیٰ کہ تمباکو نوشی بھی بے شمار مضار کی حامل ہے اور اس کے زہر کا نام نکوٹین ہے تمباکو کے حروف سے کسی نے کیا اچھا فقرہ اخذ کیا ہے۔

تمباکو	ت	م	ب	ا	ک	و
	تم	مت	بنو	استعمال	کرنے	والے

؎ تمباکو نوش را سینہ سیاہ است | اگر باور نہ داری نے گواہ است

افیون کے متعلق صائب کا ایک بے شعر ہے۔ ؎

کاہش وافزائش ایں نشہ بایکد یگر است | می خورد افیون ترا چنداں کہ افیون می خوردی

مطلب یہ کہ افیون کا بڑھنا اور جسم کا گھٹنا لازم وملزوم ہیں۔جتنی تُو افیون کھاتا ہے ،اُتنا ہی افیون تجھے کھاتی ہے۔ہندی کا مقولہ ہے۔ ع

رتی کھائے رت کو ماسہ کھائے ماس

" خون " ماشہ " گوشت

آخر میں صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ "دُنیا میں اس شخص سے زیادہ بدنصیب کوئی شخص نہیں ہے جو کسی نشے کا عادی ہو جائے خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی خوش نصیب نہیں ہے جو کسی نشے کا عادی نہ ہو ،خواہ وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو"

تبرکاتِ حضرت سعدیؒ

(منظوم ترجمہ اُردو)

کر شکرِ حق کہ دی تجھے توفیق خیر کی
محروم اس کے فضل نے تجھ کو نہیں کیا

احساں نہ رکھ کہ خدمتِ سلطاں کروں ہوں میں
اِحساں اسی کا جان کہ خدمت میں ہے رکھا

علم جتنا پڑھے تو حد سے فزوں
گر نہیں ہے عمل تو ہے مجنوں

نہ محقق ہے اور نہ دانش مند
بیل پر ہیں لدی کتابیں چند

اُس تہی مغز کو نہیں ہے خبر
کہ یہ لکڑی ہے اس پہ یا دفتر

پہنچا تھا بیلقاں میں اِک عابد کے پاس میں
کی عرض میں نے جہل سے تو مجھ کو پاک کر

وہ بولا مثلِ خاک تحمل کر اے فقیہ
یا تُو نے جو پڑھا ہے وہ سب زیرِ خاک کر

غرض مندوں کی مت سُن مدح ہرگز
وہ اپنی غرض کے ہیں تجھ سے خواہاں

کہ گر اِک دن مراد اُن کی نہ دے گا
کہیں گے عیب وہ تیرے دو چنداں

بیاباں میں یہ دیکھا ہیں نے اکثر
ہے سبقت سُست رَو کو تیز رَو پر

گرا تھک کر جو تھا چالاک گھوڑا
شتر آہستگی سے چل رہا تھا

تھا احمق ایک دیتا خر کو تعلیم
کرے تھا عمر اپنی صرف اس پر

حکیم اِک بولا کیا کرتا ہے ناداں
ترا یہ فعل ہے نادانی یک سَر

یہ خر تجھ سے نہیں سیکھے گا کچھ نطق
خموشی سیکھ لے تو اس سے اے خر

خصلتِ مرد سے اک روز میں پہچان سکیں
کہ کہاں تک ہے اُسے رتبۂ تحصیلِ علوم

اُس کے باطن سے ولیکن تو نہ ہونا بے خوف
کہ بدی نفس کی برسوں میں نہ ہوگی معلوم

سُنا ہے ایک مردِ پارسا نے
چھڑایا بھیڑ کو اِک بھیڑیے سے

بوقتِ شب چھری اُس پر چلائی
تو اس دم بھیڑ سے آواز آئی

کہ تو نے بھیڑیے سے گو چھڑایا
مگر خود بھیڑیا تجھ کو ہی پایا

یہ بھی ہوتا ہے کہ دانا پیر سے
بن نہیں پڑتی کبھی تدبیر ایک

گاہ ہوتا ہے کہ طفلِ غلط کار
بس لگا ہی دے ہدف پر تیر ایک

غم اپنا نہ کہہ دشمنوں سے کبھی
کہ لاحول پڑھ کر کریں گے خوشی

کھانا ہے بہرِ زندگی و خدمتِ عوام
اور مقصدِ حیات تو سمجھا فقط طعام

اس سرائے جہاں میں ہر کوئی
آسرا ہر کسی سے ہے رکھتا

پر مجھے تجھ سے تری ہرگز
نہیں اُمید۔ شر تو مت پہنچا

بزرگ اِک کوہ پہ تھا ہم نے دیکھا
سراپا نورِ حق اس سے ہویدا

نہ تھی کچھ فکر اس کو بام و در کی
قناعت جگ میں بس اک غار پر کی

کہا میں نے شہر میں گر تو آئے
دل بستہ ترا اِک بار کھل جائے

کہا واں کے عجائب ہیں پری رُو
اداؤں سے بھرے با شکلِ نیکو

کہاں مقدور انساں تاب لائے
جو کیچڑ ہو بہت، ہاتھی پھسل جائے

اگر رزق موقوف ہو عقل پر
تو نادان ہوتے یہاں تنگ تر

مگر رزق پہنچے یوں نادان کو
کہ دانا کی واں عقل حیران ہو

باعثِ عصیاں یہی دونوں ہوئے
بختِ نافرجام و عقلِ ناتمام

لائقِ تعزیر ہوں تو قید کر
پر نہیں بخشش سے بہتر انتقام

کہا میں نے دل میں کہ دم لوں ذرا
ہوئی نیند صد حیف راہِ نفس

دریغا کہ اس زیست کے خوان سے
اُٹھاتے ہی لقمہ صدا آئی بس

آمد نہیں ہے تجھ کو، تو مت خرچ کر بہت
دریا کے بیچ گاتے ہیں ملاح یہ سرود

بارش نہ کوہسار میں برسے جو وقت پر
دجلہ بھی اک سال میں ہو جائے خشک رُود

مُراد جس کی تو بر لائے تیرا ہو منقاد
سوائے نفس کہ حاکم ہو پائے گردہ مُراد

جاہلِ ناداں پریشاں روزگار
بہتر از دانائے ناپرہیزگار

وہ تو نابینا تھا بھٹکا راہ میں
یہ گرا دو آنکھیں ہوتے چاہ میں

کب پوچھتا ہے گوشت جو کُتّے کو مل گیا
دجّال کا یہ خر ہے یا صالح کا ہے شتر

گر خردمند کو اوباش سے پہنچے کچھ رنج
دل میں ہرگز نہ مکدّر ہو نہ ہووے برہم

سنگِ بدذات اگر کاسۂ زریں توڑے
قیمتِ سنگ نہ بڑھ جائے گی نہ زر ہوگا کم

پدر جب آخری وقت اس کا آیا
مجھے یہ اک نصیحت کرکے گزرا

کہ شہوت آگ ہے کر اس سے پرہیز
نہ کر دوزخ کی آگ اپنے لیے تیز

نہ ہوگی تاب اس کی تجھ کو
بجھا آج اس کو آبِ صبر سے تو

جاہلوں کے گروہ میں اک عالم
یہ مثل کہہ گئے ہیں صدّیقاں

ہووے معشوق جیسے اندھوں میں
یا ہو قرآن میانِ زندیقاں

سخن کہنے کا قصد اس وقت کر
کہ جانے کہ ہوگا سخن کارگر

دوستوں کے ساتھ بات آہستہ کر دشمنِ خونی نہ سُن لیوے کہیں
گر کہے دیوار کے آگے بھی کچھ چونکنارہ، ہوں نہ واں بھی سامعین

تو اُس دوست سے دھو خرد منہ ہاتھ جو ہو ہم نشین تیرے دشمن کے ساتھ

قضا نہ بدلے گی گرچہ ہزار نالہ و آہ بشکر یا بشکایت کسی کے لب پر آئے
فرشتہ جو کہ کرُہ پرہوا کے حاکم ہے نہ کھائے غم جو چراغ ایک بیوہ کا بجھ جائے

ہوگا درویشوں میں تیرا خوں مباح مال تیرا گر نہ ہو اُن پر سبیل
یا تو مت مل یار نیلی پوش سے یا تو اپنے گھر پہ کھینچ انگشتِ نیل
یا تو مت کر فیلبانوں سے ملاپ یا بنا وہ گھر بندھے جس گھر میں فیل

نہ ہوگئے ہیں کو اِک لُقمہ فراموش اگر سَو دفعہ مارے اس کو تُو سنگ
اگر سب عمر سِفلہ کو نوازے ہو ادنیٰ بات پر آمادۂ جنگ

وہ سُنا ہے تو نے اک جنگل کے بیچ جاں سے گزرا ایک تاجر مالدار
بولا چشمِ تنگ دُنیا دار کو پُر کرے ہے صبر یا خاکِ مزار

گر سفر کو جائے اپنے شہر سے محنت و سختی نہ کھینچے پارہ دوز
مُلک سے باہر خرابی میں پڑے شب کو سوئے بھوکا شاہِ نیم روز

ہے سُنا تُو نے چھپ کے اک دِلبر اپنے عاشق سے کہتا تھا اکثر
جب تلک اپنی قدر ہے تجھ کو تجھ کو میری قدر بھلا کیا ہو

متقی کو ہے بس یہی زنداں کہ رہے وہ بحلقۂ رنداں

کیے جس نے برسوں تلک نیک کام کرے اِک بدی اس کو رسوائے عام

جب ہوئے بھوک قوّتِ پرہیز کب رہے افلاس باگ کھینچ لے تقویٰ کے ہاتھ سے

ہووے جس جوہر کے قابل اصل ہی تربیت کا اس میں ہی ہووے اثر
کوئی صیقل صاف کرنے کا نہیں ایسے لوہے کو جو ہووے بد گُہر
گو ملیں ساتوں سمندر ہی تجھے اُن میں کُتّے کو کبھی دھونا نہ پر
پاک ہونے کا نہیں بلکہ پلید بیشتر ہووے گا جو ہووے گا تر
جائے گو کعبہ کو عیسیٰؑ کا گدھا پھر جو آئے دیکھیو ویسا ہی خر

وہ غم کہ جس کے بعد خوشی ہو تجھے بہم بہتر ہے اس خوشی سے کہ ہو جس کے بعد غم

لڑائی ہے دو شخص میں آگ سی چغل خور کرتا ہے ہیزم کشی
مِلے دوسری بار دونوں کا دِل وہ کم بخت ہو درمیاں میں خجل

نہیں لائق اِنسانِ خاکی نژاد کہ دِل میں بھرے کبر و تُندی و باد
جو تجھ میں ہے یہ گرمی و سرکشی نہ سمجھوں میں خاکی تو ہے آتشی

کہیں یہود و مسلماں دونوں لڑتے تھے چنانچہ جھگڑے پہ اُن کے ہنسا میں حد سے فزوں
بطعن بولا یہ مسلماں کہ جو قبالہ مرا نہ ہو درست مَیں یارب جہود ہو کے مَروں
یہود بولا کہ توریت کی قسم ہے مجھے ہُوں میں بھی تجھ سا مسلماں جو جھوٹ کچھ بھی کہوں
جو عقل رُوئے زمیں سے ہو یک قلم معدوم کہے تب بھی کوئی آپ کو مَیں نادان ہوں

ہو خوش قد گر کوئی پردے کے اندر جو تو کھولے تو ہے مادر کی مادر

ترحم بھیڑیے پر اے برادر ستم ہے یہ بچاری بکریوں پر

خوشی کیونکر اس گھر میں آئے بھلا کہ جس گھر سے عورت کی نکلے صدا

قطرے پہ قطرہ اکٹھا ہو تو نالا ہو جائے نالے پہ نالہ جو ہو جمع تو دریا ہو جائے

میں نے اک خشک مغز کو دیکھا کر رہا تھا عیوبِ صاحبِ جاہ
بولا میں خواجہ گر تو ہے بد بخت نیک بخت آدمی کا ہے کیا گناہ

بنایا آپ کو خود تو نے ناداں جو ناداں کو رکھا صحبت میں اے جاں
طلب کی میں نے اک دانا سے اک پند کہا ناداں سے مت کر ربط و پیوند
کہ گر تو باخرد ہے خر بنے گا وگر ناداں ہے نادان تر بنے گا

فریدوں بولا نقاشانِ چین سے مِرے ایوان کے لکھ دو گرد یہ بات
بُروں سے کر نکوئی مردِ ہشیار کہ اچھے خود ہیں نیک اور نیک اوقات

لباسِ فقر و نانِ خشک پر میں یہ لازم ہے کہ کر بیٹھوں قناعت
ہر ایک کی مِنّتوں کا بوجھ اُٹھانا ہے بہتر یا کہ اپنا بارِ منّت

حق نے فرمایا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ساتھ ہی اس نے کہا لَا تُسْرِفُوْا

گر نیک خُو کے ہاتھ سے حنظل بھی کھائے تُو بہتر ہے اس مٹھائی سے جو دیوے ترش رُو

لاتا تھا آب نہر سے جو اک غلام روز آبِ نہر ہی لے گیا اک دِن غلام کو
مچھلی کو دام کھینچ کے لاتا تھا بار بار اب کے گھسیٹ لے گئی مچھلی ہی دام کو
شہ زور کیا کرے گا، اس میں جو ہے مقدر بازوئے سخت سے ہے بازوئے بخت بہتر

اشعار الاخلاق

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام — کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

جہاں کے حادثوں سے اک نہ اک روتا ہی رہتا ہے — مگر جو اقتضا فطرت کا ہے ہوتا ہی رہتا ہے

اتفاقِ امرِ مصیبت کو میں سمجھا تھا مگر — اب وہ میرے لیے قانون ہُوا جاتا ہے

تجھے اے اُمیدِ فردا، بے شک پیار کرتے — گر اپنی زندگی کا ہم اعتبار کرتے

بُلند آشیانوں پہ بجلی گری — جو نیچے تھے ڈوبے وہ سیلاب میں

بلائیں بھی وہیں آتی ہیں جس جا تنگدستی ہے — یہ زنجیرِ مصیبت بے کسوں کو خوب کستی ہے

کل ہم آئینے میں رُخ کی جھریاں دیکھا کیے — یادگارِ عمرِ رفتہ کا نشاں دیکھا کیے

انساں کو ہے مصاحبِ بد سے کمال رنج — دیتا ہے پڑ کے آنکھ میں مژگاں کا بال رنج

قبر میں جاتے ہیں شاید رنج سے راحت ملے — اس زمیں سے دُور کچھ تو آسماں ہو جائے گا

کبھی شادی کبھی غم ہے یہی عالم ہے عالم کا — مہِ عید الاضحیٰ گزرا تو چاند آیا محرم کا

یہ اثر تیرا ہم اے دورِ قمر دیکھتے ہیں — بے ہنر عیش میں ہیں اہلِ ہنر دیکھتے ہیں

سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمین — تخمِ خواہش دل میں تُو بوتا ہے کیا

کہنے کو یوں جہاں میں ہزاروں ہیں یار دوست — مشکل کے وقت ایک ہے پروردگار دوست

کس سے کہوں تلوّن ابنائے روزگار — دشمن یہ لاکھ بار ہوئے لاکھ بار دوست

زمانہ رنج دیتا ہے بقدرِ حال انساں کو — گدا کو فکرِ ناں اندیشۂ عالم ہے سلطان کو

بجا ہے ترکِ عبادت جو کرے صاحبِ زر — پڑھے نماز وہ کیا نشہ شراب میں ہے

بے ہنر مسند نشیں اہلِ ہنر در در خراب — عقلِ انساں سے خدا کا کارخانہ دُور ہے

بدل جائے جو تھوڑے رنج و غم میں وہ طبیعت کیا — کیا ہو شکوہ جس مُنہ سے کریں اس سے شکایت کیا

مردِ خوش خو نہیں تو پھر کیا ہے — پھول میں بُو نہیں تو پھر کیا ہے

شوق بہ سیرِ عدم کا کم نہیں — وہ چلے جاتے ہیں جن میں دم نہیں

کن حسرتوں سے چھوڑ کے ہم یہ جہاں چلے — آئے تو بے شک تھے پر کتنے گراں چلے

اب عفو وہ کرے نہ کرے اختیار ہے — اُمیدِ عفو میں، میں گنہ گار ہو چکا

اُٹھاؤں سختیاں لاکھوں کڑی بات اُٹھ نہیں سکتی — میں دل رکھتا ہوں شیشے کا جگر رکھتا ہوں آہن کا

آئی بہار ہو گئے سب خارِ راہ سبز — لیکن ہوئے نہ آہ یہ بختِ سیاہ سبز

جب تواضع سے جھکے عجلت سے دشمن کٹ گیا | تیغ کا خم جانتے ہیں ہم خمِ تسلیم کو

سرسبز باغِ دہر میں اہلِ قلم نہیں | دیکھی ہری بھری کبھی شاخِ قلم نہیں

بہرِ رفتار میں جب کرتا ہوں تدبیر نئی | ڈال دیتا ہے فلک پاؤں میں زنجیر نئی

یوں موسمِ شباب ہمارا گزر گیا | گویا چڑھا ہوا کوئی دریا اُتر گیا

اُٹھائے رنج کیا کیا زندگی میں | اجل آ، جان بچتی ہے اسی میں

سیہ بختی سخن سنجوں کو لازم ہے سمجھ دیکھو | نہیں چلتا ہے جب ہوئے سیاہی سے قلم خالی

امید و بیم کے جھگڑوں سے آگاہ ہی نہیں رکھتے | سبب یہ ہے کہ ہم کوئی تمنا ہی نہیں رکھتے

تجھے اے چرخ کیا مشکل ہے ہم کو مطمئن رکھنا | فقیرِ بے نوا ہیں شوکتِ شاہی نہیں رکھتے

آہیں افلاک میں مل جاتی ہیں | محنتیں خاک میں مل جاتی ہیں

جمتی نہیں ہے ران کسی شہسوار کی | کیا شوخیاں ہیں ابلقِ لیل و نہار کی

موقع بحث نہیں صاحبِ اقبال ہیں آپ | میری ہر بات بُری، آپ کی ہر بات اچھی

کفر کی رغبت ہے دل میں اور بتوں کی چاہ بھی | کہتے جاتے ہیں مگر منہ سے معاذ اللہ بھی

واہ کیا جلوہ ہے پیشِ چشمِ ادراکِ بشر | شبہ بھی، ہاں بھی، نہیں بھی، وہم بھی، اللہ بھی

اپنی قسمت سے بدل لاؤں میں قسمت کس کی | چھین کر دوں دلِ مضطر تجھے راحت کس کی

ہر لحظہ دیکھتا ہوں زمانے کی شان اور | گویا زمین اور ہے اور آسمان اور

بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا | ہمیں میں آ گیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا

موقوف ہے کیوں حشر پہ انصاف ہمارا | قصہ جو یہاں کا ہے تو پھر طے بھی یہیں ہو

جان دے جاناں کو ورنہ تجھ سے لے گی قضا | خود تو ہی منصف ہوا ے دل یہ بجا یا وہ بجا

تو رنج و راحتِ گیتی سے مت کر غم نہ ہو شاداں | کہ آئینِ جہاں یکساں کہاں رہتا ہے اے ناداں

خشتِ اوّل گر رکھے معمار کج | تا ثریا جائے گی دیوار کج

وہ کارخانہ جس کی غفلت پہ ہو بنا | ہشیار جینا اس میں کچھ حکمت نہیں دلا

لائقِ اُلفت نہیں ہر ایک سر | بارِ عیسیٰ کھینچے کب ہر ایک خر

رہے گا ہمیشہ تیرا کیسہ پُر | جو سمجھے تو ہر شخص کو کیسہ بُر

نہیں کہتا ہوں مذہب سے جُدا رہ | پہ جس مذہب میں ہو وے با خدا رہ

بھوکا ملحد اور خانۂ خالی پُر خواں | عقل باور نہیں کرتی رکھے خوفِ رمضاں

درمیانِ قعرِ دریا کر کے مجھ کو تختہ بند | پھر یہ کہتا ہے کہ دامن تر نہ ہو اے ہوشمند

باقی جنوں کو کام ہے مشتِ غبار سے | بچے ہیں کھیلتے مری خاکِ مزار سے

دیکھا کل اک بے عقل کو کہتے — باپ میرا مصاحب خاں تھا
باوجودیکہ کچھ نہیں معلوم — ہم نے مانا کہ بے شبہ ہاں تھا
کوئی لیکن ہے گوہ کھاتا — جو کہ عہد قدیم میں ناں تھا

عید آگئی اور غم میں بڑھا اک غم دیگر — ماتم زدہ کو عید بھی ہے ماتم دیگر

نہ شادی نے دیا ساماں نہ غم نے کچھ کیا نقصاں — کہ پیش ہمت مرداں جو آیا رہ گیا مہماں

وہ چہرہ جس سے دل نہ کھلے ہے ندیدنی — وہ بات جو ہو بے مغز ہے ناشنیدنی

اَے بے خبر ہے شکوۂ جورِ زمانہ کیا — اے اسپ خام سرکشی از تازیانہ کیا
جو کچھ کہ پہنچے تجھ کو وہ خود کردہ ہے ترا — جورِ فلک ہے کیسا، گناہِ زمانہ کیا

دل جو خفتہ ہو ترا دیدۂ بیدار ہے ہیچ — خانہ ویراں جو ہو پر رونق بازار ہے ہیچ
بیٹھنا اٹھنا بھی تیرا جو ہے بہر نسانہ — دل جو یک جا نہ ہوا جنبش بے کار ہے ہیچ

مجھ کو نہیں حساب و عذابِ حشر کا ڈر — دنیا کے لوگ دیکھوں گا پھر ہے یہی خطر

جانور فربہ ہو راہ نوش سے — آدمی فربہ ہو راہ گوش سے (خوشخبری سن کر)

جو نہ ہووے یار میرا ایزد اس کا یار ہو — جو کرے غرقاب مجھ کو کشتی اس کی پار ہو
دشمنی سے خار رکھے جو کہ میرے راہ میں — یا الٰہی! اس کا گلشن دائماً بے خار ہو

اگر دشمن موافق ہو نہ تجھ سے — تو لازم ہے رہے تو اس سے راضی
وگرنہ چند روزہ صبر کر لے — رہے گا وہ، نہ تو، نے فخر رازیؒ

اپنے جمال و مال پر مت کر غرور تو — کھوئے گا دونو اک شب وتب میں ضرور تو

کہتا تھا کل مجھ سے پنہاں رازدانِ تیز ہوش — میں نہیں رکھتا ہوں مخفی تجھ سے رازِ مے فروش
کارِ دنیا کو جہاں تک ہو سکے آسان کر — سخت پکڑے ہے زمانہ اس کو جو ہے سخت کوش
بوحقیقت کی نہ شونگھے گا، نہ جانے جو یہ راز — گوشِ نامحرم کے قابل ہو نہ پیغام سروش

یہی بہتر ہے خود کو شاد رکھے — اور اس شادی میں رب کو یاد رکھے

جہاں دار جانے جہاں پروری — کہیں پر ہے خشکی کہیں پر تری
کسی سے محبت کسی سے نہ کیں — تو خود دانا تر ہے جہاں آفریں

نہ کہہ فالِ بد لاتی ہے حالِ بد — مبادا کہ کوئی کہے فالِ بد

یہ نکتۂ سربستہ کھلا ہے حباب سے — کچھ بیش نہیں عمر تری نقشِ آب سے

ذوقِ فنا نہیں ہے تجھے ورنہ میری جان — رنگیں ترازبہار ہے یاں جلوۂ خزاں

کہتا ہوں ہر شب کہ کل کو ترک یہ سودا کروں — پھر جو کل آتی ہے تو امروز کو فردا کروں

اگر الحمد چاہو پڑھ دیں سو بار　　مگر بِلّہ کوڑی بھی ہو صد بار
زمانے کی چکیّ اسے دے گی پیس　　جسے آمد اُنتیس ہو خرچ بیس
گر کیا مختارِ فاعل، تونے دنیا میں مجھے　　پھر جو چاہوں اس کے ملنے میں ہے یہ تاخیر کیوں
گر نہیں مختارِ فاعل، جو ہے تیرے حکم سے　　روز محشر میں ہوں میں پھر واجب التعزیر کیوں
ناتوانی سے قناعت پر ہوئے مجبور ہم　　ضعف کے اسباب عزت کے نگہباں ہو گئے
صبر، خودداری، دلیری، حق پرستی اب کہاں　　رکھ لیا اچھا سا اِک نام اور مسلماں ہو گئے
عمرِ دو روزہ ہو گئی اِک حال پر بسر　　خالی رہا زمانہ مرا انقلاب سے
بیچ میں رُکتا نہیں زنہار جز دشتِ عدم　　تو سنِ عمرِ رواں بھی کس قدر شہ زور ہے
اپنی زندگی کو غم و رنج و مصیبت سمجھو　　موت کی قید لگا دی ہے غنیمت سمجھو
کتنے ہوں سنگ و خشت کے کتنے ہی استوار　　اِن کو مٹا ہی دیتا ہے نیرنگ روزگار
فکرِ فردا میں عبث روز اک نئی تمہید ہے　　آج تک ہم کیا ہوئے آئندہ کیا اُمیّد ہے
سزائے موت پا کر تجھ سے گو اے آسماں چھوٹے　　زمین کی قید تنہائی سے لیکن ہم کہاں چھوٹے
ہے پھر دکھ جتنی زیادہ جلد ہے اُتنا زوال　　سب ستاروں سے ہے روشن تر، ستارہ صبح کا
عالم تمام اپنی جوانی سے تھا جواں　　ہم پیر کیا ہوئے کہ جہاں پیر ہو گیا
دونوں کی بے ثباتی سے تشبیہ تام ہے　　تجنیس ہے حیات کی لفظِ حباب میں
ہوئی حرفوں میں گو یک نقطہ رحمت سے سوا زحمت　　عدد میں ہے مگر رحمت زیادہ ہوتی زحمت سے
جانتے ہیں کہ سدا خونِ جگر پینا ہے　　پھر خوشی کیا کہ ابھی ہم کو بہت جینا ہے
شیطان کو ہے سوجھتی ہر دم نئی نئی　　گو ہے سیاہ کار پہ روشن دماغ ہے
دیکھا بہت حضور کا انصاف دہر میں　　باقی جو رہ گیا سو قیامت میں دیکھیے
ہیں ہر ایک مذہب میں کچھ کافر بھی کچھ دیندار بھی　　یاد رکھ تو بات یہ اِک محرم اسرار کی
صورت و الفاظ کا اکثر نہیں ہے اعتبار　　ہیں فقط یہ عادتیں رفتار کی گفتار کی
سیاہ روزی میں میری قدر کو احباب کیا جانیں　　اندھیری رات میں کس کو کوئی پہچان سکتا ہے
آج بنگلے میں مرے آئی تھی آوازِ اذاں　　جی رہے ہیں ابھی کچھ اگلے زمانے والے
جب تک جیے مصیبت غم کی نہ سر سے سر کی　　سر سے گزر گئے آخر، ہم نے مہم یہ سر کی
جہانگیری سے مشکل ہے مگر کارِ جہاں بینی　　جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
تہذیب کے خلاف ہے جو لائے راہ پر　　اب شاعری وہ ہے جو اُبھارے گناہ پر
انساں کے قول و فعل میں اس درجہ اختلاف　　منبر پناہ مانگ رہا ہے خطیب سے

کان نے ہوش کو اُلجھایا افسانوں میں ۔۔۔ آنکھ نے دل کو پھنسا رکھا ہے ارمانوں میں

دنیا سے میں نے کچھ بھی نہ چاہا، ۔۔۔ دل ہی نہ اُبھرا جی ہی نہ چاہا

محتاجِ غیر کو نہیں اک حال پر ثبات ۔۔۔ کیا رنگ دیکھتے نہیں تم ماہتاب کا

ہر قبر پر اُڑائیے علی الاتصال خاک ۔۔۔ سمجھے جو آدمی کہ ہے میرا مآل خاک

کچھ مزاگیھوں کا کچھ ہوا کے کہنے کا خیال ۔۔۔ آپ ہی کہیے کہ اس موقع پہ آدم کیا کریں

لازم سمجھ تو ذات کی خاطر صفات بھی ۔۔۔ وہ گل نہیں ہے خار ہے جو رنگ و بُو نہ ہو

خلقِ نکو کو سب نے خوشامد سمجھ لیا ۔۔۔ کیا کیا مصیبتیں ہیں غریب آدمی کے ساتھ

فارقِ نیک و بدِ دہر ہے تیرا پندار ۔۔۔ ورنہ کچھ فرق نہیں شنبہ و آدینہ میں

حرص گھٹ جائے وہی نعمتِ عظمیٰ ہو گی ۔۔۔ میری دولت نہیں بڑھنے کی تو اچھا نہ بڑھے

قسمت گئی ہے کے کسی قدرداں تلک ۔۔۔ وہ مدّعا ہوں میں جو نہ پہنچا بیان تک

بدل دی ہے غمِ پیہم نے فطرت زندگانی کی ۔۔۔ ہمیں تو اب قفس بھی آشیاں معلوم ہوتا ہے

وہ حرف ہوں ابجد میں جو مرقوم نہیں ہے ۔۔۔ وہ لفظ ہوں جس کا کوئی مفہوم نہیں ہے

ٹھوکر جدھر کو لگ گئی جاتا ہوں لڑھکتا ۔۔۔ اپنا ٹھکانہ مجھ کو بھی معلوم نہیں ہے

ہر ذرّہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے ۔۔۔ ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے

غنچہ مُرجھا کے گرا شاخ سے افسوس نہ کر ۔۔۔ کھل بھی جاتا تو یہی تھا کہ پریشاں ہوتا

پھینک دو کاٹ کے جڑ نخلِ تمنّا کی امیر ۔۔۔ پھول کم بخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

بگولے اس لیے منڈلاتے ہیں میرے مدفن پر ۔۔۔ کہ یہ دھبّا بھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پر

بارانِ غم سے جب گِلِ آدم بھگو چکے ۔۔۔ اِک قطرہ عیش کا بھی ملایا تب اُگا

ہو نہیں سکتا کبھی ہموار دُنیا کا نشیب ۔۔۔ اس گڑھے کو اپنی ہی مٹی سے بھرنا چاہیے

کیا پُوچھتے ہو دل کا مرے کیا مقام ہے ۔۔۔ فطرت کے کارخانے میں غم کا گدام ہے

دِل نہ آغازِ دشمنی کرنا ۔۔۔ اب کسی سے نہ دوستی کرنا

مَوت سے قبل زندگی کیسی ۔۔۔ جی رہا ہُوں ابھی خوشی کیسی

دل نکلتا نہیں ہے پستی سے ۔۔۔ قبر بہتر ہے تنگ دستی سے

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہے ۔۔۔ تہِ خاک ہم تو اکیلے رہے

چرخ کے کیسے انقلاب ہوئے ۔۔۔ پر کبھی ہم نہ کامیاب ہوئے

راہ سیدھی تو بتا دی خضر نے ۔۔۔ اُونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

آدمی بھی ہے فرشتہ بے گماں ۔۔۔ ہو نہ جب تک اس کا مطلب درمیاں

کر شکر جور و ظلم کا تشنگی کی تاب لا — شکوہ نہ لب پہ اے دلِ خانہ خراب لا

نہیں ہیں جھریاں ، چہرے پہ ضعفِ پیری نے — چُنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو

اے برق ڈھونڈلے کوئی خرمن زمانے میں — رہنے دے چار تنکے مرے آشیانے میں

فرق ظاہر ہوگیا جب سے قلم اور تیغ کا — دل میں اِنشا کا تھا جو ارماں رُخصت ہوگیا

دیکھتے تم کہ شرارت سے یہ شر کیا کرتا — گر اجل سر پہ نہ ہوتی تو بشر کیا کرتا

مرتبہ عالی نہیں پاتا ہے اسفل مال سے — جانتے ہیں اہل دانش جن کو عقل و ہوش ہے

سر کا رتبہ پاؤں کو ہرگز کبھی مِلتا نہیں — اس سے کیا ہوتا ہے زر دوزی اگر پاپوش ہے

شکوہ نہ کر ازل سے یہی کارخانہ ہے — آج اس کا دَور ہے تو کل اُس کا زمانہ ہے

کام کچھ کسب و ہنر آتا نہیں اِدبار میں — زنگ سے جوہر عیاں ہوتے نہیں شمشیر کے

اے طبیبو! موت نے کھویا ہر ایک آزار کو — کم نہیں دار الشفا سے گور مجھ بیمار کو

اجل ہے سر پہ تو بھی زیست کا ساماں نہیں کیا کیا — اُمیدیں رکھتی ہیں دل کو مرے اُلجھنیں کیا کیا

دیں عمرِ خضر موسمِ پیری میں تو نہ لے — مرنا ہی اس سے خُوب ہے عہدِ شباب میں

بہت پسند ہے مجھ کو خموشی و عُزلت — دل اپنا ہوتا ہے اپنا خیال ہوتا ہے

نہ ملیں لوگوں سے زندگی دشوار — اگر ملو تو نتیجہ ملال ہوتا ہے

کیونکر نہ خاکسار رہیں اہل کیں سے دُور — دیکھو زمیں فلک سے فلک ہے زمیں سے دُور

جو اس سے پہلے تھا یہ وہی خاکداں ہے اب — یارب وہ خاکیوں کی کرامت کہاں ہے اب

کیوں ویسے آدمی نہیں آتے بروئے کار — آخر وہی زمیں وہی آسماں ہے اب

شگفتگی کے ہوں ساماں ہزار غربت میں — پر ایک سی ہے خزاں و بہار غربت میں

تہی دستوں کو کیا خوفِ بلائے آسمانی ہے — کفِ افسوس مَل کے رہ گئی برق اپنے خرمن پر

جس جگہ ہیں صاف طینت ایک سے پست و بلند — آگیا پانی جہاں سطح برابر ہوگیا

مژدہ کچھ سُنتا نہیں چلّا کے روتے ہیں عزیز — دَم میں کتنا فاصلہ اللہ اکبر ہوگیا

آسماں مرکے تو راحت ہو کہیں تھوڑی سی — پاؤں پھیلانے کو ہاتھ آئے زمیں تھوڑی سی

غم نہیں ثابت قدم کو گر جہاں گردش میں ہے — قطب کو جنبش نہیں ہے آسماں گردش میں ہے

ہے کس قدر غرور شکن راہِ زندگی — جس سر کو دیکھتا ہوں وہی پائمال ہے

تو نے جسے بنایا اس کو بگاڑ ڈالا — اے چرخ میں نے اپنی عرضی کو پھاڑ ڈالا

خدا کی یاد میں محویّت دل بادشاہی ہے — مگر آساں نہیں ہے ساری دنیا کو بھلا دینا

ناچیز کو نہ صحبتِ نیکاں اثر کرے — رِشتہ کو کہہ تو آبِ گہر کیونکہ تر کرے

رنج ہے زیرِ فلک عیش کی تمہید کے بعد
دیکھیے ماہِ محرّم ہی پڑا عید کے بعد

رکھنا امید، فہم کا اپنے قصور ہے
امداد وقتِ بد میں قریبوں سے دُور ہے

ہر قطرہ اور ذرّہ ہے موردِ حوادث
دفتر ترا کہاں تک، زورِ قلم کہاں تک

آہ کیا کیا ہو چکے ہیں انقلابِ روزگار
موجبِ عبرت ہے تفسیرِ کتابِ روزگار

آگیا فضلِ خدا سے فنِ صبر
اب مصیبت کی مجھے پروا نہیں

تکلّف کی ضرورت کیا جہاں سچی محبت ہو
حلاوت شیرِ مادر میں نہیں ہوتی ہے شکّر سے

ہم کب شریک ہوتے ہیں دُنیا کی جنگ میں
وہ اپنے رنگ میں ہے ہم اپنی ترنگ میں

بے ثباتی ہے نہایت حُسنِ بے ناموس کو
پائداری ہوتی ہے کم شمع بے فانوس کو

کس رُخ چلوں رسولؐ تو دُنیا سے اُٹھ گئے
اللہ ہے سو اُس کو میں پہچانتا نہیں

غفلت میں زندگی کو نہ کھو گر شعور ہے
یہ خواب زیرِ سایۂ بالِ طیُّور ہے

اُسی کو دیتے ہیں ہوتے ہیں جس سے منتفع مُنعم
کہ بادل سے سمندر ہی میں بس موتی برستے ہیں

غضب کا عبرت افزا انقلابِ چرخِ گرداں ہے
ابھی اِک شور برپا تھا ابھی اک ہُو کا میداں ہے

خدا میں شک ہو تو ہو موت میں نہیں کوئی شک
مشاہدے میں بھی کہیں احتمال ہوتا ہے

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے مُنہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر دہن تصویر کا

ہے بُروں کو عیش اور اچھوں کو ہے دُنیا میں رنج
توڑتا ہے گل کو گلچیں، چھوڑتا ہے خار کو

کامیابی خارج از ذلت سے ناکامی بھلی
لُطفِ دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی

بے وفا سمجھیں تمہیں اہلِ حرم اس سے بچو
دَیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی

پختہ ہو کر اپنی شاخ و بُن سے ہوتا ہے جُدا
اے ثمرِ چشم محبت میں تری خامی بھلی

اَے دِل نہ بنا غیر کو محرم اپنا
ہر زخم پہ رکھ آپ تو مرہم اپنا
تنہائی میں آپ اپنے دُکھ درد کو جھیل
اپنے کو بنا آپ ہی محرم اپنا

عالمِ اسباب سے حاصل ہُوا آخر کفن
چلتے چلتے آسماں سے ہم بھی خلعت لے گئے

تیرہ بختی کے اثر نے شام سے گل کر دیا
صبح کو کوّے اُٹھا کر شمعِ تُربت لے گئے

قبر گر پختہ بنی مُردے کو کیا
استخواں ہر ایک چُونا ہو گیا

مُردہ غریب تو ہے گڑھے میں پڑا ہُوا
کیا فائدہ جو روضہ ہے اے مہرباں بُلند

بیزار زندگی سے ہُوں یہ شوقِ مرگ میں
ڈھونڈوں چراغ لے کے جو پیدا مزار ہو

زندگانی نے مجھے مُردہ بنا رکھا ہے
ملک الموت سے سائل ہوں مسیحائی کا

آواز یہ آتی ہے لبِ آبِ بقا سے
مرنا ہی یہاں خوب ہے جینا نہیں اچھا

اے موت آ کہیں رہوں تا چند منتظر
لادے ہُوئے سفر کا سر انجام دوش پر

دُنیا میں لاکھ سعی سے پایا نہ ایک باغ
ملتا نہ سہل جان تو اے بے خبر بہشت

بجلی جلائے گلشنِ ہستی ہیں ہم صفیر
صیّاد کے ڈر سے جو کروں آشیاں بلند

بے خانہ یہ خرابۂ عالم اگر نہیں
پھر کس لیے کسی کو کسی کی خبر نہیں

ناسخ ہے اس جہان کا دارِ غرور نام
معذور ہے اگر کوئی مغرور ہو گیا

نہیں غم نقدِ جاں گو ہاتھ سے جائے
نہ مَیں عطار سے لُوں گا دوا قرض

توڑوں جو اپنے پائے طلب فائدہ نہیں
تدبیر وہ کروں کہ شکستہ ہو پائے حرص

بظاہر بے کسی گورِ غریباں پہ برستی ہے
مگر زیرِ زمیں جا کر جو دیکھا خوب بستی ہے

خرمنِ عالم میں جو دانہ مری قسمت کا ہے
برق کی خاطر ہے کب ہے آسیا کے واسطے

خاکساری کا جہاں میں سب سے عالی رُتبہ ہے
یہ زمیں وہ ہے کہ جس پر آسماں ہوتا نہیں

ہے یہ کیسا غم کدہ اے بزم آرائے جہاں
کتنے اس محفل میں ہیں اور شادماں کوئی نہیں

کیا ضرورت تھی جو یہ زحمت گوارا کی گئی
کیوں مجھے ناپید ہونے کے لیے پیدا کیا

عزت اُسی کی اہلِ نظر کی نظر میں ہے
سب کچھ بشر میں ہے جو محبت بشر میں ہے

آج تک کیا نہ ہُوا اور نہ ہو گا کیا کیا
دیکھا اور دیکھیں گے دُنیا کا تماشا کیا کیا

گھر آپ کے بچشمِ گہر بار آئے ہیں
ہم نذر دینے موتیوں کا ہار آئے ہیں

مُوئے سفید نکلے، بعد از شباب مُنہ پر
دیتی ہے زندگانی، دیکھو، جواب مُنہ پر

معنی کا لطف کچھ نہیں صورت پرست کو
بلبل نہ ہو فریفتہ عطرِ گلاب پر

فرشِ نفیسِ خاک ہے بستر اگر نہیں
کنجِ لحد میں چین کریں گے جو گھر نہیں

کیا لُطفِ زندگی دلِ غم مبتلا کے ساتھ
سیرِ جہاں کو آئے بھی تو کس بلا کے ساتھ

ہم پاسِ وضع سے رہے ناکام بیشتر
نازک دماغیاں بھی ہیں یاں التجا کے ساتھ

فسُردہ دل چمنِ روزگار میں آئے
خزاں کو ساتھ لیے ہم بہار میں آئے

جب اِن ناکامیوں پر منحصر ہے زندگی اپنی
خدایا مرگ کیا ہو گی جو جینا اس کو کہتے ہیں

کروں میں ابتدا کس سے الٰہی
تمنّائیں ہیں دل میں انتہا کی

دلِ مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
اُمّیدیں اس قدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں

مری بے تابیاں بھی جزو ہیں اک میری ہستی کی
یہ ظاہر ہے کہ موجیں خارج از دریا نہیں ہوتیں

ہُوا ہوں اس قدر افسردہ رنگِ باغ ہستی سے
ہوائیں فصلِ گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں

جنگل میں تختۂ گلِ خود رُو کو دیکھ کر
تازہ ہُوا زمانہ کی ناقدریوں کا داغ

حقیقت بیں نگاہوں کو چمن ہے منظرِ عبرت
نظر آتی ہے پھولوں میں جھلک خونِ عنادل کی

ہوگی نہ قدر جان کی قرباں کیے بغیر
دام اُٹھیں گے نہ جنس کے ارزاں کئے بغیر

نفس سے سربر ہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش
ایک دشمن بر سرِ کیں ہو تو ہیں سب یار ہیچ

مری ناکامیابی کی کوئی حد ہو نہیں سکتی
صداقت چل نہیں سکتی خوشامد ہو نہیں سکتی

رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نَے ہاتھ باگ پر ہے نہ پاؤں رکاب میں

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

بنا یہ جسمِ خاکی مرکبِ جاں مدّتوں سے اے دل
چلی ریگِ رواں میں کشتیٔ عمرِ رواں برسوں

کیا خاک ہو غمِ دلِ اندوہگیں غلط
لکھا نصیب کا بھی ہُوا ہے کہیں غلط

کہنے کے واسطے ہیں بہت یار آشنا
لاکھوں میں یاں نکلتے ہیں دو چار آشنا

زندگی تلخ ہے اب ضبط کیے سے حاصل
صبر کرتے تھے رہے صبر کے جب تک قابل

اچھی نہیں شے کوئی محبّت سے زیادہ
وہ بھی ہے بُری ہو جو ضرورت سے زیادہ

ستم دَور گردوں کے سہ جاؤں گا
جو گزرے گی دل پر وہ کہہ جاؤں گا

آرزوئیں کچھ نہیں جن کا لقب ہے کامیاب
مشکلیں کیا خاک ہوں گی وہ کہ آساں ہو گئیں

بشر کو چاہیے پاسِ دلِ بشر رکھے
کسی کا ہو کے رہے یا کسی کو کر رکھے

انساں چلے وہ چال کہ جو ہو جہاں پسند
جہاں سے ہو وہ کام جو ہو میزباں پسند

جو کوئی دن کو چلے شب کو ٹھہر جاتا ہے
قاصدِ عمرِ رواں آٹھ پہر جاتا ہے

درپیش ہے ہزار مصیبت اُمید سے
کچھ غم نہیں ہے دل کو جو کچھ آرزو نہیں

ناامیدی تیرے قرباں تو نے دی راحت مجھے
ایک ارماں کم ہُوا جب ایک دشمن کم ہُوا

کیوں غنچہ پریشاں نہ ہو ہوتے ہی شگفتہ
اس باغ میں ہونا ہی دلِ شاد غضب ہے

جس پاس عصا ہو اُسے مُوسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل یدِ بیضا نہیں کہتے

لاٹھی بھلی کہ جس کی ملی ہووے رگ سے رگ
بے کار توپ جس کے ہوں پُرزے الگ الگ

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

بے بصر ہیں وہ جو بختوں میں یہاں خورسند ہیں
جن کی آنکھیں کھل گئیں ان کی زبانیں بند ہیں

جوں شرر ہے ہستیٔ بے بود یاں
بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کیے
آشیاں جلتا رہا ہم ناتواں دیکھا کیے

روشن ہے اس طرح دلِ ویراں کا داغ ایک
اُجڑے نگر میں جیسے جلے ہے چراغ ایک

جوشِ گُل چاکِ قفس سے دم بدم دیکھا کیے
سب نے یاں لوٹیں بہاریں اور ہم دیکھا کیے

صحبت منافقانہ ہے ہر جا نفاق سے   گر اتفاق ہے کہیں تو اتفاق سے

زندگی بھر نہ یم دیدۂ گریاں ٹھہرا   کشتئ عمر ڈبوئی تو یہ طوفاں ٹھہرا

غم ہے اس بحر میں کیا بے سروسامانی کا   ناخدا خود ہے خدا کشتئ طوفانی کا

طلب خدا سے کسی چیز کی نہیں ہم کو   یہی کہ عمر دو روزہ تمام ہو جائے

سازِ ہر صورت میں اے دل مرکز بیداد ہے   لَے الگ ہے سب کی لیکن ایک سی فریاد ہے

ہر جزو کو ہے نسبتِ خاص اپنے کل کے ساتھ   کیا امتیازِ قطرہ و دریا کرے کوئی

دیوانگانِ عشق کی بخشش عذاب ہے   پیدا کہاں بہشت میں صحرا کرے کوئی

ساز ہے ٹوٹا ہوا اور زمزمے خاموش ہیں   اہلِ دل لیکن ابھی محوِ نوائے دوش ہیں

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں   ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں

وہ سودا زندگی کا ہے کہ غم انسان سہتا ہے   نہیں تو ہے بہت آساں اس جینے سے مر جانا

اُلجھ پڑوں کسی دامن سے وہ خار نہیں   وہ پھول ہوں جو کسی کے گلے کا ہار نہیں

ہم کو بہار میں بھی سرِ گلستاں نہ تھا   یعنی خزاں سے پہلے ہی دل شادماں نہ تھا

کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے   کل بتادے گی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

مطمئن اس سے مسلماں نہ مسیحی نہ یہود   دوست کیا جانے یہ چرخ کہن کس کا ہے

واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یاں ذاتِ خدا   ورنہ بے عیب زمانے میں چلن کس کا ہے

جا چکا قافلۂ ملک عدم دور تو کیا   ہم بھی دم بھر میں خدا چاہے تو جا لیتے ہیں

خدا کو بھول گئے لوگ فکرِ روزی میں   خیالِ رزق ہے رازق کا خیال نہیں

خوب خوش باش گزر اہل صفا کرتے ہیں   نہ خفا ہوتے ہیں ایسے نہ خفا کرتے ہیں

آدمیت کو فقط جوہرِ انساں جانا   جس میں اخلاق نہ پائے اسے حیواں جانا

میں اپنا دردِ دل جا کر کہا جس پاس عالم میں   بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

آندھی کی ہوا برق کا دم دیکھ چکے ہیں   آگے نہ بڑھی عمر سے رفتار کسی کی

اس کشتِ روزگار میں تخمِ بقا نہیں   اس بوستاں کے پھولوں میں بوئے وفا نہیں

اس بزم کے چراغوں میں نورِ دلا نہیں   اس بحر کے صدف میں درِ مدعا نہیں

گھر کون سا بسا کہ جو ویراں نہ ہو گیا   گل کون سا ہنسا کہ پریشاں نہ ہو گیا

کن قافلوں کو خاک نہ اس راہ نے کیا   کن یوسفوں کو غرق نہ اس چاہ نے کیا

حق کا ملنا تو بہت آسان ہے   آدمی البتہ مشکل سے ملا

اُٹھ گئی یوں وفا زمانے سے   کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں

مُر کر بھی نہ مرقد میں گئی گردشِ نصیب ہم سمجھتے تھے زیر زمیں آسماں نہیں
یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے
غرور اب کیا بڑھے گا ختم ہوئے اُس درجہ پیری میں ہم اپنے پاؤں سے اپنے سر کو ٹھوکر لگاتے ہیں
جس کی بہار پہنچی نہ آخر خزاں تلک آیا نہ ایک گل کبھی اس بوستاں تلک
سختی سے گزرے اہلِ سعادت کی یاں معاش ہے منحصر غذائے ہما استخواں تلک
ہے اپنی زندگی کی یہ رُوداد مختصر کچھ روز بے کسی میں جیے اور مر گئے
سارے جہاں کا رنج مرے دل میں آگیا کیا کُوزہ تھا کہ جس میں یہ دریا سما گیا
گرچہ الطاف کے قابل یہ دلِ زار نہ تھا لیکن اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا
ہیں جو روشن طبع بغض اُن سے سیہ کاروں کو ہے چور کو جس طرح آتا ہے نظر دشمن چراغ
ہر کہ اُنس گرفتم ہزار عیب گرفت مصاحبے کہ درو عیب نیست تنہائی ست
وقتِ بد میں کون دیتا ہے کسی کا ساتھ رند یار ثابت اِک ملی دُنیا میں تنہائی مجھے
مآلِ کار سمجھایا قبور نے ہم کو یہ نقد مال لگا ہاتھ اس دفینے سے
غافل نہ فکرِ زاد سے رہنا کہ بے خبر کیا جانیے یہ قافلہ کس دم سفر کرے
ہے رہنمائے خلق عمل جس کے نیک ہوں کافر ہو وہ عقیدے میں یا دیندار ہو
مختار بھی مجبور بھی کاموں میں بشر ہے اس سے یہ سزاوار جزا ہے بھی نہیں بھی
جا و بے جا کے حوادث سے بچاتی ہے تجھے موت کہتے ہیں جسے ہے پاسبانِ زندگی
رُوح کو آرام آغوشِ بدن میں کیوں نہیں یا خدا اخلاص اس دُلہا دلہن میں کیوں نہیں
نہیں ممکن کہ ہو اصلاح ظالم کی طبیعت کو ہے خونریز خنجر، گر بجھائیں آبِ حیواں میں
سمجھیں کہ نرم و سخت مقدر ازل سے ہے کب ہر کسی کے گوشت میں ہے استخواں عبث
حکمتِ حق ہے طبائع کی کجی اور راستی گر کماں پیدا نہ ہو کس طرح پھینکے تیر کو
آتش کدہ میں دہر کے وہ سرنگوں کہ یاں جو شمع سر اُٹھاتے ہی لگتی ہے سر کو آگ
دے جو محتاجوں کو دینا ہے کہ فرصت ہے ابھی ڈھونڈتا ہے گور میں قاروں گدا ملتا نہیں
نہ کیوں پابند ہوں اہلِ صفا خانہ نشینی کے نکلتے کس نے دیکھا ہے کبھی آئینے کو گھر سے
جو دم ہے غنیمت ہے کیا جانیے کیا کل ہو اک دُور کی نسبت ہے امروز کو فردا سے
بدل جاتی ہیں آنکھیں وقت پر ہر ایک مونس کی ضرورت ہی نہ پیدا ہو ضرورت ہے ہمیں اس کی
پڑھ سکتا سرنوشت کا مطلب نہیں کوئی معلوم کچھ نہیں کہ یہ خط کس زباں میں ہے
کام سب تقدیر پر ہیں، ہے مگر تدبیر شرط کچھ سبب بھی چاہیے اس عالمِ اسباب میں

بچانا نشۂ طولِ اَمل سے دل کا مشکل ہے
سرورِ بادۂ اُمیدِ فردا آہی جاتا ہے

جو پہنچے ہاتھ تجھ تک چرخ گردوں
تو پوچھوں تجھ سے یہ کیوں اور وہ کیوں

کسی کو بخش دی صد گونہ نعمت
کسی کو نانِ جو دی وہ بھی پُرخُوں

محتاج اب نہیں ہم، ناصح نصیحتوں کے
ساتھ اپنے سب وہ باتیں بیتی گئیں جوانی

پیری عیاں ہوئی نہ ہو مائل گناہ پر
مُوئے سفید ہنستے ہیں روئے سیاہ پر

لباسِ اہلِ تقویٰ پر نہیں کچھ منحصر واعظ
کہیں کیا ہم نے کس کس بھیس میں دیکھا ہے دنیا کو

بے وطن ہو کر زمانے میں ہوئے نالاں بشر
آشنا نالوں سے ہرگز نَے نیستاں میں نہیں

جس چشم کے پردے میں چھلکتے رہیں آنسو
در اصل وہ سرچشمۂ انوارِ خدا ہے

غیر گردش کے نہیں ملتا ہے رزق
شاہد اس کا دیکھ سنگِ آسیا

رہتا ہے وہ خرابے میں پنہاں مثالِ گنج
جو دل شکستہ ہے وُہی دل ہے مقامِ دوست

جو لوگ آسماں نے یاں خاک کر اڑائے
بے عبرتوں نے لے کر، خاک اُن کی گھر بنائے

دیوانہ ہے دنیا میں جو دیوانہ نہیں ہے
عاقل وہی ہے جو یہاں عاقل نہیں ہوتا

زندگی نے مجھے ہلاک کیا
مر گیا موت کے آنے سے

پسند آئی ہے عزلت، میں ہُوں اب اور گھر کا گوشہ ہے
خدا کی یاد منزل ہے، قناعت اپنا توشہ ہے

نہیں بننے کا سودا ہم سے اس بازار عالم میں
عداوت کی ہے ارزانی محبت کی گرانی ہے

اِک دم ہے یاں ترقی اور تنزل ہے ایک دم
کُوزے میں اہل جہاں اور آسماں

فطرت کو ناپسند ہے سختی زبان میں
پیدا ہوئی نہ اس لیے ہڈی زبان میں

بند کر اپنی زباں پھر نہیں دشمن کا خطر
مُرغِ صیّاد کو اندیشۂ صیّاد نہیں

عریاں محض مجھ کو نہ کر، کچھ خدا سے ڈر
چادر تو کوئی اے فلک میرے کفن کو چھوڑ

تصویرِ غم مجھے نظر آتی ہے عیش میں
ماتم صدف کا کرتا ہوں گوہر کو دیکھ کر

مزا نہیں ہے خموشی کا خوش بیاں کے لیے
زباں سخن کے لیے ہے سخن زباں کے لیے

رازپوشی کاش ہم کو بھی سکھائے عندلیب
نام شبنم کا ہو اور آنسو بہائے عندلیب

درازی عمر کی ہے ہر کسی کی خاکساری سے
نہیں بجھتے جو خاکستر سے اخگر بند کرتے ہیں

سرکشی آخر فرومایہ کو دیتی ہے شکست
ٹوٹتا ہے نخل پر انجام خشتِ خام کا

بدسرشتوں کو نیکوں کا اثر ہو ہرگز
صحبتِ گل سے نہ ہو ویں کبھی خوشبو کانٹے

یہ گردوں ابتدا سے اب تلک ممنوں ہے میرا
سکھائی گردش اس کو جس نے وہ میرا مقدر تھا

دہنِ گرگ سے جیتا جو بچوں صحرا میں
ذبح کرنے کے لیے مُول لے قصّاب مجھے

جنّت و حُور کا طالب ہوں میں افسوس افسوس
کارِ طاعت ہے باغراض معلّل میرا

خم جب سے قدِ راست میں آیا سنبھل گئے
سیدھے ہوئے ہم ایسے کہ سب بَل نکل گئے

ہم خود ہی راست ہو گئے جب پیر ہو گئے
قد جب کمان ہو گیا ہم تیر ہو گئے

بہت مشکل ہے رہنا پاک دامن لوثِ دنیا سے
ضرور اُلجھا وہ جو اس وادیٔ پُرخار میں آیا

غضب ہے جان کو پہلو میں ہونا دِل سے دشمن کا
محلِ خوف ہے ہمسایہ قصاب و برہمن کا

کیونکر نہ ہووے خاک کے پتلے کو جاں عزیز
رکھتا ہے میہماں کو بہت میزباں عزیز

سراپا آرزو ہوں کیا نہ مانگوں اور کیا مانگوں
خدا سے گر دُعا مانگوں دلِ بے مُدّعا مانگوں

جان دی ہے جس نے مجھ کو نان بھی دے گا وہی
جو ترا خلّاق ہے تا سنج وہی رزّاق ہے

وہ حسرتیں لحد میں ہیں دنیا تھی جس سے تنگ
وسعت کہاں کی آگئی دو گز زمین میں

رفیقِ حال بُرے وقت میں نہیں کوئی
شریک جنگ میں شمشیر کا نیام نہیں

پارسائی اور جوانی کیوں کہ ہو
ایک جا پر آگ پانی کیوں کہ ہو

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم
ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

دا دریغا عجیب ہستی ہے
موت ہستی پہ اپنی ہنستی ہے

ہم سا کوئی گم نام زمانہ میں نہ ہوگا
گم ہو وہ نگیں جس پہ کھدے نام ہمارا

دِل دلاسوں سے کرے ہے آہ و زاری بیشتر
خانۂ ماتم میں ہو پُرسے سے زاری بیشتر

ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر
نہ ہو برتاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے

اک شخص کو توقع بخشش کی بے غُس ہے
اے زاہدو! تمہارا اس میں ہے کیا اجارا

ہر چند آئینہ ہوں پہ اتنا ہوں ناقبول
مُنہ پھیر لے وہ جس کے مجھے رُوبرو کریں

برنگِ آبلہ اے وائے کیا یہ زندگانی ہے
کہ جس کے پاؤں پڑتا ہوں اسی کو سرگرانی ہے

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ
زندگی موت ہے حیات نہیں

اپنی مرضی کے موافق دہر کو کیوں کر کروں
بے حد آتا ہے مجھے غصّہ مگر کس پر کروں

کچھ پتہ منزلِ مقصود کا پایا ہم نے
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں

مدّتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا
دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہیں

ملی کچھ روز راحت ہم کو برسوں جھیل کر زحمت
بڑی کاہش سے قطرے شہد کے حنظل سے نکلے ہیں

ہو فرشتہ بھی تو نہیں انساں
درد تھوڑا بہت نہ ہو جس میں

دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز
اب دھرا ہے کیا اُس اور اس میں

فریبِ حُسن سے گبر و مسلماں کا چلن بگڑا
خدا کی یاد بھولا شیخ بُت سے برہمن بگڑا

نہ خریدار کا حصہ ہوں نہ حقِ بائع کا
میں وہ دانہ ہوں جو گر جائے کفِ میزاں سے

تباہی پہ لازم یادِ حق اہل توکّل کو
خدا پر چھوڑتا ہے ناخدا کشتی کو طوفاں میں

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبرؔ
انساں کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز

طفلی میں بھی شادی متوحش رہی ہم سے
پایا نہ لطفِ جمعہ بھی کچھ ہفتہ کے غم سے

نفسِ شقی بھی رُوح کے ہمراہ تن میں ہے
یوسفؑ کے ساتھ گرگ بھی اس پیرہن میں ہے

کیوں مُنہ پہ لگاتے ہیں دھبّے خضاب کے
پیری نہ رنگ لائے گی عہدِ شباب کے

باقی رہی ہے شیخ کو حسرت گناہ کی
کالا کرے گا مُنہ بھی جو داڑھی سیاہ کی

چھُپتی نہیں ہے بات بناوٹ کی بال بھر
کھل جاتی ہے اخیر کو رنگت خضاب کی

پیری میں شوق کیوں نہ کریں ہم خضاب کا
رہ جائے کوئی صفحہ کیوں سادہ کتاب کا

گزری سیاہ کاری میں یارب تمام عمر
آدھی شباب میں کٹی آدھی خضاب میں

روزِ سیاہ دہر سمجھ رنگ عارضی
دو چار روز رہتی ہے رنگت خضاب کی

منتشر رہتا ہے مجموعہ خاطر اپنا
ہر ورق جس کا پریشاں ہے وہ دفتر اپنا

مَیں تنگ ہُوں اتنا کہ قبیلے میں سے کوئی
میراث کے لینے کو بھی وارث نہ کہایا

ممکن نہیں جو حرفِ قضا ہو جبیں سے دُور
جو نقش ہو چکا نہیں ہوتا نگیں سے دُور

بے برگی پہ اپنی رو دیا میں
پتّا جو گرا کسی شجر کا

زمین و آسماں کا فرق ہے ادنیٰ و اعلیٰ میں
چمک سے ہمسرِ خورشید ذرّہ ہو نہیں سکتا

ہے فرق شاہؔ و گدا میں قولِ شاعر ہے یہی
شیرِ قالیں اور ہے شیرِ نیستاں اَور ہے

کھینچے گی خاک ہوگا ٹھکانا جہاں کہیں
دو گز زمیں تو دے گا کبھی آسماں کہیں

جگہ تُربت کی ہی تھوڑی ملے بعدِ فنا مجھ کو
فلک میرا ابھی حق ہے کچھ تو موجوداتِ عالم میں

اپنے بندوں کو دیا ہے جس قدر اللہ نے
کچھ نہ کچھ اس کے سوا ہے ہر بشر کی احتیاج

کہیں ہم جستجو کرتے پھرے اور یہ کہیں نکلی
جو تھی آسائشِ دُنیا وہ سب زیرِ زمیں نکلی

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دُنیا پہ اب تف کیجیے
نفس کہتا ہے ابھی چپ سے توقف کیجیے

فنا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا
اجل کیا ہے؟ خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا

نتیجہ زندگانی کا ہے کچھ دُنیا میں کر جانا
خیالِ موت بے جا ہے وہ جب تو مَر جانا

مقامِ کوچ کیا ہے منزلِ مقصود تک بھولے
قیامت تھا سرائے دہر میں دو دن ٹھہر جانا

راحت کا جہاں میں یونہی اک نام ہے گویا
راحت کی تلاش اِک طمعِ خام ہے گویا

مطلب نہ سرنوشت کا سمجھا تو شکر کر
دیوانہ ہو جو حال قضا و قدر کھلے

محوِ کار اس بزم میں ہر شمع ہر پروانہ ہے
حسرت اس پر ہے جو صرف قصہ و افسانہ ہے

عبث طولِ اَمل ہے یہ چناں ہوگا چنیں ہوگا
نہیں ہے دُور وہ ساعت کہ تُو زیرِ زمیں ہوگا

غافل یہاں کے لذّت و آرام پر نہ جا
دُنیا میں ہائے ہائے بہت ہے مرنے کے بعد

اِک اضطراب دل کو مرے کر گیا خراب
کیا پوچھتے ہو حالِ زمیں زلزلے کے بعد

نہ تعلّق ہے کسی سے نہ شناسائی ہے
انجمن میں ہوں مگر عالمِ تنہائی ہے

غم نہیں ہے فلک! جو تاج نہیں
ہم کو سر کی بھی احتیاج نہیں

ہر طرح رزق ہم کو ملتا ہے
غم ہے موجود اگر اناج نہیں

شبِ غم کی سحر نہیں ہوتی
ہو بھی تو میرے گھر نہیں ہوتی

جو ہے جبری بحکم خدا لازوال ہے
شہباز ہے حرام کبوتر حلال ہے

اک جان پر ہزاروں طرح کی کڑی سہی
تھوڑی سی زندگی مصیبت بڑی سہی

ہم نے کاٹی ہر شبِ غم نالہ و فریاد میں
وائے گر ہوں یہ نفس بھی زیست کی تعداد میں

زیادہ اس سے بھی کیا شر کرے خدا جانے
اگر بشر کہیں جینے کی انتہا جانے

اِس جبر پر تو ذوقِ بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

حسد جی کا وبال رہتا ہے
زندگی بھر ملال رہتا ہے

مال کے دستیاب ہونے پر
کس کو خوفِ مآل رہتا ہے

نہ رنجِ رفتگاں کر رفتہ رفتہ
پہنچ جائے گا تو بھی کارواں تک

کیا ہوائے نفس پر غالب ہو انسانِ ضعیف
کچھ ہوا سے زور چل سکتا نہیں ہے کاہ کا

وہ دلِ خستہ ہوں دُکھ جاتا ہے دل اندوہِ دشمن پر
رُلایا ہے کسی نے طالعِ ناکام رہزن پر

سال بھر خانۂ اللہ میں دیکھا جا کر
سر بہ سجدہ کوئی دو ایک ہی انساں نکلے

میں نے سمجھا تھا مسلماں یہاں کم ہیں مگر
عید کے دن تو مسلماں ہی مسلماں نکلے

آسماں کیا ہے مری آہِ رسا کے سامنے
بلبلے کی کیا حقیقت ہے ہوا کے سامنے

عیشِ فردا کی اُمیدیں وا یہ ہیں
طفل طبعوں کو کھلانے کے لیے

ایسا جو ہو تو شاید یہ دل رہے ٹھکانے
دُنیا کو میں نہ جانوں دنیا مجھے نہ جانے

ہیں خطِ تقدیر سے تحریر سب پیشانیاں
پیش آتی ہیں وہی باتیں جو ہیں پیش آنیاں

جیسی حالت پیش آتی ہے زمانے میں جسے
ذہنِ انسانی میں ویسا ہی اثر آتا ہے عکس

قومی ترقیوں کی زمانے میں دھوم ہے
مردانے سے زیادہ زنانے میں دھوم ہے

عبرت زدہ جو دل ہو ارمان اس میں کیسے
بجلی گری ہو جس پر وہ شاخ کیا پھلے گی

دل کے جو دشمن ہیں اُن کے شوق میں رہتی ہے آنکھ — جان کا مالک جو ہے اُس سے نظر ملتی نہیں

پیری میں شیخ تائب عصیاں ہُوا کہ جب — کوئی گناہ کرنے کے قابل نہیں رہا

بعد مرنے کے بھی دل لاکھوں طرح کے غم میں ہے — ہم نہیں دُنیا لیکن ایک دنیا ہم میں ہے

کوئی شے ایسی نہیں عالم میں جو بے کار ہے — سنگ بھی موقع پہ اپنے گوہر شاہوار ہے

خدا کی یاد میں دُنیائے دُوں سے مُنہ جو موڑے ہیں — وہی انسان اچھے ہیں مگر افسوس تھوڑے ہیں

مرگ اِک ماندگی کا وقفہ ہے — یعنی آگے چلیں گے دَم لے کر

بالائے آسماں نہیں زیرِ زمیں نہیں — راحت ہے جس کا نام وہ اے دل کہیں نہیں

تجربے کے دشت سے دل کو گزرنے کے لیے — روز اِک صورت نئی ہے غور کرنے کے لیے

تابع ہوں ہادیانِ طریقِ صواب کا — لیکن طلب کروں گا خدا کی پناہ کو

اس کے خلاف آپ کی بحثیں ہیں نادرست — فرمائیے چراغ کو دیکھوں کہ راہ کو

انسان نے انسان کی جنگ ہمیشہ — دُنیا کے نظر آئے یہی رنگ ہمیشہ

کوئی عرب کے ساتھ ہو یا ہو عجم کے ساتھ — کچھ بھی نہیں ہے تیغ نہ ہو جب قلم کے ساتھ

عزیز احباب ساتھی دَم کے ہیں سب چھوٹ جاتے ہیں — جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

افسوس عمر کٹ گئی رنج و ملال میں — دیکھا نہ خواب میں بھی جو کچھ تھا خیال میں

میری سی نہ غم دوست طبیعت ہو کسی کی — مَیں شوق سے لیتا ہوں مصیبت ہو کسی کی

شعلہ تھا عہدِ جوانی اُڑ گیا — برف تھا ہنگامِ پیری جم رہا

پانی کی اَور رائے ہوا کا کچھ اور حکم، — اب کس طرف سفینۂ عمرِ رواں چلے

سکونِ قلب کی دولت کہاں دُنیائے فانی میں — بس اِک غفلت سی ہو جاتی ہے اور وہ بھی جوانی میں

جو سعادت مند ہیں رہتے ہیں وہ بے خانماں — دہر میں پیدا ہُما کا آشیاں ہوتا نہیں

دے کر سخی اُٹھاتے ہیں دنیا کی سختیاں — پتھر عوض ثمر کے، ثمر ہے نہال کا

جو ہیں اہلِ کرم شرمندہ ہوتے ہیں وہ سائل سے — جھکاتا ہے سرِ ساغر پہ شیشہ اپنی گردن کو

جوہر وہ خاکساری نے پیدا کیا مری — حاصل ہَوَسوں کو جو اکسیر سے ہُوا

شاعر بس اب بہارِ جوانی تمام ہے — سمجھے ہو جس کو سانس وہ جھونکے خزاں کے ہیں

نہ پوچھ اے داورِ محشر کہ دُنیا میں کیا کیا کیا — کہاں کہنے کے قابل ہم گنہگاروں کی باتیں ہیں

یہ عدم والوں کی خاموشی نے ثابت کر دیا — تھا عذاب سے بدتر عذاب زندگی

افسانۂ شباب خدارا نہ پوچھیے — دیکھا ہے جس جاگتے ہیں یہ وہ خواب تھا

طلسمِ کالبد میں ہے مقید رُوح انساں کی — نہیں اربع عناصر چار دیواری ہے زنداں کی

تلاطم میں ہمیشہ کشتیٔ عمرِ رواں دیکھی
جہاں ہے قلزم طوفاں کنارِ گور ساحل ہے

طلب اپنی نہ بڑھنے دو ضروری رزق کی حد سے
بچائے گی قناعت تیری تجھ کو کفر کی زد سے

اچھا ہُوا کہ زندگی مختصر ملی
ورنہ امید و یاس کا قصہ دراز تھا

اس قدر صدمے اُٹھائے مردمانِ دہر سے
بھاگتا ہوں سوئے صحرا شکل انساں دیکھ کر

لوحِ پیشانی نہ دھوئی اسے کراماً کاتبین
تم نے لکھے پر ہے لکھی داستانِ زندگی

لطفِ امروز اور ہے اور فکرِ فردا اور ہے
راہِ دُنیا اور ہے اور راہِ عقبیٰ اور ہے

مَیں سمجھتا ہوں کہ ساحل بھی ہے گردابِ فنا
ناخدا کا اپنے سر پر بارِ احساں دیکھ کر

کون چھینے بُت کو، توڑے برہمن کے دل کو کون
اینٹ کی خاطر کوئی کافر ہی مسجد ڈھائے گا

ہوں تو دیوانہ ولے کہتا ہوں دانائی کی بات
حلقۂ زنجیر بہتر حلقۂ احباب سے

راہ نوردانِ عدم اتنے پریشاں کیوں ہو
تم چلو ہم بھی کوئی دن میں ہیں آنے والے

نہ پوچھو مری انتہا موت ہے
وہ مجرم ہوں جس کی سزا موت ہے

دل اگر فارغ نہیں ناساز ہے سازِ نشاط
عید کے دن رنج بڑھتا ہے دلِ محبوس کا

طِفلِ نو کی اشک باری سے یہ عقدہ کھل گیا
داستانِ غم سے ہے آغازِ بابِ زندگی

گھر ہے اللہ کا گھر بے سروسامانوں کا
پاسبانوں کا یہاں کام نہ دربانوں کا

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اُتنا ہی وہ خاموش ہے

سبز باغِ دہر میں برگِ خزاں ہوتا نہیں
پیر ہو کر پھر بشر کوئی جواں ہوتا نہیں

نہ رُوح کا ہے بھروسہ نہ اعتبارِ بدن
ہُوا حباب میں ہے یا حباب شیشے میں

جس جگہ تھے قصر و منزل بن گئیں گوریں تمام
شہر جو آباد تھے شہرِ خموشاں ہو گئے

خیر و شر کو تو سمجھ ناداں، کہ آب
خاک کو نافع ہے آتش کو مُضر،

رفتارِ سایہ کو ہے پست و بلند یکساں
ٹھوکر کبھی نہ کھائی راہِ فروتنی میں

صحبتِ اہلِ صفا سے ہے تنفّر بد کو
آئینہ دیکھ کے زنگی ہے پشیماں ہوتا

عاریت جو شے ہے حاجت اس سے بَر آتی نہیں
پَر تو ہیں پر کب اُڑا جاتا ہے از خود تیر سے

ہاتھ آئے کس طرح دورِ جہاں میں جامِ عیش
بختِ بد سے یاں خمِ افلاک تک معکوس ہے

شکایت عالمِ پیری میں ہے کیوں قدِ پُرخم کی
جھکا اتنا ہی تو جتنا اکڑتا تھا جواں ہو کر

ہم مشقت کرتے ہیں کر فضل تو بھی بر محل،
تھوڑی سی روزی میں بڑھ جاتا ہے دلِ مزدور کا

کھل نہیں سکتا کسی پر ماجرائے سرنوشت
یہ لفافہ بند رکھا کاتبِ تقدیر نے

لذّت ہے رُوح کو تنِ خاکی سے میل میں
فطرت نے مست رکھا ہے قیدی کو جیل میں

رُوح کو خاک کے دامن میں لیے بیٹھا ہوں
میرا قالب ہی حقیقت میں ہے مدفن میرا

اکیلا ہو کے رہ دنیا میں گر چاہے بہت جینا
ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمرِ خضر طولانی

گزری جب نہ صورت گور جانا ہی بہتر ہے
ہوئی جب زندگی دشوار مر جانا ہی بہتر ہے

گفتگوئے اہلِ غفلت کی حقیقت کچھ نہیں
خواب میں چلّائے ہر چند آدمی خاموش ہے

وقتِ پیدائش ہمارے گریہ کا باعث نہ پوچھ
ابتدا ہی سے چلے ہیں انتہا کو دیکھ کر

بعد مرنے کے اگر تقدیر کی گردش رہی
قبر کا پتھر بھی سنگِ آسیا ہو جائے گا

زندگی میں نہ میں نے پھل پایا
ہو مرے سر مزار درخت

اگر تم چاہتے ہو محرم اسرار ہو جانا
سکھاؤ اپنے دل کو حرص سے بیزار ہو جانا

کسی نے اونٹ سے پوچھا کہ گردن تیری کیوں خم ہے
تو وہ بولا کہ ہر اعضا مرا گردن سے کیا کم ہے

دلِ شکستہ میں ایمان رہ سکے تو رہے
اُجاڑ گھر میں یہ مہماں رہ سکے تو رہے

دلِ ضعیف کو چارہ نہیں ہے کفر سے اب
اگر زباں مسلمان رہ سکے تو رہے

جو ہو سکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا

نہ رونا ہے طریقے کا نہ ہنسنا ہے سلیقے کا
پریشانی میں کوئی کام جی سے ہو نہیں سکتا

اگر میرے سیہ خانے کو روشن کر نہیں سکتا
چراغِ ماہ اپنی عالم افروزی سے شرمائے

ذرا دیکھے یہ باغِ زندگی کا خوں چکاں منظر
فلک باغِ شفق کی گل فشانی پر نہ اترائے

پھول بننے کی توقع پہ جیئے بیٹھی ہے
ہر کلی جان کو مٹھی میں لیے بیٹھی ہے

شہسوارِ منزلِ ہستی! یہ غفلت تا کجا
ہر نفس تیرا سمندِ عمر کو مہمیز ہے

خواب راحت ہے کہاں نادان دورِ چرخ میں
گردشِ ایّام ہے اے دل یہ گہوارہ نہیں

گردشِ ایّام سے پھرتا نہیں اپنا نصیب
اخترِ قسمت مرا ثابت ہے سیارہ نہیں

اچھی کہی یہ شیخ نے دُنیا کو چھوڑ دو
کیا اس ترک کر کے رہیں آسمان پر

جس نے کچھ احساں کیا اک بوجھ ہم پر رکھ دیا
سر سے تنکا کیا اُتارا سَر پہ چھپّر رکھ دیا

نہیں معلوم روزِ حشر کیا کچھ پیش آنی ہے
مگر مدحِ خلائق مغفرت کی اک نشانی ہے

خیر خواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں
ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو

چاہے جو اپنی خیر تو جائے نہ شر کے پاس
ہو جس بشر میں شر نہ رہے اس بشر کے پاس

بدخصلتوں کو کرتا ہے بالا نشیں فلک
اُونچی ہے آشیانۂ زاغ و زغن کی شاخ

دیکھا جو سخت روئے ابنائے دہر کو
سمجھا ہیں نرم موم سے بھی کر گدن کی شاخ

ممکن ہے کہ ٹل جائے جبل اپنے مقر سے
انساں کی مگر دُور جبلّت نہیں ہوتی

ہے کسی مذہب کی منّت کش اگر عقلِ سلیم — ہے وہ مذہب، مذہب اسلام باللہ العظیم

مجھے آتا نہیں اچھی طرح اظہارِ غم کرنا — مگر کچھ منحصر اس پر نہیں اس کا کرم کرنا

نہ مجھے دولتِ دنیا نہ مجھے اجرِ جمیل — نہ ہی نمرود کی طاقت نہ مجھے صبرِ خلیلؑ

تختوں نے پٹ کے قبر میں اندھیرا کر دیا — دو گز زمیں پہ یاں تو کئی آسماں ملے

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد — ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

شمعِ مدفن تھی کہاں جو جل کے ہو جاتی خموش — ہے وہی شامِ غریبی کا اندھیرا پردہ پوش

تو ہی خود انصاف سے کہہ دے یہ کیا انصاف ہے — مالکِ ارض و سما تو اور میں خانہ بدوش

کیا مرے اک دل کو خوش کرنے پہ وہ قادر نہیں — ایک کُن سے دو جہاں کو جس نے پیدا کر دیا

تم صاحبِ قوّت سہی مانا کہ ہم ہیں دم نہیں — اب آخری ہے فیصلہ یا تم نہیں یا ہم نہیں

نا اُمیدی و یک جہاں اُمّید — ناتوانی و کوشش جاوید

کدورت تیرے دل میں مہ جبیں معلوم ہوتی ہے — ہمیں تو آسماں پر بھی زمیں معلوم ہوتی ہے

یہاں تک زندگی دوبھر ہوئی آلامِ دنیا سے — قضا کو دیکھتا ہوں تو حسیں معلوم ہوتی ہے

دلِ درد آشنا ڈوبا جو دریائے محبت میں — حصارِ عافیت گرداب کو سمجھا مصیبت میں

گستاخ ہو کے عرض کیا ہے معاف ہو — ہم نے تو کوئی دل بھی نہ دیکھا جو صاف ہو

دُنیا سے کبھی ہاتھ اُٹھایا نہیں جاتا — دامن کو چھڑاتا ہوں چھڑایا نہیں جاتا

آشفتہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ — طاعت میں کچھ مزا ہے نہ لذّت گناہ میں

ہر چیز کائنات کی لبریز یاس ہے — دل کیا اداس ہے کہ زمانہ اُداس ہے

پکائیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جولانا — ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

جہاں پُر شور ہے اے دل پڑا کنجِ عزلت میں — کہیں مارا نہ جائے جنگِ ہفتاد و دو ملت میں

دل ہی نہیں مرا کسی مطلب سے آشنا — حرفِ دعا ہو کیوں کر مرے لب سے آشنا

منعمو شاد نہ ہو دولتِ دُنیا پا کر — خود ہی کھو جاؤ گے کیا جانیے کیا کیا پا کر

کب قابلِ علاج محبت کا داغ ہے — دل خانۂ خدا ہے یہ اس میں چراغ ہے

گلستاں ترک کر اے باغباں ہم بن میں جا بیٹھے — تمہارا جس پہ جی چاہے کرو جور و جفا بیٹھے

اُمیدوارِ رحمتِ باری ہوں اس قدر — ہوتا ہوں میں شریک برائے گناہ میں

اہلِ دل سے نہ کبھی آپ سنیں گے نالہ — چاک دل میں ہے مگر چاک گریباں میں نہیں

جبکہ بہارِ باغِ عمر، رہ گزرِ رفتہ میں ہو — بچ کے چلے بتاؤ کیوں بارِ خزاں کو کیا غرض

آدمی وہ ہے جو انجام نہ بھولے اپنا — گور کی فکر ہو تعمیرِ مکاں سے پہلے

خوشی جس کی تمنا تھی ملی وہ کُنجِ مرقد میں بہت ڈھونڈا تجھے بعدِ فنا اے زندگی میں نے

زندگی کی قدر اے محمود مشکل ہوگئی بار ڈہ ڈالا حوادث نے دلِ ناشاد پر

مرنے کی مانگتے ہیں دعائیں خدا سے ہم تنگ آگئی ہے ہم سے دُعا اور دُعا سے ہم

شیطان کو ہے سوجھتی ہر دم نئی نئی گو ہے سیاہ کار پر روشن دماغ ہے

بحرِ ہستی میں نہ کر ایام پیری کا ملال لوگ خوش ہوتے ہیں کشتی قربِ ساحل دیکھ کر

اس قدر اہلِ جہاں کو ہے محبت زر سے پیٹ میں مارتے ہوتا جو سونے کا خنجر

ہے قوی دشمن تو غالب ہو جیئے تدبیر سے پیلیاں میں کیسے جو پیلِ دماں میں زور ہے

تربیت کیا تیرہ باطن کے کرے دل میں صفا سُرمہ ہے بیکار چشم کورِ مادر زاد میں

نکالے عیب اتنے کر دیا بے عیب عالم میں نہ کیونکر دوست سے پیارا ہمیں اپنا عدو ہووے

بے وفائی، جیلسازی، غیبت و ناراستی جانتا ہو جو یہ گھاتیں آج وہ فرزانہ ہے

نیک چلنی، خلق خوش، ایمانداری، راستی جس کسی میں ہوں یہ باتیں آج وہ دیوانہ ہے

کچھ غم نہیں اگر میں مایوس ہوگیا ہوں اب یاس سے بہت کچھ مانوس ہوگیا ہوں

رہی نہ قلب میں قوت زمانہ سازی کی دُعا کرو نہ مری عُمر کی درازی کی

ہمیشہ پیشِ نظر ہیں وضو شکن منظر اس انجمن میں نبھے کس طرح نمازی کی

شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح وعظ عبرت یہ بھی مرے پڑے ہیں وہ بھی بجھی دھری ہے

رُکتے ہیں دستِ دعا اُٹھتے ہوئے ہے جو ہونا کیوں رہے گا بے ہوئے

ہر ارادے میں نظر آتی ہے اک صورتِ یاس شغل اب کچھ بھی نہیں فسخ عزیمت کے سوا

شورِ دنیا سے پریشاں اہلِ دل ہوتا نہیں شورِ دریا دُرِ میں سیپی کے مخل ہوتا نہیں

دیں نہ اربابِ صفا ہرگز کسی کے دل کو رنج گوشہ دامن سے اُلجھا جھاڑ کب بلّور کا

حباب آسا اُٹھایا بحرِ ہستی جو سر اپنا بنایا بس وہیں موجِ فنا نے ہم سفر اپنا

خزاں سے پھول، جہنم سے بوستاں مانگے وفا کا اہلِ جہاں سے اُمیدوار نہ ہو

باغِ عالم میں نہیں کوئی کسی کی سنتا نہ دماغ اپنا کرے مُرغِ خوش الحانی خالی

ازل سے جانتے ہیں ہم یہ نہیں مہر و وفا ہرگز جہاں میں آزمائش خلق کی تحصیل حاصل ہے

اک غم فقط نہیں ہے دلِ ناشکیب میں ایسے پڑے ہوئے ہیں بہت اپنی جیب میں

دانی کہ در نگینِ سلیمانؑ نوشتہ بود آرے نوشتہ بود کہ "این نیز بگزرد"

دیتے ہیں جنّتِ حیاتِ دہر کے بدلے نشہ باندازۂ خمار نہیں ہے

وقتِ پیری آگیا اکبر جوانی ہوچکی سانس لینا رہ گیا اب زندگانی ہوچکی

مے خانۂ عالم ہے وہ بے ربط کہ جس میں　　ہووے جو صراحی کہیں تو جام کہیں ہو
ہم گلشنِ دوراں میں اے خفتگیٔ طالع　　سرسبز تو ہیں لیکن جُوں سبزۂ خوابیدہ
دل صد چاک ہے گُلِ خنداں　　شادی و غم جہاں میں توام ہے
خیر و شر کو سمجھ کہ ہیں دو زہر　　سانپ کی زیست ہے تجھے سم ہے
خالی حرم کو شیخ ہی تنہا نہ کر گئے　　حیرت میں بُت بھی ہیں کہ برہمن کدھر گئے

درسِ اخوّت

(حضرت فیض لودیانوی)

اُٹھ از سرِ نو دہر کے حالات، بدل ڈال　　تدبیر سے تقدیر کے دن رات بدل ڈال
پھر درسِ اخوّت کی ضرورت ہے جہاں کو　　آقائی و خدمت کے خطابات بدل ڈال
کالا ہو کہ گورا ہو سبھی بندے ہیں اس کے　　قومیّت بے جا کی روایات بدل ڈال
کُل چھوٹے بڑے آدمِ خاکی کے ہیں فرزند　　ہر نسل سے بیزار ہو ہر ذات بدل ڈال
اخلاق میں طاقت ہے فزوں تیغ و سناں سے　　بیکار کے یہ آہنی آلات بدل ڈال
کیا ظُلم ہے انسان ہو انسان کا دشمن　　اربابِ ہوس کار کی عادات بدل ڈال
محنت سے بھی مزدور کو روٹی نہیں ملتی　　اس بندۂ مجبور کے اوقات بدل ڈال
حریّتِ کامل کا وہ اعجاز دکھا تُو　　دُنیا سے غلامی کے طلسمات بدل ڈال
میدان میں آ چھوڑ کے تسبیح و مصلّیٰ　　کچھ دن کے لیے طرزِ عبادات بدل ڈال
تعلیم پہ موقوف ہے رعنائیٔ افکار　　بیہودہ کتابوں کی خرافات بدل ڈال

❊

دونوں جہاں میں تجھ سا کوئی بھی بھلا نہ ہو　　تُو کام کر وہ جس میں کسی کا بُرا نہ ہو
بیکار ہے دہن جو سخن آشنا نہ ہو　　ناکام وہ زباں ہے جو معجز نما نہ ہو
پھوٹے وہ آنکھ جس سے کہ آنسو بہا نہ ہو　　صد چاک ہو وہ دِل جو درد آشنا نہ ہو
اس کے سوا ہے کون جو بر لائے التجا　　تو ملتجی کسی سے بھی غیر از خدا نہ ہو
گر تو غنی ہے دستِ کرم کو دراز کر　　ٹوٹے وہ ہاتھ، ہاتھ میں جس کے سخا نہ ہو
رُو پوش حق سے بن کے تو کرتا ہے سو گناہ　　پھر دیکھتا ہے تجھ کو کوئی دیکھتا نہ ہو
چلنا ہے اس سرائے سے عقبیٰ کی فکر کر　　یہ سوچ امر و نہی کوئی رہ گیا نہ ہو

روحِ تصوف

(ہمہ اوست یا ہمہ از وست)

بنامِ اُو کہ نامے ندارد،
بہر نامے کہ خوانی سر برآرد

مُندے گر چشمِ ظاہر دیدۂ بیدار ہو پیدا
در و دیوار سے شکلِ جمالِ یار ہو پیدا

تڑپتی کیوں ہے اے بلبل کمال اتنا تو پیدا کر
کہ تیرا اشک جس جا گر پڑے گلزار ہو پیدا

یہاں تک کفر پورا چاہیے گر خاکِ گلشن ہو
بجائے ہر رگِ گل رشتۂ زنّار ہو پیدا

قتیلِ خنجرِ مژگاں ہوں کیا یہ بھی تعجب ہے
کہ میری خاک سے سبزے کی جائے خار ہو پیدا

مسیحائی ہے تیری تیغ میں کیا سوز کو ڈر ہے
جو لاکھوں بار ہووے قتل لاکھوں بار ہو پیدا

*

زاہد حرم میں کیا ہے ذرا بُت کدے میں چل
تو جس کو ڈھونڈتا ہے وہ شاید یہیں نہ ہو

رہتا ہے وہ حرم میں صنم خانے میں نہیں
اچھا ترا خدا ہے کہیں ہو کہیں نہ ہو

جو ہر جگہ ہے اس کے لیے جستجو ہی کیا
کیا اس کو ڈھونڈتا ہے جو ملتا کہیں نہ ہو

تم دُور دُور ڈھونڈنے جاتے ہو کیوں اسے
دیکھو کہیں یہیں رگِ جاں کے قریں نہ ہو

کر ہر نفس سے زادِ رہِ آخرت کی فکر
شاید یہی نفس، نفسِ واپسیں نہ ہو

*

بنائے میکدہ ڈالی جو تُو نے پیرِ میخانہ
تو کعبہ ہی رہا کعبہ نہ پھر بُت خانہ بُت خانہ

دلِ آزاد کو وحشت نے بخشا ہے وہ کاشانہ
کہ اِک دَر جانبِ کعبہ ہے اِک دَر سُوئے بُت خانہ

نہ محرابِ حرم سمجھے نہ جانے طاقِ بُت خانہ
جہاں دیکھی تجلّی ہو گیا قربان پروانہ

ہماری زندگی تو مختصر سی اک کہانی تھی
بھلا ہو موت کا جس نے بنا رکھا ہے افسانہ

جلا کر شمع پروانے کو ساری عمر روتی ہے
اور اپنی جان دے کر چین سے سوتا ہے پروانہ

*

نیستی ہستی ہے یارو، اور ہستی کچھ نہیں
بے خودی مستی ہے یارو اور مستی کچھ نہیں

لامکاں کی منزلت پاتا ہے کب کون و مکاں
"ہُو" کے ویرانے کے آگے "ہے" کی بستی کچھ نہیں

"کچھ نہیں" "سب کچھ ہے یارو" اور "سب کچھ" کچھ نہیں
غیر اس کے معنیٔ رمزِ "الستی" کچھ نہیں

بندگی و حق پرستی "کچھ نہ ہونا" ہے یہاں
"کچھ نہ ہونے" کے سوا اور حق پرستی کچھ نہیں

*

ساری دُنیا ہے اِک پردۂ راز — اُف رے حجاب کے انداز
موت کو اہلِ دل سمجھتے ہیں — زندگانی عشق کا آغاز
مر کے پایا شہید کا رتبہ — میری اس زندگی کی عُمر دراز
کوئی آیا تری جھلک دیکھی — کوئی بولا سنی تری آواز
ہم سے پوچھتے ہو ہم کیا ہیں — اِک بیاباں میں گم شدہ آواز
تیرے انوار سے لبالب ہے — دل کا سب سے عمیق گوشۂ راز
آ رہی ہے صدائے ہاتفِ غیب — جوشس ہمنائے حافظِ شیراز

٭

دلِ پُر داغ میرا بے نیازِ مے پرستی ہے — کہ اس گلزار کا جو پھول ہے بسرِ یہ مستی ہے
کشادِ کار کا غم ہے نہ فکر تنگدستی ہے — پرستارِ محبت تیری کیا آزاد ہستی ہے
تمہارا مرتبہ ارفع سہی لیکن مجھے مطلب — کہ دنیائے محبت میں بلندی ہے نہ پستی ہے
دلِ ناشاد کو تم اک لہو کی بُوند سمجھے ہو — دو عالم تنگ ہیں جس کے مقابل یہ وہ بستی ہے

٭

کہیں لیلیٰ کی صورت جلوہ آرا ہے نہاں ہوکر — کہیں رسوائے عالم صورتِ مجنوں عیاں ہوکر
کہیں تو قاتلِ عالم نظر آتا ہے عالم میں — پھڑکتا ہے کہیں بسمل کی صورت نیم جاں ہوکر
کبھی تو بتکدے میں صورتِ ناقوس ہے نالاں — کبھی مسجد میں بول اُٹھا مؤذّن کی اذاں ہوکر

٭

شمعِ حرمِ جاں ہے یا مشعلِ بُت خانہ — کیا کیا میں کہوں تجھ کو اے جلوۂ جانانہ
منزل مرے مقصد کی کعبہ ہے نہ بُت خانہ — اِن دونوں سے آگے چل اے ہمّتِ مردانہ
میرا دلِ ویراں بھی آباد کیے جانا — اے زینتِ ہر محفل اے رونقِ ہر خانہ
زاہد مری قسمت میں سجدے ہیں اسی دَر کے — چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا سنگِ درِ جانانہ
تو شمع صفت اے گُل آئے جو سرِ محفل — پروانہ بنے بلبل، بلبل بنے پروانہ
یاں کافر و مومن کی تفریق ہے لاحاصل — سب یار کے جلوے ہیں اپنا ہے نہ بیگانہ

٭

چراغِ دَیر بھی دلکش حرم کی شمع بھی دوست — اسی سے چشمِ بصیرت نے کہہ دیا "ہمہ اوست"

٭

جو ہیں خاصانِ حق وہ اپنے دل کو شاد رکھتے ہیں — غم و اندوہ میں رنج و الم میں یاس و حرماں میں

اسی کی جلوہ پیرائی اسی کی کارفرمائی
یہ ہے نورِ ازل جو مختلف رنگوں میں ظاہر ہے
ترے رخ کا جبیں کا زلف کا ہونٹوں کا شہرہ ہے
یہ تابانی یہ رنگینی ہے آخر کس کے جلوے کی
ظہورِ نخل بند باغِ عالم کارفرما ہے
وہی حاضر وہی ناظر وہی حامی وہی حافظ
کسی میں تیری نگہت ہے کسی میں تیری رنگت ہے
تخیل اُس کے مظاہر لاتعد، سب میں وہی وہ ہے

نظر میں آنکھ میں سینے میں دل میں جسم میں جاں میں
کواکب میں قمر میں کہکشاں میں مہرِ تاباں میں
حلب میں چین میں تاتار میں ملکِ بدخشاں میں
گہر میں لعل میں یاقوت میں موتی میں مرجاں میں
شجر میں برگ میں اثمار میں گلہائے خنداں میں
جبل میں بحر میں بر میں گلستاں میں بیاباں میں
سمن میں ارغواں میں درد میں لالے میں ریحاں میں
پری میں جن و انساں میں ملک میں حور و غلماں میں

تعین گر مٹے دل سے تو کفر آثار ہو جائے — اگر عُقدے کھلیں تسبیح کے زُنّار ہو جائے
خدا یاد آ گیا مجھ کو بتوں کی بے نیازی سے — ملا بامِ حقیقت زینۂ عشقِ مجازی سے
آئے تھے یاں کدھر سے کہاں یاں سے جائیں گے — اوّل کی کچھ خبر ہے نہ ہم کو اخیر کی
اُس گوش و چشم سانہ تو دیکھا ہے نے سُنا — ہم کو قسم ہے ذاتِ سمیع و بصیر کی
عاشقِ روئے کتابی اگر انساں ہووے — اس سے بہتر ہے جو یہ حافظِ قرآں ہووے
کفر و اسلام کی کچھ قید نہیں اے آتش — شیخ ہو یا کہ برہمن ہو پر انساں ہووے
دیر و حرم میں شیخ و برہمن رہیں خراب — ملتا ہے وہ کہاں کہیں جس کا مکاں نہ ہو
چشمِ ظاہر جسے نہ دیکھ سکے — اُس طرف التفات مشکل ہے
حق جمیل اور دوست رکھتا ہے جمال — خوب رویوں سے محبت خوب ہے
اگر وہ بُت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے — تو پُوجوں اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہو جائے
کھنچے جو دار پہ منصور راہ ہی تھی غلط — خدا بنے تھے تو چھپنا بھی اُن کو لازم تھا
اسلام چھوڑ کر کفر کیا ہم نے اختیار — تو بھی وہ بُت نہ رام ہُوا اے خدا عجب
نیار تھے نماز کو ہم سن کے ذکر حور — جلوہ بتوں کا دیکھ کر نیت بدل گئی
پُوجوں ہوں جس بُت کو خدا کا ہے تراشا — آذر نہیں لایا وہ میرے واسطے گھڑ کے
رات دن ناقوس کہتی ہے بآوازِ بلند — دیر سے بہتر ہے کعبہ گر بتوں میں تو نہیں
اُس مرے بت نے سبھوں کو حق سے توڑا اپنا کیا — کام میں اپنے بھی وہ معبود باطل ایک ہے
گر ڈھونڈتے ہو آپ میں تم شانِ الٰہی — تو بندہ نوازی بھی بُتو سیکھو خدا سے
اے بُت خدا کے واسطے دل نہ سخت کر — اس کعبہ میں ضرور نہیں فرش سنگ کا

آتا ہے رحم کافر و مومن کے حال پر — بُت محوِ ناز ہے تو خدا بے نیاز ہے

بُتے می گفت روزے با برہمن — خدائے من توئی اے بندۂ من
مرا بر صورتِ خود آفریدی — چرا خود صورتِ خود را نہ دیدی

ان کے دَر پر مروں میں سجدے میں — عمر بھر کی قضا ادا ہو جائے

پہلو میں دل ہے دل میں تمنّائے یار ہے — آئینہ ہے جہاں وہیں آئینہ دار ہے

اگر نہ عکسِ تو بر بُت فتادے — نہ پیشِ بُت کسے گردن نہادے

ڈھونڈا بتوں میں ذاتِ خدا کو تمام عمر — اے شیخ مرتکب ہوئے ہم کس گناہ کے

عدم کی سیر کی دُنیا میں آ کر اک جہاں دیکھا — خدا شاہد ہے او بُت تجھ سا یاں دیکھا نہ واں دیکھا

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں — کعبہ سے اِن بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی

ذاتِ باری کو کیا ظلمِ بُتاں نے ثابت — عدل کرتے یہ اگر ان کی خدائی ہوتی

عمر گزری اِک بُت کافر نظر آتا نہیں — حشر میں کیوں کر خدا کا پائیں گے دیدار ہم

بُتوں کو دیکھ کر ہم کلمۂ توحید پڑھتے ہیں — خدا راضی ہے جس میں وہ ہماری بُت پرستی ہے

سب دوئی کا ہی یہ پردہ ہے جو وحدت ہو جائے — گردن شیخ میں زنّار برہمن ڈالے

خدا کو میں نے پہچانا ہے شیدائے بتاں ہو کر — دکھائی راہِ حق اصنام نے سنگِ نشاں ہو کر

بُت میں بھی دیکھتے ہیں نورِ خدا کا جلوہ — واعظو! حق کسے جانیں کسے باطل سمجھیں

صلحِ کل میں ہے ابھی شرکتِ کیں تھوڑی سی — اور اے پیرِ خرابات تشیں تھوڑی سی

ہر جا ترا ظہور ہے یاں قابلِ سجدہ — جائز نماز کعبے میں ہر اک سمت سے ہے

ساقی آنکھوں میں تری وہ بادۂ سرجوش ہے — اک نظر میں میکدے کا میکدہ بے ہوش ہے

کسی سے پوچھتا میں کیوں تصوّف کس کو کہتے ہیں — خود اپنے دل کو دیکھا اور سمجھا اس کو کہتے ہیں

ساقی سے بے خبر ہیں مستانِ بزمِ ہستی — یا بے ہوشی ہے طاری یا خود پرستیاں ہیں

صوفی کا مذہب مختصر سب سے کھرا سب سے جُدا — ہم تم کے جھگڑے لغو ہیں یا کچھ نہیں یا سب خدا

کسی کو گل پسند آیا کسی کو شمع خوش آئی — محبت "ہر" کی ہر سُو ہے کہ جس کی جس کے من بھائی

جلوہ گاہِ ناز کے پردوں کا اُٹھنا یاد ہے — پھر ہُوا کیا اور کیا دیکھا یہ کس کو ہوش ہے

کفر سے ایماں ملا اس ملکِ ہستی میں ہمیں — حق پرستی ہاتھ آئی بُت پرستی میں ہمیں

دل میں آتا ہے پر آنکھوں سے نظر آتا نہیں — کیا تفاوت اب رہا اس بت میں اور اللہ میں

ہیں اور حُسنِ یار کا جلوہ لیے ہوئے — ذرّہ ہے دلفریبیِ دُنیا لیے ہوئے

ویران دل کا آنکھوں میں نقشہ لیے ہوئے — صحرا میں پھر رہا ہوں میں صحرا لیے ہوئے

بتوں کے پردے میں ہم دیکھتے ہیں نورِ خدا ۔۔۔ خدا کے دیکھنے کی اسے کلیم تاب نہیں

ذرّوں کو میں نے مہرِ بداماں سمجھ لیا ۔۔۔ یعنی کسی کو تا حدِ امکاں سمجھ لیا

جب طے نہ راہِ محبت کے مرحلے ۔۔۔ دل ہی کو ہم نے منزلِ جاناں سمجھ لیا

اک جانِ تازہ آگئی احساس عشق میں ۔۔۔ جب زندگی نے درد کو درماں سمجھ لیا

منزل پہ جب نہ ہو سکی تکمیلِ جستجو ۔۔۔ گمراہیوں کو حاصلِ ایماں سمجھ لیا

حافظ سے بادہ کش کی طرب سازیاں نہ پوچھ ۔۔۔ ہر ذرّہ چمن کو غزل خواں سمجھ لیا

سب سے قطع نظر بہر خیالِ روئے دوست ۔۔۔ یا ہر اک شے کو سمجھ عکسِ جمالِ روئے دوست

مستی میں چھوڑ دَیر کو کعبے چلا تھا میں ۔۔۔ لغزش بڑھی ہوئی تھی ولیکن سنبھل گیا

ہر قدم پر تھی اس کی منزل ایک ۔۔۔ سر سے سودائے جستجو نہ گیا

کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے ۔۔۔ جس طرف دیکھا مقامِ ہُو نظر آیا مجھے

ہے سجدہ ادھر فرض جدھر رُخ ہے ہمارا ۔۔۔ کاشانہ ترا قبلہ ہے اور قبلہ نما ہم

کعبہ ہے ایک بت کدہ زاہد گلی گلی ۔۔۔ بُت لاکھ رنگ میں ہیں خدا ایک رنگ میں

زاہد ہمیشہ قبلے کا رُخ پوچھتا پھرا ۔۔۔ ہم بتکدے میں جب گئے بے پیش و پس گئے

پی کے ہم بادۂ عرفاں کو اگر دیکھتے ہیں ۔۔۔ جلوہ اپنا نظر آتا ہے جدھر دیکھتے ہیں

مت رنج کر کسی کو اپنا ہے اعتقاد ۔۔۔ دل ڈھائے کر کعبہ جو بنایا تو کیا ہوا

جس کا سر ہے دار پر سردار ہے ۔۔۔ عشق کی سرکار کیا سرکار ہے

بن تیرے مرا لب کبھی گویا نہیں ہوتا ۔۔۔ بے موسمِ گل غنچہ کبھی وا نہیں ہوتا

ہو محویت یہ عشقِ بُتِ خوش جمال میں ۔۔۔ باقی نہ امتیاز ہو ہجر و وصال میں

خوشی ہو یا غم دُنیا میں کلفت ہو یا راحت ہو ۔۔۔ بدل راضی ہو بسم اللہ جو تیری مشیت ہو

زاہد کھلا یہ ہم کو ترے اجتناب سے ۔۔۔ بے شک تو نا اُمید ہے اس کی جناب سے

وجود اس کا ثابت ہُوا چاہتا ہے ۔۔۔ مرا نقشِ ہستی مٹا چاہتا ہے

کرتے ہیں سجدے اس لیے دیر و حرم میں ہم ۔۔۔ کیا جانیے وہ شوخ کہاں ہو کہاں نہ ہو

جو کچھ کہ تھا وظائف و اوراد رہ گیا ۔۔۔ تیرا ہی ایک نام ہمیں یاد رہ گیا

دیر و حرم کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے ۔۔۔ ورنہ تو پردہ اُٹھا دے تو تُو ہی تو ہو جاتے

دلِ شکستہ میں ایماں رہ سکے تو رہے ۔۔۔ اُجاڑ گھر میں یہ مہماں رہ سکے تو رہے

دلِ ضعیف کو چارہ نہیں ہے کفر سے اب ۔۔۔ زبان اگر مسلماں رہ سکے تو رہے

شب کو رندوں میں عجب لطفِ مساوات رہا ۔۔۔ مختلف شکل میں سب تھے مگر اک ذات رہے

لازم ہے ہر صنم کے لیے کبر اور غرور
پتھر ہے بُت نہیں جو نہ شانِ خدا ہے

بھلا ہم رند، زاہد تجھ سے نیکوکار کیوں کر ہوں
ظہورِ مختلف کو چاہتی ہے شانِ خلاقی

الٹی ہی چال چلتے ہیں دل دادگانِ عشق
آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لیے

تیرے انعام کی نہیں خواہش،
بلکہ مجھ کو تری ضرورت ہے

دل ہل رہا ہے حسنِ فسوں گر کے سامنے
قطرے میں جذر و مد ہے سمندر کے سامنے

اے آنکھ ہجرِ دوست میں آنسو بہا شتاب
اشکوں کی روشنی میں اُلٹتا ہے وہ نقاب

کیا تُو نے یہ معاملہ دیکھا نہیں کبھی
شبنم کے آنسوؤں پہ چمکتا ہے آفتاب

کبر بھی شرک ہی کی مستی ہے
خود پرستی بھی بُت پرستی ہے

زاہد کے قصرِ زہد کی بنیاد ہے یہی
مسجد بہت قریب بھی مے خانہ دُور تھا

ایک عالم تو عطا کر اے کریم
یہ بھی کیا، کچھ قید کچھ آزاد ہوں

جس وقت تک اس آنکھ میں آنسو نہیں آتا
میں دیکھ چکا ہوں کہ نظر تو نہیں آتا

حجِ اکبر زیارتِ دل ہے
طوافِ کعبہ کیا کرے کوئی

گر کعبہ گاہ دَیر ہے پتھر سے ہے غرض
اِک بُت کے واسطے مجھے ہر ہر سے ہے غرض

ہر اک جانب ظہورِ نُورِ روئے یار جانی ہے
کہاں ادنیٰ کہاں موسیٰؑ کہاں کی لن ترانی ہے

زاہدِ گمراہ سے میں کس طرح ہمراہ ہوں
وہ کہے اللہ ہُو اور میں کہوں اللہ ہُوں

آہ گر پردہ نشیں وہ بُتِ گل فام نہ ہو
دَیر میں کفر نہ ہو کعبے میں اسلام نہ ہو

چشمِ حق بیں کو جہاں میں کفر سے کیا کام ہے
ہر صنم خانہ نظر میں کعبۂ اسلام ہے

آنکھ جب بند ہوئی کھل گیا رازِ قدرت
شانِ معبود اندھیرے میں اُجالا دیکھا

رُوئے گل رنگِ خزاں جوشِ جنوں فصلِ بہار
چار دن کے لیے اس باغ میں کیا کیا دیکھا

ملیں گے زاہدانِ خشک کیوں کر بادہ خواروں میں
کبھی گنتی نہ ہوگی ان پیادوں کی سواروں میں

اُس دَر کا رہنما دلِ بے کینہ ہو گیا
قبلہ نما مرے لیے آئینہ ہو گیا

مُول جنت کا ہُوا نقدِ عبادت زاہد
ہے کہیں مال کہیں دام دیے جاتے ہیں

نمرود کو خدائی کے دعوے سے کیا ملا
بندہ جُدا ہُوا جو خودی سے خدا ملا

سُن کے بُت خانے کو ہم شہرتِ اصنام چلے
کتنے دن دیکھیے اب مذہبِ اسلام چلے

مل جائے کوئی بُت تو اسے دل میں جگہ دیں
کعبہ کے لیے ڈھونڈتے پھرتے ہیں صنم ہم

زاہد ثواب ڈھونڈیں قیامت کے واسطے
ہم تو گناہ کرتے ہیں رحمت کے واسطے

گرم رکھتے ہیں ملاقات بد و نیک سے ہم
تیرے ملنے کے لیے ملتے ہیں ہر ایک سے ہم

بشر ہیں عکسِ موجوداتِ عالم ہم نے دیکھا ہے — وہ دریا ہے یہ قطرہ ہے لیکن اس قطرہ میں دریا ہے

خدا علیم ہے ہر شخص کی بناوٹ کا — کبھو نماز یو سجدے کیے کہ سر پٹکا

فاصلہ کوچۂ محبوب کا کیا پوچھتے ہو — جیسا مشتاق ہو نزدیک بھی ہے دُور بھی ہے

بحرِ عرفاں کے لیے کشتیِ دل لازمی — شُوومند اس راہ میں الفاظ کا پل ہو چکا

دَیر کعبہ دل ہی میں کر لیتے ہیں یہ بُت، گزر — جلوہ اُن کا خدا ہی کا ہو گھر تو کیا کروں

نوائے سازِ وحدت ہی ترے مشتاق سنتے ہیں — مسلماں کی اذاں سے ہو کہ ناقوسِ برہمن سے

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ — بندہ گر آئے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

سچ پوچھیے تو نیستی ہستی کا راز ہے — جو سر چڑھا ہے دار پر وہ سرفراز ہے

جب تلک ہست تھی دشوار تھا پانا تیرا — مٹ گئے ہم تو ملا ہم کو ٹھکانا تیرا

ممکن نہیں کہ شوق ہو جس دل میں تو نہ ہو — ہاں شرط یہ ہے تیرے سوا آرزو نہ ہو

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو — وگرنہ ہم خدا تھے گر دلِ بے مدّعا پایا

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے — آئینہ کیا تجھے مُنہ دکھا سکے

کچھ شانِ کریمی نے اس انداز سے تولا — بھاری ہی رہا دیدۂ تر دامنِ تر سے

بنایا خاک سے سب کو جدا پر سب کی صورت ہے — سوا تیرے یہ اے صنّاعِ عالم کس میں قدرت ہے

دونوں کا سر جھکا ہے تری بارگاہ میں — یاں فرق کچھ نہیں ہے گدا اور شاہ میں

ہر چند تیری سمت سوا راہ ہی نہیں — قس پر بھی آہ یاں کوئی آگاہ ہی نہیں

کوئی بانی ہے بے شک محفلِ زیبائے عالم کا — نہ ہو یوں منتظم مجلس نہ جب تک مجلس آرا ہو

صانع کو دیکھنا ہے، تو عالم پہ کر نظر — آئینہ آئنہ ہے خود آئینہ ساز کا

بہت خوش ہوں خدا یاد آ رہا ہے اس مصیبت میں — مری کشتی کو اے طوفاں یونہی زیر و زبر رکھنا

غل ہو گیا کہ ایسا گنہگار بچ گیا — رحمت کی دھوم ہو گئی میرے گناہ سے

آرزو مرگ کی اکبر نہ کر اللہ سے ڈر — تجھ سے عاصی کے لیے قبر میں کیا رکھا ہے

تو اگر دیکھے تو ہر ذرہ کتاب پند ہے — کیا مگر دیکھے گا تو، تیرا تو دیدہ بند ہے

جن کی آنکھیں ہیں نہیں وہ دیکھنے حیران ہوں — وہ صنم پنہاں نہیں ہے کورِ مادرزاد سے

اپنی خودی ہی پردہ ہے دیدار کے لیے — ورنہ کوئی نقاب نہیں یار کے لیے

آنکھیں تو بے شمار دیکھیں لیکن — کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

بے خودی دکھلاتی ہے جلوے مجھے ہر دم نئے — ہے عجب عالم کہ ہر عالم میں ہیں عالم نئے

حباب آسا محیطِ عشق سے جو پار اُترتے ہیں — گزر جاتے ہیں پہلے سر سے پیچھے پاؤں دھرتے ہیں

بُتِ ہستی کو جو توڑیں تو خدا آئے نظر
آتشِ سنگ کی صورت ہے وہ پنہاں ہم سے

قدرت خدا کی ہے کہ ہلا دیں دعا سے ہم
کتنا بڑا عرش اور اتنے ذرا سے ہم

کامل کی جو پوچھو تو خضر بھی نہیں کامل
جینا اُسے آتا ہے تو مرنا نہیں آتا

زاہد کو بڑا ناز ہے مَے کش کو بڑا عجز
اللہ کو مقبول مگر دیکھیے کیا ہو

بُلبل یہ زمانہ ایک گُل کا نہ ہُوا
محکوم آئمہ و رُسل کا نہ ہُوا

بندوں کو عبث خیالِ یکتائی ہے
اللہ پر اتفاق کُل کا نہ ہُوا

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

اہلِ مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع
ایک ہی مالک جہاں کا ہے تو پھر کیسی نزاع

ایک مقصود ہے ہر غافل و آگاہ کا
فرق ظاہر میں جو ہو کچھ، پھیر سمجھو راہ کا

دیر و مسجد پر نہیں موقوف کچھ اے غافلو
یار کو سجدے سے مطلب ہے کہیں سجدہ کیا

طُور کیا منصور کیا واقف ہوں میں اس راز سے
ہر جگہ گویا ہے تو بدلی ہوئی آواز سے

مکانِ دل میں ہے جلوہ ترے رخسار و گیسو کا
یہ کعبہ ہے مسلماں کا یہ بُت خانہ ہے ہندو کا

نہ ہوگا مزرعۂ اعمالِ زاہد بارور ہرگز
کہ سرسبزی سے ہے محروم سبحہ کا جو دانہ ہے

تو نے اے منصور بے سمجھے انا الحق کیوں کہا
جان بھی تیری گئی دعویٰ بھی باطل ہو گیا

تری مسجد میں واعظ خاص ہیں اوقات رحمت کے
ہمارے میکدے میں رات دن رحمت برستی ہے

خضر پیتا بھی نہ آبِ بقا
ہوتی گر لذتِ فنا معلوم

طوفان آئیں یا کہ مخالف ہوا چلے
کشتی اگر تو چاہے تو بے ناخدا چلے

گر معرفت کا چشمِ بصیرت میں نور ہے
تو جس طرف کو دیکھیے اس کا ظہور ہے

جامۂ احرام زاہد پہ نہ جا
تھا حرم میں لیک نا محرم رہا

حوصلہ عالی اگر ہو ہر جگہ معراج ہے
دار بھی ہے شاخِ سدرہ دیدۂ منصور میں

ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

حق بات پر بھی دار پہ منصور کھچ گیا
مقدور کیا کہ عشق میں لب وا کرے کوئی

جو ہے کلامِ شیخ وہی قول برہمن
مطلب ہے ایک فرق فقط ہے لغات کا

بہ سیرِ کعبہ و دیرم گاہ ایں جا و گاہ آں جا
کہ مطلب جستجوئے اوست خواہ ایں جا و خواہ آنجا

حُرمت سے ملائک نے اُسے سجدہ کیا ہے
جس وقت کہ وہ صورتِ انسان میں آیا

نفسِ ما کم تر از فرعون نیست
لیک آں را عون مارا عون نیست

بُتوں کے حُسن سے ہے نورِ حق عیاں ہوتا
مجاز پر بھی حقیقت کا ہے گماں ہوتا

جلوہ ہر رنگ میں ہے اس بُتِ ہرجائی کا — یہ پریشاں نظری جرم ہے بینائی کا

حشر کا اے حضرتِ زاہد یہی مفہوم ہے — زندگی کے بعد دیکھیں گے تماشا ایک اور

چشمِ وحدت بیں سے لازم ہے تماشائے چمن — خار و گل دونوں بغل پروردہ ہیں گلزار کے

حجابِ قالبِ خاکی ہے جب تک دید مشکل ہے — مکانِ عاشق و معشوق میں دیوار حائل ہے

دستِ دُعا کو ملتی ہے تاثیر عرش سے — جو ہاتھ سے ہو، پاؤں سے وہ جستجو نہ ہو

مت دَیر و حرم کے سمجھ سجدے میں کچھ فرق — پتھر کا ہی جب پُوجنا آیا تو کہیں ہو

ہر طرف سے راستہ ہے خانۂ اللہ کا — دَیر، کعبہ یا کلیسا پھیر ہے اک راہ کا

ہوس میں کعبہ کے کیوں شیخ بُت خانے سے گمراہ ہے — یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں اللہ ہی اللہ ہے

کس ملت میں گِنوں آپ کو بتلا اے شیخ — تو مجھے گبر کہے گبر مسلماں مجھ کو

کب روح کو فنا ہے بدن کی فنا کے ساتھ — پیسا کہاں ہے رنگِ حنا کا حنا کے ساتھ

مرنا جینا نیک و بد کا جب تمہیں ہو اختیار — کیوں گناہوں کی ہو پُرسش بندۂ مجبور سے

کعبے کو دیر سے چلے شکرِ شراب میں — مستوں کو کیا تمیز عذاب و ثواب کی

نکتہ گیری کے سبب نکتہ نوازی کے طفیل — خُلد سے شیخ ہے دوزخ سے ہے کافر باہر

پردہ جو رُخ سے دُور مِرا دلربا کرے — ہر ذرّہ مہر بن کے قیامت بپا کرے

عاشق کو تیرے لاکھ کوئی رہنما ملے — تیرا پتہ ملا ہے نہ تیرا پتا ملے

جب دَیر میں یہ دیکھا کہ اپنا گزر نہیں — کعبے کے جانے والوں میں مجبور جا ملے

رہ کے ہر شے میں نہاں ہو نہیں سکتے ظاہر — جتنے مختار ہو تم اُتنے ہی مجبور بھی ہو

کیف ہو نشۂ عرفاں کا وہ چنداں واعظ — تیری تسبیح میں گر دانۂ انگور بھی ہو

ہم مٹ گئے تو صورتِ ہستی نظر پڑی — ویراں جب آپ ہو گئے بستی نظر پڑی

دیکھا تو خاکسار ہی عالی مقام ہیں — جوں جوں بلند ہم ہوئے پستی نظر پڑی

ترے محفوظ کو کوئی ضرر پہنچا نہیں سکتا — عناصر چھو نہیں سکتے فلک دھمکا نہیں سکتا

کفر ہی کا اگر انساں کو عرفاں ہو جائے — جس جگہ ٹیک دے سر کعبہ ایماں ہو جائے

عرش تک ہو سکتی جو رسائی نہ سہی — یہی انساں کی ہے معراج کہ انساں ہو جائے

دَیر کی تحقیر کر اتنی نہ اے شیخ حرم — آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بت خانہ تھا

لوگ کہتے ہیں مر گیا مظہر — فی الحقیقت میں گھر گیا مظہر

بُت پرستی پہ جو اپنا دلِ ناشاد آیا — سنگریزوں میں نظر حُسنِ خداداد آیا

جدا ہے فہم سے اور وہم سے وہ — سمجھ لے جس کو بندہ وہ خُدا کیا

پہنچا کوئی کعبے سے کوئی دیر سے پہنچا
تھی جس پہ تری مہر وہی خیر سے پہنچا

جاتے تھے جستجوئے بُت خانہ و صنم ہیں
پہلے تو جا کے نکلے ہم بھی کہ اس حرم میں

ہم بڑی چیز سمجھتے تھے پرئے خانہ ہیں
نکلا اک جام کی قیمت بھی نہ ایماں اپنا

صاحبِ الفاظ کو دفتر سے سیری نہیں
صاحبِ معنی کو حرف اک نقطہ کافی ہو گیا

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے

اور پیرایہ میں ممکن نہیں قدرت کا ظہور
ہے یقین مجھ کو خدا صورتِ انسان ہوگا

ہوئے ہم بُت کے بندے برہمن سے راہ کرتے ہیں
حرم کے رہنے والو تم سے عشق اللہ کرتے ہیں

دُنیا طلب کا شیوہ، ہاتھوں کا ہے اُٹھانا
دل میں خدا کو رکھ کر کیا ہو دُعا کی خواہش

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

ہر صنم کا کسی کو مکاں نہیں معلوم
خدا کا نام سُنا ہے نشاں نہیں معلوم

آزاد ہے دل وسوسۂ ہر دو جہاں سے
ہے ہم کو تعلق نہ مکیں سے نہ مکاں سے

وحشت سے پھر رہا ہوں تری جستجو نہیں
ہے کون سا مقام کہ اے جاں تو نہیں

طوفِ درِ تیرا جو ہو گبر و مسلماں کو نصیب
بُت پرستی چھوڑ دیں تربت پرستی چھوڑ دیں

پُوجوں اگر بتوں کو تو کافر نہیں ہوں میں
واں بھی ترے شرار سے منکر نہیں ہوں میں

ہر شیخ و شاب شکل کا دیوانہ ہو گیا
کعبہ تمہارے آنے سے بُت خانہ ہو گیا

اے خضر میری راہ تو بس راہِ جنوں ہے
منزل کو غرض ہے تو خود اس راہ پر آئے

پردہ نشیں سمائے دلِ ناشناس میں
آتی نہیں یہ بات ہمارے قیاس میں

مکّے گیا، مدینے گیا، کربلا گیا
جیسا گیا تھا ویسا ہی چل پھر کے آ گیا

ہر جا ہے اس کا جلوۂ رُخ وہ کدھر نہیں
پر جس سے دیکھیں وہ ہماری نظر نہیں

عبادت اسی کی ہے رب کو پسند
کہ جس سے نہ پہنچے کسی کو گزند

ہے عیاں جلوہ ترا انسان کی تصویر میں
صورتِ معنی ہے ظاہر لفظ کی تحریر میں

عرش کی سیر ریاضت نے مجھے دکھلائی
دخلِ مزدور ہے سلطاں کے محل میں ہوتا

باغوں میں تیرے عارض و خط کی بہار ہے
سُرخی جو پھول میں ہے تو سبزی گیاہ میں

میرا مسلک کچھ جدا ہے شیخ کے اسلام سے
یاں خدا سے کام ہے اس کو خدا کے نام سے

تجلّی جلوہ چاہے تو صفائے سینہ پیدا کر
اگر دیدار کا طالب ہے تو آئینہ پیدا کر

سَو رنگ کے ہیں پھول چمن ایک ہی ہے
سَو طرح کے اشجار ہیں بن ایک ہی ہے

کثرت میں چھپی رہتی ہے وحدت اخگر
اعضا تو بہت ہیں بدن ایک ہی ہے

عبث جاتا ہے کعبے کو خدا نزدیک ہے دل سے | تو کیا ناداں ہے زاہد فائدہ تحصیل حاصل سے

بے دل ہزار دانۂ سبحہ سے سُود کیا | سب صفر ہیں تو کچھ نہیں حاصل شمار کا

ظرف ناپاک ہے تو اس میں ہے ہر شے ناپاک | دل نہیں صاف تو کیا خاک عبادت ہوگی

ہم نے مخلوق میں خالق کی تجلّی پائی | دیکھ لی آئنہ میں آئنہ گر کی صورت

کِس کے دلِ شکستہ کے ماتم میں اے کریم | اب تک سیاہ پوش ہے کعبہ خلیلؑ کا

میں نہ فریادی بتوں کا ہوں خدا کے سامنے | آشنا کا کیا گلہ نا آشنا کے سامنے

پڑھیں درُود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو | خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

صفحۂ ہستی میں صورت ہے نہیں اغیار کی | ہر مرقع میں ہیں تصویریں بس اپنے یار کی

موقوف ضِد ہی پر تو ہے ہر شے کی معرفت | کچھ کفر بھی ضرور ہے اسلام کے لیے

مَے پرستی ہے مری باعثِ آمرزشِ خلق | توبہ صد قوم نے کی ہے مری مے خواری سے

سیہ کاروں ہی کی خاطر ہے رحمتِ خاص اے زاہد | یہ ظلمات کی قسمت میں چشمہ آبِ حیواں کا

برائے دیدنِ روئے تو چشمے دیگرے باید | ہر آں چشمے کہ من دارم جمالت را نمے شاید

بنایا چاہتے ہیں دَیر میرے خانۂ دل کو | یہ بُت اللہ اکبر گھر خدا کے گھر میں کرتے ہیں

جنوں میں اس قدر قائل ہُوں میں توحیدِ یزداں کا | کہ نقطہ "لا" کی صورت چاک ہے میرے گریباں کا

کیا حقیقت دو جہاں کی وسعتِ دل کے حضور | لامکاں اک مختصر گوشہ ہے اس تعمیر کا

حرمتِ کعبہ طریقِ صاحب اسلام ہے | چاہیے رنجیدہ کافر کا بھی تجھ سے دل نہ ہو

دونوں راہیں چھوڑ دی ہیں ہم نے مشکل دیکھ کر | دَیر و کعبہ کون جائے وسعتِ دل دیکھ کر

خدا کو دل ہی میں ڈھونڈو اِدھر اُدھر نہ پھرو | نہیں کتاب کا مطلب کتاب سے باہر

صفائے قلب رکھتا ہوں کلیسا ہو کہ بُت خانہ | کہ ہو رُخ جس طرف زاہد اسی جانب حرم

دُور کر دل کی کدورت محو ہو دیدار کا | آئنہ کو بس صفائی نے دکھایا روئے دوست

واعظا اتنا بتا بہرِ خدا مجھ کو صاف صاف | مرتبہ دل کا زیادہ ہے کہ بیت اللہ کا

خدا کا گھر بنانا ہے تو لے نقشہ کسی دل کا | یہ دیواروں کی کیا تجویز ہے زاہد یہ چھت کیسی

بے ہوشیوں نے اور خبردار کر دیا | سوئی جو عقل روح کو بیدار کر دیا

چشم سے عار تھا حُسنِ جنوں پسند کو | عقل نے آنکھ بند کی اس نے حجاب اُٹھا دیا

تھا فضائے قدس میں لیکن اب قالبِ آدم ہُوں میں | چھُٹ گیا مجھ سے وہ عالم اور ہی عالم میں ہوں

چلا عدم سے میں جبراً تو بول اُٹھی تقدیر | بنا ہے پڑنے کو کچھ اختیار لینا جا

ہم نیستی میں آپ کو سمجھے ہوئے ہیں ہست | یہ وہ فریب ہے کہ جو اب تک کھلا نہیں

برہمن برہمن سمجھے، مسلماں اہل الیماں ہیں   بسر کر اس طرح سے زندگی گبر و مسلماں ہیں
تمہیں سجدہ کریں گے سامنے ہم دو گواہوں کے   بلا لو دَیر سے ہندو کو۔ کعبے سے مسلماں کو
ہزار ڈھونڈیے اس کا نشاں نہیں ملتا   جبیں ملے تو ملے آستاں نہیں ملتا
تری تلاش کا فی الجملہ ماحصل یہ ہے   کہ تو یہاں نہیں ملتا وہاں نہیں ملتا
بُوئے خزاں سے مست ہیں یاد ہمیں بہار کیا   ہم تو چمن پرست ہیں پھول کہاں کے خار کیا
کیا حرم کا نہ خاطر میں بھی کبھی احترام   خدا کا شکر بتوں سے مَیں شرمسار نہیں
اصل میں سب متحد ہیں، فرع کا کیا اعتبار   خار و گل نکلے ہیں دونوں ایک مُشتِ خاک سے
بلا ناغہ ترے گھر دوست اور دشمن کی دعوت ہے   کشادہ کس قدر اللہ تیرا خوانِ نعمت ہے
ہُوئے کونین اِک کن سے تماشا ہے یہ قدرت کا   جو خود مصنوع ہو وہ کہہ سکے کیا رازِ صنعت کا
مدرسہ یا دَیر تھا کعبہ تھا یا بُت خانہ تھا   ہم بھی مہماں تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا
بیاں مخلوق سے کب ہو سکے خالق کی قدرت کا   جو خود مصنوع ہو وہ کہہ سکے کیا رازِ صنعت کا
کل تلک تھا کثرتِ عصیاں سے نادم اے کریم   آج شرمندہ ہوں اپنی قلتِ تقصیر سے
جُرم کے عفو کی تدبیر بہت اچھی ہے   بے گناہ رہنے سے تقصیر بہت اچھی ہے
خیال چھوڑ دے زاہد تو بے گناہی کا   رکھے ہے شوق اگر رحمتِ الٰہی کا
کعبہ و بُت خانہ ہیں شیخ و برہمن شاد ہیں   دونوں گھر یمنِ قدم سے عشق کے آباد ہیں
بے قُربِ یار خواہشِ ہستی بعید ہے   جینا مُضر ہے ہجر میں مرنا مفید ہے
جلوۂ حُسنِ خدا داد ذرا دکھلا دے   منکروں کو بھی صنم شانِ خدا دکھلا دے
زاہد نہ توڑ بُت کو کہ اس ہی کا ہے ظہور   کرتا ہے کیا معاملہ ناداں خدا کے ساتھ
اللہ کیا ہے حُسنِ بتوں کے غرور کا   بندوں کو شک ہُوا ہے خدا کے ظہور کا
کوئی کیسے تجھے پہچانے آخر   ہزاروں نام لاکھوں صورتیں ہیں
جستجو کی نہیں کوئی صورت   جادۂ معتبر نہیں ملتا
جو ہے اپنی ہی طرح رہرو ہے   ایک بھی راہبر نہیں ملتا
دل گواہ است کہ در پردۂ دل آرائے ہست   ہستیِ قطرہ دلیل است کہ دریائے ہست
ساقی و جام و مے و گوشۂ دَیر است ایں جا   للہ الحمد کہ احوال بخیر است ایں جا
نکتۂ عشق بپرسید کہ ہوشم باقی است   سخن از یار مگوئید کہ غیر است ایں جا
قانع بہ تجلی نہ شود شائق دیدار   پروانہ بہ مہتاب تسلّی نہ تواں کرد
ہو گیا پردہ براندازہ انا الحق کہتا   بزمِ توحید میں گنجائشِ منصور نہیں

حیرت سے شش جہت نگران وخموش ہوں   ہر دم جو سامنے ہو اُسے یاد کیا کروں

ڈالا جو دل میں تھا وہی منصور نے کہا   گویا یہ بازگشت صدا کی ہے چاہ سے

اُمید اس کے وصل کی جب جیتے جی نہ ہو   مرنے کی اپنے کس لیے ہم کو خوشی نہ ہو

کاتبِ اعمال نکلے کام کے   مل گئے دو دو شریک الزام کے

سچ ہے کہ نردبانِ حقیقت مجاز ہے   ملتا نہیں خدا جو نہ ہوں راہ پر صنم

دل کو سیاہ مست کر گر تجھے کچھ بھی ہوش ہے   کہتے ہیں کعبہ اس کو اور کعبہ سیاہ پوش ہے

اصل اللہ سے لگاوٹ ہے   ورنہ مذہب میں سب بناوٹ ہے

قُلقُلِ شیشہ کو سُنیے تو ذرا حضرتِ شیخ   دیکھیے تو کہیں اِس قُل میں ہُوَ اللہ نہ ہو

شیخ کہتا ہے برائی بُتِ خوش رُو کی کرو   دل دھڑکتا ہے کہ ناخوش کہیں اللہ نہ ہو

دِل کو کسی کے تابعِ فرماں بنائیے   دشواریِ حیات کو آساں بنائیے

خود داریِ نگاہ کو رُسوا نہ کیجیے   وہ سامنے بھی آئیں تو دیکھا نہ کیجیے

ہر چند تیری سمت سوا راہ ہی نہیں   دردؒ تِس پر بھی آہ یاں کوئی آگاہ ہی نہیں

وہ مرتبہ ہی اور ہے فہمید کے پرے   " ہم جس کو پوجتے ہیں وہ اللہ ہی نہیں

ہم بھی فلک سے کرتے کسی چیز کی طلب   " ڈھونڈا پر اپنے دل میں تو کچھ چاہ ہی نہیں

انساں کی ذات سے ہیں خدائی کے کھیل یاں   " بازی کہاں بساط پہ جب شاہ ہی نہیں

سَو رنگ سے جلوہ نما گو بتانِ خلق   " اپنا ترے سوا کوئی دل خواہ ہی نہیں

گر کہتے ہو کہ ہے وہی ہادی وہی مُضلّ   " تو راہ پر ہیں سب کوئی گمراہ ہی نہیں

باغِ جہاں کے گُل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں   " گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں

دریائے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل   " گر وار ہیں تو ہم ہیں اور پار ہیں تو ہم ہیں

وابستہ ہے اسی سے گر جبر ہے و گر قدر   " مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں

تیرا ہی حُسن جگ میں ہر چند موج زن ہے   " تِس پر بھی تشنہ کامِ دیدار ہیں تو ہم ہیں

وہ کون ہے کہ جس کو نہ ہو جینے کی خواہش   " اِک زندگی سے اپنی بیزار ہیں تو ہم ہیں

الفاظِ خلق ہم بن سب مہملات سے تھے   " معنی کی طرح ربطِ گفتار ہیں تو ہم ہیں

اَوروں سے تو گرانی اک لخت اُٹھ گئی تھی   " اے دردؔ اپنے دل کے گر بار ہیں تو ہم ہیں

کئی قیمت میں اس کے پاس نقدِ دیں کو لائے   " کئی دُنیا دکھاتے ہیں کہ یوں سودا یہ بن جائے

ہمیں یہ سوچ ہے وہ خود فراش گر ادھر آئے   " برائے اُو چہ در بازیم نے دینے نہ دُنیائے

زباں سے بے تعلق دل کو بزمِ یار میں دیکھا   اکبرؔ تعجب خیز ضبط اس مجرمِ اسرار میں دیکھا

ادھر تسبیح کی گردش میں پایا شیخ صاحب کو ۔ اکبر برہمن کو ادھر الجھا ہُوا زنّار میں دیکھا
مگر عشقِ حقیقی کا کوئی رشتہ نہ تھا دل میں ،، فقط نفسانیت کا پیچ و خم ہر تار میں دیکھا
زمانے میں مرے آگے بھی دنیا پیش کر دی تھی ،، مگر میں نے تو اپنا فائدہ انکار میں دیکھا
مجھے آتا نہیں اچھی طرح اظہارِ غم کرنا ،، مگر کچھ منحصر اس پر نہیں اس کا کرم کرنا
رہِ عرفاں میں حسِ حظ و الم کا نامناسب ہے ،، پسندِ طبع اکبر ہے نہ خوش ہونا نہ غم کرنا
کہیں دل ہوں کہیں میں باعثِ بے تابیٔ دل ہوں ،، کہیں اندازِ بسمل ہوں کہیں میں نازِ قاتل ہوں
کہیں تمکینِ خوبی ہوں کہیں ہنگامۂ الفت ،، کہیں رنگِ رُخِ گل ہوں کہیں شورِ عنادل ہوں
کہیں جلوہ ہوں صورت کا کہیں ہوں شاہدِ معنی ،، کہیں ہوں محملِ لیلیٰ کہیں لیلائے محمل ہوں
کہیں عاشق کا مطلب ہوں کہیں معشوق کی خواہش ،، کہیں مجبورِ مطلق ہوں کہیں مختار کامل ہوں
کہیں ہوں شوقِ آزادی کہیں تدبیرِ پابندی ،، کہیں میں جوشِ سودا ہوں کہیں طوق و سلاسل ہوں
کہیں عمرِ دو روزہ ہوں کہیں ہوں آرزوئے دل کی ،، کہیں گھٹنے کے لائق ہوں کہیں بڑھنے کے قابل ہوں
کہیں جذبِ محبت ہوں کہیں دردِ دلِ عاشق ،، کہیں دل مجھ میں داخل ہے کہیں میں دل میں داخل ہوں
کہیں جوشِ اہلِ معنی کا کہیں ہوشِ اہلِ صورت کا ،، کہیں شورِ انا الحق ہوں کہیں دعوائے باطل ہوں
کہیں ہوں حسن کا ایما کہیں ہوں درد کی لذت ،، کہیں قاتل کی چتون ہوں کہیں چتون کا بسمل ہوں
کہیں ہوں صورتِ لیلیٰ کہیں حالِ دلِ مجنوں ،، کہیں چھپنے کے لائق ہوں کہیں کھلنے کے قابل ہوں
کہیں یاروں کی محفل میں کہیں ہنگامۂ دل میں ،، کہیں میں رندِ مشرب ہوں کہیں درویش کامل ہوں
کہیں تصویرِ حیرت ہوں کہیں محوِ پریشانی ،، کہیں ہوں شیفتہ رُخ کا کہیں زلفوں کا مائل ہوں
کہیں ہوں گوہرِ مقصد کہیں دامنِ تمنا کا ،، کہیں ہمت کریموں کی کہیں امیدِ سائل ہوں
کہیں ہوں ولولہ دل کا کہیں ہوں ضبطِ عاقل کا ،، روانی میں کہیں دریا کہیں رکنے میں ساحل ہوں
کہیں پر میں معاون ہوں کہیں امداد کا طالب ،، کہیں خضرِ ہدایت ہوں کہیں گم کردہ منزل ہوں
یہ دریائے معانی جوش پر ہے دل میں اے اکبرؔ ،، مگر ساکت ہوں جب تک آپ میں آنے کے قابل ہوں
کروں کیا غم کہ دنیا سے ہلا کیا ،، کسی کو کیا ملا دنیا میں تھا کیا
یہ دونوں مسئلے ہیں سخت مشکل ،، نہ پوچھو تم کہ میں کیا اور خدا کیا
رہا مرنے کی تیاری میں مصروف ،، مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا
وہاں "قالوا بلیٰ" یاں بت پرستی ،، ذرا سوچو کہا کیا تھا کیا کیا
تمہارے حکم کے تابع ہیں ہم سب ،، تمہیں سمجھو برا کیا اور بھلا کیا
وہی صدمہ رہا فرقت کا دل پر ،، بہت روئے مگر اس سے ہوا کیا

زاہد بتا کہ کعبہ میں کیا دیکھتا ہے تُو ۔ جاتے ہیں دیر میں تو صنم دیکھتے ہیں ہم

بٹھا کے سامنے بُت کو سلام کر لیں گے ۔ خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے

کیا پہنچے تو فرشتہ کا جس جا گزر نہیں ۔ بیت الصنم ہے شیخ خدا کا یہ گھر نہیں

بُتوں کو جاننے والے خدا کو جان جاتے ہیں ۔ بتوں کو جانتے ہیں کیا خدا کے جاننے والے

خدا کا جاننا بس تھا تو کیوں دنیا میں آئے تھے ۔ خدا کے پاس ہی رہتے خدا کے جاننے والے

اگر دل مومنوں کے زاہدو عرشِ خدا ٹھہرے ۔ بُتوں نے جب انہیں چھینا تو پھر بتلاؤ کیا ٹھہرے

تمہاری مانگ کے عاشق ہیں شیخ و برہمن دونوں ۔ یہ وہ رستہ ہے جس میں دوست دشمن مل کے چلتے ہیں

وصل ہو جائے یہیں حشر میں کیا رکھا ہے ۔ آج کی بات کو کیوں کل پہ اُٹھا رکھا ہے

جب دونوں کی خلقت ہوئی اک کُن کی صدا پر ۔ پھر شیخ میں ہے کیا جو برہمن میں نہیں ہے

زاہدا واحد ہے وہ وحدت میں اس کی شک نہیں ۔ رازِ وحدت کیا بتائیں تجھ سے بے وحدت کو ہم

اے تُرا با ہر دلے رازے دگر ۔ ہر گدا را بر درت نازے دگر

بے دلیل اس کو ہم نے پہچانا ۔ عقل ناقص ہے فہم کامل ہے

حشر کے دن یہ کہوں گا میں خدا سے پہلے ۔ شکل محبوبؐ دِکھا اپنی لقا سے پہلے

وہ معنی ہوں کہ مضمونِ فنا ہے زندگی میری ۔ وہ مطلب ہوں کہ ہستی سے ہے بہتر نیستی میری

تو بدیں جمال و خوبی، سوئے طور گر خرامی ۔ اَرِنی بگوید آں کس، کہ بگفت لن ترانی

نیست پروائے عدم و از دہ ہستی را ۔ از قفس مُرغ بہر جا کہ رَوَد گلستان است

محمدؐ از تو می خواہم خدا را ۔ خدایا از تو حبِّ مصطفیٰؐ را

حاجی برہِ کعبہ و من طالب دیدار ۔ اُو خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

جس جگہ جلوہ ترا مایۂ مدہوشی ہے ۔ یاد میں اپنے اگر ہے تو فراموشی ہے

جمشید کا تو جام فقط تھا جہاں نما ۔ ساغر مگر ہمارا ہے کون و مکاں نما

نغمۂ عشق سے ہیں سبحہ و زنّار ملے ۔ ایک آواز پہ دو ساز کے ہیں تار ملے

غیر از دوئی کے مانعِ دیدار کون ہے ۔ وہ یار ہو گیا تو پھر اغیار کون ہے

بیم غضب رکھے ہے مجھے مغفرت سے دُور ۔ گر وہ کریم ہے تو گناہ گار کون ہے

دریا ہی پھر نام ہے ہر اک حُباب کا ۔ اُٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا

جمی جس دن سے آ کر خانۂ دل میں نہیں نکلی ۔ کسی پردہ نشیں کی یاد بھی پردہ نشیں نکلی

تا کے بہ زیارتِ مقابر ۔ عمر گزرانی اَے افسردہ

یک گریۂ زندہ پیشِ عارف ۔ بہ از ہزار شیرِ مُردہ

دلِ عاشق میں داغ ہے کس کا — کعبہ میں یہ چراغ ہے کس کا
کیوں عبث میں علاجِ داغ کروں — خانۂ دل کو بے چراغ کروں

مدّعا عالم سے اپنا ہی فقط دیدار تھا — دید کو اپنی یہ آئینہ اُسے درکار تھا
ٹوٹے بُت، مسجد بنی، مسمار بُت خانہ ہُوا — جب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ ہُوا

بتوں نے اک حرم دے کر خدا کو — عجم سے لے لیا ہندوستان تک

محوِ بہارِ حُسنِ دل آرا ہوں اس قدر — ہر خارِ دشت سامنے آتا ہے بن کے پھول
اُس رُخِ روشن کی جو کہ یاد میں مشغول ہے — پھر اس کے رُو برو سورج مکھی کا پھول ہے

ابو تراب نخشبیؒ۔ صوفی وہ ہے، جسے کوئی چیز ناپاک نہ کر سکے اور خود ہر چیز کو پاک صاف کر دے۔

معروف کرخیؒ۔ تصوف کے معنی یہ ہیں کہ حقائق کو اخذ کیا جائے اور ان باتوں کو جو خلقت کے ہاتھ میں ہیں، چھوڑ دیا جائے۔

ذوالنون مصریؒ۔ اہل تصوف وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدائے بزرگ و برتر کو تمام چیزوں پر ترجیح دی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ خدائے برتر نے اُن کو تمام چیزوں پر فوقیت بخشی۔

سرّی سقطیؒ۔ صوفی وہ ہے جس کا نُورِ معرفت اس کے نورِ زہد و ورع کو ماند نہ کر دیتا ہو اور جو کرامتیں اسے عطا کی گئی ہیں اُن پر اترا کر وہ مقدس قانون کی خلاف ورزی یا اس کا تمسخر نہ کرتا ہو۔

سہل بن عبداللہ تستریؒ۔ صوفی وہ ہے جو اپنے خون یعنی قتل کیے جانے کو جائز و مباح سمجھے اور اپنے مال و املاک کو دوسروں کا مال و املاک تصوّر کرے۔

نیز صوفی آں بود کہ صافی شود از کدر۔ پُر شود از فکر۔ در قرب خدا منقطع شود از بشر و یکساں شود در چشم اُو خاک و زر۔

سمنون المحبؒ۔ تصوف یہ ہے کہ نہ کوئی چیز تیرے قبضہ میں ہو اور نہ کسی چیز کا تجھ پر قبضہ ہو۔

صوفی وُہ ہے کہ جب نہ پائے تو چپ رہے اور جب پائے تو اس سے دوسروں کو ترجیح دے۔

عمر بن عثمان مکیؒ۔ صوفی وہ ہے جو ہر وقت اس شغل میں مصروف ہے جو اس کے نزدیک اس وقت سب سے اولیٰ و انسب ہو۔ بالفاظِ دیگر خدا کی قوتِ فاعلی کے ظہور کے لیے محض ایک انفعالی آلہ بنا رہے۔

گنج بخش لاہوریؒ۔ تصوّف ایک حقیقت تھی بے نام۔ لیکن آج ایک نام ہے بے حقیقت۔

جنید بغدادیؒ۔ ہمارا تصوّف کتاب و سنّت کے ذریعے مضبوط کیا گیا ہے۔ جس علم پر کتاب و سنت شاہد نہیں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔

ابوالحسین النوریؒ۔ صوفی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ بے قراری نہ ظاہر کرے اور جب کچھ موجود ہو ایثار سے کام لے۔

جنید بغدادیؒ۔ تصوف کے معنی یہ ہیں کہ باری تعالیٰ تیری خودی کو تجھ سے زائل کر کے تجھے فنا کر دے۔ اور اپنے میں

ملا کر تجھے زندہ و باقی کر دے۔

ممشاد الدینوری۔ تصوف وہ ہے جس میں صفائے اسرار ہو۔ اس پر عمل کرنا جس میں کہ رضائے جبار ہو اور خلق کے ساتھ محبت بے اختیار ہو۔ صفائے اسرار سے مراد تزکیہ قلب ہے۔ بے اختیار کے یہاں یہ معنی ہیں کہ لوگوں سے ملو لیکن اپنی مشیت یا قوت ارادی کو سلب کر کے۔

ابو محمد رویم۔ تصوف نفس کو باری تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دینے کا نام ہے۔

نیز تصوف تین خصلتوں پر مبنی ہے۔ فقر و ناداری کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ ایثار علی النفس کا حقیقت شناس ہونا۔ مشیت ایزدی میں دم مارنے اور اپنی مرضی کا اظہار کرنے سے باز رہنا۔

علی بن سہل اصفہانی۔ تصوف یہ ہے کہ خدا کے سوا تمام چیزوں کے تعلق سے بری ہو۔

حسین بن منصور حلاج۔ صوفی وہ ہے جو ذات کے لحاظ سے واحد ہو۔ نہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہو اور نہ وہ کسی کی طرف متوجہ ہو۔

ابو الحسن بوشنگی۔ تصوف کوتاہیِ امل اور مداومتِ عمل ہے۔

ابو محمد الجریری۔ تصوف اعلیٰ درجے کے اخلاق کے حاصل کرنے اور ادنیٰ درجہ کے اخلاق سے گریز کرنے کا نام ہے۔ تصوف تمام تر ادب ہے۔

ابو علی الرودباری۔ صوفی وہ ہے کہ تصوف پہنے بصفا، نفس کو چکھا دے طعمۂ جفا، دنیا کو دیکھے از پسِ قفا، سلوک کرے طریقِ مصطفیٰ، درد کو سمجھے دوا، مرض کو جانے شفا، مرگ کو خیال کرے بقا۔

ابو بکر الکتانی۔ تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے۔ پس جو شخص تم پر اخلاقِ حسنہ میں فوقیت لے جائے۔ سمجھ لو کہ وہ صفائی قلب میں بھی تم سے بڑھ گیا ہے۔

عبد اللہ بن محمود المرتعش۔ صوفی وہ ہے جو ہر بلا سے بے خوف اور ہر عطا سے سیر چشم ہو۔

تصوف مجموعہ ہے ان صفات کا جن کو ہر زبان میں اچھا جانتے ہوں اور ان کی ضد ہر زبان میں ناپسند ہو۔

حضرت امام غزالی۔ تصوف دو چیزوں کا نام ہے۔ اول راستی با خدا۔ دوم نکوئی با خلقِ خدا۔ یعنی جو کوئی خدا تعالیٰ کے نزدیک راستباز اور خلق خدا کے ساتھ نیک خواہ اور بردبار ہے، وہ صوفی ہے اور راستی خدا کے ساتھ یہ ہے کہ خطوطِ نفسانی کو اس کے حکم پر نثار کر دے اور نکوئی خلق خدا کے ساتھ یہ ہے کہ دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھے۔ بشرطیکہ حاجت اُن کی شرع شریف کے موافق ہو۔

حضرت احمد خضرویہ۔ تصوف کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو دل سے دوست رکھے۔ اور زبان سے یاد رکھے اور ماسوا سے اپنے خیالات ہٹائے اور حق تعالیٰ سے نزدیک تر وہ شخص ہے جس کا خلق زیادہ ہو۔

حضرت جنید بغدادی۔ تصوف اجتماع سے ایک ذکر ہے اور استماع سے ایک وجد ہے اور اتباع سے ایک عمل ہے۔ تصوف کا مشتق اصطفا ہے۔ جو ماسوا سے برگزیدہ ہوا وہی صوفی ہے۔

تصوّف ترکِ اختیار کا نام ہے۔
ابوالحسنؒ النوری: صوفی وہ ہے جس کی جان کدورتِ بشریّت سے آزاد ہے۔ آفتِ نفس سے صاف ہے اور خواہشات سے خالی ہے۔ تب کہیں جا کر وہ درجۂ اعلیٰ میں حق تعالیٰ کے ساتھ آرام کرتا ہے۔
فقر کا آخر تصوّف کا اوّل ہے۔
تصوّف اعتراض سے اعراض کرنے کا نام ہے۔
تصوّف ترکِ اختیار کا نام ہے۔
صوفی ماسوا اللہ سے بھاگے ہوئے ہیں۔ نہ تو وہ مالک ہیں نہ مملوک۔ نہ وہ کسی کی قید میں ہیں اور نہ کوئی ان کی قید میں۔
تصوّف نہ تو رسوم میں ہے نہ علوم میں۔ بلکہ اخلاق کا نام ہے۔ اگر رسم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا۔ علم ہوتا تو تعلیم سے ہاتھ آتا۔ مگر وہ تو اخلاق ہے۔
تصوّف حق تعالیٰ کی دوستی اور دنیا کی دشمنی ہے۔
مجدّد الفِ ثانیؒ: تصوّف زبدۂ عمل باحکامِ شریعت ہے۔
ہر صوفی عالم ہوتا ہے لیکن ہر عالم صوفی نہیں ہوتا۔
جنید بغدادی۔ تصوف یہ ہے کہ ذکر ہو، لیکن حضورِ قلب کے ساتھ۔ وجد کی حالت طاری ہو، لیکن آیت و حدیث کو سُن کر۔ اور عمل ہو، لیکن بہ پابندیٔ قرآن و سُنّت۔
صوفی۔ زمین کی مانند ہے۔ جس پر ناپاک چیزیں پھینکی جاتی ہیں۔ لیکن جتنی چیزیں اس میں سے نکلتی ہیں، نفیس و پاک ہوتی ہیں۔
نیز صوفی کی مثال زمین کی سی ہے۔ جس پر نیک و بد سبھی طرح کے لوگ چلتے ہیں۔ وہ بادلوں کی طرح ہے، جو اپنا سایہ ہر ایک چیز پر یکساں ڈالتے ہیں اور مینہ کی طرح ہے جو ہر چیز کو یکساں سیراب کرتا ہے۔
صُوفی اس وقت صوفی ہوتا ہے کہ جملہ خلائق کو اپنا عیال خیال کرے۔
ابو محمد الراسبیؒ۔ صُوفی اس وقت تک صُوفی نہیں جب تک کہ حالت یہاں تک نہ پہنچ جائے کہ زمین اُسے پناہ نہ دے آسمان اس پر سایہ نہ ڈالے۔ خلقِ خدا اُسے مَرْدُود و مطرود نہ جانے اور ہر حالت میں اس کا مرجع باری تعالیٰ ہی نہ ہو۔
ابو عثمان المغربیؒ۔ تصوّف قطعِ علائق رفضِ خلائق اور اتّصالِ حقائق ہے۔
ابوالحسن البوشنجی۔ تصوّف کوتاہیٔ اَمَل و مداومت بر عمل یعنی امّیدوں کا کم کرنا اور عملِ نیک پر ہمیشگی ہے۔
ماسوا کا نسیان تصوّف کا پہلا قدم ہے۔
حقائق کے حاصل کرنے اور دقائق کے بیان کرنے اور خلق کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے مایوس ہونے کو تصوف کہتے ہیں۔

ابوالحسن خرقانیؒ: صوفی ایک ایسا دن ہے، جس کو آفتاب کی حاجت نہ ہو۔ اور ایک ایسی رات ہے، جسے چاند اور ستاروں کی ضرورت نہ ہو۔ اور ایک نیستی ہے جس کو کسی ہستی کی حاجت نہ ہو۔

تصوّف صرف خیال کے صحیح کرنے کا نام ہے۔

جنید بغدادیؒ: صوفی وہ ہے جس کا دل ابراہیمؑ کے دل کی طرح دُنیا سے سلامت یافتہ ہو اور اسی کی طرح فرمانِ خدا بجا لانے والا ہو۔ اس کی تسلیم، تسلیمِ اسمٰعیل اور اندوہ، اندوہِ داؤدؑ۔ اس کا فقر، فقرِ عیسٰیؑ۔ اس کا صبر، صبرِ ایوبؑ۔ اس کا شوق، شوقِ موسٰیؑ اور اس کا اخلاص و اخلاق، اخلاق و اخلاصِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔

ابوعمرو بن النجیدؒ: تصوّف صبر کرنا اور تحتِ امر و نہی ہے۔

صوفی وہ ہے جس کو جانوروں کی آوازیں۔ ہر ایک سوز و ساز ہیں۔ چڑیوں کی چہک میں۔ پھولوں کی مہک میں سبزے کی لہک میں۔ جواہرات کی دمک میں۔ سورج کی چمک میں۔ سماو سمک میں۔ درختوں کے رنگ میں شیشہ و سنگ میں۔ آہنگِ رباب و چنگ میں۔ زمزم و گنگ میں پتھر کی سختی میں۔ خوشحالی و بدبختی میں۔ زمین کی نرمی میں۔ آتش کی گرمی میں، دریا کی روانی میں۔ کواکبِ آسمانی میں، پہاڑ کے اُبھار میں۔ بیابان و مرغزار میں۔ خزاں و بہار میں۔ ایک نادیدہ ہستی کا جلوہ نظر آئے۔ ؎

تو ئی معبود گر نز دیکِ دیرم — تو ئی مقصود گر مشغولِ غیرم
اگرچہ کافرم یا بُت پرستم — قبولم کن خدایا ہرچہ ہستم

شاہ شرف الدّین بُوعلی شاہ قلندرؒ کی پیدائش مبارک ۵۰۵ھ میں بمقام پانی پت ہوئی۔ آپ کے والد محترم نہایت بلند پایہ عالم و فاضل بزرگ تھے۔ حضرت قلندرؒ کی تعلیم و تربیت والد و والدہ کی زیرِ نگرانی ہوئی۔ قدرت نے اُن کو وہ مقام بلند عطا کیا کہ بیس سال تک مسلسل قطب مینار کے قریب درس و تدریس میں مشغول رہے۔ دہلی میں آپ کے تبحرِ علمی کی دھاک عوام تو عوام، علما و فضلا پر بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے کافی عرصہ ممالکِ دور دراز کی سیاحت بھی کی۔ یہاں تک کہ قونیہ میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی۔ غالباً اسی ملاقات کا اثر ہے کہ آپ نے اپنی مثنوی میں مولاناؒ کے انداز کا تتبع کیا ہے۔ یہ بات پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچی کہ کس بزرگ کی نظرِ فیض اثر سے آپ نے مشربِ قلندرانہ اختیار کیا۔ بہرحال یہ مشرب اختیار کرنے کے بعد آپ نے اپنی بقایا زندگی قلندرانہ ہی گزاری اور ظاہری احکامِ شریعت پر کبھی کاربند نہیں رہے۔ لیکن بایں ہمہ آزادگی آپ نے احترامِ شریعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھا جس کی دلیل مندرجہ ذیل واقعہ ہے۔

ایک دفعہ شیخ الاسلام قاضی ضیاء الدین سنامیؒ جوش میں بھرے ہوئے آئے اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، حضرت بُوعلی شاہؒ کی چھاتی پر سوار ہو گئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک قینچی تھی۔ اس سے انہوں نے حضرتِ قلندرؒ کی بڑھی ہوئی مونچھیں تراش دیں۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ لیکن حضرت قلندرؒ اس واقعہ کی یاد کبھی نہ کبھی ضرور تازہ کیا کرتے۔ آپ اپنی داڑھی پکڑ کر فرماتے "یہ میری داڑھی کتنی مبارک داڑھی ہے کہ اس کو کسی نے شرعِ محمدیؐ کی ناموس کی خاطر

نہیں پکڑا۔

اس مردِ حق آگاہ پر عمر بھر جذب و مستی کا عالم طاری رہا۔ لیکن اس شان کے ساتھ کہ مستی و ہوشیاری میں تمیز نہیں کی جا سکتی تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ آپ مجذوب تھے نہ سالک۔ لیکن پھر بھی یہ دونوں گروہ ان پر جان چھڑکتے تھے۔ قطبِ وقت حضرت سلطان نظام الدین محبوب الٰہی کی خواجہ امیر خسروؒ کو یہ نصیحت کہ "خسرو بارگاہِ قلندری میں جا رہے ہو، ذرا باہوش رہنا" یہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ ایک کی نظر میں دوسرے کی کیا وقعت تھی۔

سلطان علاء الدین خلجی نے بارگاہِ قلندری میں نذر پیش کرنی چاہی تو اس کام پر امیر خسروؒ دہلوی کو مامور کیا۔ حضرت امیر خسروؒ ایک طرف تو رکنِ سلطنت تھے اور دوسری طرف ان کی حیثیت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے شیخ کی محبت میں سب کچھ تج دیا تھا۔ کوئی کام ان کے مشورے کے بغیر نہ کرتے تھے۔ غرض حضرت امیر خسرو سیدھے محبوبِ الٰہی کی بارگاہِ عالی میں پہنچے اور صورتِ حال پیش کی۔ قدرے تامل کے بعد حضرت سلطان المشائخؒ نے اجازت مرحمت فرمائی اور وہ نصیحت کی، جو پہلے لکھی جا چکی ہے یعنی "خسرو بارگاہِ قلندری میں جا رہے ہو، ذرا باہوش رہنا"۔

امیر خسرو بارگاہ قلندری میں پہنچے تو ارشاد ہوا، خسرو کچھ کہا ہے تو سناؤ۔ حضرت امیر خسرو نے ارشاد کی تعمیل میں اپنی مشہور ترین غزل سنائی۔ جس کا اول و آخر یہ دو تین اشعار ہیں۔ ؎

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زُنّار نیست

اے کہ گوئی ہیچ مشکل چوں فراقِ یار نیست گر امیدِ وصل باشد آنچناں دشوار نیست

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

حضرت بو علی شاہ قلندرؒ ان اشعار سے بہت محظوظ و مسرور ہوئے اور خواجہ امیر خسرو کو دعا دی "خسرو خوش رہو گے اور خوش جاؤ گے"۔ پھر فرمایا اب فقیر سے بھی کچھ سن لو۔ چنانچہ اپنی غزل سنانی شروع کی۔ جس کے تین شعر تبرکاً پیش کیے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی وقت فی البدیہہ کہی گئی ہے۔ کیونکہ پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں خسرو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے۔ ؎

دیہیم خسرواں مرا نعلِ استر است خسرو کسے کہ خلعتِ تجرید دربر است

سیمرغ وار روئے نہفتم بہ قافِ عشق کو عارفے کہ منظرِ او عرشِ اکبر است

درسِ شرف نبود ز الواحِ ابجدی لوحِ جمالِ دوست مرا در برابر است

خواجہ امیر خسرو پر ان اشعار سے کافی رقت طاری ہوئی اور روتے رہے۔ حضرت قلندر نے فرمایا کچھ سمجھے بھی ہو کہ یونہی روتے ہو۔ خواجہ صاحب نے نہایت عاجزی سے جواب دیا۔ حضرت رونا تو اسی بات کا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔ حضرت قلندرؒ اس بات سے بہت خوش ہوتے اور سلطان علاؤالدین خلجی (جس کو اس کی مسلسل فتوحات

کی وجہ سے سکندرِ ثانی بھی کہا جاتا ہے) کی نذر قبول کرلی۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر محبوبِ الٰہی کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو میں یہ نذر ہرگز قبول نہ کرتا۔

جلال کا عالم

دربارِ قلندری سے کسی خادم کو بازار سے سودا سُلف لانے کا حکم ہُوا۔ یہ خادم کانوں سے کچھ اونچا سُنتا تھا۔ پانی پت کی سڑک سے گزر رہا تھا کہ ملک نائب خواجہ سرا حاکم پانی پت کی سواری آنکلی۔ سرکاری پیش خدمت نے چاؤش چاؤش کی ہزار چیخ دپکار کی لیکن بہرے خادمِ قلندری کے کانوں پر جوُں تک نہ رینگی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ملک نائب کے حکم سے پیشِ خدمت نے بڑھ کر خادم کے دوچار طمانچے مار دیئے۔ خادم روتا ہُوا دربارِ قلندری میں واپس آیا اور بے رحمانہ طمانچہ زنی کی کہانی سُنائی۔ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ جلال میں آگئے۔ آپ نے فوراً اپنے منشی کو حکم دیا کہ وہ اس مضمون کی تحریر سلطان علاء الدین خلجی کے نام کے سپردِ قلم کرے۔

"علاء الدین شحنۂ دہلی را اعلام آنکہ کیں دریدہ و پیش بُریدہ (خواجہ سرا) ناحق طمانچہ بر رُوئے درویش کشیدہ۔ چنانچہ فریادش بہ آسماں رسیدہ۔ اُو را بہ سزا رسانیدی بہتر ورنہ بجائے تو شحنۂ دیگر بہ دہلی نشانیدہ خواہد شد۔"

ترجمہ۔ علاء الدین کو توالِ دہلی (حقارت سے ایسے باجبروت و پرہیبت شہنشاہ کو کوتوال لکھا ہے) کو معلوم ہونا چاہیئے کہ پیچھا پھٹے ہوئے اور آگا کٹے ہوئے ناحق درویش کو طمانچوں سے پٹوایا۔ چنانچہ اس کی فریاد آسمان تک پہنچی۔ اگر اس کو سزا دے تو بہتر ورنہ تیری جگہ دوسرے کوتوال کو دہلی میں بٹھا دیا جائے گا۔

علاء الدین خلجی نے جب یہ فرمانِ پُرجلال پڑھا تو لرز گیا۔ اور ملک نائب کی برطرفی کے احکام صادر تو کیے لیکن شروع شروع میں اُسے قدرِ تامل تھا۔ اس لیے سزا پائی اور حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ؎

نیشتر در قلبِ درویشاں مزن خویش را در آتشِ سوزاں مزن

وفات شریف ۷۲۴ھ بعمر ستر سال تاریخِ وفات "یا شرف الدین ابدال"۔ ۷۲۴ھ

تحفۂ ہستی

(ایک خاتون شاعرہ)

مت دے چمن فریب گلوں کے نکھار کا انجام جانتا ہوں تیری بہار کا
خنجر چُھپا ہُوا ہے ہر اک گل میں خار کا مجروح ذرّہ ذرّہ ہے دنیائے زار کا
موجوں کا یہ چڑھاؤ نشاں ہے اُتار کا

سب ہیچ یاں ہے مہر و مروّت کی آرزو — بے کار ہے وفا و محبت کی آرزو
پوری نہ ہو سکے گی مسرت کی آرزو — بر آئے گی جو ہے تمہیں کلفت کی آرزو
تحفہ یہی ہے ہستئ ناپائیدار کا

کیا باغ دہر ایک سیاہ خانہ ہی تو ہے — نا آشنا جو گل ہے وہ فرزانہ ہی تو ہے
شیدا جو اس چمن پہ ہو دیوانہ ہی تو ہے — سبزہ تلک یہاں کا سو بیگانہ ہی تو ہے
کس سے جہاں میں آپ کو دعویٰ ہے پیار کا

دُنیا میں ایک رقصِ شرر ہیں مسرتیں — یا برق کی چمک کا اثر ہیں مسرتیں
جھونکا سا اک ہوا کا مگر ہیں مسرتیں — اک سانس ہیں کہ پل میں اُدھر ہیں مسرتیں
یا مختصر سا وقت ہے صبح بہار کا

ہمارے شاعر

(جناب فیاض ہریانوی مرحوم)

کسی نو عمر کے نورستہ خط پر زہر کھاتے ہیں — بہا دیتے ہیں دریائے معانی تل کے نقطے پر
دہانِ تنگ کی تنگی میں کرتے ہیں غلو اتنا — کہ تنگی میں اُسے ترجیح دے دیتے ہیں نقطے پر
لبوں کے سامنے خوں در جگر ہے لعل رُمانی — دُرِ دنداں ہے چشمک زن ہر اک گوہر کے دانے پر
رموزِ شاعری سب خرچ کر ڈالی ہیں بے صرفہ — وقائق آفرینی کو ہوئے مائل جو غمزے پر
نظر کو تیر سے اَبرُو کو خنجر سے بڑھاتے ہیں — مِژہ کو فوقیت دیتے ہیں ناوک بلکہ نیزے پر

بیانِ کاکلِ شبگوں پہ ظلمت ہو گئی طاری — ہویدا ہو گیا ہے نور ذکرِ روئے زیبا پر
ستارے دیکھ کر ماتھے پہ ہوتی ہے گل افشانی — نہیں افشاں جبیں پر تارے ہیں عرشِ معلّٰی پر
جو رُخ پر زلف آتی ہے تو یہ غوغا مچاتے ہیں — کہ ہے کالی گھٹا چھائی ہوئی صحنِ حدیقا پر
ادا و ناز کا وار اپنے پر کرتے ہیں یوں ظاہر — کہ گویا حملہ آور ہو گئے دو تُرک دارا پر
عذارِ لالہ گوں کی یاد میں ہر شعر ہے رنگیں — رقم ہوتے ہیں مضموں شوخ چشم سرمۂ بالا پر
نکالا نقص یوسف میں جو نغمہ حُسن کا چھیڑا — نفس کی تان جب چھیڑی تو رکھا حرف عیسیٰ پر
دمِ تحریر اوصافِ کمر ارشاد ہوتا ہے — کہ زیبا ہے اگر اس وقت دے دے ہم کو عنقا پر
خرامِ ناز کے مذکور پر فتنے اٹھاتے ہیں — بپا کر دیتے ہیں محشر بیانِ قدِ بالا پر

کسی کی بے حجابی سے یہ بے ہوش ایسے ہوتے ہیں
کوئی جانے کہ جلوے سے غشی طاری ہے ہوش پر
زمین و آسماں کے یہ ملا دیتے ہیں قلابے
مضامیں باندھتے ہیں جب حسینوں کے سراپا پر
کوئی پوچھے کہ تم کو جو کوئی خوبصورت ہے
تعجب ہے مجھے ان شاعروں کے شور و غوغا پر

کہاں تک یہ قصیدہ گوئیاں شانِ جمالی میں
حسینوں مہ جبینوں کے فسانے ترک کر بھی دو
سخن کے ساز پر چھیڑو نہ نغمے بلبل و گل کے
نہ گوندھو شعر کے گلدستے میں پژمردہ پھولوں کو
رُبابِ شعر پر توبہ کرو نبیوں کا استہزا
قلم کو اِس حریم قدس کی توہین سے روکو
کہاں تک تذکرے فرہاد و شیریں کی محبت کے
اب اس افسردہ گلدستے کو یارو طاق پر رکھ دو
نہ ڈالو دامنِ قرطاس پر دھبے سیاہی کے
اجی رہنے دو زلف و خال کے قصے کو رہنے دو
خدا کے واسطے اکبر کوئی ذکر اور ہی چھیڑو
سُنی باتوں کا کیا سُننا کہی باتوں کا کیا کہنا

بیدادِ زمانہ

کیونکر گزرتی ہے دل نالاں سے پوچھ لے
وحشت کی میرے چاکِ گریباں سے پوچھ لے
دل میں جلن ہے نالۂ سوزاں سے پوچھ لے
ہاں میرا حال دیدۂ گریاں سے پوچھ لے
میں داغ داغ ہوں تپِ فرقت سے پوچھ لے
راحت ہے یا الم میری غربت سے پوچھ لے

سوزِ دروں کی داغِ محبت سے پوچھ لے
کیونکر گزر رہی ہے مصیبت سے پوچھ لے
رنج و الم سے یاس سے حسرت سے پوچھ لے
ناسازگار بخت سے قسمت سے پوچھ لے
چھالوں کا حال خارِ مغیلاں سے پوچھ لے
پردیسیوں کی گورِ غریباں سے پوچھ لے

مَیں سوز ہوں کہ ساز مقدر سے پوچھ لے
سیماب ہے کہ دل، دلِ مضطر سے پوچھ لے
بلور ہوں کہ کانچ ہوں پتھر سے پوچھ لے
وہ سخت جان ہُوں دمِ خنجر سے پوچھ لے
کھلتا نہیں میں کس لیے بے تاب ہوگیا
یارب! ہوں بارِ خاطرِ احباب ہوگیا

نورِ نظر کی دیدۂ گریاں سے پوچھ لے
یعقوبؑ کا الم مہِ کنعاں سے پوچھ لے
گل کا فسانہ بلبلِ نالاں سے پوچھ لے
سُرخ آنسوؤں کی لعلِ بدخشاں سے پوچھ لے

خون ہو کے آنکھ سے دلِ بے تاب بہ گیا
پہلو میں اِک رفیق تھا وہ بھی نہیں رہا

اِک مورِ ناتواں ہوں نقاہت سے پوچھ لے   جا، جا کے زعفران کی رنگت سے پوچھ لے
مُضطر ہوں اضطراب کی حالت سے پُوچھ لے   میں کیا کہوں تو اپنی عنایت سے پوچھ لے

دُنیا بدل گئی، وہ زمانہ نہیں رہا
اب دل ہمارا محوِ ترانہ نہیں رہا

گم کردہ رہ ہُوں منزلِ جاناں سے پوچھ لے   اِس راہ گزر سے دشت و بیاباں سے پُوچھ لے
ہُوں صرفِ سوز، شمعِ فروزاں سے پوچھ لے   محرومیٔ ازل مرے داماں سے پوچھ لے

سینہ ہے پاش پاش، جگر لخت لخت ہے
نورِ نظر کسی کا وہ تاریک بخت ہے

آشفتہ حال ہوں مری وحشت سے پوچھ لے   شوریدہ بخت ہوں مِری قسمت سے پُوچھ لے
اک خار ہوں چمن میں نزاکت سے پوچھ لے   فردِ گناہ اپنی ہی رحمت سے پوچھ لے

وُہ پھول ہوں جو کھلتے ہی کملا کے رہ گیا
غنچہ ہوں وہ جو شاخ پہ مُرجھا کے رہ گیا

میں کیا ہُوں یاس و حسرت و حرماں سے پوچھ لے   کلبِ دہی کی ہاں مہِ تاباں سے پوچھ لے
رونے کا حال ابرِ بہاراں سے پوچھ لے   جوشِ جنوں کی دست و گریباں سے پوچھ لے

دِل میں خلش ہے، سینے میں کاوش، جگر میں درد
تیمار دار ہیں مرے سرد آہ و رنگ زرد

کیا قہر ہے کہ نالۂ بُلبل پہ گل ہنسیں   شبنم کے آنسوؤں پہ شگوفے غضب کھلیں
گلشن میں سرو قمری کی فریاد پر تنیں   بے لطف ہو رہی ہیں زمانے کی صحبتیں

دُنیائے دُوں کو جی میں ہے آتا کہ چھوڑ دُوں
مُنہ خانماں سے موڑ کے جنگل میں جا بسُوں

کُٹیا مِری ہو کاخِ وجاہت مرے لیے   کمبل مِرا ہو موجبِ زینت مرے لیے
کثرت کے رنگ ہوں مٹے وحدت مِرے لیے   ہو فرشِ خاک بسترِ راحت مرے لیے

جا دِل میں ہو نہ فکرِ کم و بیش کے لیے
ہو چاند شمعِ خانۂ درویش کے لیے

سبزہ ہو نو دمیدہ لب جوئے بار ہو — نغموں میں طائروں کے مزا ہو بہار ہو
مَے پی کے مستِ پیت کی بہ بادہ خوار ہو — اُلفت ہو آہوؤں سے غزالوں سے پیار ہو

جلوہ ہو حسنِ یار کا بہ خاکسار ہو
مرنے کے بعد بھی وہیں میرا مزار ہو

طریقِ عمل

(اکبر اللہ مغفور)

چاہا جو اُن سے میں نے طریقِ عمل پہ وعظ — بولے کہ نظمِ ذیل کو ارقام کیجیے
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ — خالق کا شکر کیجیے آرام کیجیے
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم — تحصیل اُن کی بھی سحر و شام کیجیے
یورپ میں پھریے پیرس و لندن کو دیکھیے — تحقیقِ ملک کا شغر و شام کیجیے
ہو جائیے طریقہ مغرب میں مطمئن — خاطر سے محو خطرۂ ایام کیجیے
پیرانِ بے فروغ کا گُل ہو چکا چراغ — ناحق نہ دل کو تابعِ اوہام کیجیے
رکھیے نہ دل کو دَیر و کلیسا سے منحرف — متروک قیدِ جامہ و احرام کیجیے
الفاظِ کفر و فسق کو بس بھول جائیے — ہر ملّت و طریق کا اکرام کیجیے
رہیئے جہاں میں دشتِ مشرّب سے نیک نام — مجھ کو مُرید، ہندوؤں کو رام کیجیے
رکھیے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر — دَولت کو صرف کیجیے اور نام کیجیے
سامان جمع کیجیے کوٹھی بنائیے — با صد خلوص دعوتِ حکام کیجیے
یارانِ ہم مذاق سے ہم بزم ہو جیے — موقع ملے تو شغلِ مے و جام کیجیے
نظارۂ مِساں سے تر و تازہ رکھیے آنکھ — تفریح پارک میں سحر و شام کیجیے
مذہب کا نام لیجیے، عامل نہ ہو جیے — جو متفق نہ ہو اُسے بدنام کیجیے
طرزِ قدیم پر جو نظر آئیں مولوی — پبلک میں اُن کو مَوردِ الزام کیجیے
زنجیرِ فقہ توڑیے کہہ کر خلافِ شرع — مضمون لکھیے، دعوئ الہام کیجیے
ممنوع ہے تعدّدِ ازدواج خاص کر — یوں گھوم پھر کے تقیۂ عام کیجیے
ذی ترقیوں کے مشاغل بھی ہیں ضرور — اس کے لیے ضرور کوئی کام کیجیے
لڑکے نہ ہوں تو ہو نہیں سکتی چہل پہل — فکر ہے وظیفہ و انعام کیجیے

تحصیل چندہ کیجیے لڑکوں کو بھیج کر
سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجیے
بے رونقی سے کاٹیے کیوں اپنی عمر کو
کیوں انتظارِ گردشِ ایام کیجیے
جو چاہیے وہ کیجیے بس یہ ضرور ہے
ہر انجمن میں دعویٰ اسلام کیجیے
لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مُردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجیے

دورِ مستقبل

(اکبرؔ مرحوم)

یہ موجودہ طریقے راہیِٔ ملکِ عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے
نئے عُنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے
نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگٹ اس طرح سے حاجبِ روئے صنم ہوں گے
بدل جائے گا اندازِ طبائع دورِ گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسبابِ غم ہوں گے
نہ پیدا ہوگی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اس طور سے زیبِ رقم ہوں گے
دیتی ہے تحریک ہوا تبدیل موسم کی
کھلیں گے اور ہی گُل زمزمے بلبل کے کم ہوں گے
عقاید پر قیامت آئے گی ترمیم ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے
بہت ہوں گے مغنی نغمہ تقلیدِ یورپ کے
مگر بے جوڑ ہوں گے اس لیے بے تال سم ہوں گے
ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہوں گے
بدل جائے گا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے
گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے
کتابوں ہی میں دفن افسانہ جاہ و حشم ہوں گے
کسی کو اس تغیّر کا نہ حِس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اُسی کے زیر و بم ہوں گے
تمہیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبرؔ
بہت نزدیک ہیں وہ دن نہ تم ہوں گے نہ ہم ہوں گے

...ی خوشیاں رہیں گی دہر میں ایسے ہی غم ہوں گے
مگر اک وقت آئے گا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے
...میدیں ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمہ پہنچتا ہے
جو اُمیدیں کرے گا کم اُسے صدمے بھی کم ہوں گے
...اغ زندگی ہوگا فروزاں ہم نہیں ہوں گے
چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں ہم نہیں ہوں گے
...انواب تمہارے ہاتھ میں تقدیرِ عالم ہے
تمہی ہو گے فروغِ بزمِ امکاں ہم نہیں ہوں گے

ہمارے ڈوبنے کے بعد اُبھریں گے نئے تارے
جبین دہر میں چھٹکے گی افشاں ہم نہیں ہوں گے
نہ تھا اپنی ہی قسمت میں طلوعِ مہر کا جلوہ
سحر ہو جائے گی شامِ غریباں ہم نہیں ہوں گے
اگر ماضی منور تھا کبھی تو ہم نہ تھے حاضر
جو مستقبل کبھی ہو گا درخشاں ہم نہیں ہوں گے
ہمارے دور میں ڈالیں خرد نے الجھنیں لاکھوں
جنوں کی مشکلیں جب ہوں گی آساں ہم نہیں ہوں گے
ہمارے بعد ہی خونِ شہیداں رنگ لائے گا
یہی سرخی بنے گی زیبِ عنواں ہم نہیں ہوں گے

باخدا گر بت پرستی کعبہ ات سنگ آورد
بے خدا گر کعبہ سازی بت زتو ننگ آورد

مکیں بھی ہمیں لامکاں بھی ہمیں ہیں
کسی بے نشاں کے نشاں بھی ہمیں ہیں
برہمن بھی آوازِ ناقوس بھی ہم
مؤذن بھی ہم ہیں اذاں بھی ہمیں ہیں
ہمیں بت پرست اور ہمیں بت شکن ہیں
ہمیں بت ہیں محوِ بتاں بھی ہمیں ہیں
فنا و بقا کا بیاں کیا ہو اُوگھٹ
یہیں بھی ہمیں اور وہاں بھی ہمیں ہیں

بٹھائی جائیں گی پردے میں بی بیاں کب تک
بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک
حرم سرائے کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک
جو رُونمائی کی رسموں پہ ہے مُصر ابلیس
چھپیں گی حضرت کی بیٹیاں کب تک
جنابِ حضرتِ اکبر ہیں حامی پردہ
مگر وہ کب تک اور ان کی رباعیاں کب تک

شعر میں اکبرؔ یہی مضمون تو ہر بار باندھ
اے مسلماں سبحہ لے اے برہمن زنّار باندھ
سر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہے
مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبرؔ
مجھے تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہدِ مقصود کے ہیں
نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ
کیا ہے میں نے جس کو زیبِ قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے
کہ بیٹا تو اگر کر لے ایم اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے
بلا دقت میں بن جاؤں تری ساس

کہا مجنوں نے یہ اچھی سُنائی — کُجا عاشق کُجا کالج کی بکواس
کُجا یہ فطرتی جوشِ طبیعت — کُجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے — ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی — مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرن داس
دل اپنا خون کرنے کو ہُوں موجود — نہیں منظور مغزِ سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرطِ وصلِ لیلیٰ — تو استعفا مرا با حسرت و یاس

ہم کو نئی رَوِش کے حلقے جکڑ رہے ہیں — باتیں تو بن رہی ہیں اور گھر بگڑ رہے ہیں
ذاتی ترقیاں ہیں قومی ہے یا تنزّل — گرہیں یہ کھُل رہی ہیں یا پیچ پڑ رہے ہیں
ٹانکے وہ لگ رہے ہیں جو کروٹوں میں ٹوٹیں — بخیے جو فطرتی تھے وہ اب اُدھڑ رہے ہیں
سطحِ زمیں سے پوچھو، کیا اس کو مل رہا ہے — نظروں میں پھل جھڑی ہے گو پھول جھڑ رہے ہیں
چلتی تو ہیں زبانیں اور بھرتے ہیں شکم بھی — لیکن اُمید کیا ہو جب دل اُجڑ رہے ہیں
یہ زیورِ معانی کس کی کریں گے زینت — نقطوں کے یہ نگینے کیوں آپ جڑ رہے ہیں

بحث میں مولوی نہ ہاریں گے — جان ہاریں گے. جی نہ ہاریں گے
رزق مقسوم ہی ملے گا اُسے — کوئی دُنیا میں دوڑے یا رینگے
مبتلائے بلا تو ہوں غافل — یہ بھی اللہ کو پکاریں گے
مطبخِ قوم میں رہا کیا ہے — صرف شیخی ہی اب بگھاریں گے
عشق کہتا ہے لطف ہوں گے بڑے — ہجر کہتا ہے جان ماریں گے
پند اکبر کو دیں گے کیا ناصح — گُل کو کیا باغباں سنواریں گے

مختار و مجبور

(غلام محی الدین مُلک مرحوم لودیانوی)

دل بھی کیا شے ہے کہ سادہ بھی ہے عیّار بھی ہے — خاکساری کا بھی رنگ اس میں ہے پندار بھی ہے
بے خبر آپ سے ہے محرمِ اسرار بھی ہے — بُت کا بندہ بھی ہے خالق کا پرستار بھی ہے
متحرّک ہے کبھی اور کبھی ساکن ہے — یعنی خاموش بھی ہے، مائلِ گفتار بھی ہے
مجلسِ عشق میں پاتا ہوں اسے میں مدہوش — محفلِ عقل میں دیکھا تو یہ ہشیار بھی ہے
تازگی چہرہ پہ اس کے ہے، اداسی ہے کبھی — اس کے آغوش میں صحرا بھی ہے گلزار بھی ہے

درد و درماں سے بنائی ہے بہم اس کی سرشت
آپ ہی اپنا مسیحا بھی ہے بیمار بھی ہے

اس کی فطرت وُہ سمندر ہے کہ جس میں پنہاں
موجِ اقبال بھی ہے ورطۂ ادبار بھی ہے

تنگ دستی میں کبھی دانۂ جَو کا محتاج
اور فراغت میں کبھی مالکِ خردار بھی ہے

بربریّت کا ہلاکت کا فرشتہ بھی ہے یہ
قصرِ ایوانِ تمدّن کا یہ معمار بھی ہے

ہے کبھی اہل تحکّم کا گُلِ گلچیں یہ
کبھی احرار کا طرّۂ دستار بھی ہے

کبھی طاعت سے گریزاں کبھی عصیاں سے نفور
مستحق خلد کا دوزخ کا سزاوار بھی ہے

کچلے جاتے کے لیے ہے یہ کہیں مورِ ضعیف
اور ہلاکت کے لیے بہ صفتِ مار بھی ہے

اپنے اعمالِ بَد و نیک کی پاداش میں یہ
بر سرِ دار کبھی اور کبھی سردار بھی ہے

ناز پر ہے کبھی آمادہ کبھی گرمِ نیاز
بے خبر اپنی خودی سے ہے خبردار بھی ہے

پوچھ بازارِ محبت میں نہ حالت اس کی
خود بھی بک جاتا ہے اَوروں کا خریدار بھی ہے

مَعبدِ امن میں کرتا ہے یہ سجدے پیہم
عرصۂ جنگ میں آمادہ پیکار بھی ہے

گلشنِ دہر میں ہے شان نرالی اس کی
گُلِ سرسبز بھی ہے اور صفتِ خار بھی ہے

کرتا ہے پیلِ دماں شیرِ ژیاں کو بس میں
پشہ و مگس کی ایذا سے یہ لاچار بھی ہے

غیر کے واسطے قربان بھی ہو جاتا ہے
گردنِ دوست پہ چلتی ہوئی تلوار بھی ہے

گاہے تقریر میں سحباں سے فصیح تر ہے یہ
اور خموشی میں کبھی صورتِ دیوار بھی ہے

الغرض فلسفۂ زیست ہے اس کا مبہم
یہ وہ زندہ ہے کہ مجبور بھی ہے مختار بھی ہے

ہر طرح کی قدرتیں اور پھر مجبور ہے
واہ کیا آزادیٔ انسانِ بے مقدور ہے

ندارد اختیار و گشتہ مامور ‖ زہے مسکیں کہ مختار است و مجبور

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ

الحمدُ لِلّٰہ

احیائے علوم دین کی طرف اہم قدم

ناشران قرآن لمیٹڈ

ناشران قرآن لمیٹڈ نے دینی علوم کی ترویج واشاعت کی طرف ایک اہم قدم اٹھایا ہے۔

قرآن کریم اور اس پر مبنی جملہ علوم ومعارف پر نئی اور پرانی مستند تصانیف کی اشاعت اس ادارہ کا بنیادی مقصد ہے۔ اس غرض کے لیے سب سے پہلے اس نے قرآن شریف کو بہترین کتابت وطباعت اور صحت کے بلند ترین معیار پر شائع کر کے کم سے کم ہدیہ پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ناشران قرآن لمیٹڈ کے شائع کردہ قرآن شریف اور حمائلیں نہایت دیدہ زیب ہیں۔ ان کی کتابت وقت کے ان مشہور خوشنویسوں کے قلم سے ہوئی ہے جنہوں نے فن خطاطی کے اساتذہ شہیر سے تربیت پائی اور خود اس فن میں اونچے مقام پر پہنچے۔

ناشران قرآن لمیٹڈ کے **سیپاروں** کے کاتب دارالعلوم دیوبند کے مسلمہ استاد خطاطی جناب مولوی اشتیاق احمد صاحب ہیں جن کے فیض تربیت سے ہزاروں مستفید ہوئے ہیں اس کے **چوب قلم قرآن کریم** کی کتابت انہی کے شاگرد جناب مولوی عبدالرزاق صاحب نے کی۔

اس طرح اس کے دیگر **معرا اور مترجم قرآن شریف اور حمائلوں کے کاتب** سید اشرف علی صاحب ہیں جن کا خانوادہ گذشتہ صدی کے گوناگوں خصوصیتوں والے مشہور کاتب قرآن ممتاز علی مرحوم ومغفور کے مقبول عام طرز کا پیرو ہے۔

ناشران قرآن لمیٹڈ کے شائع کردہ قرآن شریف جہاں خوشنویسی کا قابل قدر نمونہ ہیں۔ وہاں صحت کتابت کا بھی ان میں خصوصی اہتمام کیا گیا ہے اور مستند علماء، ماہر پروف ریڈروں اور کارگر مصححین نے مل کر ان کو اغلاط کتابت سے مبرا کر دیا ہے۔ اس کے باوجود ان کا ہدیہ بہت کم ہے۔

قرآن کریم کے علاوہ اس ادارے کی دیگر مطبوعات بھی اسی صحت وخوشنمائی سے شائع کی جا رہی ہیں، یہ مطبوعات تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے دینی علوم سے تعلق رکھنے والی ہیں۔

یہ ادارہ دینی علوم کی خدمت میں پیش پیش ہے اس کی مطبوعات ہر حلقے میں پسند کی جاتی ہیں۔

ناشران قرآن لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ لاہور

قرآن مجید اور حدیث شریف کے بعد

دورِ حاضر کی مقبول ترین دینی تصنیف

اصلی، مدلّل و مکمّل

بہشتی زیور

لڑکیوں کی صحیح اسلامی تربیت کے لئے بہترین کتاب ۔ دلہنوں کو جہیز میں قرآن شریف کے ہمراہ دینے کے لئے انتہائی پاکیزہ تحفہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کی مایۂ ناز ہر دلعزیز تصنیف "بہشتی زیور" ہے

دینی کتابیں شائع کرنے والے مشہور ادارے **ناشران قرآن لمیٹڈ**

نے یہ کتاب بہترین کتابت کے ساتھ خوش نما فوٹو بلاکوں پر طبع کرائی ہے۔ اس میں عمدہ کاغذ استعمال ہوا ہے اور اس کی جلد پائدار اور دیدہ زیب ہے

یاد رکھیے بہشتی زیور کا یہ ایڈیشن ظاہری وصوری خوبیوں کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اصلی مدلّل اور مکمل ہے اس طرح یہ کتاب بلغایت مستند بن گئی ہے

ناشران قرآن لمیٹڈ کا یہ اصلی، مدلّل و مکمل "بہشتی زیور"

اتنی خوبیوں کے باوجود انتہائی ارزاں بھی ہے۔ کتاب کے گیارہ حصے ہیں جو یکجا مجلد بھی ملتے ہیں اور الگ الگ بھی دستیاب ہو سکتے ہیں

قیمت مجلد مکمل سفید کاغذ

" " نیوز کاغذ

ناشران قرآن لمیٹڈ، اردو بازار۔ لاہور

(منظور پریس لاہور)